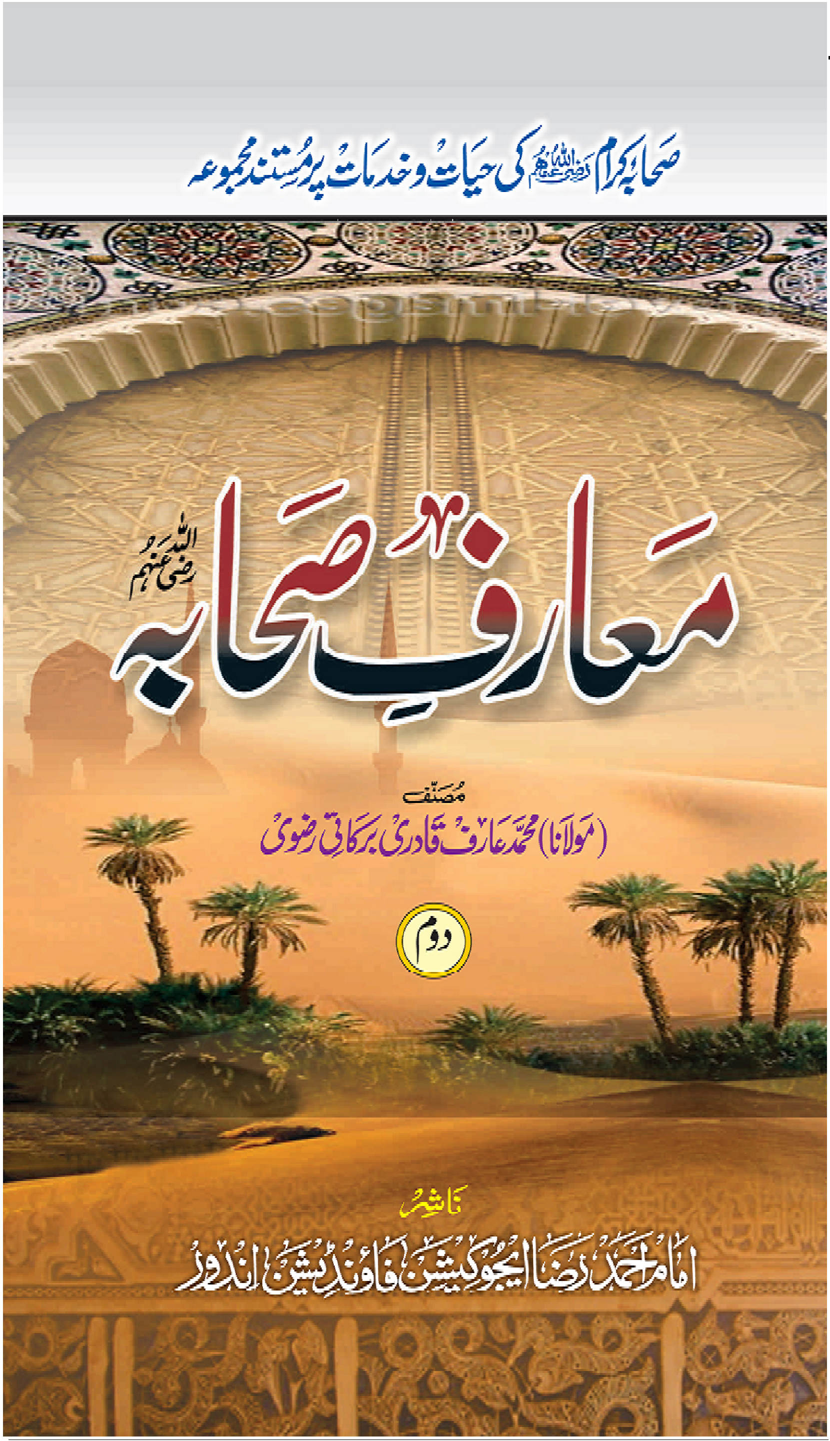

https://alislami.net

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلٰی اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ

صحابۂ کرام کی حیات و خدمات پر مستند مجموعہ

معارف صحابہ رضی اللہ عنہم

جلد دوم

(مولانا) محمد عارف قادری برکاتی رضوی

استاذ الجامعۃ الغوثیہ، غریب نواز، کھجرانہ

خطیب و امام، امام احمد رضا مسجد، شری نگر، اندور (ایم پی)

ناشر

امام احمد رضا، ایجوکیشن فاؤنڈیشن

شری نگر، اندور (ایم پی)

https://alislami.net

کتاب : **معارف صحابہ** (جلد دوم)

مصنف : (مولانا) **محمد عارف** قادری برکاتی رضوی

نظر ثانی : ★ حضرت مولانا **مفتی رضی الدین احمد** صاحب قبلہ فیضی

بانی ومہتمم جامعہ اہلسنّت فاطمہ کلیۃ البنات، سرسیا، سدھارتھ نگر، یوپی

★ حضرت **مفتی عبد القیوم** صاحب قبلہ مصباحی

★ حضرت **مفتی محمد شمس الدین** صاحب قبلہ مصباحی

★ حضرت مفتی **محمد فیض** صاحب قبلہ مصباحی

تصحیح : حضرت مولانا **انظار احمد** صاحب امجدی، مولانا **محمد سلمان** صاحب ازہری،

مولانا **محمد رمضان** صاحب قادری

حسب فرمائش: حضرت مولانا **عبد الجلیل** صاحب قبلہ نظامی، حافظ **اسلام** صاحب نوری

کمپوزنگ : حضرت مولانا **قاری بدر الدین احمد** مصباحی صاحب،

حافظ محمد **عمر فاروق** صاحب قادری، حافظ محمد عمران صاحب

پروف ریڈنگ : طلبۂ جامعہ غوثیہ غریب نواز، کھجرانہ، اندور

ناشر : **امام احمد رضا، ایجوکیشن فاؤنڈیشن**، اندور (ایم پی)

باراوّل : جمادی الاخریٰ ۱۴۴۴ھ مطابق جنوری ۲۰۲۳ء

تعداد : گیارہ سو (۱۱۰۰)

صفحات : 720

قیمت :

:تقسیم کار:

- **خواجہ بک ڈپو**، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی ۱۱۰۰۰۶
- مجلس برکات، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی ۱۱۰۰۰۶
- جامعہ اہلسنّت فاطمہ کلیۃ البنات، سرسیا، سدھارتھ نگر، یوپی

https://alislami.net

کلماتِ دُعا

وارثِ علوم اعلیٰ حضرت، قاضی القضاۃ فی الہند، تاج الشریعہ

حضرت علامہ **مفتی محمد اختر رضا خاں** صاحب قبلہ قادری ازہری دامت برکاتہم القدسیہ بریلی شریف

Hazrat Allama Maulana Mufti
Mohammed
Akhtar Raza Khan Qadri Azhari
President: All India Sunni Jamiatul Ulema
Head Mufti: Central Darul Ifta - Bareilly.
82, Raza Nagar, Saudagran, Bareilly Sharif
U.P. 243003, (INDIA) - Tel: 0581- 2472166, 2458543

Ref. No. ______ Date ______

مجھے معلوم ہوا کہ عزیز القدر مولانا محمد عارف قادری رضوی صاحب
استاذ جامعہ ... غریب نواز ...
نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات پر ایک کتاب بنام معارف صحابہ لکھی
مولیٰ تعالیٰ قبول فرمائے ۔ جزائے ... مولانا موصوف کو مزید خدمت دین کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

فقط ...
محمد اختر رضا قادری ازہری

نوٹ: حضرت تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کے دُعائیہ کلمات جلد اوّل سے منقول ہیں۔

https://alislami.net

اجمالی فہرست

۱	مکی مدنی مؤاخات	37
۲	حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ	54
۳	حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ	98
۴	حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ	168
۵	حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	225
۶	حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	291
۷	حضرت بلال بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	337
۸	حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	416
۹	حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	523
۱۰	حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	604
۱۱	حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ	691

https://alislami.net

فہرست مضامین

انتساب	23
ارمغانِ خلوص	24
تحفۂ ثواب	26
عرض حال	27
اپنی باتیں	30
مکی مدنی مؤاخات	
مؤاخات مکہ	38
مؤاخات مدینہ	38
مواخات کتنے صحابہ کے درمیان قائم ہوئی	39
سب سے الگ	39
مؤاخات مدینہ کا وقت اور مقام	40
مؤاخات مکہ کے مقاصد	41
مؤاخات مدینہ کے مقاصد	42
تنبیہ	43
وضاحت	49
اعتراض	51
دوسرا اعتراض	51
جواب	51
مؤاخات مکہ کا انکار	52
بدر کے بعد مؤاخات	53

حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ	
اجمالی تعارف	54
نام ونسب	54
حلیہ ومزاج	55
حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مصاحبت	55
قریش کی گھبراہٹ	56
آپ کا قبول اسلام	59
آپ کب ایمان لائے	62
کعبہ میں دعائے حمزہ	64
بحیثیت مسلمان	64
ہجرت ومؤاخات	66
غزوات میں شرکت	67
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا غزوہ	67
غزوہ ذی العشیر ہ	68
بدر میں شجاعت	68
علامتی نشان	70
کفار کا غم	70
حضرت حمزہ کفار کے نشانے پر	71
قتل کا سودا	71
احد میں شجاعت	73

شہادت جنگ کے کس مرحلے میں ہوئی	73
بیان شہادت	74
کان، ناک اور کلیجے کا حال	76
بارگاہ رسالت میں وحشی کی حاضری	76
میرے سامنے نہ آنا	77
وحشی نے مسیلمہ کذاب کو قتل کیا	77
فائدہ	78
وحشی کو سامنے آنے سے کیوں منع کیا	78
ہند کے اشعار	79
نعش کی تلاش	79
حضرت صفیہ خواہر سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہما	81
کفن کے لیے ایک چادر	82
غم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	82
شہادت اساس عدالت	84
حمزہ غسیل الملائکہ	85
تکفین ونماز جنازہ	85
حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر	85
عمر وتاریخ شہادت	86
جنگ احد کی تاریخ	86
دیدار جبرئیل	86
کوئی رونے والی نہیں	87
عادات واطوار	87
قرآن میں حمزہ	88
احادیث میں حمزہ	89
مسلمانوں کا غم	90
ازواج واولاد	91
قبر کے اندر تر وتازہ	93
شہدا، سلام کا جواب دیتے ہیں	94
قبر کے اندر سے سلام کا جواب	94
اپنے بیٹے کا نام میرے نام پر حمزہ رکھنا	94
تبصرہ	95
قبر سے آواز آئی ہم تمہیں پہچانتے ہیں	96
حضرت حمزہ نے سلام کا جواب دیا	96
حضور اور صحابہ حضرت حمزہ کی قبر پر جاتے	96
حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ	
اجمالی تعارف	98
نام ونسب	`98
کنیت	99
پیدائش	99
بچپن میں گم ہونا	99
حلیہ	99
حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پسند	99
حضرت حمزہ وحضرت عباس کی ذمہ داریاں	100
ایمان لانے سے پہلے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ساتھ دینا	101
بیعت عقبۂ اولیٰ	101
بیعت عقبۂ ثانیہ اور حضرت مصعب بن عمیر کی مدینہ روانگی	102

https://alislami.net

حضرت عباس کی گفتگو	103
اسلام میں داخلہ	104
حضرت عباس کے اسلام سے حضور کی خوشی	106
حضرت عباس مسلمانوں کے مددگار	106
حضرت عباس بدر میں کیوں شریک ہوئے	107
حضرت عباس کو ابوجہل کا طعنہ	107
بدر میں شرکت	110
کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رشتہ داری نبھائی	111
ابوالبختری کا قتل	111
کیا میرے چچا کا چہرہ تلوار کے لائق ہے	112
حضرت ابوحذیفہ کے جذبۂ ایمان کی آزمائش	113
حضرت عباس گرفتار	117
میں تو مسلمان تھا	118
پیغمبر تو رکھتا ہے دلوں کی بھی خبرداری	118
عباس کا فدیہ	119
اسلام کی فتح مندی پر حضرت عباس کی خوشی	120
ہجرت	122
غزوات میں شرکت	123
غزوۂ حنین اور حضرت عباس	124
غزوۂ طائف اور حضرت عباس	127
حرم کی سقایت وعمارت	128
زمزم حضرت عباس کے حوالے	128
حضرت عباس کا حضور کو پانی پلانا	130
منیٰ کی راتیں مکہ میں	130
چچا کی خاطر دلی خواہش کو ترک کیا	131
تکریم پر تواضع کو اختیار کیا	131
حضور کے بچپن پر عباس کی شفقت	132
حضرت عباس کی تکلیف سے حضور بے قرار	134
فدیہ معاف کرنے کی ادھوری خواہش	135
فدیہ معاف کیوں نہیں کیا	136
حضرت عباس وسیلہ مقبولہ	136
حرمین کے ساقی کے بوسے	138
شان عباس بزبان حسان	138
تنبیہ	142
جتنا اٹھا سکو لے لو	142
حضرت عباس قرآن میں	144
مناقب حضرت عباس	146
حضرت عباس کی مرویات	147
حضرت عباس کی تعظیم حضور فرماتے	148
جنت میں عباس منزل	148
حضرت عباس کو عامل زکوٰۃ نہیں بنایا	149
حضرت عباس سے حضرت ابوبکر کی محبت	149
حضرت عباس سے حضرت عمر کی محبت	150
تعظیم حضرت عباس اور حضرت عثمان	150
تعظیم حضرت عباس اور حضرت علی	151
خلفا گھوڑے سے اتر جاتے	152
خصوصی اعمال کی ترغیب	152
مسلمانوں پر شفقت اور کفار کی نظر میں آپ کی حرمت	153

https://alislami.net

حضرت عباس نے امت کو آسانی دلائی	154
حضرت عباس کی فراست	155
بیٹے کو نصیحت	157
حضور کی بشارت	157
حضرت عباس کا پرنالا اور حضور کی نسبت	158
حضرت عباس کا گھر حضرت عمر اور مسجد نبوی	159
بیٹے کی نظر میں باپ	160
قمیص کے بدلے قمیص	162
آپ کا غلام آزاد فرمانا	162
صحابہ نے حضرت عباس کی تعزیت کی	162
حضرت عباس اور ادب رسالت	162
ازواج واولاد	164
وفات	165
تجہیز وتدفین	166
جنازے میں اژدحام	166
حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ	
اجمالی تعارف	168
نام ونسب	169
کنیت ولقب	169
مؤاخات	169
حلیہ	169
حضرت جعفر چچا حضرت عباس کی پرورش میں	170
حضرت جعفر کا اسلام لانا	171
حضرت جعفر کی اہلیہ ایمان لے آئیں	173
دور آزمائش	173
ظلم سے بچاؤ کی تدبیر	174
ہجرت	174
وقت ہجرت رخصت کیا اور دعا سکھائی	175
حبشہ کی طرف مسلمانوں کی ہجرت	175
حبشہ بہترین پناہ گاہ	176
قریش کی مکاری اور حضرت جعفر کی حاضر جوابی	176
احسان کا بدلہ احسان	184
جعفر کے ہاتھ پر نجاشی کا ایمان	185
نجاشی نے حضور کا نکاح ام حبیبہ سے کیا	186
نجاشی نے حضور کے نکاح کا خطبہ پڑھا	186
حضور کے خطوط کو نجاشی نے محفوظ کر دیا	187
حضور نے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی	187
ایک شبہ کا جواب	189
حضرت جعفر کی حبشہ سے روانگی	190
حضرت جعفر کی مدینہ آمد پر حضور کی خوشی	191
حضور کی زیارت پر جعفر کا انداز	192
ہر مسلمان کو جعفر کے آنے کی خوشی	192
حضور نے جعفر کو خیبر کی غنیمت سے حصہ دیا	193
حضور نے جعفر کو گھر دیا	193
حضور نے جعفر کو اپنے نکاح کا وکیل بنایا	194
حضور، حمزہ، عباس، جعفر آپس میں ہم زلف	194
حضور کا فیصلہ جعفر کے حق میں	194
فائدہ	195

حضرت جعفر حضور کے گرد جھومنے لگے	195
حضور نے جعفر کے پاس جبہ بھیجا	196
جعفر کے جذبات	196
حضرت جعفر کی بہادری اور حق گوئی	197
روایت حدیث	198
جعفر کی اہلیہ	198
حضرت اسماء کا فیصلہ	199
جعفر کی اہلیہ حضرت عمر پر ناراض ہوئیں	199
غزوات میں شرکت	202
جنگ موتہ	202
جنگ موتہ کا سبب، موتہ میں جنگ کا حال	202
جنگ موتہ میں دشمن کی تعداد اور نتیجہ جنگ	204
حضرت جعفر کی تربیت	205
حضور کے فرمان پر یہودی کا تبصرہ	206
جنگ میں حضرت جعفر کی جاں بازی وشہادت	206
نوے سے زیادہ زخم سینے پر کھائے	208
اسلام میں سب سے پہلے حضرت جعفر نے گھوڑے کی کونچیں کاٹیں	208
شیطان کا حملہ اور حضرت جعفر کی ثابت قدمی	209
حضور ﷺ کا علم غیب اور صحابہ کی قوت ایمانی	210
حضور نے مسجد نبوی میں بیٹھ کر جنگ کی خبر دی	210
اگر تم چاہو تو میں تمہیں خبر دوں	212
زمین موتہ حضور کے سامنے	212
جنت میں جاتے دیکھا	212
جنت میں ملائکہ کے ساتھ مصروف پرواز	213
حضرت جعفر کے پروں کی کیفیت	213
آل جعفر کی تعزیت وغم خواری	214
حضور نے اسماء کا سوگ کم کردیا	216
حضرت جعفر کی اولاد پر حضور کی شفقت	217
فضائل ومناقب	218
سب سے افضل	219
صحابہ جعفر کی اولاد کا احترام کرتے	219
بدر وخیبر سے حصہ	220
استقبال کیا گلے لگایا آنکھوں کو چوما	220
حضور سے مشابہت	220
حضرت جعفر نے بعد شہادت جبرائیل و میکائیل کے ساتھ حضور کو سلام کیا	220
ازواج واولاد	222
وفات	223
حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	
اجمالی تعارف	225
نام ونسب	226
والدہ کا نام	227
کنیت	227
لقب	227
حلیہ	227
مؤاخات	227
زید ننہال میں	228

زید دشمن کی قید میں	229	ابوالعاص کا ایمان	250
زید بازار عکاظ میں	229	سریۂ طرف	251
فائدہ	230	سریۂ حسمیٰ	251
زید کاشانۂ خدیجہ میں	230	سریۂ ام قرفہ	253
زید کاشانۂ نبوت میں	231	سریۂ بنوسلیم	254
غلامی یا سرداری	231	زید بن محمد سے زید بن حارثہ	254
ماں باپ کا حال	232	حضرت زید حضور کے محبوب نظر	255
ہم وطنوں کی زید سے ملاقات	234	حضور اور صحابہ کی محبت حضرت زید کی نسل سے	257
والدین کے لیے مژدۂ جاں فزا	235		
حارثہ بامید کرم پابہ رکاب	236	حضور کی ایک زانوں پر امام حسن دوسرے پر اسامہ	258
مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی	238		
زید بن حارثہ سے زید بن محمد	239	بیٹے سے زیادہ وظیفہ اسامہ کا	258
جس پر چاہے فضل فرمائے	240	پوتے کو دیکھ کر گردن جھکالی	259
دامن اسلام میں	241	زید کی پوتی اور عمر بن عبدالعزیز	259
اسلام میں آپ کا نمبر	241	حضور اپنے ہتھیار زید کو عطا فرماتے	260
مصائب وآلام	242	کمال قرب	260
طائف میں حضور کے ساتھ	244	فضائل	260
حضرت زید کی جان حضور پر قربان	245	زید امیر بنانے کے لائق ہیں	261
ہجرت	248	زید میرے بھائی ہیں	262
غزوات میں شرکت	249	زید اللہ اور اس کے رسول کے انعام یافتہ ہیں	262
فوجی مہمات میں زید کی سرداری	249	حضور کا انعام دینا، غنی فرمانا اور تقسیم فرمانا	263
زید کے غزوات کی تفصیل	249	قرآن میں نام زید کی خصوصیت	263
سریۂ قردہ	250	فرشتے حضرت زید کا نام لیتے ہیں	264
سریۂ عیص	250	زید کا نام قرآن میں کیوں ذکر ہوا	264

قرآن میں زید کے لیے جنت کی بشارت	265
حضرت علی وجعفر کا حضور کی محبت کے بارے میں سوال	265
حضور کے اہل بیت کو مکہ سے لانے کی ذمہ داری	266
حضور کی بارگاہ میں زید کا سیاسی قد وتدبر	268
بڑے زید ہیں پیدائش میری پہلے	269
میرے بھائی کا فیصلہ میرے فیصلے سے بہتر تھا	269
زید کے والد اور بھائی صحابی تھے	270
زید کا انفاق فی سبیل اللہ	270
گھوڑا بیٹے کا ہوا صدقہ باپ کا	271
نماز کی برکت اور دعا کی قبولیت	271
حضور کی ملاقات زید کی حور سے	273
شرف اہل بیت	274
ازواج واولاد	274
پہلی زوجہ	274
حضور ام ایمن کی ملاقات کو تشریف لے جاتے	275
اسامہ بن زید	276
دوسری زوجہ	277
حضور نے زید کا نکاح اپنی پھوپھی زاد بہن سے کرادیا	278
زید کے پیغام نکاح پر آیت کا نزول	278
زینب کی طلاق اور ام المؤمنین بننے کی تفصیلات	279
حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مختصر سوانح	282
تیسری زوجہ	284
چوتھی زوجہ	284
پانچویں زوجہ	284
بدر کی فتح کی بشارت اور زید	284
جنگ موتہ اور حضرت زید	286
موتہ میں حضرت زید امیر لشکر	286
جنگ موتہ میں دشمن کی تعداد	287
حضرت زید کا جہاد اور حضور کا بیان	287
جنگ موتہ کے میدان میں شیطان کو زید کی للکار	288
شہادت، استغفار اور زید کا دوڑتے ہوئے جنت میں داخل ہونا	288
تاریخ شہادت اور عمر	289
زید کی شہادت پر حضور کا غم	289
یہ محبوب کا محبوب کے لیے اشتیاق ہے	289

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ

اجمالی تعارف	291
نام ونسب	292
کنیت ولقب	292
پیدائش	293

قبلِ اسلام	293
اسلام میں داخلہ	293
پوشیدہ ملاقات	296
ماں کا خوف	297
راز راز نہ رہا	297
ماں کی حالت	298
حضرت مصعب کی آزمائش	298
حبشہ کی طرف ہجرت	299
مصعب کی حبشہ سے واپسی	300
مصعب بن عمیر کی حالت	301
حضور سے اہل مدینہ کی طلب	303
حضرت مصعب بن عمیر کی مدینہ روانگی	303
مدینہ منورہ میں سب سے پہلے کون	304
مصعب کی قیام گاہ	305
اہل مدینہ کے امام	306
مدینہ منورہ کا پہلا جمعہ	306
بعض روایات میں اسعد بن زرارہ کا نام	307
خلجان کا حل	308
دعوت کی کامیابی کا راز	308
مدینہ میں تبلیغی سرگرمیاں	309
اسید بن حضیر دامن اسلام میں	310
سعد بن معاذ دامن اسلام میں	311
پورا قبیلہ دامن اسلام میں	313
قیام گاہ منتقل	313
اہل مدینہ کو جاں نثار بنادیا	314
مصعب بارگاہ حضور میں	315
ماں نہیں حضور اول ہیں	315
ماں کے غلط ارادے پر مصعب کا جواب	316
ماں کو دعوت اسلام اور ماں کا انکار	317
ایمان کی مضبوطی اور کفر کی سختی	317
حضرت مصعب کی ہجرت	318
مؤاخات	318
غزوات میں شرکت	319
ایک اونٹ پر تین سوار	319
بدر میں علم بردار	319
مشرک سے تعلقات منقطع	320
سگے کافر بھائی پر سختی	322
ابوعزیز مومن یا کافر	323
حضرت مصعب کا خاندان میدان احد میں	323
حضرت مصعب میدان احد میں اسلام کے علم بردار	324
علم اسلام کی حفاظت اور شوق جہاد	325
شہادت	325
حضور سمجھ کر قتل کیا	326
مصعب کی جان حضور پر قربان	326
مصعب کے بعد علم کس کے ہاتھ میں	328
عرب کے چاند مصعب کے سرہانے آئے ہیں	328

عاشق کا منہ چھپانا	329
شہداء، سلام کا جواب دیتے ہیں	329
تم سے حسین کوئی نہ تھا	329
دنیا سے کچھ حاصل نہیں کیا	330
تجہیز و تکفین	331
نماز جنازہ	331
تدفین	332
تاریخ شہادت	332
نزول قرآن	332
فضائل	333
اصحاب رسول کی نظر میں	334
ازواج واولاد	335
حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ	
اجمالی تعارف	337
نام ونسب	338
اعزازات والقابات	338
پیدائش	339
جائے پیدائش	339
جائے ولادت میں اختلاف	339
رفع ابہام	341
مسکن	342
قبیلہ اور والدین	343
والدین	344
حلیہ	345
بھائی بہن	346
مؤاخات	346
اسلام لانا	346
آپ کب اسلام لائے	349
ظلم کا سلسلہ لامتناہی	351
حضرت بلال کو دی جانے والی سزائیں	352
آپ کس کے غلام تھے	354
ابوبکر کا شوق اور سودے کی عظمت	356
ابوبکر نے خرید کر آزاد کر دیا	357
ہجرت	358
مدینہ میں قیام گاہ	359
حضرت بلال کا صحابہ کو نماز کے لیے بلانا	362
بلند نصیبہ	363
اذان مسلمان کی پہچان	364
اسلام کی پہلی اذان	365
بلال اسلام کے پہلے مؤذن	366
بلال در رسول پر کھڑے ہو کر یا رسول اللہ کہتے	367
جھوٹی روایات	367
حضرت بلال فصیح ترین لوگوں میں ہیں	368
حضرت بلال کے فصیح ہونے کے دلائل	368
حدیث میں موجود لفظ اندی کی لغوی تحقیق	369
سیدنا بلال رضی اللہ عنہ فصیح اللسان تھے	370
غزوات میں شرکت	372

حضرت بلال نے امیہ سے اپنا بدلہ لے لیا	372
حضور کی خدمت ومعیت	375
حضرت بلال حضور کے نیزہ بردار	375
بلال اور صحابہ پر نیند کا غلبہ	376
نماز صبح کا قضا ہونا	376
نماز کے قضا ہونے میں حکمت	378
فتح مکہ دخول کعبہ اور حضرت بلال	378
فتح مکہ اور اذان بلال	381
اذان بلال	383
حضرت بلال کے علاوہ حضور کے مؤذن	384
حضور کا وصال اور اذان بلال	384
بلال اور قبر رسول	385
حضور کے بعد حضرت بلال نے اذان پڑھی؟	385
اذان کی روایات میں اختلاف اور تطبیق کی صورت	387
ایک مدت کے بعد مدینہ طیبہ میں اذان بلال	389
فتح بیت المقدس اور اذان بلال	390
میدان محشر میں اذان	391
حضرت بلال کو جنت کا حلہ پہنایا جائے گا	392
حضور کی قربت وعنایات	392
سرکار مدینہ کے خازن	392
غسالہ عطا فرمایا	393
خاص مواقع پر حضور کے ساتھ	394
حضور کے لیے عمدہ کھجوریں لائے	395
حضور کے لیے سایہ کرتے	395
جذبۂ جاں نثاری	395
عاجزی وانکساری	396
مبالغہ آرائی سے مکمل پرہیز	397
روایت حدیث	398
آپ کی مرویات کی تعداد	398
اذان سے پہلے درود پڑھنے کی دلیل	399
عشق مصطفیٰ نے مدینہ چھڑا دیا	400
حضرت ابوذر غفاری کا حضرت بلال سے معافی طلب کرنا	401
تربیت صحابہ	402
ابوذر اور ایسا کلام	403
حضرت بلال نے معاف کردیا	403
حضور کی گواہی بلال سچے ہیں	403
حضرت بلال کا زوجہ کے ساتھ حسن سلوک	404
حضرت بلال کی عرض پر معجزے کا ظہور	405
فضائل ومناقب	405
قرآن کریم اور حضرت بلال	405
احادیث میں بلال	407
حدیث کے بعض لطائف	408
معمولات اہلسنت کی دلیل	409
فضائل کا اختصار	410
شوق وصال اور عشق رسول	410
وفات	411

https://alislami.net

وقت وفات عمر شریف	412
مزار مبارک	412
ازواج	413
اولاد	414
بخت آور بلال	414
حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	
اجمالی تعارف	416
نام ونسب	418
ماں کا نام	419
کنیت	419
حلیہ	420
مؤاخات	420
صراط مستقیم کی تلاش	421
جلاوطنی	421
ماموں کے یہاں سے روانگی	422
مکہ کی طرف رخ کرنا	423
دربار نبوی تک باریابی کے اسباب	423
گوہر مراد قریب ہوا	426
اسلام میں داخلہ	427
خانۂ کعبہ میں پہلی صدائے حق	430
سب سے پہلے اسلامی سلام	431
اسلام میں آپ کا نمبر	431
مبلغ مصطفیٰ بن کر مکہ سے رخصت	432
تبلیغ اسلام اور اس کا اثر	432

قبیلہ اسلم میں چراغ حق کی روشنی	433
دو قبیلے بارگاہ رسالت میں	434
مدینہ کب حاضر ہوئے اور کب تک رہے	435
بعثت سے پہلے خدا کی عبادت	436
غزوات میں شرکت	436
حنین میں غفار کا جھنڈا	437
جنگ تبوک اور حضرت ابوذر غفاری	437
حضور کی نیابت	439
غزوۂ غابہ اور ابوذر	440
فتح بیت المقدس	441
علم وفضل	441
اصحاب رسول کے مفتی	442
مرویات کی تعداد	442
تربیت مصطفیٰ	443
نصیحتیں جس نے دنیا بدل دی	445
قوت لایموت پر گزارا	446
تارک الدنیا ابوذر	446
آگ کا انگارہ	448
اچھے مکانات سے بیزاری	448
حساب کا ڈر	449
ہر مال میں تین حصے دار ہیں	449
علوم میں برتری اور خوف خدا	449
فکر آخرت	450
کعبہ میں خطابت ونصیحت	451

https://alislami.net

ایک آیت کا وظیفہ	451	تربیت صحابہ	478
ابوذر کے سوالات رحمت عالم کے جوابات	452	ابوذر اور ایسا کلام	479
انسان بھی شیطان ہوتا ہے	456	محبوب کی ڈانٹ محبوب اور تلخی فخر تھی:	480
جذبۂ ایثار	456	شرف ردافت اور تلقین صبر	481
شرف خدمت اور غیب کی خبر	457	کریمانہ نوازشات	482
محرم راز ابوذر	458	سادگی	483
ذکر محبوب کی حلاوت	459	عاجزی	483
اگر محبوب کے عمل کی طرح عمل نہ ہو	460	حق گوئی	484
عنایات محبوبانہ	461	حق گوئی پر حضرت علی کی گواہی	485
ذوق عبادت اور امت کے لیے بشارت	462	عہدے داروں سے دوری	485
دوران سفر سواری پر نماز	465	مہمانوں اور ہمسایوں کا خیال	486
انتہائے شوق پر برہم مزاجی	466	خود بھوکے رہ جاتے لیکن مہمانوں اور پڑوسیوں کو کھلاتے	486
خودنمائی اور بڑائی سے دور رکھنے والا خطاب	467	سب سے محبوب اور سب سے مبغوض	487
امت کے سب سے بڑے زاہد	470	بیوی کے ساتھ بردباری	487
رہبانیت سے پاک زہد	471	روزہ اور کھانا دونوں ساتھ ساتھ	488
ابوذر کے زہد کی نمایاں خوبیاں	472	حضرت ابوذر کی کل کائنات	489
کیفیت مجذوبانہ	473	گلے پر چھری ہو تب بھی حدیث بیان کروں گا	489
حضرت ابوذر کا وظیفہ	473	شرعی مسائل میں اختلاف	490
امت میں سب سے سچے	474	حضرت ابوذر غفاری کا منفرد فقہی مذہب	491
امارت طلب فرمانا	476	حضرت ابوذر کا مذہب جمہور صحابہ کے خلاف تھا	491
حضور کے ہر فرمان پر عمل کر کے دکھایا	477	حضرت ابوذر کا حضرت معاویہ سے اختلاف	492
آقا اور غلام دونوں کا لباس ایک	477		
ابوذر غفاری کا بلال سے معافی طلب کرنا	478		

اختلاف کی تفصیل	492
صحابہ کے ذریعے کنز کا مسئلہ حل کرنے کی کوشش	494
حضرت معاویہ نے امتحان لیا	495
مال سے متعلق حدیث سختی کے ساتھ سناتے	496
حضرت ابوذر کے نظریہ سے سوشلزم پر استدلال	496
کعب احبار کو لاٹھی ماردی	499
حضرت ابوذر کا مارنا حالت جذب میں تھا	500
لوگ ابوذر پر ناراض نہیں ہوتے تھے	01
کیا آپ کو ربذہ میں رہنے کے لیے مجبور کیا گیا تھا	501
تنبیہ	503
اطاعت شعار ابوذر	503
بھڑکانے کی کوشش	504
حاکم کی اطاعت کی ایک اور مثال	505
جذبات کا عالم یہ خیالات کا عالم	506
جو منہ سے کہہ دیا بے شک وہ بات ہو کے رہی	509
وقت وصال بیوی کو تسلی دی	509
وقت وصال مہمانوں کا خیال	512
ابوذر قبلہ رو اور خیمہ معطر	512
تجہیز وتکفین	513
ابن مسعود نماز جنازہ کے امام	513
بیٹی نے کھانا کھلایا	515
کون ہے جو مجھ سے اسی حالت میں ملے	515
ربذہ کی تنہائی میں ابن مسعود کی آمد	516
سنہ وفات	517
حضرت ابوذر غفاری کا ترکہ	517
فضائل کا اختصار، علم فنا اور بقاء کے موجد	518
ازواج واولاد	519
اولاد کے انتقال پر اللہ کی حمد	519
دوسری شادی سے انکار	519
بیوی کی ایک نہ مانی	519
ساز وسامان آخرت کے گھر بھیج دیا	520
برے ساتھی سے تنہائی بہتر	520
بے مثال ابوذر	521
ابوذر کے اہل وعیال کی حضرت عثمان نے کفالت کی	521
کھجور پر پانی پی کر تمہاری طرح جیتا ہوں	521
حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ	
اجمالی تعارف	523
نام ونسب	524
والدہ کا نام	524
کنیت	524
مؤاخات	525
حضرت ابوایوب کا خاندان	525
خاندان مصطفیٰ سے قدیم مراسم	526
حضور کے والد بنونجار کے مہمان بنے	528

حضور بچپن میں اپنی والدہ کے ساتھ بنو نجار کے مہمان بنے:	529
حضور نے ابوایوب کے خاندان کو سب سے بہتر بتایا	531
خاندان ابوایوب کا ایک اور شرف	532
مدینے میں صبح نور اور ابوایوب کا اسلام میں داخلہ	532
بیعت عقبۂ اولیٰ:	533
بیعت عقبۂ ثانیہ	533
حضور کی ہجرت اور ابوایوب کی قسمت	534
سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبا میں تشریف آوری	535
مسجد قبا کی تعمیر	538
قباء میں مدت قیام	539
قبا سے روانگی	540
انتخاب دار ابی ایوب انصاری کی وجہ	548
تنبیہ	551
حضور اپنے ہی مکان میں ٹھہرے	551
ادب رسول میں میاں بیوی کا اضطراب	552
حضور کے آرام کے لیے ٹھنڈی رات برداشت	554
حضرت ابوایوب انصاری کے بعد وہ مکان جہاں حضور ٹھہرے	555
حصول برکت کے لیے وہیں سے کھاتے جہاں سے حضور نے کھایا ہوتا	556

حضور کی انگلیوں کے نشان کی تلاش کیوں	557
نجدی حکومت کی رسول دشمنی	558
بزرگوں کے آثار سے تبرک حاصل کرنا	559
پسند اور ناپسند کا معیار	559
جو آپ کو ناپسند ہے وہ مجھے بھی ناپسند	560
جو حضور کو پسند ہے وہ مجھے بھی پسند ہے	561
اس وقت تک کھانا نہیں کھاتے جب تک حضور نہ کھالیتے	561
ابوایوب کے گھر قیام کی مدت	562
غزوات میں شرکت	562
جنگ خیبر اور ابوایوب انصاری	564
ابوایوب انصاری کی پاسبانی اور حضور کی خوشی	565
حجۃ الوداع میں حضور کے ساتھ	565
زمانہ اختلاف میں حضرت علی کے ساتھ	567
صلح کے بعد حضرت امیر معاویہ کے ساتھ	567
فتح مصر اور خوارج کے خلاف جنگ میں شرکت	567
حضرت ابوایوب کا شوق جہاد	567
مسجد نبوی کے امام	568
مدینہ کے گورنر	568
زمانہ علی اور وظیفہ میں زیادتی	569
حضور ابوایوب کے گھر کو اپنا گھر سمجھتے تھے	569
بھوک کی شدت میں مسجد نبوی سے ابو ایوب کے گھر	569
حضور کے ساتھ ابوبکر وعمر	570

https://alislami.net

حضور نے تحفہ دیا	572
وصیت پر عمل کرنے کے لیے باندی آزاد کردی	573
حضرت ابن عباس نے اپنا گھر نذر کردیا	573
حضرت ابوایوب کی ام المؤمنین سے عقیدت	574
حق گوئی وبے باکی	575
حاکم وقت کے سامنے حق گوئی	576
حاکم مدینہ کو کھرا جواب	577
امیر لشکر کے سامنے حق بیانی	577
ایسے تو جانوروں کو بھی نہیں مارتے	578
حسن اخلاق کی ایک مثال	579
حکم رسول پر شدت سے عمل	580
ناراض ہوئے کھانا نہ کھایا	581
علمی مقام	582
پہلی شہادت	582
دوسری شہادت	583
دیگر صحابہ کے ہوتے ہوئے آپ سے مسئلہ پوچھا جاتا	584
سماعت حدیث کا شوق	585
روایت حدیث	586
وقت وصال اشاعت حدیث کا خیال	586
حدیث کیوں چھپالی	587
حضور کی دعا ابوایوب کے لیے	588
ابوایوب نے انداز دعا سکھایا	588
''اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو'' کا مطلب	589
ازواج	589
اولاد	590
روح اطہر کے لیے آیا ہوں پتھر کے پاس نہیں	591
ہمیں حضرت ابوایوب مبارک اور وبابیہ کو مروان	592
معرکہ قسطنطنیہ اور مرض وصال	592
وصال	593
فصیل قسطنطنیہ کے پاس دفن کی خواہش	594
نماز جنازہ اور تدفین	594
وفات کا سال	595
وصال سے پہلے حدیث سنائی	595
رومیوں نے آپ کی قبر کی حفاظت کی	595
رومیوں نے آپ کا مزار بنایا	596
بارگاہ رب میں حضرت ابوایوب کا وسیلہ	597
مزار زمین میں مستور	598
مزار کی بازیافت	599
مزار کی موجودہ حالت	601
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	
اجمالی تعارف	604
نام ونسب	605
آپ کی ماں کا نام	605

کنیت	605	حضرت عثمان اور حضرت معاویہ	623
پیدائش	605	حضرت معاویہ خلیفۃ المسلمین	624
حلیہ	605	تنبیہات	627
خاندانی وجاہت	605	انتباہ	627
قبل اسلام	606	حدیث بخاری اور امیر معاویہ	631
قبول اسلام	606	دوسرا جواب	633
ایک اعتراض	607	حضرت علی کے امیر معاویہ کے متعلق	
جواب	607	دعائیہ کلمات واحادیث	634
مفتی احمد یار خان علیہ الرحمہ کی تحقیق	608	حضرت علی کے قصاصِ عثمان نہ لینے کی وجوہ	637
مؤاخات	609	حضرت معاویہ کے باغی نہ ہونے پر	
ہوازن کا مال غنیمت	609	مزید دلائل	637
امیر معاویہ کاتب وحی	610	بحری فوج کی اجازت نہیں ملی	640
کتابت وحی میں امیر معاویہ کا خاص مقام	613	حضرت عثمان نے اجازت دی	641
امیر معاویہ کو حضور کی دعا	613	حضرت معاویہ کی عظیم فضیلت	642
امارت کی بشارت	614	اعتراف اسلاف	644
منصب کتابت کی طلب	614	حضرت علی کا فرمان	645
قرآن میں فضیلت معاویہ	616	حضرت عمیر کا فرمان	645
مسلمانوں کے ماموں	617	حضرت ابن عمر کا نظریہ	645
غزوات میں شرکت	618	حضرت ابن عباس کا نظریہ	645
امیر معاویہ کے عروج کا تعارف	619	حکومت کے کاموں میں مشغولیت	646
امیر معاویہ والی شام	620	حضرت امیر معاویہ کا دربار	647
والدین کا خط معاویہ کے نام	620	قیام امن کے لیے وسائل کا انتخاب	649
حضرت ابوبکر اور حضرت معاویہ	621	پہرے داری کا انتظام	649
حضرت عمر اور حضرت معاویہ	622	پولس کا عمدہ انتظام	649

https://alislami.net

حسن انتخاب	650
نرمی اور سختی کا امتزاج	650
محکمۂ سراغ رسانی	651
مشتبہ لوگوں کی سخت نگرانی	651
اسلامی لشکر کا قیام	651
معاویہ اور رائے کی آزادی	652
لوگوں کی ضروریات کا خیال	653
مساجد اور چشموں کا انتظام	653
حجاج کرام اور روزہ داروں کے لیے کھانے کا انتظام	654
علمی خدمات	654
علم تاریخ	654
حضرت معاویہ کی اہم صفات	655
آپ مجتہد تھے	655
آپ کے اجتہاد پر اعتماد	656
روایت حدیث	656
تبلیغ کا جذبہ	657
سنت سیکھنے کا جذبہ	658
اتباع سنت کا جذبہ	659
نماز میں حضور سے مشابہت	660
احترام نسبت	660
سخاوت	662
ام المؤمنین کا قرض ادا کیا	662
حسنین کریمین کی بارگاہ میں نذرانہ	662
نہی عن المنکر کا جذبہ	663
معترضین کو مطمئن کرنا	664
حسن تدبیر سے معاملے کو نپٹانا	666
عفو و درگزر	668
ذہانت و تدبیر	669
عاجزی و انکساری	673
اطاعت رسول	675
حضور کے فرمان کا احترام	676
خشیت الٰہی سے رونا	678
عشق رسول اور نسبتوں کا احترام	681
شوق دیدار	682
محبوب کی خواہش	682
آخری ایام اور ولی عہد کا انتخاب	682
حضرت معاویہ کی وصیت	685
حضرت معاویہ کا آخری خطبہ	685
مرض وصال	686
وصیت میں عشق رسول	687
وصال	687
نماز جنازہ	688
تاریخ وصال	688
وقت وصال آپ کی عمر	688
مدت خلافت	688
امارت و خلافت کی کل مدت	689
ازواج و اولاد	689

حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اجمالی تعارف	691
نام ونسب	692
والد کا انتقال	693
قبول اسلام	694
جنگ تبوک اور ایثار صحابہ	695
شان رسالت میں جلاس کی گستاخی	696
ولی نعمت	697
حضرت عمیر کی استقامت	698
اللہ ورسول کے ساتھ وفاداری	699
قرآن نے حضرت عمیر کے حق میں گواہی دی	700
جلاس کی توبہ	701
حضرت عمیر حمص کے گورنر	701
کل کائنات لے کر بارگاہ عمر میں حاضر	702
حضرت عمیر کی جانچ	704
حضرت عمیر کے گھر کا حال	705
دربار عمر میں دوبارہ طلب	706
بے مثال سیرت	707
حضرت عبداللہ بن عمر کی نظر میں عمیر	708
عمر اور ان کے ساتھیوں کی تمنا	708
وفات	709
اقوال زریں	709
فرمان رسول پر یقین	709
ماخذ ومراجع	711

♣ ♣ ♣

انتساب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

محبوب پروردگار، وجہ تخلیق کائنات، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کے نام
آل رسول، ازواج رسول، اصحاب رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور
تمام مہاجرین وانصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین
کے نام
تابعین، تبع تابعین، ائمۂ مجتہدین، اولیا، اصفیا اور صالحین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین
کے نام
علما، محدثین، مفسرین، مصنفین اور مجددین رحمہم اللہ اجمعین
کے نام
مشائخ مکۃ المکرمہ، مدینۃ المنورہ، بغداد معلیٰ، اجمیر مقدسہ، دہلی، بلگرام، مارہرہ، کچھوچھہ،
خیرآباد، بریلی اور مشائخ اندور رحمہم اللہ اجمعین کے نام

گر قبول افتد زہے عز و شرف
شاہاں چہ عجب گر بہ نوازند گدارا

محمد عارف قادری برکاتی رضوی

ارمغان خلوص

تمام محامد وستائش ذات پروردگار کے لیے جس نے اپنے فضل سے مجھے یہ کتاب لکھنے کی توفیق بخشی اور میری خصوصی مدد فرمائی۔

- یہ کتاب نذر ہے میرے تمام مربی اساتذہ کی بارگاہوں میں جنہوں نے مجھ ان پڑھ کو اس خدمت کے لائق بنایا۔
- یہ نذر ہے میرے شفیق والدین کی بارگاہ میں جنہوں نے شدائد پر صبر کرتے ہوئے میری تعلیم کو جاری رکھا اور اپنی مخصوص دعاؤں میں فراموش نہیں فرمایا۔
- یہ کتاب پیش ہے جامعہ قادریہ رچھا بریلی شریف کے علمی دیار میں جہاں میں نے قلم پکڑنا سیکھا اور یہاں تک پہونچا۔
- یہ کتاب پیش ہے جامعہ غوثیہ غریب نواز اندور کے علمی گلستان میں جس نے مجھے لکھنے کا ماحول فراہم کیا۔
- یہ کتاب پیش ہے گلشن فاطمہ نوریہ پیلی بھیت کے عفت مآب صحن میں جو دختران اسلام کی بہترین تربیت گاہ ہے۔
- یہ کتاب پیش ہے امام احمد رضا مسجد کے تمام مصلین کی بارگاہ میں جنہوں نے مجھے ہر قدم آسانیاں فراہم کیں۔
- یہ کتاب پیش ہے میرے بھائیوں (محمد یعقوب، محمد وسیم) بہنوں اور تمام اہل خانہ کو جو میرے ظاہری سہارا اور دست و بازو ہیں۔

https://alislami.net

- یہ کتاب نذر ہے میری بیٹی حمیرہ فاطمہ، طلعت فاطمہ، سیرت فاطمہ اور بیٹے عبدالقادر ان کی والدہ حنا فاطمہ، حنا فاطمہ کے والدین اور گھر والوں کے لیے جو مجھے لکھنے پر ابھارتے رہے اور قلم کی زنجیر نہ بنے۔
- یہ کتاب نذر ہے میرے تمام احبا، اصدقا، اعزا اور اقربا کی بارگاہوں میں جو اپنے اپنے انداز میں میرے مددگار رہے۔

چند الفاظ کے موتی ہیں میرے دامن میں
ہے مگر ان کی محبت کا تقاضا کچھ اور
اپنا دل پیش کروں اپنی وفا پیش کروں
کچھ سمجھ میں نہیں آتا تمہیں کیا پیش کروں
چند خوشبو کے دیے ساتھ میں لے آئے ہیں
شاخ گل دامن سوغات میں لے آئے ہیں

♣♣♣

https://alislami.net

تحفۂ ثواب

یہ کتاب تحفۂ ثواب ہے میرے تمام مرحوم اساتذہ و اقارب کی روحوں کے لیے خاص کر استاذ گرامی مرحوم قاری امیر الدین صاحب کی روح کو مولانا مرحوم دین محمد صاحب کی روح کو، میرے دادا، دادی، نانا، نانی، ماموں، خالہ اور پھوپھا کی روحوں کو کتاب کے کمپوزر حافظ عمر فاروق کے والد مرحوم تاج محمد صاحب کی روح کو، مرحوم حاجی صدیق صاحب نورانی اور ان کی اہلیہ مرحومہ حجانی آمنہ بائی کی روح کو، مرحوم حاجی امین صاحب، مرحوم حاجی ہاشم صاحب یا غوث والے، مرحومہ حجانی حلیمہ بائی، مرحوم حاجی حیات صاحب، مرحوم ڈاکٹر صادق صاحب، مرحوم محمد سلیم نظامی، مرحوم گھیسا خاں، مرحومہ حجانی خازن بائی، مرحوم حاجی عبدالستار صاحب، مرحوم محمد صادق بھائی، مرحوم حاجی ہارون صاحب، مرحوم حاجی مقصود صاحب، مرحومہ حجانی شکیلہ بی، مرحومہ حجانی گلاب بی، مرحوم حاجی سلیم نورانی، مرحوم حاجی محمد بھائی نورانی، مرحوم سید صابر علی، مرحومہ رضیہ بی، مرحوم حاجی عرفان صاحب، مرحوم افسر حسین، مرحوم محمد الیاس، مرحومہ شمیم بانو اور تمام مرحومین امت کی روحوں کو۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے تمام مرحومین کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

ابر رحمت ان کی قبروں پر گوہر باری کرے

https://alislami.net

عرض حال

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ کا بے حد اور بے شمار کرم واحسان کہ اس نے محبوب پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے مجھے ''معارف صحابہ جلد دوم'' لکھنے کی توفیق بخشی۔ پہلی جلد جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ میں منظر عام پر آئی تھی اور دوسری جلد ۱۴۴۴ھ میں طباعت کے لیے جا رہی ہے۔ اس طرح دوسری جلد کے لکھے جانے اور زیور طباعت سے آراستہ ہونے میں آٹھ سال گزر گئے، اس تاخیر میں کچھ دخل تو میری مصروفیت و مشغولیت کا ہے، کچھ کورونا وائرس کی ہلاکت خیزیوں کا اور باقی حصہ میری سہل پسندی تن آسانی اور آرام پسندیوں کے ساتھ ساتھ ان احباب کا ہے جنہوں نے کتاب کی کمپوزنگ، پروف ریڈنگ اور اصلاح کی خدمات انجام دی ہیں۔ یہ سن کر ہمارے قارئین ضرور متعجب ہوں گے کہ اس کتاب کی پروف ریڈنگ میں ایک سال سے زیادہ کا وقت لگا ہے۔ معارف صحابہ اول پڑھنے کے بعد اہل سنت کے کئی ذمہ دار، قدآور علما اور اصحاب قلم نے دوسرا حصہ جلد لکھنے کا مطالبہ فرمایا، ان کے مطالبے نے میری مہمیز اور ہمت افزائی کا کام کیا اور کرم خداوندی سے دوسری جلد آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے۔

مجھے اپنی علمی بے مائیگی اور قلم کی بے بسی کا مکمل احساس واعتراف ہے، اس لیے میں کتاب کے ناقدین سے عرض گزار ہوں کہ مجھے بغرض اصلاح ہر صحیح تنقید منظور ہے، ان

https://alislami.net

شاء اللہ اصلاح قبول کرنے میں آپ مجھے راہ فرار اختیار کرتا نہیں پائیں گے۔

میں اس خدمت کے لائق تو نہیں مگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی رضا کا طالب ہو کر ذکر اصحاب رسول کے طور پر ان پاک بازوں کی سیرت نگاری کر رہا ہوں جن کی عزت افزائی خدائے پاک نے اپنی کتاب مبین میں فرمائی اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احادیث میں ان کے عظیم فضائل بیان فرمائے۔ معارف صحابہ کی ترتیب وتصنیف کے ذریعے میں اپنے کان حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمہ کے ان الفاظ پر دھرنے کی کوشش کر رہا ہوں جو آپ نے تقریباً پچاس سال پہلے اپنی کتاب میں تحریر فرمائے تھے، آپ رقم طراز ہیں:

''تذکرۂ کرامت کے سلسلے میں میرے نزدیک ایک سانحہ بہت ہی حیرت ناک بلکہ انتہائی المناک ہے کہ متاخرین اولیاء کرام بالخصوص مجذوبوں اور باباؤں کے کشف و کرامات اور خاص کر دور حاضر کے پیروں کی کرامتوں کا تو اس قدر چرچا ہے کہ ہر کوچہ و بازار بلکہ ہر مکان و دکان، ہوٹلوں اور چائے خانوں میں، کتابوں اور رسالوں کے اوراق میں ہر جگہ اس کا ڈنکا بج رہا ہے اور ہر طرف اس کی دھوم مچی ہوئی ہے مگر افسوس صد ہزار افسوس کہ امت مسلمہ کا وہ طبقۂ علیا جو یقیناً تمام امت میں ''افضل الاولیاء'' ہے یعنی ''صحابۂ کرام''، رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کی ولایت و کرامت کا کہیں بھی کوئی تذکرہ اور چرچا نہ کوئی سنا تا ہے نہ کہیں سننے میں آتا ہے، نہ کتابوں اور رسالوں کے اوراق میں ملتا ہے، حالانکہ ان بزرگوں کی ولایت و کرامت کا عظیم درجہ اس قدر بلند و بالا ہے کہ اگر تمام دنیا کے اگلے اور پچھلے اولیاء کو ان کے نقش قدم چوم لینے کی سعادت نصیب ہو جائے تو ان کی ولایت و کرامت کو معراج کمال حاصل ہو جائے۔ کیونکہ درحقیقت یہی حضرات تو مدار ولایت و کرامت ہیں کہ ان کے نقش پا کی پیروی کے بغیر ولایت و کرامت تو کجا؟ کسی کو ایمان بھی نصیب نہیں ہو سکتا۔ یہ لوگ بلا واسطہ آفتاب رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نور معرفت حاصل کر کے آسمان ولایت میں ستاروں کی طرح چمکتے اور گلستان کرامت میں گلاب کے پھولوں کی طرح مہکتے ہیں اور تمام دنیا کے اولیاء ان کی ولایت کے شاہی محلات کی چوکھٹ

پر بھکاری بن کر نور معرفت کی بھیک مانگتے رہتے ہیں۔

اللہ اکبر! یہ وہ فضیلت مآب اور مقدس ہستیاں ہیں جو حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جلال و جمال نبوت کو اپنی ایمانی نظروں سے دیکھ کر اور حبیب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شرف صحبت سے سرفراز ہو کر تمام اولیاء امت میں اسی طرح نظر آرہے ہیں جس طرح ٹمٹماتے ہوئے چراغوں کی محفل میں ہزاروں پاور کا جگمگاتا ہوا بجلی کا بلب یا ستاروں کی بارات میں چمکتا ہوا چاند۔

افسوس کہ نہ تو ہمارے واعظین کرام نے اپنی تقریروں میں صحابۂ کرام کی کرامتوں کو بیان کیا نہ ہمارے مشائخ عظام نے اپنے مریدوں کو اس سے آگاہ کیا، نہ ہمارے علما اہل سنت نے اس عنوان پر کبھی قلم اٹھانے کی زحمت گوارا کی، حالانکہ رافضیوں کے مقابلے میں زیادہ سے زیادہ اس عنوان پر لکھنے اور اس کا تذکرہ اور چرچا کرنے کی ضرورت تھی اور آج بھی ہے کیونکہ ہماری غفلتوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہماری عوام جانتی ہی نہیں کہ صحابۂ کرام بھی اولیاء ہیں اور ان بزرگوں سے بھی کرامتوں کا صدور وظہور ہوا ہے"۔(کرامات صحابہ،ص:۱۶،۱۷)

الحمدللہ! میرا دل ذکر صحابہ کے اس سلسلے کو مزید آگے بڑھانے کی آرزو سے معمور ہے، اس لیے قارئین سے خصوصی دعاؤں کا طلبگار ہوں کہ وہ قادر و قیوم رب، محبوب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے آپ کے آل واصحاب کے صدقے، اولیاء کرام کے صدقے، حضرت امام اعظم، سرکار غوث اعظم، خواجۂ اعظم، امام اہل سنت اعلیٰ حضرت، حضور مفتی اعظم ہند اور حضور تاج الشریعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے صدقے مجھے اس خدمت کے لائق بنائے، لکھنے کا موقع نصیب فرمائے، قبول فرمائے اور مقبول انام بنائے۔

اپنا شرف دعا سے ہے باقی رہا قبول
یہ جانیں ان کے ہاتھ میں کنجی اثر کی ہے

محمد عارف قادری برکاتی رضوی

بروز جمعہ: ۲۰؍ جمادی الاخریٰ ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۳؍ جنوری ۲۰۲۳

https://alislami.net

اپنی باتیں

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم وعلیٰ آلہٖ واصحابہ اجمعین

یہ کوئی ۱۹۹۶، ۹۷ء کی بات ہے جب میں الجامعۃ القادریہ رچھا ریلوے اسٹیشن ضلع بریلی شریف میں جماعت ثانیہ کا طالب علم تھا اس وقت وہاں کے نصاب میں صور من حیاۃ الصحابۃ داخل درس تھی، سیرت صحابہ کے موضوع پر یہ پہلی کتاب تھی جو میرے درس اور مطالعہ کا حصہ بنی، کتاب پڑھی تو بہت اچھی لگی اور کیوں کر اچھی نہ لگتی اس کا موضوع بھی تو بڑا اچھا تھا، کتاب میں اللہ تعالیٰ اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور مذہب اسلام سے محبت، دین کی خدمت اور دین پر مر مٹنے کا جذبہ جا بجا نمایاں دکھائی دیتا تھا۔ صحابۂ کرام کی قربانیاں پڑھ کر دل ہل جاتا اور مچل بھی جاتا لیکن جماعت ثانیہ کا طالب علم اس کتاب کو یا کسی بھی عربی کتاب کو از خود کتنا حل کر سکتا ہے یہ اہل علم پر خوب واضح ہے۔ یہ تو جامعہ قادریہ کا عمدہ نظام اور اساتذۂ کرام کی خصوصی توجہات تھیں کہ ذوق بیدار ہو گیا تھا۔

بار بار خیال آتا تھا؛ اے کاش! اردو زبان میں کوئی ایسی کتاب مل جاتی جس سے دل کھول کر استفادہ کیا جاتا اور صحابۂ کرام کے حالات جانے جاتے پھر کبھی کبھی یہ صدائے دل بھی بلند ہوتی کہ اگر اللہ تعالیٰ کا کرم اس کے نبی کے صدقے ہوا اور میں اس لائق بنا تو اردو زبان میں ایک ایسی کتاب ضرور لکھوں گا۔ ماہ و سال گزرتے چلے گئے تعلیمی سفر آگے بڑھتا رہا ذہن کبھی کبھار اس بات کو دہراتا بھی رہا یہاں تک کہ میں اکتوبر ۲۰۰۲ء میں جامعہ سے فاضل کی سند لے کر فارغ ہو گیا اور دسمبر ۲۰۰۲ء سے الجامعۃ الغوثیہ غریب نواز کھجرانہ اندور میں تدریسی خدمات پر مامور ہوا۔ یہ جامعہ وسط ہند کا عظیم الشان ادارہ ہے جو اپنی تعلیم و تربیت اور تعمیر کے اعتبار سے خواص و عوام سب میں اپنی خاص پہچان رکھتا ہے اور بانی جامعہ حضرت علامہ مفتی انوار احمد صاحب قبلہ قادری کی سربراہی میں ترقی کی طرف

رواں دواں ہے۔ تدریسی دنیا کی اپنی مصروفیات ہوتی ہیں میں بھی انہیں کا حصہ بن گیا اور مکمل آٹھ سال گزر گئے اس موضوع پر ایک حرف بھی نہ لکھا جا سکا۔ لیکن اس آٹھ سالہ دور میں میرے کرم فرما دوست حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب قبلہ نظامی بانی وسربراہ اعلیٰ گلشن فاطمہ ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ نیوریا پیلی بھیت مجھ سے کچھ لکھنے کے لیے تقاضے پر تقاضہ اور اصرار پر اصرار کرتے رہے نہ جانے کیوں انہوں نے مجھ جیسے ہیچ مداں سے کچھ لکھنے کی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں۔ جب انہوں نے مجھے زیادہ ہی تنگ کیا تو میں نے معلوم کیا کس عنوان پر لکھوں؟ فرمایا جو چاہو لکھو مگر لکھو۔

اپنی علمی بے سروسامانی کے باوجود میں کمر ہمت باندھ کر تیار ہوا موضوع تو ذہن میں ایک زمانے سے متعین تھا اس پر کچھ لکھنے کا عزم کر لیا۔ جامعہ غوثیہ غریب نواز کی لائبریری میں جب موضوع سے متعلق کتب پر نظر ڈالی تو لائبریری اپنی کشادگی کے باوجود بھی میرے موضوع پر تنگ دکھائی دینے لگی۔ جن کتابوں کی مجھے ضرورت تھی وہ کافی مہنگی تھیں جنہیں خرید پانا میرے بس میں نہ تھا لیکن عزم کر چکا تھا۔ ۱۳ر جنوری ۲۰۱۱ء کو کام شروع کر دیا اب میرے پاس صرف صورمن حیاۃ الصحابہ تھی اس کتاب میں سب سے پہلے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت بیان کی گئی ہے میں نے اسی طرز پر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت کا مختصر اردو خاکہ تیار کر دیا لیکن جب اہل قلم سے مشورہ ہوا تو انہوں نے فرمایا: اس فن کی امہات الکتب کا ہونا تو اشد ضروری ہے پھر طبیعت حیران ہوئی اور میں پریشان ہو گیا کہ آخر کیا کروں اسی کشمکش میں بریلی شریف اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نگری چلا گیا جس کا ایک گاؤں سمراوہ میرا وطن اصلی ہے۔ اس بابرکت شہر کی برکتیں ظاہر ہوئیں اور مجھ پر خدا کی خصوصی مدد نازل ہوئی۔ کسی کام سے بہیڑی گیا تو وہاں میری ملاقات میرے عزیز دوست مولانا محمد شاہد صاحب قبلہ سے ہوئی میں نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں ایک ڈی وی ڈی ہے۔ پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ اس میں بہت ساری کتابیں لوڈ ہیں اصل میں یہ ڈی وی ڈی انہیں میرے عظیم دوست حضرت مولانا عطاء

المصطفیٰ صاحب قبلہ ازہری نے دی تھی وہ اسے جامعہ ازہر قاہرہ مصر سے لے کر آئے تھے۔ مولانا شاہد صاحب سے میں نے کہا: کہ اس ڈی وی ڈی کی ایک کاپی میرے لیے تیار کرا لیجیے گا میں ان کے اس احسان کو نہیں بھول سکتا کہ انہوں نے یہ ڈی وی ڈی کاپی کرا کر مجھے دے دی میں واپس اندور آیا اور محترم وسیم بھائی اندوری کی خدمات حاصل کر کے جب میں نے کمپیوٹر پر اس میں موجود کتابوں کو دیکھا تو میری خوشیوں کی انتہا نہ رہی کیوں کہ مجھے جو کتابیں درکار تھیں وہ زیادہ تر اس میں موجود تھیں لیکن اب دشواری یہ تھی کہ اس میں کتابیں تو تھیں لیکن پی، ڈی، ایف، نہیں تھیں لہٰذا حوالہ جات کے اندراج میں دقت باقی رہی، خیر میں نے کتاب کا نام، باب، صاحب تذکرہ کا نام اور تذکرہ نمبر لکھ کر حوالہ جات کو بیان کرنا شروع کیا اور پی ڈی ایف کتب کی تلاش میں لگا رہا میری یہ ضرورت میرے استاذ مکرم ادیب شہیر حضرت علامہ مفتی اشتیاق القادری صاحب قبلہ اور مولانا محمد اسلم ازہری صاحب قبلہ نے کافی حد تک پوری کر دی۔ الحمد للہ! آج پی ڈی ایف کتب میرے پاس معتد بہ مقدار میں موجود ہیں اس کے لیے مولانا سلمان صاحب قادری ازہری خصوصی دعاؤں اور شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اپنے قیام ازہر کے دوران مجھے خاصی مقدار میں پی ڈی ایف کتب فراہم کیں، کتابوں کی فراہمی میں میرے محسن ومکرم حضرت علامہ مفتی محمد اشفاق قادری صاحب قبلہ دہلوی اور میرے کرم فرما دوست حافظ اسلام احمد صاحب نوری دہلوی کا نام بھی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے، اللہ تعالیٰ ان کی عنایات سلامت رکھے۔

میں جو بھی لکھتا ہوں وہ کاپیوں پر لکھتا ہوں، اس کو صاف کرنا بھی ایک بڑا کام ہوتا ہے کیوں کہ میری تحریر کچھ ہی لوگ پڑھ پاتے ہیں۔ پہلی جلد میں تبئیض کا کام حضرت علامہ مولانا رضی الدین صاحب قبلہ اور حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ نے انجام دیا تھا لیکن اب یہ لوگ اندور سے کافی دور جا چکے ہیں، پھر بھی مولانا رضی الدین صاحب قبلہ نے اپنی مشغولیت کے باوجود پروف ریڈنگ کی خدمات کو انجام دے کر مجھ فقیر پر احسان عظیم فرمایا، اس کتاب کی کچھ کمپوزنگ قاری مقری حضرت مولانا بدرالدین صاحب

https://alislami.net

مصباحی استاذ جامعہ غوثیہ غریب نواز نے کی ہے، بقیہ کمپوزنگ حافظ عمر فاروق صاحب کے ہاتھوں مکمل ہوئی ہے۔اس جلد میں میرے سابق نائب امام محترم حافظ عمران صاحب رضوی کی بڑی محنتیں شامل ہیں، کتاب کا بڑا حصہ اس طور پر کمپوز ہوا ہے کہ پہلے میں اپنے لکھے ہوئے کا آڈیو ریکارڈ کر کے حافظ عمران کو دیتا تا کہ وہ لکھے ہوئے کو سمجھ سکیں، پھر وہ اسے بول کر کمپوز کرتے پھر حافظ عمر فاروق کو بھیجتے اور وہ اسے اِن پیج میں سیٹ کرتے، اس طریقۂ کار سے کمپوزنگ میں غیر معمولی غلطیاں پیدا ہوگئیں، اور انہیں بقدر طاقت دور کرنے میں ایک سال سے زیادہ وقت صرف ہوگیا۔

جامعہ غوثیہ غریب نواز کے سربراہ اعلیٰ پیر طریقت حضرت علامہ مفتی انوار احمد قادری صاحب قبلہ کا میں تہ دل سے ممنون ومشکور ہوں جن کی عنایات خاصانہ والطاف کریمانہ ہمیشہ میرے اوپر سایہ فگن رہے اور سفر آسان ہوتا رہا، جامعہ کے تمام اساتذہ اور طلبا میری طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے کتاب کو بہتر بنانے میں بھرپور مدد فرمائی، خاص کر جامعہ کے صدر مفتی حضرت علامہ مفتی عبدالقیوم صاحب مصباحی، مولانا امین احمد قادری، مولانا انظار صاحب امجدی، مولانا سلمان صاحب ازہری، مولانا رمضان صاحب قادری، قاری افضل صاحب، قاری حسیب صاحب، قاری مصطفیٰ رضا صاحب، مولانا مجتبیٰ اشرف صاحب کا بھی شکر گزار ہوں کہ ان حضرات نے اپنی گونہ گوں مصروفیات کے باوجود کتاب کو وقت دیا اور ضروری مشورہ جات سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ دارین میں بہتر جزا عطا فرمائے۔حضرت علامہ مفتی رفیق الاسلام صدر مفتی دارالعلوم رضائے مصطفیٰ کلکتہ کو اللہ تعالیٰ سلامت رکھے، وہ اس سفر میں میرے بہترین مشیر ومعاون ثابت ہوئے ہیں، مفتی شمس الدین صاحب قبلہ رضوی مصباحی اور مفتی فیض صاحب قبلہ مصباحی کی محبتوں کے بیان کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں، یہ حضرات کتاب کی اصلاح کے لیے بھیونڈی سے اندور تشریف لائے اور حرف بحرف کتاب کو پڑھ کر مناسب تبدیلیاں فرمائی، میں شکر گزار ہوں سنی ویلفیر کمیٹی کی پوری ٹیم کا خاص کر حضرت علامہ ومولانا صدیق صاحب قبلہ نورانی

https://alislami.net

ڈائریکٹر طیبہ کالج اندور، مولانا تبریز عالم صاحب قادری ازہری کا، عالی جناب سید ناظم علی صاحب، محترم انیس بھائی اور محمد ندیم بھائی ملتانی، محمد صدام بھائی وغیرہم کا شکر گزار ہوں، جنہوں نے اچھے ساتھی ہونے کا ثبوت فراہم کیا۔

ای لائبریری کو بہتر ڈھنگ سے چلانے کے لیے محترم محمد وسیم بھائی، محمد افروز بھائی، محمد پرویز ملتانی اور سمیر بھائی پتر کار صاحب نے خصوصی تعاون پیش فرمایا یہ لوگ وقت بے وقت میری پکار پر حاضر ہوتے رہے۔ محترم عمران انجینئر صاحب، محترم مظفر انجینئر صاحب، محترم مرشد انجینئر صاحب نے بھی اپنے کمپیوٹر اور پرنٹر پر مجھے کام کرنے کی پوری آزادی فراہم کی۔ عزیزم مولانا ضیاء المصطفیٰ صاحب گوالیاری، حافظ بلال احمد، حافظ محمد اظہر، محمد مظہر، محترم محمد مدثر بھائی اور میرے عزیز محترم اکبر بیگ صاحب اور محمد عابد بھائی (فوٹو کاپی والے) بھی اپنے حسب حال خدمت انجام دیتے رہے۔ جب بات ای لائبریری کی ہو رہی ہے تو ناسپاسی ہوگی کہ میں مرحوم حاجی محمد امین نورانی (اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے) اور ان کے بیٹے محترم حاجی احمد صاحب کا ذکر نہ کروں کیوں کہ انہوں نے مجھے ایک کمپیوٹر عطا فرمایا یہ پہلا کمپیوٹر تھا جس پر میں نے کام شروع کیا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے راہیں کھول دیں میں خصوصی شکر گزار ہوں اپنی مسجد کے صدر عالی جناب محترم محمد یحییٰ صاحب نورانی کا کہ انہوں نے روز اول سے ہی مجھے حوصلہ دیا اور مجھے بھر پور آسانیاں فراہم کیں (اللہ تعالیٰ ان کے والد مرحوم حاجی صدیق صاحب نورانی اور والدہ مرحومہ حجانی آمنہ کو جنت الفردوس عطا فرمائے)۔ حوصلہ دینے والوں میں محترم حافظ محمد فہیم، حاجی عبد الرزاق صاحب، حاجی عبد القادر صاحب، حاجی اصغر صاحب، محترم شبیر بھیا، حاجی مستقیم صاحب، چاند بھائی، حسن بھائی اور اختیار بھائی انجینیر، محمد ظفر بھائی، محترم مقصود حسین غوری، محترم محمد نور الہدیٰ و محمد بابر بھائی، عبد الوحید بھائی اور میرے چھوٹے بھائی محمد یعقوب و محمد وسیم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر صلہ عطا فرمائے میرے والدین کو کہ انہوں نے جس دن سے کتاب کے بارے میں سنا اس دن سے کبھی بھی اپنی دعاؤں میں اس کو

https://alislami.net

فراموش نہیں کیا میری بہنیں اور شریکۂ حیات کو اللہ جزا عطا فرمائے کہ کام میں تیزی لانے کے لیے یہ مجھ سے برابر مطالبہ کرتی رہیں اور اللہ تعالیٰ سلامت رکھے امام احمد رضا مسجد شری نگر اندور کو اس کے بانیان و کارکنان کو اور جملہ نمازیوں کو کہ اس کتاب کا اکثر کام اسی مسجد کے حجرے میں بیٹھ کر انجام پایا اور مجھے وہاں جملہ سہولیات فراہم رہیں۔ مسجد کے مؤذن محترم محمد نواب صاحب بھی لائق قدر خدمت انجام دیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ محترم حاجی عبدالعزیز عرف اعلیٰ بھائی اور ان کے تمام گھر والوں پر خاص کرم فرمائے ان کے والد مرحوم حاجی ہاشم یا غوث والوں کو جنت عطا فرمائے، انہوں نے معارف صحابہ اول بہت سے علما و ائمہ کو بطور تحفہ پیش فرمائی۔

دلی خواہش تھی کہ میرے پیر و مرشد حضور تاج الشریعہ علامہ مفتی اختر رضا خان صاحب قبلہ ازہری علیہ الرحمہ کے دعائیہ کلمات اس کتاب کی زینت بنیں میری یہ خواہش بھی پوری ہوئی اس کے لیے میں خصوصی شکر گزار ہوں اپنے استاذ مکرم حضرت علامہ مفتی محمد افضال صاحب قبلہ، مفتی مرکزی دارالافتا بریلی شریف کا کہ جن کی مہربانیوں سے مجھے یہ نعمت ملی میں ان کلمات کو کتاب کی مقبولیت کی ضمانت سمجھتا ہوں۔ دوسری جلد کی طباعت سے پہلے حضرت علیہ الرحمہ وصال فرما گئے، لہٰذا پہلی جلد والے دعائیہ کلمے سے ہی اس کتاب کو بھی مزین کر دیا گیا۔

وبائی مرض کرونا وائرس کا شکار ہو کر میرے کئی احباب دنیا سے روانہ ہو گئے، ان میں مرحوم ڈاکٹر صادق نظامی ان کے حقیقی چھوٹے بھائی سلیم نظامی خاص طور پر قابل ذکر ہے، میرا دل ان کے جانے کا صدمہ آج بھی محسوس کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ دونوں بھائیوں کو ان کے والد مرحوم حاجی حیات صاحب کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے، ان کی والدہ اور بھائی محمد جاوید و محمد سلمان کو صحت و سلامتی، رحمت و برکت عطا فرمائے اور تمام اہل خانہ پر خاص کرم فرمائے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم سلیم بھائی نورانی اور محمد بھائی نورانی کو بھی جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے، یہ دونوں بھائی بھی کرونا کے دور میں لقمۂ اجل بنے، یہ تمام حضرات کسی

نہ کسی مرحلے میں اس سفر کے ساتھی تھے۔اخیر میں اپنے ان محسنین کا تذکرہ کردوں جن کے بغیر اس کام کے پورا ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا یہ حضرات ضرورت وحاجت کے وقت میری رہنمائی کرتے رہے۔

استاذ مکرم مناظر اہل سنت حضرت علامہ مفتی صغیر احمد صاحب قبلہ جوکھن پوری، حضرت علامہ مفتی انوار احمد صاحب قبلہ بانی جامعہ غوثیہ غریب نواز اندور، استاذ مکرم حضرت علامہ مفتی محمد عاقل صاحب قبلہ صدر المدرسین و شیخ الحدیث جامعہ منظر اسلام بریلی شریف، استاذ مکرم حضرت علامہ ڈاکٹر محمد اسحاق صاحب قبلہ رضوی رامپوری، استاذ مکرم حضرت علامہ مفتی اشفاق صاحب قبلہ رامپوری، استاذ مکرم حضرت علامہ نفیس احمد صاحب قبلہ، استاذ مکرم حضرت علامہ فرید صاحب قبلہ، استاذ مکرم حضرت مولانا حافظ وقاری فخر الدین صاحب قبلہ رضوی (اُترا کھنڈ) مولانا یوسف تحسینی ومولانا محمد صادق بلاس پوری مولانا محمد عمر رضوی ومولانا محمد ادریس صاحب واساتذۂ جامعہ غوثیہ غریب نواز۔اللہ تعالیٰ میرے مربی اساتذہ، مشفق والدین اوران تمام احباب کو اپنی رحمت وغفران کی چادر میں ڈھانپ لے جنہوں نے اس کتاب میں کسی بھی طور پر تعاون فرمایا۔پروردگار سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اوراپنے محبوب کی نظر رحمت میں اس کو مقبول بناکر مفید انام بنائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہ ازکی التحیات والتسلیمات

محمد عارف قادری برکاتی رضوی

https://alislami.net

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ

مکی، مدنی مؤاخات اور اس کے اغراض ومقاصد

مؤاخات: مؤاخات کی تشریح کرتے ہوئے علامہ عینی فرماتے ہیں: ''ھی اتخاذ الاخوۃ بین اثنین'' دو لوگوں کے درمیان اخوت و بھائی چارگی قائم کرنے کو مؤاخات کہا جاتا ہے۔

دوسری جگہ امام قرطبی کے حوالے سے لکھتے ہیں: مؤاخات کا معنی ہے ''دو شخصوں کا آپس میں ایک دوسرے کی امداد اور غم خواری کا معاہدہ کر لینا یہاں تک کہ دونوں نسبی بھائیوں کی طرح ہو جائیں''۔ (عمدۃ القاری، ج:۱۱، ص:۱۶۳)

دونوں تعریفوں میں الفاظ اگرچہ جدا جدا ہیں لیکن حاصل دونوں کا ایک ہی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے درمیان جو مؤاخات قائم فرمائی وہ تاریخِ اسلام کا درخشندہ باب ہے۔ اصحاب سیر و تاریخ نے اپنی کتابوں میں مؤاخات کا ذکر اپنے مخصوص انداز میں فرمایا ہے لیکن بعض کتب تاریخ میں مؤاخات کا ذکر کچھ اس طور پر کیا گیا کہ قارئین میں عمومی تصور یہ قائم ہو کر رہ گیا کہ مؤاخات وہ رشتۂ اخوت ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مہاجرین اور انصاری صحابہ کے درمیان قائم فرمایا، جس کے نتیجے میں مہاجرین و انصار کے درمیان محبت کا ایسا رشتہ استوار ہوا اور خلوص و وفا کی ایسی باد بہاری چلی جس سے باغ اسلام لہلہایا اور خوب برگ و بار لایا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ مؤاخات کا ادھورا تصور ہے۔ خود راقم الحروف کا ذہن بھی کافی عرصے تک اسی فکر کا ترجمان رہا لیکن دوران مطالعہ کچھ تناقض و تعارض سامنے آئے اور اعتراضات نے سر اٹھایا، خدائے تعالیٰ نے مزید توفیق مطالعہ بخشی اور کرم خداوندی نے دستگیری فرمائی تو مؤاخات سے متعلق کچھ

نئے پہلو سامنے آئے اور مسلۂ مؤاخات کچھ اس طرح منکشف ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤاخات کا عمل دو مرتبہ انجام دیا، ایک مرتبہ ہجرت سے قبل اور دوسری مرتبہ ہجرت کے بعد۔ پہلی کو مکی مؤاخات اور دوسری کو مدنی مؤاخات کہا جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ عینی، علامہ ابن حجر عسقلانی، علامہ قسطلانی تینوں شارحین بخاری شریف نے مذکورہ بالا دونوں مؤاخات کو اپنی کتابوں میں صراحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ تفصیل کے لیے عمدۃ القاری، ج: ۱۱، ص: ۸۰، فتح الباری، ج: ۴، ص: ۲۱۰، ارشاد الساری، ج: ۶، ص: ۲۳۶ کا مطالعہ فرمائیں۔

علامہ مغلطائی نے فرمایا: اس بات کو کثیر علما نے بیان فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہجرت سے پہلے مہاجرین کے درمیان مؤاخات قائم فرمائی۔ (اکمال تہذیب الکمال، ج: ۱۱، ص: ۲۴۵)

علمائے مذکورین سے بھی پہلے علامہ محمد بن حبیب متوفی ۲۴۵ھ نے اپنی کتاب المحبر میں مؤاخات کو زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''مؤاخات مکہ'' سرخی قائم فرمائی اور اس کے تحت لکھتے ہیں:

مؤاخات مکہ: مؤاخات مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مہاجرین صحابہ کے درمیان مکۃ المکرمہ میں ہجرت سے پہلے قائم فرمائی۔ یہ مؤاخات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی ذات اور حضرت علی کے درمیان قائم فرمائی، حضرت حمزہ بن عبد المطلب اور حضرت زید بن حارثہ کے درمیان، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے درمیان، حضرت عثمان اور حضرت عبد الرحمن بن عوف کے درمیان، حضرت زبیر بن عوام اور حضرت عبد اللہ بن مسعود کے درمیان، عبیدہ بن الحارث اور حضرت بلال کے درمیان، حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت سعد بن ابی وقاص کے درمیان، حضرت ابو عبیدہ بن جراح اور حضرت سالم کے درمیان، حضرت سعید بن زید اور حضرت طلحہ کے درمیان قائم فرمائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

مؤاخات مدینہ: دوسری سرخی آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''مؤاخات مدینہ'' کے نام سے قائم فرمائی اور پھر اس کے تحت لکھتے ہیں:

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینۂ طیبہ تشریف لے آئے تو آپ نے مہاجرین اور انصار صحابہ کے درمیان مؤاخات قائم فرمائی۔

مؤاخاتِ مدینہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت سہل بن حنیف کے درمیان، زید بن حارثہ اور حضرت اسید بن حضیر کے درمیان، حضرت ابی مرثد غنوی اور حضرت عبادہ بن صامت کے درمیان، حضرت مرثد بن ابی مرثد اور حضرت اوس بن صامت کے درمیان، حضرت عبیدہ بن الحارث اور حضرت عمیر بن حمام سلمی وغیرہم کے درمیان قائم فرمائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم (المحبر، ص:۷۱)

مؤاخات کتنے صحابہ کے درمیان قائم ہوئی: مؤاخات کتنے صحابہ کے درمیان قائم کی گئی اس سلسلے میں مؤرخین نے الگ الگ اقوال بیان فرمائے ہیں:

امام ابن سعد نے فرمایا: مؤاخات ایک سو صحابہ کے درمیان عمل میں آئی جس میں پچاس (۵۰) مہاجرین اور پچاس (۵۰) انصاری صحابہ تھے۔

علامہ بلاذری نے فرمایا: مؤاخات ۹۰ر صحابہ کے درمیان قائم ہوئی، جس میں ۴۵ر مہاجرین اور ۴۵ر انصاری صحابہ تھے لیکن اس کے بعد جو قول بلاذری نے نقل فرمایا ہے، وہ مؤاخات کے مقاصد سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے اس لیے ہماری نظر میں یہ زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: مہاجرین میں سے کوئی ایک صحابی باقی نہ رہا جس کی مؤاخات کسی نہ کسی انصاری کے ساتھ قائم نہ کر دی گئی ہو۔ (خیال رہے کہ تعداد کے تمام اقوال مؤاخات مدینہ سے متعلق ہیں)۔

(انساب الاشراف، ج:۱، ص:۲۷۱، سبل الهدیٰ والرشاد، ج:۳، ص:۳۶۴، ارشاد الساری، ج:۶، ص:۲۳۶)

کئی مؤرخین نے اپنی کتابوں میں ان اصحاب کے نام بھی شمار کرائے ہیں جن کے درمیان مؤاخات قائم کی گئی تھی، ہم نے المحبر کے حوالے سے چند نام ذکر کر دیے ہیں، تفصیل کے لیے المحبر وغیرہ کی جانب رجوع فرمائیں۔

سب سے الگ: مؤاخات کے تعلق سے علامہ ابوزہرہ کی رائے سب سے جدا

https://alislami.net

دکھائی دیتی ہے، وہ لکھتے ہیں:

مؤاخات کا مقصود اول جماعت مؤمنین کے درمیان وحدت کو پروان چڑھانا تھا اس لیے سب سے پہلے مؤاخات مہاجرین اور انصار کے درمیان وقوع پزیر ہوئی، دوسرے مرحلے میں مہاجرین کی مؤاخات مہاجرین کے ساتھ قائم ہوئی اور تیسرے مرحلے میں انصار کی مؤاخات انصار کے ساتھ وجود میں آئی۔ (خاتم النبیین، ج:۲،ص:۴۹۱)

علامہ ابوزہرہ کے نظریے کی تائید میں مجھے کوئی اور قول نظر نہیں آیا لہٰذا یہ ان کی منفرد رائے شمار کی جائے گی۔

مؤاخات مدینہ کا وقت اور مقام: مؤاخات کا عمل قول راجح کی بنیاد پر مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد وجود میں آیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس وقت مسجد نبوی کی تعمیر جاری تھی۔ علامہ ابن عبد البر نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینۂ طیبہ تشریف لانے کے پانچ ماہ بعد صحابۂ کرام کے درمیان مؤاخات قائم ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے درمیان مؤاخات حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مبارک مکان میں قائم فرمائی۔

(ارشاد الساری، ج:۶،ص:۲۳۶، عمدۃ القاری، ج:۱۱،ص:۱۶۳)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے درمیان مؤاخات کا معاہدہ ہمارے گھر میں انجام دیا۔ (مسند احمد، حدیث:۱۲۸۹)

علامہ صالحی نے فرمایا: اس حدیث کو امام احمد، شیخین اور امام ابوداؤد نے روایت فرمایا ہے۔ (سبل الہدیٰ والرشاد، ج:۳،ص:۳۶۳)

علامہ حلبی نے امام ابن جوزی کے حوالے سے ایک روایت ذکر فرمائی ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ مؤاخات مسجد نبوی میں عمل میں آئی۔ (السیرۃ الحلبیہ، ج:۲،ص:۱۲۴)

حقیقت کے اعتبار سے دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ مدینۂ طیبہ میں مؤاخات کا عمل متعدد مرتبہ انجام دیا گیا۔ (اس کو ہم ان شاءاللہ عنقریب ذکر کریں گے)

لہٰذا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں بھی مؤاخات قائم ہوئی اور مسجد نبوی

https://alislami.net

میں بھی۔

مؤاخات مکہ کے مقاصد: علامہ ابن حجر عسقلانی مؤاخات مکہ کی حکمت بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: بعض مہاجرین دوسرے مہاجرین کے مقابلے میں مال و دولت، طاقت وقوت اور خاندان کے اعتبار سے اقوی واعلیٰ تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلیٰ اور ادنیٰ کے درمیان مؤاخات قائم فرمادی تاکہ ادنیٰ اعلیٰ سے فائدہ حاصل کرے اور اعلیٰ ادنیٰ سے (کام وغیرہ میں) مدد لے سکے۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مؤاخات حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ قائم فرمائی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچپن سے ہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نگہداشت اور پرورش کر رہے تھے۔ (فتح الباری، ج:۷، ص:۲۷۱)

علامہ عینی فرماتے ہیں: ہجرت سے پہلے مہاجرین کے درمیان جو مؤاخات قائم فرمائی گئی یہ مؤاخات باہمی ہمدردی اور تعاون کی بنیادوں پر قائم کی گئی۔ (عمدۃ القاری، ج:۱۱، ص:۸۰)

پروفیسر محمد یوسف مؤاخات مکہ کے مقاصد کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مؤاخات کا عمل دو مرتبہ پیش آیا۔ پہلی مرتبہ مؤاخات مکۂ مکرمہ میں کرائی گئی، یہ مؤاخات ان لوگوں کے درمیان کرائی گئی تھی جو اسلام قبول کر چکے تھے، ان میں زیادہ تر لوگ مکۂ مکرمہ ہی کے رہنے والے تھے لیکن کچھ ایسے حضرات بھی تھے جو حبشہ، فارس اور دیگر دور دراز علاقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ مکی زندگی میں جن لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا خواہ ان کا تعلق سرزمین مکہ سے تھا یا بیرون مکہ سے، وہ مختلف قبائل اور گھرانوں کے ایک ایک دو دو افراد تھے، ان میں صاحب ثروت بھی تھے اور غریب ونادار بھی، قریش جیسے سیاسی و معاشی طور پر مستحکم قبیلے کے لوگ بھی تھے اور دیگر نسبتاً کمزور قبائل کے لوگ بھی تھے چونکہ وہ مختلف قبائل کے اکا دکا لوگ تھے اس لیے انہیں حلقۂ اسلام میں داخل ہونے کے خمیازے کے طور پر اپنے ہی خاندان کی دشمنی مول لینا پڑی تھی، اپنے گھر والے ہی منہ موڑ لیتے تھے اور رشتہ دار اور احباب نہ صرف قطع تعلق کر لیتے بلکہ سخت ردعمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے خلاف ظالمانہ کاروائیاں کرنے لگتے تھے۔ قبائلی نظام میں

https://alislami.net

خاندان کی سرپرستی اور ضمانت کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ یہ سرپرستی اور تحفظ کی ضمانت ختم ہوجائے تو اس سے جو خلا پیدا ہوتا ہے یا عدم تحفظ کا جو احساس ابھرتا ہے وہ بہت سے معاشرتی مسائل پیدا کرتا ہے۔ اس صورت حال میں یہ لوگ اپنے آپ کو تنہا محسوس کرنے لگے تھے۔ مصائب وابتلا کے دور میں یہ احساس شدت سے ابھر رہا تھا کہ کوئی ان کا قریبی دوست ایسا ہوتا جس سے وہ حال دل کہہ سکیں، کوئی ایسا شریک غم ہوتا جس کے سامنے اپنے غم کو ہلکا کر سکیں، خونی رشتوں کے منقطع ہوجانے کی وجہ سے جس انس ومحبت اور تعلق کے فقدان کا احساس ہو رہا تھا وہ کسی طرح ختم ہوجائے۔

یہ ایک معاشرتی مسئلہ تھا جسے حل کرنا ضروری تھا، اس کے ساتھ ایک دوسرا مسئلہ بھی درپیش تھا جو اس سے بھی زیادہ اہم تھا۔ وہ مسئلہ ان غلاموں کی تعلیم وتربیت کا تھا جو اسلام قبول کر کے مسلم معاشرے کا حصہ بن گئے تھے لیکن علمی اور فکری طور پر بہت پیچھے تھے، ان کی ذہنی سطح بھی بہت پست تھی، اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں معاشرے میں کبھی بھی انسانیت کے مقام پر فائز نہیں سمجھا گیا تھا، نہ انہیں کبھی ایسے مواقع ہی مہیا کیے گئے تھے جس میں وہ علم وتربیت کی طرف متوجہ ہو سکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ غلاموں کی تمام صلاحیتوں کو اجاگر کر کے انہیں معاشرے میں انسانیت کے قابل احترام مقام پر لایا جائے تا کہ ان کی ان صلاحیتوں سے معاشرے کو استفادہ کا موقع ملے جو اللہ تعالیٰ نے ان میں ودیعت کر رکھی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان دونوں مسائل کو حل کرنے کے لیے اسلام قبول کرنے والے بھائیوں کے درمیان مؤاخات کرائی۔ (سوشل ذرائع سے ماخوذ)

مؤاخات مدینہ کے مقاصد: علامہ قسطلانی فرماتے ہیں: مؤاخات مدینہ مہاجرین وانصار کے درمیان باہمی ہمدردی، غم خواری اور حق کی پاسداری کی بنیادوں پر قائم کی گئی تھی۔ (مؤاخات کی خاص بات یہ تھی کہ) اس مؤاخات کے ذریعے یہ لوگ ایک دوسرے کی وراثت میں حصہ پانے کے مستحق تھے۔ میت کے مال میں ذوی الارحام کی جگہ مؤاخاتی بھائی حصہ پانے کے حقدار تھے، واقعۂ بدر کے بعد آیت کریمہ: ''وَاُولُوا الْاَرْحَامِ

بَعۡضُهُمۡ اَوۡلٰى بِبَعۡضٍ'' نازل ہوئی، اس حکم خداوندی نے مؤاخات کے ذریعے دیا گیا حق وراثت منسوخ کردیا۔ (ارشاد الساری، ج:۶، ص:۲۳۶)

علامہ عینی لکھتے ہیں: مؤاخات کے دو سبب تھے، پہلا یہ کہ اہل عرب زمانۂ جاہلیت میں کچھ معاہدات کیا کرتے تھے اور وہ اس کے ذریعے ایک دوسرے کے مال کے وارث ہوجاتے تھے۔ (زمانۂ جاہلیت میں جائز وناجائز تمام قسم کے معاہدات ہوا کرتے تھے) اسلام نے ناجائز تمام معاہدات کو ختم فرمادیا اور ارشاد ہوا: ''لاحلف فی الاسلام'' اسلام میں کسی (ناجائز) معاہدے کی اجازت نہیں لہٰذا زمانۂ جاہلیت کے ناجائز معاہدات سے بچا کر اسلام نے صحابۂ کرام کو مؤاخات کی شکل میں نعم البدل عطا فرمایا۔

دوسرا سبب یہ تھا کہ مہاجرین حضرات بے سروسامان مدینۂ طیبہ حاضر ہوئے تھے، انہیں مال اور مکان دونوں کی ضرورت تھی۔ مہاجرین کے لیے ان کی ضروریات کے سارے انتظامات انصار مدینہ ہی انجام دے رہے تھے لہٰذا مؤاخات کے ذریعے ان کی خدمات کو اور مؤکد کردیا گیا۔ اس مؤاخات کے ذریعے یہ لوگ ایک دوسرے کے مال کے وارث بنتے تھے۔ اقربا کی جگہ مؤاخاتی بھائی میراث کے حقدار ہوتے تھے لیکن سورۂ انفال کی آیت نمبر:۷۵ نے اس حکم کو منسوخ کردیا۔ حکم میراث منسوخ کرنے کی ایک حکمت یہ تھی کہ بدر کے بعد مال غنیمت نے مہاجرین کی مالی حاجت کو پورا کردیا تھا چنانچہ میراث کا حکم منسوخ کردیا گیا۔ (عمدۃ القاری، ج:۱۱، ص:۱۶۳)

آیت کریمہ: ''وَاُولُوا الۡاَرۡحَامِ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلٰى بِبَعۡضٍ'' نازل ہوجانے کے بعد حق میراث اہل مؤاخات کے لیے ختم ہوا اور ذوی الارحام کے لیے ثابت ہوگیا۔ (المحبر، ص:۷۱)

تنبیہ: آپ نے ملاحظہ کیا کہ مؤاخاتی بھائیوں کے درمیان وفات ہوجانے کی صورت میں حق وراثت ثابت کیا گیا تھا، یہ حکم واقعۂ بدر کے بعد قرآن کریم نے منسوخ کردیا لیکن یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کے عجائب میں سے ہے، سورۂ انفال (جس کی مذکورہ آیت کریمہ کے ذریعے حکم میراث منسوخ ہوا) کے نزول تک ایسے دو بھائیوں میں سے کسی

ایک کا انتقال نہیں ہوا جن کے درمیان مؤاخات قائم تھی۔ (المجبر ص: ۷۱)

اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ کسی بھی مؤاخاتی بھائی نے اپنے دوسرے مؤاخاتی بھائی کی میراث سے حصہ نہیں پایا۔

پروفیسر محمد یوسف مؤاخات مدینہ کے مقاصد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینۂ منورہ تشریف لانے کے بعد اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لیے جو منصوبہ بندی فرمائی تھی اس کا ایک حصہ یہ تھا کہ انصار ومہاجرین کے مابین اس تہذیبی اختلاف کو جلد از جلد ختم کیا جائے اور کسی گروہ کو یہ موقع نہ دیا جائے کہ وہ اس اختلاف سے کوئی ناجائز فائدہ اٹھائے، چنانچہ مؤاخات کے عمل کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ انصار ومہاجرین مل جل کر ایک ساتھ رہیں، ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھیں اور ایک دوسرے کی اچھی عادات واطوار کو اپنائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعلیم و تربیت کے ذریعے سے ان حضرات کا عقیدہ اس قدر مضبوط کر دیا کہ اس کی بنیاد پر ایک نئی تہذیب وجود میں آنے لگی اور انصار ومہاجرین کے مابین تہذیبی اختلاف بتدریج ختم ہو گیا۔ عبداللہ بن اُبی اور اس کے گروہ کے علاوہ یہودی بھی اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کے درمیان باہمی نسلی تعصب کو ابھار کر، یا مقامی اور غیر مقامی کا مسئلہ اٹھا کر ایک دوسرے سے لڑا دیا جائے لیکن منافقین اور یہودیوں کی یہ کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس چیز کو پہلے ہی بھانپ لیا تھا، چنانچہ آپ نے مؤاخات کرا کے منافقین اور یہود کی اس قسم کی سازشوں کا سد باب کر دیا۔

مؤاخات اولیٰ ہو یا مؤاخات ثانیہ، اس منصوبے کا ایک اہم پہلو یہ بھی تھا کہ اس کے ذریعے سے موالی (آزاد شدہ غلام) کی ذہنی وفکری تعلیم وتربیت کا ایسا اہتمام کیا جائے کہ وہ لوگ جو صدیوں سے ذہنی وفکری پستی کا شکار چلے آرہے تھے، انہیں آزاد لوگوں کے ہم پلہ کیا جائے اور غلامی نے جو ان کی فکر اور نفسیات کو متاثر کیا ہوا تھا، وہ ختم ہو جائے تا کہ یہ لوگ بھی معاشرے میں اپنا بھرپور کردار ادا کر سکیں۔

غلامی کی تاریخ پر نظر رکھنے والے افراد اچھی طرح جانتے ہیں کہ جن لوگوں کے ساتھ مال ومتاع کے جیسا سلوک کیا جاتا ہو اور جو فکری آزادی سے محروم رکھے گئے ہوں ان کی ذہنی وفکری سطح کس قدر پست ہوجاتی ہے۔ جدید دور میں بھی بھارت میں ایسے گروہ ملتے ہیں جنہیں نیچی ذات قرار دے کر دھتکارا اور نسلی طور پر کمتر قرار دیا جاتا ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک ہوتا ہے اس وجہ سے یہ زیادہ تر احساس کمتری کا شکار اور ذہنی وفکری اعتبار سے بہت پیچھے ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کو سامنے رکھ کر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو جسمانی طور پر غلام چلے آرہے تھے؟

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان آزاد شدہ غلاموں کی تعلیم وتربیت کی بہت فکر تھی۔ آپ چاہتے تھے کہ یہ لوگ احساس کمتری کے جال سے نکل آئیں اور فطرت نے انہیں جو صلاحیتیں عطا کی ہیں انہیں اجاگر کیا جائے تاکہ یہ لوگ بھی اس قابل ہوجائیں کہ وہ کردار ادا کرسکیں جو قائدانہ صلاحیت رکھنے والے آزاد لوگ انجام دے رہے تھے۔

موالی کے بارے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان میں سے کچھ کو ایسے لوگوں کے ساتھ مؤاخات میں منسلک کیا تھا جو قریش میں نمایاں قائدانہ صلاحیتوں کے مالک تھے، مثلاً سیدنا بلال بن رباح کو سیدنا عبیدہ بن الحارث کا بھائی بنادیا گیا، سیدنا سالم مولی ابی حذیفہ کو سیدنا ابوعبیدہ کا بھائی بنایا گیا، مدنی مؤاخات میں سیدنا سالم کو سیدنا معاذ بن ماعص کا بھائی بنایا گیا، سیدنا صہیب بن سنان سیدنا حارث بن صمہ کے بھائی قرار پائے، سیدنا خباب بن الارت سیدنا جبار بن صحر کے بھائی بن گئے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام سیدنا زید بن حارثہ سیدنا اسید بن حضیر کے بھائی قرار پائے۔ ان حضرات میں آزادی اور مساوات کی بنیاد پر آزاد لوگوں کی صحبت میں رہنے اور ان کے ساتھ افکار وخیالات کا تبادلہ کرنے سے نفسیاتی طور پر زبردست تبدیلی آئی، ان کی ذہنی وفکری سطح بلند ہوئی اور غلامی کے اثرات ڈھل گئے، ان کے عزائم اور طبیعت میں قائدین کا سا ولولہ پیدا ہوگیا، خیالات میں وسعت و بلندی پیدا ہوئی اور بہت جلد یہ لوگ

https://alislami.net

اعلیٰ درجے کی قائدانہ صلاحیتوں کے مالک بن گئے۔ سیدنا ابو حذیفہ کے آزاد کردہ غلام کا مقام تو اس قدر بلند ہوا کہ اس کا اندازہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے لگایا جا سکتا ہے جو انہوں نے اپنی وفات کے وقت سیدنا سالم کے بارے میں فرمایا تھا کہ ''کاش! اگر آج سالم مولیٰ ابی حذیفہ زندہ ہوتے تو میں انہیں مسلمانوں کا خلیفہ مقرر کر دیتا۔''

سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان الفاظ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سیدنا سالم میں کس قدر تبدیلی آ گئی تھی کہ وہ بہت سے آزاد اور نمایاں حیثیت رکھنے والوں سے بھی سبقت لے گئے تھے۔ منصب خلافت کوئی معمولی عہدہ نہ تھا، سیدنا عمر کی رائے میں سیدنا سالم میں وہ تمام صلاحیتیں پیدا ہو گئی تھیں جو اس عظیم الشان منصب کے لیے ضروری ہیں۔ نو آزاد غلاموں میں اتنا بڑا انقلاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کامیاب منصوبہ بندی کا نتیجہ تھا، اسلامی نظام زندگی ہی یہ عظیم الشان انقلاب پیدا کر سکتا تھا، عہد نبوی کے بعد بھی یہی اسلامی روح کارفرما نظر آتی ہے۔ موالی کو اسلامی معاشرے میں وہ تمام سہولتیں میسر تھیں جو کسی بھی آزاد فرد کو حاصل ہو سکتی تھیں، سہولتوں سے زیادہ اہم مسئلہ معاشرے میں ان کے ساتھ سلوک اور طرز عمل کا ہے۔

اسلامی معاشرے میں ان کے ساتھ باعزت سلوک ہوتا تھا، ان کی عزت نفس اور وقار کا پورا پورا خیال رکھا جاتا تھا، اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ علم و فکر کے میدان میں موالی نے شاندار خدمات انجام دیں۔ چند مثالوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مسلم معاشرے میں انہیں کیا مقام حاصل رہا اور انہوں نے کس طرح اپنا کردار ادا کیا؟ مثلاً مدینۂ منورہ میں سیدنا نافع مولی عبداللہ بن عمر، امام مالک کے اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ مکۂ مکرمہ میں عطاء بن رباح، یمن میں طاؤس بن کیسان، بصرہ میں حسن البصری، خراسان میں ضحاک بن مزاحم، شام میں امام مکحول، مصر میں یزید بن حبیب، جزیرہ میں میمون بن مہران وغیرہ اور اسی طرح مجاہد بن جبیر، سعید بن جبیر، عکرمہ مولی عبداللہ بن عباس، وہ حضرات ہیں جو علم حدیث اور علم تفسیر کے ائمہ شمار ہوتے ہیں اور ان کے بغیر علم حدیث اور علم تفسیر کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ بڑے بڑے حکمران اپنے

https://alislami.net

بچوں کو حصول علم کے لیے ان کے پاس بھیجنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔

مجاہد بن جبیر کہتے ہیں کہ انہوں نے سیدنا عبداللہ بن عباس سے تیس مرتبہ قرآن کریم پڑھا، تین مرتبہ تو اس طرح پڑھا کہ ایک ایک آیت پر رک رک کر اس کی تفسیر کی وضاحت معلوم کی اور مقام و کیفیت نزول کے بارے میں علم حاصل کیا۔ ابوزناد عبدالرحمن بن ذکوان موالی میں سے تھے، یہ بھی امام مالک کے اساتذہ میں رہے، عمر بن عبدالعزیز نے انہیں عراق میں وصولیٔ خراج کا افسر اعلیٰ مقرر فرمایا تھا۔ عبدالملک بن الماجیشون بنوتمیم کے موالی میں سے تھے، علم فقہ میں ان کا اہم مقام تھا۔ شرحبیل بن سعد بھی آزاد کردہ غلام تھے، سیرت وفتاویٰ میں ان کو بلند مقام حاصل ہے۔ سعید بن جبیر نے جمع تدوین حدیث وآثار پر بڑا کام کیا ہے۔ ابوعبید القاسم بن سلام (متوفی ۲۳۰ھ) بھی ابتدا میں غلام تھے بعض نے انہیں انصار کا غلام لکھا ہے، وہ اپنے دور کے سب سے بڑے عالم تھے، بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں، ان میں سب سے زیادہ شہرت کتاب الاموال کو حاصل ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے ممکن ہوا کہ مؤاخات کے عمل نے آزاد اور غلام کے درمیان فرق کو ختم کر کے نفسیاتی طور پر موالی کی تعلیم و تربیت کے لیے بہترین ماحول مہیا کر دیا تھا۔

مؤاخات کا ایک پہلو معاشی مسائل کا حل بھی تھا۔ مہاجرین مکۂ مکرمہ سے ترک وطن کر کے مدینۂ منورہ آئے تو یہ لوگ اپنا تمام مال ومتاع مکۂ مکرمہ چھوڑ آئے تھے۔ مدینۂ منورہ میں ان کی آبادکاری کا مسئلہ تھا، نیز شہر مدینہ کے وسائل محدود تھے، چندسو مہاجرین کی آمد سے یہاں معاشی مشکلات بڑھ گئیں تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان مسائل کو احسن طریقے پر حل کرنا چاہتے تھے، چنانچہ انصار ومہاجرین کے درمیان مؤاخات کے ذریعے سے غریب مہاجرین کو وقتی طور پر انصار کے اموال میں شریک کر دیا گیا اور وفات کی صورت میں ایک دوسرے کی وراثت میں بھی شریک قرار دیے گئے۔ اس عمل کا فوری طور پر اقتصادی فائدہ یہ ہوا کہ بے خانماں مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ حل ہو گیا۔

مدینۂ منورہ کے معاشی وسائل کو وسعت دینا بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

منصوبے کا حصہ تھا۔ اہل مدینہ (اوس وخزرج) زراعت پیشہ لوگ تھے، ان کی ساری معاشی جدوجہد زراعت تک محدود تھی، تجارت اور اس کے اصول وضوابط سے یہ لوگ ناواقف تھے۔ مدینۂ منورہ میں تجارتی سرگرمیاں محدود تھیں، ان پر بھی مکمل طور پر یہودیوں کا قبضہ تھا۔ اوس وخزرج کے لوگ عام طو پر یہودیوں کے مقروض رہتے تھے، یہودی انہیں سود پر قرضہ دیا کرتے تھے۔ عمل مؤاخات کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ انصار ومہاجرین ایک دوسرے کے معاشی تجربات اور صلاحیتوں سے فائدہ اٹھائیں۔ مہاجرین نے انصار کے تعاون سے یہاں نہ صرف تجارتی سرگرمیاں شروع کیں بلکہ زراعت کو بھی بہتر بنانے کی کوششیں کیں۔

قرآن کریم نے تجارت کے ذریعے حصول معاش کو اپنی نعمت اور فضل قرار دیا اور لوگوں کو آمادہ کیا کہ تجارت کو فروغ دیں۔ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تجارت کو حصول معاش کا ذریعہ بنایا۔ دوسری طرف زراعت کو اس قدر اہمیت دی کہ ایک پودا لگانا بھی عبادت قرار پایا اور اس کا پھل خواہ انسان کھائے، پرندہ یا چوپایہ، درخت لگانے والے کے لیے صدقہ قرار دیا گیا۔

انصار ومہاجرین کی مشترکہ کوششوں سے مدینۂ منورہ کے معاشی وسائل میں اضافہ ہوا اور جلد ہی تجارت پر یہودیوں کی اجارہ داری بھی ختم ہوگئی۔ اس طرح مؤاخات کا عمل معاشی مسائل کو حل کرنے اور معاشی بنیادوں کو ازسرنو منظم کرنے میں بہت مفید اور مؤثر ثابت ہوا۔

مؤاخات کا تعلیمی پہلو بھی اپنی جگہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مؤاخات کے ذریعے سے مدینۂ منورہ کے ہر مسلم گھرانے کو ایک تعلیمی ادارہ میں ڈھال دیا تھا۔ دراصل تعلیم کے میدان میں مہاجرین اور انصار کے درمیان فرق پیدا ہو گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس فرق کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ مہاجرین تیرہ برس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہے، انہوں نے مکی دور میں بھی نزول وحی

کا مشاہدہ کیا تھا وہ مقامات وحی سے بھی واقف تھے، یہ لوگ تیرہ برس تک وحی کی تعبیر و تشریح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنتے رہے اور یہ تمام عرصہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت میں گزارا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعمال واقوال کو دیکھتے اور سنتے رہے اور انہیں اپنی زندگی میں منتقل کرتے رہے۔ صحابۂ کرام صرف عمل ہی کو اپنے اندر منتقل نہیں کرتے تھے بلکہ جذبات و احساسات کو بھی منتقل کرتے تھے، اس صحبت کی وجہ سے ان کے اعمال میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعمال کی روح جھلکتی تھی، اس تقدیم ایمانی کی وجہ سے انہیں علم کے میدان میں بھی سبقت حاصل تھی اور وہ انصار سے تیرہ برس آگے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ معرفت وعلم کا یہ فرق ختم ہو جائے اور مہاجرین کے پاس جو مکی دور کا علم ہے وہ تمام کا تمام انصار کو منتقل کیا جائے تا کہ نہ صرف یہ کہ شرح تعلیم میں اضافہ ہو جائے بلکہ مسلم معاشرے کے تمام افراد کی ذہنی وفکری صلاحیتوں کو بھی نشوونما دی جا سکے۔ مؤاخات کے عمل کی وجہ سے ہر گھر غیر رسمی تعلیمی ادارے کی شکل اختیار کر گیا۔ مہاجرین نے نہ صرف یہ کہ مکی دور کے علم وحی کو انصار تک منتقل کیا بلکہ وہ علم و تجربہ بھی منتقل کیا جو انہیں تجارت کے میدان میں حاصل تھا، اسی طرح صنعت وزراعت سے متعلق جو علم اہل مدینہ کے پاس تھا مہاجرین نے وہ ان سے حاصل کیا، یوں علم وہنر کے میدان میں بہت بڑی تبدیلی آئی اور یہ اُمّی قوم جلد ہی علمی وفکری میدان میں دنیا کی قیادت کے لیے تیار ہو گئی۔ (سوشل ذرائع سے ماخوذ)

وضاحت: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشہور واقعہ جو مؤاخات سے متعلق ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے درمیان مؤاخات قائم کر چکے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھائی کسی کو نہ بنایا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روتے ہوئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: آپ نے ہر صحابی کا بھائی بنا دیا لیکن میرا بھائی کسی کو نہ بنایا؟ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یا علی انت اخی فی الدنیا

https://alislami.net

والاخرۃ" اے علی! تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو۔ جس کو کئی محدثین و مؤرخین نے اپنی کتابوں میں تخریج کیا ہے، امام حاکم نے المستدرک میں ایک روایت بیان کی ہے جس میں یہ صراحت موجود کہ یہ واقعہ مؤاخات مدینہ سے متعلق ہے۔ (حدیث نمبر: ۴۲۸۸)

حالانکہ مؤرخین نے مؤاخاتی بھائیوں کی جو فہرست اپنی اپنی کتابوں میں درج فرمائی ہے ان میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مؤاخات جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ قائم فرمائی وہ قبل ہجرت مکۂ مکرمہ میں واقع ہوئی ہے۔

حاصل کلام یہ نکلا کہ مستدرک کی حدیث پاک کے مطابق یہ واقعہ مدینۂ طیبہ کا ہے اور مؤرخین کے بیان کے مطابق یہ واقعہ مکۂ مکرمہ کا ہے۔ بلکہ مستدرک ہی میں ایک اور حدیث پاک مؤاخات سے متعلق موجود ہے جس میں کچھ مؤاخاتی بھائیوں کے نام بھی ذکر فرمائے گئے ہیں۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کے درمیان مؤاخات قائم فرمائی تو حضور نے حضرت ابوبکر کو حضرت عمر کا، حضرت طلحہ کو حضرت زبیر کا، حضرت عثمان کو حضرت عبدالرحمن کا بھائی بنایا۔ حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) نے عرض کیا: آپ نے اپنے اصحاب کے درمیان مؤاخات قائم فرمادی، میرا بھائی کون ہے؟ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ میں تمہارا بھائی رہوں؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: کیوں نہیں؟ یا رسول اللہ! حضور نے فرمایا: اے علی! تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو۔

(المستدرک، حدیث نمبر: ۴۲۸۹)

اس حدیث پاک میں جتنے مؤاخاتی بھائیوں کا ذکر ہے وہ سب کے سب مہاجر صحابۂ کرام ہیں، ایک بھی انصاری صحابی کا نام نہیں ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ حدیث پاک مؤاخات مکہ سے متعلق ہے۔ یہ واقعہ مؤاخات مکہ سے متعلق ہے یہ صرف ہم ہی نہیں کہہ رہے بلکہ علامہ محمد بن یوسف صالحی نے اس کو پوری صراحت کے ساتھ مؤاخات مکہ کے تحت روایت فرمایا ہے۔ (سبل الھدیٰ والرشاد، ج: ۳، ص: ۳۶۳)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مؤاخات کے بارے میں لوگوں میں یہی مشہور ہے کہ وہ مدینۂ طیبہ میں قائم ہوئی، زیادہ تر لوگ اسے مدینۂ طیبہ کا واقعہ ہی شمار کرتے ہیں لیکن جن لوگوں کے سامنے یہ دونوں روایات آتی ہیں تو ذہن میں خلجان ضرور پیدا ہوتا ہے، ہم اس خلجان کو امام ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر کے حوالے سے دور کررہے ہیں، آپ فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کے درمیان مکہ میں مؤاخات قائم فرمائی، مدینۂ طیبہ میں مہاجرین وانصار کے درمیان مؤاخات قائم فرمائی اور دونوں مؤاخات (مکی، مدنی) کے وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ''انت اخی فی الدنیا والاخرہ'' اے علی! تم دنیا وآخرت میں میرے بھائی ہو۔

(الاستیعاب، ج:۱ص:۵۲۷،تہذیب الکمال، ج:۲۰ص:۴۸۴،الریاض النضرہ، ج:۱ص:۲۸)

امام ابوعمر کے بیان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی مؤاخات حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مکۂ مکرمہ اور مدینۃ المنورہ دونوں مقامات پر قائم فرمائی۔

اعتراض: ہم ابھی المجبر کے حوالے سے ذکر کرچکے ہیں کہ مدینۂ طیبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مؤاخات حضرت سہیل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ قائم فرمائی، حالانکہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ مدینۂ طیبہ میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مؤاخات اپنی ذات کے ساتھ قائم فرمائی، جیسا کہ مکہ شریف میں بھی ان کی مؤاخات حضور نے اپنے ساتھ قائم فرمائی تھی۔

دوسرا اعتراض: علامہ محب الدین طبری نے امام طبرانی کے حوالے سے بیان فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان مؤاخات قائم فرمائی، اس روایت کے سامنے آجانے سے مسئلہ اور زیادہ پیچیدہ ہوگیا۔

جواب: مذکورہ اعتراضات اور ان جیسے بہت سارے اعتراضات کا جواب علامہ

محب الدین طبری علیہ الرحمہ نے اپنی آنے والی عبارت کے ذریعے دیا۔

اختلاف الروایات فی المؤاخات یدل علی تکررھا حتی یکون الواحد اخا لا ثنین وثلاثۃ۔

مؤاخات کے سلسلے میں روایات کا اختلاف اس بات کی دلیل ہے کہ مؤاخات کا عمل متعدد مرتبہ جاری ہوا، اس لیے ایک صحابی کے دو یا تین بھائی بھی ہو سکتے ہیں۔

(الریاض النضرہ، ج:۱،ص:۲۸)

اس تناظر میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مؤاخات مکۂ مکرمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اپنی ذات کے ساتھ قائم فرمائی پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ قائم فرمائی، مدینۂ طیبہ میں بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مؤاخات حضور نے پہلے اپنے ساتھ قائم فرمائی پھر حضرت سہیل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بھی قائم فرمائی۔ اسی طرح بعض صحابہ کے مؤاخاتی بھائیوں کے نام الگ الگ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے ایک سے زیادہ بھائی بنائے گئے تھے، جس طرح نسبی بھائیوں کی تعداد میں کوئی مضائقہ نہیں ہوتا اسی طرح مؤاخاتی بھائیوں کی تعداد کو بھی سمجھ لینا چاہیے۔ واللہ تعالی اعلم

مؤاخات مکہ کا انکار: ابن تیمیہ (جو ضال اور مضل ہے) نے مہاجرین کے درمیان واقع مؤاخات مکہ کا انکار کیا ہے۔ اس نے اپنے دعوے پر دلیل پیش کی ہے کہ مؤاخات ایک دوسرے کو فائدہ پہنچانے اور دل جوئی کرنے کے لیے قائم کی گئی تھی لہٰذا حضور کی مؤاخات حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ یا مہاجرین کی مؤاخات مہاجرین کے ساتھ کوئی معنی نہیں رکھتی۔ علامہ ابن حجر نے ابن تیمیہ کے اس قول کو رد کرتے ہوئے فرمایا: ابن تیمیہ نے قیاس کے ذریعے نص کو رد کیا ہے (جو درست نہیں ہے) اور ایسا کہنے والا مؤاخات کی حکمت سے غافل ہے کیونکہ بعض مہاجرین دوسرے بعض سے مال اور قوت میں زیادہ تھے تو اعلیٰ کی مؤاخات ادنیٰ کے ساتھ قائم کر دی گئی تا کہ ادنیٰ اعلیٰ سے فائدہ حاصل کرے اور اعلیٰ ادنیٰ سے (جسمانی) مدد حاصل کرے۔ (فتح الباری، ج:۷،ص:۲۷۱)

بدر کے بعد مؤاخات: امام واقدی نے امام زہری سے روایت کیا ہے کہ وہ واقعۂ بدر کے بعد مؤاخات کا انکار کرتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۱،ص: ۸۰، فتح الباری ج: ۴،ص: ۲۱۰)

اس طرح کئی علمائے کرام نے اپنی کتابوں میں بعض صحابۂ کرام کی مؤاخات پر اعتراض کیا ہے کہ فلاں صحابی (جیسے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بدر کے بعد مدینۂ طیبہ حاضر ہوئے اور مؤاخات بدر کے بعد ختم ہوگئی تو بدر کے بعد آنے والے صحابہ کی مؤاخات کا کیا معنیٰ ہے؟ حالانکہ واقعۂ بدر کے بعد مدینۂ طیبہ حاضر ہونے والے صحابۂ کرام کی مؤاخات کی روایات موجود ہیں۔

اس کا جواب علامہ عینی اور علامہ عسقلانی دونوں نے یہ دیا، واقعۂ بدر کے بعد وہ مخصوص مؤاخات ختم ہوگئی جس کے ذریعے مؤاخاتی بھائی کی میراث میں حق وراثت حاصل ہوتا تھا لیکن اس مخصوص مؤاخات کے ختم ہوجانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر قسم کی مؤاخات ختم ہوجائے۔ لہٰذا واقعۂ بدر کے بعد جو مؤاخات قائم کی گئیں، ان کی بنیادیں غمخواری اور معاونت پر تھیں جیسے حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مؤاخات حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ۔ (عمدۃ القاری، ج: ۱۱،ص: ۸۰، فتح الباری، ج: ۴،ص: ۲۱۰)

دونوں شارحین بخاری کے اس جواب سے ان سارے صحابۂ کرام کی مؤاخات پر ہونے والے اعتراضات ختم ہوجاتے ہیں جو واقعۂ بدر کے بعد مدینۂ طیبہ حاضر ہوئے۔ ایسے کئی صحابۂ کرام ہیں، جن کی مؤاخات روایات کی صحت کے ساتھ قائم ہے، حالانکہ وہ واقعۂ بدر کے بعد مدینۂ طیبہ تشریف لائے جیسے حضرت ابودرداء اور حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ (فتح الباری ایضاً)

مؤاخات سے متعلق اللہ تعالیٰ کی توفیق سے میں جو کچھ معلومات جمع کرسکا، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور قارئین کے لیے فائدہ مند بنائے۔ (آمین)

https://alislami.net

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اجمالی تعارف: اللہ تبارک وتعالیٰ خالق عالم، قادر مطلق، حکیم اور علیم ہے، اس کے ہر فعل میں حکمت وموعظت کے بے شمار پھولوں کا چمن آباد ہے، اس نے اپنے محبوب کو مکہ میں مبعوث فرمایا، اعلان نبوت کا حکم دیا، کٹھن اور دشوار گزار راہوں سے گزار کر آپ کے مشن کو کامیاب فرمایا، جب شمع نبوت کی روشنی پھیلنا شروع ہوئی تو رفتہ رفتہ پروانوں نے اس کے گرد منڈلانا شروع کر دیا، کبھی ابوبکر نے نذرانۂ دل لٹایا تو کبھی علی وعثمان اس شمع پر نثار ہوئے، کبھی ابوعبیدہ نے اپنا دست طلب بڑھایا، کبھی سعد بن ابی وقاص اس کے حریم ناز میں داخل ہوئے، کبھی عبد الرحمٰن بن عوف اس پر سوجان سے قربان ہوئے۔

آخر ایک دن عرب کا وہ غیور اور طاقتور انسان بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت پناہ میں آیا جس کا مشغلہ صحرا نوردی، جو جنگل کے جانوروں کا عمدہ شکاری، جس کی فطرت ثانیہ تیر اندازی وتیغ زنی، پہلوانی میں پنجہ آزمائی کرنا اس کے شوق میں شامل۔ ہاں وہی جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد بزرگوار کا سگا بھائی، جس کی والدہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ماں کی چچازاد بہن، جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رضاعی بھائی، وہی جس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جوش انتقام میں ابوجہل کو لہولہان کیا، وہی جو دار ارقم میں عمر کی آمد پر ذرہ برابر ڈرا نہ جھجکا بلکہ اس نے سہمے ہوئے مسلمانوں کو حوصلہ دیا کہ ڈرو نہیں! میری تلوار عمر کے لیے کافی ہے۔ وہی جو اسد اللہ ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شیر ہے، لقب جس کا سید الشہداء ہے، جس کا نام نامی حمزہ ہے۔

نام ونسب: آپ کا نام حمزہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی ہے۔

ابو یعلی اور ابو عمارہ کنیت قرار پائی، آپ کی والدہ کا نام ہالہ بنت وہیب بن عبد مناف بن زہرہ ہے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی ماں ہالہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی چچا زاد بہن ہیں۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سگے چچا اور رضاعی بھائی بھی ہیں کیونکہ دونوں نے ابولہب کی کنیز ثویبہ کا دودھ پیا ہے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ظاہری عمر کے اعتبار سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دو یا چار سال بڑے تھے، دو سال والا قول زیادہ صحیح ہے، اہل اسلام حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سید الشہداء کے لقب سے پکارتے ہیں۔ (اسد الغابہ، ج:۲، ص:۶۷، الاصابۃ، ج:۲، ص:۳۷)

حلیہ و مزاج: حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بہادر اور جری انسان تھے۔ طبیعت میں جلال تھا، جس کا اندازہ ابو جہل کو لہولہان کرنے سے لگایا جا سکتا ہے، قبل اسلام شکار کے بڑے شائق تھے۔ مضبوط جسم اور متوسط قد والے تھے۔ حضرت ابن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''وَكَانَ رَجُلًا لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ'' حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ میانہ کاٹھی کے مالک تھے، نہ ہی انہیں لمبا کہا جا سکتا ہے اور نہ پست قد۔ (طبقات ابن سعد، ج:۳، ص:۹)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مصاحبت: ابھی آپ پڑھ آئے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی عمر میں بہت زیادہ تفاوت نہ تھا بلکہ صرف دو سال کا فرق تھا، یہی وجہ تھی کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا بچپن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہی گزرا، نسل ایک، اصل ایک، مقام سکونت ایک، پروان چڑھنے کا زمانہ ایک، عمر متقارب لہٰذا بچپن میں سنگت بنی رہی۔ جب دونوں نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو راستے جدا جدا ہوئے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اپنے امثال و اقران کے درمیان ایک نمایاں مقام حاصل کرنے اور پر لطف زندگی کی تعمیر میں لگ گئے جبکہ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر اعلان نبوت کے جتنا قریب ہوا اتنا ہی اپنے معبود حقیقی کی یاد میں مستغرق ہوتا رہا، آخر ایک دن حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرما دیا۔ خفیہ، آہستہ اور پوشیدہ طور پر

دعوت وتبلیغ کا کام بھی شروع کر دیا لیکن مکہ والوں کے دل کفر وشرک کی بھٹیوں میں تپ تپ کر اتنے سخت اور مضبوط ہو چکے تھے کہ پتھر کی شدت بھی ان کے آگے کم تر تھی۔ جو دل زمانۂ دراز سے توہمات پرستی کا شکار رہے ہوں ان کو معبود حقیقی کے جلووں سے آشنا کر دینا یا پتھر سے زیادہ سخت دلوں کو مسخر کر لینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ ابھی تک دعوت وتبلیغ کا یہ دور مکہ والوں پر عمومی طور پر اثر انداز تو نہ ہوا تھا تاہم اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ محمد عربی کی بے داغ سیرت نے ان کے دلوں پر جو گہرے اثرات قائم کیے تھے ان کو پس پشت ڈال دینا بھی ان کے لیے ممکن نہ تھا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ اپنے معبودوں کی طرف داری کرتے ہوئے محبوب پروردگار پر طعنہ کشی کرتے اور انہیں غیر مہذب الفاظ سے یاد کرتے تھے اس سب کے باوجود بھی ان کے نہاں خانۂ دل میں کہیں نہ کہیں ضرور اس محسن انسانیت اور مکارم اخلاق ذات کی قدریں چھپی ہوئی تھیں بلکہ مکہ میں بسنے والے کتنے انسان ایسے تھے جو دل سے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تائید کرتے تھے مگر عزت نفس، معاشرتی رسم ورواج، تقالید جامد، متکبرانہ روش اور آباواجداد کی پیروی جیسی اشیاء ان کے گلے کا طوق اور پیروں کی بیڑیاں بنی ہوئی تھیں، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اگرچہ راستہ تبدیل کر لیا تھا لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے کے بعد اس عدیم المثال ہستی سے متعلق جو تاثرات وتصورات ان کے دل ودماغ میں قائم تھے وہ مٹے نہیں تھے، انہیں معلوم تھا کہ ان کا بھتیجا جن اخلاق کا پیکر اور جن خصائص کا خوگر ہے وہ ضرور اس کو لوگوں کے دلوں پر حاکم بنا کر رہیں گے اور مستقبل میں ضرور ان کا بھتیجا عظیم شان کا مالک ہوگا۔

(رجال حول الرسول، ص:۱۲۱)

قریش کی گھبراہٹ: پیغمبر اسلام اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اپنی نبوت کا اعلان فرما چکے ہیں۔ قریش مکہ اس دعوت کو بے اثر بنانا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے باہمی مشورے بھی شروع ہو چکے ہیں۔ ایک دن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ صحن کعبہ میں داخل ہوئے دیکھا کہ اشراف قریش کی محفل سجی ہوئی ہے خود کو محفل کی زینت بنا لینا بھلا معلوم ہوا تو

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اشراف قریش کے درمیان جا بیٹھے، سنجیدگی کے ساتھ قریش کی گفتگو کان لگا کر سننے لگے، آپ نے محسوس کیا کہ قریش مکہ کی گفتگو کا محور ومرکز ذات محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے، یہ پہلا موقع تھا جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اس بات کا شدت سے احساس ہوا کہ اہل مکہ کے دل ودماغ پر ان کے بھتیجے کی دعوت چھائی ہوئی ہے۔ اس دعوت نے قریش کو کرب واضطراب میں مبتلا کر رکھا ہے، اس کرب واضطراب کی وجہ سے غیض و غضب اور مخالفت ومناقشت کی جو آگ اہل مکہ کے سینوں میں جل رہی تھی وہ ان کے انداز گفتگو سے خوب ظاہر ہو رہی تھی۔ اس سے پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا تجربہ کچھ الگ تھا یا تو اہل مکہ دعوت اسلام کو خاطر میں نہیں لاتے تھے یا پھر وہ دلوں کے درد کو زبان پر لانا نہیں چاہتے تھے لیکن اب حالت بدلی ہوئی تھی آج تو ان کے چہرے گویا قلق واضطراب کا موجزن دریا تھے اور اس دعوت کا گلا گھونٹ دینا ان کی سب سے بڑی خواہش بلکہ ذمہ داری تھی۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے ان کی لمبی گفتگو سن کر ایک زوردار قہقہا لگایا اور اہل مکہ سے کہا: تم نے اپنی گفتگو میں بہت مبالغہ آرائیاں کی ہیں اور اس دعوت سے متعلق تمہارے اندازے بالکل درست نہیں ہیں، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اس تبصرہ پر ابوجہل بغیر تاخیر کیے ہوئے بول اٹھا: حاضرین محفل! آپ کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ حمزہ اس دعوت کے اثرات وخطرات سے ناواقف وجاہل نہیں ہے بلکہ میرے علم کے مطابق اس دعوت کے خطرات کا سب سے زیادہ علم جس ذات کو حاصل ہے وہ حمزہ ہی کی ذات ہے لیکن حمزہ سب کچھ جانتے ہوئے اس دعوت کو اہل مکہ کی نظر میں ہلکا بنانا چاہتا ہے تا کہ قریش غفلت کی نیند سوتے رہیں اور دعوت پروان چڑھتی رہے، پھر آنے والے وقت کا سورج ان شعاؤں کے ساتھ طلوع ہو کہ قریش کے لیے اس میں خرابی کے سوا کچھ نہ ہو اور اس کا بھتیجا قریش کا سردار بن چکا ہو۔ اہل مکہ گفتگو کرتے رہے، ایک دوسرے کو دعوت کے خطرات سے ڈراتے رہے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی پیشانی کی رنگت بدلتی رہی، کبھی غضب کے اثرات نمودار

ہوئے تو کبھی زیر لب تبسم مچل جاتا، یہاں تک کہ مجلس برخاست ہوگئی۔

مجلس کے شرکاء اپنا اپنا راستہ لے کر روانہ ہو چکے تھے لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا سر نئے افکار کے ہیجان سے بوجھل ہوا جا رہا تھا، نت نئے خیالات حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ذہن پر اپنا اثر جما رہے تھے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ عالم تصور میں اپنے بھتیجے کے مشن کا استقبال کر رہے تھے اور از سر نو اپنے نفس کے ساتھ مکالمہ بھی کر رہے تھے۔ دن گزرتے رہے، حالات بدلتے رہے، آنے والا ہر دن قریش کے سینے میں رنج و الم کا نشتر چبھوتا رہا، غم بڑھتا رہا یہاں تک کہ قریش کی گھبراہٹ اور باہمی مشورے محفلوں سے نکل کر ظلم و تعدی کی شاہ راہوں اور چوراہوں تک آ پہنچے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس پورے منظر نامے کو دور کھڑے ہو کر دیکھتے رہے لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا شعور بار بار انہیں اس بات کا یقین دلاتا رہا کہ ان کے بھتیجے کی ثابت قدمی ضرور ایک دن اسے غالب کر کے رہے گی۔

کفار مکہ کی طرف سے پھیلائے جانے والے شکوک و شبہات کسی اور کو تو محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق فریب خوردہ بنا سکتے تھے لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس پیکر صدق و صفا اور مخزن خیر و حیا سے متعلق کسی دھوکے میں آ جاتے اس کا امکان تو دور دور تک نظر نہیں آتا تھا کیونکہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے ان کے بچپن کی نزاہت و معصومیت، جوانی کی پاکیزگی و طہارت، عمر کی پختگی پر بلند عزائم اور پر نور امیدوں کو جس قرب سے دیکھا تھا اس قرب سے عام قریش میں سے کسی نے نہ دیکھا تھا، وہ تو ذات محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معرفت تقریباً اتنی ہی رکھتے تھے جتنا وہ خود اپنے آپ کو پہچانتے تھے۔ ایسا کیوں نہ ہو جب کہ یہ دونوں ایک ہی ساتھ پروان چڑھے اور جوان ہوئے، ان کی نظر کے سامنے محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی سورج کی شعاؤں سے زیادہ اجلی تھی، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اپنی یادداشت پر زور دینے کے بعد بھی یاد نہیں آتا تھا کہ محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاف و شفاف زندگی پر شبہ کا ایک نقطہ بھی لگایا جا سکتا ہے، ان کے حافظے کی دنیا میں کوئی ایسا منظر نہ تھا جس میں محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی پر غضب ناک ہوئے ہوں،

مایوسی کے شکار ہوئے ہوں، جھگڑا فساد یا واہیات سے ان کا کوئی تعلق رہا ہو۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ صرف حضور بالا کے جسم کی ہی معرفت نہ رکھتے تھے بلکہ وہ آپ کی عقل کی پختگی اور غیر متزلزل قوت ارادی کو بھی اچھے طریقے سے پہچانتے تھے۔ اس حال میں فطرۃً ایک انسان ایسی مکارم اخلاق ذات کی اتباع سے کیسے باز رہ سکتا ہے، جس کے صدق وامانت کی قدریں روز روشن سے زیادہ واضح ہوں۔ اب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا دل اپنے اندر جذبات کا تلاطم سمیٹے کسی خاص موقع کے انتظار میں تھا وہ موقع عنقریب انہیں میسر آ گیا۔

(رجال حول الرسول، ص:۱۲۲)

آپ کا قبول اسلام: اس موقع کو ہم پیر کرم شاہ ازہری کی زبان میں پیش کر رہے ہیں؛ آپ رقم طراز ہیں: اسلام کا نور تاباں آہستہ آہستہ سلیم الفطرت لوگوں کے اذہان وقلوب کو منور کرتا جا رہا تھا، اسلام نے اپنے فطری حسن وجمال سے بڑی بڑی جلیل القدر اور نادرِ روزگار ہستیوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ ہر روز کوئی نہ کوئی عظیم شخصیت اسلام قبول کر کے اس کی قوت میں اضافہ کا باعث بن رہی تھی، اسلام کے خلاف اگرچہ مشرکینِ مکہ کا اجتماعی ردّ عمل ابھی شروع نہیں ہوا تھا لیکن اکّا دکّا ایسے واقعات ظہور پذیر ہوتے رہتے جس سے اس بغض وعداوت کا اظہار ہوتا رہتا جو اسلام کے بارے میں ان کے دلوں میں سلگ رہا تھا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جس بے رحمی سے کفار نے پیٹا اس کے بارے میں آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔ اسی طرح بے سہارا اور بے آسرا لوگ جو دین حق کو قبول کرتے ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑنے میں وہ قطعاً تأمل نہ کرتے یہاں تک ان میں سے جو زیادہ شقی القلب تھے انہوں نے محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھی دست تعدی دراز کرنا شروع کر دیا تھا۔

ایک روز رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صفا کی پہاڑی پر تشریف فرما تھے، ابوجہل کا ادھر سے گزر ہوا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا تو اس کے سینے میں بغض وعناد کا جو لاوا سلگ رہا تھا پھٹ پڑا۔ اس نے سبّ وشتم کے تیر برسانے شروع کر دیے، حلم ووقار کے اس

کوہ گراں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا، اس بے اعتنائی پر ابو جہل کا غصہ اور تیز ہو گیا اس کے ہاتھ میں ڈنڈا تھا اس نے اس سے مارنا شروع کیا، پے در پے ضربوں سے جسم نازک واطہر سے خون رسنے لگا لیکن اس پیکر تسلیم و رضا نے صبر کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھا اور اُف تک نہ کی۔ دل کا غبار نکال کر ابو جہل اتراتا ہوا اپنے مداحوں کی اس محفل میں جا بیٹھا جو صحن حرم میں اس کے قبیلے والوں نے منعقد کی ہوئی تھی۔ اس کے چلے جانے کے بعد رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی خاموشی سے اپنے گھر تشریف لے گئے۔ عبد اللہ بن جدعان کا گھر کوہ صفا کے قریب تھا۔ اس کی ایک لونڈی نے یہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس روز جنگل میں شکار کے لیے گئے ہوئے تھے۔ چاشت کے وقت ایک کامیاب شکاری کی طرح شاداں وفرحاں واپس آرہے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ شکار سے واپسی پر پہلے حرم شریف میں حاضری دیتے، بیت اللہ شریف کا طواف کرتے پھر صحن حرم میں رؤسائے قریش نے اپنی اپنی محفلیں جہاں جما رکھی ہوتی تھیں وہاں جاتے۔ سب سے علیک سلیک کرتے، مزاج پرسی کرتے تب گھر واپس جاتے۔ اس روز بھی اسی ارادے سے وہ حرم شریف کی طرف جا رہے تھے کہ کوہ صفا کے پاس سے گزر ہوا۔ عبد اللہ بن جدعان کی جس کنیز نے ابو جہل کی تعدی کا دلخراش منظر دیکھا تھا وہ ان کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی اور کہا: ''اے ابو عمارہ! آج تیرے بھتیجے کے ساتھ ابو جہل نے یہ وحشیانہ سلوک کیا ہے، پہلے گالیاں دیتا رہا جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار کیے رکھی پھر مار مار کر لہولہان کر دیا''۔ یہ سن کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی، غصہ سے آگ بگولہ ہو کر ابو جہل کی تلاش میں آگے بڑھے۔ آج ان کی کیفیت ہی نرالی ہے نہ کسی سے پرسش احوال کر رہے ہیں نہ کسی محفل میں کھڑے ہو کر سلام کہہ رہے ہیں، ابو جہل کی تلاش میں سیدھے آگے بڑھے چلے جاتے ہیں آخر کار آپ کی نظر ابو جہل پر پڑ گئی جو اپنے اہل قبیلہ کی محفل میں بڑی تمکنت سے بیٹھا ہے۔ لوگ سراپا ادب بن کر اس کے گرد حلقہ باندھے بیٹھے ہیں، آپ اس مجمع میں گھس گئے اپنی کمان سے اس مردود کے سر پر پے در پے

ضربیں لگائیں کہ خون کا فوارہ پھوٹ نکلا اور غصہ سے گرجتے ہوئے کہا: ''اے ابوجہل! تیری یہ مجال کہ تو میرے بھتیجے کو گالیاں نکالے حالانکہ میں نے اس کا دین قبول کرلیا ہے اگر تجھ میں ہمت ہے تو آ! اور مجھے روک کر دیکھ''۔

بنومخزوم قبیلے کے لوگ اپنے سردار کی اس رسوائی پر سیخ پا ہو گئے، اٹھے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے اس کا بدلہ لیں۔ ابوجہل بڑا کائیاں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جیسے شیر دل کا مقابلہ ان لومڑیوں سے نہیں ہو سکے گا، خواہ مخواہ کئی جانیں ضائع ہوں گی اپنے قبیلے والوں کو کہا کہ ''ابوعمارہ (حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ) کو کچھ نہ کہو بخدا میری غلطی ہے کہ میں نے اس کے بھتیجے سے بدکلامی کی ہے''۔

رشتہ داری کے جوش میں یہ سب کچھ ہو گیا، ابوجہل سے اپنے پیارے بھتیجے کا انتقام بھی لے لیا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان بھی کر دیا لیکن جب گھر واپس آئے تو نفس امارہ نے ملامت کرنا شروع کر دی، اے حمزہ! تو نے یہ کیا کیا؟ فرط غضب میں تو اتنا دور چلا گیا کہ اپنے آباواجداد کے عقیدے کو بغیر سوچے سمجھے ترک کر دیا اور ایک نئے دین کو قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ تو نے جلد بازی میں بڑا غلط فیصلہ کیا ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ گومگو کے عالم میں ہیں۔ انہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ وہ کیا کریں؟ انہیں یہ بات اپنی شان کے سراسر خلاف معلوم ہوئی کہ انہوں نے ایک ایسے دین کو قبول کرلیا ہے جس کے بارے میں انہوں نے پوری طرح سے غور وخوض ہی نہیں کیا۔ ساری رات بڑے قلق و اضطراب میں کٹی۔ ایسی پریشان رات انہوں نے آج تک نہیں گزاری تھی اور ایسے ذہنی کرب سے انہیں کبھی پالا نہیں پڑا تھا جب صبح ہوئی تو بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے عرض کی: ''اے میرے بھتیجے! میں ایک ایسی مشکل میں گرفتار ہو گیا ہوں جس سے نکلنے کا راستہ میں نہیں جانتا اور ایسی بات پر میرا قائم رہنا بڑا مشکل ہے جس کے بارے میں مجھے یہ علم نہیں کہ یہ ہدایت ہے یا گمراہی؟ اس لیے مجھے اس بارے میں کچھ ارشاد فرمائیے؛ میرے بھتیجے! میری خواہش ہے کہ آپ اس سلسلہ میں گفتگو کریں'' (سبل الہدیٰ، ج:۲، ص:۴۴۴)

عقل و دل و نگاہ کے مرشد کامل نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے بے تاب دل کی طلب پر توجہ فرمائی اور بڑے دلنشیں انداز میں اسلام کی صداقت وحقانیت کے بارے میں چند ارشادات فرمائے، ویز کیھہ کی شان والے نبی کی نگاہ التفات کی دیر تھی کہ سارے حجابات اٹھ گئے، ساری ظلمتیں کافور ہو گئیں، شک وشبہ کا غبار چھٹ گیا، دل کی دنیا نور ایمان سے جگ مگ جگ مگ کرنے لگی اور عرض کی: میں دل کی گہرائیوں سے گواہی دیتا ہوں کہ آپ سچے ہیں۔ ''اے میرے بھائی کے فرزند! آپ اپنے دین کا اظہار فرماتے رہیے، بخدا! میں اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ مجھے ہر وہ نعمت دے دی جائے جس پر آسمان سایہ فگن ہے تاکہ میں اپنے پہلے دین کی طرف لوٹ جاؤں''۔

آپ کے ایمان لانے سے عالم کفر پر ایک رعب طاری ہو گیا، بے آسرا مسلمانوں پر ان کی ستم رانیوں میں بڑی حد تک کمی آ گئی، آپ کے اشعار جو آپ نے اپنے ایمان لانے کی خوشی میں بطور شکر وحمد کہے ہیں، آپ بھی ان کا ترجمہ پڑھیں اور لطف اٹھائیں:

''میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں، جب اس نے میرے دل کو ہدایت دی اسلام قبول کرنے کے لیے جو دین حنیف ہے''۔

''وہ دین جو رب کریم کی طرف سے آیا ہے، جو عزت والا ہے جو اپنے بندوں کے حالات سے باخبر اور ان کے ساتھ لطف واحسان فرمانے والا ہے''۔

''جب اس کے پیغاموں کی ہم پر تلاوت کی جاتی ہے تو ہر عقل منداور زیرک انسان کے آنسو ٹپکنے لگتے ہیں''۔

''یہ ایسے پیغامات ہیں جو احمد مجتبیٰ لے کر آئے ہیں ایسی آیات کے ساتھ جن کے حروف روشن ہیں''۔

''احمد مصطفیٰ وہی ہیں جن کی ہم میں اطاعت کی جاتی ہے کوئی کمزور قول اور عقل وفہم سے گری ہوئی کوئی بات ان کا گھراؤ نہیں کرتی''۔

آپ کب ایمان لائے: اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، بعض نے

کہا ہے کہ اعلان نبوت کے پانچویں سال اور بعض نے اعلان نبوت کے چھٹے سال لیکن علمائے محققین کی تحقیق یہ ہے کہ آپ اعلان نبوت کے دوسرے سال مشرف باسلام ہوئے چنانچہ علامہ ابن حجر، جوفن رجال کے امام ہیں، تحریر فرماتے ہیں: ''آپ بعثت کے دوسرے سال ایمان لائے، دم واپسی تک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نصرت میں کمر بستہ رہے اور مکہ سے مدینۂ طیبہ ہجرت فرمائی''۔

انہوں نے ۶ ھ کا قول بھی لکھا ہے لیکن ''قیل'' کے ساتھ جو ضعف پر دلالت کرتا ہے۔ علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں: ''آپ بعثت کے دوسرے سال ایمان لے آئے''۔ (اسد الغابہ، ج:۲، ص:۴۶)

علامہ احمد بن زینی دحلان السیرۃ النبویہ میں لکھتے ہیں: ''صحیح قول یہ ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اعلان نبوت کے دوسرے سال ایمان لائے اور بعض نے چھٹا سال لکھا ہے''۔ (سیرۃ النبویہ زینی دحلان، ج:۱، ص:۲۱۳)

فضیلۃ الشیخ محمد الصادق العرجون اپنی سیرت کی کتاب میں رقمطراز ہیں؛

دعوت اسلامی نے وحیِ رسالت کے آغاز میں دوسرے سال اپنی آغوش میں قریش کے معزز ترین جوان، بڑے طاقتور، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شیر، سارے شہیدوں کے سردار، میدان بدر میں شرک اور بت پرستی کے لشکروں کو تہس نہس کر دینے والے، اسلام اور توحید کے پرچم کو بلند کرنے والے، مشہور شہسوار ابو عمارہ حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کھینچ لیا۔

علامہ ابن حجر کی یہی قطعی رائے ہے، علامہ ابن عبد البر نے استیعاب میں اور علامہ قسطلانی نے مواہب میں اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا بھی تھے اور رضاعی بھائی بھی تھے اور نسب کے اعتبار سے خالہ کے بیٹے بھی تھے۔ بلا شبہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جیسے مرد میدان بہادر اور نڈر اور قریش کے معزز نوجوان کا بغیر کسی جبر اور بغیر کسی لالچ کے اسلام کو بطیب خاطر قبول کر لینا اسلام کی

https://alislami.net

صداقت کی نا قابل تردید دلیل ہے اور نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عظیم الشان معجزہ ہے۔(سیرۃ الرسول، ج:۲،ص:۲۵۱تا۲۵۸)

کعبہ میں دعائے حمزہ: رجال حول الرسول کے مصنف حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ایمان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ؛اگر چہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سیرت و کردار کے بے داغ ہونے کا یقین تھا لیکن پھر بھی ایک نیا دین اپنا لینا کوئی آسان کام نہ تھا، وہ بھی ایسا دین کہ موجودہ معاشرہ اس کا دشمن ہے اور وہ خود اس کے بارے میں زیادہ نہیں جانتے۔ جوش غضب اور برمحل حمیت کی بنیاد پر کلمہ تو پڑھ لیا لیکن دل کا اضطراب ختم ہونے کا نام نہیں لیتا، دل مضطرب کو دولت قرار بخشنے کے لیے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کعبہ کی چھاؤں میں آ گئے،کعبہ کے سائے میں آ کر، پیکرِ عجز و نیاز بن کر رب کعبہ سے گڑ گڑا کر حق و ہدایت پر دل جمعی کی دعا کی۔خود انہیں سے سنیے، کیا فرماتے ہیں: جب مجھے میری قوم کے دین کو ترک کر دینے پر ندامت ہوئی اور اس امر عظیم (اسلام) سے متعلق شکوک وشبہات کے بادل چھانے لگے، یہاں تک کہ دل کا قرار جاتا رہا، آنکھوں کی نیند اُڑ گئی تو میں کعبہ میں حاضر ہوا، اللہ تعالیٰ سے گڑ گڑا کر دعا کی کہ وہ میرے سینے کو حق کے لیے کشادہ فرما دے اور ہر شک وشبہ زائل فرما دے، اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمالی، میرا سینہ یقین کی دولت سے مالا مال ہو گیا، میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا، طبیب درد لا دوا کو اپنی پوری روداد سنائی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرے قلب کو ثابت رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔اس طرح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ دولت اسلام و دولت یقین دونوں سے مالا مال ہو گئے۔(رجال حول الرسول،ص:۱۲۴)

بحیثیت مسلمان: حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ایمان لانے کے بعد اسلام اور مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ثابت ہوئے، جب تک دنیا میں رہے ایک مخلص مؤمن اور شیدائے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہو کر زندہ رہے۔

علامہ ابن حجر کی زبانی اس کو بطور اجمال ملاحظہ کریں ’’حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ

اعلان نبوت کے دو سال بعد ایمان لائے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت ونصرت کو اپنے اوپر لازم کرلیا پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع میں ہجرت بھی فرمائی''۔

(الاصابۃ، ج:۲،ص:۳۷)

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں: حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے قریش کو اس بات کا یقین ہوگیا تھا کہ اب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مضبوط و مامون ہو گئے ہیں اور عام مسلمان بھی کفار کے ظلم وستم سے کچھ حد تک محفوظ ہو گئے تھے۔ (اسد الغابہ، ج:۲،ص:۶۸)

اب ہم اس اجمال کی قدرے تفصیل کرتے ہیں، یہ تو ممکن نہ تھا کہ تنہا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی ذات اسلام، پیغمبر اسلام اور پیروکاران اسلام سے ہر قسم کی زیادتی وتعدی اور ظلم وستم کو روک سکے تاہم اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی ذات اسلام اور مسلمانوں کے لیے ایک مضبوط ڈھال ثابت ہوئی تھی، ان کی ذات اپنوں کے لیے حفاظت تھی تو غیروں کے لیے دعوت، ان کے اسلام لے آنے نے بہت سے قبیلوں کو قبولیت اسلام کے لیے برانگیختہ کیا بلکہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے پہلے اسلام لاکر دوسرے قبیلوں کے لیے راہ ہموار کردی اور بعد میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اسلام نے اس راہ کو مزید بہتر بنا دیا تھا، جس دن سے اسلام لائے تب سے لے کر اپنی زندگی کی آخری سانس تک حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اپنے سکون و عافیت، رعب و شوکت، حیات وممات سب کو اللہ تعالیٰ اور اس کے دین پر قربان کردیا، اس لیے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں اسد اللہ و اسد رسول اللہ کے مبارک خطابات عطا فرمائے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس سریہ کے لیے مسلمانوں کو اسلام میں سب سے پہلے روانہ فرمایا، اس کی امارت کا سہرا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے سر باندھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے اگر کسی مسلمان کو سب سے پہلے جھنڈا دیا گیا تو وہ خوش نصیب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہی ہیں، جس دن حق و باطل کی معرکہ آرائی جنگ بدر کے نام پر ہوئی اس دن بھی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اسد اللہ اور اسد رسول اللہ کی حیثیت سے دنیا کے نقشہ پر

نظر آئے اور بہت ہی عجیب المنظر واقعات و حادثات آپ کی ذات اور تلوار نے کر دکھائے۔ (رجال حول الرسول، ص: ۱۲۴)

ہجرت و مواخات: جس وقت مسلمان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کی خاطر اسلام پر عمل پیرا ہونے کے لیے اسلام کو دوسرے بندگان خدا تک پہنچانے کے لیے اپنے وطن عزیز مکہ شریف کو چھوڑ کر مدینۃ المنورہ میں فقر و فاقہ کی زندگی اپنانے پر خوش ہو رہے تھے، ایمان کی حفاظت نے مال و دولت، اعزاء و اقرباء کی قربانی ان کے لیے آسان بنا دی تھی، اس وقت حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی سب کچھ مکہ میں چھوڑ کر محبوب دو عالم پر نذرانۂ جان و دل لٹانے مدینۃ المنورہ میں حاضر ہو گئے۔ امام ابن سعد بیان فرماتے ہیں: ''حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے مدینۃ المنورہ ہجرت فرمائی اور کلثوم بن ہدم کا دولت کدہ آپ کی قیام گاہ بنا۔ بعض حضرات نے آپ کی قیام گاہ کے طور پر سعد بن خیثمہ کے گھر کا ذکر فرمایا ہے۔ جب مدینۃ المنورہ میں رشتۂ مواخات پروان چڑھا اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں باہمی محبت کو مضبوط کرنے کے لیے ایک کو دوسرے مسلمان کا بھائی قرار دیا تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت کلثوم بن ہدم کا رشتۂ اخوت جوڑا گیا۔ آپ کے مدنی بھائی کے طور پر حضرت کلثوم کا نام یقینی نہیں ہے دوسرا نام بھی ممکن ہے۔ (انساب الاشراف، ج:۱، ص:۲۷۰)

اس طرح حضرت کلثوم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے بھائی قرار پائے۔ اس سے پہلے مکۃ المکرمہ میں حضرت زید بن حارثہ کو آپ کا بھائی بنایا گیا تھا۔ (حضرت زید نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اور بڑے ہی چہیتے صحابی ہیں بلکہ یہ ایک مدت تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے کی حیثیت سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے اور بعد میں قرآن پاک نے عرب کے اس دستور کو منسوخ کر دیا) حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قائم کردہ رشتہ کی بہت تعظیم فرماتے بلکہ آپ نے حق اخوت ادا کر دیا، حد تو یہ ہے کہ جب آپ جنگ احد میں شرکت کی

غرض سے حاضر ہونے کی تیاری کر رہے تھے تو آپ نے حضرت زید کے حق میں وصیت فرمائی۔(طبقات ابن سعد، ج:۳، ص:۸)

غزوات میں شرکت: حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے مدینۂ منورہ آ گئے اور انہوں نے اپنی ذات کو خدمت دین کے لیے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حوالے کر دیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی بہادری اور شیر دلی کو اچھے طریقے سے پہچانتے تھے لہٰذا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حسب ضرورت استعمال فرمایا، ہجرت کے سات مہینے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو مہاجرین کی ایک جماعت کا امیر بنا کر بھیجا، اس سریہ میں تیس مہاجرین شریک تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں ان حضرات کو قریش کے قافلے کی راہ روکنے کے لیے روانہ فرمایا، تین سو سواروں پر مشتمل کفار کا یہ قافلہ شام سے واپسی کرتے ہوئے مکہ جا رہا تھا، اس قافلے میں ابوجہل بھی موجود تھا، اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو سفید رنگ کا جھنڈا عطا فرمایا تھا، یہ پہلا جھنڈا تھا جسے اسلام میں سب سے پہلے کسی کو دیا گیا تھا (جس کے بارے میں اجمالاً آپ پہلے پڑھ چکے ہیں) اس جھنڈے کو اٹھانے کی ذمہ داری حضرت ابومرثد کو سونپی گئی تھی، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس قافلے کی تلاش میں سیف البحر تک پہنچے اور ساحل سمندر پر کفار کے قافلے کو پا لیا، حملے کی تیاری ہوئی اور دونوں طرف سے صف بندی کر لی گئی لیکن اس بیچ میں مجدی بن عمرو جہنی نے دونوں جماعتوں کو ٹکرانے سے روک دیا، مجدی بن عمرو دونوں فریقوں کا حلیف تھا اس لیے دونوں فریقوں نے اس کی بات مان لی اور نوبت قتال تک نہ پہنچ سکی۔(السیرۃ الحلبیۃ، ج:۳، ص:۱۳۶)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پہلا غزوہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس غزوے میں سب سے پہلے شرکت فرمائی اس غزوے کو غزوۂ ابواء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس کا دوسرا نام غزوۂ ودان بھی ہے۔ مدینۂ منورہ میں آمد کے ایک سال بعد یہ غزوہ

https://alislami.net

پیش آیا، اس کا مقصد بھی قریش کے قافلوں کی آمد و رفت کو روکنا تھا، اس میں صرف مہاجرین ہی شریک تھے کوئی انصاری اس میں شریک نہ تھا (انصار کی غزوات میں شرکت جنگ بدر سے شروع ہوئی) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس غزوے کی وجہ سے پندرہ دن مدینۂ منورہ سے باہر تھے، آپ نے حضرت سعد بن عبادہ کو مدینہ شریف پر اپنا نائب مقرر فرمایا تھا، غزوۂ ابواء میں بھی قتال کی نوبت نہ آئی اس موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن مضبوط ہاتھوں میں اسلام کا عظیم علم عطا فرمایا تھا، وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مقدس ہاتھ تھے، غزوے میں قتال کی نوبت تو نہ آئی لیکن مسلمان وہاں کے سردار مخشی بن عمرو ضمیری سے صلح کر کے لوٹے تھے کہ یہ قبیلہ مسلمانوں کے خلاف ان کے دشمنوں کی مدد نہیں کرے گا۔ (غزوات الرسول وسرایاہ، ج:۱ص:۱۲، المقتفیٰ فی سیرۃ المصطفیٰ، ج:۱ص:۳۹)

غزوۂ ذی العشیرہ: دو ہجری جمادی الآخرہ میں غزوہ ذی العشیرہ پیش آیا، اس میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نہ صرف شریک رہے بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عظیم جھنڈے کے آپ ہی علمبردار تھے، اس غزوے کے وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوسلمہ بن عبد الاسد کو مدینۂ منورہ پر اپنا نائب بنایا تھا اس موقع پر دو سو پچاس (۲۵۰) مہاجرین حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے لیکن یہاں بھی کفار سے مڈبھیڑ نہ ہوئی اور جنگ کی نوبت نہ آئی۔ (المقتفیٰ فی سیرۃ المصطفیٰ، ج:۱ص:۴۰)

بدر میں شجاعت: تاریخ اسلام کا یہ وہ معرکہ ہے جب اسلام وکفر، حق و باطل سچ اور جھوٹ کے درمیان پہلی ٹکر ہوئی اس معرکہ میں فرزندان اسلام کی تعداد لشکر کفار کی تعداد سے ایک تہائی تھی، وسائل اور اسلحہ کے اعتبار سے بظاہر بہت کمزور تھے، جزیرۂ عرب کا اجتماعی ماحول سراسر ان کے خلاف تھا، انتہائی خوش فہمی کے باوجود اسلام کے غلبہ اور فتح مند ہونے کی پیش گوئی نہیں کی جاسکتی تھی، کفر بڑے کروفر کے ساتھ حق کی بے سروسامانی سے نبرد آزما ہونے کے لیے تین گنا فوج لے کر بڑے غرور اور رعونت سے میدان میں آیا تھا لیکن اسے ایسی فیصلہ کن ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا جس نے اس کی کمر توڑ دی پھر اسے کبھی

https://alislami.net

ہمت نہ ہوئی کہ وہ اس شان سے حق کو للکار سکے۔ (سیرۃ الرسول، ج:۳،ص: ۲۹۳)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بدر میں اپنی خداداد شجاعت کی دھاک بٹھا دی تھی، جنگ بدر میں پہلا جہنم رسید ہونے والا کافر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تلوار کا ہی مقتول تھا، مشہور زمانہ بدخلق اسود بن عبد الاسد مخزومی مسلمانوں کے حوض کو خراب کرنے کے لیے آ گے بڑھا اور اس نے بلند آواز سے کہا: میں نے قسم کھائی ہے کہ مسلمانوں کے حوض سے پانی پی کر رہوں گا یا پھر اس پانی کو خراب کر دونگا ورنہ اس چشمے کے پاس ہی جان دے دوں گا۔ اسلام کے شاہین حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس کافر کی یہ ڈینگیں سنتے ہی اپنی تلوار سنبھال لی، حملہ کیا اور اس کی پنڈلی کاٹ دی، یہ ظالم رینگتا ہوا چشمے کی طرف بڑھا، تاکہ اپنے خون سے پانی خراب کر کے اپنی قسم پوری کر لے لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے دوسرے وار نے اس کو جہنم رسید کر دیا، اسود بن عبد الاسد کی لگائی ہوئی یہ چنگاری میدان بدر میں شعلۂ جوّالا بن چکی تھی اور دونوں طرف کے بہادر ایک دوسرے سے برسر پیکار ہونے کے لیے میدان عمل میں اتر چکے تھے۔

اس وقت کی جنگوں میں بالخصوص کفار قریش کا یہ دستور تھا کہ پہلے فرداً فرداً ایک سے ایک کا مقابلہ ہوتا پھر عام لڑائی شروع ہوتی، کفار کی طرف سے امیر لشکر عتبہ، شیبہ اور ولید مقابلے کے لیے ابتداءً نکلے، ان کے مقابلے کے لیے تین انصاری جوان عون، معوذ اور عبداللہ بن رواحہ میدان میں آئے لیکن کفار گھمنڈ کے پتلوں نے کہا: تم کون ہو؟ غلامان مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب دیا: ہم انصار ہیں، ان سرکشوں نے کہا: تم ہمارے مدمقابل نہیں ہو، ہمیں ہمارے ہم قوم ہمسر چاہیے تب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہم کو ان کے مقابلے میں بھیجا، حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ (جو عمر میں ان دونوں سے بڑے تھے) نے عتبہ کو للکارا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے شیبہ کو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عتبہ کے بیٹے ولید کو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے مدمقابل کو سنبھلنے کا موقع بھی نہ دیا اور ایک ہی وار میں جہنم رسید کر دیا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی شمشیر خاراشگاف سے وار کیا اور

اس سے پہلے کہ شیبہ سنبھل پاتا آپ کی شمشیر براں نے اسے دوٹکڑے کر کے زمین پر پھینک دیا اور اس کا سر غرور ہمیشہ کے لیے تن سے جدا کر دیا پھر یہ دونوں حضرات، حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کی امداد کے لیے بجلی کی تیزی سے بڑھے اور ان کی تلواریں بجلی کی سرعت سے کوندیں اور عتبہ کی لاش کو پارہ پارہ کر دیا۔ (الکامل فی التاریخ، ج:۲،ص:۲۲، سیرت الرسول، ج:۳،ص:۳۳۷)

علامتی نشان: حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ میدان بدر میں ممتاز نظر آ رہے تھے، وجہ یہ تھی کہ آپ نے اپنے جسم پر بطور علامت شتر مرغ کا پر لگا رکھا تھا، جوش جہاد سے اتنے سرشار تھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آگے آگے دو تلوار لے کر جہاد فرما رہے تھے، جنگ کے اختتام پر کفار کے قیدیوں نے مسلمانوں سے پوچھا: یہ کون شخص تھا؟ جس نے اپنے اوپر شتر مرغ کا پر لگا رکھا تھا، لوگوں نے جواب دیا: یہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ جو اب سن کر پوچھنے والے نے کہا تھا: اچھا! یہ حمزہ ہیں، جنہوں نے ہمارے لشکر کے ساتھ یہ کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ (اسد الغابہ، ج:۲،ص:۶۸)

اوپر ذکر کردہ سوال و جواب سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں اپنی کارکردگی اور کفار کو تہ تیغ کرنے کی وجہ سے کفار کی نظروں میں چڑھ گئے تھے کیونکہ وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہی تھے جنہوں نے کفار کو تہس نہس کرنے میں کوئی کمی نہ چھوڑی تھی اور اس کے نتیجے میں کفار کو ناقابل تلافی ہزیمت و نقصان جھیلنا پڑا تھا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مشرکین کی نظروں میں چڑھ جانا ہی ان کی شہادت کا سبب بنا۔

کفار کا غم: قریش اپنی ہزیمت خوردہ تلواروں کے ساتھ میدان بدر سے مکہ لوٹ ضرور آئے تھے لیکن ذلت و رسوائی ان کی تلواروں سے ابھی بھی ٹپک رہی تھی۔ ذمہ داران قریش پھٹا دل اور لٹکا منہ لے کر مکہ آ گئے تھے لیکن میدان بدر میں سرداران قریش کے سرد لاشے چھوڑ آئے تھے۔ ابوجہل، عتبہ، شیبہ، امیہ، عقبہ بن ابی معیط، اسود بن عبد الاسد، ولید بن عتبہ، نضر بن حارث، عاص بن سعید، طعیمہ بن عدی اور ان کے علاوہ درجنوں کفار کے خاک و خون سے آلود لاشے درندوں، پرندوں یا کیڑے مکوڑوں کے شکار ہو چکے تھے اتنی

رسوا کن شکست کفار کیسے برداشت کر سکتے تھے؟ انہوں نے مکہ پلٹنے کے بعد ہی انتقامی جذبے کے تحت تیاری شروع کردی تھی وہ جلد از جلد اس شکست کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔

(رجال حول الرسول، ص:۱۲۵)

معرکہ بدر سترہ رمضان المبارک دو ہجری میں پیش آیا اور اس کے تقریباً ایک سال بعد ہی شوال ۳ھ میں کفار نے مدینہ شریف پر حملہ کی تیاری کی اور ایک عظیم جنگ پیش آئی جسے جنگ اُحد کہا جاتا ہے۔ (السیرۃ النبویۃ لابن کثیر، ج:۳، ص:۱۴۵)

حضرت حمزہ کفار کے نشانے پر: کفار قریش اُحد میں مسلمانوں سے بدلہ لینے آئے تھے، عمومی حیثیت سے تو ہر مسلمان ان کے نشانے پر تھا مگر خصوصیت کے ساتھ اس جنگ میں دو ہستیاں ایسی تھیں جو کفار کا ہدف اصلی تھیں، وہ اپنے اس ہدف کو کامیاب بنا کر اپنے غیض وغضب کی آتش کو سرد کرنا چاہتے تھے اور اپنی جبینوں پر لگی ہوئی رسوائی کی کالک ہٹانا چاہتے تھے، ان میں ایک ذات تو رحمت عالمیاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تھی اور دوسرا نام حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔

قتل کا سودا: اگر جنگ سے قبل ان کی تیاری کا جائزہ لیں گے تو ہمارے ذکر کردہ دعوے کی پوری تائید ہو جائے گی۔ انہوں نے اُحد روانہ ہونے سے پہلے ایک شخص سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے متعلق سودے بازی کی تھی اور اس سودے بازی میں اس شخص کو صرف ایک ہی کام سونپا گیا تھا اور وہ کام تھا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا۔ کیا آپ اس شخص کو جانتے ہیں؟ جس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل کی ذمہ داری اپنے سر لی تھی۔ اس شخص کو وحشی کہا جاتا ہے لیکن وحشی نے اتنی بڑی ذمہ داری یوں ہی نہیں لے لی تھی بلکہ قریش نے اس کے لیے بھاری قیمت چکائی تھی۔ ہم یہ بھی بتاتے چلیں کہ اس ذمہ داری کے لیے وحشی ہی کا انتخاب کیوں عمل میں آیا تھا، وحشی عرب کا وہ مشہور نیزہ باز نشانچی تھا کہ اس کا نشانہ خطا نہیں کرتا تھا۔ اب وہ اجرت بھی پڑھتے چلیے جو وحشی کو دینا قرار پائی تھی، وحشی کو اجرت دینے والے ایک سے زائد لوگ تھے اور اجرت بھی کئی طرح کی تھی، اجرت دینے

https://alislami.net

والوں میں ایک نام تو جبیر بن مطعم کا ہے جس کے چچا طعیمہ بن عدی کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے میدان بدر میں ذلت کے ساتھ قتل کیا تھا لہٰذا اپنے چچا کا بدلہ لینے کے لیے جبیر نے وحشی سے کہا تھا ''أُخْرُجْ مَعَ النَّاسِ وَإِنْ أَنْتَ قَتَلْتَ حَمْزَةَ فَأَنْتَ عَتِيقٌ'' تم احد میں شرکت کرو، اگر تم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا تو تم میری طرف سے آزاد ہو جاؤ گے۔ وحشی جبیر بن مطعم ہی کا غلام تھا۔ اتنی بڑی قیمت ٹھہرا کر بھی کفار بدکار حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل پر مطمئن نہیں ہوئے تھے بلکہ انہوں نے اس کے علاوہ بھی تدبیریں کی تھیں۔ وحشی کا معاملہ ہند بنت عتبہ کو سونپا گیا تھا اور ہند کو یہ ذمہ داری دی گئی تھی کہ وہ برابر وحشی کو قتل حمزہ پر برانگیختہ کرے اور وحشی کی مکمل ذہن سازی کرتی رہے۔ قریش اس امکان کے وقوع سے محفوظ ہونا چاہتے تھے کہ وحشی اپنے ہدف سے غافل ہو جائے، ہند نے بھی اس موقع کو ہاتھوں ہاتھ لیا تھا کیونکہ ہند نے بھی تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے بڑے غم اٹھائے تھے۔ یہ ہند زوجہ ابوسفیان وہی تو ہے جس نے میدان بدر میں اپنے باپ، چچا، بھائی اور بیٹا سبھی کو تو کھو دیا تھا، اسے یہ بھی معلوم تھا کہ ان سب کو یا تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے خود موت کے گھاٹ اتارا ہے یا پھر ان کی موت کا سامان فراہم کیا ہے۔ اس لیے ہند نے وحشی کو بڑی سخت تاکید کی تھی کہ وہ جنگ میں کسی اور چیز میں ہرگز مشغول نہ ہو اور اپنی نظریں صرف اور صرف حمزہ پر جمائے رکھے، اتنا ہی نہیں ہند نے قتل حمزہ کو یقینی بنانے کے لیے وحشی کو اور بھی بہت کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا۔

ہند نے وحشی سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو گیا تو وہ اسے اپنا سب سے قیمتی زیور اسے نذر کر دے گی۔ اس نے وحشی سے زبانی کہہ ہی نہیں دیا تھا بلکہ قیمتی ہیروں سے جڑی بالیاں اور سونے کا ہار اپنے ہاتھوں میں لے کر لہرایا، اس کی نظریں وحشی کے چہرے پر جمی ہوئی تھی اور وہ کہہ رہی تھی: وحشی یہ سب کچھ تمہارے لیے ہے اگر تم حمزہ کو قتل کر سکو۔ لالچی وحشی کے منہ سے مال کی مٹھاس کا پانی ٹپکنے لگا، دماغ معرکۂ احد میں شرکت کر کے آزادی کے خواب دیکھنے لگا، کیا وہ اب غلام نہ رہے گا؟ وہ ایک آزاد اور مالدار

آدمی بن کر معاشرے میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا؟ مکہ کی عورتوں کی سردار، سردار کی بیوی اور سردار کی بیٹی اپنا وہ زیور جو کبھی اس کے جسم کی زینت ہوا کرتا تھا اس کے لیے نکال کے رکھ دے گی؟ اور وہ اس کا مالک بن جائے گا؟ یہ سب خواب دیکھ کر اس نے یہ مہنگا سودا کر لیا اور اس کے لیے خود کو تیار بھی کر لیا تھا۔ (رجال حول الرسول، ص: ۱۲۶)

احد میں شجاعت: شوال ۳ھ میں وہ دن آ گیا جس کے لیے کفار نے پورے سال زوردار تیاریاں کی تھیں۔ دو لشکر آمنے سامنے ہوئے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ میدان جنگ بلکہ میدان شہادت میں جنگی لباس زیب تن کیے ہوئے پورے کروفر کے ساتھ موجود تھے، وہ حسب عادت شتر مرغ کے پر کو بطور علامت اپنے سینے پر لگائے ہوئے تھے، جیسا کہ میدان بدر میں بھی انہوں نے یہی شعار اپنایا تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اسد اللہ اور اسد رسول اللہ کی حیثیت سے میدان احد میں اپنی بہادری کے جوہر دکھا رہے تھے، جس کا قصد کرتے اسے خاک وخون میں تڑپا دیتے، ان کی تلوار گویا موت بنی ہوئی تھی جو مسلسل کفار کو اپنا شکار بنا رہی تھی۔ میدان احد مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو چکا تھا اگر اس تیرانداز دستے نے وہ درہ نہ چھوڑا ہوتا، جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں لگایا تھا تو میدان احد کفار قریش کا قبرستان بن جاتا ان کے مردوں کا، ان کی عورتوں کا بلکہ ان کے اونٹ اور گھوڑوں کا بھی، لیکن تیرانداز وہاں سے ہٹ کر مال غنیمت لوٹنے لگے اور کفار نے پلٹ کر حملہ کر دیا، اس ناگہانی حملے نے مسلمانوں کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ دیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی طرف سے زوردار مدافعت کی لیکن وحشی آپ کی تاک میں لگا ہوا تھا۔

(رجال حول الرسول، ص: ۱۲۶)

شہادت جنگ کے کس مرحلے میں ہوئی: رجال حول الرسول کے مصنف کے بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت جنگ کے دوسرے مرحلے میں ہوئی، بعض دوسرے محققین کی رائے ہے کہ شہادت جنگ کے پہلے مرحلے میں ہوئی اور بعض نے توقف کیا ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا بیان پیر کرم شاہ ازہری نے

https://alislami.net

اپنی کتاب میں عمدہ حوالوں کے ساتھ کیا ہے لہٰذا ہم شہادت کی تفصیلات ان کی کتاب سے نقل کر رہے ہیں:

بیان شہادت: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شیر سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت یوم احد کے اہم ترین اور الم انگیز واقعات میں سے ایک ہے۔ یہ واقعہ جنگ کے کس مرحلے میں پیش آیا اس کے بارے میں وثوق سے کچھ کہنا میرے لیے مشکل ہے، البتہ یہ بات ثابت ہے کہ جب اسلام کے مجاہدین اہل مکہ کے علمبرداروں سے یکے بعد دیگرے نبرد آزما تھے، اس وقت آپ خیر و عافیت سے تھے اور ان میں سے ابوشیبہ، عثمان بن ابی طلحہ، ارطاہ بن شرحبیل کو آپ کی شمشیر خارا شگاف نے لقمۂ اجل بنایا تھا۔ البتہ امام حسین بن محمد بن حسن الدیار بکری نے اپنی تصنیف لطیف ''تاریخ الخمیس'' میں صراحت سے یہ لکھا ہے کہ جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ لشکر کفار کے ایک علمبردار ارطاہ بن شرحبیل کو تہ تیغ کر چکے تو ان کا سامنا ایک اور مشرک سباع بن عبد العزی الغبشانی سے ہوا تو آپ نے اس کو للکارا اور فرمایا: ''اے لڑکیوں کا ختنہ کرنے والی کے بیٹے! آ اور حمزہ کا مقابلہ کر''۔ جب سباع سامنے آیا تو آپ نے ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ وحشی اس وقت آپ کی تاڑ میں تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مست اونٹ کی طرح جس طرف بڑھتے جو سامنے آتا اس کو لتاڑتے ہوئے آگے نکل جاتے، اس وقت جب آپ ہمہ تن کفار کو تہ تیغ کرنے میں مصروف تھے، پیچھے سے وحشی نے حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیا۔ علامہ مذکور کی اس تحقیق سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آپ کی شہادت جنگ کے ابتدائی مرحلے میں ہوئی۔ (تاریخ الخمیس، ج:۱، ص:۴۲۵)

امام بخاری، ابوداؤد الطیالسی اور ابن اسحاق اور دیگر اہل تحقیق نے آپ کی شہادت کا واقعہ آپ کے قاتل وحشی کی زبان سے یوں نقل کیا ہے وحشی کا بیان ہے: جنگ بدر میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے طعیمہ بن عدی کو قتل کیا تھا۔ جب قریش مکہ جنگ احد کے لیے روانہ ہوئے تو میرے مالک جبیر بن مطعم (جو بعد میں مشرف باسلام ہو گئے) نے مجھے کہا

کہ اگر تم میرے چچا طعیمہ کے عوض حضور کے چچا حمزہ کو قتل کر دو تو تم آزاد ہو۔ چنانچہ میں بھی لشکر کفار میں شامل ہو کر روانہ ہوا۔ میں حبشی الاصل تھا اور حربہ (چھوٹا نیزہ) مارنے میں کمال مہارت رکھتا تھا۔ شاذ و نادر ہی میرا وار کبھی خطا جاتا تھا۔ جب جنگ شروع ہوئی اور دونوں فریق ایک دوسرے سے مصروف پیکار ہو گئے تو میں صرف حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرگرمیوں کو تاڑتا رہا۔ آپ ایک مست خاکستری اونٹ کی طرح دندناتے پھرتے تھے، جدھر سے گزرتے اپنی تلوار آبدار سے صفوں کو الٹ پلٹ کر کے رکھ دیتے، آپ کے مقابلہ میں کھڑا ہونے کی کسی میں جرأت نہ تھی۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ جو جدھر رخ کرتا ہے، لوگ بھاگ کھڑے ہوتے ہیں، لوگوں نے مجھے بتایا؛ یہی حمزہ ہیں۔ میں نے دل میں کہا: میرے مطلوب تو یہی ہیں۔ میں نے ان کو اب پہچان لیا تھا، اب میں ان پر ضرب لگانے کی تیاری کرنے لگا، کبھی کسی درخت اور کبھی کسی چٹان کی اوٹ میں چھپتا چھپاتا میں ان کے نزدیک پہنچنے کی کوشش کرنے لگا، اسی اثناء میں سباع بن عبد العزی الغبشانی سامنے آ نکلا، جب حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے دیکھا تو اسے للکارتے ہوئے کہا: ''اے ختنہ کرنے والی کے بیٹے! آ میری طرف دو دو ہاتھ ہو جائیں، تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دشمنی رکھتا ہے'' یہ کہہ کر آپ نے اس پر حملہ کر دیا اور آن واحد میں اسے موت کی آغوش میں سلا دیا اور اس کے بے جان لاشے سے زرہ اتارنے کے لیے اس پر جھکے۔ میں ایک چٹان کی اوٹ میں تاڑ لگائے چھپا بیٹھا تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پاؤں پھسلا تو زرہ سرکنے سے آپ کا پیٹ ننگا ہو گیا۔ میں نے اپنے چھوٹے نیزے کو پوری قوت سے اپنی گرفت میں لے کر لہرایا، جب مجھے تسلی ہو گئی تو میں نے تاک کر وہ نیزہ آپ کے شکم پر دے مارا جو ناف کے نیچے سے اندر گھسا اور پار نکل گیا۔ آپ نے غضب ناک شیر کی طرح مجھ پر جھپٹنا چاہا لیکن زخم کاری تھا آپ اٹھ نہ سکے۔ میں وہاں سے چلا آیا جب آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی تو میں پھر وہاں گیا اور اپنا نیزہ اٹھا لایا۔

(تاریخ الخمیس، ج:۱،ص:۴۲۵ تا ۴۲۶)

کان، ناک اور کلیجے کا حال: صاحب امتاع نے مزید لکھا ہے کہ وحشی نے آپ کو شہید کرنے کے بعد آپ کا پیٹ چاک کیا، آپ کا کلیجہ نکالا اور ہند کے پاس لے آیا اور کہا: یہ حمزہ کا کلیجہ ہے۔ اس نے اسے چبایا اور نگلنا چاہا لیکن تھوک دیا شاید نگل نہ سکی، ہند نے اپنے کپڑے اور زیورا تار کر وحشی کو بطور انعام دیے اور وعدہ کیا کہ مکہ جا کر وہ اسے مزید دس دینار بطور انعام دے گی، پھر اسے کہا: چلو میرے ساتھ اور مجھے حمزہ کی لاش دکھاؤ، وہاں پہنچ کر اس سنگ دل عورت نے آپ کے اور دیگر شہدا کے کان ناک کاٹے پھر انہیں پرویا، ان کے کڑے بازو بند اور پازیب بنائے اور مکہ میں جب داخل ہوئی تو یہ زیور پہن کر داخل ہوئی۔ (تاریخ الخمیس، ج:۱،ص:۴۲۶)

وحشی کہتا ہے؛ مجھے اس سے زیادہ جنگ سے کوئی دلچسپی نہ تھی، میں نے اپنی آزادی کا راستہ ہموار کر لیا تھا، واپس آ کر ایک کونے میں بیٹھ گیا اور لوگوں کی جنگ کا تماشا دیکھنے لگا۔ جب جنگ ختم ہوئی تو میں اپنے مالک کے ہمراہ مکہ واپس آیا، اس نے حسب وعدہ مجھے آزاد کر دیا۔

بارگاہ رسالت میں وحشی کی حاضری: اس کے بعد میں مکہ میں ہی رہائش پذیر رہا۔ جب مکہ فتح ہوا تو میں بھاگ کر طائف آ گیا لیکن جب اہل طائف کا وفد اسلام قبول کرنے کے لیے جانے لگا تو مجھ پر دنیا تاریک ہوگئی اور میں اپنی زندگی سے مایوس ہو گیا، پھر مجھے خیال آیا کہ میں کیوں یمن یا شام نہ چلا جاؤں اور زندگی کے بقیہ ایام آرام سے گزاروں؟ میں اسی اُدھیڑ بُن میں تھا کہ ایک شخص نے مجھے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی ایسے شخص کو ہرگز قتل نہیں کرتے جو دین اسلام کو قبول کر لے۔ (سبل الہدیٰ، ج:۴،ص:۳۱۹)

اس کی یہ بات سن کر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ مدینۂ طیبہ جا کر اپنے آپ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کر دوں چنانچہ میں طائف سے روانہ ہو کر مدینۂ منورہ پہنچا، لوگوں نے جب مجھے دیکھا تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں میری آمد کی اطلاع دی۔ اس داعی حق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بہادر اور از حد عزیز چچا کے

قاتل کو اپنے قابو میں پانے کے بعد فرطِ غضب سے اس کے پرخچے اڑانے کا حکم نہیں دیا بلکہ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے وہی بات نکلی جو ہادیِ برحق کی شان رفیع کے شایاں تھی۔ فرمایا: ''دعوہ'' اسے رہنے دو، اسے کچھ نہ کہو، ایک آدمی کا مشرف باسلام ہونا مجھے اس بات سے بہت عزیز ہے کہ میں ایک ہزار کفار کو تہ تیغ کر دوں۔

میرے سامنے نہ آنا: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب مجھے اپنے بالکل قریب کھڑے ہوئے کلمہ شہادت پڑھتے دیکھا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بڑی حیرت ہوئی، پوچھا: کیا تم وحشی ہو؟ میں نے عرض کی: ہاں یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! فرمایا: بیٹھ جاؤ اور مجھے سناؤ کہ تم نے حمزہ کو کیسے قتل کیا؟ میں نے بالتفصیل سارا واقعہ سنایا، سن کر فرمایا: تیری خیر ہو، اپنے چہرے کو مجھ سے چھپائے رکھنا مجھے نظر نہ آنا۔

وحشی نے مسیلمہ کذاب کو قتل کیا: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد ہمایوں میں جب انکار ختم نبوت کے فتنہ کی آگ سارے جزیرۂ عرب میں بھڑک اٹھی تو جو لشکر اسلام خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لیے نجد بھیجا گیا اس میں یہ وحشی بھی تھے، یہ خود اس واقعے کا ذکر کرتے ہیں کہ اس جھوٹے نبی کی بیخ کنی کے لیے جو لشکر خلیفۃ الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھیجا میں اس میں شریک تھا اور میرے ہاتھ میں وہی حربہ (چھوٹا نیزہ) تھا جس سے میں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شیر کو شہید کیا تھا۔ جنگ میں گھمسان کا رن پڑا، میں نے دیکھا کہ مسیلمہ ہاتھ میں تلوار لیے اپنی فوجوں کی رہنمائی کر رہا ہے۔ میں نے دل میں ٹھان لی کہ اسے اپنے حربے کا نشانہ بناؤں گا۔ میں اس پر حملہ کرنے کے لیے تیاری کرنے لگا، میں اس نیزہ کو ہاتھوں میں لے کر تول رہا تھا اور اس کی شست باندھ رہا تھا کہ میں نے ایک انصاری کو دیکھا وہ بھی اس پر تاڑ لگائے ہوئے ہے اور اسے اپنی تلوار کی ضربت قاہرہ کا نشانہ بنانا چاہتا ہے۔ جب میں مطمئن ہو گیا تو میں نے اپنا حربہ کھینچ مارا، اس لمحہ میرے بھائی انصاری نے بھی اپنی تلوار کا وار اس پر کیا، وہ اب خاک و خون میں تڑپ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ کس کے وار نے اسے جہنم رسید کیا۔ وحشی کہا کرتے تھے کہ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد

سب سے بہتر آدمی (حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ) کو شہید کیا تو میں نے سب سے شریر آدمی (مسیلمہ کذاب) کو قتل کرنے کا بھی شرف حاصل کیا ہے۔ (سیرۃ الرسول، ج:۳،ص:۴۸۹ تا ۴۹۲)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے میدان احد میں شہید ہونے سے پہلے اپنی شمشیر خارا شگاف سے اکتیس کفار کو واصل جہنم کیا تھا۔ (اسد الغابہ، ج:۲ ص ۶۸)

فائدہ: علامہ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان ''تم مجھے نظر نہ آنا'' اس کے بعد طیالسی کی روایت میں اتنا اور زائد ہے کہ وحشی اس کے بعد اپنے آپ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بچانے لگے کہ کہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظر ان پر نہ پڑ جائے۔ ابن عائد کی روایت میں اتنا اور زائد ہے کہ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے وصال تک مجھے نہیں دیکھا (ان دونوں روایتوں کا حاصل یہ ہوا کہ پھر وحشی تمام عمر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے نہ جا سکے) اور طبرانی کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وحشی سے فرمایا: جاؤ! جہاد کرو، جیسے تم پہلے اسلام کی مخالفت کیا کرتے تھے۔ (فتح الباری، کتاب المغازی، باب قتل حمزہ)

وحشی کو سامنے آنے سے کیوں منع کیا: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وحشی کو اپنے سامنے آنے سے کیوں منع کر دیا، اس کا جواب میں کسی قابل ذکر ماخذ میں تلاش نہیں کر سکا البتہ میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ یہ حضرت وحشی پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت تھی کیونکہ اگر وحشی سامنے آتے اور تقاضۂ بشریت کی بنا پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے چچا کی یاد بے تاب کرتی اور پھر حضرت وحشی سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایذا ہوتی تو یہ ایذا وحشی کے حق میں خطرناک ثابت ہوتی کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشی سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور ان کی ایذا سے پروردگار غضب فرماتا ہے۔

نہیں وہ میٹھی نگاہ والا خدا کی رحمت ہے جلوہ فرما
غضب سے ان کے خدا بچائے جلال باری عتاب میں ہے

پھر میرے خیال کی تائید شرح بخاری کی اس عبارت سے ہوئی ''فیہ ما کان علیہ

من الرفق وان المرأ يكره ان يرى قاتل وليه" اس فرمان کی حکمت حضور کی وحشی پر رحمت ہے کیوں کہ انسان اپنے سرپرست کے قاتل کو دیکھنا پسند نہیں کرتا۔

(الفجر الساطع علی الصحیح الجامع کتاب المغازی، ج:۴،ص:۶۳)

ہند کے اشعار: ہند بنت عتبہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو کیا وہ آپ پڑھ آئے ہیں۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل سے اس کو بے حد خوشی حاصل ہوئی تھی جس کو اس نے اپنے اشعار میں بیان کیا ہے۔

نحن جزينا كم بيوم بدر والحرب بعد الحرب ذات سعر

ما كان عن عتبة لی من صبرولا اخی و عمه و بكری

شفيت نفسی و قضيت نذری ازاح وحشی غليل صدری

اے مسلمانو! ہم نے تم سے جنگ بدر کا بدلہ لے لیا ہے۔ ایک جنگ کے بعد دوسری جنگ تو بھڑکتی ہی ہے۔

میرے باپ، بھائی اور چچا وغیرہ کے قتل ہو جانے کے بعد میرے نفس میں یارائے ضبط نہ رہا تھا۔

لیکن (حمزہ کے قتل سے) میں نے اپنے نفس کو شفا بخش دی ہے اور میں نے اپنی نذر پوری کر لی ہے، وحشی نے میرے سینے کی آگ کو ٹھنڈا کر دیا ہے۔ (رجال حول الرسول،ص: ۱۲۷) یاد رہے کہ ہند بعد میں فتح مکہ کے دن مسلمان ہو گئی تھیں۔

اسلام ماقبل کے تمام جرائم معاف کروا دیتا ہے لہٰذا اب حضرت ہند کو مطعون کرنا جائز نہیں اب وہ ایک صحابیہ ہیں ان کی وہی عزت کی جائے گی جو حضور کے تمام اصحاب کی کرنی چاہیے۔

نعش کی تلاش: پیر کرم شاہ ازہری لکھتے ہیں: سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بار بار پوچھتے ؛ میرے چچا نے کیا کیا؟ یعنی ان کی کوئی خبر بتاؤ۔ حارث بن الصمہ ان کی تلاش میں نکلے دیر تک ڈھونڈتے رہے کوئی سراغ نہ ملا۔ پھر سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تلاش کے لیے تشریف لے گئے، تلاش بسیار کے بعد وادی کے وسط میں آپ کا جسد اطہر خون میں نہایا ہوا دیکھا۔ واپس آ کر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اطلاع دی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود تشریف لے گئے، سرفروشی اور جانبازی کی اقلیم کا سلطان جس تخت خاک پر جلوہ فرما تھا وہاں پہنچے تو عاشق صادق کی قابل رشک حالت دیکھ کر حضور دم بخود کھڑے ہو گئے، پیٹ چاک ہے، وہ دل جو اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جلوہ گاہ تھا کاٹ کر نکال لیا گیا ہے اور اسے پرزہ پرزہ کر دیا گیا ہے، روئے تاباں کی ساری آرائشیں ناک، آنکھیں اور کان سب توڑ پھوڑ دی گئی ہیں، اتنا غم انگیز منظر حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ چشمان مبارک سے آنسوؤں کے گوہر ہائے تابدار ٹپ ٹپ گرنے لگے۔

جب لشکر اسلام میں بھگدڑ مچی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا: حمزہ کہاں ہیں؟ ایک شخص نے عرض کی: اس وقت میں نے انہیں ان چٹانوں کے پاس دیکھا وہ کہہ رہے تھے ''میں اللہ تعالیٰ کا شیر ہوں اس کے رسول کا شیر ہوں۔ اے اللہ! میں ان کفار کی کارستانیوں سے برأت کا اظہار کرتا ہوں اور ان مسلمانوں نے جو راہ فرار اختیار کی ہے اس کے لیے معذرت خواہ ہوں''۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان چٹانوں کے پاس پہنچے وہاں آپ کی مثلہ شدہ لاش دیکھ کر آنکھیں اشک بار ہو گئیں، یہاں تک کہ ہچکی بندھ گئی پھر آپ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں، آپ جس طرح کہ میں جانتا تھا بھلائیاں کرنے والے تھے، صلہ رحمی کرنے والے تھے اور اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ آپ کی بہن یا ہمارے خاندان کی عورتیں غمزدہ ہوں گی تو میں ان کی لاش کو یوں ہی چھوڑ دیتا تا کہ قیامت کے دن ان کا حشر درندوں کے شکموں اور پرندوں کے پوٹوں سے ہوتا'' پھر فرمایا: مبارکباد، ابھی جبرئیل آئے ہیں انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ ساتوں آسمانوں میں یہ شہید راہ حق کے نام سے مشہور ہے ''یعنی حمزہ بن عبدالمطلب اللہ تعالیٰ کا شیر ہے اور اس کے رسول کا شیر ہے''۔

پھر فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے مشرکین پر غلبہ دیا تو میں ان میں سے ستر مقتولوں کا اس سے بھی بدتر مثلہ کروں گا۔ فوراً جبرئیل امین بارگاہ رب العزت سے یہ پیغام لے کر نازل ہوئے: وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ○ ”اور اگر تم انہیں سزا دینا چاہو تو انہیں سزا دو لیکن اس قدر جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے اور اگر تم ان کی ستم رانیوں پر صبر کرو تو یہ صبر ہی بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لیے“۔ (سورۃ النحل، آیت: ۱۲۶) چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صبر کو اختیار فرمایا اور کسی لاش کو مثلہ کرنے سے اپنے سارے امتیوں کو روک دیا۔

حضرت صفیہ خواہر سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہما: حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ کی سگی بہن تھیں جب انہیں آپ کی شہادت کی خبر ملی تو بھائی کی نعش دیکھنے کے لیے میدان جنگ میں پہنچیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں دور سے آتے دیکھا تو پہچان لیا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت زبیر بن عوام کو حکم دیا کہ اٹھو اور اپنی ماں کو آگے آنے سے منع کر دو، ایسا نہ ہو کہ اپنے بھائی کی پھٹی کٹی نعش دیکھ کر وہ اپنا دماغی توازن کھو بیٹھیں۔ حضرت زبیر اس تعمیل ارشاد کے لیے دوڑتے ہوئے گئے، وہاں پہنچنے سے پہلے اپنی والدہ کو جالیا اور انہیں آگے جانے سے روکنا چاہا تو ماں نے بیٹے کے سینے پر گھونسہ دے مارا اور گرج کر کہا: ہٹ جاؤ! میرے سامنے سے۔ انہوں نے ادب سے گزارش کی: امی جان! حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ واپس چلی جائیں وہ بولیں مجھے علم ہے کہ میرے بھائی کا مثلہ کیا گیا ہے لیکن یہ سب کچھ راہ خدا میں ہوا ہے ”میں اس مصیبت پر صبر کروں گی اور اس کے ثواب کی امید رکھوں گی، ان شاء اللہ“۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کا جواب پیش کیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: انہیں کچھ نہ کہو انہیں جانے دو۔ صبر واستقامت کی پیکر یہ خاتون آئیں ان کی پارہ پارہ شدہ نعش کو دیکھا، ”اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ“ پڑھا اور ان کے لیے مغفرت کی دعائیں مانگیں۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا یہ

بے مثل صبر دیکھ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اندیشہ ہوا کہ کہیں ان کے دماغ پر اثر نہ پڑ جائے اس لیے اپنا دست مبارک ان کے سینہ پر رکھا چنانچہ آنسو ٹپکنے لگے اور غم کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔

کفن کے لیے ایک چادر: حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کفن کے لیے دو چادریں لے آئی تھیں۔ ایک میں آپ کو کفن دیا گیا اور دوسری میں ایک انصاری شہید کو کفنایا گیا، جن کی لاش مبارک کے ساتھ کفار نے اسی بے دردی کا برتاؤ کیا تھا جیسے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور ان کی لاش آپ کے قریب پڑی تھی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ گوارا نہ ہوا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو دو چادروں میں کفن دیا جائے اور ایک دوسرا شہید راہ حق بے گور و کفن رہے۔

جس چادر میں آپ کو کفن دیا گیا وہ چھوٹی تھی، سر پر ڈال دی جاتی تو پاؤں ننگے ہو جاتے اگر پاؤں پر ڈالی جاتی تو سر ننگا ہو جاتا چنانچہ سر ڈھانپ دیا گیا اور مبارک قدموں پر اذخر گھاس ڈال دی گئی۔ (سیرۃ الرسول، ج:۳،ص:۵۳۲ تا ۵۳۵،سبل الہدیٰ والرشاد، ج:۴،ص:۳۳۰)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ دوسرے انصاری صحابی جنہیں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی عطا کردہ چادر میں کفن دیا گیا تھا ان کا نام سہیل تھا۔ (ایضاً)

یہ ہیں اسلام کے وہ سپوت جنہوں نے چمن اسلام کو اپنے خون سے سینچا ہے، گردنیں کٹا کر اسلام کو نہ صرف بچایا ہے بلکہ اسے بام عروج تک پہنچایا ہے۔ یہ کام انہوں نے ایسے مخالف حالات میں کر دکھایا جب دنیا ان کی دشمن، حالات ناسازگار اور غربت و افلاس کا یہ عالم کہ اسلام کے ان جانبازوں کو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے لیے الوداع کہنے والے ان کے عزیز و اقارب بلکہ قوم مسلم پورا کفن بھی نہ دے سکی اور اس بے سروسامانی کی حالت میں انہیں جنت کا دولہا بنا کر سپرد خاک کر دیا گیا۔

ابر رحمت ان کی مرقد پر گہر باری کرے
حشر تک شان کریمی ناز برداری کرے

غم رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: جنگ کے اختتام پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اس حال میں دیکھا جو آپ نے پڑھا تو آپ پر غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں ''حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان سے بے پناہ محبت تھی۔ فرماتے تھے: ''میرے چچاؤں میں سب سے بہتر حمزہ ہیں'' اختتام جنگ پر جب ان کی نعش کو دیکھا تو صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اتنا روئے کہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ بے ہوش ہو گئے۔ دردناک الفاظ میں یہ کلمات ادا فرمائے۔ یَا حَمْزَۃُ عَمَّ رَسُوْلِ اللّٰہِ یَا اَسَدَ اللّٰہِ وَ اَسَدَ رَسُوْلِہٖ یَا حَمْزَۃُ یَا فَاعِلَ الْخَیْرَاتِ یَا حَمْزَۃُ یَا کَاشِفَ الْکُرُبَاتِ یَا حَمْزَۃُ یَا ذَابُّ عَنْ وَجْہِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

''اے اللہ کے رسول کے چچا حمزہ! اے اللہ اور اس کے رسول کے شیر! اے اچھے کام کرنے والے حمزہ! اے پریشانیاں دور کرنے والے حمزہ! اے وہ ذات جو حضور کے چہرے کی مدافعت کرنے والی ہے''۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کو دیکھا تو فرمایا: بخدا! اگر یہ لوگ مجھے مل گئے تو ان میں سے ستر کا یہی حال کروں گا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِہٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَھُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ۔ ترجمہ: اگر تم بدلہ لو تو اسی کے مثل لو جو تمہارے ساتھ کیا گیا ہے اور اگر صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔

(سورۂ نحل، آیت: ۱۲۶)

اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں صبر کروں گا اور قسم کا کفارہ ادا فرما دیا، اور شہدا پر ان کی نماز جنازہ میں چار تکبیریں پڑھیں اور ان (حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ) کے جنازے پر سات تکبیریں۔ (نزہۃ القاری، ج: ۷، ص: ۳۰۰ تا ۳۰۱۔ السیرۃ الحلبیۃ، ج: ۲، ص: ۵۳۴۔ ذخائر العقبیٰ، ص: ۳۰۶)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کو اتنا گریہ کرتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا جتنا سخت گریہ آپ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر کیا تھا۔ (ذخائر العقبیٰ، ص:۳۰۷)

ایک روایت میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مثلہ شدہ جسم کو دیکھ کر اتنا روئے کہ آپ پر غشی طاری ہوگئی اور فرمایا: اگر مجھے صفیہ (حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بہن) کا خیال نہ ہوتا اور یہ خوف نہ ہوتا کہ یہ میرے بعد رسم بن جائے گی تو میں حمزہ کو یوں ہی پڑا چھوڑ دیتا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ حمزہ کا حشر درندوں پرندوں کے پیٹ سے فرماتا۔ (السیرۃ النبویہ، عرض وقائع وتحلیل احداث، ج:۳، ص:۱۷۸)

ابن ہشام نے روایت کیا ہے جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے جنازے کے پاس کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا: مجھے اس سے بڑی مصیبت کبھی نہیں پہنچی اور اس سے زیادہ کرب ناک منظر میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ (ذخائر العقبیٰ، ص:۳۰۵)

شہادت اساس عدالت: اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو مقام شہادت سے سرفراز فرمایا اور ایک عظیم سعادت سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہمکنار ہوئے، کیونکہ

شہادت آخری منزل ہے انسانی سعادت کی
وہ خوش قسمت ہے مل جائے جسے منزل شہادت کی

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی شہادت کو اساس عدالت بھی بنا دیا، آپ کی شہادت کئی اعتبار سے وجہ عبرت ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت اساس عدالت کیسے ہے؟ اس کا جواب آپ پڑھ آئے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قسم کھائی کہ اگر یہ لوگ مجھے مل گئے تو میں حمزہ کے بدلے ستر کا یہی حال کردوں گا۔ اس پر اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پکار لگائی تھی: ہمیں آنے والے زمانے میں جب بھی موقع ملے گا تو ہم مشرکین کا ایسا مثلہ بنائیں گے کہ ایسا مثلہ کسی عربی نے کبھی کسی کا نہیں بنایا ہوگا۔ تب مذکورہ آیت نازل ہوئی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا ارادہ ترک کر دیا اور قسم کا کفارہ ادا

فرمایا لہٰذا آپ کی شہادت ہمیشہ ہمیش کے لیے عدل و انصاف کی اساس بھی ہے اور عفو و درگزر کی عمدہ مثال بھی۔ یہاں تک کہ قصاص عقوبات میں بھی آپ کی شہادت درس عبرت ہے۔ (رجال حول الرسول، ص:۱۲۸)

حضرت حمزہ غسیل الملائکہ: روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے ملائکہ کو دیکھا کہ وہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غسل دے رہے تھے۔ (طبقات ابن سعد، ج:۳،ص:۹)

تکفین ونماز جنازہ: جس کس مپرسی کی حالت میں حضرت سید الشہدا کو کفن دیا گیا وہ آپ پڑھ آئے ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے سب سے محبوب اور شفیق چچا کو سب سے بہتر وِدَاعی تحفہ پیش کرنے کی تیاری کر رہے تھے اور وہ تحفہ تھا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ، تمام شہداے احد کی نماز جنازہ پڑھی جانا تھی، سب سے پہلے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ بعض روایات میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کی نماز جنازہ میں سات تکبیریں کہیں، بعض میں نو تکبیروں کا ذکر ہے اور بعض میں ستر کا۔ (یہ آپ کی خصوصیت رہی)۔ پھر ایک ایک شہید کو لایا جاتا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے پہلو میں رکھ کر اس کی نماز جنازہ پڑھی جاتی، اس شہید کو ہٹا لیا جاتا اور دوسرے شہید کو لایا جاتا لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو نہیں ہٹایا جاتا۔ اس طرح ستر مرتبہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر نماز جنازہ پڑھی گئی۔ (یہ بھی آپ کی خصوصیت رہی)۔ (طبقات ابن سعد، ج:۳،ص:۱۰، مغازی الواقدی، ج:۱،ص:۳۰۸)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر: حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بھانجے حضرت عبداللہ بن جحش کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔ (غزوۂ احد میں دو دو تین تین شہیدوں کو ایک قبر میں دفن کیا گیا تھا جس کو زیادہ قرآن یاد تھا اس کو قبر میں مقدم رکھا گیا) حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اعظم، حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین

https://alislami.net

نے قبر میں اتر کر انہیں سپرد خاک کیا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبر انور کے پاس کچھ دیر بیٹھ کر انہیں اعزاز رحمت بخشا۔ (مغازی للواقدی، ج:۱، ص:۳۱۱)

عمر و تاریخ شہادت: علامہ ابن اثیر نے تاریخ شہادت کے بارے میں فرمایا: ''وکان مقتل حمزۃ للنصف من شوال من سنۃ ثلاث'' حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت ۳ھ نصف شوال میں ہوئی اور جنہوں نے یہ کہا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی عمر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری عمر سے دو سال زیادہ تھی ان کے نزدیک حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت ۵۷ سال تھی اور جو حضرات چار سال بڑا بتاتے ہیں ان کے نزدیک حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی عمر ۵۹ سال تھی۔ ایک قول کے مطابق آپ کی عمر ۵۴ سال تھی۔ (اسد الغابہ، ج:۲، ص:۷۰)

جنگ احد کی تاریخ: صحیح بات یہ ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تاریخ شہادت میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف جنگ احد کی تاریخ کے اختلاف پر متفرع ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ جنگ احد بروز ہفتہ سات شوال المکرم ۳ھ میں واقع ہوئی، دیگر بعض کا خیال ہے کہ یہ جنگ گیارہ شوال کو لڑی گئی، بعض حضرات نے نصف شوال (۱۵) کا قول کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (امتاع الاسماع، ج:۱، ص:۱۱۳)

بہر حال اتنا طے ہے کہ جو تاریخ جنگ احد کی ہے وہی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تاریخ شہادت ہے۔

دیدار جبرئیل: حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تو اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''انك لا تستطيع ان تراه'' آپ انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ آپ نے مزید خواہش ظاہر کی، اس پر اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی جگہ بیٹھ جاؤ! اب حضرت جبرئیل کعبہ مقدس میں موجود اس لکڑی پر نازل ہوئے جس پر کفار بوقت طواف اپنے کپڑے ڈالا کرتے تھے، جب حضرت جبرئیل علیہ

https://alislami.net

السلام نازل ہو چکے تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: چچا! نظر اٹھا کر حضرت جبرئیل کا دیدار کیجئے، جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے نظر اٹھائی تو حضرت جبرئیل کے دونوں قدموں کو دیکھا وہ سبز رنگ کے زبرجد (ایک قیمتی پتھر) کی طرح تھے، دیکھتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ (طبقات ابن سعد، ج:۳،ص:۱۱)

کوئی رونے والی نہیں: جنگ احد کے بعد اپنے شفیق چچا اور دیگر شہداے احد کو زمین کو سونپنے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گھر تشریف لائے، راستے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنی عبد اشہل کی کچھ عورتوں کی آواز سنی، جو اپنے شہدا کے غم میں رو رہی تھیں، رونے والیوں کی آواز سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرط غم و محبت سے فرمایا: حمزہ پر کوئی رونے والی تک نہیں! یہ جملہ انصار کے سردار حضرت سعد بن معاذ نے سن لیا۔ آپ نے سمجھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خواہش ہے کہ ان کے چچا کے غم میں رونے والیاں روئیں۔ آپ فوراً ہی بنی عبد اشہل کی عورتوں کے پاس پہنچے اور انہیں حکم دیا کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا کے غم میں روئیں، حکم پا کر عورتیں در دولت پر حاضر ہو کر رونے لگیں جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے باہر آ کر ان عورتوں کا رونا سنا تو فرمایا: میرے فرمان کا یہ مقصد نہیں تھا۔ عورتوں کو حکم دیا کہ وہ واپس اپنے گھروں کو چلی جائیں اور آج کے بعد کوئی رونا دھونا نہ ہوگا۔ (رجال حول الرسول، ص:۱۲۹، طبقات ابن سعد، ص:۱۶۳)

امام واقدی نے فرمایا: اس دن کے بعد جب بھی انصاری عورتیں کسی پر روتیں تو اس کی شروعات حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے کرتیں۔ (اسد الغابہ، ج:۲،ص:۶۹)

عادات و اطوار: حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی عمدہ عادات اور نفیس خوبیوں کا اس سے بڑا تعارف اور کیا ہو سکتا ہے جو خود پیغمبر اسلام نے ان کی شہادت کے بعد ان کی نعش کے پاس آ کر کرایا تھا۔ ان الفاظ کو سن کر زمانے کا غم آج بھی تازہ ہو جاتا ہے اور اس کی نبض ڈوبنے لگتی ہے۔

آپ کے الفاظ تھے ''یَا حَمْزَۃُ فَاعِلَ الْخَیْرَاتِ یَا حَمْزَۃُ یَاکَاشِفَ الْکُرُبَاتِ یَا

حَمْزَۃُ یَا ذَابٌّ عَنْ وَجْہِ رَسُوْلِ اللہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

ترجمہ: اے حمزہ! اے نیکیاں کرنے والے، اے حمزہ! اے پریشانیاں دور کرنے والے، اے حمزہ! اے میری ذات کی ڈھال۔

دوسری روایت کے الفاظ ہیں ''وَصُوْلًا لِلرَّحِمِ فَعُوْلاً لِلْخَیْرَاتِ'' چچا! آپ رشتہ داری جوڑنے والے اور اچھائیاں کرنے والے تھے۔

(السیرۃ الحلبیہ، ج:۲،ص:۵۳۴، اسد الغابہ، ج:۲،ص:۶۸)

قرآن میں حمزہ: حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شان بڑی بلند و بالا ہے ان کے حق میں قرآن پاک کی کئی آیات کا نزول ہوا۔

(۱) اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ۝۶۱ ۔

کیا وہ شخص جس سے ہم نے اچھا وعدہ کیا، جس کو وہ حاصل کرنے والا ہے اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے، جس کو ہم نے دنیوی زندگی کی چیزیں دیں پھر وہ قیامت کے دن (مجرموں کے ساتھ) حاضر کیا جائے گا۔ (سورۂ قصص، آیت:۶۱)

اس آیت کریمہ میں جس سے اچھا وعدہ کیا گیا ہے اور وہ اسے حاصل کرے گا اس شخص سے مراد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی ذات ہے۔ (روح المعانی، تفسیر طبری، تفسیر سراج المنیر، بحر محیط، ابن کثیرہ درمنثور، تبیان القرآن)

(۲) يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ۝۲۷ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً۝۲۸

اے نفس مطمئنہ! تو اپنے رب کی طرف اس حال میں لوٹ جا تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی ہے۔ (سورۂ فجر، آیت:۲۸/۲۷)

اس آیت کریمہ میں کثیر مفسرین نے نفس مطمئنہ سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی ذات کو بھی مراد لیا ہے۔ (درمنثور، النکت والعیون، الوسیط، تفسیر ابن ابی حاتم، ابن کثیر، خازن، قرطبی، زاد المسیر، غرائب القرآن، تبیان القرآن)

(۳) مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ (سورۂ احزاب، آیت: ۲۳)

مؤمنین میں کچھ ایسے حضرات ہیں جنھوں نے اس عہد کو سچا کر دکھایا جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا تو ان میں سے بعض نے (شہید ہو کر) اپنی نذریں پوری کر دیں۔

وہ ذاتیں جنھوں نے شہید ہو کر اپنی نذریں پوری کر دیں ان میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ (الکشف والبیان، اللباب فی علوم القرآن، تفسیر بغوی، تفسیر بیضاوی، کشاف، تفسیر مقاتل بن سلیمان، تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس)

احادیث میں حمزہ: ایمان لانے کے بعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے لیے یہ شرف کیا کم تھا کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا اور رضاعی بھائی تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے کرم کی مزید بارشیں ان پر برسیں اور ان کی ذات مجمع محاسن و کمالات بن گئی، اللہ تعالیٰ کے محبوب نے ان کے جو مناقب احادیث پاک میں ذکر فرمائے ان میں سے کچھ ملاحظہ ہوں۔

(۱) اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن حضرت حمزہ سید الشہدا ہوں گے۔ (المستدرک علی الصحیحین، کتاب الجہاد حدیث نمبر: ۲۵۵۷، المعجم الکبیر، حدیث نمبر: ۲۹۵۸، شرح ابی داؤد للعینی، کتاب الجنائز باب شہید یغسل، شرح مسند ابی حنیفہ ج: ۱، ص: ۱۸۷، عمدۃ القاری، کتاب الجنائز باب الکفن من جمیع المال، فتح الباری، کتاب المغازی باب قتل حمزہ، مرقات المفاتیح کتاب الجنائز باب غسل المیت)

(۲) معجم صغیر طبرانی کی روایت میں ہے: اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے فاطمہ! تمہارے والد خیر الانبیاء ہیں اور ہمارا شہید خیر الشہدا ہے اور وہ تمہارے والد کے چچا حضرت حمزہ ہیں“۔ (حدیث نمبر: ۹۴)

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”میں گزری ہوئی رات جنت میں داخل ہوا تو وہاں حمزہ اپنے اصحاب کے ساتھ موجود تھے۔ (ذخائر العقبیٰ، ص: ۲۹۹)

https://alislami.net

(۴) حضرت عبد الرحمٰن بن عابس نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میرے چچاؤں میں سب سے بہتر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہیں۔(ایضاً)

(۵) اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، ساتویں آسمان پر لکھا ہوا ہے کہ حمزہ بن عبد المطلب اللہ اور اس کے رسول کے شیر ہیں۔ دوسری روایت میں ہے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جبرئیل علیہ السلام نے مجھے آ کر خبر دی کہ ساتویں آسمان والوں میں لکھا ہوا ہے (مشہور ہے) کہ حمزہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شیر ہیں''۔(ذخائر العقبیٰ، ص:۲۹۸)

مسلمانوں کا غم: حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کوئی معمولی سانحہ نہ تھی بلکہ یہ شہادت مسلمانوں پر بڑی شاق تھی کیونکہ آپ کی شہادت سے مسلمانوں کو دہرا غم لاحق ہوا تھا۔ ایک غم تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جیسے مرد میدان کا شہید ہو جانا تھا اور اس سے بڑا غم یہ تھا کہ ان کی وجہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہت مغموم ہو گئے تھے۔ آپ کے غم کا تذکرہ کئی صحابہ نے اپنے اشعار میں کیا ہے۔ دربار رسالت کے مشہور نعت گو شاعر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ایک طویل قصیدہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی جدائی پر آنے والی بحر میں لکھا:

دَعْ عَنْكَ دَارًا قَدْ عَفَا رَسْمُهَا
وَابْكِ عَلَى حَمْزَةَ ذِي النَّائِلِ

فانی دنیا کا غم چھوڑ و اور سخی حمزہ کے غم میں روؤ۔

اَظْلَمَتِ الْاَرْضُ لِفِقْدَ انِهِ
وَاسْوَدَّ نُوْرُ الْقَمَرِ النَّاصِلِ

جس کے جانے سے دنیا تاریک ہوگئی، چڑھتے چاند کی روشنی گل ہوگئی۔

https://alislami.net

صَلَّى اللهُ عَلَيْه فِيْ جَنَّةٍ
عَالِيَةٍ مُكْرَمَةِ الدَّاخِلِ

اللہ تعالیٰ انہیں مکرم معظم جنت میں داخل فرما کر رحمت نازل فرمائے۔

كُنَّا نَرَى حَمْزَةَ حِرْزًا لَنَا
مِنْ كُلِّ اَمْرِنَا بَنَا نَازِلِ

ہم ہر اس معاملے میں جو ہم پر نازل ہوتا ہے حمزہ کو اپنی پناہ گاہ سمجھتے ہیں۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے آنے والی بحر میں اپنے غم کا اظہار فرمایا اور ایک قصیدہ لکھا:

بَكَتْ عَيْنِيْ وَحَقَّ لَهَا بُكَاهَا
وَمَا يُغْنِي الْبُكَاءُ وَلَا الْعَوِيْلُ
عَلَى اَسَدِ الْاِلٰهِ غَدَاةَ قَالُوْا
لِحَمْزَةَ ذَالِكُمُ الرَّجُلُ الْقَتِيْلُ
أُصِيْبَ الْمُسْلِمُوْنَ بِهٖ جَمِيْعًا
هُنَاكَ وَقَدْ اُصِيْبَ بِهِ الرَّسُوْلُ

میری آنکھیں حضرت حمزہ پر رو رہی ہیں اور انہیں رونے کا حق ہے اور اس رونے سے کچھ ہونے والا نہیں۔

وہی جنہیں اسد اللہ کہا جاتا تھا آج شہید ہو چکے ہیں۔

ان کے جانے سے تمام مسلمان مصیبت زدہ ہیں کیونکہ ان کی وجہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچی ہے۔

بعض حضرات کے خیال میں یہ اشعار حضرت عبداللہ بن رواحہ کے ہیں جیسا کہ رجال حول الرسول کے مصنف کا خود یہی نظریہ ہے۔

(اسد الغابہ، ج:۲، ص:۶۹، رجال حول الرسول، ص:۱۲۹)

ازواج و اولاد: حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے متعدد شادیاں فرمائیں اور ان

https://alislami.net

بیویوں سے اولادیں بھی ہوئیں، آپ کی بیویوں کے نام اس طور پر ہیں۔ (۱) بنت الملۃ (۲) خولہ بنت قیس (۳) سلمیٰ بنت عمیس۔ اولاد کے نام اس طرح ہیں، (۱) یعلیٰ (۲) عامر، ان کی والدہ بنت الملۃ ہیں۔ (۳) عمارہ، ان کی والدہ خولہ بنت قیس ہیں۔ (۴) ایک بیٹی جس کا نام امامہ تھا ان کی والدہ سلمیٰ بنت عمیس تھیں۔ (اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ آپ کے یہاں تین بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ (طبقات ابن سعد، ج: ۳،ص: ۷)

امامہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی وہی بیٹی ہیں جو حضورا کرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ چلی آئی تھیں۔ جب حضورا کرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صلح حدیبیہ کے بعد مدینۃ المنورہ واپس آرہے تھے، جس کا تذکرہ بخاری شریف کی اس حدیث پاک میں ہے:

جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس جگہ سے باہر نکلے جہاں ٹھہرے ہوئے تھے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی آپ کے پیچھے آئیں وہ پکار رہی تھیں، اے چچا! اے چچا! تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو اٹھا لیا اور ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: آپ اپنے چچا کی بیٹی کو لے لیں تو حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کو لے لیا پھر (مدینہ پہنچ کر) ان کی پرورش میں حضرت علی، حضرت زید اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہم کا نزاع ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس کو رکھوں گا، یہ میرے چچا کی بیٹی ہے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میرے عقد میں ہے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے (حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا رشتۂ مواخات قائم فرمایا تھا) تو حضورا کرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا فیصلہ ان کی خالہ کے حق میں کر دیا اور فرمایا: خالہ ماں کے درجے میں ہوتی ہے۔

(صحیح البخاری کتاب المغازی باب عمرۃ القضاء)

علامہ بدرالدین محمود عینی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں؛ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی اس بیٹی کے نام میں پانچ اقوال ہیں۔ (۱) عمارہ (۲) فاطمہ (۳) امامہ (۴) امۃ اللہ

(۵) سلمٰی۔ پہلا قول زیادہ مشہور ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چچا کہہ کر پکارا حالانکہ آپ ان کے چچازاد بھائی تھے، یہ آپ کی تعظیم کے لیے تھا۔ اس کی دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی بھی تھے، اس رشتہ سے آپ ان کے رضاعی چچا ہوئے۔ (اسی رشتہ کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے چچا کی بیٹی کہا)۔ (عمدۃ القاری، کتاب المغازی، باب عمرۃ القضاء، نعمۃ الباری، ج:۷، ص:۶۴۲)

بخاری شریف کی مذکورہ حدیث میں اس بات کا بھی ذکر ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا: کیا آپ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے نکاح نہیں کریں گے؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب دیا: وہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے (اس سے نکاح کرنا جائز نہیں)۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: حضور! آپ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے شادی کیوں نہیں کر لیتے؟ وہ قریش میں سب سے خوبصورت لڑکی ہے، اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے علی! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ وہ میرے رضاعی بھائی کی لڑکی ہے اور اللہ تعالیٰ نے رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام فرما دیے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔ اس کو امام بغوی نے اپنی معجم میں روایت کیا ہے۔
(ذخائر العقبیٰ، ص:۳۱۲)

قبر کے اندر تر وتازہ: قرآن پاک شہدا کے بارے میں فرماتا ہے: ''وہ زندہ ہیں لیکن تم ان کی زندگی کو سمجھ نہیں سکتے''۔ تاریخ بارہا اس حقانیت کی تصدیق کر چکی ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نعش نے بھی اس حقیقت کی تائید فرمائی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل مدینہ کے لیے ایک نہر کا پلان بنایا جو شہدائے احد کی قبروں کے پاس سے ہو کر گزری۔ کھدائی میں شہدائے احد کی لاشیں برآمد ہوئیں، سب تر وتازہ تھیں، ایک پھاوڑا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر پڑا تو پاؤں

سے تازہ خون ابل پڑا۔ (الاصابۃ، ج:۲،ص:۳۸، اسد الغابۃ، ج:۲،ص:۱۷)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مولائے کائنات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد میں پوری سلطنت اسلامیہ کے امیر بنے۔ اس سے پہلے مکۃ المکرمہ اور مدینۃ المنورہ دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدود خلافت میں تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وصال ۴۰ھ میں ہوا اور جنگ اُحد ۳ھ میں ہوئی اس سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ تقریباً چالیس سال کے بعد نمودار ہوا۔ (اسد الغابہ، ج:۴،ص:۱۱۳)

چالیس سال کے بعد بھی تازگی کا یہ عالم تو پھر ان کی حیات میں کسی کو کیا شک ہوسکتا ہے؟

بل احیاء آیت پہ ہے میرا ایماں
منافق نے اب تک یہ مانی نہیں ہے

شہدا، سلام کا جواب دیتے ہیں: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! شہدائے احد کو الوداعی سلام کرلو۔ اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، قیامت تک جو مسلمان بھی انہیں سلام کرے گا یہ سلام کرنے والوں کا جواب دیتے رہیں گے۔ (طبقات ابن سعد، ج:۳،ص:۱۱۳، اسد الغابہ، ج:۵،ص:۱۷۷ دلائل النبوۃ للبیہقی، ج:۳،ص:۲۰۷، الخصائص الکبریٰ، ج:۱،ص:۳۶۳)

قبر کے اندر سے سلام کا جواب: حضرت علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمہ نے ''حجۃ اللہ علی العالمین'' سے بحوالہ بیہقی نقل فرمایا ہے:

حضرت فاطمہ خزاعیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے ''میں ایک دن سید الشہدا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار اقدس کی زیارت کے لیے گئی، میں نے قبر منور کے سامنے کھڑے ہوکر ''السلام علیک یا عم رسول اللہ'' کہا تو آپ نے بآواز بلند قبر کے اندر سے میرے سلام کا جواب دیا۔ (حجۃ اللہ، ج:۲،ص:۸۶۳)

اپنے بیٹے کا نام میرے نام پر حمزہ رکھنا: علامہ اعظمی علیہ الرحمہ مزید لکھتے ہیں: اسی طرح شیخ محمود کردی شیخانی نزیل مدینۂ منورہ نے آپ کی قبر انور پر حاضر ہوکر

سلام عرض کیا تو آپ نے قبر منور کے اندر سے بآواز بلند ان کے سلام کا جواب دیا اور ارشاد فرمایا: اے شیخ محمود! تم اپنے لڑکے کا نام میرے نام پر حمزہ رکھنا چنانچہ جب خداوند کریم نے ان کو فرزند عطا فرمایا تو انہوں نے اس کا نام حمزہ رکھا۔

(حجۃ اللہ علی العالمین، ج: ۲، ص: ۸۶۳، بحوالہ کتاب الباقیات الصالحات)

تبصرہ: اس روایت سے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چند کرامتیں معلوم ہوئیں:

(۱) یہ کہ آپ نے قبر کے اندر سے شیخ محمود کے سلام کو سن لیا اور دیکھ بھی لیا کہ سلام کرنے والے شیخ محمود ہیں پھر آپ نے سلام کا جواب شیخ محمود کو سنا بھی دیا حالانکہ دوسرے قبر والے سلام کرنے والوں کے سلام کو سن تو لیتے ہیں اور پہچان بھی لیتے ہیں مگر سلام کا جواب سلام کرنے والوں کو سنا نہیں سکتے۔

(۲) سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی قبر شریف کے اندر رہتے ہوئے یہ معلوم تھا کہ ابھی شیخ محمود کے یہاں کوئی بیٹا نہیں ہے مگر آئندہ ان کو خداوند کریم فرزند عطا فرمائے گا جبھی تو آپ نے حکم دیا کہ شیخ محمود! تم اپنے لڑکے کا نام میرے نام پر حمزہ رکھنا۔

(۳) آپ نے جواب سلام اور بیٹے کا نام رکھنے کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا، وہ اس قدر بلند آواز سے فرمایا کہ شیخ محمود اور دوسرے حاضرین نے سب کچھ اپنے کانوں سے سن لیا۔ مذکورہ بالا کرامتوں سے اس مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے کہ شہدائے کرام اپنی قبروں میں پورے لوازم حیات کے ساتھ زندہ ہیں اور ان کے علم کی وسعت کا یہ حال ہے کہ وہ یہاں تک جان اور پہچان لیتے ہیں کہ آدمی کی پشت میں جو نطفہ ہے اس سے پیدا ہونے والا بچہ لڑکا ہے یا لڑکی۔ یہی تو وجہ ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے شیخ محمود! تم اپنے لڑکے کا نام میرے نام پر رکھنا اگر ان کو بالیقین یہ معلوم نہ ہوتا کہ لڑکا ہی پیدا ہوگا تو آپ کس طرح لڑکے کا نام اپنے نام پر رکھنے کو کہہ دیتے؟ واللہ تعالیٰ اعلم (کرامات صحابہ، ص:۱۰۱)

https://alislami.net

قبر سے آواز آئی ہم تمہیں پہچانتے ہیں: علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے ابن ابی الدنیا اور بیہقی کے حوالے سے لکھا ہے کہ عطاف فرماتے ہیں: مجھے میری خالہ نے بتایا، میں نے شہدائے احد کی قبروں کی زیارت کی، میرے ساتھ صرف دو بچے تھے جو میری سواری کے پاس کھڑے تھے، میں نے شہدا کو سلام کیا تو میں نے سلام کا جواب سنا اور یہ بھی سنا کہ انہوں نے فرمایا: خدا کی قسم! ہم تمہیں ایسے پہچانتے ہیں جیسے ہم ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں، کہتی ہیں: یہ سن کر مجھ پر لرزہ طاری ہو گیا لہٰذا میں واپس آ گئی۔

(الخصائص الکبریٰ، ج:۱،ص: ۳۶۴، دلائل النبوۃ للبیہقی، ج: ۳،ص: ۳۰۷)

حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سلام کا جواب دیا: حضرت فاطمہ خزاعیہ فرماتی ہیں: میں اپنی بہن کے ساتھ شہدائے احد کی قبروں پر حاضر ہوئی، میں نے کہا: چلو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سلام کر لیں، ہم دونوں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کے پاس پہنچے اور ہم نے کہا: ''السلام علیک یا عم رسول اللہ'' ہم نے سنا کہ ہمارے سلام کا جواب ان الفاظ میں دیا گیا ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ'' جب کہ یہ شام کا وقت تھا اور ہمارے آس پاس کوئی شخص نہ تھا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی، ج: ۳،ص: ۳۰۹، خلاصۃ الوفاج: ۱،ص: ۲۶۵)

حضور اور صحابہ حضرت حمزہ کی قبر پر جاتے: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سال شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لے جاتے، وادیِ احد میں پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بآواز بلند فرماتے: ''سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار'' (حضور کے بعد) حضرت ابو بکر کا بھی یہی طریقہ رہا پھر حضرت عمر اور حضرت عثمان بھی ایسا ہی کرتے رہے۔ سیّدہ زاہرہ طیبہ طاہرہ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ بھی حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر انور پر ہر دو تین دن بعد جایا کرتی تھیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص خود بھی حاضر ہوتے، شہدائے احد کو سلام کرتے اور اپنے احباب کو بھی اس بات پر ابھارتے کہ وہ بھی ان کی بارگاہ میں سلام پیش کریں۔ آپ فرماتے تھے: کیا آپ لوگ ان کو سلام نہیں کرتے جو تمہارا جواب دیتے ہیں؟ حضرت ابو سعید خدری، حضرت ام سلمہ، حضرت عبد اللہ بن عمر اور

حضرت ابو ہریرہ بھی شہداے احد کی قبور پر حاضر ہوتے تھے۔ (دلائل النبوہ للبیہقی، ج:۳،ص: ۳۰۸، السیرۃ النبویۃ علی ضوء القرآن والسنۃ، ج:۲،ص:۲۱۶، خلاصۃ الوفا، ج:۲،ص:۴۰۶)

یہ تھی سید الشہدا، اسد اللہ، اسد رسول اللہ اور عم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت فاخرہ جو گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹکنے والوں سے ہدایت کے اجالوں میں پناہ گزیں ہونے کا مطالبہ کر رہی ہے اور صاحبان عشق و محبت کو ذات ذوالجلال کے حکم اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ناموس پر مرمٹنے کا پیہم درس دے رہی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ان کے آگے وہ حمزہ کی جانبازیاں
شیر غران سطوت پہ لاکھوں سلام
جس مسلماں نے دیکھا انہیں اک نظر
اس نظر کی بصارت پہ لاکھوں سلام

(اعلیٰ حضرت)

♣ ♣ ♣

https://alislami.net

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اجمالی تعارف: اللہ تبارک وتعالیٰ مالک الملک اور فعال لما یرید ہے۔ اس نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سر پر تاج رسالت سجا کر پوری کائنات کے لیے مکرم ومحترم بنایا، ان کی تعظیم وتکریم ایمان کی جان ٹھہری۔ ذات پاک تو رہی ذات پاک، اس ذات پاک کا دیدار کرنے والے صحابہ قیامت تک مسلمانوں کے امام ٹھہرے، اگرچہ ان صحابہ کو صحبت کا قلیل وقت ہی میسر آیا ہو، ان کا حضور سے کوئی نسبی تعلق بھی نہ ہو، پھر ان کا کیا کہنا؟ جنہوں نے صحبت طویل سے حصہ پایا، نسب میں حضور سے کمالِ قربت بلکہ باپ کے قائم مقام رہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں جن کی محبت کے چشمے ابلتے ہوں، وہ اگر کسی کی شکایت کردیں تو حضور غضب میں آجائیں۔ جنہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قریش میں سب سے زیادہ کشادہ دست کہہ کر پکارا۔ جنہیں خاتم ہجرت کا لقب عطا فرمایا۔ جو زمانۂ جاہلیت سے لے کر زمانۂ اسلام تک منتظم زم زم ہو کر ساقیِ زم زم کہلائے، زمانۂ عمر بن خطاب میں اہل حرمین نے انہیں ساقیِ حرمین کہہ کر پکارا۔ امیر المومنین اور جملہ صحابہ نے بالاتفاق انہیں بارگاہ رب تعالیٰ میں وسیلہ بنایا اور رب تبارک وتعالیٰ نے ان کے وسیلے کو سند قبول عطا فرما کر حرمین کو سیراب فرمایا۔ جن کی شوکت کے اظہار کے لیے حضرت عمر وعثمان رضی اللہ عنہما نے خلیفۂ وقت ہوتے ہوئے اپنے گھوڑوں سے اتر کر سلام پیش کیا، وہی جو حضور کے عم محترم ہیں جن کے بارے میں حضور نے فرمایا ''وہ مجھ سے اور میں ان سے ہوں'' جن کا مبارک نام عباس بن عبدالمطلب ہے۔

نام ونسب: آپ کا نسب اس طور پر ہے: عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد

مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ۔ (طبقات ابن سعد ج:۴،ص:۵)

والدہ کا نام نتیلہ بنت جناب ہے۔

کنیت: حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ان کے بیٹے فضل کے نام پر ابوالفضل مشہور ہوئی۔ (اسد الغابہ ج:۳،ص:۱۶۳)

پیدائش: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دو سال پہلے مکہ شریف میں پیدا ہوئے اس اعتبار سے ان کی ظاہری عمر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر سے دو سال زیادہ تھی اور بعض حضرات نے تین سال زیادہ ہونے کا قول کیا ہے۔ (ایضاً) آپ عام الفیل سے تین سال قبل پیدا ہوئے۔ (سیر اعلام النبلاء ج:۲،ص:۷۹)

بچپن میں گم ہونا: حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بچپن میں گم ہو گئے تھے، ان کی والدہ نے نذر مانی کہ اگر میرا بیٹا مل جائے گا تو میں خانۂ کعبہ پر ریشمی غلاف چڑھاؤں گی، اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ حضرت عباس گھر آ گئے، والدہ نے اپنی نذر پوری کرتے ہوئے خانۂ خدا پر ریشمی غلاف چڑھایا، مؤرخین کے بیان کے مطابق وہ پہلی ایسی عربی خاتون ہیں جنہوں نے خانۂ کعبہ پر ریشمی غلاف چڑھایا۔ (ایضاً)

حلیہ: آپ کا قد لمبا، چہرا خوبصورت، رنگ اجلا اور آواز بلند تھی، حلم وبردباری، بزرگی وعقل مندی آپ کے چہرے سے عیاں تھی۔ (سیر اعلام النبلاء ج:۲،ص:۷۹)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پسند: آپ پڑھ آئے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دو یا تین سال ہی بڑے تھے۔ دو سال کا فاصلہ کوئی بڑا فاصلہ نہیں ہوتا، اتنی عمر کے فاصلے والے بچے ہم جولی اور ہم عمر ہی کہلاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اور یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اعلان نبوت سے پہلے بھی دوستانہ تعلق رکھتے تھے۔ تعلقات کی عمدگی میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمدہ عادتوں اور اچھے اخلاق کا

https://alislami.net

خاصا دخل تھا کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود مکارم اخلاق کے پیکر تھے اور مکارم اخلاق کو پسند بھی فرماتے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رشتۂ قرابت تو حاصل تھا ہی ساتھ ہی ان کی اچھی عادتوں نے بھی انہیں حضور کی نظر میں محبوب بنا دیا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک خاص خوبی رشتہ داروں کی دل جوئی بھی تھی۔ وہ رشتہ داری نبھانے میں کوشش کرتے، رشتہ داروں کی عزت افزائی اور بذریعۂ مال ان کی خیر خواہی کرنے میں قطعاً کن جوس نہ تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ خلاق عالم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذہانت و فطانت سے بھی وافر حصہ عطا فرمایا تھا، اپنے انہیں اوصاف کے باعث وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظر میں محبوب تھے۔ (رجال حول الرسول، ص:۳۰۵)

حضرت حمزہ و حضرت عباس کی ذمہ داریاں: حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ محبت و جاں نثاری آپ پچھلے اوراق میں پڑھ آئے ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان لانے سے پہلے بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بڑے حامی اور محافظ تھے، گو دونوں چچاؤں کی ذمہ داریاں اپنے فطری میلان اور ذاتی رجحان کی بنیاد پر جدا جدا تھیں۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تیر و تلوار سے زیادہ شغف تھا تو وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اسی اعتبار سے مدد فرماتے، یہ اسی حمیت طبعی کا نتیجہ تھا کہ ایمان لانے سے پہلے انہوں نے ابوجہل کو لہولہان کر دیا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سنجیدہ طبیعت اور بردبار فطرت انسان تھے، ساتھ ہی ان کو اعلیٰ درجے کی پختہ عقل سے بھی نوازا گیا تھا چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خداداد عقل و خرد کے ذریعے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب سے مدافعت کرتے لہٰذا جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کو علانیہ طور پر شروع کیا اور کفار نے راہ مسدود کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، کمزور مسلمانوں پر ہر ظلم و ستم جائز کر دیا گیا اس وقت حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی ذہانت و فطانت سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے لیے راہیں آسان کرنے کی کوششیں کیں۔ یہ بات سب جانتے ہیں کہ کبھی کبھی جن گتھیوں کے

کھولنے میں تلوار نا کام ہوتی ہے انہیں عقل کے جادو سے کھول لیا جاتا ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی اس کوشش میں کچھ حد تک کامیابی بھی حاصل کی اور اسلام نے ان کی عقل سے فائدہ اٹھایا۔ (رجال حول الرسول، ص:۳۰۵)

ایمان لانے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینا: حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کب ایمان لائے؟ اس کو ہم ان شاء اللہ آئندہ سطور میں لکھیں گے لیکن اتنا طے ہے کہ وہ ایمان لانے سے پہلے بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حامی اور راز دار تھے کیونکہ وہ ایمان لانے سے پہلے ایک رازدارانہ بیعت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جسے بیعت عقبۂ ثانیہ کے نام سے جانا جاتا ہے، اسلام میں تین بیعتیں بہت مشہور ہیں پہلی بیعت عقبۂ اولیٰ، دوسری بیعت عقبۂ ثانیہ اور تیسری بیعت حدیبیہ۔ بیعت حدیبیہ کو آپ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تذکرے میں تفصیل سے پڑھ آئے ہیں اب ان دونوں بیعتوں کا تعارف بھی ضروری معلوم ہوتا ہے لہٰذا ہم مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کی زبانی ان کا تعارف پیش کرتے ہیں:

بیعت عقبۂ اولیٰ: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ ہر سال ایام حج میں مختلف قبائل کے پاس جا کر ان کو اسلام کی دعوت دیا کرتے تھے، ۱۰ رنبوی میں جب آپ اسی غرض سے اس عقبہ (وادیِ منیٰ) کے پاس پہونچے تو یہاں انصار کے قبیلۂ خزرج کے چند اشخاص موجود ملے جو مکۂ معظّمہ اس غرض سے آئے تھے کہ قریش سے امداد باہمی کا معاہدہ کر کے ان کے حلیف بن جائیں۔ انہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دی، ان لوگوں نے مدینے کے یہود سے نبی آخر الزماں کی آمد آمد کی خبر سن رکھی تھی، اسلام کی دعوت سن کر انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور کہا: یہ وہی نبی ہیں، کہیں یہود ایمان لانے میں تم پر سبقت نہ کر جائیں اور کہا: ہم جس کے لیے آئے ہیں اس سے یہ بہتر ہے، ان لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔ یہ چھ حضرات تھے۔

ابوالھیثم بن تیہان، اسعد بن زرارہ، عوف بن حارث، رافع بن مالک بن حارث

جنگ احد میں شہید ہوئے، قطبہ بن عامر جنگ یمامہ میں شہید ہوئے اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

اسلام قبول کرنے کے بعد یہ لوگ مدینۂ طیبہ واپس گئے اور آئندہ سال پھر آنے کا وعدہ کر گئے۔ مدینہ پہونچ کر وہاں اسلام کی تبلیغ کی، جس سے متعدد سعادت مندوں نے اسلام قبول کرلیا۔ حسب وعدہ دوسرے سال بارہ حضرات مدینے سے آئے، انہیں میں حضرت عبادہ بن صامت بھی تھے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیعت کی۔ یہ بیعت عقبۂ اولیٰ ہے۔

بیعت عقبۂ ثانیہ اور حضرت مصعب بن عمیر کی مدینہ روانگی: ان لوگوں نے درخواست کی کہ مدینے کے نو مسلموں کو دین سکھانے اور تبلیغ کے لیے کوئی صاحب ہمارے ساتھ کر دیے جائیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیدنا مصعب بن عمیر شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے ساتھ کر دیا۔

تیسرے سال سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ بہتر افراد خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ سبھی نے اسی عقبہ میں بیعت کی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان میں سے بارہ حضرات کو ان کا نقیب بنایا۔ نو قبیلۂ خزرج کے اور تین اوس کے، انہیں میں ایک نقیب عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔ یہ بیعت عقبۂ ثانیہ ہے۔

اسلام کی تاریخ میں ان دونوں خصوصاً بیعت عقبۂ ثانیہ کی بڑی اہمیت ہے۔ اسی دوسری بیعت کے موقع پر مدینۂ طیبہ ہجرت کرنا طے ہوا تھا۔ انصار کرام نے اپنا سب کچھ قربان کرنے کا عہد کیا۔ اور رحمت عالم نے ان میں ہمیشہ رہنے کا وعدہ فرمایا۔ بعد میں ہونے والی ساری فتوحات اور کامیابیوں کی یہ بیعت مقدمہ تھی۔ حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فخر یہ فرمایا کہ میں لیلۃ العقبہ میں حاضر تھا۔ جب ہم نے اسلام پر میثاق کیا تھا، میں بدر کی شرکت سے بڑھ کر اس کو اہم سمجھتا ہوں اگر چہ لوگوں میں بدر کا چرچہ زیادہ ہے۔ (نزہۃ القاری، ج:۱، ص:۲۶۷/۲۶۸)

حضرت عباس کی گفتگو: بیعت عقبۂ ثانیہ میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور انہوں نے گروہ انصار سے کتنی باوزن اور حمیت و محبت سے پر گفتگو کی ہے اس کو آپ پیر کرم شاہ ازہری کی زبانی ملاحظہ کریں: کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ ہم سب شعبِ عقبہ میں جمع ہو گئے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد کا انتظار کرنے لگے یہاں تک کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لے آئے، حضور کے ہمراہ حضور کے چچا عباس بن عبد المطلب بھی تھے، جو ابھی تک مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے، محض چچا ہونے کے رشتہ کے باعث وہ آئے تھے تا کہ اپنے بھتیجے کے اس اہم کام میں شرکت کریں اور انصار کے ساتھ جو معاہدہ طے پائے وہ ہر لحاظ سے مستحکم اور مضبوط ہوتا کہ آگے چل کر کسی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ علامہ برہان الدین حلبی نے اپنی سیرت میں یہ روایت تحریر کی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ حضرت ابوبکر اور سیدنا علی المرتضیٰ بھی تھے لیکن جب اس وادی میں حضور تشریف لے جانے لگے جہاں انصار سے ملاقات ہونی تھی تو از راہ احتیاط حضرت ابوبکر کو اس سڑک کی نگرانی کے لیے ایک جگہ کھڑا کر دیا گیا اور سیدنا علی المرتضیٰ کو وادی کے دہانہ پر مقرر کیا گیا تا کہ وہ اس کی نگہبانی کریں۔ جب تمام لوگ اطمینان سے بیٹھ گئے تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطاب کرتے ہوئے کہا ''اے گروہ خزرج! محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جو مقام ہماری نگاہوں میں ہے اس سے تم باخبر ہو، اپنی قوم قریش کے ساتھ ہم عقیدہ ہوتے ہوئے بھی ہم نے قریش کے مقابلے میں آپ کا دفاع کیا ہے، وہ اپنی قوم میں معزز ہیں اور اپنے شہر میں محفوظ ہیں انہوں نے اب یہ طے کر لیا ہے کہ مکہ چھوڑ کر تمہارے ہاں منتقل ہو جائیں اور تمہارے ساتھ رہائش پذیر ہوں گے اگر تم یہ دیکھتے ہو کہ جو معاہدہ تم نے ان سے کیا ہے اس کو ہر قیمت پر پورا کرو گے اور ان کے دشمنوں سے ان کا دفاع کرو گے تو تم جانو اور تمہارا کام، لیکن اگر یہ تمہارا خیال ہے کہ کسی مرحلہ پر بھی تم ان سے دست کش ہو جاؤ گے اور انہیں بے یار و مددگار چھوڑ دو گے تو آج ہی ان سے دست بردار ہو جاؤ

کیونکہ وہ اپنی قوم اور شہر میں معزز بھی ہیں اور محفوظ بھی۔

انصار نے جواب دیا: اے عباس! جو آپ نے کہا ہم نے سن لیا، یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! اب آپ ارشاد فرمایئے اپنے لیے اور اپنے رب کے لیے جو شرائط آپ پسند فرماتے ہیں وہ ہم سے منوا لیجیے۔ ابھی تک رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دوسروں کی باتیں سن رہے تھے اب حضور خود گویا ہوئے پہلے آیات قرآنی کی تلاوت فرمائی پھر اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کے احکام کی اطاعت کی ترغیب دی پھر دین اسلام کی بنیادی تعلیمات پر روشنی ڈالی اور انہیں شوق دلایا کہ ان کو وہ دل سے تسلیم کرلیں پھر فرمایا: ''میں اپنے رب کے لیے تم سے یہ شرط منوانا چاہتا ہوں کہ تم اس کی عبادت کروگے اور کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراؤ گے اور اپنے لیے تم سے یہ شرط منوانا چاہتا ہوں کہ تم میرا ہر اس دشمن سے دفاع کروگے جس سے تم اپنی مستورات اور اولاد کا اور جانوں کا دفاع کرتے ہو۔''

اس موقع پر حضرت عبداللہ بن رواحہ نے جھٹ عرض کی ''فاذا فعلنا فما لنا'' اگر ہم ان شرطوں کو پورا کریں تو ہمیں کیا ملے گا؟ حضور نے فرمایا: تمہیں جنت ملے گی۔ ''عرض کرنے لگے: یہ سودا بڑا نفع بخش ہے نہ ہم خود اس کو توڑیں گے نہ کسی کو توڑنے دیں گے''۔ (سیرۃ الرسول، ج:۲،ص:۵۹۸/۶۰۰)

اسلام میں داخلہ: حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کب دامن اسلام میں پناہ گزیں ہوئے یہ بات علما کے نزدیک مختلف فیہ ہے لیکن محققین کی رائے یہی ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کافی پہلے اسلام لا چکے تھے اور انہوں نے مصلحتاً اپنے ایمان کو چھپائے رکھا تھا۔

امام حافظ محب الدین احمد بن عبداللہ طبری تحریر فرماتے ہیں:

مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قدیم الاسلام صحابہ میں شامل ہیں لیکن یہ اپنے ایمان کو چھپاتے رہے اور یہ (مجبوراً) جنگ بدر میں کفار مکہ کے ساتھ شریک رہے اسی لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی فرما

دیا تھا: ''اگر عباس کسی کے نشانے پر آجائیں تو انہیں قتل مت کرنا وہ اپنی خوشی سے نہیں بلکہ مجبوراً جنگ میں شریک ہوئے ہیں''۔

ابوسعد نے بیان کیا ہے کہ وہ بدر کے دن ہی اسلام لائے تھے اور جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتح مکہ کے لیے تشریف لے گئے تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مقام ابواء میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا استقبال کیا اور فتح مکہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور ہجرت حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ختم ہوگئی۔

حضرت ابوعمر کے بیان کے مطابق خیبر فتح ہونے سے پہلے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان لائے تھے اور اس کے بعد جب بھی مسلمانوں کو کوئی فتح نصیب ہوتی تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس سے دلی خوشی ہوتی تھی، البتہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتح مکہ کے وقت اپنے ایمان کو ظاہر کیا تھا۔ یہ فتح مکہ سے پہلے مکہ کے مشرکین کی نقل وحرکت لکھ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کرتے تھے اور مکہ میں آباد مسلمان ان سے قوت پاتے تھے۔ انہوں نے فتح مکہ سے پہلے ہجرت کی اجازت بھی چاہی لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ کہتے ہوئے کہ ''تمہارا مکہ میں رہنا ہی تمہارے لیے بہتر ہے''، ہجرت کرنے سے روک دیا۔ (ذخائرالعقبیٰ، ص:۳۲۱)

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبول اسلام سے متعلق طبقات ابن سعد میں ذکر کردہ روایت ہمیں باوزن اور فیصلہ کن دکھائی دیتی ہے، آپ بھی ملاحظہ فرمائیں اور فیصلہ فرمائیں:

حضرت ابورافع جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں، بیان فرماتے ہیں کہ میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام تھا اور یہ اس وقت کی بات ہے کہ ہم اہل بیت پر اسلام داخل ہو چکا تھا۔ میں، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی بیوی ام الفضل سب اسی وقت اسلام لا چکے تھے لیکن حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی قوم کی مخالفت سے ڈرتے تھے لہٰذا انہوں نے اپنے اسلام کو لوگوں سے پوشیدہ رکھا تھا، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مالی حالت بھی ان دنوں بہت اچھی تھی، اسی اثنا میں معرکۂ بدر

پیش آ گیا۔ لہٰذا عباس (مجبوراً) کفار کے ساتھ بدر میں شریک ہوئے حالانکہ اس وقت وہ اسلام لا چکے تھے۔ (طبقات ابن سعد، ج:۴،ص:۹)

یہ روایت ابو رافع کی ہے اور وہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام تھے (بعد میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غلامی میں آئے) لہٰذا وہ اپنے آقا کے بارے میں جتنے وثوق اور اعتماد سے کسی بات کو بتا سکتے ہیں کوئی دوسرا نہیں بتا سکتا اس لیے یہ روایت حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سلسلے میں ہمیں فیصلہ کن دکھائی دیتی ہے۔

سیر اعلام النبلاء میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں: حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مدینۂ منورہ کی جانب ہجرت کرنے سے پہلے ایمان لائے تھے۔ (اس روایت کی اسناد قوی نہیں ہے) (ج:۲،ص:۸۰)

حضرت عباس کے اسلام سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خوشی: شرجیل بن سعد سے روایت ہے جس دن ابو رافع نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے کی خبر سنائی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور اسی خوشی کا جشن مناتے ہوئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابو رافع کو آزاد کر دیا۔

(ذخائر العقبیٰ ص:۳۲۱)

حضرت عباس مسلمانوں کے مددگار: صاحب استیعاب امام ابو عمر نے بھی آپ کے اسلام لانے کے سلسلے میں مذکورہ اقوال میں سے زیادہ تر کو اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی تحریر فرمایا کہ ابو طالب کے بعد حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کے سب سے بڑے مددگار تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ بیعت عقبہ میں شریک تھے اور انصار پر (حفاظت کی) شرط لگائی تھی جبکہ اس وقت یہ ایمان نہ لائے تھے بلکہ اپنی قوم کے دین پر تھے۔ (الاستیعاب،ص:۵۵۷)

(ابو طالب نے صحیح قول پر ایمان قبول نہ کیا تاہم وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے دل سے حامی تھے)۔

حضرت عباس بدر میں کیوں شریک ہوئے؟: آپ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے کے سلسلے میں کئی اقوال ملاحظہ کیے اب اگر اسی بات کو تسلیم کیا جائے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ بدر سے پہلے ایمان لا چکے تھے تو یہاں ایک بڑا سوال یہ پیدا ہوتا ہے پھر وہ مومن ہوتے ہوئے کفار کے ساتھ جنگ میں کیوں شریک ہوئے اس کا جواب ''رجال حول الرسول'' کے مصنف نے یہ دیا کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لا چکے تھے اور وہ اپنے اسلام کو اپنی قوم سے چھپائے ہوئے تھے لیکن کفار مکہ آپ کے رہن سہن اور مسلمانوں کے ساتھ برتاؤ کو بڑی گہری نظر سے دیکھ رہے تھے اور وہ یہ سب دیکھنے کے بعد عباس سے متعلق ضرور شک وشبہ میں تھے آخر عباس ہم میں سے ہیں یا ان (مسلمانوں) میں سے؟ لیکن وہ اس بارے میں یقین کے ساتھ کچھ کہہ بھی نہیں سکتے تھے کیونکہ آپ کا ظاہر حال قریش ہی کی تائید کرتا ہے۔ بالآخر کفار کو بدر کے نام پر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آزمانے کا ایک بہترین موقع ہاتھ آیا تھا، اس لیے کفار نے پوری کوشش کی کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جنگ میں شامل ہونے کا دباؤ بنایا جائے، اگر شامل جنگ ہوتے ہیں تو انہیں یقین آجائے گا کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں کے ہم نوا ہیں ورنہ ان کا مسلمان ہونا ظاہر ہو جائے گا۔ ادھر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر میں ابھی وہ وقت نہیں آیا تھا کہ وہ اپنا مسلمان ہونا ظاہر کریں اگر وہ ایسا کرتے تو ان کے ذریعے اسلام اور مسلمانوں کو جو فائدہ حاصل ہو رہا تھا وہ ختم ہو جاتا اس لیے مجبوراً حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدر میں کفار کی طرف سے شریک رہے اور اس بات کی تصدیق خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے فرمائی کہ عباس کو مجبور کر کے جنگ میں شریک کیا گیا ہے وہ از خود نہیں آئے ہیں، جیسا کہ عنقریب اس کی تفصیل آرہی ہے۔ (رجال حول الرسول، ص:۳۰۵)

حضرت عباس کو ابو جہل کا طعنہ: پیر کرم شاہ ازہری رقم طراز ہیں: حضرت عبد المطلب کی صاحبزادی عاتکہ نے ایک خواب دیکھا جس نے انہیں ہراساں کر دیا انہوں

نے اپنے بھائی حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا بھیجا آپ آئے تو عاتکہ نے کہا: بھائی جان! بخدا میں نے آج رات ایک خواب دیکھا ہے جس نے مجھے حد درجہ خوف زدہ کر دیا ہے، مجھے یہ اندیشہ ہے کہ آپ کی قوم پر کوئی آفت نازل ہونے والی ہے۔ اگر آپ میرے ساتھ وعدہ کریں کہ آپ اس راز کو افشانہ کریں گے تو میں آپ کو بتاتی ہوں۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے راز افشانہ کرنے کا وعدہ کیا آپ نے اپنا خواب یوں بیان کرنا شروع کیا: ''میں کیا دیکھتی ہوں کہ ایک شتر سوار آیا اور ابطح وادی میں آ کر کھڑا ہو گیا اور اس نے بلند آواز سے چیخ کر کہا: ''اے دھوکا بازو! اپنی قتل گاہوں کی طرف تین دنوں کے اندر اندر دوڑ کر آؤ'' میں نے دیکھا کہ لوگ اس شتر سوار کے پاس جمع ہو گئے پھر وہ مسجد میں داخل ہوا۔ لوگ اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ پھر میں نے دیکھا کہ اس کا اونٹ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہے اس شخص نے وہی نعرہ بلند کیا۔ پھر میں نے اس اونٹ کو جبل ابی قبیس کے اوپر کھڑا دیکھا وہاں جا کر اس شتر سوار نے پھر وہی نعرہ لگایا اور ایک بھاری بھر کم چٹان کو نیچے لڑھکا دیا جب وہ لڑھکتی ہوئی نیچے پہونچی تو اچانک پھٹ گئی مکہ کا کوئی ایسا گھر نہ رہا جس میں اس چٹان کا کوئی ٹکڑا نہ گرا ہو''۔

یہ خواب سن کر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بہن کو کہا کہ یہ تو بڑا اہم خواب ہے عاتکہ! کسی کے سامنے اس کا ذکر نہ کرنا، اس کو پوشیدہ رکھنا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ کہہ کر وہاں سے نکلے راستے میں ان کی ملاقات ولید بن عتبہ سے ہوئی یہ ان کا دوست تھا۔ انہوں نے اس خواب کا ذکر ولید سے کر دیا اور اسے مخفی رکھنے کی تاکید کی۔ ولید نے اس کا ذکر اپنے باپ عتبہ سے کیا۔ اس طرح یہ راز افشا ہو گیا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں شام کو حرم شریف میں طواف کرنے کے لیے گیا تو وہاں ابوجہل کو دیکھا کہ قریش کی ایک مجلس میں بیٹھا ہے وہاں اس خواب کا تذکرہ ہو رہا ہے ابوجہل نے مجھے دیکھا اور کہا: ابوالفضل! طواف سے فارغ ہو کر میرے پاس آنا چنانچہ میں طواف سے فارغ ہوا تو اس کے پاس چلا گیا ابوجہل نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا: اے بنو

https://alislami.net

عبد المطلب! تم میں یہ نبیہ کب پیدا ہوئی ہے؟ میں نے اسے کہا: تمہارا اس سے کیا مطلب ہے؟ اس نے کہا: میں اس خواب کا ذکر کر رہا ہوں جو عاتکہ نے دیکھا ہے، میں نے انجان بنتے ہوئے کہا: اس نے کیا دیکھا؟ ابو جہل نے کہا: اے عبد المطلب کی اولاد! تم اس پر مطمئن نہیں کہ تم میں ایک نبی ظاہر ہوا اور اب تمہاری عورتوں نے نبوت کا دعویٰ کرنا شروع کر دیا ہے۔ پھر اس نے کہا: عاتکہ کا کہنا ہے کہ اس شتر سوار نے تین دن کے اندر نکلنے کے لیے کہا۔ ہم تین دن انتظار کریں گے۔ اگر ان تین دنوں کے اندر اس کا یہ خواب سچا نہ ہوا تو ہم یہ لکھ کر ہر جگہ چسپاں کر دیں گے کہ ''ملک عرب میں تمہارا گھرانا سب سے جھوٹا گھرانا ہے'' مجھے بے بس ہو کر اس خواب کا انکار کرنا پڑا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غصے سے کہا کہ اے بزدل! جھوٹ تجھ میں ہے یا تیرے خاندان میں۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ شام کو میں گھر گیا بنی عبد المطلب کی کوئی خاتون باقی نہ رہی جس نے مجھے یہ کہہ کر ڈانٹ نہ پلائی اور یہ نہ کہا ہو کہ ''پہلے وہ خبیث فاسق تمہارے مردوں پر الزام تراشی کرتا رہا تو تم نے اسے برداشت کر لیا اب وہ تمہارے خاندان کی خواتین پر بہتان لگا رہا ہے اور تم خاموشی سے سن رہے ہو تم میں اتنی غیرت بھی نہیں کہ اس کا منہ توڑ جواب دے سکو''۔

(سیرت ابن کثیر، ج:۲،ص:۳۸۲)

میں نے یہ کہہ کر اپنی جان چھڑائی کہ میں ابھی اس کے پاس جاتا ہوں اور اگر اس نے پھر کوئی ایسی بات کہی تو میں اس کا کام تمام کر دوں گا۔

اس واقعے کے تیسرے روز میں پھر حرم شریف میں گیا۔ آج میں نے دل میں ٹھان لی تھی کہ اگر ابوجہل سے میری ملاقات ہوئی تو میں اس سے بدلہ لے کر رہوں گا۔ جب میں مسجد حرام میں داخل ہوا تو مجھے ابوجہل نظر آیا میں اس کے پاس جانے کے لیے آگے بڑھا میں کیا دیکھتا ہوں کہ ابوجہل بھاگا ہوا مسجد کے دروازے کی طرف جا رہا ہے۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اس نے مجھے دیکھ لیا ہے اور میرے خوف سے باہر بھاگا جا رہا ہے، در

حقیقت یہ بات نہ تھی۔اس نے ضمضم بن عمرو الغفاری کی چیخ سن لی تھی اور وہ ادھر دوڑا جا رہا تھا میں بھی باہر آ گیا وہاں میں نے ضمضم کو وادی کے درمیان اپنے اونٹ پر سوار کھڑا دیکھ لیا اس نے اپنے اونٹ کی ناک اور کان کاٹ دیے تھے، اپنے کجاوے کو الٹا کر دیا اور اپنی قمیص آگے پیچھے سے پھاڑ ڈالی تھی اور چیخ چیخ کر یہ اعلان کر رہا تھا۔''اللطیمہ اللطیمہ اپنے اس قافلہ کو بچاؤ جس پر خوشبو بزازی اور دیگر اموال تجارت لدے ہوئے ہیں، ابوسفیان کے اس قافلہ پر حملہ کرنے کے لیے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور آپ کے صحابہ نے چڑھائی کر دی ہے۔میرے گمان میں یہ نہیں کہ تم بروقت وہاں پہنچ جاؤ گے۔فریاد پھر فریاد'' ۔اس نئے حادثہ نے مجھے بھی اور اسے بھی یوں مصروف کر دیا کہ پھر ہم اس موضوع پر کوئی بات نہ کر سکے۔(سیرت ابن کثیر، ج:۲،ص:۳۸۳،سیرت دحلان ج ا،ص:۳۶۲،بحوالہ سیرت الرسول، ج ۳،ص:۲۹۶ تا۲۹۹)

بدر میں شرکت: جنگ بدر میں دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہیں،تلواریں میان سے باہر ہیں، نیزے اور برچھیاں سنبھال لی گئی ہیں اور ہر جماعت اپنے جنگ جو سپاہیوں کو آخری احکام سنا رہی ہے۔اس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو ندا فرمائی، اے لوگو! کچھ بنی ہاشم اور بنی ہاشم کے سوا کچھ دوسرے افراد اپنی رضا و رغبت سے جنگ میں شریک نہیں ہیں بلکہ انہیں مجبور کر کے میدان بدر میں لایا گیا ہے وہ ہم سے قتال کا ارادہ نہیں رکھتے لہٰذا ہمیں ان سے لڑنے کی حاجت نہیں، اگر دوران جنگ ان لوگوں سے تمہارا سامنا ہو جائے تو انہیں قتل مت کرنا، ابوالبختری بن ہشام کو قتل مت کرنا۔عباس بن عبدالمطلب کو قتل مت کرنا،عباس کو جبراً شریک جنگ کیا گیا ہے۔ابوالبختری کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس لیے مستثنیٰ قرار دیا کہ اس نے مکہ میں کبھی بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو تکلیف نہیں پہونچائی اور جس قرارداد کے ذریعے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شعب ابی طالب میں محصور کیا گیا تھا اس قرارداد کو منسوخ کرانے میں بھی ابوالبختری کا نمایاں کردار تھا، لہٰذا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے اس احسان کا بدلہ دینے کے

لیے یہ حکم جاری کیا: اگرچہ ابوالبختری مشرک تھا اور شرک کی حالت میں قتل کیا گیا۔

(طبقات ابن سعد، ج: ۴، ص: ۱۰، سیرت ابن ہشام، ج: ۱، ص: ۶۲۹)

کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رشتہ داری نبھائی؟: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عین لڑائی کے وقت یہ کہنا کہ عباس کو قتل مت کرنا، کیا اس لیے تھا کہ وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا تھے؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق یہ گمان کون کرسکتا ہے کہ ایسے عالم میں جبکہ آپ کے جاں نثار اپنی جانوں کے نذرانے پیش کررہے ہوں، اپنے مشرک باپ داداؤں کو تہہ تیغ کررہے ہوں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے چچا کو مشرک جانتے ہوئے اس سے رشتہ داری نبھا رہے ہوں ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ یہ حکم تو صرف انہیں وجوہ کی بنیاد پر ہوسکتا ہے کہ یا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی حقیقت ایمان سے واقف تھے کیوں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسلام کے لیے ان کے جذبۂ ایثار اور مسلمانوں کے لیے ان کی ہمدردی سے بخوبی واقف تھے۔ (یا پھر بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسا کہنے کا حکم دیا تھا۔)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو پریشان نہ کرنے اور قرارداد کو منسوخ کرنے میں کوشش کرنے کی وجہ سے اگر ابوالبختری کو جان بخشی کا انعام دیا جاسکتا ہے جبکہ اس کے بارے میں یہ یقین تھا کہ وہ مشرک ہے تو پھر عم نبی حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بات کے زیادہ مستحق تھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے بارے میں یہ حکم نافذ کریں، کیوں کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے حق میں ابوالبختری سے کہیں زیادہ خیرخواہ، قربانیاں دینے والے، مسلمانوں کی حفاظت کرنے والے اور اسلام کی مدد کرنے والے واقع ہوئے تھے۔ اس سب کے ساتھ ساتھ ان کے اسلام لانے کی شہرت بھی ان کو قتل نہ کرنے کا حکم دینے کی بڑی وجہ تھی۔

(رجال حول الرسول، ص: ۳۰۶)

ابوالبختری کا قتل: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوالبختری کے قتل کو بھی منع

فرمایا تھا لیکن جنگ کے دوران صحابی رسول حضرت مجذر بن زیاد کا سامنا ابوالبختری سے ہو گیا، ابوالبختری کے ساتھ اس کا ایک دوست بھی تھا، صحابی رسول نے ابوالبختری سے فرمایا: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں تمہارے قتل سے منع فرمایا ہے۔ اس نے پوچھا: اور میرے دوست کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کو میں قتل کروں گا کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے قتل کو منع نہیں فرمایا ہے، ابوالبختری نے کہا: ایسا نہیں ہوسکتا، اسے چھوڑ کر میں زندہ نہیں رہ سکتا، اگر میں نے ایسا کر لیا تو مکہ کی عورتیں مجھے طعنہ دیں گی، پھر ابوالبختری اور اس کے دوست نے صحابی رسول پر حملہ کر دیا (مجبوراً) حضرت مجذر نے ابوالبختری کو قتل کر دیا۔ (سیرت ابن ہشام، ج:۱، ص:۶۳۰)

کیا میرے چچا کا چہرہ تلوار کے لائق ہے؟: جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عباس کو جبراً لایا گیا ہے، انہیں قتل نہ کیا جائے تو مخلص صحابی رسول حضرت ابو حذیفہ یہ بات سن رہے تھے، غصے میں ان کی زبان سے نکل گیا کہ ہم تو اپنے باپوں، بیٹوں اور بھائیوں کو قتل کریں اور عباس ملیں تو انہیں چھوڑ دیں، بخدا! اگر عباس مجھے مل گئے تو میں ان کے منہ میں تلوار کی لگام ضرور ڈالوں گا۔ ان کی بات جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سنی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو فرمایا: ''یا اباحفص! ایضرب وجه عم رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بالسیف؟'' اے ابوحفص! کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا کے چہرے پر تلوار کا وار کیا جائے گا؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! ابوحذیفہ یقیناً منافق ہوگیا ہے۔ مجھے اجازت فرمائیں تو میں اس کا سر قلم کردوں۔ بے دھیانی میں یہ جملہ حضرت حذیفہ کی زبان سے نکل تو گیا لیکن عمر بھر اس پر پچھتاتے رہے۔ آپ کہتے: ''ما انا بأمن من تلك الكلمة التی قلتها یومئذ'' وہ بات جو اس روز میری زبان سے نکل گئی تھی مجھے اس کے باعث اپنے انجام کے بارے میں خطرہ لاحق ہوگیا ہے۔ ''ولا ازال خائفا منها الا ان تكفرها عنی الشهادة'' وہ جملہ جو اس روز میری زبان سے نکلا، اس کا مجھے ہر وقت ڈر لگا رہتا ہے،

میرے دل کو کبھی اطمینان نصیب نہیں ہوتا اگر میں شہید ہو جاؤں تو شاید میری شہادت اس گناہ کا کفارہ بن جائے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ تمنا پوری فرمادی، جنگ یمامہ میں دشمنانِ ختم نبوت کا مقابلہ کرتے ہوئے انہوں نے جام شہادت نوش فرمایا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ پہلا دن تھا جب میرے دلنواز آقا نے مجھے ابو حفص کی کنیت سے سرفراز فرمایا۔ (سیرت الرسول، ج: ۳، ص: ۳۴۹/۳۵۰، سبل الہدیٰ والرشاد ج: ۴، ص: ۴۷، سیرت ابن ہشام، ج: ۱، ص: ۶۲۹)

حضرت ابو حذیفہ کے ان جملوں سے کسی صاحب ایمان کو ان سے متعلق کوئی بدگمانی پیدا نہ ہو جائے اس لیے ہم پیر کرم شاہ ازہری کی کتاب سیرت الرسول کا ایک اقتباس پیش کررہے ہیں اقتباس اگرچہ لمبا ہے لیکن فوائد سے پر ہے آپ رقم طراز ہیں:

حضرت ابوحذیفہ کے جذبہ ایمان کی آزمائش: حضرت ابوحذیفہ کا شمار ان چند سعداء میں ہوتا ہے جنہوں نے ہادی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت حقہ کو اس وقت دل وجان سے قبول کیا تھا۔ جب کہ ابھی دارارقم کو اسلام کی تبلیغ واشاعت کا مرکز بننے کا شرف نصیب نہیں ہوا تھا۔ آپ مکہ کے سربرآوردہ خاندان کے چشم وچراغ تھے، آپ عتبہ بن ربیعہ کے بیٹے تھے وہ عتبہ جو خاندانی وجاہت، دولت وثروت کے علاوہ اپنی عقل ودانش اور اپنے ذاتی فضائل کے اعتبار سے قریش کے جملہ خاندانوں میں ایک نمایاں مقام رکھتا تھا لیکن ان جملہ خوبیوں اور صفات کے باوجود اسلام اور نبی اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا، کا دشمن تھا اگرچہ اس کی عداوت میں ابوجہل کا اندھا تعصب اور اکھڑ پن اور عقبہ بن ابی معیط جیسے کفار کی کمینگی اور دنایت نہ تھی اس کا شمار مکہ کے زیرک، دانشمند اور عاقبت اندیش سرداروں میں ہوتا تھا لیکن اسلام کی بدخواہی میں وہ کسی سے پیچھے نہ تھا۔

اسلام کے شاہین نے اس خانوادہ سے جہاں دولت، ریاست، شہرت اور دین حق سے عداوت اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی، ابوحذیفہ کو تاکا، اسے جھپٹا اور آغوش نبوت میں ڈال دیا۔ باپ، چچا بھائی سارے خاندان کا ہر فرد لات وہبل کا پرستار اور اس کی سطوت وعظمت

کا پاسبان بنا ہوا تھا ایسے خاندان کے ایسے محتشم سردار کے بیٹے کا ان کے معبودوں کی خدائی کے خلاف علم بغاوت بلند کر دینا کوئی معمولی سانحہ نہ تھا۔ اس سے سارے قبیلے میں کہرام برپا ہو گیا، کون سی ایسی کوشش اور حیلہ تھا جو انہوں نے اپنے خاندان کے ایک اہم فرد کو اپنے حلقہ میں واپس لانے کے لیے استعمال نہ کیا، پیدائش سے اب تک جس ناز ونعم کا وہ خوگر تھا ساری بساط ہی الٹ دی گئی، محرومیوں اور مایوسیوں نے ابوحذیفہ کو اپنے حصار میں لے لیا، اسے ہر وقت ستایا جاتا، نت نئی اذیت سے اس کا دل دکھایا جاتا لیکن اس مرد حق پسند کی استقامت میں ذرہ برابر فرق نہ آیا، جب مکہ کی سرزمین تنگ ہو گئی تو پہلے اس نے حبشہ کی طرف ہجرت کی وہاں کئی سال تک غریب الوطنی کے چرکے برداشت کیے، ان کی رفیقۂ حیات بھی حزن والم سے بھرپور جلاوطنی میں ان کے ساتھ رہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں وہاں ایک فرزند عطا فرمایا، جس کا نام اپنے محبوب کریم کے اسم گرامی کے مطابق محمد رکھا۔ اس طرح اپنے قلب حزین کی تسکین کا سامان فراہم کر لیا چند سال بعد حبشہ سے مکہ واپس آئے یہاں کی فضا انہیں برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھی، ان کے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب ہجرت فرمائی تو یہ بستہ فتراک وفا پھر اپنے اہل وعیال کو لے کر مرکز دین وایمان مدینۂ طیبہ میں آ کر آباد ہو گیا۔ یہاں انہیں اپنے محبوب آقا کی دید کی سعادت نصیب ہو جاتی تھی۔ یہی چیز ان کے بے تاب دل اور بے قرار نگاہوں کے لیے تسکین واطمینان کا سب سے بڑا ذریعہ تھی، جرم عشق میں تیرہ چودہ سال کا عرصہ گوناگوں اذیتیں سہتے سہتے جذبۂ عشق جواں ہو گیا۔ اسی اثناء میں غزوۂ بدر پیش آیا وہ اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے اپنے حبیب مکرم کی معیت میں میدان بدر کی طرف روانہ ہوئے یہاں انہیں دو مزید آزمائشوں سے گزرنا پڑا وہ دونوں آزمائشیں اتنی بھیانک اور سخت تھیں کہ اگر ان سے پہاڑوں کو آزمایا جاتا تو وہ ہول امتحان سے ریزہ ریزہ ہو جاتے لیکن یہ ان کے رب کریم کی توفیق اور ان کے ایمان کی بے پایاں قوت تھی جس کے باعث وہ ان دونوں امتحانوں میں سرخرو ہو کر نکلے۔

پہلی آزمائش کا انہیں اس وقت سامنا کرنا پڑا، جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مقتول کفار کی لاشوں کو ایک پرانے گڑھے میں پھینک دینے کا حکم دیا، وہ گھسیٹ کر لائی جارہی تھیں اور اس گڑھے میں پھینکی جارہی تھیں، اسی اثناء میں ان کے باپ عتبہ کی لاش لائی گئی جس کو حضرت حمزہ کی تلوار جوہر دار نے دولخت کر کے زمین پر پھینک دیا تھا اسے بھی اس گڑھے میں لڑھکا دیا گیا، یہ منظر ابوحذیفہ کے لیے بڑا حوصلہ شکن اور صبر آزما تھا، ان کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا دوسرا جارہا تھا، ان کی اس کیفیت کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا، ان کے دل میں غم واندوہ کا جو طوفان برپا تھا۔ اس پر آگاہی پاتے ہی سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں جھنجھوڑتے ہوئے فرمایا: اے ابوحذیفہ! اپنے باپ کی یہ حالت دیکھ کر تمہارے دل میں کچھ خیال تو پیدا نہیں ہوگیا؟ اس سراپا ادب ونیاز غلام نے عرض کی: یارسول اللہ! بخدا مجھے اپنے باپ اور اس کے انجام کے بارے میں کوئی شک نہیں لیکن اپنے باپ کو صاحب رائے، حلیم اور اچھی صفات کا مالک خیال کرتا تھا۔ مجھے امید تھی کہ اس کی یہ خوبیاں اسے اسلام کی طرف لے آئیں گی جب میں نے اس کے انجام کو دیکھا اور حالت کفر میں اس کے مرنے کو دیکھا تو اس بات کا مجھے بہت دکھ ہوا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوحذیفہ کا یہ جواب سن کر انہیں اپنی دعائے خیر سے نوازا۔

(سبل الہدی والرشاد، ج:۴،ص:۸۷)

دوسری آزمائش جس سے انہیں دوچار ہونا پڑا وہ اس سے بھی سنگین تر تھی اور اسی غزوے کے دوران انہیں پیش آئی، اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

جب میدان جنگ میں گھمسان کا رن پڑ رہا تھا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو ارشاد فرمایا کہ بنوہاشم کے جو افراد لشکر کفار کے ساتھ یہاں آئے ہیں وہ اپنی مرضی سے نہیں آئے بلکہ انہیں زبردستی لایا گیا ہے، اگر ان میں سے کوئی تمہارے سامنے آئے تو اسے قتل نہ کرنا، نیز فرمایا: اگر ابوالبختری کسی کے دوبدو ہو تو اسے بھی قتل نہ کیا جائے اور جو شخص عباس بن عبد المطلب کے مدمقابل آئے تو وہ انہیں بھی قتل نہ کرے کیوں کہ انہیں

بھی جبراً ساتھ لایا گیا ہے۔

ابوحذیفہ جن کا باپ عتبہ، چچا شیبہ، بھائی ولید مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو چکے تھے، انہوں نے جب یہ ارشاد نبوی سنا تو وہ اپنے جذبات کو قابو میں نہ رکھ سکے اور بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا: ہم تو اپنے باپوں، بھائیوں، قریشی رشتہ داروں کو تہ تیغ کر دیں اور عباس کو کچھ نہ کہیں، انہیں چھوڑ دیں، یہ کیسے ممکن ہے؟ بخدا اگر میرا مقابلہ عباس سے ہوا تو میں اپنی تلوار سے ان کے منہ میں لگام دوں گا۔

ابوحذیفہ کی یہ بات جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سنی تو حضور نے حضرت عمر کو فرمایا: اے ابا حفص! کیا اللہ کے رسول کے چچا کے چہرے پر تلوار سے ضرب لگائی جائے گی؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! مجھے اجازت فرمایئے، میں ابوحذیفہ کی گردن اڑا دوں بخدا وہ منافق ہو گیا ہے۔

حضرت ابوحذیفہ کی زبان سے تند جذبات کی رو میں بہتے ہوئے یہ جملہ نکل تو گیا لیکن عمر بھر اس پر پریشان رہے اور اظہار افسوس کرتے رہے۔ کہا کرتے ''میں نے اس دن جو بات کہی تھی، میں اس کے انجام سے اب تک ترساں ولرزاں ہوں۔ اس کے اثر بد سے میری رستگاری کی ایک ہی صورت ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے شہادت کا شرف عطا فرما دے تا کہ راہ حق میں میری شہادت میرے اس گناہ کا کفارہ بن جائے،،۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس تمنا کو پورا کیا عقیدۂ ختم نبوت کے باغی مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ کرتے ہوئے اپنی جان قربان کر دی۔ (محمد رسول اللہ، ج: ۳،ص: ۷۴۴)

جس شخص کی آنکھوں کے سامنے اس کے باپ چچا اور بھائی کو بیک وقت تہ تیغ کر دیا گیا ہو اس کا رنجیدہ خاطر ہونا ایک قدرتی بات ہے۔ بشری فطرت کے یہ ایسے شدید تقاضے ہیں جن سے دامن بچانا ناممکن نہیں تو از بس مشکل ضرور ہے۔ ان حالات میں حضرت ابوحذیفہ کی زبان سے ان کلمات کا نکلنا قطعاً محل تعجب نہیں لیکن جونہی انہیں ہوش آیا تو انہیں اپنی اس غلطی کا اتنا شدید احساس ہوا کہ دن رات پریشان رہتے تھے انہیں ہر وقت کھٹکا لگا

رہتا کہ مبادا اللہ تعالیٰ کا غضب ان پر نازل ہو اور ان کی شمع ایمان ہی بجھادی جائے اگر ایسا سانحہ رو پذیر ہوا تو ان کی دنیا و آخرت دونوں برباد ہو جائیں گی، وہ اکثر سوچتے کہ اس گناہ کبیرہ کا کفارہ ادا کرنے کی ایک ہی صورت ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے انہیں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کا موقع مل جائے۔(سیرۃ الرسول، ج:۳،ص:۳۶۷-۳۷۱)

گویا ابو حذیفہ جنگ کے شدائد اور اہل خانہ کے انجام کو دیکھ کر اتنا بےخود ہو گئے کہ ذہن قوتِ تمیز کھو بیٹھا اور اس حالت میں وہ کہا جو آپ نے سنا، شاید ان کی اسی کیفیت کے مد نظر انہیں معذور رکھا گیا اور ان سے کوئی مؤاخذہ نہ کیا گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حضرت عباس گرفتار: میدان بدر میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجبوراً موجود تھے جیسا کہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد سے عیاں ہے اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے جو صحابی رسول ابوالیسر سلمی نے اپنی آنکھوں سے دیکھا آپ بیان فرماتے ہیں: میدان بدر میں میں نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا وہ صنم کی طرح کھڑے تھے (کوئی نقل و حرکت نہیں کر رہے تھے) آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، میں نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: اللہ تعالیٰ تمہیں رشتہ داری کا برا بدلہ دے، کیا تم ان کے دشمنوں کے ساتھ مل کر اپنے بھتیجے سے قتال کر رہے ہو؟ تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: کیا معاملہ ہے؟ کیا میرے بھتیجے کو قتل کر دیا گیا ہے؟ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ ان کو عزت بخشنے والا اور اِن کی مدد کرنے والا ہے۔ ابوالیسر کا جواب سن کر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: حضور کے سوا ہر غم آسان ہے۔ پھر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے پوچھا: اے ابوالیسر! میرے بارے میں کیا ارادہ رکھتے ہو؟ تو میں نے کہا: آپ کو گرفتار کرنے کا، کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو قتل کرنے سے منع کر دیا ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: یہ میرے اوپر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کوئی پہلا احسان نہیں ہے (حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو کرم فرماتے ہی رہتے ہیں) حضرت ابوالیسر فرماتے ہیں کہ پھر میں انہیں گرفتار کر کے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

https://alislami.net

بارگاہ میں لے آیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا: اے ابوالیسر! تم نے عباس کو کیسے گرفتار کیا؟ میں نے عرض کیا: حضور! ان کو گرفتار کرنے میں میری ایک شخص نے مدد فرمائی ہے اور وہ ایسا شخص ہے جس کو نہ میں نے کبھی پہلے دیکھا اور نہ اس واقعے کے بعد دیکھا، اس کا حلیہ اس اس طور پر تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کو گرفتار کرنے میں ایک مکرم فرشتے نے تمہاری مدد کی ہے۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۲،ص:۸۱، طبقات ابن سعد، ج:۴،ص:۱۱)

ایضاح الاشکال میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جس شخص نے گرفتار کیا تھا اس کا نام طارق بن عبید بن مسعود ہے اور ابوالیسر انصاری جن کا نام کعب بن عمرو ہے یہ طارق کے ساتھ تھے۔ (ج:۱،ص:۱۱۴)

میں تو مسلمان تھا: جب حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گرفتار کر کے مدینۂ منورہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیا گیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: چچا! آپ اپنا اور آپ کے بھتیجے عقیل، نوفل اور آپ کے حلیف عتبہ بن عمر کا فدیہ ادا کر کے رہائی حاصل کیجیے، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں تو مسلمان تھا مجھے تو قوم جبراً لے کر آئی ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے اسلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اگر آپ سچ کہہ رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو بہتر بدلہ عطا فرمائے گا۔ ظاہر میں آپ ان کے ساتھ آئے ہیں تو فیصلہ اسی کے اعتبار سے ہوگا لہٰذا آپ کو آزادی چاہیے تو فدیہ دینا پڑے گا۔ (طبقات ابن سعد، ج:۴،ص:۱۲)

پیغمبر تو رکھتا ہے دلوں کی بھی خبر داری: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیس اوقیہ سونا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مال غنیمت کے طور پر وصول کیا تھا اور اب سرکار فرما رہے تھے: چچا! اگر آزادی چاہتے ہو تو فدیہ ادا کرو، اس پر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: جو بیس اوقیہ آپ مجھ سے لے چکے ہیں اسی کو میرا فدیہ بنا دیجیے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، یہ نہیں ہوسکتا، یہ تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں غنیمت میں عطا فرمایا ہے۔ اس پر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! میرے پاس مال

نہیں ہے، یہ سن کر غیب داں رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: چچا! وہ مال کہاں چلا گیا جو سفر میں نکلنے سے پہلے مکہ میں عالم تنہائی میں میری چچی ام الفضل کو دیکر آئے تھے؟ ساتھ ہی یہ وصیت بھی کر کے آئے تھے اگر عباس اس سفر کی نذر ہو جائے تو اتنا مال فضل کو اور اتنا عبداللہ کو دے دینا۔

تمہارے لفظ تھے عباس گر مارا بھی جائے گا
تو یہ اتنا اثاثہ ہے تمہارے کام آئے گا
یہ سن کر حضرت عباس پر رعشہ ہوا طاری
کہ پیغمبر تو رکھتا ہے دلوں کی بھی خبرداری

یہ سن کر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، اس بات کو ہم دونوں میاں بیوی کے سوا اور کوئی نہیں جانتا یہ تو نہایت راز کی بات تھی لیکن آپ کو یہ بھی معلوم ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ (طبقات ابن سعد، ج: ۴، ص: ۱۳)

اس حدیث پاک میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کا ثبوت ہے اور یہ غیب آپ کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا۔ یہاں ہم نے ایک حوالے پر اکتفا کیا ہے جسے مزید کی جستجو ہو وہ تبیان القرآن ج: ۴، ص: ۷۰۳ کا مطالعہ کرے وہاں اس کثرت کے ساتھ حوالے پیش کیے گئے ہیں کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں چار ہو جائیں گی اور مخالف انگشت بدنداں رہ جائیں گے۔

عباس کا فدیہ: امام ابونعیم نے اوائل میں روایت کی ہے کہ ہر قیدی کا فدیہ چالیس اوقیہ سونا تھا پس آپ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اوپر ایک سو اوقیہ سونا مقرر کیا اور عقیل کے اوپر اسی (۸۰) اوقیہ سونا مقرر کیا تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: آپ نے قرابت کی وجہ سے ایسا کیا ہے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ

https://alislami.net

قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ ۔ (انفال:۷۰)

اے نبی! آپ ان سے فرما دیجیے جو تمہارے ہاتھوں میں قیدی ہیں اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں کسی بھلائی کو ظاہر فرما دیا تو تمہیں اس سے بہتر دے گا جتنا فدیہ تم سے لیا گیا ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعد میں اس آیت کی وجہ سے کہا کہ: میری خواہش تھی کہ آپ مجھ سے دوگنا چوگنا فدیہ لیتے۔

(فتح الباری، ج:۵، ص:۱۷۸، بحوالہ نعمۃ الباری ج:۷، ص:۳۱۸)

اسلام کی فتح مندی پر حضرت عباس کی خوشی: جس طرح جنگ بدر کے واقعات اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قدیم الاسلام صحابہ میں شامل ہیں، اسی طرح فتح خیبر کے موقع پر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خوشی اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اعلان اسلام سے پہلے ہی اسلام لا چکے تھے اور بعض مصالح کی بنیاد پر وہ اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھے۔ واقعہ کچھ یوں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں: جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر خیبر فتح فرما دیا تو صحابی رسول حضرت حجاج بن علاط نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! مکہ میں میرا مال ومنال اور اہل وعیال باقی ہیں اگر آپ اجازت دیں تو اس کو لے کر حاضر ہو جاؤں، ساتھ ہی مجھے اس بات کی اجازت بھی مرحمت فرمائیں کہ میں آپ سے متعلق کچھ بناوٹی باتیں بھی کفار مکہ کے ساتھ کر سکوں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں دونوں اجازتیں عطا فرما دیں۔ حجاج مکہ پہنچے اور اپنا کام شروع کر دیا، سب سے پہلے یہ اپنی اہلیہ کے پاس آئے اور اس سے کہا: تمہارے پاس جو کچھ بھی مال ومتاع ہے وہ سب جمع کر کے مجھے دے دو کیوں کہ اس وقت بڑا سنہرا موقع ہے محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کے اموال جنگ میں غنیمت کے طور پر چھین لیے گئے ہیں، میں ان اموال کو سستے داموں میں

خریدنا چاہتا ہوں۔ پھر حجاج نے اس خبر کو پورے مکہ میں پھیلا دیا۔ اس خبر سے وادی مکہ میں بسنے والے مشرکین کے دلوں کی کلیاں کھل گئیں۔ مسرت وانبساط کی لہر دوڑ گئی، شہر مکہ فرح وسرور کے ترانے گانے لگا، ہر طرف خوشیوں کے شادیانے بجنے لگے، بچہ بچہ شراب سرور سے مخمور تھا لیکن مکہ میں بچے ہوئے مسلمان اس خبر کو سن کر ضرور مغموم ہو گئے، ان کے چہرے اداس اور دل مضمحل تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یہ خبر ملی ان کے لیے یہ خبر خبر نہ تھی بلکہ ایک ایسی بجلی تھی جس نے ان کے جسم کو شل کر دیا تھا۔ وہ اپنی محفل سے اٹھنے کے قابل نہ بچے تھے گویا کہ ان کے اعضاء کی ساری قوتیں مفقود ہو گئی تھیں۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک بیٹا قثم تھا جو حضور کے مشابہ تھا، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو پکڑا اور کچھ اشعار گنگنانے لگے "یاقثم! یاقثم! یاشبہ ذی الکرم!" پھر اپنے آپ کو سنبھالا اور ایک خادم کو حجاج بن علاط کی طرف روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ تم یہ کیا خبر لے کر آئے ہو؟ حجاج نے جواباً خادم سے کہا: جاؤ ابو الفضل سے میرا اسلام کہو اور ان سے کہو میں تم سے ملنے آ رہا ہوں آ کر وہ سناؤں گا کہ تم اس سے خوش ہو جاؤ گے۔ غلام نے آ کر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پوری خوش خبری سنائی۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے ہوئے تھے کہ مارے خوشی کے اچھل پڑے خادم کو بغل گیر کر لیا۔ اب حجاج نے آ کر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حقیقت سے آگاہ کیا اور بتایا: عباس! وہ سب ڈراما تھا، سچ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ کے کرم سے خیبر فتح کر لیا ہے، خیبر کا مال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدموں میں پڑا ہے۔ خیبر کے سردار کی نازنین شہزادی حضور کی زوجیت سے مشرف ہو چکی ہے، میں تو اپنا مال لینے آیا تھا اور جو میں نے کیا ہے اس کی اجازت لے کر آیا تھا بس تین دن تک کسی کو مت بتانا جب میں یہاں سے نکل کر مامون ہو جاؤں تو جسے چاہو بتانا۔ حجاج نے سارا مال ومتاع اکٹھا کیا اور اپنی راہ لی پھر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حجاج کی اہلیہ سے ملے انہیں حقیقت حال سے آگاہ کیا اور قریش کی مجلس میں جا پہنچے۔ قریش نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: عباس تمہیں خیر

https://alislami.net

حاصل ہو، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: مجھے خیر ہی نصیب ہوئی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے خیبر کو اس کے رسول کے ہاتھ پر فتح کر دیا ہے، ان کے اموال میں اللہ کے حکم کے مطابق حصے بنا دیے گئے ہیں اور خیبر کی شہزادی داخل حرم ہو چکی ہے یہ سچی خبر مجھے حجاج نے دی ہے اور اس خبر کو تین دن تک پوشیدہ رکھنے کی درخواست کی تھی اور وہ صرف اپنا مال لینے یہاں آئے تھے اور جو کچھ تم نے سنا وہ سب بناوٹی باتیں تھیں، یہ خبر بھی ہوا کی طرح مکہ میں پھیل گئی اور حالات بدل گئے۔ خوشی رنج میں اور رنج خوشی میں تبدیل ہو گیا جو ابھی ٹھٹھے مار مار کر ہنس رہے تھے وہ غم زدہ ہو گئے جو غم زدہ تھے وہ مسکرانے لگے۔ مشرکین درد مصیبت سے تڑپ رہے تھے اور مسلمان خوشیاں منا رہے تھے۔ اس روایت کو ابو حاتم نے روایت کیا ہے۔ (ذخائر العقبیٰ، ص: ۳۱۹، مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۲۴۰۹، شرح مشکل الآثار للطحاوی، ج: ۸، ص: ۵۷، مسند عبد الرزاق، حدیث نمبر: ۳۲۱۳، کشف الاستار، ج: ۲، ص: ۳۴۰)

ہجرت: حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے سے متعلق آپ علما کا اختلاف پڑھ چکے ہیں، بعض حضرات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہجرت فرمانے سے پہلے، بعض حضرات غزوۂ بدر سے پہلے، بعض حضرات غزوۂ بدر کے بعد، بعض حضرات خیبر فتح ہونے سے پہلے آپ کے اسلام لانے کو ثابت کرتے ہیں، زیادہ تر علمائے کرام بدر سے پہلے یا بدر کے بعد آپ کے ایمان کے قائل ہیں۔ پھر جب آپ نے اپنے ایمان لانے کو لوگوں پر ظاہر فرما دیا تو آپ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مکۂ مکرمہ سے مدینۂ طیبہ ہجرت کرنے کی اجازت چاہی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو یہ کہتے ہوئے ہجرت کرنے سے روک دیا کہ تمہارا مکہ میں رہنا ہی بہتر ہے۔ ان کو مکہ چھوڑنے کی اجازت اس لیے نہ مل سکی کیونکہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ میں رہ کر مکہ کے مشرکین کی خبریں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک لکھ کر بھیجا کرتے تھے اور مکہ میں بچے کچے مسلمان آپ سے تقویت پاتے تھے۔ اس لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے موقع پر صحابۂ کرام کو فرمایا تھا جس کا مقابلہ عباس سے ہو وہ انہیں قتل نہ کرے کیوں کہ انہیں جبراً لایا گیا

ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں ہجرت سے روکتے ہوئے خاتم المہاجرین کا تمغہ بھی عطا فرمایا۔ آپ نے فرمایا تھا: اے چچا! آپ جہاں ہیں وہیں ٹھہرے رہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ آپ پر ہجرت کو ختم فرمائے گا جیسے کہ اللہ نے مجھ پر نبوت کو ختم فرمادیا۔ دوسری حدیث میں ہے: اے چچا! جیسے میں آخر النبیین ہوں، آپ آخری المہاجرین ہوں گے۔ اس حکم کے بعد آپ مکہ میں ٹھہرے رہے اور فتح مکہ سے پہلے فتح خیبر کے سال آپ نے ہجرت فرمائی، اور ہجرت آپ پر ختم ہوگئی، آپ فتح مکہ میں حضور کے ساتھ رہے۔

(اسد الغابہ، ج: ۳، ص: ۱۶۴، تاریخ دمشق، ج: ۲۶، ص: ۲۹۸)

غزوات میں شرکت: آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فتح مکہ سے قبل ہی ہجرت کرنے کی اجازت ملی تھی۔ آپ نے فتح خیبر کے سال ایک قافلے کے ساتھ ہجرت فرمائی اس قافلے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے؛ یہ پورا قافلہ مقام جحفہ میں ٹھہر گیا، جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آپ کی آمد کی خبر دی گئی تو آپ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو ہریرہ کو خیبر کے مال غنیمت سے کچھ حصہ عطا فرمایا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خیبر کے باغات سے آپ کو دوسو وسق کھجوریں ہر سال عطا فرماتے تھے۔ پھر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتح مکہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، غزوۂ حنین وطائف اور تبوک میں بھی آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شریک کار رہے۔

فتح مکہ میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشرکین کو جنگ سے باز رکھنے کے لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آگے گزر گئے جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر ہوئی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام سے فرمایا: میرے چچا کو واپس بلاؤ، واپس بلاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ قریش ان کو اس طور پر قتل کردیں جیسے قبیلۂ ثقیف نے عروہ بن مسعود کو قتل کردیا تھا۔ چند گھڑسوار صحابہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر لائے جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے چچا کو دیکھا تو نم آنکھوں سے گلے لگالیا، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: میں تو مسلمانوں کی مدد کے لیے ہی گیا تھا۔ یہ سن کر حضور نے

اپنے چچا کو دعاؤں سے نوازا، بارگاہ مولیٰ میں عرض کی: اے اللہ! عباس اور ان کی اولاد کی مدد فرما۔ (تاریخ دمشق، ج:۲۶،ص:۲۹۹)

غزوۂ حنین اور حضرت عباس: غزوۂ حنین بھی اسلام کے مشہور ترین غزوات میں سے ایک ہے، اس غزوے کا ذکر قرآن پاک میں ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے:

وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا
وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۚ﴿۲۵﴾

حنین کے دن تمہاری مدد کی جب تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے تو وہ کچھ تمہارے کام نہ آئی اور زمین اتنی وسیع ہو کر تم پر تنگ ہوگئی تم پیٹھ دے کر پھر گئے۔ (سورۂ توبہ، آیت:۲۵)

اس غزوے میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نہ صرف ساتھ تھے بلکہ اس جنگ میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام کے دشمنوں کے خلاف اپنی جواں مردی کے خوب جوہر دکھائے۔ پہلے ہم حنین کا قدرے تعارف پیش کرتے ہیں پھر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہادری کا ذکر کریں گے۔

شارح بخاری حضرت علامہ غلام رسول سعیدی علیہ الرحمۃ نعمۃ الباری میں تحریر فرماتے ہیں؛ صدرالافاضل سید محمد نعیم الدین مرادآبادی متوفی ۱۳۶۷ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حنین ایک وادی ہے جو طائف کے قریب مکۂ مکرمہ سے چند میل کے فاصلہ پر ہے، یہاں فتح مکہ سے تھوڑے ہی روز بعد قبیلۂ ہوازن وثقیف سے جنگ ہوئی، اس جنگ میں مسلمانوں کی تعداد بہت کثیر تقریباً بارہ ہزار یا اس سے زائد تھی اور مشرکین چار ہزار تھے، جب دونوں لشکر بالمقابل ہوئے تو مسلمانوں میں سے کسی شخص نے اپنی کثرت پر نظر کر کے یہ کہا کہ اب ہم ہرگز مغلوب نہیں ہوں گے یہ کلمہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بہت گراں گزرا کیوں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر توکل فرماتے تھے اور تعداد کی قلت و کثرت پر نظر نہ رکھتے تھے جب جنگ شروع ہوئی اور قتال شدید ہوا تو

مشرکین بھاگے اور مسلمان مال غنیمت لینے میں مصروف ہو گئے تو بھاگے ہوئے لشکر نے اس کو غنیمت سمجھا اور تیروں کی بارش شروع کر دی اور تیر اندازی میں وہ بہت مہارت رکھتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ اس ہنگامے میں مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے، لشکر بھاگ پڑا اور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس حضور کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے ابن عم ابوسفیان بن حارث کے سوا اور کوئی باقی نہ رہا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس وقت اپنی سواری کو کفار کی طرف بڑھایا اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ بلند آواز سے اپنے اصحاب کو پکاریں، ان کے پکارنے سے وہ لوگ لبیک لبیک کہتے ہوئے پلٹ آئے اور کفار سے جنگ شروع ہو گئی جب لڑائی خوب گرم ہو گئی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک میں سنگ ریزے لے کر کفار کے مونہوں پر مارے اور فرمایا: رب محمد کی قسم! (کفار) بھاگ نکلے، سنگ ریزوں کا مارنا تھا کہ کفار بھاگ پڑے اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی غنیمتیں مسلمانوں کو تقسیم فرما دیں، ان آیتوں میں اس واقعے کا بیان ہے:

اور وہ لشکر نازل کیے جو تم نے نہ دیکھے: یعنی فرشتے جنہیں کفار نے ابلق گھوڑوں پر سفید لباس پہنے، عمامہ باندھے دیکھا، یہ فرشتے مسلمانوں کی شوکت بڑھانے کے لیے آئے تھے اس جنگ میں انہوں نے قتال نہیں کیا، قتال صرف بدر میں کیا تھا۔

(خزائن العرفان، ص: ۳۲۹، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

علامہ عمر بن علی ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

حنین ایک وادی ہے اس کے اور مکہ کے درمیان تین راتوں کے سفر کی مسافت ہے، حنین بن قاینہ بن مہلائیل نام کے ایک شخص کی طرف اس وادی کی نسبت ہے۔

(معجم ما استعجم، ج: ۲، ص: ۴۷۲)

اور یہیں غزوۂ ہوازن ہوا تھا جس کا ذکر صحیح البخاری، حدیث: ۲۸۶۴ میں ہے۔

علامہ سہیلی نے کہا ہے کہ یہ غزوہ اوطاس کے نام سے معروف ہے، اوطاس اس جگہ کا نام ہے جہاں پر بعد میں یہ واقعہ ہوا تھا۔ (الروض الانف، ج: ۴، ص: ۱۳۸)

وہ ہفتہ کا دن تھا اور شوال کی چھ تاریخ تھی اور آٹھ ہجری میں یہ غزوہ ہوا، فرشتوں کی علامت ان کے عمامے تھے جن کے شملے انہوں نے اپنے کندھوں کے درمیان ڈالے ہوئے تھے۔

امام محمد بن سعد نے دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اٹھائیس (۲۸) رمضان کو تیاری کرتے ہوئے نکلے تھے۔ (الطبقات الکبریٰ، ج: ۲، ص: ۱۴۳)

انہوں نے کہا کہ آپ کے لشکر کی تعداد بارہ ہزار تھی، دس ہزار اہل مدینہ میں سے تھے اور دو ہزار اہل مکہ میں سے تھے، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: آج ہم تعداد میں کمی کی وجہ سے مغلوب نہیں ہوں گے، پس یہ دس شوال منگل کی رات کو وادیِ حنین پہنچے جب بنو سلیم اور اہل مکہ پیچھے بھاگے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پکار رہے تھے: اے اللہ کے مددگارو! اے اس کے رسول کے مددگارو! میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، تو جو بھاگ گئے تھے وہ لوٹ کر آ گئے، اس دن جو صحابہ آپ کے ساتھ ثابت قدم رہے، وہ یہ تھے: حضرت عباس، حضرت علی، حضرت فضل، حضرت ابوسفیان بن حارث، حضرت ربیعہ بن حارث، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو آپ کے اہل بیت اور آپ کے اصحاب میں سے تھے۔ (نعمۃ الباری، ج: ۷، ص: ۶۹۵-۶۹۶)

اب حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حنین کی کہانی خود ان کی زبانی سنیں! حضرت علامہ غلام رسول سعیدی تبیان القرآن میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں: کہ غزوۂ حنین میں، میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، میں اور حضرت ابوسفیان بن حارث رسول اللہ کے ساتھ رہے، اور آپ سے بالکل الگ نہیں ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سفید رنگ کے خچر پر سوار تھے جو آپ کو فروہ بن نفاثہ جذامی نے ہدیہ میں دی تھی۔ جب مسلمانوں اور کفار کا مقابلہ ہوا تو مسلمان پیٹھ پھیر کر بھاگے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے خچر کو کفار کی جانب دوڑا رہے تھے، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں خچر کی

https://alislami.net

لگام تھام کر اس کو تیز بھاگنے سے روک رہا تھا اور حضرت ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رکاب پکڑے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عباس! اصحاب سمرہ کو آواز دو، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلند آواز شخص تھے۔ وہ کہتے ہیں: میں نے بآواز بلند پکارا؛ اصحاب سمرہ کہاں ہیں؟ (سمرہ وہ درخت ہے جس کے نیچے صحابہ نے بیعت رضوان کی تھی، اس کا یہ معنی ہے کہ ان مسلمانوں کو آواز دو جنہوں نے حدیبیہ کے دن بیعت رضوان کی تھی) حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: بخدا آواز کا سنتے ہی وہ اس طرح پلٹے جیسے گائے اپنے بچوں کی طرف پلٹتی ہے۔ وہ لبیک! لبیک! کہتے ہوئے دوڑے آئے اور انہوں نے کافروں سے لڑنا شروع کر دیا۔ انہوں نے انصار کو بلایا، وہ کہتے تھے "اے انصار کی جماعت! اے انصار کی جماعت! پھر بنوخزرج کو بلایا گیا پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گردن اٹھا کر ان کی طرف دیکھا درآنحالیکہ آپ خچر پر سوار تھے آپ ان کی جنگ کا منظر دیکھ رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تنور گرم ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چند کنکریاں اٹھائیں اور کفار کے چہروں کی طرف پھینکیں اور فرمایا: رب محمد کی قسم! یہ شکست کھا گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں دیکھ رہا تھا کہ لڑائی اسی تیزی کے ساتھ جاری تھی کہ آپ نے چند کنکریاں اٹھا کر کفار کے چہروں پر ماریں (اس باب کی آخری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ان کا منہ کالا ہو گیا) بخدا میں نے دیکھا کہ ان کا زور ٹوٹ گیا اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔ (صحیح المسلم کتاب المغازی، السنن الکبری للنسائی، حدیث نمبر: ۸۶۵۳، تفسیر عبدالرزاق، رقم الحدیث: ۱۰۶۴، بحوالہ تبیان القرآن، ج:۵، ص:۱۰۹-۱۱۰)

غزوۂ طائف اور حضرت عباس: محاصرۂ طائف میں بھی حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے، اس غزوے میں بھی حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسی خداداد شجاعت کا مظاہرہ کیا کہ آج بھی لوگ سن کر حیران رہ جاتے ہیں اور ان کی جواں مردی کے ترانے گانے لگتے ہیں۔ جس وقت حضور صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کیا تو ایک صحابی رسول کے ساتھ بڑا خطرناک معاملہ پیش آیا، طائف کے قلعہ سے ایک دشمن نکل آیا اور صحابی رسول کو پکڑ کر اٹھا لے گیا اس کی کوشش تھی کہ انہیں قلعہ میں لے جائے جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ملاحظہ کیا تو فرمایا: جو میرے اس صحابی کو دشمن کے چنگل سے چھڑا لائے اس کے لیے جنت ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوراً اٹھ کر چھڑانے کے لیے چل پڑے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعاؤں سے نوازتے ہوئے فرمایا: چچا جاؤ تمہارے ساتھ جبرئیل ومیکائیل بھی ہیں،، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ گئے صحابی رسول اور دشمن رسول دونوں کو اٹھا کر لے آئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے لا کر حاضر کر دیا۔

دوسری روایت میں ان صحابی کا نام اور کام دونوں موجود ہے صحابی کا نام حضرت حنظلہ بن ربیع تھا انہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اہل طائف سے گفتگو کے لیے بھیجا تھا پھر وہ ہوا جو آپ پڑھ چکے ہیں، اس روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر قلعہ سے پتھروں کی بارش بھی کی گئی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے پیارے چچا کے لیے دست دعا بلند کر دیے یہاں تک کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس سلامت لوٹ آئے۔ (تاریخ دمشق، ج:٢٦، ص:٣٤٠)

حرم کی سقایت وعمارت: حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ زمانۂ جاہلیت میں قبیلۂ قریش کے رؤسا میں شمار کیے جاتے تھے۔ مسجد حرام میں سقایہ یعنی پانی پلانے کی خدمت حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد تھی اور عمارت بھی انہیں کے سپرد تھی، عمارت کا معنی مسجد حرام کو گالی گلوج سے بچانا ہے۔ وہ کسی کو بھی مسجد حرام میں ایسا کرنے نہیں دیتے تھے اہل قریش اس معاملے میں ان کے مددگار رہتے تھے۔ (اسد الغابہ، ج:٣، ص:١٦٣)

زمزم حضرت عباس کے حوالے: بخاری شریف کے ایک باب، باب سقایۃ الحاج کی تشریح کرتے ہوئے علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ٨٥٥ھ لکھتے ہیں: السقایہ کا معنی ہے: پانی

پلانے کے لیے جو جگہ بنائی جائے (سبیل) قرآن مجید میں ہے: ''اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاۤجِّ'' (سورہ توبہ: ۱۹) کیا تم نے حجاج کے پانی پلانے کو بنا لیا ہے۔ ''جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ'' (یوسف: ۷۰) اس نے پانی پینے کا شاہی پیالہ اپنے بھائی کی بوری میں رکھ دیا۔

علامہ ابن اثیر نے کہا ہے کہ حجاج کے پانی پینے کی سبیل وہ تھی جس سے قریش حجاج کو پانی پلاتے تھے، اس کے پانی میں کشمش ملائی جاتی تھی، زمانۂ جاہلیت اور اسلام میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے والی اور منتظم تھے، کعبہ کے صحن میں جو حوض بنایا جاتا اس کو ''سقایہ'' اور ''سبیل'' کہتے تھے۔

(النہایہ، ج: ۲، ص: ۳۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت: ۱۴۱۸ھ، بحوالہ نعمۃ الباری، ج: ۴، ص: ۸۰)

الفاکہی نے عطا سے روایت کی ہے کہ حجاج کے پانی پینے کی جگہ زم زم ہے۔ ارزقی نے کہا ہے کہ عبد مناف مشکوں میں پانی بھر کر مکہ لاتے تھے اور کعبہ کے صحن میں حجاج کے لیے جو حوض بنائے گئے تھے اس میں وہ پانی ڈال دیتے تھے، پھر ان کے بعد ان کے بیٹے ہشام یہ خدمت انجام دینے لگے، پھر ان کے بعد حضرت عبدالمطلب یہ کام کرنے لگے، پھر جب زم زم کا کنواں کھودا گیا تو وہ کشمش خرید کر زم زم کے پانی میں ڈال دیتے تھے اور لوگوں کو پانی پلاتے تھے۔

ابن اسحاق نے کہا ہے کہ قصی بن کلاب جب کعبہ کے والی اور منتظم بنے تو کعبہ کی دربانی، سبیل، جھنڈا، الوفادہ اور دار الندوہ کو ان کے سپرد کر دیا گیا، پھر ان کے بیٹوں نے اس پر صلح کر لی کہ پانی کی سبیل اور وفادہ (وفود کو ٹھہرانے کا انتظام کرنا) تو عبد مناف کو دے دیا جائے اور باقی امور دوسروں کو دے دیے جائیں، پھر پانی کی سبیل کا انتظام عبدالمطلب کے بعد ان کے بیٹے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کر دیا گیا اور اس کا انتظام ان ہی کے بھائیوں میں چلا آ رہا ہے اور ہمیشہ ان ہی کے پاس رہا حتی کہ جب اسلام قائم ہوا تب بھی یہ انتظام ان ہی کے ہاتھ میں تھا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسی طریقے کو برقرار رکھا اور وہ آج تک بنو العباس کے ہاتھ میں ہے۔

(عمدۃ القاری، ج: ۹، ص: ۳۹۳، بحوالہ نعمۃ الباری، ج: ۴، ص: ۸۰)

یہ حضرت علامہ بدر الدین عینی کے زمانے کی بات ہے آج کس کے ہاتھ ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ بظاہر تو موٹر کے ذریعے پانی کھینچا جاتا ہے اور عمال حضرات اس کو پائپ لائن یا چھوٹے ڈرموں کے ذریعے حجاج تک پہنچاتے ہیں۔ سعیدی صاحب علامہ ابن بطال کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں: ارباب سیرت کی ایک جماعت نے کہا کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حجاج کے پانی پلانے کا منصب عطا فرمانا ان کی تکریم کے لیے تھا، وہ لوگوں کو کھجوروں کی نبیذ پلاتے تھے پس نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو اسلام میں اس منصب پر برقرار رکھا۔ طاؤس نے کہا: سبیل سے نبیذ کو پینا حج کے اتمام سے ہے۔ عطا نے کہا: میں نے اس مشروب کو پایا جو شخص اس کو پیتا تھا مٹھاس کی وجہ سے اس کے ہونٹ چپک جاتے تھے (ایضاً، ص:۸۱)

حضرت عباس کا حضور کو پانی پلانا: بخاری شریف میں امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پانی کے سبیل پر آئے آپ نے پانی مانگا، تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اے فضل! اپنی امی کے پاس جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ان کے پاس سے پانی لاؤ۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اسی پانی سے پلاؤ، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لوگ اس پانی میں اپنے ہاتھ ڈال رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اسی سے پلاؤ، پھر آپ نے اس سبیل سے پانی پیا پھر آپ زم زم پر آئے، وہاں لوگ کنویں سے پانی کھینچ کر نکال رہے تھے، آپ نے فرمایا: تم یہ عمل کرتے ہو، تم نیک کام کر رہے ہو۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ تم مغلوب ہو جاؤ گے تو میں (اونٹ سے) اترتا اور کندھے پر رسی رکھ کر پانی کھینچتا۔ یہ فرماتے ہوئے آپ نے کندھے کی طرف اشارہ کیا۔ (صحیح البخاری، کتاب الحج، باب سقایۃ الحاج)

منیٰ کی راتیں مکہ میں: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کو اجازت دی تھی کہ جو راتیں حجاج کرام منیٰ میں گزارتے ہیں، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو مکہ میں گزار لیں۔ اس واقعے کو امام بخاری سے سنیں: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ وہ حجاج کرام کو پانی پلانے کے لیے منیٰ کی راتیں مکہ میں گزاریں تو آپ نے ان کو اجازت دے دی۔ (ایضاً)

چچا کی خاطر دلی خواہش کو ترک کیا: علامہ المہلب نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منیٰ کی راتوں میں مکہ میں رہنے کی اجازت دی اور ان پر قربانی واجب نہیں کی کیونکہ حجاج کو پانی پلانا بھی حج کے اعمال میں سے ہے۔ کیا تم نے نہ دیکھا کہ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زم زم پر آئے اور لوگ پانی پلا رہے تھے تو آپ نے فرمایا: تم عمل کرتے رہو کیونکہ تم صالح عمل کر رہے ہو اور آپ نے فرمایا: اگر تم مغلوب نہ ہو جاتے تو میں بھی پانی پلانے کے لیے اونٹ سے اترتا۔ اس حدیث میں آپ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زم زم سے پانی پلانے کے منصب پر برقرار رکھا ہے کیوں کہ آپ کو خطرہ تھا کہ اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زم زم سے پانی پلایا تو بعد میں آنے والے سلاطین پانی پلانے کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت سمجھ کر اپنا لیں گے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی اولاد سے یہ منصب چھین لیں گے اس لیے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود زم زم سے پانی نہیں پلایا۔

(شرح ابن بطال، ج: ۴، ص: ۲۷۲، بحوالہ نعمۃ الباری، ج: ۴، ص: ۸۱)

تکریم پر تواضع کو اختیار کیا: علامہ بدرالدین عینی نے حدیث کی شرح کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے:

علامہ ابن التین نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو زم زم کے پانی سے پیا، یا تو آپ نے کعبہ کے مال خمس میں سے پیا، یا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس مال سے پیا جس کو انہوں نے غنی اور فقیر دونوں کے لیے وقف کر دیا تھا، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

https://alislami.net

نے اس میں سے اس لیے پیا تا کہ آپ کی امت کے لیے آسانی ہو۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زم زم کا پانی طلب کر کے پیا تا کہ اس بات پر دلیل ہو کہ پانی کا طلب کرنا جائز ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تکریم کے لیے حضرت فضل سے کہا کہ وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گھر سے پانی لا کر پلائیں لیکن آپ نے اس پیش کش کو مسترد کر دیا اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ کسی مصلحت کی وجہ سے کسی کی تکریم کے عمل کو مسترد کرنا جائز ہے اور یہاں مصلحت یہ تھی کہ کعبے کی سبیل سے پانی پینا لوگوں کے لیے سنت ہو جائے اور اس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تواضع کا بھی بیان ہے۔ آپ نے چاہا کہ آپ وہیں سے پانی پئیں جہاں سے عام لوگ پانی پی رہے ہیں۔ آپ نے اپنے لیے خصوصی اہتمام کو پسند نہیں کیا۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پانی میں پاک ہاتھ ڈالنے سے وہ پانی نجس نہیں ہوتا اور اصل پانی میں طہارت ہے۔

(عمدۃ القاری، کتاب الحج باب سقایۃ الحاج، نعمۃ الباری، ج:۴، ص:۸۲)

حضور کے بچپن پر عباس کی شفقت: بخاری شریف میں امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کعبے کی تعمیر کے لیے لوگوں کے ساتھ پتھر اٹھا کر لا رہے تھے اور آپ نے تہبند باندھا ہوا تھا آپ سے آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اے میرے بھتیجے! اگر تم اپنے تہبند کو اتار دو اور اس کو اپنے کاندھوں کے اوپر پتھر کے نیچے رکھ دو (تو بہتر ہوگا) حضرت جابر نے کہا: پھر انہوں نے آپ کا تہبند اتار کر آپ کے کندھوں پر رکھ دیا تو آپ فوراً بے ہوش ہو کر گر گئے، اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کبھی برہنہ نہیں دیکھا گیا۔ (کتاب الصلوٰۃ باب کراھیۃ التعری فی الصلوٰۃ)

حدیث میں مذکورہ باتیں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف اور صرف اپنے بھتیجے (حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی محبت میں ہی کہیں اور ان کو انجام دیا۔ اس سے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت و شفقت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ اس

https://alislami.net

زمانے کی بات ہے جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعلان نبوت بھی نہیں فرمایا تھا۔

حدیث پڑھ کر کچھ سوالات ذہن میں ابھر سکتے ہیں یا ابھر چکے ہوں گے۔اس لیے ہم حدیث کی قدرے شرح علمائے اسلام کے حوالوں سے کیے دیتے ہیں۔علامہ غلام رسول سعیدی تحریر فرماتے ہیں؛ علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

بعثت سے کافی پہلے کعبے کی تعمیر ہوئی، اس وقت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نابالغ تھے اور آپ کی عمر اس وقت پندرہ سال تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر اپنی مخلوق کی طرف بھیجا اور آپ کو ان تمام چیزوں کا علم دیا جن کو آپ پہلے نہیں جانتے تھے اور آپ پر قرآن نازل کیا جس نے آپ کو اس پر برانگیختہ کیا کہ آپ یہ حکم دیں کہ بیت اللہ میں کوئی برہنہ طواف نہیں کرے گا، اور آپ کے اس حکم نے جاہلیت کی ان عادات کو منسوخ کر دیا کہ وہ ایک دوسرے کی شرم گاہوں کو دیکھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو پاکیزہ اخلاق اور شریفانہ خصال پر پیدا کیا تھا، کیا تم نے نہ دیکھا کہ جب آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کا تہبند اتارا تو آپ بے ہوش ہو کر گر گئے اور اس کے بعد کسی نے آپ کو برہنہ نہیں دیکھا۔(شرح ابن بطال، ج:۲،ص:۲۴،دارالکتب العلمیہ، ۱۴۲۴ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کم عمری میں آپ کو قبیح کاموں سے محفوظ رکھا اور اخلاق جاہلیت سے آپ کی حفاظت کی، اس پر پہلے کلام گزر چکا ہے کہ آپ اعلان نبوت سے پہلے کفر اور گناہوں سے معصوم تھے، اس حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ آپ کی شرم گاہ لوگوں پر منکشف ہو گئی تھی کیوں کہ تہبند اتارتے ہی آپ زمین پر بے ہوش ہو کر گر گئے تھے اور یہ کسی کی آپ پر نظر پڑنے سے پہلے ہوا، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ایک اور حدیث میں مذکور ہے: آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک میری تکریم یہ ہے کہ میں ختنہ کیا ہوا پیدا ہوا اور کوئی شخص میری شرم گاہ پر مطلع نہیں ہوا۔

(تحفۃ المودود فی احکام المولود،ص:۱۵۹)

بعض روایات میں مذکور ہے کہ ایک فرشتہ نازل ہوا اور اس نے میرا تہبند باندھ دیا۔

(اکمال المعلم بفوائد المسلم، ج:۲،ص:۱۹۰۔۱۹۱، دار الوفاء ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تہبند آپ کے کندھے پر رکھا گیا تو آپ زمین پر گر گئے، اس میں دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے بچپن میں آپ کی حفاظت کی اور اللہ تعالیٰ نے خود آپ کو ادب سکھایا، کسی اور کو آپ کی تادیب پر مامور نہیں کیا، اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ کی نگرانی کرتا رہا حتی کہ افعال جاہلیت کو آپ کے نزدیک مکروہ بنا دیا اور آپ کو ان افعال سے محفوظ رکھا حتی کہ ان میں سے کوئی چیز آپ پر جاری نہیں ہوئی اور یہ سب اللہ تعالیٰ کا آپ پر لطف و کرم تھا اور آپ میں محاسن کو جمع کرنا تھا۔

(المفہم، ج:۶،ص:۱۱۸، بحوالہ نعمۃ الباری، ج:۲،ص:۸۵-۸۶)

حضرت عباس کی تکلیف سے حضور بے قرار: جنگ بدر کا معرکہ سر ہو چکا تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو نصر معزز رعطا فرمائی تھی، کفر کا زور ٹوٹ چکا تھا، غرور خاک میں مل چکا تھا، ابوجہل جیسے کفر کے سرغنہ دائمی ذلت میں قید ہو چکے تھے انہیں مسلمانوں کی دھاردار تلواروں نے ہمیشہ کے لیے فنا کے گھاٹ اتار دیا تھا، یہ دن بڑی خوشی کا دن تھا۔ رات تو بڑے آرام سے سونے اور پچھلی تکان اتارنے کی تھی لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تکلیف کی وجہ سے سو نہیں پائے، آپ سمجھتے ہوں گے شاید حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم پاک کو کوئی زخم لگا ہوگا اور اس میں درد ہو رہا ہوگا یا جسم میں کوئی دوسری تکلیف رہی ہوگی جس کی وجہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سو نہیں پائے ہوں گے۔ نہیں اور ہرگز نہیں ان میں سے کوئی بھی معاملہ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پیش نہیں آیا تھا لیکن پھر بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بے قرار تھے، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے قراری کو صحابۂ کرام نے محسوس کر لیا تھا۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا، حضور! سو کیوں نہیں پا رہے ہیں؟ تو جواب میں مشفق و مہربان آقا نے فرمایا: ''سعمت انین

العباس فی وثاقہ" بندھے ہوئے چچا عباس کا کراہنا نہیں سونے دیتا۔ مسلمان اس چیز کو کیسے برداشت کر سکتے تھے جس کے وجود سے حضور کو تکلیف ہو، فوراً ایک صحابی قیدیوں کی طرف بڑھے اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بند ڈھیلے کر دیے۔

اب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا ہوا، چچا عباس کی آواز سنائی نہیں دے رہی ہے؟ صحابی رسول نے عرض کیا! یا رسول اللہ! میں نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بند ڈھیلے کر دیے ہیں، عدل ومساوات کے علم بردار نبی معظم کو یہ کیسے گوارہ ہوسکتا تھا کہ چچا کو بندشوں کی صعوبتوں سے نجات مل جائے اور بقیہ قیدی اسی تکلیف میں مبتلا رہیں۔ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (قیدی قید ہونے میں سب برابر ہیں) لہٰذا سارے قیدیوں کی بندشیں ڈھیلی کر دی جائیں، حکم پا کر صحابۂ کرام نے سارے قیدیوں کے بند ڈھیلے کر دیے۔ (اسد الغابہ، ج:۳ ص ۱۶۴، رجال حول الرسول، ص:۳۱۰)

فدیہ معاف کرنے کی ادھوری خواہش: امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کے کچھ مردوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی، انہوں نے کہا کہ آپ ہمیں اجازت دیں کہ ہم اپنے بھانجے عباس کا فدیہ چھوڑ دیں۔ آپ نے فرمایا: خدا کی قسم! تم فدیہ میں سے ایک درہم بھی نہیں چھوڑ سکتے۔ (بخاری کتاب المغازی، حدیث نمبر:۴۰۱۸)

علامہ ابن حجر عسقلانی تحریر فرماتے ہیں: ابن عائذ نے مغازی میں روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بدر کے قیدیوں کو بہت سختی کے ساتھ باندھا تھا جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رات کو ان کے کراہنے کی آواز سنی تو آپ کو نیند نہیں آئی، انصار کو جب معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا ان کی بندشیں کھولنے میں ہے تو انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بندشیں کھول دیں اور آپ کی مزید رضا حاصل کرنے کے لیے کہا کہ ہم ان کا فدیہ بھی چھوڑ دیں تو آپ نے اس کو منظور نہیں کیا۔

(فتح الباری، ج:۵، ص:۱۷۸، بحوالہ نعمۃ الباری، ج:۷، ص:۳۱۸)

فدیہ معاف کیوں نہیں کیا؟: حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ بدر کے دن قریش کے ساتھ قید کیے گئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قریش سے فدیہ لیا تھا تو انصار نے ارادہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اکرام کی وجہ سے اور آپ کی حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرابت کی وجہ سے ان سے فدیہ لینے کو ترک کر دیں، سو آپ نے اس کی اجازت نہیں دی اور مساوات کے اصول کو قائم رکھا جب سب جنگی قیدیوں سے فدیہ لیا جا رہا ہے تو آپ کے چچا عباس سے بھی فدیہ لیا جائے گا اور آپ کے ساتھ نسبی قرابت کی وجہ سے ان کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی جائے گی اور یہی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت کا وہ زریں پہلو ہے جس کی وجہ سے اسلام بہت جلد لوگوں کے دلوں میں پھیل گیا۔ (نعمۃ الباری، ج:۵،ص:۳۰۸)

حضرت عباس، وسیلۂ مقبولہ: دور امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات ہے کہ ۱۷ھ میں مسلمانوں پر بڑا ہی سخت وقت آیا، آسمان نے زمین سے نظر سخاوت پھیر لی، بارش نازل نہیں ہوئی، زمین نے ایک مثالی قحط سالی دیکھی، زمین سوکھ کر ٹھیکری کی طرح بجنے لگی، لوگ پانی کو ترس گئے، رحمت پروردگار کو متوجہ کرنے کی تدبیریں ہونے لگیں، اپنے اپنے طور پر دعا کرنے میں کسی نے کوئی کسر باقی نہیں رکھی لیکن ابھی تک پانی کا ایک قطرہ بھی نازل نہیں ہوا۔

کلام کا اگلا حصہ امام محب الدین احمد بن عبد اللہ طبری سے سنیے، آپ لکھتے ہیں:

جب زمین بالکل خشک ہوگئی تو حضرت کعب نے امیر المومنین کی بارگاہ میں آکر عرض کیا: جب بنی اسرائیل پر قحط سالی آئی تھی تو وہ انبیاء کے عصبہ رشتہ داروں کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اگر یہی بات ہے تو ہمارے بیچ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محترم چچا موجود ہیں جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد کے قائم مقام بھی ہیں اور بنی ہاشم کے سردار بھی ہیں، اس گفتگو کے فوراً بعد امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بارگاہ میں

https://alislami.net

پہنچے اور لوگوں کی روداد غم کہہ سنائی پھر آپ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لے کر منبر پر تشریف لائے اور بارگاہ رب العزت میں عرض گزار ہوئے: اے اللہ! ہم تیرے نبی کے محترم چچا جو ان کے والد کے قائم مقام ہیں کے وسیلے سے تیری بارگاہ میں دعا کر رہے ہیں تو ہم پر بارش نازل فرما اور ہمیں مایوس نہ فرما۔

جب حضرت عمر اپنی دعا سے فارغ ہوئے تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا: اب آپ دعا کیجیے، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے، پہلے رب تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا بجالائے اور پھر یوں عرض کرتے ہیں: اے اللہ! تیرے پاس بادل ہیں اور پانی بھی ہے تو بادل بھیج کر پانی نازل فرمادے، اس کے ذریعے اصل ونسل کی حفاظت فرمادے، کھیتیاں بڑھادے، جانوروں کے تھنوں میں دودھ عطا فرما، اے اللہ! بلائیں گناہوں سے آتی ہیں اور توبہ سے رد ہو جاتی ہیں، قوم نے مجھے تیری بارگاہ میں وسیلہ بنایا ہے تو اس کی لاج رکھ لے اور بارش نازل فرما، اے اللہ! تو ہمارے لیے ہماری دعا قبول فرمالے، اے اللہ! ان بے منہ جانوروں کی وجہ سے بارش نازل فرمادے، اے اللہ! فائدے مند عام تام بارش نازل فرما، اے اللہ! ہم تجھ سے ہی امید رکھتے ہیں اور تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیری ہی طرف راغب ہوتے ہیں، اے اللہ! تیری ہی بارگاہ میں ہر بھوکے، ہر ننگے، ہر خوف والے اور کمزور کی فریاد پیش ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلے اور ان کی دعا کو قبول فرمالیا اور اسی دم زوردار بارش ہوئی کہ ندی نالے بھر گئے، زمین ہری بھری ہوگئی لوگوں میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم! یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں حضرت عباس کے وسیلے کی برکت ہے اور یہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درجے کی مقبولیت ہے۔ حضرت ابن عمر کی روایت ہے کہ لوگ دعا کر کے اپنی جگہ سے ہٹے بھی نہ تھے کہ انہیں سیراب کر دیا گیا تھا۔ (ذخائر العقبیٰ، ص: ۳۳۳، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ص: ۵۵۸)

اس سلسلے میں دیگر روایات بھی موجود ہیں اگر روایات کے الفاظ جمع کیے جائیں

تو کلام بہت طویل ہوجائے۔ امام بخاری نے بھی اپنی صحیح کے اندر کتاب الاستسقاء میں باب سوال الناس الامام کے تحت اس کو مختصراً روایت کیا ہے۔

حرمین کے ساقی کے بوسے: کئی مرتبہ حالات وواقعات جذبۂ دروں کو پوشیدگی کی وادیوں سے نکال کر شہود کا لباس عطا کرتے ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابۂ کرام کے درمیان موقر ومحترم تو تھے ہی لیکن جس وقت حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلے ودعا سے بند دروازے کھل گئے تھے اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں جھوم کر برسی تھیں، اس وقت لوگوں کے دلوں میں موجود حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت کے دریا میں تموج پیدا ہوگیا، جس کا اظہار لوگوں نے اپنے اس ردعمل سے کیا۔

لوگ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بڑھے چلے جاتے تھے، کوئی ان سے گلے ملتا تو کوئی ان کے جسم (دست وپا) کو چومتا، لوگ اپنے اس عمل سے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے برکت حاصل کرتے اور انہیں ان الفاظ کے ساتھ مبارک بادیاں پیش کی جارہی تھیں ''ھنیأ لك ساقی الحرمین! '' اے عباس! حرمین کو سیراب کرنا تمہیں مبارک ہو۔

(رجال حول الرسول، ص: ۳۰۴، اسد الغابہ، ج: ۳، ص: ۱۶۶)

شان عباس بزبان حسان: اس مبارک موقع پر شاعر دربار رسالت حضرت حسان بن ثابت نے بڑے ہی وجد آفریں اشعار کہتے ہوئے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف وتوصیف فرمائی:

سَأَلَ الْإِمَامُ وَقَدْ تَتَابَعَ جَدْبُنَ فَسَقَى الْغَمَامُ بِغُرَّةِ الْعَبَّاسِ

امام وقت کی دعا کے بعد بھی قحط سالی بڑھتی چلی گئی۔ لیکن عباس کی وجاہت سے پانی برس گیا۔

عَمُّ النَّبِيِّ وَصُنْوُ وَالِدِهِ الَّذِيْ وَرِثَ النَّبِيَّ بِذَاكَ دُوْنَ النَّاسِ

(عباس) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا اور والد کی جگہ ہیں۔ انہوں نے حضور سے وہ وراثت پائی ہے جو دوسروں نے نہ پائی۔

https://alislami.net

اَحْیَ الْاِلٰہُ بِہِ الْبِلَادَ فَاَصْبَحَتْ مُخْضَرَّۃَ الْاَجْنَابِ بَعْدَ الْیَأسِ

عباس کے صدقے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ملک کو حیات نو بخشی۔ اور ناامیدی کے بعد ہر طرف شادابی آ گئی۔(اسد الغابہ، ج:۳،ص:۱۶۶)

اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ کے مقربین چاہے وہ انبیائے کرام علیہم السلام ہوں یا اولیاے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان سب کو رب تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ بنانا جائز بلکہ مستحب ہے اور آج کے دور میں اہل سنت و جماعت کی یہ شناخت و پہچان ہے۔اس پورے واقعے سے وسیلے کا پختہ ثبوت ملتا ہے اگر چہ یہ بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے لیکن قارئین کرام کے لیے بہت فائدے مند ہے لہٰذا ہم شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کی زبانی قدرے تفصیل پیش کرتے ہیں۔آپ رقم طراز ہیں:

علامہ ابن حجر عسقلانی اور علامہ عینی نے فرمایا کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ صالح اور دین دار لوگوں سے اور اہل بیت سے خدا کی بارگاہ میں سفارش طلب کرنا مستحب ہے۔

زہیر بن بکار نے انساب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس حدیث کو یوں روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس دن یہ خطبہ دیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باپ کی جگہ جانتے تھے۔اے لوگو! اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جو برتاؤ تھا اس کی پیروی کرو اور انہیں اللہ کی طرف وسیلہ بناؤ۔(الحدیث)

اس حدیث کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں بطریق محمد بن مثنیٰ سند مذکور کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ نیز اسماعیلی نے بھی بطریق محمد بن مثنیٰ سند مذکور کے ساتھ تھوڑے سے تغیر کے ساتھ روایت کیا ہے نیز عبد الرزاق نے اپنے مصنف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے، نیز ابو القاسم ابن عساکر نے بھی کتاب الاستسقاء میں انہیں سے روایت کیا ہے۔

یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ اہل بیت اور بزرگان دین کو خدا کی بارگاہ میں وسیلہ

بنانا مستحب ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن حجر اور علامہ عینی نے تصریح کی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل تمام صحابۂ کرام کے مجمع میں ہوا اور سب نے اس پر عمل کیا تو توسل کا مستحب ہونا اجماع صحابہ سے ثابت ہو گیا۔

اس پر غیر مقلدین اور توسل کے منکرین یہ کہتے ہیں: اس حدیث میں توسل سے مراد دعا کی درخواست ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دعا کی درخواست کی تھی۔ اقول۔ دوسری روایتوں سے قطع نظر کرتے ہوئے اگر یہ لوگ صرف بخاری کی روایت پر ایمان رکھتے تو ایسی بے تکی بات نہیں کرتے۔ بخاری کے الفاظ پر ایک نظر ڈالیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''اِنَّا کُنَّا نَتَوَسَّلُ'' الحدیث۔ حضرت عمر بارگاہ خداوندی میں یہ عرض کرتے ہیں: اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی کو وسیلہ بناتے تھے اور اب ہم اپنے نبی کے چچا کو وسیلہ لاتے ہیں ہمیں سیراب فرما۔ یہ عرض اللہ عزوجل کی بارگاہ میں ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں نہیں۔ اس میں صاف صاف تصریح ہے کہ اے اللہ! ہم اپنے نبی کے چچا کو وسیلہ لاتے ہیں ہم کو سیراب فرما یہ عرض داشت اللہ عزوجل کی بارگاہ میں ہے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلے سے۔ پھر یہ کہنا کہ توسل سے یہاں مراد دعا کی درخواست ہے۔ ابلہ فریبی اور حدیث کی تحریف معنوی نہیں تو کیا ہے؟ دوسرے طرق میں جو دعا کے کلمات مروی ہیں ان میں بھی تقریباً یہی مضمون ہے۔

کبھی ان میں سے کچھ یہ کہہ دیتے ہیں کہ زندہ کا توسل درست ہے مردے کا شرک۔ اقول: **اولاً** اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیوی جسمانی حقیقی حیات کے ساتھ زندہ ہیں تو یوں بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے توسل درست ہوا اور یہ کہنا کہ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے توسل اب بھی جائز ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ہی سے کیوں توسل نہیں کیا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیوں کیا۔ یہ پہلی سے بھی بڑی جہالت ہے اگر کسی کام کے چند طریقے ہوں تو ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا اس کی دلیل نہیں کہ دوسرے طریقے غلط ہیں خصوصاً جب

اختیار کردہ طریقے میں کوئی خاص فائدہ ہو یہاں بجائے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے توسل میں ایک اہم افادہ مقصود تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے توسل کا استحباب سب کو معلوم تھا۔ ہوسکتا ہے کہ کسی کو وہم ہوتا کہ غیر نبی سے توسل حرام ہے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وسیلہ بنا کر بتا دیا کہ غیر نبی سے توسل اسی طرح مستحب ہے جیسے انبیاے کرام سے ہے۔

ثانیاً علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں اور علامہ احمد خطیب قسطلانی نے المواہب اللدنیہ میں مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت عمر کے خازن مالک داری کہتے ہیں کہ حضرت عمر کے زمانے میں لوگ قحط میں مبتلا ہوئے تو ایک صاحب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مزار اقدس (قبر انور) پر حاضر ہوئے اور یہ عرض کیا: یارسول اللہ! اپنی امت کے لیے بارش طلب فرمایئے، لوگ ہلاک ہوگئے، ایک صاحب کے خواب میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: عمر سے جا کر کہہ دو کہ عنقریب بارش آئے گی۔ سیف نے الفتوح میں لکھا ہے کہ یہ صاحب حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ اس حدیث کو علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں اور علامہ احمد خطیب قسطلانی نے المواہب اللدنیہ میں صحیح کہا ہے۔ اسے بیہقی نے دلائل النبوۃ جلد حادی عشر میں روایت کیا ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب نے قرۃ العینین میں الاستیعاب کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔

اس حدیث صحیح سے ثابت کہ کبھی کبھی صحابۂ کرام مزار اقدس (قبر انور) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حاضر ہوکر حضور سے بھی استعانت کرتے تھے۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ بارگاہ قدس کے خواص کے مزارات پر طلب حاجات کے لیے حاضری صحابۂ کرام کی سنت ہے اور یہ تو ثابت ہی ہے کہ بعد وصال صحابۂ کرام حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتے۔ حل مشکلات کے لیے درخواست کرتے اس لیے یہ کہنا کہ بعد وصال حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے توسل حرام یا شرک ہے اس حدیث صحیح کا رد ہے۔

(نزہۃ القاری، ج:۳، ص:۴۲۰-۴۲۱)

تنبیہ: بعض روایات میں قحط سالی کا سال ۱۷ھ بتایا گیا ہے اور بعض میں ۱۸ھ ذکر ہے، وجہ تطبیق یہ ہے کہ ۱۷ھ کے آخر سے شروع ہوا اور ۱۸ھ تک جاری رہا ہو، اسی لیے کسی نے ۱۷ھ اور کسی نے ۱۸ھ بیان کیا ہے۔

جتنا اٹھا سکو لے لو: جنگ بدر کے موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کے فدیہ اور عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کے فدیہ کے طور پر مال خطیر وصول کیا تھا جس سے ان کی مالی حالت پر بڑا فرق پڑا تھا اور وہ مقروض ہو گئے تھے۔ (شرح ابن بطال) اس کا احساس انہیں رہا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بحرین سے کثیر مال حاضر کیا گیا، مال کا ڈھیر دیکھ کر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پھر اپنا مال یاد آ گیا، حضور سے حسن طلب کے ساتھ ملتجی ہوئے، حضور نے مرضی کے مطابق لینے کی اجازت عطا فرمائی۔ پوری حدیث امام بخاری سے سنیں:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بحرین کا مال آیا اور یہ سب سے زیادہ مال تھا جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آیا تھا، رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو مسجد میں پھیلا دو، رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز پڑھانے کے لیے چلے گئے اور آپ نے اس مال کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، جب آپ نے نماز پڑھ لی تو آپ اس مال کے پاس آ کر بیٹھ گئے، آپ جس شخص کو بھی دیکھتے، اسے مال سے عطا کرتے، اچانک آپ کے پاس حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ گئے اور انہوں نے کہا: یارسول اللہ! مجھے دیجیے کیوں کہ میں نے اپنا فدیہ بھی دیا تھا اور عقیل کا فدیہ بھی دیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: آپ لے لیں، انہوں نے اپنا کپڑا بچھا دیا اور اس میں مال ڈالا حتی کہ اس کی چوٹی بن گئی (بڑا ڈھیر بن گیا) پھر وہ اس کو اٹھا نہ سکے، انہوں نے کہا: یارسول اللہ! آپ کسی سے کہیے کہ وہ اس کو اٹھا کر میرے اوپر رکھ دے، آپ نے فرمایا: نہیں! انہوں نے کہا: پھر آپ اس کو اٹھا کر میرے اوپر رکھ دیں، آپ نے فرمایا: نہیں! انہوں نے اس سے مال کم کیا پھر بھی اس کی

چوٹی بن گئی، پس انہوں نے کہا: یارسول اللہ! آپ کسی سے کہیے یہ مال اٹھا کر میرے اوپر رکھ دے، آپ نے فرمایا: نہیں! انہوں نے کہا: آپ خود اٹھا کر میرے اوپر رکھ دیں، آپ نے فرمایا: نہیں! انہوں نے اس سے کچھ مال کم کیا، پھر اٹھا کر اس کو اپنے کندھے کے اوپر رکھ لیا، پھر چلے گئے اور ان کی حرص پر تعجب کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظر ان کا پیچھا کرتی رہی حتیٰ کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے اور جب تک وہاں ایک درہم بھی باقی تھا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہاں سے نہیں اٹھے۔

(صحیح البخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب القسمۃ وتعلیق القنو فی المسجد)

طبقات ابن سعد میں ہے: اس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہنسی آ گئی یہاں تک کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک دانت ظاہر ہو گئے۔ (ج:۴،ص:۱۴)

علامہ غلام رسول سعیدی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

آپ نے ہر ایک سے یہ کہا تھا کہ وہ اتنا مال لے جس کو وہ خود اٹھا کر لے جاسکے، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سمجھتے تھے کہ آپ ان کی قرابت کی وجہ سے ان کی خصوصی رعایت کر دیں گے اور زیادہ مال کسی کو اٹھا کر ان کے کندھے پر رکھنے کے لیے فرمائیں گے یا خود اٹھا کر رکھ دیں گے لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا انکار کر دیا اور یہ ظاہر فرمایا جس طرح سب کو دیا گیا ہے اسی طرح آپ کو بھی دیا جائے گا۔ اور آپ کی قرابت کی وجہ سے آپ کو رعایت نہیں دی جائے گی یا آپ کے ساتھ امتیازی سلوک نہیں ہوگا۔ آپ نے اپنے عم محترم کی درخواست کو مسترد کر دیا مگر مساوات کے اصول کا جھنڈا بلند کر دیا۔ (نعمۃ الباری، ج:۲،ص:۱۷۲)

علامہ ابن بطال کے حوالے سے لکھتے ہیں:

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہنے سے کسی کو یہ حکم نہیں دیا کہ وہ مال ان کے کندھے پر رکھ دے اس میں یہ حکمت بھی ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زیادہ مال اکٹھا کرنے سے روکنا چاہتے تھے

کہ وہ اپنی ضروریات سے زیادہ دنیا کا مال نہ لیں اور جتنا مال آسانی سے اٹھا کر لے جا سکتے ہیں اسی پر قناعت کریں اسی لیے آپ نے خود ان کے کندھے پر مال اٹھا کر نہ رکھا تا کہ اس کام میں آپ کی اعانت شامل نہ ہو جو آپ کی مرضی کے خلاف ہے اور جس سے آپ منع فرماتے ہیں۔(شرح ابن بطال، ج:۲،ص:۸۸،بحوالہ نعمۃ الباری، ج:۲،ص:۱۷۴)

حضرت عباس قرآن میں: مفسرین کے فرمان کے مطابق قرآن پاک کی کئی آیات کا نزول حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق ہوا خواہ یہ تعلق انفرادی طور پر ہو یا اجتماعی طور پر۔

علامہ جلال الدین سیوطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی تفسیر میں نقل فرماتے ہیں:

آیت کریمہ: ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا'' حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بنی مغیرہ کے ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئی، یہ دونوں زمانۂ جاہلیت میں شریک کار تھے جس وقت یہ مسلمان ہوئے تو لوگوں کے اوپر ان کی بڑی بڑی سودی رقمیں تھیں تو اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ نازل فرمائی کہ زمانۂ جاہلیت میں جو سود تھا اس کو وصول مت کرو۔(درمنثور، سورۂ بقرۃ، آیت نمبر:۲۷۸)

جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جاہلیت کے تمام سود کالعدم کر دیے گئے ہیں، سب سے پہلے میں جس سود کو ختم کر رہا ہوں وہ عباس بن عبد المطلب کا سود ہے۔(ذخائر العقبیٰ، ص:۳۴۱)

عطیہ سے روایت ہے کہ آیت کریمہ: ''لَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ'' قبیلۂ بنی ہاشم کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی، ان میں سے حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔(ایضا)

امام رازی حضرت ابن عباس سے روایت فرماتے ہیں (جن لوگوں نے مسلمانوں سے قتال نہیں کیا) ان سے مراد بنی ہاشم کے کچھ افراد ہیں، ان میں سے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں، جنہیں بدر کی طرف مجبوراً لے جایا گیا تھا۔(تفسیر رازی، سورۂ ممتحنہ، یت نمبر:۸)

https://alislami.net

علامہ غلام رسول سعیدی تبیان القرآن میں نقل فرماتے ہیں: امام محمد بن اسحاق متوفی ۱۵۱ھ لکھتے ہیں: حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ: ''يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيٓ أَيْدِيكُمْ مِّنَ الْأَسْرَىٰ''(الانفال: ۷۰) اللہ کی قسم! میرے متعلق نازل ہوئی ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ذکر کیا تھا کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں اور میں نے کہا تھا کہ میرے بیس اوقیہ (آٹھ سو درہم) جو مجھ سے لیے گئے ہیں وہ مجھے واپس کر دیے جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا انکار کیا پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے ان بیس اوقیہ کے بدلے میں بیس غلام عطا کیے، جن میں سے ہر ایک میرے مال کی تجارت کرتا تھا۔ (سیرۃ ابن اسحاق، مطبوعہ: ۱۳۶۸ھ مطبوعہ، معارف اسلامی ایران)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: بخدا! یہ آیت میرے متعلق نازل ہوئی ہے، جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں اور یہ سوال کیا کہ مجھ سے جو بیس اوقیہ لیے گئے ہیں، ان کو فدیہ کی رقم میں کاٹ لیا جائے تو رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا انکار کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے ان بیس اوقیہ کے بدلے میں بیس غلام عطا کیے جن میں سے ہر ایک میرے مال کی تجارت کرتا ہے۔ علاوہ ازیں میں اللہ عزوجل سے مغفرت کی امید بھی رکھتا ہوں۔ (المعجم الاوسط، ج:۹، ص:۴۹، رقم الحدیث: ۸۱۰۳، م؛ ریاض، المعجم الکبیر، ج:۱، ص: ۱۳۷، رقم الحدیث: ۱۱۳۹۸، تبیان القرآن، ج:۴، ص:۷۰۴-۷۰۵)

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ روایت کرتے ہیں: حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مجھ سے جو بیس اوقیہ لیے گئے تھے اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے بیس غلام عطا کیے جن میں سے ہر ایک میرے مال کی تجارت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے زم زم عطا فرمایا اور اگر مجھے زم زم کے بدلے میں تمام اہل مکہ کا مال دیا جاتا تو وہ میں پسند نہ کرتا اور اس کے علاوہ میں اپنے رب سے مغفرت کی امید رکھتا ہوں۔ (طبقات ابن سعد، ج:۴، ص:۱۵)

جب مذکورہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: جب تم نے شرط پوری کردی (تمہارے دل میں خیر پیدا ہوگئی) تو اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمادیا۔(تمہیں مال دار بنادیا)(ذخائر العقبیٰ، ص:۳۴۱)

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مذکورہ آیت کریمہ میرے بارے میں نازل ہوئی، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس میں دو خصلتیں عطا فرمائی میں ان کے بدلے پوری دنیا لینا بھی پسند نہیں کرتا ہوں۔ایک تو یہ کہ میں نے چالیس اوقیہ فدیہ دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں چالیس غلام عطا فرمائے۔دوسرے یہ کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے اس مغفرت کی امید ہے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے۔(تاریخ دمشق، ج:۲۶، ص:۲۹۳)

جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا: کاش! آپ نے مجھ سے اور زیادہ مال فدیہ میں وصول کیا ہوتا۔(سیدنا محمد رسول اللہ، ج:۱، ص:۲۶۳)

مناقب حضرت عباس: حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عم محترم تھے، کوئی اجنبی انسان جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دامنِ رحمت سے لپٹ جائے بایں طور کہ شرف صحابیت سے سرفراز ہوجائے تو اس کی عظمت ورفعت پر قدسیوں کو رشک آنے لگتا ہے، پھر عم محترم کے مناقب کو کما حقہ کون جان سکے، قارئین کے اطمینان قلب کے لیے آپ کے مناقب سے متعلق ہم یہاں چند احادیث پیش کررہے ہیں:

(۱) عبدالمطلب بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس حالت غضب میں آئے، اس وقت میں بھی آپ کے پاس تھا، آپ نے پوچھا: آپ کو کس نے غضب ناک کیا؟ تو انہوں نے کہا: یارسول اللہ! قریش کو کیا ہوا ہے جب وہ آپس میں ملتے ہیں تو ہنسی خوشی ملتے ہیں اور جب ہم سے ملتے ہیں تو اس طرح نہیں ملتے، اتنا سننا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غضب میں آگئے اور آپ کا چہرۂ انور سرخ ہوگیا، پھر آپ نے ارشاد فرمایا: اس

ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، کسی شخص کے دل میں اس وقت تک ایمان داخل نہیں ہوگا جب تک کہ وہ آپ لوگوں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لیے محبت نہ رکھے، پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! جس نے میرے عم محترم کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی کیوں کہ ہر شخص کا چچا اس کے باپ کے مثل ہوتا ہے۔ (سنن ترمذی، رقم: ۳۷۵۸، مسند احمد، ج:۱ص:۲۰۷)

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: عباس مجھ سے ہیں اور میں عباس سے ہوں۔ (سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۳۷۵۹، مسند احمد، ج:۱ص:۳۰۰)

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: عباس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا ہیں اور ہر شخص کا چچا اس کے باپ کی مثل ہوتا ہے۔ (سنن ترمذی، ص: ۳۷۶۱، مسند احمد، ج:۲ص:۳۲۲)

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: پیر کے دن صبح کو آپ خود اپنی اولاد کو لے کر میرے پاس آئیں تاکہ میں آپ کے لیے ایسی دعا کروں جس سے اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو اور آپ کی اولاد کو نفع پہنچائے، پھر صبح کو ہم حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ آپ کے پاس گئے تو آپ نے ہم کو ایک چادر اوڑھائی پھر دعا کی: اے اللہ! عباس اور اس کی اولاد کے لیے ظاہری اور باطنی مغفرت فرما اور ان کے کسی گناہ کو نہ چھوڑ، اے اللہ! ان کی اولاد کی حفاظت فرما۔ (سنن ترمذی: ۳۷۶۲، نعمۃ الباری، ج:۶ص:۸۱۰)

حضرت عباس کی مرویات: حافظ صفی الدین احمد بن عبد اللہ الخزرجی المتوفی ۹۲۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پینتیس (احادیث) مروی ہیں جن میں سے ایک حدیث پر امام بخاری اور امام مسلم متفق ہیں اور امام بخاری ایک حدیث

کے ساتھ منفرد ہیں اور امام مسلم تین (۳) حدیث کے ساتھ منفرد ہیں۔

(خلاصہ تہذیب تہذیب الکمال، ج:۲،ص:۴۲، بحوالہ نعمۃ الباری، ج:۶،ص:۸۱۰)

حضرت عباس کی تعظیم حضور فرماتے: ابو عمر نے کہا کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی خوب خوب تعظیم فرماتے تھے۔ آپ کہتے تھے یہ میرے چچا ہیں، میرے باپ کی مثل ہیں۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عروہ سے فرمایا: اے میرے بھانجے! میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعظیم قابل تعجب حد تک فرماتے تھے۔

ابن رشیدین سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعظیم اپنے والد کی طرح فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک لشکر تیار کر رہے تھے کہ حضرت عباس نمودار ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تمہارے نبی کے چچا ہیں، قریش میں سب زیادہ سخی اور رشتہ داری نبھانے والے ہیں، یہ ابو الخلفاء ہیں اور سب سے زیادہ خوبصورت ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عیادت کے لیے آئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو اپنے تخت کے اوپر اپنی جگہ پر بٹھا کر تعظیم فرمائی۔

ایک مرتبہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یہاں حاضر ہوئے جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظر عم محترم پر پڑی تو آپ کھڑے ہو گئے اور آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا پھر اپنی داہنی جانب بٹھایا، پھر فرمایا: یہ میرے چچا ہیں جو چاہے وہ میرے چچا پر ناز کرے۔ یہ بقیہ اہل بیت میں سب سے بہتر ہیں۔ (ذخائر العقبیٰ،ص:۳۲۱-۳۲۶)

جنت میں عباس منزل: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کو خلیل منتخب فرمایا، جنت میں میرا اور حضرت

https://alislami.net

ابراہیم علیہ السلام کا محل آمنے سامنے ہوگا اور ان دونوں محلات کے بیچ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منزل ہوگی۔ اللہ کے دو خلیلوں کے درمیان ایک بندۂ مومن ہوگا۔

(ذخائر العقبیٰ، ص:۳۳۰، اسد الغابہ، ج:۳، ص:۱۶۵)

حضرت عباس کو عامل زکوٰۃ نہیں بنایا: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جا کر عرض کرو کہ وہ تمہیں صدقہ وصول کرنے پر مقرر فرما دیں۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جا کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنی عرضی پیش کر دی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: چچا! میں آپ کو لوگوں کے گناہوں کا دھوون وصول کرنے پر متعین نہیں کر سکتا۔

محمد بن منکدر سے روایت ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا: حضور! مجھے بھی کہیں کی امارت عطا فرمائیں آپ نے فرمایا: چچا! اگر تم نے اپنے نفس کو نجات دلا دی تو یہ ان گنت حکومتوں کے حاصل کرنے سے بہتر ہے۔

(طبقات ابن سعد، ج:۴، ص:۲۴)

حضرت عباس سے حضرت ابوبکر کی محبت: ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محفل میں حاضر تھے۔ حضرت ابوبکر مصطفیٰ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دائیں طرف، حضرت عمر بائیں طرف اور حضرت عثمان سامنے بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے آئے، حضرت ابوبکر نے عم نبی کے لیے جگہ چھوڑ دی جہاں خود بیٹھے تھے وہاں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بٹھایا۔ (ذخائر العقبیٰ، ص:۳۲۱)

دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت ابوبکر کا یہ عمل جس میں انہوں نے حضور کے عم محترم کی تعظیم کی تھی اتنا اچھا لگا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوش ہو گئے، یہ خوشی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرۂ پرنور سے صاف ظاہر ہو رہی تھی۔

(تاریخ دمشق، ج:۲۶، ص:۳۴۴)

حضرت عباس سے حضرت عمر کی محبت: ایک مرتبہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی معاملہ کو لے کر سوال کیا، اور کہا: یہ بتائیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صاحب ایمان چچا آپ کو ملتے تو آپ ان کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرتا، اس پر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: امیر المومنین! میں تو آپ کے نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چچا ہوں، امیر المومنین نے عرض کیا: بھلا بتائیں تو سہی کہ میرا کون سا عمل محبت میں مشکوک ہوگیا؟ پھر فرمایا: عباس سنو! میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں: مجھے اپنے باپ کے مقابلے میں تمہارے باپ سے زیادہ محبت ہے کیوں کہ مجھے معلوم ہے میرے باپ کے مقابلے میں آپ کے باپ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زیادہ محبت فرماتے ہیں لہٰذا میں اپنی محبت سے بڑھ کر حضور کی محبت پر عمل کرتا ہوں۔

(طبقات ابن سعد، ج:۴،ص:۲۷)

البدایہ والنہایہ کی ایک اور روایت میں ہے؛ ایک موقع پر حضرت عمر نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا تھا؛ میرا باپ خطاب اسلام لاتا تب بھی تمہارا اسلام لانا مجھے اپنے باپ کے اسلام لانے سے زیادہ محبوب ہوتا کیونکہ آپ کا ایمان حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو زیادہ پسند تھا۔ (ج:۶،ص:۵۳۸، معارف صحابہ، ج:۱،ص:۱۹۵)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں مسلمانوں کا جو دیوان (رجسٹر) تیار ہوا تھا، ان میں سب سے پہلے قبیلۂ بنی ہاشم کے نام تھے اور بنی ہاشم میں سب سے پہلے حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام لکھا ہوا تھا یہ دیوان حضرت عثمان غنی کے دور خلافت میں بھی جاری رہا۔ (طبقات ابن سعد، ج:۴،ص:۲۸)

تعظیم حضرت عباس اور حضرت عثمان: تمام صحابہ کے مانند حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دور خلافت میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خصوصی تعظیم فرماتے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر قاصد بھیج کر بلواتے تو حضرت عثمان رضی

اللہ عنہ آپ کے بلاوے پر حاضر ہو جاتے۔

حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ مجھے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر المومنین کی خدمت میں بھیجا کہ میں انہیں بلا کر لاؤں۔ میں ان کے پاس اس وقت حاضر ہوا جب وہ لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے (میں نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پیغام سنایا) آپ نے لوگوں کو کھانا کھلایا اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہو گئے۔ آکر آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: اے ابوالفضل! آپ کا چہرہ روشن رہے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اے عثمان! آپ کا چہرہ بھی روشن رہے (عذر پیش کرتے ہوئے) حضرت عثمان نے کہا: آپ کے پاس آنے میں مجھے صرف اتنی تاخیر ہوئی ہے جتنی دیر میں لوگوں نے کھانا کھایا ہے۔ پھر دونوں میں کچھ دیر تک کلام جاری رہا۔ (ذخائر العقبیٰ، ص: ۳۳۶)

تعظیم حضرت عباس اور حضرت علی: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: میرے والد محترم ایک مرتبہ بیمار پڑ گئے، میں اپنے والد کی خدمت میں تھا اور آپ کے پیر دبا رہا تھا، اتنے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے آئے، جب مجھے پیر دباتے ہوئے دیکھا تو مجھے وہاں سے ہٹا کر خود اس جگہ بیٹھ گئے جہاں میں بیٹھا تھا اور والد گرامی کے پیر دبانے لگے اور فرمایا: اے ابن عباس! میں اپنے چچا کی خدمت کرنے کا تم سے زیادہ حقدار ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور میرے چچا حضرت حمزہ، بھائی حضرت جعفر رضی اللہ عنہما کو اپنے جوار رحمت میں بلا لیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے میرے چچا عباس کو ہمارے لیے باقی رکھا ہے، کسی بھی شخص کا چچا اس کے والد کے مثل ہوتا ہے پھر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے دعا کرنے لگے؛ اے اللہ! ہمارے چچا عباس کو عافیت عطا فرما، ان کے درجات کو بلند فرما اور ان کو اپنی علیین میں جگہ نصیب فرما۔ (ذخائر العقبیٰ، ص: ۳۳۷)

حضرت صہیب فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ وہ

https://alislami.net

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پیر چومتے تھے اور عرض کرتے تھے: اے محترم چچا! آپ ہم سے راضی ہو جائیں۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۲،ص:۹۴)

خلفاء گھوڑے سے اتر جاتے: حضرت ابن شہاب فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت کے اچھے طریقے سے معترف تھے، یہی وجہ تھی کہ ہر معاملے میں وہ عم نبی کو مقدم رکھتے تھے، ہر اہم معاملے میں ان سے مشورہ لیتے اور ان کی رائے پر عمل کرتے۔

ابن زناد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ عمر و عثمان کی تعظیم کا معاملہ یہ تھا کہ یہ دونوں سوار ہو کر آ رہے ہوں اور راستے میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہو جاتی تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعظیم کے لیے گھوڑے سے اتر پڑتے اور اس وقت تک سوار نہ ہوتے جب تک حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں سے گزر نہ جاتے یہ دونوں صحابہ اس وقت فرمایا کرتے تھے ''یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا ہیں''۔

(ذخائر العقبیٰ، ص:۳۳۶)

خصوصی اعمال کی ترغیب: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے عم محترم کو آنے والی دعا تعلیم فرمائی اور فرمایا: اے میرے چچا! اللہ تعالیٰ سے ان الفاظ سے معافی طلب کیا کرو''(اَسْئَلُكَ) العَفْوَ وَالْعَافِيَةَ وَالْمُعَافَاةَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ. اے اللہ! میں دنیا و آخرت میں خیر و عافیت اور مغفرت مانگتا ہوں۔ (ذخائر العقبیٰ، ص:۳۲۸)

امام ابو داؤد اپنی سنن میں نقل فرماتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اے چچا جان! کیا میں تمہیں عطا نہ کر دوں؟ کیا تمہیں فائدہ نہ پہنچاؤں؟ کیا تمہیں نہ سکھاؤں؟ کیا تمہیں ایسے دس کام نہ بتاؤں کہ جب تم انہیں کر لو تو اللہ تمہارے گناہ معاف فرما دے پہلے اور پچھلے، پرانے اور نئے، نادانستہ یا دانستہ کیے ہوئے چھوٹے یا بڑے، پوشیدہ یا ظاہر؟ دس کام یہ ہیں کہ تم چار رکعت پڑھو ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ

https://alislami.net

کے بعد کوئی سورت پڑھو، جب حالت قیام میں تم پہلی رکعت کی قرأت سے فارغ ہوجاؤ تو پندرہ مرتبہ کہو ''سبحان اللہ والحمد للہ ولاالٰہ الااللہ واللہ اکبر'' پھر رکوع میں اسی تسبیح کو دس مرتبہ پڑھو پھر رکوع سے سر اٹھا کر اسے دس مرتبہ پڑھو، پھر سجدہ میں چلے جاؤ اور دس مرتبہ پھر پڑھو پھر سجدہ سے سر اٹھا کر دس مرتبہ پڑھو پھر دوسرے سجدے میں دس مرتبہ پڑھو پھر سجدے سے سر اٹھا کر دس مرتبہ پڑھو اس طرح ہر رکعت میں پچھتر ہوں اور چار رکعتوں میں ایسا ہی کرو اگر تم سے ہو سکے تو روزانہ ایسا ایک مرتبہ کر لیا کرو اگر ایسا نہ کر سکو تو ہفتے میں ایک بار سہی، یہ بھی نہ ہو سکے تو ہر مہینے میں ایک بار سہی، یہ بھی نہ بن پڑے تو سالانہ ایک بار سہی اور یہ بھی نہ کر سکو تو عمر میں ایک بار سہی۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب صلاۃ التسبیح)

مسلمانوں پر شفقت اور کفار کی نظر میں آپ کی حرمت: جس واقعے سے ہم حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مسلمانوں پر شفقت اور کفار قریش کی نظر میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہمیت وحرمت کو ثابت کریں گے اس کا تعلق حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام قبول کرنے سے ہے، یہاں ہم اس واقعے کی تمام تفصیلات کو حذف کرتے ہوئے صرف اس حصے کو پیش کر رہے ہیں جس کا تعلق حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی سے ہے:

جب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان لا چکے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیعت کر چکے تو حضور نے انہیں یہ ہدایت کی کہ وہ مکہ میں کسی سے نہ ملیں گے۔ آگے کا حال آپ پیر کرم شاہ ازہری کی زبانی سنیں آپ رقم طراز ہیں:

ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں ہدایت کی کہ وہ یہاں (مکہ میں) ابھی اپنے ایمان کو ظاہر نہ کریں اور اپنے قبیلے کے پاس واپس چلے جائیں اور انہیں اسلام کی دعوت دیں۔ جب ہمارے فتح یاب ہونے کی تمہیں اطلاع ملے تو پھر میرے پاس آجانا۔ آپ نے عرض کی؛ یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ میں تو مشرکین کے مجمع میں جا کر اپنے

https://alislami.net

ایمان لانے کا اعلان کروں گا۔ چناں چہ ایک روز جب قریش کے قبائل حرم شریف میں اپنی اپنی مجلسیں جما کر بیٹھے ہوئے تھے حضرت ابوذر آئے اور پورے زور کے ساتھ اعلان کردیا۔ اشھد ان محمدا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں؛ قریش یہ سن کر بھڑک اٹھے اور مجھ پر ہلہ بول دیا، جو چیز جس کے ہاتھ میں آئی لکڑی، ہڈی، پتھر اس سے مجھے زدوکوب کرنے لگے یہاں تک کہ میں غش کھا کر گر پڑا، اتنے میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ گئے، انہوں نے مجھے جھک کر دیکھا تو پہچان لیا اور انہیں جھڑکتے ہوئے کہا: کم بختو! یہ کیا کر رہے ہو؟ یہ قبیلۂ غفار کا آدمی ہے جسے مار مار کر تم نے ادھ مرا کردیا ہے تمہیں خبر نہیں کہ تمہارے تجارتی قافلوں کا راستہ ان کے علاقہ سے گزرتا ہے؟ تب ان لوگوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں اٹھ کر زم زم کے کنوئیں کے پاس گیا اس کے پانی سے اپنے جسم پر لگا ہوا خون دھویا، جوں توں کر کے رات گزری۔ صبح ہوئی تو جنون عشق نے مجھے پھر مجبور کیا کہ کفار کے بھرے مجمع میں اپنے محبوب کی رسالت کا پھر اعلان کروں، اس کے جرم عشق میں پیٹا جاؤں اور میرے انگ انگ سے خون کی ندیاں رواں ہوں چناں چہ دوسرے روز قریش حسب دستور جب اپنی محفلیں جما کر بیٹھ گئے تو میں نے اپنے پھیپھڑوں کی پوری قوت سے نعرہ لگایا ''اشھد ان محمدا رسول اللہ'' میں نے یہ اعلان کر کے گویا بھڑوں کے چھتے میں پتھر مار دیا۔ یہ سنتے ہی سب بپھر گئے اور غضبناک ہو کر مجھ پر ٹوٹ پڑے مکوں، گھونسوں، سونٹوں اور پتھروں سے میری خوب مرمت کی، جگہ جگہ سے خون بہنے لگا، غش کھا کر پھر گر پڑا، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر میرے لیے نجات کا فرشتہ بن کر آ پہنچے۔ ان کو خوب ڈانٹا اور انہیں بتایا کہ جس شخص پر تم زیادتی کر رہے ہو یہ اس قبیلے کا فرد ہے جس کے علاقہ سے تمہارے تجارتی کارواں گزرتے ہیں، اس طرح مجھے ان سے چھٹکارا ملا۔ (السیرۃ النبویہ، لزینی دحلان، ج:۱، ص:۱۹۳، بحوالہ سیرۃ الرسول، ج:۲، ص:۲۴۵-۲۴۶)

حضرت عباس نے امت کو آسانی دلائی: ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم نے مکہ شریف سے متعلق ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مکۂ مکرمہ کو حرم بنایا ہے لہٰذا اس کی گھاس نہ کاٹی جائے، درخت نہ کاٹے جائیں، بیٹھے ہوئے شکار کو نہ بھگایا جائے۔ اس حکم کو سننے کے بعد حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کی، حضور! اذخر گھاس کو کاٹنے کی اجازت دے دی جائے کیوں کہ وہ ہمارے بہت کام آتی ہے، ہم لوگ اپنے گھروں میں استعمال کرتے ہیں، اہل حرفہ اسے بھٹیوں وغیرہ کے کام میں لاتے ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معروضہ سننے کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ''الا الاذخر'' اگر یہ بات ہے تو اذخر گھاس کاٹنے کی اجازت ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب الاذخر والحشیش فی القبر، صحیح المسلم، کتاب الحج، باب تحریم مکۃ وصیدھا، ذخائر العقبیٰ، ص:۳۳۸)

آپ غور کریں کہ جس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حرم پاک کے مذکورہ احکام بیان فرمائے اگر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اذخر گھاس کاٹنے کی اجازت اہل مکہ کے لیے نہ لی ہوتی تو قیامت تک کے لیے امت اس بڑی آسانی سے محروم ہو جاتی لیکن حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیامت تک کے لیے امت کو یہ عام رخصت عطا فرمادی، خاص کر اہل مکہ سے حرج کو دفع فرمادیا۔

بخاری و مسلم کی اس حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دینی امور میں کامل اختیار عطا فرمایا ہے۔ وہ لوگ غور کریں جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مختار نہیں مانتے بلکہ اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں: جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔ (تقویۃ الایمان)

اللہ تعالیٰ ایسے برے مذہب اور ایسے برے لوگوں سے اپنی پناہ میں رکھے۔

حضرت عباس کی فراست: اہل ایمان کو اللہ تبارک و تعالیٰ ایمان کی برکت سے خاص فراست عطا فرماتا ہے جس سے کئی مرتبہ مستقبل میں ہونے والے واقعات و حادثات کی نقاب کشائی کر دی جاتی ہے، یہ فراست قوت و ضعف میں ایمان کے تابع ہے

https://alislami.net

جس کا ایمان جتنا قوی ہوگا اسی قدر اسے فراست سے حصہ دیا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرتبے کو بہت بلند فرمایا، صحابی ہونے کے ساتھ عم نبی ہونے کا شرف بھی حاصل ہے، ان کی ایمان کی قوت ہمارے الفاظ سے ماورا ہے، اس لیے وہ معاملہ شناسی اور دور بینی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ دلیل کے طور پر بخاری شریف کی آنے والی حدیث ملاحظہ کریں:

جس مرض کے دوران حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے مالک حقیقی سے جا ملے اس وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کے دولت کدے سے باہر تشریف لائے تو اصحاب رسول نے پوچھا: اے ابوالحسن! حضور کی طبیعت کیسی ہے؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: (الحمد للہ) حضور کی طبیعت ٹھیک ہے۔ یہ سن کر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: اے علی! خدا کی قسم! تم تین دن کے بعد محکوم ہو جاؤ گے، علی سنو! میرے اندازے کے مطابق حضور اس مرض میں وصال فرمائیں گے کیوں کہ مجھے معلوم ہے کہ بنو مطلب کے چہرے وقت وصال کیسے ہوتے ہیں؟ چلو! حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس امر (خلافت) کے بارے میں پوچھ لیتے ہیں اگر یہ ہمارے لیے ہوگا تو ہمیں پتہ لگ جائے گا اور اگر ہمارے سوا کسی اور کے لیے ہوگا تب بھی ہمیں پتہ چل جائے گا اور آپ ہمارے لیے وصیت تو فرمائیں گے ہی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم! اگر ہم نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھ لیا اور حضور نے منع فرما دیا تو پھر لوگ کبھی بھی ہمیں عطا نہیں کریں گے اس لیے میں اس بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نہیں پوچھوں گا۔ (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

بخاری شریف کی اس حدیث سے رافضیوں کے اس دعوے کی قلعی کھل جاتی ہے کہ جس میں وہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے خلافت کی وصیت کی تھی یا آپ کو خلیفہ نامزد کیا تھا اگر ایسا ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہرگز ہرگز حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ نہ فرماتے جو اس حدیث میں مذکور ہے بلکہ

جواب کچھ اور ہی ہوتا جو کسی بھی عاقل پر پوشیدہ نہیں۔ (معارف صحابہ، ج:۱، ص:۳۸۰)

حضرت اسماعیل بن محمد فرماتے ہیں کہ میں نے جس کو بھی دیکھا وہ عقل و فراست کے معاملے میں حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فوقیت دیتا تھا۔

(طبقات ابن سعد، ج:۴، ص:۲۵)

بیٹے کو نصیحت: جب حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے بیٹے حضرت عبد اللہ کی غیر معمولی تعظیم فرماتے ہیں، بلا کر اپنے قرب خاص میں بٹھاتے ہیں، مشورہ فرماتے ہیں تو ایک سنجیدہ اور مربی باپ کا کردار نبھاتے ہوئے آپ نے اپنے شہزادے کو تین باتوں کی نصیحت فرمائی:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما خود بیان فرماتے ہیں؛ میرے والد محترم نے فرمایا: تین چیزوں کو خاص طریقے سے محفوظ کرلو۔ تمہاری کسی بھی بات میں امیر المومنین کو جھوٹ کا تجربہ نہیں ہونا چاہیے، ان کا راز کسی کے سامنے ظاہر مت کرنا اور ان کی مجلس میں کسی کی غیبت مت کرنا۔ جب یہ بات حضرت ابن عباس نے امام شعبی کے سامنے بیان کی تو شعبی نے عرض کیا: ان باتوں میں سے ہر بات ہزار باتوں سے بہتر ہے تو حضرت ابن عباس نے فرمایا: بلکہ ان میں سے ہر بات دس ہزار باتوں سے بہتر ہے۔ (ذخائر العقبیٰ، ص:۳۳۹)

حضور کی بشارت: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے عم محترم کو غیب کی خبریں دینے والی زبان سے کئی بشارتیں سنائی تھیں۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد تشریف لائے دیکھا کہ عم محترم سر بس جو دہیں حضور کھڑے ہو گئے، جب حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پوری کر لی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عم محترم! کیا میں آپ کو بشارت نہ دے دوں؟ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: ضرور یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ سرکار نے فرمایا: اے چچا! آپ کی آل واولاد میں اصفیا اور خلفا ہوں گے۔

ایک حدیث میں آپ نے فرمایا: یہ میرے چچا ابو الخلفاء ہیں، ان کی اولاد میں

سفاح، منصور اور مہدی ہوں گے۔ ایک حدیث میں فرمایا: چچا آخری زمانے میں آپ کی اولاد سے مہدی ہوں گے، ان سے ہدایت پھیلے گی، گمراہی کی آگ بجھ جائے گی، باب ہدایت ہم سے کھلا اور آپ کی ذریت پر اس کا خاتمہ ہوجائے گا۔ (ذخائر العقبیٰ، ص: ۲۴۲)

حضرت عباس کا پرنالا اور حضور کی نسبت: صحابۂ کرام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبتوں کا کیسا احترام کیا کرتے تھے یہ بات آنے والی حدیث سے واضح ہوگی۔ آج کل کچھ لوگ نشانیوں کے مٹانے پر کمر بستہ ہیں شاید انہیں اس سے بڑھ کر لطف کسی اور چیز میں میسر نہیں آتا، مملکت سعودیہ عربیہ میں یہ وحشت ناک مناظر ہر طرف دیکھے جاسکتے ہیں لیکن خوش عقیدہ مسلمانوں کے لیے ان کے اسلاف کے اعمال میں اسوۂ حسنہ موجود ہے لہٰذا وہ اسی پر ہمیشہ سے عمل پیرا ہیں اور ان شاء اللہ رہیں گے۔ اب آپ آنے والی حدیث پڑھیں اور عشق مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے ابلتے ہوئے آبشار دیکھیں:

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں ایک پرنالا لگا ہوا تھا یہ پرنالا جس جگہ لگا ہوا تھا اسی کے نیچے سے امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ گزرتے تھے۔ ایک دن حضرت امیر المومنین لباس زیب تن کرکے نماز جمعہ کے لیے پرنالے کے پاس سے گزر رہے تھے کہ پرنالے سے خون ٹپکا اور امیر المومنین کے کپڑے خون آلود ہوگئے، پرنالے سے خون ٹپکنے کی وجہ یہ تھی کہ اس دن حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر دو مرغ ذبح ہوئے تھے، امیر المومنین نے حکم دے کر یہ پرنالا وہاں سے اکھڑوا دیا، گھر سے دوسرے کپڑے پہن کر مسجد آئے اور لوگوں کو نماز پڑھائی، نماز کے بعد حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کی اور فرمایا: (آپ نے جہاں سے پرنالا اکھڑوا دیا ہے) یہ وہی جگہ تھی جہاں پر خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دست اقدس سے پرنالا نصب کیا تھا۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اب آپ میری پیٹھ پر چڑھ جائیں اور اس پرنالے کو اسی جگہ نصب کریں جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دست کرم سے رکھا تھا، یہ سن

https://alislami.net

کر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہی کیا جو امیر المومنین نے چاہا۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا: اب پرنالا وہیں لگانا ہے جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لگایا تھا، اس کو آپ لگائیں گے اور آپ کی سیڑھی سوائے میرے اور کوئی نہیں ہوگا۔ (طبقات ابن سعد، ج:۴،ص:۱۹، مسند احمد بن حنبل، ج:۲،ص:۳۹۷، رقم الحدیث:۱۷۹۰)

اس حدیث پاک کو امام ابن سعد اور امام احمد بن حنبل وغیرہما محدثین اور مؤرخین نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ صحابۂ کرام اور پھر ان کے بعد والے ائمہ وعلما کا یہی عقیدہ تھا کہ جس چیز کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت ہوجائے وہ ضرور قابل احترام ہے اور یہی اہل سنت و جماعت (آج کے دور میں مسلک اعلیٰ حضرت) کا معمول ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک

حضرت عباس کا گھر حضرت عمر اور مسجد نبوی: امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں محسوس کیا کہ مسجد نبوی کی توسیع ہونی چاہیے کیوں کہ مسجد نمازیوں پر تنگ ہونے لگی ہے، آپ نے آس پاس کے مکانات ان کے مالکوں سے خرید لیے، اب بھی توسیع کے لیے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر اور امہات المومنین کے حجرے درکار تھے لیکن امہات المومنین کے حجروں کو وہاں سے ہٹانے کی کوئی صورت ہی نہ تھی، اب معاملہ صرف حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کا تھا۔ امیر المومنین نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس معاملے میں بات کی پوری صورت حال سمجھائی اور کہا: آپ اپنا گھر میرے ہاتھوں بیچ دیں، میں مسلمانوں کے بیت المال سے خرید کر مسجد نبوی میں شامل کردوں گا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا کرنے سے انکار کردیا حضرت عمر نے پھر گفتگو کی اور عرض کی: میں تمہارے سامنے تین تجاویز پیش کررہا ہوں ان میں تمہاری پسند کے اعتبار سے کوئی ایک قبول کرلو۔ پہلی یہ کہ آپ گھر کو میرے ہاتھوں فروخت کردو۔ دوسری یہ کہ مدینہ شریف میں جہاں چاہو جگہ پسند کرلو تمہیں وہاں مکان بنا کردے دوں۔ تیسری یہ کہ اپنے گھر کو مسلمانوں پر صدقہ کردو تاکہ مسجد کی توسیع کی جاسکے

https://alislami.net

لیکن حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر کی تینوں تجاویز کو رد کر دیا اور فرمایا: مجھے تینوں میں سے کچھ بھی قبول نہیں ہے۔ یہ سن کر امیر المومنین نے فرمایا: پھر ہم اور آپ اس معاملے میں کسی کو فیصل بنا لیں جو اس معاملے میں صحیح فیصلہ کر سکے۔ آخر اتفاق رائے سے حضرت ابی بن کعب کو تسلیم کر لیا گیا۔ دونوں حضرات حضرت ابی بن کعب کے پاس پہنچے، پوری بات انہیں بتائی۔ حضرت ابی بن کعب نے ایک لمبی حدیث سناتے ہوئے فیصلہ سنا دیا یہ فیصلہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں تھا اور امیر المومنین کے خلاف۔ حاصل کلام یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ٹھیک ہے اب میں اس بارے میں آپ سے بات نہیں کروں گا۔ یہ سن کر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جب یہ بات ہے کہ فیصلہ میرے حق میں ہو چکا اور آپ نے اس کو مان بھی لیا تو اب میں اپنے مکان کو مسلمانوں پر صدقہ کرتا ہوں۔ اے امیر المومنین! آپ کو اجازت ہے کہ میرے گھر کو مسجد کی توسیع میں شامل کر دیجیے (مسجد کی توسیع کر دی گئی) اور بعد میں امیر المومنین نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے بیت المال سے ایک گھر بنا کر دیا جس میں وہ رہتے تھے۔ (طبقات ابن سعد، ج: ۴، ص: ۲۰)

بیٹے کی نظر میں باپ: حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے، جلیل القدر صحابی رسول اور عم نبی ہیں۔ اسلام کے تینوں خلفاء کے دور میں انہوں نے مثالی حیات کا نمونہ پیش کیا۔ تقریباً ۳۲ سال اسلام کی خدمت کرتے گزارے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زبان نبوت سے ان کی تعریف وتوصیف فرمائی۔ حضور انہیں باپ کا درجہ دیتے، بنفس نفیس ان کا ادب بجالاتے، اسوۂ رسول پر عمل کرتے ہوئے تمام صحابہ تاعمر ان کی بارگاہ کے مؤدب رہے، اس سب کے بعد انہیں کسی توصیفی سرٹیفکٹ کی قطعاً ضرورت نہیں لیکن ان کے ذکر خیر کے طور پر ان کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بیان کردہ چند جملے قارئین کی خدمت میں نذر ہیں:

گر قبول افتد زہے عز وشرف

یہاں یہ شائبہ نہیں ہونا چاہیے کہ ہر بیٹا اپنے باپ کی تعریف کرتا ہے کیوں کہ ہم عام باپ بیٹوں کی بات نہیں کر رہے ہیں بلکہ صحابۂ کرام کی بات کر رہے ہیں یہ حضرات وہ ہیں باپ تو رہا باپ خود اپنی ذات کے خلاف بھی گواہی دینے میں ذرہ برابر ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے بلکہ دعوے اور مطالبۂ شہادت کے بغیر اپنے خلاف گواہی دیتے ہیں چاہے بعد میں انہیں تختۂ دار پر ہی کیوں نہ چڑھا دیا جائے لہٰذا صحابۂ کرام کے حق میں ایسی بدگمانی ہرگز روا نہیں رکھی جا سکتی کہ ایک بیٹا اپنے باپ کی غیر واقعی تعریف کر بیٹھے۔ تمام صحابہ عادل ہیں یہ تو ابن عبا س رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے صحابی ہیں جن کی فقاہت، عدالت اور ثقاہت پر امت کو ناز ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا گیا کہ آپ عباس بن عبد المطلب کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ اس پر حضرت ابن عباس نے فرمایا: میں ان کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں؟ اللہ تعالیٰ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رحم فرمائے وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا تھے، اللہ تعالیٰ کے رسول کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور سارے چچاؤں کے سردار تھے، اپنے بلند پایا آباواجداد کے اخلاق کے وارث تھے، ہر مہذب سرداران کی رائے کا پیروکار تھا۔ اور ہر سرکش ان سے مجتنب تھا اور یہ سب کیوں کر نہ ہوتا سید الکونین افضل الخلق نے انہیں سنوارا اور نکھارا تھا، اس سے میری مراد وہ ہیں جو صاحب کوثر ہیں، مقام رفیع کے مالک ہیں، نورانی تاج والے، دل جن کا پاک وصاف، زبان تقویٰ شعار جو جبرئیل کے خلیل ہیں، محبوب رب العالمین ہیں، حوض کوثر کے مالک اور شفاعت کے والی ہیں نام جن کا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔ (ذخائر العقبیٰ ص:۳۳۸)

اس اقتباس میں ابتدائی جملوں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے محترم باپ کا بلند پایا مقام بیان فرمایا اور آخر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت پڑھی ساتھ ہی یہ بھی بتایا میرے باپ جن خوبیوں کے مالک بنے وہ سب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل رب تبارک وتعالیٰ نے انہیں عطا فرمائیں۔

قمیص کے بدلے قمیص: جب میدان بدر میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قیدی بنایا گیا اور عم نبی کو قمیص پہنانے کی ضرورت پیش آئی تو کسی کی قمیص انہیں فٹ نہیں آئی جو قمیص فٹ آئی وہ قمیص عبد اللہ بن ابی بن سلول (منافق) کی تھی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہی قمیص حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنائی، اسی کا بدلہ دیتے ہوئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے کفن کے لیے اپنی قمیص پیش کر دی۔ (اسد الغابہ، ج:۳،ص:۱۶۶)

آپ کا غلام آزاد فرمانا: خیال رہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی زندگی میں ستر غلام آزاد فرمائے تھے۔ (ایضاً)

صحابہ نے حضرت عباس کی تعزیت کی: حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاندانی اعتبار سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سگے چچا تھے اور حضور کے عصبات میں سب سے زیادہ قریب تھے۔ علامہ ذہبی نے فرمایا: اگر ہمارے نبی ان لوگوں میں ہوتے جن کا وارث بنایا جاتا ہے تو حضور کی بیٹی اور ان کی ازواج مطہرات کے بعد ان کے سوا اور کوئی وارث نہ بنتا۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۲،ص:۹۹)

رشتے کی قربت کے ساتھ ساتھ الفت و محبت میں بھی حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے غایت درجہ قریب تھے اسی لیے جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وصال فرمایا تو صحابۂ کرام برائے تعزیت حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر پر ہی حاضر ہوئے۔

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں: حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شرافت وفضیلت کے لیے اتنا بہت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال پر لوگ ان کے یہاں تعزیت کو حاضر ہوئے۔ (اسد الغابہ، ج:۳،ص:۱۶۶)

حضرت عباس اور ادب رسالت: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ مجھ سے اپنے ماں باپ، اولاد وغیرہ سے زیادہ محبت نہ کرنے لگے۔ (بخاری)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہر شخص کے لیے عام ہے اور ہر مومن کامل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایسی ہی محبت کرتا ہے، دور صحابہ سے لیکر آج تک اہل ایمان نے اس بات کو موقع آنے پر ثابت بھی کر دیا ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر چہ حضور کے عم محترم تھے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود ان کی مثالی تعظیم فرماتے تھے لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے آپ کو معاذ اللہ رب العلمین تعظیم نبی سے بری الذمہ سمجھتے ہوں بلکہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غایت درجہ تعظیم کرتے تھے، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں تعظیم نبی کس حد تک گھر کیے ہوئی تھی اس کا اندازہ آپ ان کے آنے والے جملے سے کریں:

حضرت ابن رزین فرماتے ہیں: ''قيل للعباس انت اكبر اور سول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال هو اكبر مني وولدت قبله'' ترجمہ ملاحظہ کرنے سے پہلے اس بات کو ذہن میں حاضر کر لیں کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری عمر سے دو یا تین سال زیادہ تھی۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بڑے ہیں یا آپ؟ تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھ سے بڑے ہیں، البتہ ولادت میری پہلے ہوئی ہے۔ (حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ایمان افروز جملے کو کثیر مؤرخین نے نقل فرمایا ہے) (مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۸، ص:۴۸، التاریخ الصغیر للبخاری، ج:۱، ص:۷۰، التعدیل والتجریح، ج:۳، ص:۱۰۰۷، المعرفۃ والتاریخ، ج:۱، ص:۵۰۴، تاریخ دمشق، ج:۲۶، ص:۲۸۰، تہذیب الکمال، ج:۱۴، ص:۲۲۷، سیر اعلام النبلاء، ج:۲، ص:۸۰)

حضرت ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس جملے سے متعلق فرماتے ہیں: یہ قول آپ کی فہم کی لطافت اور علم کی متانت کا پتہ دیتا ہے۔ (ج:۱، ص:۱۸۹)

دوسری جگہ باب مناقب اہل بیت میں لکھتے ہیں: یہ آپ کی طبع لطیف اور حسن ادب کی وجہ سے تھا۔ (مرقاۃ، ج:۱۸، ص:۳۱)

قارئین! اندازہ کریں کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیں بتایا کہ جب بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کسی انسان کا ذکر ہو تو بڑائی کی نسبت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ہی کی جائے گی۔ گویا ان کا عقیدہ تھا کہ مقام انسانیت کی تمام تر بڑائیاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ہی حاصل ہیں، مخلوق میں کوئی بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بڑا ہو ہی نہیں سکتا ہے۔ ع

تم سے بس افزوں خدا تم پہ کروروں درود

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام عشق ومحبت کا اندازہ کریں کہ جب حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گفتار اتنی باادب ہے تو کردار کتنا باادب ہوگا؟

ازواج واولاد: حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں اولاد بھی عطا فرمائی۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک بیوی کا نام لبابۃ الکبری ہے، جو ام الفضل کے نام سے مشہور ہیں، یہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن ہیں، ان کے بارے میں روایت کیا گیا ہے کہ یہ ایسی خاتون ہیں جو ام المومنین حضرت خدیجہ کے بعد سب سے پہلے ایمان لائیں اس رشتے سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہم زلف (ساڑھو) بھی ہوتے ہیں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ ۹ لڑکوں اور ۳ لڑکیوں کے باپ تھے۔ بعض حضرات نے دس لڑکے شمار کرائے ہیں۔ علامہ طبری نے چوتھی لڑکی کا بھی ذکر کیا ہے۔

ام الفضل کے بطن سے جو لڑکے اور لڑکیاں پیدا ہوئیں ان کے نام اس طور پر ہیں:
فضل، عبداللہ، عبیداللہ، قثم، معبد، عبدالرحمن، ام حبیبہ۔

دو بیٹے اور دو بیٹیاں ام ولد کے بطن سے پیدا ہوئیں ان کے نام اس طور پر ہیں: کثیر، تمام، صفیہ، امیمہ۔ حجیلہ بنت جندب کے پیٹ سے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام حارث تھا۔

علامہ طبری نے امیمہ کی جگہ آمنہ نام لکھا ہے اور لڑکیوں میں ایک نام ام کلثوم زیادہ کیا ہے۔ علامہ عصامی نے امیمہ کی جگہ امینہ لکھا ہے اور دسویں لڑکے کا نام عون بتایا ہے۔

https://alislami.net

واللہ تعالیٰ اعلم۔ (طبقات ابن سعد، ج: ۴،ص: ۶، ذخائر العقبیٰ ،ص: ۳۴۴،سمط النجوم العوالی فی انباء الاوائل والتوالی، ج:۱،ص: ۱۶۴)

وفات: کل نفس ذائقۃ الموت کے دائرے میں آنے سے کون بچ سکتا ہے؟ بلکہ نفس زکیہ تو بے تاب نگاہوں سے اس دن کا منتظر ہوتا ہے کہ ملائکہ پروردگار اس سے آ کر کہیں ''یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِیْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ﴿۲۸﴾'' حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لانے کے بعد سے ''رضی اللہ عنہم ورضوعنہ'' کی زندہ تصویر بن کر دنیا کے سامنے رہے، جب تک زندہ رہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین کی خدمت کرتے رہے اور جب وقت اجل آیا تو پوری شان ایمانی کے ساتھ دنیا سے رحلت کر کے جوار رحمت پروردگار میں جا بسے۔

آپ کی تاریخ وفات میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے ہم چند اقوال بیان کر رہے ہیں:

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات بروز جمعہ ۱۴ر رجب المرجب ۳۲ھ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں ہوئی، وفات کے وقت آپ کی عمر ۸۸ر سال تھی، جنت البقیع میں مقبرۂ بنی ہاشم میں آپ کو دفن کیا گیا۔ (طبقات ابن سعد، ج:۴،ص:۲۸)

دوسرا قول بروز جمعہ ۱۲ر رجب المرجب ۳۲ھ اور تیسرا قول ۱۲ر رمضان المبارک ۳۲ھ کا ہے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے دو سال قبل ہوا۔ خلیفۂ وقت امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی، جنت البقیع میں دفن کیا گیا، آخری عمر میں آنکھوں کی بینائی چلی گئی تھی، وفات کے وقت آپ کی عمر ۸۸ر سال تھی۔ (اسد الغابہ، ج: ۳،ص:۱۶۶)

وفات کے وقت آپ کی عمر ۸۸ یا ۸۹ر سال تھی جس میں سے ۳۲ر سال آپ کی زندگی کے اسلام کے سائے میں گزرے۔ (الاستیعاب،ص:۵۵۹)

علامہ ابن ذہبی نے آپ کی عمر ۸۶ر سال لکھی ہے اور ساتھ میں یہ بھی بتایا کہ جنت البقیع میں ان کی قبر پر عظیم الشان بلند و بالا قبہ موجود ہے۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۲،ص:۱۰۰)

علامہ ذہبی کی وفات ۷۴۸ھ میں ہوئی اس سے یہ ثابت ہوا کہ آج (۱۴۴۴ھ) سے ۶۹۶ رسال پہلے وہاں عظیم الشان قبہ موجود تھا جسے اب سعودی حکومت نے مسمار کر دیا ہے۔ یہ بھی پتہ چلا کہ بزرگان دین کی قبروں پر قبہ (گنبد) بنانا مسلمانوں کا پرانا طریقہ رہا ہے۔

تجہیز و تدفین: امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن عباس، عبید اللہ بن عباس اور حضرت قثم رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مل کر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازے کو غسل دیا اور آپ کی وصیت کے مطابق یمنی چادر میں آپ کو کفنایا گیا۔ یمنی چادر کی وصیت کرتے وقت حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا کہ اسی چادر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کفن دیا گیا تھا۔ (طبقات ابن سعد، ج:۴،ص:۳۰)

جنازے میں ازدحام: حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے بعد دو اعلان کرنے والوں نے آپ کے وصال کی خبر لوگوں کو دی ان میں سے ایک اعلان کرنے والا امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے تھا۔ اعلان سن کر مدینہ شریف، عوالی مدینہ، قبا اور اطراف کے لوگ جوق در جوق حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آخری دیدار کرنے اور اپنے نبی کے چچا کو کاندھا دینے کی غرض سے حاضر ہو رہے تھے۔ حاضر ہونے والوں کی بھیڑ اس قدر بڑھی کہ وہ جگہ لوگوں پر تنگ ہوگئی جہاں جنازے رکھے جاتے تھے، یہاں تک کہ جنازے کو جنت البقیع کی جانب لے جانا پڑا، لوگ کوشش کر کے بھی جنازے تک نہیں پہنچ پا رہے تھے، معاملہ یہاں تک بڑھا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فورس کا استعمال کرنا پڑا، فوجیوں نے لوگوں کے ساتھ ہاتھا پائی کر کے انہیں جنازے کے پاس سے ہٹایا۔ صرف بنی ہاشم کو جنازے کے پاس رہنے دیا گیا، وہی لوگ قبر میں اترے اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لحد میں اتارا۔ راوی کا بیان ہے کہ جو چادر آپ کے جنازے پر پڑی ہوئی تھی وہ کھینچ تان سے پھٹ گئی تھی۔ عبدالرحمن بن یزید کے بیان کے مطابق ایسی بھیڑ اس سے پہلے کسی جنازے میں نہیں دیکھی گئی۔

حضرت عائشہ بنت سعد بن ابی وقاص فرماتی ہیں: میرے باپ اپنے محل سے جنازے

میں حاضری کی غرض سے مدینہ شریف گئے تھے، آپ کا محل مدینہ شریف سے دس میل کے فاصلے پر تھا، جب ایک دن کے بعد گھر واپس آئے تو انہوں نے بتایا کہ کثرت ازدحام کی وجہ سے ہم جنازے کے قریب نہ جا سکے جب کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو کاندھا دینا میری خواہشات کا حصہ تھا۔ (طبقات ابن سعد، ج: ۴، ص: ۳۰، سیر اعلام النبلاء، ج: ۲، ص: ۱۰۱)

یہ تھی عم نبی حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تابندہ و درخشندہ حیات جو اہل ایمان کے قلوب کو ہمیشہ جلا بخشتی رہے گی۔

ان کے مولیٰ کی ان پر کروروں درود
ان کے اصحاب وعترت پہ لاکھوں سلام
جس مسلماں نے دیکھا انہیں اک نظر
اس نظر کی بصارت پہ لاکھوں سلام

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہٖ واصحابہ اجمعین

♣ ♣ ♣

https://alislami.net

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اجمالی تعارف: اللہ تبارک وتعالیٰ کا خصوصی کرم ہوتا ہے تو بندے کو اس کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غلامی میسر آتی ہے اور اس کرم کا کیا کہنا کہ یہ غلامی شرف صحابیت پا کر بندے کی پیشانی کا ایسا درخشندہ تاج بن جائے کہ جس کے نور کے سامنے مہر وماہ کی روشنی ماند پڑ جائے۔ خوش نصیب ہیں وہ تمام نفوس قدسیہ جنہوں نے اس تاج سے اپنی پیشانیوں کو سجایا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گرد راہ کو سرمۂ نظر بنایا۔ ایسے ہی ایک تاجور کی بات کرتے ہیں جس کی ابھرتی جوانی سے نظریں ہٹنے کا نام نہیں لیتیں، طلاقت وجہ اور ہنس مکھی پر ہزاروں لطافتیں قربان، حلم و بردباری اور وقار و بلند کرداری، زیور حیات، عجز وانکساری، تقویٰ وعفت شعاری اس کی سرشت میں داخل، بہادر اتنا کہ خوف کے سائے اس سے دور ونفور، فقر نا آشنا سخاوت کا مالک، صدق وامانت میں عالمگیر شہرتوں کا حامل، فصاحت و بلاغت کا ابلتا آبشار، اہل زبان جس کے سامنے مہر بلب، تعجب نہ فرمائیں آپ کے سامنے ایسی ذات ہے جو خلقاً اور خُلقاً حضور کے مشابہ ہے جو جنت میں ملائکہ کے ساتھ مصروف پرواز ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جسے ابوالمساکین کہہ کر پکارا، ذوالجناحین جیسا عظیم لقب عطا فرمایا، ان کی ذات تو بڑی بلند ہے صحابہ ان کے بچوں کا ادب کرتے، عبداللہ بن عمر جیسے جلیل القدر صحابی ان کے بیٹے کو یا ابن ذی جناحین کہہ کر سلام پیش کرتے، جس نے شاہ حبشہ کے سامنے اسلام اور مسلمانوں کی نمائندگی کرتے ہوئے حق کے پرچم لہرا دیئے، زور بیان، قوت استدلال اور فصاحت کلام سے شاہ حبشہ کے دل میں اسلام کی حقانیت کو راسخ فرما دیا، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندانی بلکہ سگے چچا کا

بیٹا، نام جس کا جعفر بن ابی طالب ہے، مسلمان جسے جعفر طیار کہہ کر پکارتے ہیں۔

نام ونسب: جعفر بن ابی طالب (عبد مناف) بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی قرشی ہاشمی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سگے چچا زاد امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حقیقی (بڑے) بھائی۔(اسد الغابہ، ج:۴،ص:۵۴۱)

آپ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد ہے۔(تاریخ دمشق، ج:۲۷،ص:۱۲۵)

کنیت ولقب: حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک بیٹے کا نام عبد اللہ تھا، اسی کے نام پر آپ کی کنیت ابو عبد اللہ قرار پائی۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسکینوں سے بہت محبت فرماتے تھے ان کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے، گفت وشنید فرماتے اسی بنیاد پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی کنیت ابوالمساکین تجویز فرمائی۔(طبقات ابن سعد، ج:۴،ص:۳۱، الاصابہ، ج:۱،ص:۲۴۸)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے جعفر کو جنت میں ملائکہ کے ساتھ پرواز کرتے دیکھا ہے، اسی وجہ سے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے درمیان طیار (پرواز کرنے والا، اڑنے والا) کے لقب سے مشہور ہوئے۔(ذخائر العقبیٰ، ص:۳۵۹)

مؤاخات: بعض مؤرخین کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی مؤاخات حضرت معاذ بن جبل کے ساتھ قائم فرمائی۔(الاصابہ، ج:۱،ص:۲۴۸)

حلیہ: قبیلۂ بنی عبد مناف میں پانچ لوگ ایسے تھے جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے یہاں تک کہ کئی مرتبہ کمزور نظر والے انہیں دیکھ کر یہ سمجھتے تھے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیا ہے حالانکہ انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہیں بلکہ ان پانچ حضرات میں سے کسی ایک کو دیکھا ہوتا۔اس میں شک نہیں کہ آپ ان پانچ حضرات کو جاننے کے لیے شدت سے منتظر ہوں گے تو آیئے ہم ان پانچ خوش نصیبوں کا آپ سے تعارف کرائے دیتے ہیں:

(۱) ان میں سے ایک حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبد المطلب تھے جو حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے تھے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی ہوتے ہیں۔

(۲) دوسرے خوش نصیب شخص کا نام قثم بن عباس بن عبد المطلب ہے یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد ہیں۔

(۳) تیسری ذات کا نام نامی حضرت سائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم ہے یہ حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جد کریم ہوتے ہیں۔

(۴) چوتھے با نصیب وہ ہیں جسے دنیا نواسۂ رسول جگر گوشہ بتول شہزادہ علی حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے جانتی ہے، حضرت امام حسن ان تمام حضرات کے درمیان سب سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔

(۵) پانچواں نام انہیں کا ہے جن کا ہم تذکرہ کر رہے ہیں یعنی حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد اور امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب کے سگے بھائی ہیں۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ، ص:۲۶٦)

حضرت جعفر چچا حضرت عباس کی پرورش میں: ابوطالب اگرچہ قریش میں اپنا ایک الگ مقام رکھتے تھے، شرافت وقیادت میں کوئی آپ کا ہمسر نہ تھا لیکن معاشی نقطۂ نظر سے وہ خستہ حالی کا شکار ہونے کے ساتھ ساتھ کثیر العیال بھی تھے، اس پر مستزاد مکہ کی وہ قحط سالی جس نے اہل مکہ کے نظام زندگی کو تہہ و بالا کر ڈالا تھا، ایسی قحط سالی جس نے کھیتیاں سرسبز ہونے دیں نہ جانوروں کے تھنوں میں دودھ کا ایک قطرہ چھوڑا، اس سوکھے نے قریش کو اس درجہ تنگی میں مبتلا کر دیا کہ وہ مردار کی ہڈیاں کھانے پر مجبور ہو گئے۔ اس وقت محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ میں سب سے زیادہ خوشحال سمجھے جاتے تھے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیارے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب سے فرمایا: چچا! آپ کے بھائی ابوطالب کثیر العیال ہیں اور قحط سالی نے جو لوگوں کی حالت کر ڈالی ہے وہ آپ پر مخفی نہیں ہے، لوگ تنگدستی اور بھک

مری کا شکار ہیں، چاہتا ہوں کہ میں اور آپ ابو طالب کے پاس چلیں ان کے ایک بیٹے کو میں اور دوسرے کو آپ اپنی کفالت میں رکھ لیں تا کہ ایک حد تک ابو طالب کا بوجھ ہلکا کیا جا سکے۔ منصوبہ بڑا عمدہ، قابل تعریف تھا، اس لیے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں توصیفی جملے کہنے سے اپنے آپ کو روک نہ سکے، تبسم کناں نظروں سے حضور کو دیکھا اور ارشاد فرمایا: آپ نے خیر کی دعوت دی ہے اور نیکی پر ابھارا ہے، کار خیر میں تاخیر کیسی؟ چلیں بات کر لیتے ہیں، دونوں حضرات ابو طالب کے پاس پہنچے اور ارشاد فرمایا: ہم آپ کا وہ بوجھ کسی حد تک کم کرنا چاہتے ہیں جو اہل و عیال کی پرورش کی صورت میں آپ کے کاندھوں کو بوجھل کیے ہوئے ہے، ابو طالب نے ان کی پیشکش سننے کے بعد کہا: عقیل کو میرے لیے چھوڑ دو باقی کے بارے میں جو آپ کا فیصلہ ہو مجھے منظور ہے، یہ سننے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کا ہاتھ تھاما اور اپنے مبارک سینے سے چمٹا لیا، حضرت عباس نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لیا اور اپنے عیال میں شامل فرما لیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معیت میں رہے یہاں تک کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حق و ہدایت کے ساتھ مبعوث فرمایا، حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پرورش میں رہے، یہاں تک کہ آپ جوان ہو گئے، حضور پر ایمان لائے اور اپنے پیروں پر کھڑے ہو گئے۔

(سیرت ابن ہشام، ج:۱ص:۲۴۶، صور من حیاۃ الصحابۃ، ص:۲۶۷، الکامل فی التاریخ، ج:۱ص:۵۸۲)

حضرت جعفر کا اسلام لانا: حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد تھے اس بنا پر انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص قرب حاصل تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اعلان نبوت فرمایا تو حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلد ہی اس کاروان نور کا حصہ بن گئے، جس کی قسمت میں عالم کو منور کرنا لکھا تھا، آپ کا شمار صحابۂ کرام کی اس جماعت میں ہے جسے سابقین اولین کے مبارک نام سے یاد کیا جاتا ہے، اکثر مؤرخین کے بیان کے مطابق آپ اکتیس مسلمانوں کے بعد بتیسویں مسلمان ہوئے، ایک

قول یہ بھی ہے کہ آپ تیسرے نمبر پر مسلمان ہوئے۔(تاریخ دمشق،ج:۲۷،ص:۱۲۵)

ابن اسحاق کے بیان کے مطابق آپ پچیس لوگوں کے بعد ایمان لائے۔

(الاصابہ،ج:۱،ص:۲۴۸)

بیان کیا جاتا ہے کہ ابو طالب نے ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا، حضرت علی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں اپنی دائیں طرف کھڑا کیا تھا، یہ منظر دیکھ کر ابو طالب نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: جاؤ! اور اپنے چچا زاد کے بائیں بازو میں کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔ خیال رہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بھائی امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دس سال بڑے تھے۔(اسد الغابہ،ج:۱،ص:۵۴۲)

تاریخ دمشق میں یہ روایت قدرے تفصیل سے درج ہے جسے بیان کرنا فائدے سے خالی نہیں، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کر رہا تھا کہ ابو طالب آ گئے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظر جب ابو طالب پر پڑی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے چچا! کیا آپ ہمارے ساتھ آ کر نماز ادا نہیں کریں گے؟ ابو طالب نے جواب دیا: اے بھتیجے! میں جانتا ہوں کہ آپ حق پر ہیں لیکن مجھے ایسا سجدہ کرنا پسند نہیں کہ جس میں سرین بلند ہو جائیں، پھر ابو طالب نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دیا، حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بائیں بازو میں آ کر نماز ادا کی، نماز کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: تمہیں میرے بازو کی برکت سے اللہ تبارک وتعالیٰ جنت میں دو پر عطا فرمائے گا جن سے تم جنت میں پرواز کرو گے۔(تاریخ دمشق،ج:۲۷،ص:۱۲۵)

الکامل فی التاریخ کی روایت کے مطابق حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس موقع پر انہیں اسلام لانے کی دعوت دی لیکن ابو طالب نے یہ کہتے ہوئے ایمان لانے سے انکار

کر دیا کہ میں اپنے دین کو ترک نہیں کر سکتا۔ (ج:۱،ص:۵۸۲)

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے چھوٹے بھائی امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب سے کچھ ہی دنوں بعد ایمان لے آئے تھے، یہ ان دنوں کی بات ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دار ارقم میں داخل ہو کر اپنی دعوت کا آغاز نہیں کیا تھا۔

(طبقات ابن سعد، ج:۴،ص:۱۳۱، اسد الغابہ، ج:۱،ص:۵۴۱)

حضرت جعفر کی اہلیہ ایمان لے آئیں: ادھر حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان سے مشرف ہوئے، ادھر آپ کی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیس بھی اپنے شوہر کی متابعت میں ایمان لے آئیں، آپ کا شمار بھی سابقین اولین میں ہوتا ہے۔

(صور من حیاۃ الصحابۃ،ص::۲۶۸، سیرت ابن ہشام، ج:۱،ص:۲۵۷، رجال حول الرسول،ص:۱۹۸)

دور آزمائش: یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی توفیق اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قرابت کی برکت تھی کہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی اہلیہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت کے اول مرحلے میں ہی اسلام کے دامن میں آ گئے لیکن آپ پڑھ چکے ہیں یہی وہ دور بھی ہے کہ جس زمانے میں مسلمان ہونا اہل مکہ کی نظر میں سب سے بڑا جرم بلکہ نا قابل معافی اقدام تھا، لہٰذا اس دور میں ایمان لانے والے دیگر جاں نثاران اسلام کی طرح ہی اہل مکہ نے انہیں بھی اپنے ظلم کی چکی میں پوری طاقت کے ساتھ پیسا لیکن خداداد توفیق سے دونوں میاں بیوی صبر کے راستے پر گامزن رہے، مکہ والوں کی طرف سے آنے والے مظالم کے تیر اور چلنے والے نشتروں کو برداشت کرتے رہے کیونکہ انہیں داعی حق نے پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ جنت کی راہ کانٹوں بھری اور مشقتوں سے بھرپور بلکہ جنت تلواروں کی چھاؤں میں ہے، اس سبق کو یاد کرتے ہوئے نوجوان حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی بیوی ان تمام مصائب وآلام کو جھیلتے رہے، جو اہل مکہ کی طرف سے ان پر مسلط کیے جا رہے تھے لیکن ان تکالیف شاقہ کے برداشت کرنے کے ساتھ ساتھ ایک بڑی مصیبت حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان کی اہلیہ بلکہ اس راہ کے ہر مسافر کے ساتھ یہ بھی

https://alislami.net

تھی کہ اہل مکہ انہیں ان کے دین اور دین کے احکامات پر عمل کرنے سے بزور روکے ہوئے تھے، قریش ان کے اور شعائر اسلام کے درمیان دیوار بن کر کھڑے ہو گئے تھے، انہوں نے مسلمانوں کو عبادت کی لذتوں سے محروم کر رکھا تھا، قریش مکہ نے اپنے مقصد کے حصول کے لیے پہرے پر پہرے بٹھا رکھے تھے جس سے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ تر ہو گیا تھا۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ، ص:۲۶۸)

ظلم سے بچاؤ کی تدبیر: حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو مکہ میں بہت ستایا جانے لگا، دینی امور سے متعلق انہیں آزمائش میں مبتلا کر دیا گیا، ظاہری طور پر اس ظلم کو روکنے کی کوئی سبیل بھی دکھائی نہیں دیتی تھی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے غلاموں سے ارشاد فرمایا: حبشہ کی سرزمین پر ایک ایسے بادشاہ کی حکومت ہے کہ جس کی سلطنت میں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا ہے لہٰذا تم لوگ وہیں چلے جاؤ، یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں اس تنگی و تکلیف سے نکال کر کشادگی و آسانی عطا فرمائے۔ (تاریخ دمشق، ج:۲۷، ص:۱۲۱)

ہجرت: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے غلاموں کے لیے جائے پناہ کا انتخاب سرزمینِ حبشہ کے طور پر فرما چکے تھے اور غلامان باوفا ہجرت کا عزم محکم کر چکے تھے، اسی بیچ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنی زوجہ اور صحابۂ کرام کے ایک گروہ کے ساتھ ہجرت کرنے کی اجازت چاہی، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دل حزیں اور جان غمگیں کے ساتھ غلاموں کو ہجرت کی اجازت مرحمت فرمائی۔ گو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس گروہ ابرار و اطہار کو اجازت ارزانی فرمائی تھی لیکن یہ اجازت دینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر بڑا شاق تھا کیونکہ حضور کے دل کے ٹکڑے حضور سے جدا ہو رہے تھے، اپنے وطن عزیز کو خیر آباد کہہ کر ایک اجنبی سرزمین ارض حبشہ کا رخ کر رہے تھے، یہ گروہ ایک ایسی سرزمین کو چھوڑ رہا تھا جس کے سینے پر ان کے قابل رشک بچپن اور لائق قدر جوانی کے ان گنت نقوش ثبت تھے، یہ اپنوں کو چھوڑ کر

بیگانوں کا رخ کر رہے تھے، گل پوش راہوں کو چھوڑ کر خاردار وادیوں کے راہی بن رہے تھے، وہ بھی بغیر کسی جرم کا ارتکاب کیے ہوئے اگر انہوں نے کچھ کیا تھا تو بس اتنا کہ معبودان باطلہ کو چھوڑ دیا تھا اور کہا تھا تو اتنا کہ ہمارا رب صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہے، تو ان کے آقا کو ان کی ہجرت سے غم کیوں نہ ہوتا۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ، ص:۲۶۸)

وقت ہجرت رخصت کیا اور دعا سکھائی: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت بخشی بلکہ انہیں رخصت کرنے کے لیے کچھ دور تک حضور ان کے ساتھ ساتھ چلتے رہے پھر کچھ دعائیہ الفاظ سکھا کر انہیں الوداع کہا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: پڑھو! ''اللهم الطف لي في تيسير كل عسير فان تيسير كل عسير عليك يسير واسألك اليسر والمعافاة في الدنيا والأخرة'' اے اللہ! ہر پریشانی کو آسانی میں تبدیل فرما کر مجھ پر رحم فرما، ہر پریشانی کو آسان کر دینا تیرے لیے آسان ہے، اے اللہ! میں تجھ سے آسودگی، آسانی و فراخی مانگتا ہوں اور دنیا اور آخرت میں معافی کا طلب گار ہوں۔ (معجم الاوسط، حدیث نمبر:۱۲۵۰)

حبشہ کی طرف مسلمانوں کی ہجرت: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے حبشہ کی جانب ہجرت کی اجازت مل جانے کے بعد مسلمانوں نے ہجرت کا سلسلہ شروع فرمایا، اس سلسلے کی سب سے پہلی کڑی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، جنہوں نے اپنی زوجہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور تقریباً پندرہ افراد کے ساتھ ہجرت فرمائی، یہ ہجرت اعلان نبوت کے پانچویں سال رجب کے مہینے میں کی گئی تھی، مہاجرین حضرات رجب سے لے کر رمضان تک حبشہ میں ٹھہرے رہے پھر انہیں خبر ملی کہ اہل قریش اسلام لا چکے ہیں لہٰذا یہ حضرات مکۃ المکرمہ واپس آ گئے لیکن خبر باطل اور نری جھوٹی تھی، اس لیے یہ حضرات دوبارہ حبشہ روانہ ہو گئے، اس دوسرے مرحلے میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنی اہلیہ اسماء بنت عمیس اور دیگر صحابۂ کرام کے ساتھ ہجرت فرمائی اور کل ملا

کر مہاجرین حبشہ کا عدد ۸۲ / افراد تک پہنچ گیا۔ (الکامل فی التاریخ، ج:۱، ص:۵۹۸)

حبشہ بہترین پناہ گاہ: ستم رسیدہ، مظالم چشیدہ، بندگان خدا، غلامان رسول کا یہ مختصر سا قافلہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکردگی میں حبشہ پہنچ چکا تھا، شاہ حبشہ نجاشی نے ان اجنبی مسلمانوں کو اپنے صالح اور عادل نظام کی بدولت اپنی حفاظت میں لے لیا تھا، نجاشی نے نہ صرف یہ کہ ان مہاجرین کو حبشہ میں رہنے کی اجازت دی تھی بلکہ انہیں مکمل دینی وفکری آزادی بھی عنایت کی تھی، یہ گروہ بغیر کسی روک ٹوک کے اپنے مذہبی امور پر عمل پیرا ہونے کے لیے مکمل آزاد تھا، اسلام لانے کے بعد یہ پہلا موقع تھا جب انہیں عدل کی کھلی فضا میں سانس لینا میسر آیا تھا، یہاں آکر انہوں نے امن کا ذائقہ چکھا اور عبادت کی لذت سے شاد کام ہوئے، یہاں کوئی عبادت کے ذائقے کو کرکرا کرنے والا تھا نہ حلاوت ایمانی میں کڑواہٹ گھولنے والا۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ، ص:۲۶۹)

قریش کی مکاری اور حضرت جعفر کی حاضر جوابی: قریش مکہ کے کانوں تک جب یہ خبر پہنچی کہ مسلمان حبشہ میں سکون بھری زندگی بسر کر رہے ہیں، اپنے عقائد و نظریات اور دین پر عمل کرنے کے لیے مکمل آزاد ہیں بلکہ شاہ حبشہ کی رعایات وعنایات بھی انہیں حاصل ہوگئی ہیں تو حیران و پریشان ہوگئے، ان کی یہ پریشانی ان کی سرشت کے عین مطابق تھی کیونکہ انہیں سب سے زیادہ مزہ مسلمانوں کے پریشان ہونے سے ملتا تھا اور یہاں معاملہ بالکل الٹ گیا تھا، وہ فوراً سر جوڑ کر بیٹھے، مشورہ کیا اور اس بات پر بڑی سنجیدگی سے غور کیا کہ آخر مسلمانوں سے حبشہ میں حاصل راحت وسکون کیسے چھینا جائے، ظلم کی چکی میں دوبارہ پینے کا موقع کیسے ہاتھ آئے؟ آخر اس بات پر اہل مکہ متفق ہوئے کہ ان مہاجرین کو مکہ واپس لایا جائے اس کے لیے انہوں نے ایک منصوبہ تیار کیا تا کہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوجائیں اس منصوبے کو حضرت ام سلمہ کی زبانی سنتے ہیں، ہم قارئین کے سامنے ان کی وہ روایت پیش کر رہے ہیں جسے انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: ہم لوگ حبشہ پہنچے تو ہمیں وہاں بہترین امن میسر آیا، ہم اپنے دین سے متعلق مامون و مطمئن تھے، بغیر کسی دقت و پریشانی کے اپنے معبود حقیقی رب بحر و بر کی عبادت کا مزہ لے رہے تھے، تکلیف تو دور کوئی ناپسندیدہ بات بھی سننے میں نہیں آتی تھی لیکن جب یہ خبر قریش کو پہنچی تو انہوں نے باہمی مشورہ کر کے شاہ حبشہ نجاشی کی طرف اپنے دو قاصد روانہ کیے، دونوں قاصد زبان و بیان، فکر و خیال، مباحثہ اور قوت استدلال کے اعتبار سے قریش میں ممتاز خیال کیے جاتے تھے، ایک کا نام عمرو بن عاص تو دوسرے کا عبداللہ بن ربیعہ تھا۔ (بعض حضرات نے دوسرا نام عمارہ بن ولید بیان فرمایا ہے۔(حلیۃ الاولیاء)

قریش مکہ کا مقصد مہاجر مسلمانوں کو واپس مکہ لانا تھا، اس لیے ان قاصدوں کو خالی ہاتھ نہیں بھیجا گیا تھا بلکہ نجاشی اس کے ہم نشینوں اور نصاری کے مذہبی پیشواؤں کے لیے حجاز کے عمدہ تحفوں اور ہدایا کا شاندار انتظام کیا گیا تھا، ایسے تحفے جسے غیر حجازی لوگ قدر، پسند اور للچائی نظروں سے دیکھا کرتے تھے، ان دونوں کو یہ نصیحت بھی کی گئی تھی کہ شاہ حبشہ کے ملنے سے پہلے یہ لوگ اس کے ہم نشینوں اور تمام پادریوں سے ملاقات کر کے تحائف، نذرانے اور ہدایا پیش کر کے انہیں اس بات کے لیے آمادہ کریں کہ وہ بادشاہ کی بارگاہ میں ان کے مطلوب و مقصود پر ان کی سفارش کریں۔ قریش کے دونوں سفیر حبشہ پہنچے اور ہر پادری کو تلاش کر کے نذرانے و تحائف پیش کیے اور ہر ایک سے یہی عرضی لگائی ہمارے کچھ بے وقوف نوجوان اپنے آباو اجداد کے آبائی دین سے منحرف ہو کر بادشاہ کے قلمرو میں پناہ گزیں ہو گئے ہیں، انہوں نے اپنی قوم کے اتحاد کو پامال کیا ہے اور اپنی بدعقلی کی بنیاد پر اپنے ذی شعور، عقلمند، اہل خرد آباو اجداد سے ہٹ کر ایک نئے دین کو اختیار کر لیا ہے۔ خیال رہے وہ آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے ہیں، ظاہر ہے ان کی کوتاہ نگاہیں مذہبی امور میں ان کے دور بیں آباو اجداد کی برابری نہیں کر سکتیں، ان کے باپ دادا ہی بہتر سمجھتے ہیں کہ انہیں کیا اعتقاد رکھنا ہے اور کون سے دین کو اختیار کرنا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ بادشاہ

سلامت سے ان کے بارے میں گفتگو کریں اور انہیں واپس اپنے ملک لے جانے سے متعلق اپنے معروضات پیش کریں، اسی مقصد کے حصول کے لیے ہماری قوم نے ہمیں یہاں بھیجا ہے، آپ سے بس اتنی گزارش ہے کہ جب ہم بادشاہ کی بارگاہ میں ان سے متعلق گفتگو کریں تو آپ ہماری باتوں کی تائید فرمائیں۔ ان نوجوانوں سے ان کے دین کے معاملے میں کوئی بات سنے بغیر انہیں ہمارے سپرد کر دینے کا مشورہ شاہ حبشہ کے سامنے رکھیں، تمام پادریوں نے دونوں سفیروں کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے اپنی رضامندی ظاہر کر دی۔

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ عمرو بن عاص اور ان کے ساتھی کو اس وقت سب سے زیادہ ناپسندیدہ بات یہ تھی کہ شاہ حبشہ دین کے معاملے میں ہم مسلمانوں سے کوئی بات کرے۔ اہل مکہ کے فرستادہ دونوں قاصد جب بادشاہ کے ہم نشینوں اور پادریوں سے متعلق مطمئن ہو چکے تو نجاشی سے ملاقات کا قصد کیا چنانچہ شاہ حبشہ کے دربار میں پہنچے، پوری عزت و تکریم کے ساتھ بادشاہ سے ملاقات کی، نذرانے اور تحائف پیش کیے، بادشاہ نے حجاز کے گراں قدر تحائف کو پسند کی نظر سے دیکھا اور قبول کیا، سلسلہ گفتگو کا آغاز ہوا، قریش کے دونوں سفیروں نے اپنا مقصد بادشاہ کے حضور پیش کیا، سفیروں نے کہا: بادشاہ سلامت! ہمارے چند بدمعاش، بے وقوف قسم کے نوجوانوں نے حضور کے دارالسلطنت میں پناہ لے رکھی ہے، انہوں نے ایسے دین کو اختیار کیا ہے نہ اسے آپ پہچانتے ہیں اور نہ ہم جانتے ہیں، یہ نوجوان ہمارے دین کو ترک کر چکے ہیں اور آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے ہیں، ان بے وقوفوں کے معزز ترین، عالی دماغ آبا و اجداد، چچا تاؤ اور کنبے قبیلے والوں نے ہمیں بادشاہ سلامت کی بارگاہ میں بھیجا ہے تا کہ آپ انہیں ان کی طرف واپس لوٹا دیں، اس میں شک نہیں کہ ان کے باپ دادا اور خاندان والے ان سے متعلق بہتر جانتے ہیں اور جس فتنے میں یہ مبتلا ہو گئے ہیں، وہ اس فتنے کو بھی اچھے طریقے سے پہچانتے ہیں، اتنا جتنا یہ بیوقوف نہیں جانتے۔

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں بادشاہ کے پاس جو پادری موجود تھے ان سب نے

دونوں قاصدوں کی تصدیق کرتے ہوئے کہا: عالی جاہ! بے شک یہ دونوں صحیح کہہ رہے ہیں کہ ان کی قوم ہی ان کے بارے میں بہتر جانتی ہے اور وہی ان کا فیصلہ کرنے کی زیادہ مستحق ہے، لہٰذا آپ ان نوجوانوں کو ان دونوں کے سپرد فرمادیں تاکہ یہ لوگ انہیں اپنے ملک لے جا کر قوم سے ملا دیں پھر وہ جو مناسب سمجھیں فیصلہ فرمائیں۔ یہ سن کر بادشاہ شدید غضب ناک ہوگیا، اس نے کہا: نہیں، خدا کی قسم! میں بغیر ان سے بات کیے انہیں ان کے سپرد ہرگز نہیں کروں گا، ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ جن لوگوں نے سب کو چھوڑ کر میرے ملک کو اختیار کیا، میں حقیقت حال جانے بغیر انہیں کسی کے سپرد کردوں؟ میں پہلے انہیں بلاؤں گا، جو الزام ان پر لگائے جارہے ہیں ان کی تحقیق کروں گا، اگر حقیقت یہی ہوگی جو یہ دونوں قریشی کہہ رہے ہیں تو میں ان نوجوانوں کو ان کے حوالے کردوں گا، بصورت دیگر میں ان کی حفاظت کروں گا جب تک وہ میری پناہ چاہیں گے میں انھیں پناہ فراہم کروں گا۔ حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں: پھر شاہ حبشہ نے اپنی ملاقات کے لیے ہمیں طلب کیا، ہم سب لوگوں نے بادشاہ کے دربار میں پہنچنے سے پہلے مشورہ کیا تو طے پایا کہ عنقریب بادشاہ تم سے تمہارے دین و ایمان کے بارے میں سوال کرے گا لہٰذا ہمیں اپنے دین و ایمان کے بارے میں علی الاعلان وہی سب کچھ کہنا ہے جو ہمارے علم میں ہے اور جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے، نتیجہ خواہ کچھ بھی ہو اور ہم سب کی نمائندگی حضرت جعفر بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کریں گے اور وہی بادشاہ سے کلام کریں گے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: پھر ہم لوگ نجاشی کی بارگاہ میں پہنچے، ہم نے وہاں دیکھا کہ بادشاہ نے پہلے سے ہی اپنے پادریوں کو بلا رکھا ہے، بادشاہ کے دائیں اور بائیں انہوں نے اپنی اپنی نشستیں سنبھال رکھی تھیں، وہ سب کے سب اپنی خاص مذہبی پوشاک میں ملبوس تھے اور سر ٹوپیوں سے ڈھکے ہوئے تھے، ان کی دینی کتابیں ان کے سامنے رکھی ہوئی تھیں، مجلس میں عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ بھی موجود تھے۔ جب ہم داخل ہوچکے اور مجلس جم گئی تو نجاشی نے ہماری طرف متوجہ ہوتے ہوئے پوچھا: وہ کونسا نیا

https://alislami.net

دین ہے جس کو تم نے اپنایا ہے، جس کی وجہ سے تم نے اپنی قوم کے قدیم دین کو چھوڑ دیا ہے، موجودہ ملتوں میں سے نہ تم نے یہودیت کو اختیار کیا ہے اور نہ ہی ہمارے دین کو، آخر تمہارا دین کیا ہے مجھے اس کے بارے میں بتاؤ؟ نجاشی کی گفتگو سن کر حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا: اے بادشاہ! ہم جاہلیت کی زندگی گزار رہے تھے، بتوں کی پوجا کرتے، مردار کھاتے، بے حیائی کے کام کرتے، رشتے داریاں توڑتے، پڑوسیوں سے برا سلوک کرتے، ہمارا طاقتور کمزور کو ستارہا تھا، ہمارا یہی حال تھا یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جس کے حسب، نسب، سچائی، امانتداری اور پاکدامنی سے ہم بخوبی واقف ہیں، انہوں نے ہمیں خدائے واحد کی توحید پرستی اور عبادت گزاری کی دعوت دی اور یہ کہ ہم ان بتوں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہم اور ہمارے باپ دادا کرتے تھے، ہمیں سچ بولنے، رشتہ جوڑنے، امانت ادا کرنے، پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے، حرام کاموں سے رکنے اور قتل وخوں ریزی سے باز آنے کا حکم دیا، فحش بات بکنے، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے اور پاک باز عورتوں کو تہمت لگانے سے منع فرمایا۔ اس نبی مبعوث نے ہمیں وحدہٗ لاشریک کی بندگی کرنے اور اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرنے کا حکم دیا، انہوں نے ہمیں نماز وزکوۃ ادا کرنے اور روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں: حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بادشاہ کے سامنے اسلام کے امور کو پیش کرتے ہوئے فرمایا: بادشاہ سلامت! ان تمام باتوں میں ہم نے اپنے نبی کی تصدیق کی ان پر ایمان لائے اور جو احکام وہ اللہ کی طرف سے لے کر آئے اس میں ہم نے ان کی تابعداری کی، ہم نے صرف ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت شروع کردی، شرک کو یکسر چھوڑ دیا، جس چیز کو انہوں نے حرام کیا ہم نے اس کو حرام جانا، جس کو حلال کیا ہم نے اس کو حلال مانا، بس پھر کیا تھا ہماری قوم ہم پر ٹوٹ پڑی، ہمیں قسم قسم کے عذابوں میں مبتلا کردیا تاکہ ہمیں ہمارے دین اور ہمارے خدا کی عبادت سے پھیر کر بتوں کی عبادت پر لگادیں اور ہم خبیث اور حرام چیزوں کو پہلے ہی کی طرح حلال سمجھنے لگیں۔ اے بادشاہ! جب

ان کے مظالم اور زیادتیاں حد سے بڑھ گئیں، زمین ہم پر تنگ ہوگئی یہ لوگ ہمارے اور دین کے درمیان دیوار بن کر کھڑے ہوگئے تو ہم آپ کے ملک میں ہجرت کر کے آ بسے، سب کو چھوڑ کر ہم نے آپ کے سایۂ امان کو اختیار کیا، اس امید پر کہ آپ کے ہوتے ہوئے ہم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں: یہ سن کر نجاشی نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: کیا تمہارے پاس اس کلام میں سے کچھ موجود ہے جو تمہارے نبی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے؟ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اثبات میں جواب دیا، نجاشی نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تلاوت کرنے کا حکم دیا تو حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۂ مریم کی ابتدا سے چند آیات پڑھ کر سنائیں، یہ قرآن کریم کی اثر آفرینی کا کرشمہ تھا کہ تلاوت سن کر بادشاہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، یہاں تک کہ اس کی داڑھی تر ہوگئی، دربار میں موجود تمام پادری بھی اس قدر روئے کہ ان کے سامنے رکھے ہوئے مذہبی مصاحف ان کے آنسوؤں سے بھیگ گئے، پھر نجاشی نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: بے شک یہ کلام اور حضرت عیسیٰ (بعض روایات میں حضرت موسیٰ) کا لایا ہوا کلام ایک ہی چراغ سے نکلی ہوئی روشنیاں ہیں۔ اس کے بعد بادشاہ عمرو بن العاص اور ان کے ساتھی کی طرف متوجہ ہوا اور فرمایا: نہیں، خدا کی قسم! میں ان لوگوں کو ہرگز تمہارے سپرد نہیں کروں گا، جاؤ اپنا کام کرو۔

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں ان کا داؤ فیل ہو چکا تھا دونوں ذلت وخواری کے ساتھ دربار سے باہر نکل گئے، دربار برخاست ہو چکا تھا، دونوں فریق باہر نکل رہے تھے کہ عمرو بن عاص نے ہمیں دھمکاتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا: خدا کی قسم! میں کل پھر بادشاہ کے دربار میں حاضری دونگا، ان لوگوں سے متعلق بادشاہ کو وہ باتیں بتاؤں گا جس سے بادشاہ کا سینہ غیظ وغضب سے بھر جائے گا، اس کے دل میں ان کے لیے سوائے کراہت ونفرت کے اور کچھ نہ ہوگا، پھر میں بادشاہ کو اس کے لیے تیار کروں گا کہ وہ ان کی جڑیں کاٹ دے اور

نام و نشان مٹا دے، اپنے ساتھی کی بات سن کر عبداللہ بن ربیعہ نے کہا: اے عمرو! ایسا مت کرو کچھ بھی سہی آخر یہ ہمارے خاندانی اور رشتہ دار ہیں اگر چہ انہوں نے دین کے معاملے میں ہماری مخالفت کی ہے، عمرو نے جواباً کہا: عبداللہ یہ باتیں چھوڑ و اور کل کا انتظار کرو جب کل بھرے دربار میں میری کہی گئی باتوں سے ان کے قدم لرز رہے ہوں گے، خدا کی قسم! میں بادشاہ کو بتاؤں گا یہ وہ لوگ ہیں جو حضرت عیسیٰ بن مریم سے متعلق خدا کا بندہ ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔

دوسرے دن عمرو اپنے ساتھی کے ساتھ بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا اور بیان کرنا شروع کیا، اے بادشاہ! یہ لوگ جن کو آپ نے پناہ دے رکھی ہے اور جن کی حفاظت کا بیڑا اٹھا رکھا ہے، یہ لوگ حضرت عیسیٰ بن مریم کے بارے میں بہت بھاری بات کہتے ہیں، انہیں بلا کر حضرت عیسیٰ کے بارے میں ان کا عقیدہ معلوم کیجئے۔ حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں: جب ہمیں اس بات کا علم ہوا تو ہم پر ناقابل بیان رنج وغم طاری ہو گیا، اتنا غم اس سے پہلے ہم نے کبھی برداشت نہ کیا تھا، ہم نے باہم مشورہ کیا کہ اب ہم لوگ حضرت عیسی سے متعلق سوال کے جواب میں کیا کہیں گے؟ کیونکہ ہمیں معلوم تھا کہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا مانتے ہوئے ان کی عبادت کرتے ہیں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے قرآن نے انہیں خدا کا بندہ فرمایا ہے، بے شک یہی حق اور سچ ہے عیسائیوں کا عقیدہ باطل اور غلط ہے۔ یہ ایک بہت ہی سخت مقام اور پیچیدہ راستہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہم سب لوگ اس بات پر متفق ہوئے کہ ہمیں حضرت عیسیٰ کے بارے میں وہی سب کچھ کہنا ہے جو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خبر دی ہے، اللہ کے فرمان سے ہم بال کے برابر بھی ادھر سے ادھر نہیں ہو سکتے اس کے نتیجے میں چاہے کچھ بھی کیوں نہ ہو جائے۔ اس بار بھی ہم سب لوگ اس پر متفق تھے کہ سب کی ترجمانی حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمائیں گے، باقی سب لوگ خاموش رہیں۔

ہمیں پھر دربار میں طلب کیا گیا سارے مہاجرین طلبی کے مطابق حاضر ہو گئے،

دربار میں پہنچے تو وہی پہلے والا منظر نظر آیا، جس کا مشاہدہ ہم اس سے پہلے بھی کر چکے تھے، پادری اپنی اپنی جگہ حسب سابق بیٹھے ہوئے تھے، عمرو بن عاص بھی اپنے معاون کے ساتھ دربار میں موجود تھا، ہمیں دیکھتے ہی بادشاہ نے سوال کیا: حضرت عیسیٰ بن مریم سے متعلق تمہارا عقیدہ کیا ہے؟ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواباً فرمایا: ہم ان کے بارے میں وہی مانتے ہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں ہمیں خبر دی ہے، بادشاہ نے کہا: آپ کو ان کے متعلق کیا بتایا گیا ہے؟ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ان سے متعلق ہمارے نبی کا فرمان ہے ''انه عبدالله ورسوله'' حضرت عیسی علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اس کی تخلیق کردہ روح اور ایسا کلمہ ہیں جس کا القا اللہ تبارک وتعالیٰ نے کنواری پاک باز مریم کی طرف فرمایا۔

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب سننے کے بعد نجاشی نے پر جوش انداز میں اپنا ہاتھ زمین پر مارا اور فرمایا: خدا کی قسم! جو تمہارے نبی نے بتایا ہے حضرت عیسی بن مریم ایک بال کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں۔ نجاشی کی یہ بات پاس میں بیٹھے پادریوں کو اتنی بری لگی کہ ان کی ناک بھوؤں چڑھ گئیں ناک سے ناپسندیدگی کے خراٹے نکلنے لگے، نجاشی نے پادریوں کی یہ حالت دیکھ کر فرمایا: حقیقت یہی ہے اگر چہ تم سب نتھنے پھلاتے رہو۔ پھر بادشاہ نے ہم سے فرمایا: تم لوگ جاؤ اور میرے ملک میں امن وامان کے ساتھ رہو، جو تمہیں برا کہے گا جرمانہ بھرے گا، جو چھیڑ چھاڑ کرے گا سزا پائے گا، نجاشی نے یہ جملے تین مرتبہ فرمائے، پھر کہا: خدا کی قسم! تمہیں سزا دلانے کے لیے مجھے کوئی پہاڑ برابر سونا بھی پیش کرے گا تو میں اسے قبول نہیں کروں گا اور فرمایا: ان دونوں نے جو تحفے دربار میں پیش کیے تھے وہ سب انہیں واپس کر دیے جائیں، مجھے ایسے تحائف کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: یہ سن کر عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ شکست خوردہ ذلیل ورسوا ہو کر دربار سے باہر نکل گئے حال یہ تھا کہ ذلت وخواری ان کے چہروں سے ٹپک رہی تھی اور ہمیں الحمدللہ نجاشی کے پاس بہترین ٹھکانہ اور عزت واکرام

کے ساتھ رہنا میسر آیا تھا۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ، ص:۲۷۵، سیرۃ ابن ہشام، ج:۱، ص:۳۳۸، السیرۃ النبویہ لابن اسحاق، ج:۱، ص:۲۵۰، تاریخ دمشق، ج:۲۷، ص:۱۲۳، مسند احمد، حدیث نمبر:۲۲۴۹۸)

قارئین کرام! اگر اس طویل تاریخی اقتباس پر غور کریں گے تو دو باتیں کھلے طور پر سامنے آئیں گی ایک تو یہ کہ مسلمانوں نے اس پورے واقعے میں یہ جانتے ہوئے کہ وہ نصاریٰ کے عقیدے کے سراسر خلاف باتیں کرنے جا رہے ہیں، کہیں بھی مکر وفریب یا جھوٹ کی آمیزش نہیں کی بلکہ اتنے سنگین حالات میں بھی انہوں نے سچائی اور حق گوئی کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیا، انہیں اللہ تبارک وتعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو سچا علم حاصل تھا اس پر آخری دم تک قائم رہے۔ دیگر یہ کہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان کی متانت، سلاست، سنجیدگی، حق گوئی، بے باکی اور ان کی حاضر جوابی نے نجاشی کو متاثر کیا اور بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں پر رحمت وسکینہ نازل کرتے ہوئے انہیں کھلم کھلا فتح نصیب فرمائی۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

احسان کا بدلہ احسان: شاہ حبشہ نجاشی نے مسلمانوں کے ساتھ کمال حسن سلوک پیش کیا تھا، جس سے مسلمانوں کے دلوں میں نجاشی کی محبت گھر کر گئی تھی، پھر اچانک ہوا یہ کہ ایک شخص نے نجاشی کے خلاف بغاوت کر دی اور نجاشی پر چڑھائی کر دی، جب مسلمانوں کو اس بات کا پتا چلا تو شدید رنج وغم کا شکار ہو گئے کیونکہ اگر فریق مخالف فتح یاب ہو جاتا تو مسلمان اپنے محسن کے احسان سے محروم ہو جاتے اور پھر یہ دوسرا نہ جانے مسلمانوں کے ساتھ کیسا سلوک کرتا۔ اس پیش آئند خطرے اور جذبۂ احسان شناسی کے تحت مسلمانوں نے نجاشی کے لیے دل کھول کر گڑگڑا کر بارگاہ رب العالمین میں دعائیں کیں اور نجاشی کی فتح کے لیے اللہ پاک سے مدد طلب کی، جب نجاشی کا اپنے مخالف سے مقابلہ ہونے والا تھا تو مسلمانوں نے نتیجے کی خبر لانے کا انتظام کیا، باہمی مشورہ ہوا کہ کون جائے گا، موقع واردات

پر جا کر دیکھے گا اور جنگ کے نتیجے سے مسلمانوں کو خبردار کرے گا؟ سب سے کمسن ہونے کے باوجود یہ ذمہ داری حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبول فرمائی، ایک مشک کے سہارے دریائے نیل کو پار کر کے حضرت زبیر جنگی محاذ پر پہنچے، پورا منظر دیکھا، اللہ تعالیٰ کا کرم مسلمانوں کی دعاؤں کی برکت سے نجاشی کو فتح میسر آئی، حضرت زبیر نے آکر مسلمانوں کو یہ بشارت جاں فزا سنائی جسے سن کر مارے خوشی کے مسلمانوں کے سینے چوڑے ہو گئے۔ (السیرۃ النبویہ، لابن اسحاق، ج:۱ص:۲۵۰، سیرت ابن ہشام، ج:۱ص:۳۳۸)

حضرت جعفر کے ہاتھ پر نجاشی کا ایمان: حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صرف یہی شرف حاصل نہیں کہ انہوں نے اپنی خداداد صلاحیت کے ذریعے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کو خطرے میں پڑنے سے بچا لیا تھا بلکہ انہیں عزت و وقار اور امن و امان کے ساتھ حبشہ میں رہائش کا موقع بھی میسر آیا تھا، اس کے ساتھ ساتھ اسلام کے لیے ان کی ایک بڑی خدمت یہ بھی رہی کہ شاہ حبشہ نجاشی ان کے دست حق پرست پر ایمان بھی لے آیا، اس کا انکشاف خود نجاشی نے اپنے اس خط میں کیا تھا جو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب بھیجا تھا، اس کی تفصیل علامہ بدرالدین عینی نے امام ابن سعد کے حوالے سے کچھ اس طرح لکھی ہے:

چھ ہجری میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شاہ حبشہ نجاشی کی طرف اپنے قاصد حضرت عمرو بن امیہ الضمری کو اپنا خط لے کر روانہ فرمایا، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کو اسلام کی دعوت دی تھی، نجاشی کو جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط ملا اس نے خط کو ہاتھ میں لیا، چوم کر آنکھوں سے لگایا، خط کے احترام میں بادشاہ تخت شاہی سے اتر کر فرش زمین پر آ بیٹھا، حضور کے فرمان پر عمل کرتے ہوئے بادشاہ نے اسلام کا کلمہ پڑھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جوابی خط ارسال کیا، اس میں تحریر کیا کہ وہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر چکا ہے۔ (عمدۃ القاری، کتاب الجنائز باب الرجل ینعیٰ الی اہل المیت بنفسہ، نخب الافکار فی تنقیح مبانی الاخبار فی شرح معانی الاثار للعینی کتاب الجنائز باب التکبیر علی الجنازہ کم ھو)

https://alislami.net

علامہ نووی تحریر فرماتے ہیں: حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے ساتھی نجاشی کے اسلام لانے کا سبب بنے۔ (تہذیب الاسماء واللغات، ج:۱، ص:۱۴۸)

امام ابن سعد تحریر فرماتے ہیں: نجاشی نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خط کو اپنی آنکھوں پر رکھا اور ادباً اپنے تخت سے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا پھر حق کی شہادت دی (کلمہ شہادت پڑھا) اور کہا: اگر میں استطاعت پاتا تو خدمت اقدس میں ضرور حاضری دیتا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خط تحریر کیا جس میں لکھا میں نے حضور کی بات کو قبول کرلیا ہے، میں دل سے آپ کی تصدیق کرتا ہوں اور میں حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر چکا ہوں۔ (طبقات، ج:۱، ص:۲۲۲)

نجاشی نے حضور کا نکاح ام حبیبہ سے کیا: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نجاشی کو ایک خط اور لکھا تھا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نکاح حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان سے کر دے۔ ام حبیبہ اپنے شوہر عبید اللہ بن جحش کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ آئی تھیں لیکن عبید اللہ بن جحش بدبختی سے حبشہ میں نصرانی ہو کر مر گیا، نجاشی نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ام حبیبہ کے پاس اپنی باندی ابرہہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پیغام نکاح لے کر بھیجا کہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نکاح ان کے وکیل کی حیثیت سے تمہارے ساتھ کرنا چاہتا ہوں لہٰذا تم اپنا وکیل میرے پاس بھیج دو، ام حبیبہ نے خالد بن سعید کو اپنا وکیل منتخب کر کے نجاشی کے پاس بھیج دیا۔

نجاشی نے حضور کے نکاح کا خطبہ پڑھا: شام کے وقت محفل نکاح کا انعقاد ہوا، نجاشی نے خطبہ نکاح پڑھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دی پھر وکالت کے فرائض انجام دیتے ہوئے کہا: بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نکاح ام حبیبہ کے ساتھ کر دوں، لہٰذا میں نے ام حبیبہ کا نکاح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کر دیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب سے مہر کے چار سو دینار بھی میں نے ام

حبیبہ کو ادا کر دیے ہیں۔ دوسری طرف سے خالد نے جوابی خطبہ پڑھتے ہوئے کہا: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق میں نے اپنی مؤکلہ ام حبیبہ کا نکاح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کر دیا پھر جو دینار نجاشی نے ام حبیبہ کے مہر کے طور پر دیے تھے خالد نے ام حبیبہ کی طرف سے ان پر قبضہ کر لیا، محفل نکاح میں حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حبشہ میں موجود تمام مسلمان حاضر تھے۔ اس کے بعد شاہ حبشہ نے اس نکاح کی خوشی میں ان لوگوں کے لیے ایک شاندار دعوت کا انتظام کیا۔ (الاصابۃ، ج:۸،ص: ۸۴،طبقات ابن سعد، ج:۱، ص: ۲۲۳، المستدرک للحاکم، ج: ۴،ص: ۲۲)

حضور کے خطوط کو نجاشی نے محفوظ کر دیا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے خط میں نجاشی کو یہ بھی لکھا تھا کہ جو مسلمان حبشہ میں مقیم ہیں، وہ انہیں مدینۂ منورہ روانہ کر دے، لہٰذا اس حکم پر عمل کرتے ہوئے نجاشی نے مسلمانوں کے لیے سفر کے عمدہ انتظامات کیے اور انہیں دو کشتیوں پر سوار کر کے سوئے مدینۂ طیبہ روانہ کیا پھر بادشاہ نے ہاتھی کے دانت کی ایک ڈبی منگائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں خط ادب و احترام کے ساتھ محفوظ کر دیے اور سامعین سے فرمایا: اہل حبشہ اس وقت تک بھلائی پر قائم رہیں گے جب تک یہ دونوں خط ان کے درمیان موجود رہیں گے۔ (طبقات ابن سعد، ج:۱،ص: ۲۲۳)

حضور نے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی: مذکورہ سطور میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ نجاشی نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مبارک ہاتھ پر اسلام قبول کیا، اسلام قبول کرنا نجاشی کی بڑی سعادت مندی تھی۔ یہ ایسی سعادت ہے جو ان گنت سعادتوں کو جامع ہے لیکن ان کو بطور خاص ایک سعادت اور میسر آئی کہ جب ان کا انتقال ہوا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی (بظاہر) غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی۔ (حقیقت میں انکا جنازہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے تھا)

بخاری شریف میں ہے جس دن نجاشی کا انتقال ہوا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: آج ایک مرد صالح کا انتقال ہو گیا ہے، کھڑے ہو جاؤ اور اپنے بھائی اصحمہ کی نماز

جنازہ پڑھو۔(نجاشی شاہ حبشہ کا لقب تھا اور اس کا اصلی نام اصحمہ تھا)

دوسری حدیث میں ہے جس دن نجاشی کا انتقال ہوا، اسی دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نجاشی کی وفات کی خبر اپنے صحابہ کو دے دی اور فرمایا: اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو۔ ایک اور حدیث پاک میں ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابۂ کرام کے ساتھ نجاشی کی نماز جنازہ پڑھنے کے لیے نکلے صف بندی کی گئی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نجاشی کی نماز جنازہ میں چار تکبیر کہیں۔(صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب التکبیر علی الجنازہ، کتاب المناقب باب موت النجاشی)

تقریباً انہیں الفاظ کے ساتھ مسلم شریف میں بھی یہ احادیث موجود ہیں، ابوداؤد شریف میں حضرت عائشہ سے مروی حدیث میں ہے: جب نجاشی کا انتقال ہوا تو ہم لوگ ذکر کرتے تھے نجاشی کی قبر پر مسلسل نور دکھائی دیتا رہا۔(سنن ابی داؤد کتاب الجہاد باب في النور یرہ عند قبر الشهيد)

اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری مرقات میں فرماتے ہیں ''ہم لوگ آپس میں تذکرہ کرتے تھے کہ حضرت نجاشی کی قبر پر مسلسل نور دکھائی دیتا رہا یعنی ہم میں یہ بات مشہور تھی اور ان لوگوں کی طرف سے بیان کی گئی، جنہوں نے ہم میں سے اس نور کو دیکھا تھا، یہ شہرت متواتر کے قریب تھی''۔(مرقات، کتاب الفضائل باب الکرامات)

سورۂ آل عمران کی آیت کریمہ ''وَاِنَّ مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَمَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ'' اور بے شک کچھ کتابی ایسے ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور اس پر جو تمہاری طرف نازل کیا گیا۔(آیت:۱۹۹)

اس آیت کریمہ کا شان نزول بیان کرتے ہوئے مفسرین بیان فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ شاہ حبشہ نجاشی کے بارے میں نازل ہوئی تھی، ان کا نام اصحمہ تھا، ان کی وفات پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے غلاموں سے فرمایا: چلو اور اپنے بھائی کی نماز جنازہ پڑھو جس کی دوسرے ملک میں وفات ہوئی ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنت البقیع تشریف لے گئے حبشہ کی سر زمین آپ کی نگاہوں کے سامنے کر دی گئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نجاشی کے جنازے کو دیکھ

https://alislami.net

رہے تھے پھر آپ نے نماز جنازہ پڑھی نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہیں اور ان کے لیے استغفار کیا۔ اس پر بعض منافقین نے اعتراض کیا دیکھو محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک ایسے نصرانی کی نماز جنازہ پڑھ رہے ہیں جس کو نہ انہوں نے دیکھا ہے اور نہ ہی وہ ان کے دین پر ہے۔ تب اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

(تفسیر خازن، تفسیر قرطبي، سورہ آل عمران، آیت:۱۹۹)

امام ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ نجاشی کا نام اصحمہ تھا جس کا معنی عربی میں عطیہ ہوتا ہے، نجاشی حبشہ کے بادشاہوں کا لقب ہوتا تھا جیسا کہ فارس کے بادشاہ کو کسریٰ اور روم کے بادشاہ کو قیصر کہا جاتا ہے۔ امام ابن اسحاق نے اس مقام پر وہ تمام روایتیں ذکر کی ہیں جن کو ابھی آپ پڑھ آئے ہیں۔ (السیرۃ النبویہ لابن اسحاق، ج:۱، ص:۲۵۳)

ایک شبہ کا جواب: مسلم شریف کتاب الجہاد والسیر میں ایک روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسریٰ، قیصر اور نجاشی کو اللہ کی طرف بلانے (دعوت اسلام) کے لیے خط لکھا اور یہ وہ نجاشی نہیں ہے جس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھی ہے۔

اس روایت میں اور ہمارے ذکر کردہ دلائل میں بظاہر تعارض دکھائی دیتا ہے، کیونکہ ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ وہی نجاشی ہیں جن کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعوت حق کا خط بھی لکھا ہے اور ان کی نماز جنازہ بھی پڑھی ہے۔ اس اعتراض کا جواب علامہ عینی نے اپنے ان الفاظ کے ذریعے دیا ہے ''کانه وهم من بعض الرواة'' صحیح مسلم کا یہ جملہ ''وليس بالنجاشي الذى صلى عليه النبى صلى الله عليه وسلم'' یہ وہ نجاشی نہیں جس کی نماز جنازہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پڑھی تھی، بعض راویوں کا وہم ہے۔

دوسرا جواب علامہ عینی نے یہ دیا: یہ روایت اس بات پر محمول ہے کہ جب نجاشی (اول) کا انتقال ہو گیا تو ان کی جگہ دوسرا نجاشی بادشاہ بنا اور اس کی طرف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (دوسرا) خط لکھا، اس دوسرے نجاشی کی نماز جنازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پڑھی۔ (عمدۃ القاری، کتاب الجنائز باب الرجل، ینعیٰ الی اہل المیت بنفسہ، نخب الافکار في تنقیح مباني

الاخبار فی شرح معانی الاثار کتاب الجنائز)

علامہ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک خط اس نجاشی کو لکھا جس کی نماز جنازہ آپ نے پڑھی اور ایک خط اس نجاشی کو لکھا جو نجاشی اول کے بعد بادشاہ بنا تو یہ دوسرا خط پہلے نجاشی کے بعد میں لکھا گیا۔ نجاشی اول وہ ہے جن کی نماز جنازہ حضور نے پڑھی ہے اور انہیں خط بھی لکھا ہے۔ (مرقاۃ، کتاب الجنائز، باب المشی بالجنازۃ)

علامہ ابن ملقن نے اپنی شرح میں بھی یہی جوابات نقل فرمائے ہیں۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح کتاب الجنائز، باب الرجل ینعیٰ الی اہل المیت) **غائبانہ نماز جنازہ:** حضرت نجاشی کا انتقال حبشہ میں ہوا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے ساتھ ان کی نماز جنازہ مدینۂ منورہ میں ادا فرمائی، اس سے بظاہر ایسا لگتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی، حالانکہ ہمارے مذہب میں غائبانہ نماز جنازہ درست نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی (جیسے بہت ساری چیزیں حضور صلی اللہ تعالیٰ سلم کے ساتھ خاص ہیں دوسروں کو اس کی اجازت نہیں ہوتی ایسے ہی نجاشی کی نماز جنازہ کا معاملہ ہے) علامہ زرقانی فرماتے ہیں: ''**ودلائل الخصوصية واضحة**'' خصوصیت کے دلائل واضح ہیں اس میں کوئی غیر حضور کا شریک نہیں ہوسکتا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ نجاشی کا جنازہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظروں کے سامنے کر دیا گیا تھا، تو اب جنازہ غائب نہ رہا بلکہ حاضر رہا، یہ ایسے ہی ہو گیا جیسے کہ امام جنازے کو دیکھ رہا ہو اور مقتدی کی نظر جنازے تک نہ پہنچ رہی ہو، اس طرح کی نماز جنازہ میں کسی کو کوئی کلام نہیں لہٰذا نجاشی کی نماز جنازہ بھی اسی قبیل سے ہے کہ جنازہ امام الانبیاء کی نظروں کے سامنے رکھا تھا اگرچہ صحابۂ کرام کو نظر نہیں آ رہا تھا۔

(شرح الزرقانی علی المؤطا، کتاب الجنائز باب التکبیر علی الجنائز)

حضرت جعفر کی حبشہ سے روانگی: نجاشی اور اس کی حکومت کے زیر سایہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی اہلیہ کے ساتھ پر سکون اور قابل اطمینان دس سال

https://alislami.net

کا طویل عرصہ گزارا، جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نجاشی کی طرف خط لکھا تو اس میں یہ بات بھی تحریر فرمائی: ''تمہارے پاس جو مسلمان ہجرت کر کے آئے تھے ان سب کو میرے پاس مدینۂ طیبہ روانہ کردو'' ادھر حبشہ میں موجود مسلمانوں کو بھی اس بات کا علم ہو چکا تھا کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینۂ طیبہ تشریف لے آئے ہیں، حالات بہتر ہیں اور مسلمان شان وشوکت کے ساتھ جی رہے ہیں تو انہوں نے بھی نجاشی سے اس بات کی درخواست کی کہ وہ انہیں مدینۂ پاک بھیجنے کا انتظام فرمادیں۔ نجاشی نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کرتے ہوئے مسلمانوں کو سمندری راستے سے بھیجنے کا نہ صرف انتظام فرمایا بلکہ ان کے لیے توشۂ سفر کا اہتمام بھی کیا۔

(ذخائر العقبیٰ، ص: ۳۴۷، سبل الہدیٰ والرشاد، ج: ۱۲، ص: ۳۶۹، صور من حیاۃ الصحابۃ، ص: ۲۷۵)

حضرت جعفر کی مدینہ آمد پر حضور کی خوشی: ہجرت کے ساتویں سال حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیس اور دیگر مسلمانوں کے ساتھ حبشہ سے سفر کر کے مدینۂ طیبہ پہنچے، یہ وہ زمانہ تھا جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے غلاموں کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے خیبر کی فتح نصیب فرمائی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خیبر سے پلٹ کر مدینۂ طیبہ پہنچے ہی تھے کہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بارگاہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے، حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مدینۂ پاک حاضر ہونے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دل جذبات فرح وسرور سے لبریز ہو گیا، جس وقت حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے، وہ وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے بڑا خوش کن تھا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھتے ہی اپنے سینے سے لگا لیا اور دونوں آنکھوں کے بیچ بوسہ دیا اور پھر جذبات محبت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ''ما ادری بایھما اشد فرحاً بقدوم جعفر او بفتح خیبر'' ''نہیں معلوم کہ مجھے کس چیز کی زیادہ خوشی ہے خیبر کی فتح کی یا جعفر کے آنے کی۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ، ص: ۲۷۶، ذخائر العقبیٰ، ص: ۳۵۴)

حضور کی زیارت پر حضرت جعفر کا انداز: پچھلے اقتباس سے آپ کو اس بات کا اندازہ بخوبی ہو گیا ہوگا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنے سے کتنا خوش ہوئے تھے۔ قلعہ خیبر کی فتح کوئی معمولی بات تو نہ تھی، حق و باطل کے کسی بھی معرکے میں جب مسلمانوں کو فتح میسر آتی ہے تو قائد کو میسر آنے والی خوشی کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا اگر چہ وہ معرکہ اپنے آپ میں چھوٹا ہی ہو۔ خیبر تو بڑے معرکوں میں سے ایک ہے، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو اس فتح سے کتنی خوشی ہوئی ہوگی، اب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمانا ''نہیں معلوم کہ خیبر کے فتح ہونے کی خوشی زیادہ ہے یا جعفر کے آنے کی'' اس سے صاف طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے پائے جانے والے جذبات محبت کا پتہ چلتا ہے۔ غلام کے آنے پر آقا اتنا خوش ہے تو اندازہ کیجیے کہ آقا کی قدم بوسی پر غلام کو کتنی خوشی ملی ہوگی، یہ محبت کی باتیں ہیں انہیں الفاظ کی سرحدوں میں محصور نہیں کیا جا سکتا، اس وقت ہمارے سامنے ایک روایت ہے جس سے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خوشی کا پتہ چلتا ہے۔ ''فلمّا نظر جعفر الیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجل'' حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر پڑی تو ایک قدم پر چل کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف بڑھنے لگے، جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی خوشی، تعظیم اور محبت کا یہ انداز دیکھا تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں کو چوم لیا۔ (ذخائر العقبیٰ، ص: ۳۵۳)

ہر مسلمان کو حضرت جعفر کے آنے کی خوشی: ایسا نہیں کہ خوشی صرف اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک محدود تھی، حقیقت یہ ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنے سے ہر مسلمان خوش تھا، خاص کر غربا، فقرا اور مساکین، کیونکہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ غربا پروری اور فقرا نوازی میں اپنا خاص مقام رکھتے تھے۔ نادار اور مفلوک الحال لوگوں پر ان کے الطاف کریمانہ اور ایثار خسروانہ کو دیکھ کر ہی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے انہیں ابوالمساکین جیسے معزز خطاب سے ملقب فرمایا تھا۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ،ص:۲۷۶)

حضور نے حضرت جعفر کو خیبر کی غنیمت سے حصہ دیا: حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھی غزوۂ خیبر میں حاضر نہ تھے کیونکہ وہ اس وقت تک مدینہ شریف نہیں پہونچے تھے، جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خیبر کو فتح کر چکے تب یہ حضرات مدینۂ طیبہ حاضر ہوئے،لیکن یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کرم کریمانہ تھا کہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیبر کے مال غنیمت سے حصہ عطا فرمایا، نہ صرف حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلکہ حبشہ سے آئے ان کے ساتھیوں کو بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مال غنیمت سے حصہ عطا فرمایا،حبشہ سے آئے لوگوں کو اس موقع پر ''اهل السفينتين'' (دو کشتیوں والے) کہا جاتا تھا کیونکہ نجاشی بادشاہ نے ان کو دو کشتیوں میں سوار کر کے بھیجا تھا۔ایک کشتی میں حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے رفقاء تھے اور دوسری کشتی اشعریین یعنی حضرت ابوموسیٰ اشعری اور ان کے ساتھیوں کی تھی،حضرت ابوموسیٰ اشعری اور ان کے ساتھیوں کے حبشہ پہنچنے کی وجہ یہ رہی کہ یہ حضرات اپنے وطن سے مدینہ شریف جانے کے لیے نکلے،کشتی پر سوار ہوئے، اللہ تعالیٰ کی قدرت، ہوا کا رخ ایسا ہوا کہ ان کی کشتی حبشہ جا پہونچی، پھر یہ لوگ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے ہمراہ وہیں ٹھہرے رہے اور انہیں کے ساتھ مدینۂ طیبہ حاضر ہوئے۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی ایسے شخص کو خیبر کی غنیمت سے حصہ نہیں دیا جو غزوۂ خیبر میں موجود نہ تھا لیکن ''قسم لاهل السفينتين'' دونوں کشتی والوں کو حضور نے مال غنیمت سے حصہ عطا فرمایا۔ (اسد الغابہ،ج:۶،ص:۳۰۰،مسلم،کتاب فضائل الصحابہ،باب فضائل جعفر)

حضور نے حضرت جعفر کو گھر دیا: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بڑے مہربان تھے،حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینۂ طیبہ نئے نئے وارد ہوئے تھے، ان کے پاس پہلے سے کوئی مکان و جائیداد نہ تھی، اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں گھر بنانے کے لیے مسجد نبوی شریف کے پہلو میں جگہ عنایت

فرمائی۔(المعارف، ج:۱،ص:۲۰۵،الاستیعاب، ج:۱،ص:۱۰۹)

حضور نے حضرت جعفر کو اپنے نکاح کا وکیل بنایا: ۷ھ ہجری میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے جاں نثاروں کے ساتھ عمرۂ قضا کے لیے مکہ شریف روانہ ہوئے، اس موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میمونہ بنت حارث کی طرف اپنے نکاح کا پیغام لے کر روانہ فرمایا، حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نکاح کا پیغام دیا تو انہوں نے اپنا وکیل حضور کے عم محترم حضرت عباس بن عبدالمطلب کو متعین فرمایا، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت میمونہ کا نکاح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کر دیا۔

(دلائل النبوۃ، ج:۴،ص:۳۱۴،تاریخ خمیس ج:۲،ص:۶۴)

حضور،حمزہ،عباس،جعفر آپس میں ہم زلف: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے پیارے چچا حضرت حمزہ وحضرت عباس اور حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپس میں ہم زلف (ساڑو) ہونے کا رشتہ بھی رکھتے ہیں، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اہلیہ حضرت میمونہ بنت حارث اور حضرت عباس کی اہلیہ حضرت ام الفضل بنت حارث آپس میں سگی بہنیں ہوتی ہیں۔حضرت حمزہ کی اہلیہ حضرت سلمہ بنت عمیس اور حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیس یہ دونوں حضرت میمونہ اور حضرت ام الفضل کی ماں شریک بہنیں ہیں۔اس لحاظ سے یہ چاروں خواتین آپس میں بہنیں ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت حمزہ، حضرت عباس اور حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپس میں ہم زلف (ساڑو) ہوئے۔(تاریخ الخمیس، ج:۲،ص:۶۴،المواہب اللدنیہ، ج:۱،ص:۵۰۳)

حضور کا فیصلہ حضرت جعفر کے حق میں: عمرۂ قضا کے موقع پر جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ شریف سے روانہ ہوئے تو حضرت حمزہ کی صاحب زادی آپ کے پیچھے پیچھے آئیں، وہ پکار رہیں تھیں اے چچا! اے چچا! پس حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو لیا اور حضرت فاطمہ کے ہاتھوں میں ان کا ہاتھ دیتے ہوئے فرمایا: آپ اپنے چچا کی

بیٹی کو لے لیں، حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کو لے لیا پھر حضرت حمزہ کی بیٹی کی پرورش کو لے کر حضرت علی، حضرت زید اور حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اختلاف ہوا۔ حضرت علی نے کہا: اس کو میں رکھوں گا یہ میرے چچا کی بیٹی ہے، حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اس کو میں رکھوں گا یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میرے عقد میں ہے۔ حضرت زید نے کہا: اس کو میں رکھوں گا یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا فیصلہ اس کی خالہ (جو حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ ہیں) کے حق میں فرما دیا اور فرمایا کہ خالہ ماں کے درجے میں ہوتی ہے۔ پھر حضرت علی سے فرمایا: تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں اور حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: تم صورت اور سیرت میں میرے مشابہ ہو اور حضرت زید سے فرمایا: تم ہمارے بھائی اور ہمارے آزاد شدہ غلام ہو۔ (بخاری، کتاب المغازی باب عمرۃ القضا)

فائدہ: حضرت زید نے حضرت حمزہ کی بیٹی کو اپنے بھائی کی بیٹی اس لیے کہا کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ کی مکی مؤاخات حضرت زید کے ساتھ قائم فرمائی تھی۔ حضرت حمزہ کی بیٹی جس کا نام عمارہ ہے اس نے آپ کو چچا کہہ کر پکارا حالانکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمارہ کے چچا زاد بھائی تھے۔ یہ یا تو آپ کی تعظیم کے لیے تھا یا اس لیے کہ حضرت حمزہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی ہیں، اس رشتے سے آپ عمارہ کے چچا ہوئے۔ (اسی رشتے کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاطمہ سے عمارہ کے متعلق فرمایا تھا: آپ اپنے چچا کی بیٹی کو لے لو)۔

(عمدۃ القاری، کتاب المغازی، باب عمرۃ القضا، نعمۃ الباری، ج:۷، ص:۶۴۲)

حضرت جعفر حضور کے گرد جھومنے لگے: جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی، حضرت زید اور حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان فیصلہ فرمایا، فیصلہ چونکہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں ہوا تھا اس لیے انہیں بے حد خوشی حاصل ہوئی، وہ اتنے خوش ہوئے کہ کھڑے ہو کر حضور کے گرد جھومنے لگے، حضور صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جعفر یہ کیا ہے؟ عرض کیا: حضور! میں نے حبشہ میں دیکھا ہے کہ جب شاہ حبشہ نجاشی کسی سے خوش ہوتا تو وہ شخص مارے خوشی کے بادشاہ کے گرد کھڑے ہوکر جھومنے لگتا (وہی میں نے کیا ہے)۔ (تاریخ دمشق، ج:۱۹، ص:۳۶۱)

حضور نے حضرت جعفر کے پاس جبہ بھیجا: شاہ روم نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ریشم سے کڑھا ہوا ایک جبہ تحفے کے طور پر بھیجا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو پہنا تو حضور کے ہاتھ آستینوں میں اٹکنے لگے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ جبہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیج دیا، حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جبہ پہن کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے جبہ تمھیں پہننے کے لیے نہیں دیا، حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: حضور ارشاد فرمایئے میں اس کا کیا کروں؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اسے اپنے بھائی نجاشی کی بارگاہ میں بطور تحفہ بھیج دو۔

(سنن ابی داؤد، کتاب اللباس باب من کرہہ، حدیث نمبر: ۴۰۴۷)

حضرت جعفر کے جذبات: آپ پڑھ آئے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۷ رہجری میں عمرۂ قضا کے لیے اپنے صحابہ کے ساتھ نکلے، حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی یہ شرف میسر آیا، یہ بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معیت سے فیض یاب ہوئے، سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمرہ سے فارغ ہوکر اپنے جاں نثاروں کے ساتھ مدینۂ طیبہ واپس تشریف لے آئے، حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے جب غزوۂ بدر و احد کا تذکرہ ہوتا بدر میں غلامان مصطفیٰ کی جاں نثاری، اسلام کی سرخروئی اور کفر وشرک کی ذلّت ورسوائی کے چرچے ہوتے، احد کے میدان میں غازیوں کی استقامت، شہدا کی شہادت اور صحابۂ کرام کا جان پر کھیل کر حضور کی حفاظت کرنے کے تذکرے غزوات بالخصوص بدر میں شرکت کرنے والوں کے لیے جنت کی بشارت اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت و معیت کے آوازے وغیرہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل کو خدمت کے جذبات

سے ایسا معمور کر دیتے کہ ان کی آنکھوں سے آنسوں بہ نکلتے، یہ آنسو آخر کیوں نہ نکلتے ان جاں نثاروں کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ''مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ ''(سورۂ احزاب، آیت:۲۳)(مسلمانوں میں کچھ وہ ہیں جنہوں نے اپنے اس عہد کو سچا کر دکھایا جو انہوں نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے کیا تھا ان میں سے بعض اپنی منت پوری کر چکے اور بعض راہ دیکھ رہے ہیں اور وہ ذرا بھی نہیں بدلے) جیسے مبارک اعزاز سے سرفراز فرماتے ہوئے صحابۂ کرام کی ہمت افزائی فرمائی، اس قسم کے انعامات واعزازات نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل کو شہادت کے جذبات سے بھر دیا تھا، ان کا ذہن جنت کی پرواز کر رہا تھا اور وہ اس موقع کی تلاش میں تھے کہ انہیں اسلام کے لیے جان پر کھیلنے کا موقع میسر آ جائے، اپنی غیر حاضری کی وجہ سے جو خدمت وہ نہ کر سکے اسے انجام دے کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مزید قرب حاصل کریں۔ (رجال حول الرسول، ص:۲۰۲)

حضرت جعفر کی بہادری اور حق گوئی: جس وقت نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو طلب کیا گیا تاکہ مسلمان ان الزامات کا جواب دیں جو ان پر قریش کے دونوں سفیروں کی طرف سے عائد کیے گئے ہیں۔ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ساتھیوں کو لے کر دربار میں پہنچے، ظاہر ہے کہ یہ ایسا موقع ہے جہاں فیصلہ نجاشی کو کرنا ہے، ایسے موقع پر کوئی بھی عقلمند ایسی بات نہیں کرنا چاہے گا جو فیصل اور حاکم کو ناپسند ہو۔ بلکہ ہوشیاری اس میں ہے کہ حاکم وقت کے دل کو اپنے اقوال واعمال سے خوش کیا جائے، لیکن دیکھیے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کتنا خطرناک واقعہ پیش آتا ہے، حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطرات کے دامن میں بھی موت وزندگی سے بے پرواہ ہو کر حق گوئی و بے باکی کی کیسی مثال قائم فرماتے ہیں، پھر اس حق گوئی پر ان کے خالق ومالک نے ان کی کیسی مدد فرمائی وہ آپ پڑھ چکے ہیں، اب وہ پڑھیے جو دربار میں ہوا۔ عمرو بن عاص اور ان کا دوست قریش مکہ کے سفیر ہونے کی حیثیت سے دربار میں حاضر ہو کر مسلمانوں پر الزامات عائد کر چکے

تھے اور نجاشی کے یہاں بدستور حاضر تھے، حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ دربار میں پہنچے لیکن دربار میں داخل ہوتے وقت آپ نے ایسے شاہی آداب کی قطعاً کوئی رعایت نہیں کی جو اسلامی تعلیمات سے منحرف تھے، اس پر لوگوں کو بہت تعجب ہوا لہٰذا جو لوگ بھی وہاں موجود تھے انہوں نے بیک زبان کہا: ''اسجدوا للملك'' بادشاہ کو سجدہ کرو، حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلا کسی تاخیر و تردد کے فرمایا ''لا نسجد الا للہ'' ہم صرف اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اس کے سوا کسی کو نہیں۔ (ذخائر العقبیٰ، ص:۳۵۲)

یہی وہ بے خوفی اور جواں مردی کے نمونے ہیں جن کے مطالعہ کے بعد ڈاکٹر اقبال کو کہنا پڑا:

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
دو عالم سے بیگانہ کرتی ہے
دل کو عجب چیز ہے لذت آشنائی

روایت حدیث: حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احادیث کی روایت بہت کم کی ہے، آپ سے روایت کرنے والوں میں حضرت ابن مسعود، عمرو بن عاص، ام سلمہ اور آپ کے بیٹے عبداللہ کے اسماء شامل ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:۱، ص:۲۰۶، تہذیب التہذیب، ج:۱، ص:۳۰۸)

حضرت جعفر کی اہلیہ: حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ کا نام اسماء بنت عمیس ہے، ان کی ماں کا نام ہند بنت عوف ہے، یہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اور حضرت عباس کی زوجہ حضرت ام الفضل لبابہ کی بہن ہیں۔ جب حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو گئے تو ان سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکاح کر لیا، پھر جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہو گیا تو حضرت اسماء سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکاح فرما لیا۔

(عمدۃ القاری، کتاب المغازی باب غزوۃ خیبر، نعمۃ الباری، ج:۷، ص:۶۰۳)

https://alislami.net

حضرت اسماء کا فیصلہ: اسماء بنت عمیس کے بطن سے محمد نام کے دو بیٹے پیدا ہوئے، ایک کے والد حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے کے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ حضرت علی کے ساتھ جب حضرت اسماء کی شادی ہوگئی تو ایک دن حضرت اسماء اور حضرت علی کی موجودگی میں یہ دونوں شہزادے آپس میں مفاخرت کرنے لگے چنانچہ دونوں نے ایک دوسرے سے کہا: ''میں تم سے بہتر ہوں کیونکہ میرا باپ تمہارے باپ سے بہتر ہے'' شہزادوں کی بات سن کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت اسماء سے فرمایا: ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرو، حضرت اسماء نے فیصلہ کرتے ہوئے کہا: میں نے عربوں میں حضرت جعفر سے زیادہ اچھا جوان اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بہتر متوسط العمر نہیں دیکھا، یہ سن کر سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تم نے ہمارے لیے کچھ نہیں چھوڑا، تب حضرت اسماء نے کہا: خدا کی قسم! آپ فضیلت میں ان سے کم ہوکر بھی بہترین ہیں، جواب سن کر حضرت علی نے فرمایا: اگر تم اس کے سوا کہتی تو میں تم سے ناراض ہوجاتا۔ (طبقات ابن سعد، ج: ۴، ص: ۳۷)

حضرت جعفر کی اہلیہ حضرت عمر پر ناراض ہوئیں: امام بخاری اپنی صحیح میں حضرت ابوموسیٰ اشعری سے مروی حدیث نقل فرماتے ہیں:

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جس وقت ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کی خبر پہنچی اس وقت ہم یمن میں تھے پس ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرتے ہوئے نکلے، میں تھا اور میرے دو بھائی تھے، اور میں سب سے چھوٹا تھا، ان دونوں میں سے ایک حضرت ابوبردہ تھے اور دوسرے حضرت ابورہم تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہما، یا انہوں نے کہا: ہم چند اصحاب کے ساتھ یا کہا: ترپین یا باون میری قوم کے مرد تھے، ہم کشتی میں سوار ہوئے، پس کشتی نے ہمیں نجاشی کے ملک حبشہ (ایتھوپیا) میں پہنچا دیا، وہاں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موافقت ہوئی۔ ہم ان کے ساتھ ٹھہرے حتیٰ کہ ہم ایک ساتھ (مدینہ) آئے۔ ہماری نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس

وقت ملاقات ہوئی جب آپ خیبر فتح کر چکے تھے اور اس وقت بعض صحابہ ہم کشتی والوں سے یہ کہتے تھے: ہم تم سے ہجرت کرنے میں سابق ہیں۔ حضرت اسماء بنت عمیس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ان کی زیارت کے لیے گئی تھیں اور یہ ان میں سے تھیں جو ہمارے ساتھ کشتی پر سوار ہو کر مدینہ پہونچی تھیں اور انہوں نے بھی حضرت نجاشی کی طرف ہجرت کرنے والوں کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ پس حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت حفصہ کے پاس آئے اور حضرت اسماء بھی ان کے پاس تھیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضرت اسماء کو دیکھا تو پوچھا: یہ کون ہے؟ انہوں نے بتایا یہ حضرت اسماء بنت عمیس ہیں، حضرت عمر نے کہا: یہ سمندر کے راستے سے حبشہ سے آئی ہیں؟ حضرت اسماء نے کہا: جی ہاں، حضرت عمر نے کہا: ہم تم سے ہجرت کرنے میں سابق ہیں، ہم تم سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقدار ہیں۔

حضرت اسماء غضب ناک ہوئیں، انھوں نے کہا: ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے وہ تمہارے بھوکوں کو کھلاتے تھے اور تم میں سے بے علم لوگوں کو نصیحت کرتے تھے اور ہم ایسے گھر میں تھے یا ایسی دور کی زمین میں تھے، جہاں کے لوگ ہم سے بغض رکھنے والے تھے، ہم حبشہ میں تھے اور ہمارا وہاں جانا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے لیے تھا اور اللہ کی قسم! میں اس وقت تک کچھ کھاؤں گی نہ پیوں گی حتیٰ کہ میں آپ کی بات کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر نہ کردوں۔ ہم کو وہاں ایذاء دی جاتی تھی اور ہم کو خوف زدہ کیا جاتا تھا اور میں عنقریب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کروں گی اور آپ سے سوال کروں گی اور اللہ کی قسم! میں جھوٹ نہیں بولوں گی اور نہ تحریف کروں گی اور نہ آپ کی بات پر کوئی اضافہ کروں گی پس جب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضرت اسماء نے کہا: اے اللہ کے نبی! بے شک حضرت عمر نے اس طرح اور اس طرح کہا ہے، آپ نے پوچھا: پھر تم نے ان سے کیا کہا؟ حضرت اسماء نے بتایا: میں نے ان سے اس طرح اور اس طرح کہا، آپ نے فرمایا:

https://alislami.net

وہ تم سے زیادہ میرے حقدار نہیں ہیں، ان کے اور ان کے اصحاب کے لیے ایک ہجرت ہے اور تمہارے لیے اے کشتی والو! دو ہجرتیں ہیں۔ حضرت اسماء نے کہا: پس تحقیق یہ ہے کہ میں نے دیکھا حضرت ابوموسیٰ اور کشتی والے باری باری میرے پاس آتے اور مجھ سے اس حدیث کے متعلق سوال کرتے اور وہ دنیا کی کسی چیز سے اتنے خوش نہیں ہوئے تھے اور نہ ان کے نزدیک دنیا کی کوئی چیز اتنی عظیم تھی جتنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث تھی۔ حضرت ابو بردہ نے کہا: حضرت اسماء نے بتایا کہ میں نے دیکھا کہ حضرت ابوموسی بار بار مجھ سے یہ حدیث دہرواتے تھے۔ (بخاری، کتاب المغازی باب غزوۃ خیبر)

قارئین کرام! غور فرمائیں! صحابۂ کرام نیکی پر کتنے حریص تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب انکو کتنا محبوب تھا، جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت اسماء بنت عمیس سے یہ کہا: ہم تم سے ہجرت کرنے میں سابق ہیں بریں بنا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تم سے زیادہ حقدار ہیں۔ تو حضرت اسماء سخت ناراض ہو کر برپھر پڑیں، خود بھی اس بات پر دلائل قائم فرمائے کہ وہ ان سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مستحق نہیں ہیں اور پھر مقدمے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا، بات کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچانے سے پہلے حضرت عمر کو جتا بھی دیا کہ وہ اس بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ضرور بات کریں گی۔ لیکن وہی بات کہیں گی جو حضرت عمر نے کہی ہے، بڑھائیں گی نہ گھٹائیں گی، اس سے ان کے خوف خدا، محبت رسول اور انصاف پسندانہ مزاج کا پتہ چلتا ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کشتی والوں کی حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے حضرت اسماء اور تمام اہل سفینہ کے لیے دو ہجرتوں کے ثواب کی بشارت عطا فرمائی نیز یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ لوگ تم سے زیادہ میرے حق دار نہیں ہیں، یہ سن کر اہل سفینہ کتنے خوش ہوئے اور بات کو کتنا اہم اور عظیم جانا وہ آپ حدیث پاک میں پڑھ آئے ہیں۔ دنیا و مافیہا کی کوئی چیز ان کی نظر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے عظیم نہ رہی، اس فرمان مصطفیٰ کو سننے میں ان کو کتنی لذت محسوس ہوتی تھی کہ وہ باری باری

آ کر بار بار حضرت اسماء سے وہ الفاظ سننا چاہتے تھے جو ان کے محبوب نے ان کے بارے میں فرمائے تھے۔ یہ جذبۂ مسابقت جماعت صحابہ کے سوا اور کہاں؟

غزوات میں شرکت: غزوات کی ابتداء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی سے ہوتی ہے۔ آپ پڑھ آئے ہیں کہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۷ھ میں حبشہ سے مدینۂ طیبہ واپس آئے اور ۸ھ میں غزوۂ موتہ میں آپ شہید ہو گئے۔ اس اعتبار سے آپ کو غزوات میں شرکت کرنے کا زیادہ موقع نہ مل سکا۔

جنگ موتہ: بدر و احد وغیرہ غزوات میں شرکت نہ کر پانے کا افسوس اور کسی بھی غزوے میں شرکت کر کے خدمت اسلام کرنے کا شوق، حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بے چین کیے ہوئے تھا کہ جلد ہی انہیں جنگ موتہ میں شرکت کرنے اور دل کی حسرت مٹانے کا موقع میسر آ گیا۔ اس سے پہلے کہ ہم حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہادری و جواں مردی کا تذکرہ کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جنگ موتہ کی قدرے تفصیل اور موتہ پر لشکر کشی کا سبب بھی بیان کرتے چلیں۔

علامہ غلام رسول سعیدی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں: علامہ عمر بن علی بن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

جنگ موتہ کا سبب، موتہ میں جنگ کا حال: موتہ سرزمین البلقاء کی ایک بستی ہے جو سرزمین شام کے قریب واقع ہے، یہ غزوہ جمادی الاولیٰ ۸ھ میں واقع ہوا، اور اس کے بعد رمضان میں مکمل فتح حاصل ہوئی تھی۔ غزوۂ موتہ کا سبب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت الحارث بن عمیر الازدی کو اپنا مکتوب دے کر روم کے بادشاہ کی طرف روانہ کیا پس شرحبیل بن عمر الغسانی ان کے درپے ہوا اور ان کو زنجیروں سے باندھ دیا، پھر اسی حالت میں ان کو قتل کر دیا، ان کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی سفیر کو قتل نہیں کیا گیا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا بہت ملال ہوا اور آپ نے مسلمانوں کو ان پر حملہ کرنے کے لیے طلب کیا اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کا امیر بنایا اور

آپ نے فرمایا کہ اگر زید شہید ہوجائیں تو پھر جعفر امیر ہوں گے اور اگر وہ شہید ہوجائیں تو عبداللہ بن رواحہ امیر ہوں گے، پھر تین ہزار صحابہ تیار ہوئے اور جب وہ مقام جرف میں تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وصیت کی کہ وہ حضرت الحارث بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہید ہونے کی جگہ پر جائیں اور جو لوگ وہاں پر ہوں ان کو اسلام کی دعوت دیں، اگر وہ اس دعوت کو قبول کرلیں فبہا، ورنہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کر کے ان سے قتال کریں پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس لشکر کو رخصت کرنے کے لیے آئے حتیٰ کہ آپ ثنیۃ الوداع تک پہنچ گئے، مسلمانوں کے لیے دعا کی اللہ تعالیٰ دشمن کو تم سے دور کردے اور تم کو صحیح سلامت واپس لائے۔

پھر مسلمانوں کا لشکر روانہ ہوا اور شام کی سرزمین میں معان کے مقام پر ٹھہرا، پھر ان کو یہ خبر پہنچی کہ ہرقل ایک لاکھ کے لشکر کے ساتھ شام کی سرزمین البلقا پر پہنچ گیا جب مسلمانوں کو یہ خبر پہنچی تو وہ دوراتوں تک معان میں ٹھہرے اور صورتحال پر غور کرتے رہے، مسلمانوں نے کہا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمن کی تعداد کی خبر بھیجتے ہیں پھر یا تو آپ ہماری مدد کے لیے اور فوج بھیجیں یا آپ جو حکم دیں ہم اس پر عمل کریں، تب حضرت عبداللہ بن رواحہ نے صحابہ کو شجاعت کی ترغیب دی اور کہا: اے لوگو! اللہ کی قسم! جس چیز کو تم ناپسند کر رہے ہو، یہ وہی شہادت ہی تو ہے جس کی طلب میں تم روانہ ہوئے تھے، ہم لوگوں سے ان کی تعداد، قوت اور کثرت کی وجہ سے نہیں لڑتے ہم صرف اس دین کی سربلندی کے لیے لڑتے ہیں جس دین کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں عزت دی ہے پس تم دشمن سے لڑنے کے لیے روانہ ہو یا تو تم کو دشمن پر غلبہ حاصل ہوگا یا تم کو شہادت حاصل ہوگی، پھر مسلمانوں کے لشکر نے رومیوں سے مقابلہ کیا حتیٰ کہ وہ تینوں شہید ہوگئے جن کی شہادت کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی پھر حضرت خالد بن ولید نے جھنڈا اٹھالیا اور انہوں نے دشمن کو بھگا دیا جیسا کہ امام محمد بن سعد نے ذکر کیا ہے۔ (سیرت ابن ہشام، ج:۳، ص:۴۳۵۔۴۲۷، بحوالہ نعمۃ الباری، ج:۷، ص:۶۴)

امام محمد بن سعد نے ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ مسلمانوں کو شکست ہوئی اور دوسرا قول یہ نقل کیا ہے کہ رومیوں کو شکست ہوئی۔ (طبقات ابن سعد، ج:۲، ص:۱۳۰، بحوالہ نعمۃ الباری، ج:۷، ص:۶۴)

جنگ موتہ میں دشمن کی تعداد اور نتیجۂ جنگ: کثیر مؤرخین کے بیان کے مطابق جنگ موتہ میں تین ہزار مجاہدین کے مقابلے کے لیے دشمن سپاہی کی تعداد دو لاکھ تھی۔

(تاریخ ابن خلدون، ج:۲،ص:۵۶۴، غزوۃ جیش الامراء، البدایہ والنہایہ، ج:۶،ص:۴۶۱، عمدۃ القاری، ج:۸،ص:۹۵، کتاب الجنائز باب من جلس عند المصیبۃ یعرف فیہ الحزن)

جہاں تک جنگ میں کامیابی یا ناکامی کی بات ہے، بعض مؤرخین اس طرف گئے ہیں کہ اس جنگ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی، جبکہ بعض دوسروں کا کہنا ہے کہ مسلمان کامیاب نہ ہوسکے، تو کچھ حضرات کا قول ہے کہ یہ جنگ بے نتیجہ رہی، نہ مسلمان کامیاب ہوئے اور نہ ہی رومی میدان جیت سکے۔(سمط النجوم العوالی، ج:۲،ص:۲۴۴)

لیکن راقم کو یہ قول صحیح دکھائی دیتا ہے کہ مسلمانوں کو فتح میسر آئی۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ بخاری شریف کے ساتھ ساتھ حدیث کی بہت ساری کتابوں میں یہ روایت موجود ہے ''حتی اخذ الرأیۃ سیف من سیوف اللہ حتی فتح اللہ علیھم ''حتی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک تلوار (حضرت خالد بن ولید) نے جھنڈا پکڑا یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمادی۔

ظاہر ہے کہ حدیث (وہ بھی بخاری شریف) کی روایات کا مقابلہ تاریخی روایات نہیں کر سکتیں۔ اسی طرح بخاری شریف میں ایک روایت یہ بھی موجود ہے کہ حضرت خالد نے فرمایا کہ اس دن میرے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹی تھیں، صرف ایک یمنی تلوار ہی میرے ہاتھ میں ٹھہر سکی۔

یہ روایت بھی بتاتی ہے کہ مسلمانوں نے رومیوں کے کشتوں کے پشتے لگا دیے تھے۔ تیسری ایک بڑی اہم بات یہ ہے کہ اگر رومی فتح یاب ہوجاتے تو اتنے بڑے جم غفیر کے سامنے سے مسلمانوں کا شاید ہی کوئی مجاہد بچ پاتا، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ مجاہدین کا یہ کارواں مدینۂ طیبہ واپس آیا اور حضور نے دعاؤں سے نوازا۔

علامہ ابن کثیر کے بیان کے مطابق اس غزوے میں صرف بارہ مجاہدین اسلام شہید ہوئے، جب کہ مشرک رومیوں میں سے خلق کثیر کو تہ تیغ کیا گیا۔(البدایہ والنہایہ، ج:۶،ص:۴۶۱)

ہمارے ذکر کردہ تمام دلائل یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ فتح مسلمانوں کو حاصل ہوئی۔ رہی یہ بات کہ دو لاکھ کے مقابلے میں تین ہزار کیوں کر جیت گئے؟ اس کا جواب صرف اور صرف اللہ کی قدرت اور اس کی فتح و نصرت ہے۔ مزید اطمینان کے لیے امام بیہقی کی روایت سماعت کریں وہ فرماتے ہیں العطاف بن خالد بیان فرماتے ہیں:

جب صبح ہوئی تو خالد نے لشکر کی ترتیب بدل دی، جو صحابہ آگے تھے ان کو پیچھے کر دیا، جو پیچھے تھے ان کو آگے کر دیا، داہنی جانب والوں کو بائیں طرف کر دیا اور بائیں جانب والوں کو دائیں طرف کر دیا۔ رومی یہ دیکھ کر کہنے لگے کہ ان کے پاس مدد آ گئی ہے اور یوں وہ مرعوب ہو گئے وہ اتنے زیادہ مارے گئے کہ کسی قوم نے ان کو اتنی بڑی تعداد میں قتل نہیں کیا تھا۔ حضرت جابر بن عبداللہ نے کہا ہے کہ مسلمانوں نے مشرکین کا بہت سامان بطور مال غنیمت اپنے قبضے میں لیا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج:۲، ص:۴۱۱، بحوالہ نعمۃ الباری، ج:۷، ص:۶۴۸)

ایک روایت اور ملاحظہ ہو امام محمد بن سعد نے روایت کیا ہے ابو عامر نے بیان فرمایا: جب حضرت جعفر، حضرت زید اور ابن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم شہید ہو گئے، پھر مسلمانوں کو اتنی بڑی شکست ہوئی جو میں نے اس سے پہلے نہیں دیکھی تھی، پھر انصار کے ایک شخص نے جھنڈا پکڑا اور حضرت خالد کو دے دیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ ثابت بن اقرع نے جھنڈا اٹھایا اور حضرت خالد کو سونپ دیا، انہوں نے رومیوں پر حملہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے رومیوں کو اتنی بڑی شکست دی جو میں نے اس سے پہلے نہیں دیکھی تھی، حتیٰ کہ مسلمانوں نے جہاں چاہا اپنی تلواروں سے وار کیا۔ (سیرۃ ابن ہشام، ج:۳، ص:۴۳۵، دلائل النبوۃ، ج:۴، ص:۳۶۴، التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج:۲۱، ص:۴۱۳، بحوالہ نعمۃ الباری، ج:۷، ص:۶۵۰)

حضرت جعفر کی تربیت: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے موتہ کے لیے لشکر روانہ فرمایا اور امیر لشکر حضرت زید بن حارثہ کو بنایا، حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جوش جہاد سے اتنا سرشار تھے کہ خود بحیثیت امیر، جہاد کرنا چاہتے تھے تاکہ ایک مجاہد کا ثواب بھی ملے اور لشکر کی قیادت کا ثواب بھی، لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جملے نے انہیں

https://alislami.net

سمجھ عطا فرما دی۔ ملاحظہ ہو! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ جملہ جو آپ نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تربیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر روانہ کرتے وقت فرمایا: ''زید بن حارثہ تمہارے امیر رہیں گے، اگر زید شہادت پا جائیں تو جعفر تمہارے امیر ہوں گے اور اگر جعفر بھی شہادت پا جائیں تو عبداللہ بن رواحہ لشکر کی قیادت کریں گے''۔ یہ سن کر حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اچھل کر کہا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! مجھے خیال نہ تھا کہ آپ زید بن حارثہ کو مجھ پر امیر بنائیں گے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''امضوا فانك لا تدری ای ذالك خیر'' جعفر چلے چلو تمہیں نہیں معلوم کیا چیز بہتر ہے۔ (مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۲۵۵۱)

سبحان اللہ! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک جملے نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سکھا دیا کہ حضور کی نگاہیں جو دیکھ رہی ہیں وہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں دیکھ رہے، اسی لیے یہ جملہ سننے کے بعد حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاموش ہو گئے کیونکہ سب کچھ سمجھ آ گیا تھا۔

حضور کے فرمان پر یہودی کا تبصرہ: مذکورہ حدیث کے مطابق جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ موتہ کے قائدین کا انتخاب فرمایا کہ زید بن حارثہ امیر ہوں گے وہ شہید ہو جائے تو جعفر وغیرہ۔ حضور کے اس کلام کو ایک یہودی سن رہا تھا، اس نے کہا: اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی ہیں تو جن لوگوں کو امیر متعین کیا گیا ہے یہ سب شہادت پا جائیں گے کیونکہ بنی اسرائیل کے انبیاء جب اس طور پر امیر متعین کرتے جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امراء کو متعین کیا ہے تو وہ لوگ ضرور ضرور شہادت پا جاتے، اس یہودی نے حضرت زید سے کہا: یاد رکھو! اب تم حضور کی طرف پلٹ کر نہ آ سکو گے۔ (تاریخ الخمیس، ج: ۲، ص: ۷۰، سریۃ موتۃ، المغازی للواقدی، ج: ۲، ص: ۷۵۶، دلائل النبوۃ، ج: ۴، ص: ۳۶۲)

یہودی کا تبصرہ صحیح ثابت ہوا جن لوگوں کو حضور نے لشکر کا امیر منتخب کیا تھا اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان سب کو شہادت نصیب فرمائی۔

جنگ میں حضرت جعفر کی جاں بازی و شہادت: حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے امیر لشکر زید بن حارثہ کو سفید رنگ کا جھنڈا عطا فرمایا اور ثنیۃ الوداع تک لشکر روانہ کرنے کے لیے تشریف لائے، حضور کا عطا کردہ جھنڈا لے کر حضرت زید بن حارثہ اپنے مختصر سے لشکر کے ساتھ میدان جنگ میں اترے۔ رومیوں کے ساتھ ایک سخت مقابلہ ہوا حضرت زید بن حارثہ آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو کر زمین پر آ گئے، حضرت زید کے شہید ہو جانے کے بعد حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت تیزی سے اپنے گھوڑے سے نیچے تشریف لائے، جھنڈا سنبھالا اور اپنے اس سفید و سرخ گھوڑے کی کونچیں کاٹ ڈالی تاکہ رومی اس گھوڑے کا استعمال مسلمانوں کے خلاف جنگ میں نہ کر سکیں، جوش شہادت سے سرشار ہو کر رجز یہ اشعار پڑھتے ہوئے دشمن کی صفوں میں جا گھسے، آپ پڑھ رہے تھے: یا حبذا الجنۃ واقترابھا۔ طیبۃ باردۃ شرابھا۔ والروم روم قد دنا عذابھا۔ کافرۃ بعیدۃ انسابھا۔ علی اذلاق تھا ضرابھا۔

کتنی عمدہ ہے جنت اور اس کا قریب آنا، اس کے مشروبات پاک اور ٹھنڈے ہیں، رومیوں کا عذاب قریب آ چکا ہے، یہ ایسے کافر ہیں جن کے نسب بعید ہیں جب میری ان سے مُٹ بھیڑ ہو تو انہیں تہ تیغ کرنا میرے اوپر لازم ہے۔

یہ اشعار پڑھتے صفوف اعداء کو منتشر کرتے ہوئے آپ اپنی بہادری کے جوہر دکھا رہے تھے کہ دشمن کے ایک وار نے آپ کے دائیں بازوں کو کاٹ دیا، آپ نے تیزی کے ساتھ جھنڈا اپنے بائیں ہاتھ میں تھام لیا، بلا تاخیر آپ پر دوسرا حملہ ہوا جس سے آپ کا بایاں بازو بھی شہید ہو گیا، آپ نے کمال دل داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے جھنڈے کو اپنے سینے اور کاندھے کے ساتھ سنبھال لیا، پلک جھپکتے ہی تیسرا حملہ ہوا، یہ حملہ سب سے زیادہ سخت تھا، یہاں تک کہ آپ شہید ہو کر زمین پر آ گئے۔ (تاریخ خمیس، ج: ۲، ص: ۷۱، رجال حول الرسول، ص: ۲۷۷، سیرۃ ابن ہشام، ج: ۲، ص: ۳۷۸)

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد جھنڈا حضرت عبداللہ بن رواحہ نے تھام لیا اور ان کی شہادت کے بعد حضرت خالد بن ولید نے جھنڈا سنبھال لیا یہاں تک

https://alislami.net

کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فتح نصیب فرما دی۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۶،ص:۴۳۶)

نوے سے زیادہ زخم سینے پر کھائے: امام بخاری روایت فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں: جس دن حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے تھے وہ ان کے پاس ہی کھڑے ہوئے تھے، میں نے گنتی کی ان کے اوپر نیزوں کے اور دوسری ضربات (تلوار) کے پچاس نشانات تھے، ان میں سے کوئی نشان ان کی پیٹھ پر نہیں تھا۔

دوسری روایت میں یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں بھی جنگ موتہ میں شریک ہونے والے صحابہ میں تھا، ہم نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ڈھونڈا تو ہم نے ان کو شہدا میں پایا، ہم نے ان کے جسم میں نوے (۹۰) سے زیادہ نیزوں اور تیروں کے زخم پائے۔ (بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ موتہ)

دونوں روایتوں میں زخموں کی تعداد الگ الگ ہے پہلی روایت میں پچاس زخموں کا ذکر ہے، جبکہ دوسری روایت میں نوے سے زیادہ زخموں کا تذکرہ ہے، اس میں بظاہر تضاد دکھائی دیتا ہے۔

اس کا جواب علامہ ابن ملقن سے سنیے آپ تحریر فرماتے ہیں:

ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ پہلی حدیث میں نیزوں کے زخم کا ذکر تھا اور دوسری حدیث میں نیزوں اور تیروں کے زخم کا ذکر ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج:۲،ص:۴۱۳، بحوالہ نعمۃ الباری، ج:۷،ص:۶۵۰)

علامہ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ پہلی روایت میں تیروں کے زخم شمار نہیں کیے گئے ہیں، اس لیے تعداد کم ہے اور دوسری روایت میں تیروں کے زخم بھی شمار کر لیے گئے ہیں اس لیے تعداد بڑھ گئی ہے۔

اسلام میں سب سے پہلے حضرت جعفر نے گھوڑے کی کونچیں کاٹیں:

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کمال بہادری دکھاتے ہوئے گھوڑے سے اتر کر پیادہ پا

https://alislami.net

جہاد شروع کیا اور اپنے گھوڑے کی کونچیں اس لیے کاٹ ڈالیں تا کہ دشمن ان کے گھوڑے کو استعمال نہ کر سکے، اسلام میں یہ پہلا موقع تھا جب کسی مجاہد نے اپنے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دی تھیں، اس سے پہلے کسی مجاہد نے یہ کارنامہ انجام نہیں دیا تھا، ایسے خاص مواقع پر جن فقہاء نے جانوروں کو قتل کرنے کی اجازت دی ہے انہوں نے اسی واقعے سے استدلال فرمایا ہے۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۶، ص:۴۲۱، سیرۃ ابن ہشام، ج:۲، ص:۳۷۸، دلائل النبوۃ، ج:۴، ص:۳۶۳)

شیطان کا حملہ اور حضرت جعفر کی ثابت قدمی: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس وقت حضرت زید شہید ہوئے اور علم قیادت حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنبھالا اس وقت شیطان حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا، اس نے زندگی کو ان کی نظروں میں محبوب اور موت کو مکروہ بنانے کی کوشش کی، مزید یہ کہ دنیا کی تمنائیں ان کے دل میں پیدا کرنے کی بیکار سعی کی، حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شیطان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایمان کو مومنوں کے دلوں میں مستحکم فرمادیا تو تو مجھے دنیا کا لالچ دینا چاہتا ہے، اتنا کہا اور پھر آپ نے مورچہ سنبھال لیا یہاں تک کہ آپ شہید ہو گئے۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۶، ص:۴۲۸)

قارئین کرام! غور فرمائیں کہ شیطان انسان کو کیسے کیسے موقع پر دھوکہ دینے کی کوشش کرتا ہے۔ کامیابیوں کی طرف بڑھتے قدموں کو کس طریقے سے ناکامیوں کی طرف کھینچنا چاہتا ہے، حاصل ہوئی سعادت کو کیسے شقاوت میں تبدیل کرنا چاہتا ہے، اگر تائید ربانی دستگیری نہ فرمائے تو آدمی ہلاک و برباد ہو جائے، مگر اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مخلص بندوں کی یاوری فرماتا ہے اور انہیں شیطان کے دام تزویر سے محفوظ رکھتا ہے۔ خود ارشاد فرماتا ہے: ''اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ط'' (اے شیطان) بے شک میرے (مخصوص) بندوں پر تیرا کچھ قابو نہیں۔ (سورۂ بنی اسرائیل، آیت:۶۵)

بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے خاص بندے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدد فرمائی اور شیطان پوری کوشش کرنے کے باوجود بھی انہیں اسلام کی خدمت اور حصول

https://alislami.net

شہادت وسعادت سے محروم نہ کر سکا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم غیب اور صحابہ کی قوت ایمانی: علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کی شہادت کی پہلے ہی خبر دے دی تھی، اس میں آپ کے علم غیب کا ثبوت ہے اور یہ عطائی علم غیب ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نعمان بن محض یہودی نے بھی آپ کے علم غیب کی تصدیق کی۔ جو لوگ آپ کے علم غیب کے منکر ہیں وہ اس یہودی سے بھی گئے گزرے ہیں، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام دین کی محبت میں اس قدر مستغرق تھے کہ وہ موت سے نہیں ڈرتے تھے، ان کو یقین تھا کہ وہ موتہ سے واپس نہیں آئیں گے پھر بھی وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے موتہ میں جہاد کرنے کے لیے جوش وخروش سے گئے۔ (نعمۃ الباری، ج:۷، ص:۶۵۰)

حضور نے مسجد نبوی میں بیٹھ کر جنگ کی خبر دی: ہم اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خدائے تعالیٰ کی عطا سے غیب جانتے ہیں۔ اس عقیدے کے اثبات کے لیے الحمدللہ! ہمارے پاس قرآن عظیم، احادیث کریمہ، آثار صحابہ اور اقوال اسلاف کرام سے کثیر دلائل موجود ہیں جن کو بیان کرنا ہمارا موضوع نہیں لیکن جنگ موتہ کے تذکرے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی عظیم تجلیاں نظر آتی ہیں اور جنگ موتہ کا تعلق حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے ہے، اس لیے اس کا بیان کرنا ہمارے موضوع سے مطابقت رکھتا ہے لہٰذا چند احادیث پیش کی جاتی ہیں، جس سے جنگ موتہ کا حال بھی معلوم ہوگا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی وسعت کی جھلک بھی دکھائی دے گی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کی خبر آنے سے پہلے ہی اہل مدینہ کو جنگ موتہ کے نتائج اور اس میں واقع بعض صحابۂ کرام کی شہادتوں سے خبردار فرمایا جیسا کہ بخاری شریف میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید، حضرت جعفر اور حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کی لوگوں کو اس سے پہلے خبر دی کہ آپ کے پاس وہاں سے خبر آئی، آپ نے فرمایا: زید نے جھنڈا پکڑا وہ شہید ہو گئے،

پھر جعفر نے جھنڈا پکڑا پس وہ بھی شہید ہو گئے، پھر ابن رواحہ نے جھنڈا پکڑا اور وہ بھی شہید ہو گئے (یہ خبر دیتے وقت) حال یہ تھا کہ آپ کی دونوں آنکھوں سے آنسوں بہ رہے تھے، حتی کہ اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے جھنڈا پکڑا یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے رومیوں پر (مسلمانوں) کو فتح نصیب فرمائی۔ (بخاری، کتاب المغازی باب غزوۃ موتہ)

اس روایت میں "قبل ان یأتیھم خبرھم" (ان کی خبر آنے سے پہلے) یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ کسی نے آکر خبر نہیں دی تھی اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان جنگ کا آنکھوں دیکھا پورا حال بیان فرما دیا۔ یقیناً یہی علم غیب ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا ہے۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جمع کیا، آپ منبر پر تشریف لائے اور آپ نے فرمایا: میں تمہیں تمہارے اس لشکر کی خبر دے رہا ہوں، دشمن سے جنگ ہوئی حضرت زید شہید ہو گئے پھر حضور نے فرمایا: ان کے لیے دعائے مغفرت کرو، صحابہ نے ان کے لیے استغفار کیا، پھر جھنڈا حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تھام لیا اور دشمن پر سخت حملہ کیا آخر وہ بھی شہید ہو گئے، حضور نے ان کی شہادت کی گواہی دی اور ان کے لیے استغفار کیا، پھر جھنڈا ابن رواحہ نے لے لیا، آخر وہ بھی شہید ہو گئے ان کے لیے بھی سب نے استغفار کیا، پھر جھنڈا خالد بن ولید نے لیا اور خالد نے اپنے آپ کو از خود امیر بنا لیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیوں کو اٹھایا اور عرض کیا: اے اللہ! یہ تیری تلوار ہے اس کی مدد فرما۔ (السنن الکبری للنسائی، حدیث نمبر: ۸۱۹۲ ج: ۷، ص: ۳۴۸، مصنف ابن ابی شیبہ، ج: ۷، ص: ۴۱۲، حدیث: ۳۶۹۲۶، شرح مشکل الآثار، حدیث نمبر: ۵۱۷۰، دلائل النبوۃ، ج: ۴، ص: ۳۶۸ / باب ماجاء فی غزوۃ مؤتہ)

حدیث کے آخری جملے انگلیوں سے اشارہ فرمانا اور حضرت خالد کے لیے دعا فرمانا واضح طور پر بتاتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو ملاحظہ فرما رہے تھے اسے صحابہ کو بتا رہے تھے اور جو دل کے جذبات تھے وہ اشاروں میں بیان فرما رہے تھے اور کامیابی کی دعا اپنے

غلاموں کو دے رہے تھے۔

اگر تم چاہو تو میں تمہیں خبر دوں: حضرت یعلی بن منیہ (بعض کتابوں میں یعلی بن امیہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غزوۂ موتہ کی خبر لے کر حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر چاہو تو تم مجھے خبر دو یا پھر میں تمہیں خبر دوں۔ انہوں نے عرض کیا: حضور آپ مجھے خبر دیں، ان کی اس عرض پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں غزوۂ موتہ کی تفصیلات بیان فرمائیں۔ حضور سے غزوۂ موتہ کا حال سن کر یعلی بن منیہ/امیہ نے کہا: اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، آپ نے غزوۂ موتہ کی خبر سے ایک حرف بھی نہیں چھوڑا اور وہاں کی ایک ایک چیز کو بیان فرما دیا، اس کا معاملہ ویسا ہی تھا جیسے آپ نے بیان فرمایا۔ (دلائل النبوۃ، ج:۴، ص:۳۶۵، فتح الباری، باب غزوہ مؤتہ)

زمین موتہ حضور کے سامنے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یعلی بن منیہ سے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین کو اٹھا کر میرے سامنے رکھ دیا یہاں تک کہ میں نے ان کے میدان کارزار کو دیکھ لیا۔ (دلائل النبوۃ، ج:۴، ص:۳۶۵، البدایہ والنہایہ، ج:۶، ص:۴۳۰)

فائدہ: البدایہ والنہایہ کے حاشیے میں ہے یعلی بن امیہ اور یعلی بن منیہ دونوں درست ہیں منیہ ان کی والدہ کا نام تھا۔ (ج:۶، ص:۴۲۹)

امام واقدی نے عبداللہ بن ابی بکر سے روایت فرمایا ہے: جب موتہ میں جنگ شروع ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے مدینۂ طیبہ سے ملک شام تک سب کچھ آپ کے لیے روشن کر دیا تو آپ میدان کارزار کو ملاحظہ فرما رہے تھے اور بیان فرمارہے تھے۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۶، ص:۴۲۷، دلائل النبوۃ، ج:۴، ص:۳۶۹)

جنت میں جاتے دیکھا: علامہ غلام رسول سعیدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام بیہقی کی چند روایات کو جمع کر کے لکھا ہے۔

امام بیہقی نے روایت فرمایا: جب حضرت خالد نے جھنڈا اٹھایا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اب میدان جنگ میں سخت لڑائی ہوگئی''۔

دوسری روایت میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ کے متعلق فرمایا: ''وہ جنت میں بھاگتے ہوئے جارہے ہیں'' اور حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق فرمایا: ''وہ شہید ہو کر جنت میں یاقوت کے (پروں کے) ساتھ جہاں چاہیں اڑ رہے ہیں'' پھر فرمایا: عبداللہ بن رواحہ بھی جنت میں داخل ہو گئے۔ (دلائل النبوۃ، ج:۴، ص:۳۶۳تا۳۶۹)

امام ابن ہشام نے ذکر کیا ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے داہنے ہاتھ میں جھنڈا پکڑا تو اس ہاتھ کو کاٹ دیا گیا پھر انہوں نے اپنی بغلوں میں جھنڈا پکڑا اس کے بعد ان کو شہید کر دیا گیا، اس وقت ان کی عمر تینتیس سال (۳۳) تھی۔

(سیرت ابن ہشام، ج:۳، ص:۴۳۴، بحوالہ نعمۃ الباری، ج:۷، ص:۶۴۸)

جنت میں ملائکہ کے ساتھ مصروف پرواز: اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کٹے ہوئے بازوؤں کو ایسا حسن قبول بخشا کہ انہیں ان بازوؤں کے صدقے دو پر عطا فرمائے جن کے ذریعے وہ جنت میں ملائکہ کے ساتھ پرواز کرتے ہیں، جہاں چاہتے ہیں جاتے آتے ہیں جو چاہتے ہیں کھاتے پیتے ہیں۔ اس سلسلے میں کئی روایات وارد ہیں جنہیں پڑھ کر ایمان کو جلا ملتی ہے اور حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بلند مرتبہ اجاگر ہوتا ہے۔

امام ترمذی نے باب مناقب جعفر میں روایت کیا ہے ''رایت جعفرا یطیر فی الجنۃ مع الملائکۃ''

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے جعفر کو جنت میں ملائکہ کے ساتھ مصروف پرواز دیکھا ہے۔

امام بغوی نے اپنی معجم میں روایت فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے جنت میں جعفر کو ملائکہ کے ساتھ دو پروں کے ذریعے پرواز کرتے ہوئے دیکھا''۔ (ذخائر العقبیٰ ص:۳۵۷)

حضرت جعفر کے پروں کی کیفیت: علامہ عینی، علامہ سہیلی کے حوالے سے فرماتے ہیں: حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو پر ایسے نہیں ہیں جیسے پرندوں کے پر

https://alislami.net

ہوتے ہیں کیونکہ آدمی کی صورت تمام صورتوں سے افضل اور اکمل ہیں۔ ان دو پروں سے مراد یہ ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صفت ملکیہ اور قوت روحانیہ دی گئی تھی۔ قرآن مجید میں مجازاً بازوؤں کو پروں سے تعبیر فرمایا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَاضۡمُمۡ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ'' اور اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دبایئے۔ (سورۂ طٰہٰ، آیت: ۲۲)

علامہ عینی کہتے ہیں جب کسی حدیث میں پروں کی کیفیت کا بیان نہیں تو ہم اس پروں والی حدیث پر ایمان لاتے ہیں اور پروں کی حقیقت سے بحث نہیں کرتے۔

(عمدۃ القاری، ج: ۱۷،ص: ۳۶۱، بحوالہ نعمۃ الباری، ج: ۷، ص: ۶۵۳)

آل جعفر کی تعزیت و غم خواری: حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت اثر انداز ہوئی، ان کا فراق حضور پر شاق تھا، یہی وجہ تھی کہ چشمہائے مبارک سے آنسوؤں کے موتی بکھرے اور چہرۂ مبارکہ پر قلق و اضطراب کے آثار ہویدا ہوئے، اس مشکل وقت میں آپ نے اہل خانہ کو صبر کی تلقین فرماتے ہوئے آل جعفر کی غم خواری فرمائی اور ان کے خورد ونوش کا انتظام فرمایا۔

امام بخاری ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت فرماتے ہیں: جب حضرت زید بن حارثہ حضرت جعفر بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شہادت کی خبر آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور آپ سے غم کا اظہار ہو رہا تھا، آپ فرماتی ہیں کہ میں دروازے کی جھری سے دیکھ رہی تھی، آپ کے پاس ایک مرد آیا اس نے بتایا کہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خواتین رو رہی ہیں، آپ نے اس کو حکم دیا کہ ان کو منع کرے، وہ شخص گیا اور اس نے آ کر کہا کہ میں نے ان کو منع کیا لیکن عورتوں نے اس کی بات نہیں مانی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پھر وہی حکم دیا، وہ گیا اور اس نے پھر آ کر بتایا: اللہ کی قسم! وہ عورتیں ہم پر غالب آ گئیں۔ حضرت عائشہ بتاتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ان کے مونہوں میں مٹی ڈال دو، حضرت عائشہ فرماتی ہیں: بس میں نے (دل میں) کہا: اللہ تعالیٰ تیری ناک خاک آلود کرے، اللہ کی قسم! تو وہ

کیوں نہیں کرتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشقت میں کیوں چھوڑا ہے۔ (بخاری، کتاب المغازی باب غزوۃ موتہ)

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ اسماء بنت عمیس فرماتی ہیں: میں نے چالیس کھالیں پکا کر تیار کیں، آٹا گوندھا اور بچوں کو نہلا دھلا کر تیل لگا کر فارغ ہوئی تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا: اسماء! جعفر کے بچوں کو میرے پاس لاؤ میں نے بچوں کو خدمت اقدس میں حاضر کیا، حضور نے سینے سے لگایا اور سونگھا اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ کو جعفر کی کوئی خبر ملی ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! آج جعفر اور ان کے ساتھی شہید ہو گئے ہیں۔ میں چیخ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور لوگوں کو اکٹھا کرنے لگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر سے اپنے گھر تشریف لے گئے اور ارشاد فرمایا: جعفر کے بچوں کے لیے کھانا پکاؤ آج وہ جعفر کے غم میں کھانے کا انتظام نہ کر سکیں گے۔ (مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۱۴۳)

گھر پر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ہائے چچا کہہ کر روتی ہوئی آئیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جعفر جیسوں کے لیے ہی رونے والیوں کو رونا چاہئے۔ (ذخائر العقبی ص:۳۶۲)

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے گھر تین دن کے بعد تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: آج کے بعد میرے بھائی پر مت رونا، پھر فرمایا: میرے بھتیجوں کو لے آؤ، ہم ابھی چھوٹے چھوٹے تھے آپ نے ہمیں پیار کیا اپنے ساتھ چمٹایا اور نائی کو بلا کر سر منڈوا دیے پھر فرمایا: محمد بن جعفر ہمارے چچا ابو طالب سے مشابہت رکھتا ہے، عبداللہ بن جعفر کی جسمانی ساخت اور اخلاق مجھ سے ملتے جلتے ہیں پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اسے بلند کیا اور تین بار دعا فرمائی ''اے اللہ! تو جعفر کے اہل خانہ کو اس کا بہتر قائم مقام عطا فرما، اے اللہ! تو عبداللہ کے ہاتھ میں برکت پیدا فرما پھر ہماری والدہ حضرت اسماء کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: کیا تو تنگ دستی سے ڈرتی ہے؟ میں دنیا و آخرت میں ان بچوں کا ولی ہوں۔ (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: ۴۱۹۲، مسند احمد، ج:۲، ص:۶۷، ۳

https://alislami.net

حدیث نمبر: ۱۷۵۰، شرح مشکل الآثار، حدیث نمبر: ۵۱۶۹، الجامع الصحیح للسنن والمسانید، باب مناقب اٰل بیت)

حضور نے اسماء کا سوگ کم کر دیا: جس عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے اس کے لیے عدت وفات چار مہینے دس دن ہے۔ (اگر وہ حاملہ نہ ہو) چار مہینے دس دن سوگ کے طور پر کاٹنا لازم ہے اور یہ قرآن کریم کا حکم ہے، لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن کریم کے اس عام حکم سے حضرت اسماء کو مستثنیٰ کر دیا (الگ کر دیا) اور ان کے لیے سوگ صرف تین دن کا متعین فرمایا، جیسا کہ کثیر محدثین نے آنے والی احادیث کو اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے۔

حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے تین دن بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: ''لا تحدی بعد یومك هٰذا'' اے اسماء! تم آج کے دن کے بعد سوگ کے کپڑے مت پہننا۔ (مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۷۰۸۳)

دوسری روایت میں حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اسماء! تم تین دن تک ٹھہری رہو، سوگ مناؤ اور اس کے بعد جو چاہو کرو۔ (شرح معانی الآثار، ج: ۳، ص: ۷۴، حدیث نمبر: ۴۵۴۶، معجم الکبیر للطبرانی، حدیث نمبر: ۳۶۹، السنن الکبریٰ للبیہقی، حدیث نمبر: ۱۵۵۲۳)

اس حدیث پر محدثین کرام نے کچھ تبصرے کیے ہیں اور کئی احتمالات ذکر کیے ہیں، انہیں میں یہ احتمال بھی بیان فرمایا ہے کہ یہ حضرت اسماء کی خصوصیت ہو سکتی ہے جیسا کہ علامہ عینی نے فرمایا: ''واحتمل ان یکون ذٰلك خصت به العدة من الوفاة خاصة'' یہ بھی احتمال ہے کہ عدت وفات میں ان کی خصوصیت ہو۔

(نخب الافکار فی تنقیح مبانی الاخبار فی شرح معانی الاثار، ج: ۱۱، ص: ۱۸۲)

ہم اہل سنت و جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو احکام شریعت میں بھی اختیار عطا فرمایا ہے، وہ جس کو چاہیں کسی حکم عام سے خارج فرما دیں جیسا کہ حضرت اسماء بنت عمیس کو حکم عام سے خارج فرما کر ان کے لیے سوگ صرف تین دن کا متعین فرما دیا۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت محدث بریلوی فرماتے ہیں "یہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو اس حکم عام سے مستثنیٰ فرمادیا کہ عورت کو شوہر پر چار مہینے دس دن سوگ واجب ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج:۳۰،ص:۵۲۹، الامن والعلی ،ص:۱۸۰، بحوالہ جامع الاحادیث، ج:۴،ص:۲۴۰)

حضرت جعفر کی اولاد پر حضور کی شفقت: جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت فرماتے آپ کے اہل وعیال سے بھی آپ کی محبت ہمیشہ قائم رہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد بچوں پر الفت کی خصوصی نگاہ فرماتے تھے اور لوگ بھی حضور کی اس عادت کو پہچانتے تھے، اس لیے حضور کے دل کو خوش کرنے کے لیے حضور کی بارگاہ میں حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بچوں کو پیش کرتے تھے۔ ملاحظہ ہو آنے والی روایت

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے عبداللہ خود روایت فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے تشریف لاتے تو آپ کا استقبال بچوں سے کرایا جاتا، ایک سفر سے جب آپ تشریف لائے تو حضور کی بارگاہ میں (استقبال کے لیے) مجھے پیش کیا گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سواری پر آگے بٹھالیا پھر حضرت امام حسن یا امام حسین کو لایا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے پیچھے سوار کرلیا، ہم مدینہ شریف میں اس شان سے داخل ہوئے کہ ایک سواری پر تینوں سوار تھے۔

ایک اور واقعہ بیان کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان فرماتے ہیں: اے مخاطب، کاش! تم وہ منظر دیکھتے جب میں، قثم بن عباس اور عبیداللہ بن عباس بچپن کے زمانے میں کھیل رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر وہاں سے ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس بچے کو اٹھا کر مجھے دے دو پھر آپ نے مجھے اپنے پیچھے سوار کرلیا پھر اسی طرح فرما کر قثم کو اپنے پیچھے سوار کرلیا پھر آپ نے تین مرتبہ میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور ہر مرتبہ دعا فرمائی "اللّٰھم اخلف جعفرا فی ولدہ" اے اللہ! جعفر کے بیٹے کو جعفر کا جانشیں بنادے۔ (مسند احمد، ج:۲،ص:۳۶۱، حدیث نمبر:۱۷۴۳)

فضائل و مناقب: حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پوری زندگی ہی فضائل و کمالات سے معمور ہے۔ گذشتہ اوراق میں آپ نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل ضِمْناً ملاحظہ کیے ہیں، اب یہاں خصوصیت کے ساتھ کچھ فضائل تحریر کیے جاتے ہیں:

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عظیم شان سخاوت کے مالک کشادہ دست اور فیاض تھے، غربا و مساکین کی غم خواری کرنے اور ان کو کھانا کھلانے میں ایک خاص لطف محسوس کرتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی اس ادا کو دیکھتے ہوئے ابوالمسکین جیسے خطاب سے آپ کو ملقب فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہ روایت فرماتے ہیں: حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ غربا و مساکین سے بہت محبت فرماتے، اپنے پاس بٹھا کر ان سے باتیں کرتے، ان کی باتیں سنتے، اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کنیت ابوالمسکین رکھ دی تھی۔ (ترمذی شریف، حدیث نمبر: ۳۷۶۶)

امام بخاری علیہ الرحمہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرمائی ہے:

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ بہت زیادہ احادیث بیان فرماتے ہیں (سنو) میں پیٹ بھرنے کے بعد ہر وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہتا تھا حتی کہ میں خمیری روٹی کھاتا تھا نہ دھاری دار لباس پہنتا تھا اور نہ کوئی خادم و کنیز میری خدمت کرتی، میں بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر باندھے رہتا، میں کسی شخص سے کوئی آیت پوچھتا تھا حالانکہ وہ آیت مجھے یاد ہوتی تھی، یہ پوچھنا محض اس لیے تھا تاکہ وہ شخص مجھے اپنے ساتھ لے جا کر کھانا کھلائے، مسکینوں کے ساتھ سب سے اچھا سلوک کرنے والے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، وہ ہمیں (اصحاب صفہ) کو ساتھ لے جاتے اور جو بھی گھر میں کھانا ہوتا وہ ہمیں کھلا دیتے حتی کہ کبھی کبھی وہ (شہد کی) خالی کپی (برتن) نکال کر ہمارے سامنے رکھ دیتے ہم اس کو پھاڑ کر جو کچھ اس میں لگا ہوتا چاٹ لیتے۔

(بخاری، کتاب المناقب باب مناقب جعفر)

ترمذی شریف میں کچھ اور تفصیل موجود ہے: حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ میں

اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آیات قرآنیہ پوچھتا تھا حالانکہ میں آیات کے بارے میں جانتا تھا صرف اس لیے تا کہ وہ مجھے کچھ کھلا دیں لیکن جب میں حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھتا تو مجھے جواب نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ وہ مجھے اپنے گھر لے جاتے، اپنی زوجہ سے کہتے اسماء ہمیں کچھ کھلا دو، جب وہ کچھ کھلا دیتیں تو حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سوال کا جواب دیتے۔ (ترمذی شریف، حدیث نمبر:۳۷۶۶)

یہ جو کچھ بیان کیا گیا کہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مساکین کے ساتھ سب سے اچھا سلوک کرنے والے تھے، اس کا مطلب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے اچھا سلوک کرنے والے تھے۔ (الفجر الساطع، ج:۹،ص:۶۱، بحوالہ نعمۃ الباری، ج:۶،ص:۷۹۸)

سب سے افضل: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی جوتے پہننے والا، کوئی سواری پر سوار ہونے والا، کوئی اونٹ کے کجاوے میں بیٹھنے والا شخص ایسا نہیں جو حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل ہو۔

(ترمذی شریف، حدیث نمبر:۳۷۶۴)

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: یہ افضلیت جود و کرم میں ہے ورنہ فضیلت دینیہ میں ابوبکر و عمر وغیرہ ان سے افضل ہیں۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۶،ص:۴۵۴)

صحابہ حضرت جعفر کی اولاد کا احترام کرتے: آپ کی عظمتوں کے قربان صحابہ آپ کی عظمت کے پیش نظر آپ کی اولاد کا بھی ادب واحترام کیا کرتے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر جیسے جلیل القدر صحابی جب آپ کے بیٹے کو سلام کرتے تو کہتے: ''السلام علیك یا ابن ذی الجناحین'' اے دو پروں والے شخص کے بیٹے! تجھے سلام۔

(بخاری کتاب المناقب)

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں اپنے تایا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کبھی کوئی چیز مانگتا وہ مجھے منع کر دیتے لیکن جب میں عرض کرتا مجھے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے سے عطا کر دیں تو وہ میری مانگ ضرور پوری

کرتے۔(اسد الغابہ، ج:۱،ص:۵۴۴)

بدر و خیبر سے حصہ: یہ بھی آپ کی عظمت وفضیلت ہے کہ اگرچہ آپ جنگ بدر میں شریک نہ تھے مگر پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو جنگ بدر سے حصہ بھی دیا اور اجر بھی مرحمت فرمایا۔(سیر اعلام النبلاء، ج:۱،ص:۲۱۶، المستدرک للحاکم، حدیث نمبر:۴۹۴۵)

آپ خیبر کی جنگ میں بھی شریک نہ تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے خیبر کے باغات سے ہر سال پچاس وسق کھجوریں مقرر فرمائی تھیں۔(طبقات ابن سعد، ج:۴،ص:۳۷)

استقبال کیا گلے لگایا آنکھوں کو چوما: جب حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حبشہ سے ہجرت کر کے مدینۂ طیبہ حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خیبر فتح کر چکے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنے کی خبر دی گئی تو فرمایا: نہیں معلوم مجھے جعفر کے آنے کی زیادہ خوشی ہے یا خیبر کے فتح ہو جانے کی، پھر آپ نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استقبال کیا، حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی ذات کے ساتھ چمٹا لیا، گلے لگایا اور آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر:۳۲۲۰۶، مسند بزار، ج:۴،ص:۱۵۹ حدیث نمبر:۱۳۲۸)

حضور سے مشابہت: یہ فضیلت کتنی عظیم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: جعفر تم صورت وسیرت میں میرے مشابہ ہو۔

(بخاری، کتاب المغازی باب عمرۃ القضاء)

حضرت جعفر نے بعد شہادت جبرائیل ومیکائیل کے ساتھ حضور کو سلام کیا: علامہ غلام رسول سعیدی علیہ الرحمہ نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ملائکہ کے ساتھ مصروف پرواز ہونے اور بعد وصال حضور کی خدمت اقدس میں حاضری دینے سے متعلق چند احادیث بیان کی ہیں، جنہیں ہم ان کی شرح سے نقل کر رہے ہیں۔

امام طبرانی نے سند حسن کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ

حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تمہیں مبارک ہو، تمہارے والد فرشتوں کے ساتھ آسمانوں میں اڑتے ہیں۔ (فتح الباری ج: ۴، ص: ۷۹۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے جعفر بن ابی طالب کو فرشتوں کے ساتھ اڑتے ہوئے دیکھا۔

(المستدرک، حدیث نمبر: ۴۹۸۸، سنن الترمذی، حدیث نمبر: ۳۷۶۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج رات جعفر فرشتوں کی جماعت کے ساتھ میرے پاس سے گزرے ان کے پر خون سے رنگین تھے۔ (فتح الباری، ج: ۴، ص: ۷۹۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں گزشتہ رات خواب میں جنت میں داخل ہوا، میں نے دیکھا جنت میں جعفر فرشتوں کے ساتھ اڑ رہے ہیں۔ (المستدرک، حدیث نمبر: ۴۹۸۶، عمدۃ القاری، ج: ۱۶، ص: ۳۰۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت اسماء بنت عمیس بھی آپ کے قریب تھیں، اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیا پھر فرمایا: اے اسماء! یہ جعفر بن ابی طالب، حضرت جبرائیل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل کے ساتھ تھے انہوں نے ہم پر سلام پیش کیا تو تم بھی ان کے سلام کا جواب دو اور انہوں نے مجھے خبر دی کہ فلاں فلاں دن ان کا مشرکین سے مقابلہ ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرنے سے تین چار دن پہلے انہوں نے کہا: میرا مشرکین سے مقابلہ ہوا تو مجھے تیروں، نیزوں اور تلواروں کے زخم لگے پھر میں نے اپنے دائیں ہاتھ میں جھنڈا پکڑ لیا تو میرا وہ ہاتھ کاٹ دیا گیا پھر میں نے بائیں ہاتھ سے جھنڈا پکڑ لیا تو وہ ہاتھ بھی کاٹ دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے ان دو ہاتھوں کے عوض دو پر عطا فرمائے جن سے میں حضرت جبرائیل اور حضرت میکائیل کے ساتھ اڑتا ہوں اور جنت میں جہاں چاہتا ہوں اترتا ہوں اور جہاں سے چاہتا ہوں جنت کے پھل کھاتا ہوں۔ حضرت اسماء نے کہا:

https://alislami.net

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہ خیر مبارک ہو جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائی ہے لیکن مجھے خطرہ ہے کہ لوگ اس کی تصدیق نہیں کریں گے تو آپ منبر پر چڑھ کر اس کی خبر دیں پس آپ منبر پر چڑھے اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا: اے لوگو! بے شک جعفر جبرائیل اور میکائیل کے ساتھ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دو ہاتھوں کے بدلے میں دو پر عطا فرمائے ہیں اور انہوں نے مجھ پر سلام پیش کیا ہے پھر آپ نے لوگوں کو بتایا کہ ان کا کس طرح مشرکین سے مقابلہ ہوا پھر اس دن کے بعد سے لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خبر دینے سے معلوم ہوا کہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشرکین سے مقابلہ ہوا اور اس وجہ سے ان کا نام جعفر طیار ہو گیا۔ (المستدرک، حدیث نمبر: ۴۹۹۰، المعجم الکبیر، حدیث نمبر: ۱۴۷۱، مجمع الزوائد، ج: ۹، ص: ۲۷۲، الاصابہ، ج: ۱، ص: ۲۳۸، فتح الباری، ج: ۴، ص: ۲۹۹، بحوالہ نعمۃ الباری، ج: ۶، ص: ۷۹۸)

ازواج و اولاد: حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک بیوی کا تذکرہ کتابوں میں موجود ہے، ان کا نام حضرت اسماء بنت عمیس ہے، حضرت اسماء سے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تین بیٹے پیدا ہوئے، پہلے بیٹے کا نام عبداللہ ہے، اسی کے نام پر حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابو عبداللہ قرار پائی، دوسرے کا نام محمد اور تیسرے بیٹے کا نام عون ہے، یہ تینوں بیٹے قیام حبشہ کے زمانے میں پیدا ہوئے۔ عبداللہ حبشہ کے اندر پیدا ہونے والے پہلے مسلمان صاحب زادے تھے، یہ اپنے والد کے ساتھ مدینۂ طیبہ حاضر ہوئے، حضور سے احادیث سماعت کیں اور روایت کیں، ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ سواری پر سوار کیا، دست شفقت پھیرا اور دعاؤں سے نوازا، حضرت علی و فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شہزادی حضرت زینب کا نکاح انہیں سے ہوا اور دو بیٹے علی اور عون رضی اللہ عنہما پیدا ہوئے، حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تیسرے شہزادے حضرت عون کا نکاح بھی حضرت علی کی دوسری شہزادی حضرت ام کلثوم سے ہوا، یہ وہی ام کلثوم ہیں جن کا نکاح امیر المومنین حضرت فاروق اعظم سے ہوا تھا، فاروق اعظم کے وصال کے بعد حضرت عون بن جعفر نے ان سے نکاح کیا، ان سے کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا یہاں تک کہ آپ رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت عون کے وصال کے بعد ام کلثوم کے ساتھ حضرت **محمد** بن جعفر نے نکاح فرمایا، ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ (ذخائر العقبہ، ص: ۳۶۷، السنن الکبری للبیہقی، حدیث نمبر: ۱۳۴۲۳، تاب النکاح باب تسمیۃ ازواج النبی وبناتہ)

وفات: اس پر سب متفق ہیں کہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت جنگ موتہ میں ہوئی، جنگ موتہ آٹھ ہجری میں واقع ہوئی، اس اعتبار سے آپ آٹھ ہجری میں شہید ہوئے، البتہ اس بات کو لے کر ضرور مؤرخین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے کہ بوقت شہادت آپ کی عمر کیا تھی۔

علامہ ابن ہشام کے نزدیک شہادت کے وقت آپ کی عمر ۳۳/سال تھی۔

(سیرت ابن ہشام، ج: ۲، ص: ۳۷۸)

علامہ ذہبی نے بھی ابن ہشام کی موافقت کی ہے۔ (سیر اعلام النبلاء، ج: ۱، ص: ۲۱۲)

علامہ ابن اثیر نے اسد الغابہ میں آپ کی عمر ۴۱/ (اکتالیس) سال تحریر فرمائی۔

(ج: ۱، ص: ۵۴۴)

علامہ ابن کثیر نے ابن اثیر کا قول بیان کرتے ہوئے اکتالیس بیان کرنے کے بعد کچھ تفصیل کی ہے، فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں اگر حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر کا حساب لگایا جائے تو ان کی عمر ۳۹/سال ہوتی ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور قول پر آٹھ سال کی عمر میں ایمان لائے، مکہ میں تیرہ سال تک اقامت پذیر رہے پھر ہجرت فرمائی، بوقت ہجرت آپ کی عمر اکیس سال تھی، جنگ موتہ آٹھ ہجری میں ہوئی لہٰذا جنگ موتہ کے وقت حضرت علی کی عمر ۲۹/سال ہوئی اور حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عمر میں دس سال بڑے تھے لہٰذا حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر شہادت کے وقت انتالیس سال ہوتی ہے۔ (البدایہ والنہایہ، ج: ۶، ص: ۴۵۴)

علامہ ابن عساکر نے ۳۳/سال کے ساتھ ایک قول ۲۵/سال کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ (تاریخ دمشق، ج: ۲۷، ص: ۱۳۵)

علامہ ابن حجر نے الاصابہ میں لکھا ہے: حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت جمادی الاولی آٹھ ہجری میں ہوئی، صحیح قول پر آپ کی عمر چالیس سال سے زیادہ تھی۔

(الاصابہ، ج:۱، ص:۲۴۸)

اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ ۴۱؍سال والا قول زیادہ صحیح ہے، لیکن جو تفصیل علامہ ابن کثیر نے بیان فرمائی ہے اس کے مطابق ۳۹؍سال والا قول مجھے زیادہ صحیح دکھائی دیتا ہے۔ واللہ اعلم

تمام حمد اللہ کے لیے جس نے اپنے رسول مکرم کو دنیا میں مبعوث فرمایا، درود و سلام ہوں نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کی آل، آپ کے صحابہ پر، آپ نے امت میں کیسے کیسے مجاہدین تیار فرمائے، حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چالیس سال یا اس سے کم عمر میں نہ صرف عرب بلکہ حبشہ تک اپنی دعوت کا دائرہ پھیلا دیا، جن کی تبلیغ کے حلقے میں عام آدمی سے لے کر بادشاہ اور امراء تک داخل ہو گئے، دو دو ہجرتوں کا ثواب اپنے دامن میں جمع کیا، کٹھن سے کٹھن وقت میں مسلمانوں کی صحیح رہنمائی فرماتے ہوئے انہیں مصیبت میں پڑنے سے بچا لیا، پوری عمر حضور کی آنکھ کا تارا بنے رہے اور آخر میں حق کی بلندی، اعلاء کلمۃ الحق اور خدائی دین کو آفاق کی وسعتوں تک پھیلانے کے لیے نہایت جاں بازی کے ساتھ ۹۰؍سے زیادہ زخم کھانے کے بعد اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کر کے جنت میں ملائکہ کے ساتھ مصروف پرواز ہو گئے، ان کی زندگی کی سانس سانس، خون کا قطرہ قطرہ، رہتی دنیا تک اسلام کو قوت اور مسلمانوں کو ہمت دیتا رہے گا۔

ان کے مولیٰ کی ان پر کروروں درود
ان کے اصحاب و عترت پہ لاکھوں سلام
جس مسلماں نے دیکھا انہیں اک نظر
اس نظر کی بصارت پہ لاکھوں سلام

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ اجمعین

♣ ♣ ♣

https://alislami.net

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اجمالی تعارف: اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں بے شمار نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔ لذت حیات کا شامیانہ نعمتوں کے مضبوط دوش پر قائم ہے، کس کس نعمت کا ذکر کیا جائے اور اس کی کیا کیا منفعت بیان کی جائے؟ حقیقت یہ ہے کہ کماحقہٗ ان کا ذکر ہو سکتا ہے نہ منفعت کا بیان۔ جہاں تک نعمتوں کے شمار کی بات ہے تو یہ ناممکن ہے، خود خالق نعم فرماتا ہے: ''وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ط'' ''اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتیں شمار کرنا چاہو تو گن نہیں سکتے۔ انہیں نعمتوں کے درمیان اولاد کے لیے ماں باپ اور ماں باپ کے لیے اولاد، اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ یہ صرف وجود بھر کی بات نہیں بلکہ ان کی فطرت میں موجود دوطرفہ محبت خالق عالم کی بڑی نشانی ہے۔ اولاد کے لیے ماں باپ خصوصاً لڑکپن کے زمانے میں جائے پناہ اور مرجع کائنات ہوتے ہیں تو ماں باپ کے لیے اولاد قرار دل اور سکون جان وجہان ہیں۔ ایک دوسرے سے بچھڑنے کا تصور ہر ایک کے لیے سوہان روح ہوتا ہے۔ کیا ہم نے نہیں دیکھا کچھ دنوں کے لیے اگر ایک کو دوسرے سے دور رہنا پڑے تو جدائی کے لمحات دونوں پر کتنے شاق ہوتے ہیں؟ بچے ماں باپ سے لپٹ لپٹ کر روتے چلاتے ہیں تو ماں باپ بھی چھپ چھپ کر آنسو بہاتے ہیں، جدائی کے بعد ملاقات کی ساعتیں کس قدر حسین اور قابل دید ہوتی ہیں، کس تیزی کے ساتھ بچہ والدین سے چمٹ جاتا ہے اور کس پیار ودلار کے ساتھ والدین بچے کی بلائیں لیتے ہیں، چومتے ہیں، گلے لگاتے ہیں، دل بھر کے نہارتے ہیں، ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے ہیں۔ بچہ ہے کہ ماں کے آنچل اور باپ کے سایۂ عاطفت میں وہ سکون پاتا ہے جو ہفت اقلیم میں اسے میسر

نہیں آتا۔ وہ ماں کے آنچل اور باپ کے پیار پر ہر چیز قربان کرسکتا ہے۔ اس پیار، دلار، معیت اور صحبت کے مقابلے میں دنیا کی ہر چیز اس کی نظر میں ہیچ اور کمتر قرار پاتی ہے۔

تاریخ اسلام میں ایک ایسے نوخیز کی سیرت بھی محفوظ ہے جو کسی کی محبتوں کا ایسا اسیر ہوا کہ اس نے اپنے ماں، باپ، بھائی، بہن، کنبہ اور قبیلہ وغیرہ سب کچھ اپنے محبوب پر قربان کر دیا، حب الوطنی کے مقابلے میں غریب الوطنی کو اختیار کیا، آزادی کی بہاروں پر غلامی کی زنجیروں کو ترجیح دی، نوخیز کا یہ فیصلہ ظاہر بینوں کی تنقید کا نشانہ بنا لیکن تاریخ نے نوخیز کے فیصلے کی نہ صرف تائید کی بلکہ سراہا اور خوب سراہا، اب قیامت تک دنیا نوخیز کو، اس کی ہمت کو، جرأت کو، ایثار کو، قربانی کو، عقل کی پختگی کو، پارکھی نگاہ، دور بینی، ژرف نگاہی اور ساری متاع حیات کے عوض جنت کا سودا کر لینے والے فیصلے کو سراہتی رہے گی اور حسن انتخاب کی داد دیتی رہے گی۔

آپ کا تجسس یقیناً آپ کو بے چین کر رہا ہوگا یہ جاننے کے لیے آخر وہ نوخیز کون تھا؟ جس نے صغر سنی میں اتنا عظیم فیصلہ کیا کہ کائنات اس کے فیصلے کی عظمتوں کی اسیر ہوگئی اور وہ مجمع محاسن اور اخلاق کا پیکر کون تھا؟ جس کی مقناطیسی کشش نے نوخیز کو ہر در سے کھینچ کر اپنے در کا دربان بنا لیا تھا۔ تو آیئے اپنے تجسس کو اطمینان کی لگام دیجئے، نوخیز کو "زید بن حارثہ" کہا جاتا ہے، اور جس ذات کے لیے حضرت زید بن حارثہ نے ہر ذات کو اور اپنے سارے جذبات کو قربان کیا تھا وہ ذات وہی ہے جس کے لیے ہر عاشق صادق کی یہی آرزو ہے:

کروں تیرے نام پہ جاں فدا
نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا
کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

یعنی ذات عالم پناہ حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نام و نسب: آپ کا نام زید اور والد کا نام حارثہ ہے۔ پورا نسب نامہ اس طور پر

https://alislami.net

ہے: ''زید بن حارثہ بن شراحیل بن کعب بن عبدالعزیٰ بن امرأ القیس بن عامر بن نعمان بن عامر بن عبدود بن عوف بن کنانہ بن بکر بن عوف بن عزرہ بن زید اللات بن رفیدہ بن ثور بن کلب بن وبرہ بن تغلب بن حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ۔

یہ وہ نسب نامہ ہے جس کو کلبی وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ بعض مؤرخین کا بیان کردہ نسب نامہ اس سے قدرے مختلف ہے۔

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نسبی تعلق قبیلۂ کلب سے ہے۔ ملک یمن آپ کے آباواجداد کا مسکن تھا۔ (آپ کی والدہ یہیں سے آپ کو لے کر اپنے مائیکے گئی تھیں) (اسد الغابہ، ج: ۲،ص: ۳۵۰، الاستیعاب، ج:۱،ص: ۲۴۲، طبقات ابن سعد، ج: ۳،ص: ۳۸، تاریخ دمشق، ج: ۱۹،ص: ۳۵۰)

والدہ کا نام: آپ کی والدہ کا نام سعدیٰ بنت ثعلبہ بن عبد عامر بن افلت بن سلسلہ بن بنی معن بن طي ہے۔ (طبقات ابن سعد ج ۳،ص: ۳۹)

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کے نسب نامہ سے ظاہر ہوا کہ آپ قبیلۂ طي کی شاخ بنی معن کی صاحبزادی تھیں۔

کنیت: آپ کی کنیت آپ کے بیٹے حضرت اسامہ کے نام پر ابو اسامہ مشہور ہوئی۔ (طبقات ابن سعد، ج: ۳،ص: ۴۲)

لقب: آپ حِبّ الرسول (محبوب رسول) کے مبارک لقب سے مسلمانوں کے درمیان مشہور ہوئے۔ (اسد الغابہ، ج: ۲،ص: ۳۵۰، صفۃ الصفہ، ج: ۱،ص: ۳۷۸)

حلیہ: ایک روایت میں ہے آپ پست قد تھے، رنگ گہرا گندمی اور ناک اندر کو دبی ہوئی تھی لیکن دوسری روایت میں ہے کہ آپ کا رنگ خوب گورا تھا۔ ہاں آپ کے بیٹے اسامہ کا رنگ کالا تھا۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دس سال چھوٹے تھے، ایک قول ۲۰؍سال چھوٹے ہونے کا بھی ہے۔ (تاریخ دمشق، ج: ۱۹، ص: ۳۵۱، طبقات ابن سعد، ج: ۳،ص: ۴۲، اسد الغابہ، ج: ۲،ص: ۳۵۳، الاستیعاب، ج: ۱،ص: ۲۴۲)

مؤاخات: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی مؤاخات اپنے مبارک چچا حضرت

https://alislami.net

حمزہ بن عبدالمطلب کے ساتھ قائم فرمائی۔ یہ مؤاخات اتنا رنگ لائی اور پروان چڑھی کہ دونوں میں شدید محبت پیدا ہوگئی۔ یہاں تک کہ جب حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ احد کے لیے روانہ ہوئے تو (اپنے مال واسباب سے متعلق) حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے وصیت فرمائی۔ (طبقات ابن سعد، ج:۳،ص:۸، تذکرہ حضرت حمزہ)

حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ آپ کی مؤاخات مکی مؤاخات ہے جو ہجرت سے پہلے وجود میں آئی۔ بعد ہجرت (جسے مدنی مؤاخات بھی کہا جا سکتا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی مؤاخات حضرت اسید بن حضیر کے ساتھ قائم فرمائی۔

(طبقات ابن سعد، ج:۳،ص:۴۲)

حضرت زید ننہال میں: حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد حارثہ نے اپنی اہلیہ سعدیٰ اور اپنے بیٹے حضرت زید کو سفر پر روانہ کرنے سے پہلے سفر کی ساری تیاریاں مکمل کرلیں، سواری اور سامان سفر سب کچھ درست کرلیا گیا۔ سعدی حارثہ کی اہلیہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماں اپنے مائیکے جانا چاہتی ہیں اور اپنے کمسن بیٹے حضرت زید کو بھی ساتھ لے جانے کا ارادہ رکھتی ہیں، حارثہ نے اس کی اجازت انہیں پہلے ہی دے دی تھی۔ اس لیے سفر کے لیے پیش آئندضرورتوں کا بھی خوشی خوشی انتظام کر دیا، حضرت زید کے گھر سے ان کی نانی کا گھر کافی دور تھا، اس لیے یہ سفر سعدی حضرت زید کو لے کر تنہا نہیں کر سکتی تھیں بلکہ اس کے لیے ایک قافلے کی ضرورت تھی جس کے ساتھ سعدی با آسانی اپنی منزل پر پہنچ سکیں۔ حارثہ نے سفر کے لیے قافلہ بھی تلاش کر لیا تھا، جب بھی اجازت مانگی جاتی تو حارثہ اپنی اہلیہ اور بیٹے کو اس سفر کی اجازت تو بادل ناخواستہ دے دیا کرتے تھے لیکن بیوی اور بیٹے کی محبت تصوراتی دنیا میں انہیں خود ان کے ساتھ جانے پر مجبور کرتی تھی۔ مگر طول مسافت، احساس ذمہ داری اور عمل کی گراں باری اس تصور کو حقیقت میں تبدیل کرنے سے مانع تھی۔ جب قافلے کی روانگی کا وقت آتا تو حارثہ کے پاس اس کے سوا کوئی اور طریقۂ کار نہ ہوتا تھا کہ وہ بھاری دل اور بھیگی پلکوں کے بوجھ کے ساتھ اپنی ہمسفر اور لخت

https://alislami.net

جگر کو قافلے کے ساتھ روانہ کر دیں اور خود ان کی حسین یادوں اور اپنی ذمہ داریوں کے ساتھ گھر کی طرف پلٹ آئیں۔ بوجھ امانت کے تلے دبے حارثہ اپنی بیوی اور بیٹے کے ساتھ اپنی سسرال خود تو نہیں جا پاتے لیکن اپنے اہل خانہ کو مشتعل جذبات اور نم آنکھوں کے ساتھ وداع کرتے اور خود ایک جگہ کھڑے رہ کر ان کو تاکتے رہتے، تب تک جب تک کہ قافلہ نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو جاتا۔ اس بار بھی ایسا ہی سب کچھ ہوا، قافلہ چلا گیا آنسو سوکھ گئے خود گھر لوٹ آئے لیکن لگتا ایسا تھا کہ خالی جسم گھر لے آئے ہیں اور دل قافلے کے ساتھ روانہ کر آئے ہیں۔ (رجال حول الرسول، ص:۱۹۰)

حضرت زید دشمن کی قید میں: سعدیٰ اپنے بیٹے حضرت زید کے ساتھ اپنے ماں باپ کے گھر (مائیکے) قبیلۂ بنی معن سلامتی کے ساتھ پہنچ گئیں، جتنا اللہ تعالیٰ نے چاہا اتنا ٹھہریں لیکن ایک دن نوشتۂ تقدیر سامنے آیا، سارے ارمانوں کا خون ہو گیا، خوشیاں غموں میں تبدیل ہو گئیں، ہر طرف صف ماتم بچھ گئی، چیخیں بلند ہونے لگیں یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ وہ ڈاکٹر عبدالرحمن پاشا سے سنیے وہ لکھتے ہیں:

سعدی اپنے مائیکے میں تھیں کہ قبیلہ قین کے ایک غارت گر گروہ نے بنی معن پر حملہ کر دیا، ڈاکوؤں نے مال لوٹ لیا، جانوروں پر قبضہ کر لیا اور بچوں کو قیدی بنا لیا۔ غارت گر جن کمسنوں کو قیدی بنا کر اپنے ساتھ اٹھا لے گئے تھے ان میں سعدی اور حارثہ کا کم سن بیٹا زید بھی تھا۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر اس وقت تقریباً آٹھ سال رہی ہوگی، اس آٹھ سال کی عمر میں حضرت زید دشمنوں کے ہاتھوں اسیر ہو گئے، بچپن کے آزادانہ لعب ولہو کے بجائے دشمن کی قید میں پہنچ گئے، کمسنی کا معصوم بچپن گزارنے کے بجائے پابند سلاسل ہو گئے۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ، ص:۲۱۷، طبقات ابن سعد، ج:۳، ص:۳۹)

حضرت زید بازار عکاظ میں: عرب کا دستور یہ تھا کہ ڈاکو اور غارت گر لوگ نوخیز بچوں کو خیموں وغیرہ سے اٹھا لے جاتے، ان کو غلام بناتے اور پھر حسب قیمت انہیں کسی بازار میں فروخت کر دیا کرتے۔ ڈاکوؤں کو ان کی ناجائز محنت کے عوض حرام مال مل جاتا اور

بیچارہ کمسن بچہ کہاں کا مارا کہاں پہنچ جاتا۔ جس کو اس کے ماں باپ نے کس لاڈ و پیار سے پالا تھا، وہ در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہو جاتا۔ یہ خرابی بھی عربی معاشرے کی رائج الوقت خرابیوں میں سے ایک بڑی خرابی تھی۔ لیکن صرف اس کی کیا مذمت کی جائے، اس معاشرے کی بڑی بڑی برائیوں کے سامنے یہ تو ادنی درجے کی برائی تھی۔ بہرحال حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ڈاکوؤں کا لقمۂ تر بن چکے تھے۔ غلام کو بیچ کر دام کھڑے کر لیے جائیں اس لیے ڈاکو آپ کو بیچنے کی غرض سے بازار عکاظ لے آئے۔ بازار عکاظ سے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قریش کے مشہور سردار حکیم بن حزام نے چار سو درہم میں خرید لیا، حکیم بن حزام نے اس بازار سے تنہا حضرت زید ہی کو نہیں خریدا بلکہ غلاموں کی ایک جماعت کو خریدا تھا۔

(صور من حیاۃ الصحابۃ، ص: ۲۱۷، طبقات ابن سعد، ج: ۳، ص: ۳۹، تاریخ دمشق، ج: ۱۹، ص: ۳۵۱)

حضرت زید کی خرید و فروخت سے متعلق اور بھی روایات ہیں، ہم نے اس روایت کو بیان کیا ہے جس کو زیادہ تر علمائے کرام نے اپنی کتابوں میں ترجیح کے ساتھ درج فرمایا ہے، تفصیل کے لیے تاریخ دمشق وغیرہ کا مطالعہ کریں۔

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں: ایک قول یہ ہے کہ ابن حزام نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حباشہ کے بازار سے خریدا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ حضور نے بطحاء مکہ میں ان کی فروختگی کی ندا سنی تھی، حضور نے آ کر خدیجہ کو بتایا پھر حضور نے حضرت زید کو خدیجہ کے مال سے خرید لیا، حضرت خدیجہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ غلام ہبہ کر دیا، حضور نے حضرت زید کو آزاد کر دیا، یہ اعلان نبوت سے پہلے کی بات ہے۔ (اسد الغابہ، ج: ۲، ص: ۳۵۱)

فائدہ: عکاظ و مجنہ اور ذوالمجاز زمانۂ جاہلیت میں یہ تینوں مکہ کے بازار تھے ان کی حیثیت عرب کے سب سے بڑے بازاروں کی تھی۔ (الروض المطار فی خبر الاقطار، ص: ۴۱۱)

عکاظ ایک بازار تھا، جسے اہل عرب ماہ حرام میں منعقد کرتے تھے اس میں خرید و فروخت کے سوا فخریہ اشعار بھی پیش کیے جاتے تھے۔ (حاشیہ صور من حیاۃ الصحابۃ، ص: ۲۱۷)

زید کاشانۂ خدیجہ میں: حکیم بن حزام غلاموں کی پوری جماعت کو لے کر اپنے

گھر آ گیا۔ اس کی پھوپھی حضرت خدیجہ کو جب اس بات کی اطلاع ملی کہ ان کا بھتیجہ بازار عکاظ سے اچھے اچھے غلام خرید کر واپس گھر آ چکا ہے تو آپ مرحبا کہنے اس کے گھر تشریف لے گئیں، اپنی پھوپھی کو دیکھ کر حکیم بن حزام نے کہا: اے میری پھوپھی! میں بازار عکاظ سے یہ چند غلام خرید کر لا یا ہوں، ان میں سے آپ کو جو غلام پسند آئے اسے میری طرف سے بطور ہدیہ قبول فرمالیں۔ سیدہ خدیجہ نے تمام غلاموں کے اوپر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے چہروں کی لکیروں میں پوشیدہ ان کی خوبیوں کو پڑھنے کی کوشش کی اور پھر نظر انتخاب حضرت زید بن حارثہ پر جا کر ٹھہر گئی کیونکہ سیدہ کو نجابت وشرافت کی جو علامات حضرت زید بن حارثہ میں نظر آئیں وہ کسی اور میں موجود نہ تھیں لہٰذا حضرت زید بن حارثہ کو اپنے ساتھ لیا اور اپنے گھر تشریف لے آئیں۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ، ص:۲۱۸)

زید کاشانۂ نبوت میں: حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر آئے کچھ ہی زمانہ گزرا تھا کہ حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سید عالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالۂ عقد میں آ گئیں، بخت آور زوجہ نے اپنے عظیم الشان شوہر امام الانبیاء کی بارگاہ ناز میں کچھ تحفہ پیش کرنے کا ارادہ فرمایا تو اپنے گردو پیش مال ومنال، سازوسامان کا جائزہ لیا تو انہیں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہتر کوئی اور تحفہ نظر نہیں آیا، لہٰذا حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو بارگاہ رسالت میں پیش کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قبول فرمالیا، پھر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جکڑنے والی غلامی کی زنجیروں کو توڑتے ہوئے ہمیشہ کے لیے آزاد فرمادیا۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت نہیں فرمایا ہے۔

(صور من حیاۃ الصحابۃ، ص:۲۱۸، تاریخ دمشق، ج:۱۹، ص:۳۵۳)

غلامی یا سرداری: حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنی ننہال آنا اور غارت گروں کے ہاتھوں قید ہو کر غلام بن جانا ایک بڑا حادثہ تھا، جس نے مادرزاد آزاد حضرت زید کو غلامی کی بھٹی میں جھونک دیا تھا لیکن اگر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کا تجزیہ کیا

جائے تو نتیجہ یہی برآمد ہوگا کہ اس حادثے نے بظاہر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غلام بنا دیا تھا لیکن حقیقت میں انہیں غلام نہیں امت کا سید وسردار بنا دیا تھا۔ سچ فرمایا میرے رب نے اور اس کا ہر کلام سچا ہی ہے: ''فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ﴿۵﴾ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ﴿۶﴾'' بیشک دشواری کے ساتھ آسانی ہے، بے شک دشواری کے ساتھ آسانی ہے۔ نہ وہ ڈاکوؤں کے ہتھے چڑھتے اور نہ بازار عکاظ میں بکتے، نہ حکیم بن حزام خرید کر اپنی پھوپھی کے حوالے کرتے اور نہ سیدہ خدیجہ انہیں دربار رسالت تک پہنچاتیں۔ یہ سب غلامی ہی کی کرشمہ سازیاں تھیں کہ رحمۃ للعالمین کی آغوش رحمت پناہ میں آئے۔ رحمت تمام نے ظاہری غلامی سے آزاد فرما دیا لیکن حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیشہ کے لیے آپ کے نام کا پٹۂ غلامی اپنی گردن میں ڈال لیا۔

حضرت زید غلام کیا بنے قسمت سنور گئی، اس ذات کا در دولت ان کی قیام گاہ بن گیا، جس کی دربانی بھی ہفت اقلیم کے کشور کشائی سے کہیں بڑھ کر ہے۔ یہ مقدر کا سکندر رحمت عالمیاں کے سایۂ عاطفت اور سرپرستی میں اپنی زندگی کے شب و روز گزارنے لگا۔ حضور کی کرم نواز صحبتوں سے حصہ پانا اور اخلاق محمدی کی بھینی بھینی خوشبو سے مشامِ جاں کو معطر بنانا، معمولات زندگی کا لازمہ بن گیا۔ حضور کے لب ہائے جاں بخش کی شیرینی حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رگ رگ اور نس نس میں سما گئی، اس کرم گستری نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ماں کی ممتا اور والد کا سارا پیار بھلا دیا۔ یہاں اسے باپ کے پیار سے بڑھ کر پیار اور ماں کے دلار سے ڈھیروں زیادہ لاڈ حاصل تھا۔ والد کی آغوش اور مہر مادری کے مزے اپنی جگہ مگر

جن پہ ماں باپ فدایاں کرم ان کا دیکھو

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنے والی زندگی کا کردار ہمارے اس دعوے کی مکمل تائید کرے گا۔

ماں باپ کا حال: حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ حضور کی آغوش رحمت

میں آ کر ماضی کی یادوں کو بھول چکے تھے مگر جس ماں نے اپنے دل کا ٹکڑا گم کر دیا ہو وہ بھی اس کیفیت کے ساتھ کہ نہ زندگی کی خبر نہ موت کا یقین، اس کے سکون وچین کا تصور کیسا؟ آنسو رکتا نہ دل قرار پاتا، نہ اسے کسی کروٹ سکون میسر آتا۔ ماں کی بےچینی کو مزید بڑھانے والی بات یہ تھی کہ وہ اپنے بیٹے کی زندگی اور موت دونوں سے بے خبر تھی، اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ بیٹا زندہ ہے تو اس کے آنے کی امید اور ڈھونڈنے کی تدبیر کی جاتی اور اگر موت کا پتا چل جاتا تو بے شمار صبر کرنے والوں کی طرح صبر کر لیا جاتا۔ یہ تو ماں کا حال تھا لیکن باپ جو اپنے بیٹے کو رگِ جاں سے بھی زیادہ عزیز تر رکھتا ہے وہ ماں سے غم میں کم کیوں کر ہو سکتا ہے؟ وہ بے چارہ، وقت کا مارا، اپنی بساط بھر بیٹے کی تلاش میں نگر نگر، ڈگر ڈگر، مارا مارا پھرتا رہا۔ ہر آنے جانے والے سے اس کا ایک ہی سوال ہوتا تھا کہ اس نے حضرت زید کو کہیں دیکھا ہے؟ شدتِ غم سے نڈھال ہو جاتا تو خود مرتب کردہ اشعار گنگناتا بے شک یہ انسانی خصلتوں میں سے ایک خصلت ہے:

دامن ضبط کو اشکوں سے بھگو لیتا ہوں
درد جب حد سے گزرتا ہے تو رو لیتا ہوں

حارثہ نے اپنے بیٹے کے فراق اور جگر پارے کی محبت میں جو اشعار کہے تھے انہیں سن کر ہر دردمند کا دل شدت الم سے پھٹنے لگتا ہے۔ حارثہ کی محبت اور غموں کی شدت ان کے اشعار کی زبان آپ بھی محسوس کیجئے۔

(۱) بکیت علی زید ولم ادر ما فعل احی فیرجی ام اتی دونہ الاجل
میں نے زید پر آنسو بہائے لیکن یہ نہ جان سکا کہ وہ دنیا میں ہے یا دنیا سے چلا گیا۔

(۲) فواللہ ما ادری وانی لسائل اغالك بعدی السهل ام غالك الجبل
خدا کی قسم! مجھے نہیں معلوم اور میں پوچھ رہا ہوں کیا تجھے زمین نگل گئی یا پہاڑ کھا گیا۔

(۳) تذکرنیہ الشمس عند طلوعها وتعرض ذکراہ اذا غربها افل۔
چمکتا سورج تیری یادیں تازہ کرتا ہے اور غروب ہوتے ہوتے تیرا غم پھر ہرا کر جاتا ہے۔

(۴) وان هبت الارواح فهيجن ذكره فيا طول ما حزني عليه ويا وجل
ہواؤں کا چلنا اس کی یادوں میں ہیجان پیدا کر دیتا ہے ہائے میرے غم اور رنج والم کی طوالت۔
ہم طوالت سے بچتے ہوئے آگے صرف اشعار کا ترجمہ نقل کر رہے ہیں۔
(۵) قریب ہے کہ میں اونٹ کی طرح چل کر روئے زمین کی خاک چھان ماروں، میں بادیہ پے مائی سے پوری زندگی نہیں اکتاؤں گا، یہاں تک کہ اونٹ تھک جائے۔
(۶) یا مجھے موت آ جائے اور ہر انسان کو فنا ہونا ہی ہے، اگرچہ اسے امیدیں دھوکے میں ڈالے رکھیں۔
(۷) میں قیس و عمر دونوں کے ساتھ یزید اور جبلہ کو اسے ڈھونڈنے کی وصیت کرتا ہوں۔

آخری شعر میں قیس اور عمر سے مراد حضرت زید کے چچا ہیں اور یزید و جبلہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی ہیں۔ یزید ماں شریک بھائی ہے تو جبلہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سگا بڑا بھائی ہے۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ، ص:۲۱۸، الاستعاب، ج:۱، ص:۲۴۳، اسد الغابہ، ج:۲، ص:۱۵۱-۳، الاصابہ، ج:۳، ص:۲۵)

ہم وطنوں کی حضرت زید سے ملاقات: حج کا موسم چل رہا تھا، حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہم وطن قبیلۂ کلب کے کچھ افراد حج کرنے کی غرض سے مکہ آئے ہوئے تھے، عین اس وقت جب کہ یہ لوگ خانۂ کعبہ کے طواف میں مشغول تھے، ایک چہرہ ان کی نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ کلبیوں نے چہرا پہچاننے میں بالکل خطا نہیں کی۔ انہوں نے پہچان لیا تھا کہ یہ وہی مفقود الخبر لڑکا ہے، جس کے ماں باپ رو رو کر ہلکان ہوئے جاتے ہیں۔ نہ ہی حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے قبیلے کے افراد کو پہچاننے میں کوئی غلطی کی تھی، دونوں طرف سے سوال و جواب کا سلسلہ دراز ہوا اور طواف پورا ہو گیا۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ، ص:۲۱۹)

اس موقع پر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہم قوموں نے حضرت زید کو ان کے ماں باپ کی پوری رودادِ غم، ماں کا بلکنا، باپ کا تڑپنا، بیٹے کے غم میں نوحہ خوانی کرنا سبھی کچھ

https://alislami.net

بتایا اور سنایا۔ جس کا جواب حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے آنے والے الفاظ کے ذریعے دیا۔ (رجال حول الرسول، ص:۱۹۱)

حضرت زید نے کہا: میرے گھر والوں کو میرے یہ اشعار پہنچا دینا، میں جان رہا ہوں کہ وہ میرے فراق میں رو رہے ہیں۔

اشعار کا ترجمہ پیش خدمت ہیں:

(۱) میرے دل میں میری قوم کی چاہت ہے اگر چہ میں ان سے دور ہوں، میں خانہ کعبہ میں مشعر حرام کے پاس ہی رہتا ہوں۔

(۲) لہٰذا تم اس غم سے باز آ جاؤ جس نے تمہیں زخمی کر رکھا ہے اور اونٹوں کی طرح چل کر آبلہ پائی مت کرو۔

(۳) میں الحمد اللہ! ایک بہترین خاندان کے ساتھ رہائش پذیر ہوں، جو نسلا بعد نسل معزز و محترم ہے۔ (طبقات ابن سعد، ج:۳، ص:۴۰، اسد الغابہ، ج:۲، ص:۳۵۱)

والدین کے لیے مژدۂ جاں فزا: کلبیوں نے مناسک حج ادا کیے اور مکۂ مکرمہ سے اپنے دیار کی جانب واپس ہو گئے۔ گھر پہنچ کر انھوں نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات کی تفصیلات حضرت زید کے والد حارثہ کو کہہ سنائیں، خاص کر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسکن کا پورا پتہ حارثہ کو دے دیا۔

(الاصابہ، ج:۳، ص:۲۵، طبقات ابن سعد، ج:۳، ص:۳۸، اسد الغابہ، ج:۲، ص:۳۵۱)

قارئین! سمجھ سکتے ہیں ماں باپ کی خوشی کا عالم، وہ کتنے کیف آگیں لمحات ہوں گے جس میں حارثہ کو یہ معلوم ہوا ہوگا کہ ان کا بیٹا زندہ ہے اور فلاں جگہ سکونت پزیر ہے۔ خوشخبری سنانے والوں اور حارثہ کے درمیان کیا کچھ گفتگو ہوئی اس کی تفصیلات تو ہمیں کسی مآخذ میں دستیاب نہ ہو سکیں، البتہ ایک سوشل سائٹ کے مضمون نگار نے کچھ اس طرح تبصرہ کیا ہے:

ابن شراحیل! خوش ہو جاؤ، ہم تمہارے بیٹے سے مل کر آئے ہیں!'' کہاں ہے میرے دل کا ٹکڑا؟ مجھے پوری بات سناؤ۔'' ابن شراحیل کو اندیشہ تھا کہ کہیں اس کے ساتھ

شادی مرگ کا معاملہ نہ ہو جائے۔ رشتے داروں نے بتایا: اے ہمارے چچا کے بیٹے! ہم اس برس حج کرنے گئے تھے وہاں ہم نے تیرہ چودہ برس کے ایک لڑکے کو دیکھا، اس کی شکل تمھارے بیٹے سے بہت ملتی جلتی تھی۔ ہمیں وہ تمہارا کھویا ہوا بیٹا ہی معلوم ہوا۔ ہم تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس کے پاس پہنچے اور پوچھا کہ اے شریف باپ کے بیٹے! تم کس قبیلے سے ہو؟ اس نے بتایا ''بنی کلب قبیلے سے'' ہم نے پوچھا کہ یہاں اکیلے کیوں ہو؟ کہنے لگا: کچھ برس پہلے مجھے ڈاکوؤں نے اٹھا لیا تھا پھر مجھے مکہ میں لگنے والے ایک میلے میں بیچ دیا اور اب میں ایک شریف اور اونچے خاندان کا غلام ہوں''۔ کیا تم نے اسے اس کے باپ کی حالت نہ بتائی؟ یہ نہ کہا کہ تمہارے غم میں تمھارے باپ نے آنسو بہا بہا کر اپنی آنکھوں کا پانی خشک کر لیا ہے؟ کیوں نہیں عزیز چچازاد! ہم نے تمہارا اور تمھاری بیوی دونوں کا حال اس تک پہنچایا۔ پھر اس نے کیا کہا؟ باپ نے گلوگیر آواز سے پوچھا۔ اس نے ہمیں عجیب بات کہی۔ کہنے لگا کہ میرے والد کو تسلی دینا اور کہنا کہ حوصلہ رکھے، غم نہ کرے، میں یہاں بہت آرام اور سکون سے ہوں۔ ہائے میری قسمت، پتا نہیں بے چارہ کس حال میں ہوگا؟ میرا دل بہلانے کو کہہ دیا ہوگا کہ اچھا ہوں۔ وہ کچھ لمحے خلا میں گھورتا رہا۔ پھر بولا: ارے دوستو! کیا تمھیں یقین ہے کہ وہ میرا ہی کھویا ہوا بیٹا ہے؟ ہاں، ہاں! اس معاملے میں تو ہمیں ذرہ بھر شبہ نہیں۔ اس نے اپنا اور تمھارا نام بالکل ٹھیک ٹھیک بتایا تھا اور اسے یہ بھی یاد تھا کہ اسے خیمے سے باہر کھڑے ڈاکوؤں نے اٹھایا تھا۔ شراحیل اپنے بھائی کعب سے کہنے لگا: اے میرے ماں جائے! چلو ابھی اور اسی وقت چلو۔ مجھے تو بیٹے کو دیکھے بغیر پل بھر چین نہیں۔ ہم ابھی مکہ کی طرف چلتے ہیں اور پھر ایک چھوٹا سا قافلہ اسی وقت مکہ روانہ ہو گیا۔ جس قدر جلدی ہو سکتی تھی، یہ قافلہ اتنی ہی جلدی مکہ جا پہنچا۔ بیٹے کے متعلق ابن شراحیل کو یہ بتایا جا چکا تھا کہ اسے عکاظ نامی میلے میں فروخت کیا گیا تھا اور اس کے خریدار کا نام ''حکیم بن حزام'' تھا۔ یہ قافلہ مکہ آ کر سیدھا حکیم کے گھر پہنچا۔ حکیم ایک معزز قبیلے ''بنی سعد'' کا فرد تھا۔ اس نے مہمان نوازی کی روایت کو نبھایا اور ابن شراحیل کو بتایا کہ اسی نے زید نامی لڑکے کو

خریدا تھا، مگر اب وہ اس کی ملکیت نہیں۔ اس نے اسے اپنی پھوپھی کو تحفے میں دے دیا ہے۔ ابن شراحیل فوراً اس کی پھوپھی کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ (سوشل ذرائع سے ماخوذ)

حارثہ بامید کرم پابرکاب: حارثہ اپنے بھائی کعب کو لے کر تیزی کے ساتھ سفر کرتے ہوئے مکہ پہنچے اور پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت سرائے پر حاضر ہو گئے، حارثہ کو زمانے کے حالات اور اپنے تجربات کی روشنی میں علم الیقین کے ساتھ یہ بات معلوم تھی کہ بغیر موٹی رقم خرچ کیے ہوئے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کے ٹکڑے کی رہائی ناممکن ہے لہٰذا وہ اپنے بیٹے کی رہائی کا فدیہ ادا کرنے کے لیے مال کی خاصی مقدار اپنے ساتھ لائے تھے۔ (انہیں نہیں معلوم تھا کہ یہ مال جس ذات کو دینے کے لیے لائے ہیں تمام شاہ و گدا اسی کے در کی خیرات اور صدقہ کھاتے ہیں) دروازے پر دستک دی، دروازہ کھلا اور حارثہ اپنے بھائی کے ساتھ بیت النور میں داخل ہو گئے۔ شہنشاہِ کونین سے ملاقات ہوئی تو حارثہ کچھ اس طرح عرض گزار ہوئے: اے ابن عبدالمطلب! اے ابن ہاشم! اے قوم قریش کے سردار کے بیٹے! تم اللہ کے گھر کے پڑوسی ہو، سائل کی مراد کو پورا کرنے والے اور طالب پناہ کو پناہ دینے والے ہو، بھوکے کو کھلانے والے اور مظلوم کی دادرسی کرنے والے ہو، ہم بامید کرم آپ کی بارگاہ میں حاضر آئے ہیں تاکہ اپنے بیٹے کا فدیہ ادا کر کے اسے اپنے ساتھ گھر لے جاسکیں۔ اے کریم ابن کریم! ہم پر کرم فرمائیں، ہمارا بیٹا ہمیں عطا فرمادیں۔ آپ اس کے عوض جو زرفدیہ لینا چاہیں گے وہ ہمیں منظور ہوگا، رحمت عالم نے پوچھا: تمہارا بیٹا کون ہے اور تم کس کا فدیہ ادا کرنے کی بات کر رہے ہو؟ حارثہ نے کہا: آپ کا غلام زید بن حارثہ ہمارا بیٹا ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم زید کی بات کر رہے ہو تو کیا میں تمہاری پیش کردہ تجویز سے زیادہ بہتر تدبیر تمہیں نہ بتادوں؟ حارثہ نے کہا: فرمائیے وہ تدبیر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: میں اس کو تمہارے پاس بلاتا ہوں پھر اسے میرے پاس رہنے یا تمہارے ساتھ جانے کا اختیار دیتا ہوں، اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے گا تو تم سے بغیر کوئی روپیہ لیے اسے تمہارے حوالے کر دیا جائے گا اور اگر وہ

میرے پاس رہنا چاہے گا تو خدا کی قسم! میں اس انسان سے بے رغبتی نہیں کر سکتا جو مجھے اختیار کرنا چاہے۔ حضور کی کریمانہ تجویز کو سن کر حضرت زید کے والد اور چچا دونوں نے یک زبان ہو کر کہا: آپ نے نہایت ہی عادلانہ بات کہی اور کمال کا انصاف کیا ہے۔

مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی: جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیش کردہ تجویز کو حضرت زید کے والد اور چچا نے بتمام رضا و رغبت قبول کر لیا اور دونوں حضور کی کرم شعاری کے گرویدہ ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آواز دی، حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکمل نیاز مندی کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گئے۔ حضور نے پوچھا: زید! تم ان دونوں حضرات کو پہچانتے ہو؟ عرض کیا: ہاں حضور! میں انہیں اچھے طریقے سے جانتا ہوں، ان میں سے ایک میرے والد حارثہ بن شراحیل ہیں اور دوسرے میرے پیارے چچا کعب ہیں۔ حضور نے فرمایا: زید! اب جب کہ تم نے اپنے والد اور چچا کو پہچان لیا ہے تو بے شک تم مجھے بھی جانتے ہو، میری صحبتوں اور سنگتوں سے بھی واقف ہو اور میرے اس سلوک سے بھی تم بخوبی آشنا ہو، جو میں نے تمہارے ساتھ انجام دیا ہے۔ تمہارے والد اور چچا تمہیں لینے کے لیے آئے ہیں، وہ تمہیں اپنے ساتھ اپنے گھر لے جانا چاہتے ہیں، اب میں تمہیں اختیار دیتا ہوں چاہو تو میرے پاس ٹھہرے رہو اور اگر اپنے والد اور چچا کے ساتھ گھر جانا چاہتے ہو تو میری طرف سے تمہیں مکمل اجازت ہے۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بغیر کسی توقف اور بلا کسی تردد کے بلا تاخیر کہا: حضور! میں آپ ہی کے ساتھ رہوں گا۔ میں آپ پر کسی کو ترجیح دے سکتا ہوں نہ آپ کو چھوڑ کر کسی کے بھی ساتھ جا سکتا ہوں۔ آپ میرے ماں باپ اور چچا سب کچھ ہیں۔ والد نے کہا: ہائے زید! یہ کیا کہہ رہے ہو؟ اور کتنا برا فیصلہ کر رہے ہو؟ کیا تم آزادی پر غلامی کو ماں باپ اور اہل خانہ پر ایک اجنبی کو ترجیح دے رہے ہو؟ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوری متانت کے ساتھ اپنے والد کو جواب دیا: جی ہاں! میں یہ فیصلہ مکمل ہوش و حواس کے ساتھ لے رہا ہوں کیوں کہ میں اس ذات میں وہ محاسن و کمالات

دیکھ رہا ہوں جن کے مقابلے میں پوری کائنات میں کسی کو اختیار نہیں کرسکتا۔

متاع بے بہا ہے دردو سوز آرزو مندی
مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی
(اقبال)

(طبقات ابن سعد، ج: ۳،ص: ۴۰، تاریخ دمشق، ج:۱۹،ص: ۳۴۸، الاصابہ، ج: ۳،ص: ۲۵، اسد الغابہ، ج: ۲، ص: ۳۵۱، الاستیعاب، ج: ۱،ص: ۲۴۳، صور من حیاۃ الصحابۃ،ص: ۲۲۰)

اگرچہ ابھی حضور نے اعلان نبوت نہیں فرمایا تھا لیکن معلم کائنات کے محاسن نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس بات کی یقین دہانی کرادی تھی کہ یہی وہ ذات ہے کہ جس کے قدموں میں پڑا رہنا انسانیت کی معراج ہے۔ اسے چھوڑ کر کسی کو اختیار کرنا نہایت ہی خسارے اور گھاٹے کا سودا ہوگا، ان پر ایک ماں باپ تو کیا ساری کائنات کو قربان کیا جاسکتا ہے، اس در کی دربانی بادشاہی سے کہیں بڑھ کر ہے، اس در کو چھوڑنا نصیبے کی بربادی ہے۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ماں باپ اور کنبہ و قبیلے کے مقابلے حضور کو اختیار کر کے پوری انسانیت کو پیغام دیا۔

جو تیرے در سے یار پھرتے ہیں در بدر یوں ہی خوار پھرتے ہیں
اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں مانگتے تاجدار پھرتے ہیں
(اعلیٰ حضرت)

زید بن حارثہ سے زید بن محمد: حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قربانی، نیاز مندی، وفا شعاری اور اپنے تئیں جذبات محبت کی فراوانی دیکھ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آنکھیں تشکرانہ آنسوؤں سے بھر آئیں۔ وفا شعاری کے اس انداز نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بحر محبت میں تموج پیدا کر دیا، بس پھر کیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ تھاما حارثہ اور کعب کو بھی اپنے ساتھ لے لیا اور پھر سب صحن کعبہ میں جا پہنچے۔ کعبہ مقدسہ کے گرد اہل قریش کی محفلیں جمی ہوئی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند

آواز سے فرمایا: اے قوم قریش! گواہ ہو جاؤ آج سے زید میرا بیٹا ہے۔ میں اس کا وارث ہوں اور یہ میرا وارث ہے۔ اس طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا متبنیٰ (منہ بولا بیٹا) بنا لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعلان سے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد حارثہ اور چچا کعب بہت خوش ہوئے، انہیں یقین ہو گیا کہ انکا بیٹا غلام نہیں، عرب کے سب سے باعزت و باوقار شخص کا بیٹا ہے۔ اب انہیں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مستقبل سے متعلق کوئی خطرہ لاحق تھا نہ بدگمانی۔ دونوں نہایت خوش طبعی اور شگفتہ مزاجی کے ساتھ اس حال میں اپنے گھر کی طرف لوٹ گئے کہ ان کے دل مطمئن تھے اور چہرے ہشاش۔ اس دن سے زید بن حارثہ کو زید بن محمد کہا جانے لگا۔ مسلسل حضرت زید کے والد کے طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کا استعمال ہوتا رہا یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو اعلان نبوت کے ساتھ مبعوث فرما دیا اور اسلام نے عربوں میں رائج متبنیٰ (منہ بولے بیٹے) کے قانون کو ختم فرما دیا۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ، ص: ۲۲۰، الاصابہ، ج: ۳، ص: ۲۵، تاریخ دمشق، ج: ۱، ص: ۳۴۸، طبقات ابن سعد، ج: ۳، ص: ۴۰)

جس پر چاہے فضل فرمائے: حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ کو دیکھ کر، ذات مصطفیٰ کے محاسن کا مشاہدہ کر کے، اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر حضور کا انتخاب ضرور کر لیا تھا لیکن شاید یہ فیصلہ کرتے وقت خود حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی نہیں معلوم تھا کہ انہوں نے کتنا قیمتی سودا کیا ہے اور کس غنیمت پر قبضہ کر لیا ہے؟ انہوں نے جس آقا کا انتخاب کیا تھا وہ صرف انہیں کا نہیں بلکہ تمام اولین وآخرین کا بھی آقا ہے، وہ پوری کائنات کی طرف اللہ کا مقدس رسول ہے، انہیں نہیں معلوم تھا کہ عنقریب زمین پر آسمانی حکومت قائم ہونے والی ہے جس حکومت کے قیام سے زمین کے مشرق ومغرب، اطراف وجوانب سب نیکی اور عادلانہ نظام سے بھر جائیں گے، انھیں نہیں معلوم تھا کہ اس قائم شدہ حکومت کے شاہی محل کا وہ خود بھی ایک عظیم الشان ستون ہوں گے، ان کے یقین کی دنیا میں ایسا کچھ نہ تھا لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جسے چاہے

https://alislami.net

عطا فرمائے۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ، ص:۲۲۱)

دامن اسلام میں: حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے پورے گھرانے کو چھوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و معیت کو اختیار کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد فرما کر اپنا متبنی بنا لیا تھا، اس واقعے کو وجود میں آئے چند ہی سال گزرے تھے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو حق و ہدایت کے ساتھ مبعوث فرما دیا۔

(صور من حیاۃ الصحابۃ، ص:۲۲۱)

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا ایک فرد تھے۔ کاشانۂ نور میں جان عالمیاں کے ساتھ ہی بسیرا کرتے تھے، آفتاب نبوت کے ظہور کی شعاعوں سے گھر کے در و دیوار جب جگمگ جگمگ ہوئے تو یہ کیسے ممکن تھا کہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان نورانی کرنوں کا احساس نہ ہوتا؟ جو آفتاب نور عالم سے ظلم و کفر کی تاریکیوں کو کافور فرما کر اسلام کے نور سے منور کرنے والا ہے اس کے مطلع پر انوار میں رہتے ہوئے بھی حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل کی ظلمتیں باقی رہ جائیں یہ کیسے ہوسکتا تھا؟ جس ذات کی راست گوئی، حق بیانی، بلند کرداری، ذرہ نوازی، خوش اخلاقی، شگفتہ روئی، کشادہ دستی اور فراخ دلی سے متأثر ہو کر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ماں باپ بلکہ گھر کی پوری کائنات کو چھوڑ دیا تھا وہ بھی بغیر کسی مطالبے کے، وہ اس ذات کے مطالبے پر اسلام کو اختیار کرنے میں کیوں کر پیچھے رہ سکتے تھے؟ چنانچہ اعلان نبوت کے اولین مراحل ہی میں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کی ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں میں آ بسے، حضور کی دعوت کو قبول فرما کر ہمیشہ کے لیے اسلام ہی کے ہو رہے۔

اسلام میں آپ کا نمبر: بلا شک و شبہ آپ اس کاروان نور کا حصہ ہیں جو اسلام لانے میں سب پر سابق ہے۔ سابقین اولین کی بھی پہلی جماعت میں آپ کا شمار ہے، حضرت معمر نے تو یہاں تک روایت کیا ہے کہ امام زہری فرماتے ہیں: ہم کسی ایسے شخص کو نہیں جانتے جو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے ایمان لایا ہو۔ اس روایت

https://alislami.net

کا تقاضہ یہی ہے کہ آپ پہلے مسلمان ہیں۔ اس کے علاوہ بھی کتابوں میں ایسی روایات موجود ہیں جن میں اس بات کی صراحت ہے کہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے پہلے مسلمان ہیں۔ تفصیل کے لیے تاریخ دمشق وغیرہ کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

لیکن اولیت کی روایات صرف حضرت زید ہی کے ایمان سے متعلق مروی نہیں بلکہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت مولیٰ علی، حضرت خدیجۃ الکبریٰ وغیرہم رضی اللہ عنہم کے متعلق بھی سب سے پہلے ایمان لانے کی روایات موجود ہیں۔ لہٰذا اس سلسلے میں محققین علما و ائمہ کا قول فیصل وہی ہے جسے ہم معارف صحابہ میں بیان کر چکے ہیں۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: حضرت امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ نے ان تمام روایات کو اس طور پر جمع فرمایا ہے ''آزاد مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق ایمان لائے، عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ، آزاد کردہ غلاموں میں سب سے پہلے حضرت زید بن حارثہ اور بچوں میں سب سے پہلے حضرت مولیٰ علی ایمان لائے'' رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (السیرۃ النبویۃ لابن کثیر، ج:۱، ص:۴۳۷، البدایہ والنہایہ، ج:۴، ص:۳۷)

امام نووی فرماتے ہیں: بہتر ہے کہ یہ کہا جائے ''آزاد مردوں میں حضرت ابوبکر صدیق، بچوں میں مولیٰ علی، عورتوں میں حضرت خدیجہ، آزاد کردہ غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ اور غلاموں میں حضرت بلال سب سے پہلے ایمان لائے'' رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (تہذیب الاسماء واللغات، ج:۱، ص:۳۴۵)

اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان لانے میں بہت سارے لوگوں پر اولیت رکھتے ہیں، بلکہ اس راہ کے جو اولین ترین افراد ہیں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام اس فہرست میں شامل ہے۔ بھلا اس اولیت کے اوپر بھی کوئی اولیت ہے؟ بیشک اس جیسے مقابلے میں لوگوں کو مقابلہ کرنا چاہئے۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ، ص:۲۲۱)

مصائب و آلام: حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ شرف حاصل ہو چکا تھا کہ وہ اعلان نبوت سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے فرد بن چکے تھے اور حضور صلی

https://alislami.net

اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی حضور کے دولت خانہ میں فروکش تھے۔ مجھے اس بات کی صراحت اگر چہ کسی قابل ذکر کتاب میں نظر نہیں آئی لیکن یہ بات بالکل معقول ہے کہ آپ بھی ان تمام مشقتوں میں شامل رہے جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے گھر والوں نے برداشت کیا۔ جیسے شعب ابی طالب میں محصور ہونا، یہ بات یقینی ہے کہ شعب ابی طالب میں کچھ مسلمان ضرور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ محصور تھے، جیسے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے ایک فرد اور حضور کے منہ بولے بیٹے تھے تو وہ بھلا اس محاصرے سے کیوں کر بچ سکتے تھے۔ شعب ابی طالب میں محصوری کی زندگی ایک بہت بڑی مصیبت اور صبر آزما حادثہ تھا۔

پیر کرم شاہ ازہری لکھتے ہیں:

یہ طویل محاصرہ حضور کے لیے اور حضور کے خاندان کے لیے از حد تکلیف دہ تھا۔ بسا اوقات درختوں کے پتے اور گھاس کھا کر پیٹ بھرا کرتے، بھوک سے بلکتے ہوئے معصوم بچے اس قدر زور شور سے روتے کہ ان کے رونے کی آواز شعب (گھاٹی) سے باہر دور دور تک سنائی دیتی۔

علامہ سہیلی لکھتے ہیں: صحیح میں ہے کہ شعب (گھاٹی) میں محصورین کو بڑی مصیبت اور مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ وہاں وہ درختوں اور بیری کے پتے کھا کر گزارا کرتے تھے، جب وہ قضائے حاجت کرتے تو بکریوں کی مینگنیوں کی طرح خشک مادہ خارج ہوتا تھا۔ ان محصورین میں سعد بن ابی وقاص بھی تھے۔ آپ سے مروی ہے کہ آپ نے کہا: ''میں ایک دن از حد بھوکا تھا، رات کو اندھیرے میں میرا پاؤں کسی گیلی چیز پر آ گیا، میں نے اسے اٹھا کر منہ میں ڈالا اور اسے نگل گیا، مجھے اتنا ہوش بھی نہ تھا کہ میں پتہ کرتا کہ وہ کیا چیز ہے؟ اور اب تک مجھے اس کے بارے میں کوئی علم نہیں''۔

یونس حضرت سعد سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ ایک رات میں پیشاب کرنے کے لیے باہر نکلا جب میں پیشاب کرنے لگا تو جہاں میرا پیشاب گر رہا تھا وہاں کسی

https://alislami.net

چیز کی مجھے آواز آئی۔ میں نے اٹھایا تو وہ اونٹ کے خشک چمڑے کا ایک ٹکڑا تھا، میں نے اسے لیا پھر اسے دھویا پھر اسے جلا کر راکھ کیا پھر اسے کوٹا پھر اسے پانی میں ملایا اور تین دن تک اسے کھاتا رہا۔ (الروض الانف، ج:۲،ص:۱۲۷، بحوالہ سیرت الرسول، ج:۲،ص:۳۸۷)

خیال رہے یہ محاصرہ تین سال کی طویل مدت تک جاری رہا۔ (سیرت الرسول ج ۲، ص:۳۸۷) ظاہر حال یہی ہے کہ وہ تمام تر پریشانیاں جو شعب ابی طالب کے محصورین نے جھیلیں، حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان میں برابر کے شریک رہے۔

طائف میں حضور کے ساتھ: اعلان نبوت کے دسویں سال اب نہ دنیا میں ابو طالب تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے، نہ پیاری شریکۂ حیات حضرت خدیجہ تھی، جو حضور کا غم غلط کرتیں، کفار کی سختیاں اور سخت ہوگئیں، جب انتقامی کارروائیاں شدید تر ہوگئیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم طائف کی طرف اس توقع پر گئے کہ شاید وہ آپ کو پناہ دیں گے۔ پس آپ طائف کے تین سرداروں کے پاس گئے وہ سب آپس میں بھائی تھے۔ عبد یالیل، حبیب اور مسعود۔ آپ نے اپنے آپ کو ان کی پناہ میں پیش کیا اور آپ کو اپنی قوم سے جو تکلیفیں پہنچی تھیں ان کا ذکر کیا تو ان لوگوں نے بہت بے دردی سے آپ کو مسترد کر دیا۔ (عمدۃ القاری، ج:۱۵،ص:۱۹۵، بحوالہ نعمۃ الباری، ج:۶،ص:۲۴۷)

طائف کے اس سفر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلام وفادار حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی معیت کا موقع نصیب فرمایا۔ یہ سفر کوئی معمولی سفر نہ تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلیغی سفروں میں سخت ترین سفر تھا۔ اس سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نبھانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ یہ ساتھ وہی نبھا سکتا تھا جس نے اپنا سب کچھ یہاں تک کہ جسم و جان بھی حضور پر قربان کرنے کا عزم محکم کر رکھا ہو، اس سفر میں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جاں نثاری ہم بعد میں بیان کریں گے پہلے بخاری شریف کی ایک حدیث سے اس سفر کی شدت و مشقت کا اندازہ کیجئے:

حضرت عروہ نے حدیث بیان کی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ نے ان کو حدیث بیان کی، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: کیا آپ کے اوپر کوئی ایسا دن بھی آیا جو آپ کے نزدیک غزوۂ احد کے دن سے بھی زیادہ شدید تھا؟ آپ نے فرمایا: تمہاری قوم سے مجھے جو مصائب پہنچے سو پہنچے اور ان تمام مصائب میں سب سے زیادہ سخت مصیبت وہ تھی جو مجھے عقبہ کے دن پہنچی۔ جب میں نے اپنے آپ کو ابن عبد یا لیل بن عبد کلال پر پیش کیا، اس نے میرے ارادے کے مطابق میری دعوت کو قبول نہیں کیا، میں وہاں سے بہت مغموم حالت میں چل پڑا پھر جب میں قرن الثعالب پر پہنچا تو میری حالت سنبھلی، پس میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو مجھ پر ایک بادل نے سایہ کیا ہوا تھا پھر میں نے غور کیا تو اس میں (حضرت) جبرائیل تھے، انہوں نے مجھے آواز دی اور کہا: بے شک اللہ نے آپ کی قوم کی باتیں سن لی ہیں اور انہوں نے جو آپ کو جواب دیا ہے وہ بھی سن لیا ہے اور اللہ نے آپ کی طرف پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے تاکہ آپ اس کو ان لوگوں کے متعلق جو چاہیں حکم دے دیں۔ پھر مجھ کو پہاڑوں کے فرشتے نے آواز دی پس اس نے مجھ کو سلام کیا پھر اس نے کہا: اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! اس نے بھی یہی کہا: آپ جو چاہیں اگر آپ چاہیں تو جن دو پہاڑوں کے درمیان یہ لوگ ہیں ان دو پہاڑوں کو آپس میں ملا دوں (جس سے یہ لوگ ان کے درمیان پس جائیں) تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ مجھے یہ امید ہے کہ اللہ ان لوگوں کی پشتوں سے ایسے لوگوں کو نکالے گا جو صرف اللہ وحدہٗ کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہیں کریں گے۔ (بخاری شریف، حدیث نمبر: ۳۲۳۱)

حدیث میں مذکور واقعہ سفر طائف سے متعلق ہے۔

(عمدۃ القاری، ج: ۱۵، ص: ۱۹۵ بحوالہ نعمۃ الباری، ج: ۶، ص: ۲۴۷)

حضرت زید کی جان حضور پر قربان: علامہ پیر کرم شاہ ازہری اس سفر کی روداد تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

طائف کے ہر قابل ذکر شخص سے حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ملاقات کی اور انہیں

اللہ کی وحدانیت پر ایمان لانے اور دین اسلام کو قبول کرنے کی دعوت دی۔ حضور کو یہ توقع تھی کہ اہل مکہ نے ازراہ تعصب اگر اس سچی دعوت کو قبول نہیں کیا ہے لیکن اہل طائف کا رویہ ایسا معاندانہ نہ ہوگا، وہ اسے قبول کرنے میں تامل سے کام نہیں لیں گے، لیکن یہاں تو سارا آوا ہی بگڑا ہوا تھا، کسی نے شائستگی سے جواب دینے کی زحمت تک گوارا نہ کی، انتہائی بے مہری اور ڈھٹائی سے اس دعوت کو مسترد کر دیا۔ ان کے غیر متوقع طرز عمل سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے خاطر عاطر پر جو گزری ہوگی اس کا آپ با آسانی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ حضور نے ان سے رخصت ہونے سے پہلے ان کو کہا: ''اذ فعلتم ما فعلتم فا کتموا علی'' میرے ساتھ جو برتاؤ تم نے کیا وہ تو کیا، اب یہ سارا معاملہ راز رہے اس کو افشا نہ کرنا۔

(السیرۃ النبویہ لابن کثیر، ج:۲،ص:۱۵۰)

کیونکہ حضور کو خدشہ تھا کہ اہل مکہ کو اگر معلوم ہو گیا کہ میں طائف گیا ہوں، وہاں کے رؤساء کو قبول اسلام کی دعوت دی ہے اور انہوں نے بڑی سرد مہری سے اسے ٹھکرا دیا ہے۔ تو اہل مکہ خوشی کے شادیانے بجائیں گے اور اسلام کے خلاف ان کے معاندانہ رویہ میں مزید تیزی اور تلخی پیدا ہو جائے گی، اس لیے حضور نے ان سے اس خواہش کا اظہار کیا لیکن ان میں مروت نام کی کوئی چیز نہ تھی انہوں نے اس واقعے کی خوب تشہیر کی وہ ہر ملنے والے سے اپنے اس متکبرانہ بلکہ احمقانہ جواب کا تذکرہ مزے لے لے کر کرتے اور اس سے بھی زیادہ خست اور رذالت کا انہوں نے یوں مظاہرہ کیا کہنے لگے ''یا محمد اخرج من بلدنا'' (کہ ہمارے شہر سے فوراً نکل جاؤ) ہمیں اندیشہ ہے کہ تم ہمارے نوجوانوں کو اپنی باتوں سے بگاڑ دو گے۔ اس کے علاوہ انہوں نے شہر کے اوباشوں اور نوخیز چھوکروں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگا دیا، وہ جلوس کی شکل میں اکھٹے ہو گئے اور حضور کا تعاقب شروع کر دیا، آوازے کستے، پھبتیاں اڑاتے، دشنام طرازی کرتے، اپنے بتوں کے نعرے لگاتے ہوئے حضور کے پیچھے لگ گئے، جس راستے سے سرکار دو عالم کو گزرنا تھا، طائف کے شہری دو رویہ صفیں بنا کر بیٹھ گئے اور حضور جب ان کے درمیان میں سے گزرے تو انہوں نے

پتھر برسانے شروع کیے۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے بابرکت قدموں کو اپنے پتھروں کا نشانہ بناتے، چلتے ہوئے جو پاؤں زمین پر رکھتے ٹھک سے پتھر اس پر آ لگتا، حضور اسے اٹھاتے اور دوسرا پاؤں زمین پر رکھتے تو وہ پاؤں ان کی زد میں آ جاتا، یہاں تک کہ ان ظالموں کی سنگ باری سے مبارک قدم زخمی ہو گئے اور خون بہنا شروع ہو گیا۔ ان کی سنگ باری جب شدت اختیار کر لیتی تو حضور درد کی شدت سے بیٹھ جاتے، وہ ظالم آگے بڑھتے حضور کو بازوؤں سے پکڑ تے اور کھڑا کر دیتے، پھر پتھر برسانا شروع کر دیتے اور ساتھ ہی قہقہہ لگاتے۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیکسی کے اس عالم میں اپنے آقا کو بچانے کے لیے آڑ بن کر کھڑے ہو جاتے، کئی پتھر ان کے سر پر لگے اور زخموں سے خون بہنے لگا، اس طرح طائف کے ان بدبخت شہریوں نے اپنے اس معزز و مکرم مہمان کو اپنے یہاں سے رخصت کیا۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب طائف شہر کے باہر پہنچے تو دل ان کے ظالمانہ سلوک سے از حد مغموم تھا، سارا جسم زخموں سے چور چور تھا، پاؤں مبارک سے خون بہ رہا تھا، قریب ہی ایک باغیچہ تھا، رحمت عالم اس میں تشریف لے گئے اور انگور کی ایک بیل کے نیچے بیٹھ گئے۔

عبد منیب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں پہنچ کر دو رکعت نفل ادا کیے پھر بڑے درد و سوز سے اپنے معبود برحق اپنے محبوب حقیقی کی بارگاہ بیکس پناہ میں اپنے قلب حزیں کی حکایت درد وغم پیش کی، ان سنگین ترین لمحات میں زبان رسالت سے نکلے ہوئے ان دعائیہ کلمات میں جو درد و سوز ہے، اپنی بندگی کا جس نرالے انداز میں اظہار ہے اور ان حالات میں بھی جو تمنا لبوں پر دعا بن کر رونما ہو رہی ہے، اس سے عظمت مصطفوی کے آفتاب کی تابانیوں کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس محبوب بندے کا اپنے کریم رب سے عبدیت کا جو رشتہ ہے اس کی پختگی کا پتا چلتا ہے، عشق الٰہی کا جو جذبہ اس قلب مبارک میں موجزن ہے اس سے بقدرِ فہم آگاہی نصیب ہوتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مناجات اس وقت اپنے کریم و رحیم رب کی بارگاہ میں بدل سوزاں و چشمِ گریاں و زبان لرزاں پیش کیں اسے بار بار

پڑھیے، اس میں بار بار غور کیجیے شاید اس مقام کی رفعتوں کا آپ کو کچھ اندازہ ہو سکے، جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب کو فائز فرمایا تھا۔

حضور سراپا نور عرض کرتے ہیں: اے اللہ! میں اپنی طاقت کی ناتوانی، اپنی قوت عمل کی کمی، لوگوں کی نگاہوں میں اپنی بے بسی کا شکوہ تیری بارگاہ میں کرتا ہوں، اے ارحم الراحمین! تو کمزوروں کا رب ہے تو میرا رب بھی ہے، تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے، ایسے بعید کے حوالے جو ترش روئی سے میرے ساتھ پیش آتا ہے۔ کیا کسی دشمن کو تو نے میری قسمت کا مالک بنا دیا ہے؟ اگر تو مجھ پر ناراض نہ ہو تو مجھے ان تکلیفوں کی ذرا پرواہ نہیں پھر بھی تیری طرف سے عافیت اور سلامتی میرے لیے زیادہ دلکشا ہے، میں پناہ مانگتا ہوں تیری ذات کے نور کے ساتھ جس سے تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں اور دنیا وآخرت کے کام سنور جاتے ہیں، (پناہ مانگتا ہوں اس سے) کہ تو نازل کرے اپنا غضب مجھ پر اور تو اتارے مجھ پر اپنی ناراضگی، میں تیری رضا طلب کرتا رہوں گا یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے، تیری ذات کے بغیر نہ میرے پاس کوئی طاقت ہے نہ قوت۔ (سبل الہدیٰ والرشاد، ج:۲،ص:۵۷۷، السیرۃ النبویہ لابن کثیر، ج:۲،ص:۱۵۰، بحوالہ سیرت الرسول، ج:۲،ص:۴۴۴)

ہجرت: جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے غلاموں کو مدینۂ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی تو حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہجرت فرما کر مدینۂ طیبہ پہنچ گئے۔ مدینۂ طیبہ میں کلثوم بن ہدم کا مکان آپ کی قیام گاہ بنا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت اسید بن حضیر کے ساتھ آپ کی مدنی مؤاخات قائم فرمائی، آپ ہجرت کرنے میں کافی مقدم ہیں۔

علامہ ابن خلدون کے بیان کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابۂ کرام کی جس جماعت کے ساتھ ہجرت فرمائی تھی اس سے قبل صرف چند صحابۂ کرام نے ہی ہجرت فرمائی۔ حضرت عمر کے ہجرت فرمانے کے بعد حضرت طلحہ نے ہجرت فرمائی، حضرت طلحہ کے بعد سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبد المطلب نے ہجرت فرمائی اور حضرت سید الشہداء کے

ساتھ ہی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجرت فرمائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہجرت فرمانے سے پہلے ہی حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینۂ طیبہ روانہ فرما دیا تھا۔ (طبقات ابن سعد، ج:۳، ص:۴۲، تاریخ ابن خلدون، ج:۲، ص:۴۲۰)

غزوات میں شرکت: حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ماہر فوجی اور بہادر جنگ جو تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں جو نامور تیر انداز تھے، ان میں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدر، احد، خندق، حدیبیہ اور خیبر تمام غزوات میں شریک رہے۔ غزوۂ مریسیع میں آپ اس لیے شرکت نہ کر سکے کہ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مدینۂ طیبہ میں اپنی جانشینی اور نائب ہونے کا شرف عطا فرمایا تھا۔ (طبقات ابن سعد، ج:۳، ص:۴۳، تاریخ دمشق، ج:۱۹، ص:۳۵۸)

فوجی مہمات میں حضرت زید کی سرداری: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ماہر جنگ جو تھے۔ فوج کشی کے نشیب و فراز سے بخوبی آگاہ تھے، اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جن مہمات میں خود شرکت نہ فرماتے اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس مہم میں شریک ہوتے تو اس مہم کی امارت کا سہرا حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر باندھا جاتا۔ چنانچہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کسی لشکر کو روانہ فرماتے اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس لشکر میں شریک ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو لشکر کا امیر منتخب فرماتے۔ اسی حسن انتخاب کا نتیجہ تھا کہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چھوٹی بڑی ۹ فوجی مہمات (سرایا) میں بطور امیر لشکر شرکت کی سعادت نصیب ہوئی، چنانچہ حضرت سلمہ بن اکوع فرماتے ہیں: میں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ۹ غزوات میں شریک رہا، ان تمام غزوات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر لشکر بنایا۔ (طبقات ابن سعد، ج:۳، ص:۴۳)

حضرت زید کے غزوات کی تفصیل: امام ابن سعد نے غزوۂ موتہ کے

علاوہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ۷ رسرایا کی تفصیل کو کچھ اس طور پر بیان فرمائی ہے:

(۱) سریہ قردہ: بحیثیت امیر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سب سے پہلی فوجی مہم سریہ قردہ تھی، یہ معرکہ ہجرت کے اٹھائیس ماہ بعد جمادی الاخریٰ میں پیش آیا۔ قردہ، ربذہ اور غمرہ کے درمیان ارض نجد کا ایک علاقہ ہے۔ یہ مہم قریش کے ایک قافلے کے مقابل تھی، اس قافلے میں صفوان بن امیہ، حویطب بن عبد العزی، اور عبداللہ بن ابی ربیعہ جیسے لوگ شامل تھے۔ سونے چاندی پر مشتمل کثیر مال بھی اس قافلے کے ساتھ موجود تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سو سواروں پر امیر بنا کر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس قافلے کی طرف روانہ فرمایا، حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قافلے سے برسرپیکار ہوئے، قافلے کے چیدہ چیدہ لوگ تو نکل بھاگنے میں کامیاب رہے تاہم حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غنیمت کے طور پر مال کثیر ہاتھ آیا تھا اور وہ قریش کے ایک سردار فرات بن حیان کو قیدی بنا کر بارگاہ رسالت میں لے آئے، ابن حیان سے کہا گیا: ایمان لے آؤ اور نجات پاؤ، چنانچہ اس نے اسلام قبول کر کے اپنی جان کو محفوظ کر لیا۔ (طبقات ابن سعد، ج:۲،ص:۳۳)

(۲) سریہ عیص: جمادالاولی ۶ھ میں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقام عیص کی طرف ایک سو ستر مجاہدین کے ساتھ بھیجا گیا۔ یہ مقابلہ بھی قریش کے ایک قافلے کے ساتھ تھا جو ملک شام سے واپسی کر رہا تھا، اس میں بھی کثیر مقدار میں مال غنیمت حاصل ہوا اور قافلے کے لوگوں کو قیدی بھی بنایا گیا، گرفتار ہونے والوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ابوالعاص بن ربیع بھی تھے، جنہوں نے اپنی اہلیہ حضور کی شہزادی حضرت زینب سے امان حاصل کر لی، جب صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز ادا کرائی تو حضرت زینب نے اعلان فرمایا: اے لوگو! میں نے ابوالعاص کو امان دے دی ہے۔ حضور نے فرمایا: اے زینب! جس کو تم نے امان دے دی ہے اسے ہم نے بھی امان بخش دی ہے، لہٰذا جو ان سے لیا گیا تھا وہ واپس کر دیا گیا۔ (طبقات ابن سعد، ج:۲،ص:۸۳)

ابوالعاص کا ایمان: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ابوالعاص ابھی تک داخل

اسلام نہیں ہوئے تھے۔ یہ حضرت زینب کے شوہر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی حضرت امامہ کے والد تھے۔ یہی وہ امامہ ہیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم حالت نماز میں گود میں اٹھا لیا کرتے تھے۔ ابوالعاص جنگ بدر میں مشرکین کی طرف سے شامل ہوئے تھے، مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے، ان کی رہائی کے لیے بطور فدیہ وہ ہار بارگاہ رسالت میں پیش کیا گیا جو حضرت زینب کی والدہ حضرت خدیجہ نے اپنی بیٹی کو تحفے میں دیا تھا۔ اسے دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اشک بار ہو گئے تھے اور پھر مسلمانوں کی عرض پر حضور نے انہیں رہا کیا اور ہار بھی واپس کر دیا۔ اس وقت ابوالعاص سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ لیا تھا کہ وہ حضرت زینب کو مدینۂ طیبہ روانہ فرما دیں گے۔ حضرت زینب ابھی تک اپنی بے سروسامانی کی وجہ سے ہجرت نہیں کر سکیں تھیں۔ رحمت عالمیاں سے کیا ہوا وعدہ ابوالعاص نے پورا کیا اور حضرت زینب کو مدینۂ طیبہ حضور کی خدمت میں بھیج دیا۔ (جس کی تفصیل ہم ان شاء اللہ عنقریب بیان کریں گے) ابوالعاص صلح حدیبیہ سے پانچ ماہ قبل ایمان لے آئے، جب ہجرت کر کے مدینۂ طیبہ حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کو پھر ان کے ساتھ رہنے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۱، ص:۳۳۲)

(۳) سریہ طرف: جمادالاخریٰ ٦ ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقام طرف کی جانب روانہ فرمایا ''طرف'' مدینۂ طیبہ سے ۳٦ میل دور مقام مراض کے پاس پانی کا ایک چشمہ ہے۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس چشمے کی طرف مسلمانوں کی ایک مختصر سی جماعت کے ساتھ بھیجا گیا تھا، وہاں کے باشندے مسلمانوں کی آمد کی خبر سن کر فرار ہو گئے، مسلمانوں کو مال غنیمت کے طور پر اونٹ اور بکریاں حاصل ہوئیں۔ (طبقات ابن سعد، ج:۲، ص:۸۴)

(۴) سریہ حِسمیٰ: یہ معرکہ بھی جمادالاخریٰ ٦ ھ میں پیش آیا۔ اس معرکے کو سر کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پانچ سو مجاہدین کے ساتھ مقام حسمیٰ کی جانب روانہ فرمایا۔ معرکہ پیش آنے کی وجہ یہ رہی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

قاصد دحیہ کلبی حضور کے پیغام کو قیصر روم تک پہنچا کر واپس آ رہے تھے کہ مقام حسمیٰ کے قریب ہنید بن عارض اور اس کے بیٹے عارض بن ہنید نے قبیلہ جُذام کے ساتھ مل کر حضرت دحیہ کلبی کو لوٹ لیا اور ایک پرانے کپڑے کے سوا ان کے پاس کچھ نہ چھوڑا، جب یہ بات قبیلۂ بنی ضبیب کو معلوم ہوئی تو انہوں نے ہنید اور اس کے بیٹے پر حملہ کر کے حضرت دحیہ کلبی کا تمام سامان واپس کرا دیا۔ بنی ضبیب رفاعہ بن زید کے رشتہ دار اور ہم قبیلہ تھے۔ رفاعہ بن زید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خط اپنی قوم کی جانب لے کر آئے تھے، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسلام کی دعوت پیش کی تھی۔ ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول فرما لیا تھا، (اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں کہ زید بن رفاعہ اور ان کے ساتھی مذکورہ غزوے سے پہلے ہی ایمان لے آئے تھے یا اس غزوے کے بعد ایمان لائے)

بہرحال حضرت دحیہ کلبی نے بارگاہ رسالت میں پہنچ کر آپ بیتی سنائی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ردِعمل کے طور پر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر کو روانہ فرمایا۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا سفر اس طور پر کیا کہ رات کو سفر کرتے اور دن میں چھپ رہتے، یہاں تک کہ ایک دن صبح صبح ان غارت گروں پر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر نے حملہ کر دیا، کچھ کو قتل کیا بعض کو قیدی بنایا، ہنید اور اس کے بیٹے کو بھی تہ تیغ کیا گیا، مال غنیمت کے طور پر ایک ہزار اونٹ، پانچ ہزار بکریاں حاصل ہوئیں، ایک سو عورتیں اور بچے مسلمانوں کے ہاتھوں قیدی بنائے گئے۔ اس وقت زید بن رفاعہ جذامی اپنی قوم کے بعض افراد کے ساتھ جن میں ابو یزید بن عمرو بھی تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں وہ خط لے کر پہنچے جو حضور نے ان کے لیے اور ان کی قوم کے لیے لکھا تھا اور اس کے نتیجے میں زید بن رفاعہ ایمان لے آئے تھے، جا کر حضور کو وہ خط دکھایا اور عرض گزار ہوئے: حضور! حلال کو ہمارے اوپر حرام نہ فرمائیں اور حرام کو حلال نہ فرمائیں۔ حضور نے فرمایا: مقتولین کا کیا کیا جائے؟ اس پر ابو یزید نے عرض کیا: حضور! مقتولین کو جانے دیجئے جو ہمارے زندہ افراد ہیں انہیں رہا فرما دیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو یزید نے سچ

کہا۔ آنے والوں نے عرض کیا: حضور! ہمارے ساتھ نشانی کے طور پر کسی صحابی کو روانہ فرما دیں تاکہ ہمارے بال بچے اور مال کو رہائی حاصل ہوجائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علی! تم ان لوگوں کے ساتھ چلے جاؤ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: (مجھے کوئی نشانی عطا فرمادیں ورنہ) زید میری اطاعت نہیں کریں گے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بطور نشانی عطا فرمائی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لوگوں کے ساتھ روانہ ہو گئے، مقام فحلتین پر پہونچ کر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہوئی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو حکم دیا ہے کہ جو کچھ آپ کے پاس ان لوگوں کا ساز و سامان، مال و منال اور قیدی ہیں وہ سب ان کو واپس کردو۔ یہ سن کر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: حضور کے اس فرمان پر علامت کیا ہے؟ تب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار دکھائی۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور کی تلوار کو پہچان لیا اور پھر تمام مال غنیمت ان لوگوں کو واپس کردیا گیا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد، ج:٦،ص:٨٩، طبقات ابن سعد، ج:٢،ص:٨٥)

(۵) اسی سال ماہ رجب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر بنا کر وادی قریٰ کی طرف روانہ فرمایا۔ (طبقات ابن سعد، ج:٢،ص:٨٥)

(٦) **سریۂ ام قرفہ:** رمضان ٦ر ہجری میں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ام قرفہ کی طرف بھیجا گیا۔ (ام قرفہ ایک عورت کا نام ہے) ام قرفہ کا مسکن مدینۂ طیبہ سے سات رات کی دوری پر وادی قری کے قریب تھا، معرکہ پیش آنے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک تجارتی قافلہ لے کر ملک شام جارہے تھے۔ اس قافلے میں صحابۂ کرام کا خاصی مقدار میں سامان تجارت موجود تھا۔ جب حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے قافلے کے ساتھ وادی قریٰ کے پاس پہنچے تو بنو بدر کی شاخ قبیلۂ فزارہ کے ایک غارت گر گروہ نے قافلے پر حملہ کردیا، اہل قافلے کو مارا پیٹا اور سارا ساز و سامان لوٹ لیا۔ حضرت

زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ چھپتے چھپاتے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امارت میں ایک لشکر اس قبیلے کی بیخ کنی کے لیے روانہ فرمایا۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ دن میں چھپے رہتے اور رات کو چلتے، اس طور پر ایک دن صبح کے وقت ان غارت گروں پر جا ٹوٹے۔ ام قرفہ، اس کی بیٹی اور اس کے سوا کچھ لوگوں کو قیدی بنایا گیا۔ بعد میں ام قرفہ کو کیفر کردار تک پہنچاتے ہوئے قتل کر دیا گیا۔ بعض دوسرے لوگوں کو بھی قتل کیا گیا۔ اس معرکہ سے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس آئے تھے، حضور کے دولت کدے میں داخل ہونے کی اجازت چاہی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شوق جذبات میں صرف ستر عورت کیے، کم کپڑوں میں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دروازے پر آ گئے، انہیں بغل گیر کیا اور چوم لیا پھر معرکے کی کیفیت معلوم کی تو حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور کو فتح یابی کی پر مسرت نوید سنائی۔ (طبقات ابن سعد، ج:۲،ص:۸۶)

(۷) سریہ بنو سلیم: ربیع الآخر سن ۶ ؍ ہجری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنو سلیم کی سرزنش کے لیے روانہ فرمایا۔ بنو سلیم مقام جموح میں سکونت پذیر تھے۔ مسلمانوں نے ایک عورت سے جس کا نام حلیمہ مزنیہ تھا، پوچھ تاچھ کی تو اس نے بنی سلیم کے تمام ٹھکانوں کا پتہ مسلمانوں کو بتا دیا۔ مسلمانوں کو یہاں بڑی تعداد میں اونٹ بکری اور قیدی حاصل ہوئے۔ (طبقات ابن سعد، ج:۲،ص:۸۳)

زید بن محمد سے زید بن حارثہ: اعلان نبوت سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا۔ اس وقت عربوں میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی کسی کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیتا تھا، تو لوگ اس کو اسی کی طرف منسوب کرتے تھے (جس نے اس کو اپنا بیٹا بنایا ہو) اور وہ اس شخص کی میراث کا وارث ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ آیت کریمہ: ’’اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ‘‘ (الاحزاب، آیت:۵) ’’منہ بولے بیٹوں کو ان کے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارو یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے‘‘ نازل ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ہم ان کو صرف زید بن محمد کہہ کر بلاتے تھے حتیٰ کہ قرآن کی آیت نازل ہوئی: ''اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ''

(بخاری شریف، حدیث نمبر: ۴۷۸۲، نعمۃ الباری، ج:۸، ص:۴۷۸، تبیان القرآن، ج:۹، ص:۳۷۶)

اوپر ذکر کردہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا تو حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زید بن محمد کہا جانے لگا لیکن جب سورۂ احزاب کی مذکورہ آیت نازل ہوگئی اور مسلمانوں کو حکم ہوا کہ وہ بیٹے کو اس کے حقیقی باپ کی طرف منسوب کر کے پکاریں تو پھر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حسب سابق زید بن حارثہ کہا جانے لگا۔

حضرت زید حضور کے محبوب نظر: کائنات کی ہر شے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتی ہے اسے اپنی محبت پر ناز ہے۔ آخر اسے یہ ناز کیوں نہ ہو جبکہ اس نے اس ذات سے پیمانہ وفا باندھ رکھا ہے جس سے خالق عالم محبت فرماتا ہے۔ لیکن اس نصیبے کو کیا نام دیجیے گا جس کی قسمت میں رحمت عالم کا محبوب ہونا لکھا ہو۔ بیشک حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے خوش بخت ہیں جنہیں یہ شرف حاصل ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں۔

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنی محبت کرتے ہیں اس کا قدرے اندازہ ان کے اس کارنامے سے کیجیے، جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں اپنے والد، والدہ، چچا، گھر بار بلکہ سب کچھ چھوڑ دیا تھا، تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یوں ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس غیرت والے آقا نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایسی محبت فرمائی کہ تاریخ ہمیشہ اس محبت کو سلام کرتی رہے گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے گھر کا ایک فرد بنالیا، اپنے بچوں میں حضرت

زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شامل فرمالیا، جب حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر نہ ہوتے بلکہ کسی سفر یا کسی خاص مہم پر گئے ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا اشتیاق بےچین کرتا، جب پلٹ کر آتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے آنے سے خوش ہوتے اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایسی ملاقات فرماتے کہ ایسی ملاقات کسی اور کا مقدر نہیں ہوتی۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے دیکھے ہوئے ایک واقعے کی منظر کشی کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خوشی کو بیان فرماتی ہیں، جو خوشی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات سے حاصل ہوئی تھی۔ فرماتی ہیں: زید بن حارثہ کسی سفر سے مدینۂ طیبہ واپس آئے، اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تشریف فرما تھے۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دروازے پر دستک دی، جب حضور کو حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنے کی خبر ملی تو حضور فوراً دروازے کی طرف بڑھ چلے، اس وقت حضور کا جسم صرف ناف سے لے کر گھٹنوں تک کپڑے سے ڈھکا ہوا تھا، باقی جسم پر کوئی کپڑا نہ تھا۔ حضور نے اسی حالت میں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گلے لگالیا اور چوما۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں: خدا کی قسم! میں نے اتنے کم کپڑوں کے ساتھ حضور کو اس سے پہلے نہ اس کے بعد کسی سے ملاقات کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ، ص: ۲۲۲، سنن الترمذی، حدیث: ۲۷۳۲، شرح معانی الآثار، ۶۹۰۵، تاریخ دمشق، ج: ۱۹، ص: ۳۶۵، سیر اعلام النبلاء، ج: ۱، ص: ۲۲۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشفقانہ محبت صحابۂ کرام کے درمیان خوب معروف تھی، اسی لیے صحابۂ کرام حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ''حب الرسول'' کے مبارک لقب سے یاد فرماتے اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے حضرت اسامہ کو ''حب الرسول وابن حب الرسول'' (حضور کے محبوب اور محبوب کے بیٹے) کہہ کر پکارتے تھے۔ (صور من حیاۃ الصحابہ ص: ۲۲۲، رجال حول الرسول، ص: ۱۹۲)

حضور اور صحابہ کی محبت حضرت زید کی نسل سے: اللہ تعالیٰ جب کسی کو بزرگی اور عظمت عطا فرماتا ہے تو اس کا فائدہ اس عظیم ہستی کی آل واولاد کو بھی میسر آتا ہے۔ رب تعالیٰ نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے محبوب کی بارگاہ میں قرب خاص عطا فرمایا تھا اور محبوب کے دل میں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت ڈال دی، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے صحابہ میں سب سے زیادہ محبت فرماتے اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وجہ سے حضور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے حضرت اسامہ سے بھی بہت محبت فرماتے، یہی وجہ تھی کہ صحابۂ کرام بھی حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل سے بڑی شدید محبت فرماتے تھے۔ ملاحظہ ہوں ہمارے دعوے سے متعلق چند دلائل:

زمانۂ رسالت میں ایک معاملہ پیش آیا کہ قبیلۂ مخزوم کی ایک عورت چوری کرنے کی مرتکب ہوگئی، جس کو لے کر اہل قریش بڑے پریشان ہوئے اور وہ اس معاملے میں کسی کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عورت کی سفارش کرانا چاہتے تھے، تاکہ عورت سزا سے بچ جائے۔ ان لوگوں نے باہم مشورہ کیا کہ کس شخص کو حضور کی بارگاہ میں بھیجا جائے، حضور کی بارگاہ میں اس سلسلے میں کون بات کرسکتا ہے؟ اب ام المومنین حضرت عائشہ سے سنیے کہ وہ کون شخص تھا؟ جس پر اہل قریش کی نظر انتخاب جاکر رک گئی تھی اور انہوں نے اس ذات کو حضور سے بات کرنے کے لیے راضی کیا۔ آپ فرماتی ہیں:

قریش کو مخزومی عورت کے معاملے نے بہت پریشان کررکھا تھا، پھر انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی سفارش کی جرأت حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سوا کون کرسکتا ہے، جو رسول اللہ کے لاڈلے ہیں۔

دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت اسامہ نے اس سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی (چونکہ معاملہ حدود اللہ سے متعلق تھا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ حضور اس سلسلے میں کسی کی بات کو قبول کرلیتے) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنی اسرائیل میں جب کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو وہ اس کو چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور حال انسان چوری کرتا تو وہ اس کا

https://alislami.net

ہاتھ کاٹ دیتے تھے۔ اگر (بالفرض) فاطمہ (بھی) چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔ (بخاری کتاب فضائل الصحابہ باب ذکر اسامہ)

ہماری ذکر کردہ حدیث سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ بات لوگوں میں مشہور تھی کہ حضرت اسامہ حضور کے لاڈلے، چہیتے اور اتنے محبوب ہیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی بھی معاملے میں سفارش کر سکتے ہیں۔

حضور کی ایک زانوں پر حسن دوسرے پر اسامہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسامہ سے کتنی محبت فرماتے تھے؟ اس کا اندازہ آنے والی احادیث سے کیجیے۔ امام بخاری روایت فرماتے ہیں: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امام حسن کو اور حضرت اسامہ کو لیتے اور دعا کرتے ''اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان دونوں سے محبت فرما''۔ (بخاری باب ذکر اسامہ، حدیث: ۳۷۳۵)

دوسری روایت ہے حضرت اسامہ فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ایک ران پر مجھے بٹھاتے اور دوسری ران پر حضرت امام حسن کو بٹھاتے پھر دونوں کو ملاتے اور دعا کرتے ''اے اللہ! میں ان دونوں پر شفقت کرتا ہوں تو ان پر رحمت نازل فرما''

(بخاری کتاب الادب باب وضع الصبی علی الفخذ)

امام ترمذی حدیث روایت فرماتے ہیں ''ام المومنین حضرت عائشہ فرماتی ہیں: ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسامہ کی ناک کی رطوبت (رینٹ) صاف کرنا چاہتے تھے کہ میں نے عرض کیا: حضور! آپ رہنے دیں یہ کام میں کیے دیتی ہوں۔ اس پر حضور نے فرمایا: عائشہ اس سے محبّت رکھّو کیونکہ اسے میں محبوب رکھتا ہوں۔ (ترمذی، حدیث: ۳۸۱۸، باب المناقب اسامہ)

بیٹے سے زیادہ وظیفہ اسامہ کا: حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے صحابہ کی محبت کی بہترین مثال آنے والا واقعہ ہے:

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے حضرت اسامہ کا وظیفہ اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کے وظیفے سے زیادہ مقرر فرمایا تھا۔ حضرت عمر کے

صاحبزادے عبداللہ نے امیر المومنین کی بارگاہ میں عرض کیا: والد بزرگوار! آپ نے میرا وظیفہ حضرت اسامہ بن زید سے کس لیے کم مقرر فرمایا ہے؟ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا ''میں نے اسامہ بن زید کا وظیفہ تم سے زیادہ اس لیے مقرر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مقابلے اسامہ سے زیادہ محبت کرتے تھے اور حضور کی نظر میں اسامہ کے باپ زید، تمہارے باپ عمر سے زیادہ محبوب تھے''۔

(تاریخ دمشق، ج:۱۹، ص:۳۶۷، نعمۃ الباری ج:۶، ص:۸۴۲)

پوتے کو دیکھ کر گردن جھکالی: صحابۂ کرام کے عشق رسول پر ہم سو جان سے قربان۔ حضور کی نسبتوں کا کیسا احترام فرماتے تھے؟ حضرت عبداللہ بن عمر کے آنے والے طرز عمل سے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بھینی بھینی خوشبو بھی میسر آئے گی اور ایک جلیل القدر صحابی کی زندگی میں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے کا کیا مقام تھا؟ وہ بھی بخوبی سمجھا جاسکے گا۔ امام بخاری حضرت عبداللہ بن دینار سے روایت فرماتے ہیں: حضرت ابن عمر نے ایک دن ایک شخص کو مسجد میں دیکھا کہ وہ اپنا کپڑا ایک کونے میں پھیلا رہا تھا، حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا: دیکھو یہ کون شخص ہے؟ کاش! یہ میرے نزدیک ہوتا (تو میں اس کو نصیحت کرتا اور سمجھاتا) ایک شخص نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن (حضرت ابن عمر کی کنیت) کیا آپ اس کو نہیں پہچانتے؟ یہ محمد بن اسامہ ہیں۔ تب حضرت ابن عمر نے اپنا سر جھکا لیا اور اپنے دونوں ہاتھوں سے زمین کریدنے لگے، پھر کہا: اگر اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ لیتے تو اس پر شفقت فرماتے۔ (بخاری کتاب فضائل الصحابہ باب ذکر اسامہ)

علامہ سعیدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں حضرت ابن عمر نے کہا: اگر رسول اللہ دیکھ لیتے تو شفقت فرماتے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو علم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسامہ سے ان کے والد حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور ان کی اولاد سے محبت کرتے تھے۔

(نعمۃ الباری، ج:۶، ص:۸۴۳)

حضرت زید کی پوتی اور عمر بن عبدالعزیز: دور تابعین کی ایک مثال ملاحظہ

فرمائیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کس انداز میں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پوتی حضرت فاطمہ بنت اسامہ کی تعظیم فرمائی۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں: فاطمہ بنت اسامہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس تشریف لائیں، حضرت عمر بن عبدالعزیز انہیں دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور جس جگہ خود بیٹھے ہوئے تھے وہاں حضرت فاطمہ کو بٹھایا اور خود ان کے سامنے بیٹھ گئے۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پوتی نے اپنی جو بھی ضرورت امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز کے سامنے پیش کی، امیر المؤمنین نے اسے پورا فرما دیا، ان کی ایک حاجت بھی ایسی نہ رہی جسے پورا نہ فرمایا ہو۔

(تہذیب الاسماء واللغات، ج:۱،ص:۱۱۵، الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ، ج:۲،ص:۱۱۱)

حضور اپنے ہتھیار حضرت زید کو عطا فرماتے: جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی معرکے میں بنفس نفیس تشریف نہ لے جاتے تو اپنے ہتھیار آپ کسی اور صحابی کو عطا نہیں فرماتے تھے بلکہ حضور اپنے ہتھیار اپنے ساتھ ہی رکھتے تھے۔ ہاں صحابۂ کرام میں دو نام ایسے ہیں جن کو یہ شرف حاصل ہے، کہ اگر حضور غزوے میں تشریف نہ لے جاتے تو انہیں اپنے ہتھیار عطا فرماتے تھے۔ ان میں سے ایک امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ہیں اور دوسرے خوش نصیب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

(تاریخ دمشق، ج:۱۹،ص:۳۶۰)

کمال قرب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا کمال قرب عطا فرمایا تھا، بایں وجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مختلف انداز میں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر نوازشات کی بارشیں فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی جبلہ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں دو شخصوں نے ہدیہ پیش کیا، ایک تحفہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قبول فرما لیا اور دوسرا حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرما دیا۔ (تاریخ دمشق، ج:۱۹،ص:۳۶۰)

فضائل: حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کے محبوب نظر صحابی اور آزاد کردہ

https://alislami.net

تھے۔ صحابۂ کرام ان کو حب الرسول اور ان کے بیٹے اسامہ کو ابن حب الرسول کہہ کر پکارتے۔ صحابۂ کرام میں یہ شرافت وکرامت صرف حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں آئی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کا نام ذکر فرمایا۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک بڑی فضیلت یہ بھی ہے کہ وہ ایک زمانے تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہوتے رہے، جب تک آیت کریمہ ''اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ '' نازل نہ ہوئی، اس وقت تک ان کو زید بن محمد کہہ کر ہی پکارا جاتا رہا۔ آیت کریمہ کے نزول کے بعد انہیں دوبارہ زید بن حارثہ کہا جانے لگا۔ جیسے کہ اول امر میں انہیں زید بن حارثہ ہی کہا جاتا تھا، چوں کہ ابن محمد کی نسبت قرآن کریم کے حکم کے ذریعے ان کے نام سے ہٹا دی گئی۔ یہ نسبت اپنے آپ میں بڑی عظیم الشان تھی، اس کی تلافی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کا نام صراحت کے ساتھ قرآن کریم میں ذکر فرما دیا، تاکہ ایک عظیم شرف ہاتھ سے جانے کے بعد دوسرا عظیم شرف ان کے ہاتھ آ جائے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں مستقل باب قائم فرمایا ہے۔ ہم اس باب سے کچھ فضائل ذکر کر رہے ہیں:

حضرت زید امیر بنانے کے لائق ہیں: حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے من جملہ فضائل سے یہ بات بھی ہے کہ آپ کی بعض خوبیوں کی شہادت زبان رسالت نے عطا فرمائی، چنانچہ امام بخاری حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فوج بھیجی، اس کا امیر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے اسامہ کو بنایا۔ ان کے امیر بنائے جانے پر بعض لوگوں کو اعتراض ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج تم اسامہ کے امیر بنائے جانے پر اعتراض کر رہے ہو تو اس سے پہلے تمہیں اس کے باپ زید کو امیر بنائے جانے پر بھی اعتراض تھا۔ خدا کی قسم! وہ (زید) امیر بنائے جانے کے لائق تھے اور وہ لوگوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب تھے اور زید کے بعد اب مجھے اسامہ سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

حضرت زید میرے بھائی ہیں: امام بخاری حضرت براء بن عازب سے روایت فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''انت اخونا و مولانا'' زید تم میرے بھائی اور میرے آزاد کردہ ہو۔ (بخاری کتاب المناقب باب مناقب زید)

دونوں احادیث سے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام کا بارگاہ رسول میں اندازہ کیا جا سکتا ہے، حضور کی نظر وہ نظر جس سے عالم کی کوئی شے چھپی ہوئی نہیں۔ اس نظر میں وہ امیر بنائے جانے کے لائق تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کو بہت زیادہ محبوب تھے۔ یہاں تک کہ آپ نے ان کو ''احب الناس الی'' فرمایا، (میری نظر میں وہ سب سے زیادہ محبوب ہے) حضرت زید کے بیٹے اسامہ بھی حضور کی نظر میں ویسے ہی محبوب تھے جیسے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کو محبوب تھے۔ اس میں بھی حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو از راہ شفقت اپنا بھائی قرار دیا، اس جملے نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں مزید چار چاند لگا دیے ہیں۔

حضرت زید اللہ اور اس کے رسول کے انعام یافتہ ہیں:

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں قرآن کریم میں آیت کریمہ نازل ہوئی: ''وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ'' اور اے محبوب! یاد کرو جب تم فرماتے تھے اس سے جسے اللہ نے نعمت دی اور تم نے اسے نعمت دی۔ (الاحزاب، آیت: ۳۶)

خلیفۂ اعلیٰ حضرت صدر الافاضل فرماتے ہیں: اسلام کی (نعمت اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی) جو بڑی جلیل نعمت ہے (اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے) آزاد فرما کر (انعام فرمایا) مراد اس سے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں کہ حضور نے انہیں آزاد کیا اور ان کی پرورش فرمائی۔ علامہ نعیم الدین مراد آبادی نے اس جگہ تحریر فرمایا ہے: بعض تفاسیر میں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غلام کہا گیا ہے، مگر یہ خالی از تسامح نہیں کیونکہ وہ حر تھے، گرفتاری سے بالخصوص قبل بعثت شرعاً کوئی شخص مرقوق یعنی مملوک نہیں ہو جاتا اور وہ

https://alislami.net

زمانہ فترت کا تھا اور اہل فترت کو حربی نہیں کہا جاتا۔ (خزائن العرفان، الاحزاب آیت: ۳۶-۳۷)

حضور کا انعام دینا غنی فرمانا اور تقسیم فرمانا: جس پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا اس سے مراد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ انعام کیا کہ اسلام لانے کی توفیق دی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دل میں ڈالا کہ آپ ان کی اچھی تربیب کریں اور ان کو آزاد کر دیں اور ان کو اپنا قرب عطا کریں اور ان کو اپنا بیٹا بنالیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی اس پر انعام کیا، اس سے مراد آپ کا حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آزاد کرنا ہے اور ان پر اس قدر شفقت فرمائی اور اس قدر حسن سلوک کیا کہ جب ان کے والد اور چچا ان کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے آئے تو انہوں نے اپنے والد اور چچا کے ساتھ جانے پر آپ کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو بھی منعم فرمایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی منعم فرمایا ہے۔ اس طرح ایک اور آیت میں فرمایا: ''وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ'' اور ان (منافقوں) کو صرف یہ ناگوار ہوا کہ ان کو اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔ (التوبہ، آیت: ۷۴)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کو غنی کرنے والا قرار دیا گیا ہے۔ اور حدیث صحیح میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وانما انا قاسم واللہ یعطی'' اور میں صرف تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی عطا سے انعام فرماتے ہیں اور غنی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز عطا فرماتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر چیز کو تقسیم فرماتے ہیں۔ اس کائنات میں جس شخص کو جو نعمت بھی ملی ہے وہ آپ کے واسطے سے آپ کی تقسیم سے ملی ہے۔

(تبیان القرآن، ج:۹، ص:۴۵۶)

قرآن میں نام زید کی خصوصیت: علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کے کسی صحابی کا نام ذکر فرمایا نہ کسی اور نبی کے کسی صحابی کا۔(اسد الغابہ، ج:۲، ص:۳۵۳)

علامہ ذہبی نے لکھا ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن کریم) میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا کسی صحابی کا نام ذکر نہیں فرمایا۔(سیر اعلام النبلاء، ج:۱، ص:۲۲۰)

فرشتے حضرت زید کا نام لیتے ہیں: تفسیر صراط الجنان میں صاوی کے حوالے سے لکھا ہے: حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ تمام صحابۂ کرام میں صرف ان کا نام صراحت کے ساتھ قرآن کریم میں مذکور ہے، دنیا و آخرت میں قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے انسان اور فرشتے آیت میں ان کا نام پڑھتے رہیں گے۔

(صاوی، الاحزاب آیت:۳۷، بحوالہ صراط الجنان)

حضرت زید کا نام قرآن میں کیوں ذکر ہوا: علامہ عبد الرحمن ثعالبی نے اپنی تفسیر الجواہر الحسان میں علامہ سہیلی کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے: جب آیت کریمہ ''اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ'' (لوگوں کو ان کے باپ کی طرف منسوب کرکے پکارو) نازل ہوئی، تو حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے پروردگار کے حکم پر عمل کرتے ہوئے لوگوں سے کہا: میں زید بن حارثہ ہوں (اس سے پہلے آپ کو زید بن محمد کہا جاتا تھا، اب ان کے نام کے آگے سے ابن محمد ہونے کی نسبت جاتی رہی جس سے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یقیناً وحشت و تکلیف ہوئی ہوگی)۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی وحشت کو اس طور پر دور فرمایا کہ ان کا نام قرآن کریم میں ذکر فرما کر ان کی ذات کو عظیم شرف عطا فرما دیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا'' جب زید نے اپنی حاجت پوری کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے جس کے نام کو عظمت کے ساتھ قرآن کریم میں ذکر فرما کر اس کے نام کو قرآن بنا دیا کہ اب مسجد کی محرابوں میں اس کے نام کی تلاوت کی جائے گی تو بیشک اللہ تعالیٰ نے اس کی ذات کو غایت درجہ کی بلندی عطا فرما دی۔ لہٰذا حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام قرآن کریم میں ذکر کرنا ان کی وحشت کو دور کرتے ہوئے انہیں ڈھارس بندھانا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا ہونے کا جو فخر ان سے جاتا رہا اس کا بدلہ دینا ہے۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

https://alislami.net

شرف کو سمجھنے کے لیے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ پڑھیے۔ (یہ واقعہ بخاری ومسلم میں موجود ہے)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے سامنے سورہ ''لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا'' پڑھوں، تو حضرت ابی بن کعب عرض گزار ہوئے: کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا ہے؟ حضور نے فرمایا: ہاں! اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام لیا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابی بن کعب خوشی سے رونے لگے، جب ذات باری کا کسی کے نام کو ذکر کرنا اتنا بڑا اشرف ہے کہ انسان مارے خوشی کے رونے لگے تو ذرا غور کیجیے اس ذات کی شرافت وعظمت پر کہ جس کے نام کو اللہ تعالیٰ نے قرآن بنا دیا ہو، اب ہمیشہ ہمیش اس نام کی تلاوت ہوتی رہے گی، اہل دنیا جب تک دنیا میں ہیں اس کی تلاوت کرتے رہیں گے اور اہل جنت، جنت میں تلاوت کرتے رہیں گے۔

قرآن میں حضرت زید کے لیے جنت کی بشارت: علامہ عبدالرحمن مزید لکھتے ہیں: پھر آیت میں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کمال کرم کرتے ہوئے فرمایا گیا ''وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْۤ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ'' اور جب آپ اس سے فرماتے تھے جس پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا، اللہ تعالیٰ کے انعام فرمانے کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایمان کی دولت عطا فرمائی، لہٰذا اللہ تعالیٰ کا انعام یافتہ ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جنتی ہیں۔ آیت کریمہ میں یہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوسری فضیلت ہے اور یہ وہ فضیلت ہے جو انسانی آرزوؤں کا منتہیٰ ہے۔ (ال جواہر الحسان فی تفسیر القرآن، الاحزاب: ۵، انارۃ الدجی فی مغازی خیر الوری، ج: ۱، ص: ۵۷۳، باب مناقب زید)

جو کچھ علامہ ثعلبی نے تفصیلاً بیان فرمایا ہے اس کو علامہ صاوی نے بھی اپنے تفسیری حاشیہ صاوی علی الجلالین میں اجمالاً بیان فرمایا ہے۔ (صاوی علی الجلالین، الاحزاب، آیت: ۳۷)

حضور کی محبت کے بارے میں حضرت علی وجعفر کا سوال: حضرت

اسامہ بن زید فرماتے ہیں: حضرت جعفر، حضرت علی اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک موقع پر اکھٹا تھے کہ حضرت جعفر نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مقابلے میں مجھ سے زیادہ محبت فرماتے ہیں۔ حضرت علی نے فرمایا: حضور مجھ سے زیادہ محبت فرماتے ہیں۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: حضور کو سب سے زیادہ محبت مجھ سے ہے۔ پھر سب نے کہا: چلو چل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیتے ہیں۔ حضرت اسامہ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت کاشانۂ اقدس میں حاضر بارگاہ تھا۔ کہ دروازے پر دستک ہوئی، حضور نے فرمایا: دیکھو کون ہے؟ میں نے دیکھ کر جواب دیا: حضرت جعفر، حضرت علی اور حضرت زید باریابی کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔ سب کو اجازت مل گئی اور یہ حضرات اندر داخل ہو گئے۔ سوال کیا: حضور! آپ سب سے زیادہ کس سے محبت کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے۔ ان حضرات نے عرض کیا: ہم مردوں سے متعلق پوچھنا چاہتے ہیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا: اے جعفر! تمہارا معاملہ یہ ہے؟ کہ تم جسم و جسمانیت اور عادت و اطوار میں میرے مشابہ ہو، تم مجھ سے ہو اور نسباً بھی تمہارا تعلق مجھ سے ہے اور اے علی! تم میرے داماد ہو، میرا نسب تم سے جاری ہوگا اور اے زید! تمہارا معاملہ یہ ہے کہ تم میرے آزاد کردہ ہو، تمہارا سارا معاملہ مجھ سے ہے، میری طرف ہے اور تم مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو۔ (تاریخ دمشق، ج:۱۹، ص:۳۶۲)

اس حدیث پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تینوں صحابہ کی دل جوئی فرمائی اور اپنی ذات سے ان کا تعلق، قرب اور ہر ایک کی خصوصیات بیان فرمائیں لیکن شدت محبت کی صراحت حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ فرمائی، یہ وہ فضیلت ہے جو انہیں تمام صحابہ میں ممتاز بناتی ہے۔

حضور کے اہل بیت کو مکہ سے لانے کی ذمہ داری: حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر کو ساتھ لے کر مکۂ مکرمہ سے مدینۂ طیبہ کی طرف ہجرت فرما چکے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کے اہل و عیال مکہ ہی میں موجود تھے۔ اب حضور صلی اللہ

علیہ وسلم انہیں اپنے پاس بلانا چاہتے تھے، اس عظیم کام کی ذمہ داری جن حضرات کو سونپی گئی ان میں ایک نام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی ہے۔ قارئین غور کر سکتے ہیں کہ یہ کتنی عظیم اور نازک ذمہ داری تھی۔ ظاہر ہے کہ اس امر عظیم کے لیے انہیں عظیم شخصیات کا انتخاب عمل میں لایا گیا، جن کی دیانت، امانت، شجاعت اور ذہانت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کامل یقین اور اعتماد تھا۔ واہ رے نصیبۂ زید کہ حضور نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس مہم پر بھیج کر آپ کی قابل قدر خوبیوں پر مہر لگا دی۔ اب آپ علامہ ابن سعد کا نقل کردہ حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ملاحظہ فرمائیں:

ام المومنین فرماتی ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو حضور اپنی شہزادیوں کو اور ہم ازواج کو مکۂ مکرمہ ہی میں چھوڑ گئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینۂ پاک میں سکونت اختیار فرمالی تو ہمیں مکۂ مکرمہ سے مدینۂ پاک لانے کے لیے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روانہ فرمایا۔ حضور نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حضرت ابورافع کو بھی روانہ فرمایا تھا۔ حضور نے ان حضرات کو دو اونٹ اور پانچ سو دراہم لے کر بھیجا تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ درہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر دیے تھے۔ مال دینے کی وجہ یہ تھی کہ یہ دونوں حضرات واپسی میں ضرورت کے مطابق سواریاں خرید سکیں۔ حضرت ابوبکر نے عبداللہ بن اریقط کو بھی دو یا تین اونٹ دے کر ان کے ساتھ کر دیا تھا۔ حضرت ابوبکر نے ایک خط اپنے بیٹے عبداللہ کے نام لکھا تھا، جس میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبداللہ کو حکم دیا تھا کہ وہ اہل خانہ کو لے کر مدینۂ طیبہ حاضر ہو جائیں۔ حضرت ابوبکر کے اہل خانہ میں میری والدہ ام رومان، میں خود اور میری بہن جو حضرت زبیر کی زوجہ تھیں یہ سب لوگ شامل تھے۔ حضور اور حضرت ابوبکر کے فرستادہ تمام افراد ساتھ میں روانہ ہوئے، مقام قدید پر پہنچ کر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مزید تین اونٹ خریدے پھر سب لوگ مکہ سے مدینۂ طیبہ روانہ ہو گئے۔ انہوں نے اپنے ساتھ حضرت طلحہ بن عبیداللہ کو بھی لے لیا، جو آل ابی بکر کے ساتھ ہجرت کا ارادہ رکھتے

https://alislami.net

تھے۔ حضرت زید اور حضرت ابو رافع نے حضرت فاطمہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم (ام المؤمنین) کی خدمت کی ذمہ داری سنبھالی ہوئی تھی، حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی زوجہ ام ایمن اور اپنے بیٹے حضرت اسامہ کو بھی ساتھ لے لیا تھا۔ میرے بھائی عبداللہ کے ساتھ والدہ ام رومان اور ہم دونوں بہنیں روانہ ہوئیں۔ چنانچہ ہم مدینۂ طیبہ پہنچ گئے، مدینۂ طیبہ میں حضرت ابوبکر کے اہل وعیال حضرت ابوبکر کے ساتھ اقامت پذیر ہوئے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب مسجد نبوی اور اس کے گرد حجرات کی تعمیر کا کام چل رہا تھا۔ لہٰذا حضور کے اہل بیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد شریف کے حجروں میں مقیم ہوئے، میں کچھ دن تک اپنے والد محترم کے ساتھ رہی، پھر والد محترم نے میری رخصتی کی درخواست حضور کی بارگاہ میں پیش کی۔ حضور ابھی تک مہر کی عدم ادائیگی کی وجہ سے رخصتی روکے ہوئے تھے۔ میرے والد نے مہر ادا کرنے کے لیے چاندی بارگاہ رسالت میں پیش کی، حضور نے وہ چاندی بطور مہر میرے پاس بھجوا دی اور میں بھی رخصت ہو کر اپنے اسی حجرے میں چلی گئی جس میں مسلسل رہتی رہی اور اسی حجرے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا۔ (طبقات ابن سعد، ج:۱۰،ص: ۶۳، امتاع الاسماء، ج:۱،ص:۶۹، عمدۃ القاری، ج:۷ا،ص: ۳۴۳، نور الیقین فی سیرۃ سید المرسلین، ج:۱،ص:۸۱، تاریخ طبری، ج:۱۱،ص:۶۰۱)

حضور کی بارگاہ میں حضرت زید کا سیاسی قد وتدبر: آپ غزوات کے بیان میں پڑھ چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو متعدد معرکوں میں امیر بنا کر بھیجا۔ مؤرخین کے بیان کے مطابق جس معرکے میں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا جاتا تھا تو انہیں امیر بنا کر بھیجا جاتا۔ جنگ موتہ کے موقع پر جبکہ حضرت جعفر بھی لشکر میں شامل تھے، آپ نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو امیر منتخب فرمایا۔ حضرت جعفر عرض گزار ہوئے: حضور! مجھے یہ امید نہ تھی کہ آپ مجھ پر زید کو امیر بنائیں گے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جعفر چلے چلو تم نہیں جانتے کہ کس چیز میں بہتری ہے؟

اس کو ہم بالتفصیل حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعے میں بحوالہ ذکر کر چکے

ہیں۔ اب آنے والا بیان ملاحظہ فرمائیے اور اندازہ کیجیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں زید کا سیاسی مقام کیا تھا اور وہ تدبر کی کس منزل پر فائز تھے؟ حضرت ام المومنین فرماتی ہیں: اگر حضور کے وصال کے وقت حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ باحیات ہوتے تو حضور ضرور ضرور حضرت زید ہی کو اپنا خلیفہ مقرر فرما دیتے۔

(تاریخ دمشق، ج:۱۹، ص:۳۶۶، طبقات ابن سعد، ج:۳، ص:۴۳، اسد الغابہ، ج:۲، ص:۳۵۳)

بڑے زید ہیں پیدائش میری پہلے: حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی جو عمر میں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑے تھے لیکن اپنے چھوٹے بھائی حضرت زید کا بڑا احترام کرتے، اگر حضرت جبلہ سے کوئی پوچھتا: آپ بڑے ہیں یا حضرت زید؟ تو بڑا ادیبانہ جواب دیتے ہوئے فرماتے: بڑے تو زید ہی ہیں البتہ میری پیدائش ان سے پہلے ہوئی ہے۔ حضرت جبلہ کو بھی بارگاہ رسالت میں حاضری کا موقع میسر آیا لیکن جبلہ حاضری دے کر واپس ہو گئے۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح کاشانہ رسالت کی چوکھٹ پر پڑے نہ رہے بلکہ حاضری کے بعد اپنے وطن واپس چلے گئے۔ جبلہ وطن واپسی سے متعلق اپنے فیصلے کو خطا سمجھتے تھے اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہوں نے بارگاہ رسالت کی حاضری کو لازم پکڑ لیا تھا ان کے فیصلے کو جبلہ خوب سراہتے تھے۔ خود بیان فرماتے ہیں:

میرے بھائی کا فیصلہ میرے فیصلے سے بہتر تھا: میں نے حضور کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! میرے بھائی زید کو میرے ساتھ وطن بھیج دیجیے۔ حضور نے فرمایا: زید اپنے فیصلے کے لیے آزاد ہیں، اگر وہ جانا چاہیں تو میری طرف سے کوئی پابندی نہیں ہے۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: قسم خدا کی! میں ہرگز نہ جاؤں گا۔ یارسول اللہ! میں آپ کو چھوڑ کر کبھی بھی کسی کے ساتھ نہیں جا سکتا۔ جبلہ کہتے ہیں: میرے بھائی زید کی رائے میری رائے سے بہتر تھی۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۱، ص:۲۲۳، تاریخ دمشق، ج:۱۹، ص:۳۵۶)

تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منہ کیا دیکھیں
کون نظروں پہ چڑھے دیکھ کے تلوا تیرا

https://alislami.net

تیرے ٹکڑوں سے پلے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال
جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقہ تیرا
(اعلیٰ حضرت)

حضرت زید کے والد اور بھائی صحابی تھے: علامہ ابن حجر عسقلانی نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد بزرگوار حضرت حارثہ اور بڑے بھائی حضرت جبلہ کا ذکر صحابۂ کرام میں فرمایا ہے۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بڑے بھائی حضرت جبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت پر علامہ ابن حجر نے کسی قسم کا کوئی اعتراض ذکر نہیں فرمایا ہے بلکہ حضرت جبلہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت حدیث بھی ثابت فرمائی ہے۔ البتہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد حارثہ کے اسلام کو ثابت کرنے والی روایت کو علامہ ابن مندہ کے حوالے سے غریب قرار دیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (الاصابہ، ج:۱،ص:۲۳۳-۳۱۱)

حضرت زید کا انفاق فی سبیل اللہ: حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے سخی طبیعت اور راہ خدا میں خرچ کرنے والا دل عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کرنے کا جذبہ ان کی نس نس اور رگ رگ میں سمایا ہوا تھا۔ چنانچہ آیت کریمہ ''لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ'' (تم اس وقت تک ہر گز بھلائی حاصل نہیں کر سکتے جب تک اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی محبوب چیز خرچ نہ کرو) نازل ہوئی تو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رب کی بارگاہ میں عرض کیا: اے میرے پروردگار! تو خوب بہتر جانتا ہے، میرے مال میں کوئی بھی شے مجھے اس گھوڑے سے زیادہ پسند نہیں ہے۔ یہ عرض کیا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں گھوڑا صدقہ کرنے کا ارادہ کرلیا تھا، گھوڑا اتنا پیارا تھا کہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھوڑے سے محبت کرتے تھے اور گھوڑا بھی حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت کرتا تھا۔ گھوڑے کا نام ''سبل'' تھا، لیکن یہ محبت اللہ کی راہ میں صدقہ کرنے سے آڑے نہیں آئی، گھوڑا لے جا کر منڈی میں کھڑا کر دیا اور حضور سے فروخت کرنے کی اجازت حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوئے تا کہ گھوڑا بیچ کر

https://alislami.net

اس کی قیمت غربا و مساکین پر صدقہ کرسکیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑا بیچنے کی اجازت مرحمت نہ فرمائی۔

گھوڑا بیٹے کا ہوا صدقہ باپ کا: حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: حضور! اس کو صدقہ فرما دیں۔ حضور نے گھوڑا لیا اور ان کے بیٹے حضرت اسامہ کو عطا فرما دیا۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض گزار ہوئے: یا رسول اللہ! میں نے تو اسے صدقہ کرنے کی نیت کی ہے۔ (نہ کہ اپنے بیٹے کو دینے کی) اس پر حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: زید! (فکر نہ کرو) تمہارا صدقہ قبول کرلیا گیا ہے۔ (تاریخ دمشق، ج:۱۹،ص:۳۶۷، الاستذکار، ج:۸،ص:۶۰۰، شرح بخاری لابن بطال، ج:۳،ص:۴۸۳)

نماز کی برکت اور دعا کی قبولیت: حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی بارگاہ میں خاص مقبولیت رکھتے تھے۔ بارگاہ رسالت میں مقبولیت کے کئی واقعات ہم ماقبل میں تحریر کر چکے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ جو رسول کی بارگاہ میں مقبول ہو جاتا ہے وہ خدا کی بارگاہ میں بھی قبول کرلیا جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اللہ تعالیٰ نے بھی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی بارگاہ کا قرب خاص عطا فرمایا تھا۔ آنے والے واقعے سے خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مقبولیت کا پتہ چلے گا، نیز معلوم ہوگا کہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیسے مستجاب الدعوات تھے۔

سعد فرماتے ہیں: حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص سے سواری کا جانور کرائے پر لیا، سواری چلانے کی ذمہ داری مالک کی تھی، سواری والا طائف کا رہنے والا تھا۔ سواری کے مالک نے سواری کرائے پر دیتے وقت یہ شرط لگا دی تھی کہ مالک جہاں چاہے گا وہاں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سواری سے اترنا پڑے گا۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شرط کو منظور کرلیا، سواری والے نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک ویرانے میں لے جا کر اتار دیا، یہ ایسا ویرانہ تھا کہ یہاں دیکھنے پر بہت سارے قتل کیے ہوئے لاشے یا ان کے ڈھانچے نظر آتے تھے اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ یہ سب اسی منافق

مالک کی کارستانیاں تھیں، اس نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی قتل کرنے کی تیاری کرلی۔ منافق حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کرنے کے لیے آگے بڑھا تو حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مجھے دو رکعت نماز پڑھ لینے دو۔ اس شخص نے کہا: تمہیں نماز پڑھنا ہے تو پڑھ لو، میری طرف سے اجازت ہے لیکن تم سے پہلے یہ سامنے پڑے لاشے بھی نماز پڑھ چکے ہیں، مگر ان کی نماز ان کو قتل ہونے سے نہ بچا سکی۔

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جب میں نماز پڑھ چکا تو وہ شخص مجھے قتل کرنے کے ارادے سے میرے پاس آیا، میں نے اپنے رب کو پکارا ''یا ارحم الراحمین'' پس ایک آواز آئی۔ اس کو قتل مت کرو۔ آواز سن کر وہ شخص ڈر گیا اور صاحب آواز کو ڈھونڈنے کے لیے ادھر ادھر دیکھنے لگا لیکن اسے کوئی بھی نظر نہ آیا۔ لہٰذا وہ شخص میرے پاس لوٹ آیا، میں نے پھر ''یا ارحم الراحمین'' پکارا، اسی طرح تین مرتبہ معاملہ پیش آیا۔ اب میں نے دیکھا کہ ایک گھڑ سوار نیزہ لیے ہوئے میرے سامنے کھڑا ہے اور اس کے سر پر آگ کا ایک شعلہ ہے، آنے والے نے نیزہ سواری کے مالک کی پیٹھ میں پیوست کردیا، چنانچہ یہ شخص مردہ ہو کر تڑپنے لگا، پھر آنے والے نے کہا: جب تم نے پہلی مرتبہ ''یا ارحم الراحمین'' پکارا تھا، اس وقت میں ساتویں آسمان پر تھا اور جب تم نے دوسری مرتبہ پکارا تو میں آسمان دنیا پر تھا اور جب تم نے تیسری مرتبہ پکارا تو میں تمہارے پاس پہنچ گیا۔ (الاستیعاب، ج:۱،ص: ۲۴۴، الروض الانف، ج:۶،ص: ۱۳۳، السیرۃ الحلبیہ، ج:۳،ص:۲۳۸، تاریخ الخمیس، ج:۱،ص:۴۵۷، شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیہ، ج:۲،ص:۴۹۱)

علامہ زرقانی فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا فرستادہ تین مرتبہ ''یا ارحم الراحمین'' کہنے کے بعد حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچا، اس طرح ظالم کو مہلت دی گئی کہ وہ صرف آواز کے ذریعے ہی ظلم کرنے سے باز آجائے اور قتل ہونے سے بچ جائے لیکن جب وہ آواز سے نہ مانا، اس نے اپنی حرکت کو تین مرتبہ تک مکرر کردیا، اب اس کی سرکشی پورے طور پر ثابت ہو چکی تھی لہٰذا وہ مستحق قتل ہو گیا اور اسے قتل کردیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کا فرستادہ تیسری پکار تک ساتویں آسمان پر ٹھہرا نہیں رہا، حالانکہ وہ چاہتا تو ساتویں آسمان سے بھی تیسری پکار کے بعد حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچ جاتا، اس میں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت کا اہتمام ہے کہ پکارنے والا اللہ کی بارگاہ میں اتنا مکرم ہے کہ اس کی پکار فوراً مقبول کر لی گئی اور عالم اسباب میں ہلچل مچ گئی ہے۔

آنے والے کا اپنے بارے میں آنے کی کیفیات کی تفصیل بتانا، اس سے اس بات پر آگہی دینا ہے کہ جو ان مبارک الفاظ کے ساتھ بارگاہ رب العالمین میں استغاثہ کرتا ہے تو اس کی مدد کس طور پر کی جاتی ہے۔ لہٰذا بندوں کو اس دعا کا اہتمام کرنا چاہیے اور اپنے رب سے ''یا ارحم الراحمین'' کہہ کر فریاد کرنا چاہیے۔ (شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ ج:۲،ص:۴۹۱)

حضور کی ملاقات حضرت زید کی حور سے: اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر جنتی کے لیے جنت میں ایسی حوریں تیار کر رکھیں ہیں جن کے حسن و جمال کا کما حقہ بیان انسانی طاقت سے ماورئی ہے۔ ان حوروں کا ذکر قرآن کریم میں بھی ہے اور احادیث طیبہ میں بھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں ادنیٰ درجے کے جنتی کے لیے اسی ہزار خادم اور بہتر بیویاں ہوں گی۔ (ترمذی، حدیث: ۲۵۶۲، شرح سنن للبغوی، حدیث: ۴۳۸۱، صحیح ابن حبان، حدیث: ۷۴۰۱، مسند احمد، حدیث: ۱۱۷۲۳)

یہ حال ادنیٰ جنّتی کا ہے، پھر اعلیٰ جنتی کا حال کیا ہوگا؟ یہ تو اللہ تعالیٰ جانے اور اس کے دیے ہوئے علم سے اللہ تعالیٰ کے محبوب جانیں۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان و عظمت یہ ہے کہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں آنے والی ایک جنتی دوشیزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائی گئی جو بڑی ہی حسین وجمیل تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جب میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے ایک بہت حسین دوشیزہ کو دیکھا، میں نے اس سے پوچھا: تجھے کس کے لیے بنایا گیا ہے؟ تو اس نے عرض کیا: میں زید بن حارثہ کے لیے ہوں۔ (تاریخ دمشق، ج:۱۹،ص:۳۷۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پاک سے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

نمایاں شان معلوم ہوتی ہے۔

شرف اہل بیت: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں شامل ہونا کتنا عظیم شرف ہے اس کو آنے والی حدیث پاک میں ملاحظہ فرمائیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے جعفر کے درجے کو زید کے درجے سے بلند پایا، میں نے کہا: میرا یہ گمان نہ تھا کہ زید کا درجہ جعفر کے درجہ سے کم ہوگا۔ فوراً بارگاہ رسالت میں حضرت جبرائیل حاضر آئے اور عرض کیا: واقعی زید اپنی فضیلت میں جعفر سے کم نہیں لیکن جعفر کے درجے کو آپ کی قرابت کی وجہ سے بلند کر دیا گیا ہے۔ (تاریخ دمشق، ج:۱۹، ص:۳۶۹، المستدرک للحاکم، حدیث:۴۹۳۸، الخصائص الکبری، ج:۱، ص:۴۳۸، طبقات ابن سعد، ج:۴، ص:۳۵)

ازواج واولاد: حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے الگ الگ اوقات میں پانچ شادیاں کیں۔ بعض ہجرت سے قبل اور بعض بعد میں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اولاد کی نعمت سے بھی سرفراز فرمایا۔ آپ کے یہاں دو بیٹے ایک اسامہ بن زید دوسرے زید بن زید اور ایک بیٹی رقیہ پیدا ہوئی۔ زید اور رقیہ کا انتقال بچپن ہی میں ہوگیا، اسامہ کو اللہ تعالیٰ نے شرف صحابیت بخشا اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد ایک زمانے تک زندہ رکھا۔

اب آپ تفصیل ملاحظہ فرمائیں!

پہلی زوجہ: آپ کی پہلی زوجہ کا نام ''حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا'' ہے۔ حضرت ام ایمن جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ تھیں، جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کرنے کی سعادت حاصل ہے۔

قارئین غور فرمائیں! حضرت ام ایمن ان عورتوں میں شامل ہیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش فرمائی۔ پرورش کی خدمت انجام دینا تبھی ممکن ہے کہ حضور کے بچپن کے زمانے میں حضرت ام ایمن خاصی باشعور رہی ہوں۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظاہری عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دس سال چھوٹے تھے بلکہ بعض روایات کے

اعتبار سے بیس سال چھوٹے تھے۔ اب آپ اندازہ فرمائیں کہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر ام ایمن کی عمر سے کتنی کم رہی ہوگی۔ مذکورہ تفصیل سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ جب حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو ام ایمن بڑھاپے کی سرحدوں میں داخل ہو چکیں تھیں، چونکہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام ایمن کو بہت محبوب رکھتے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا ہے: ''جو ام ایمن سے نکاح کرے گا وہ جنت پائے گا'' لہٰذا حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کی خوشی اور جنت کی بشارت حاصل کرنے کے لیے ایک معمر خاتون سے نکاح کرنے کے لیے راضی ہو گئے۔

(طبقات ابن سعد، ج: ۳،ص: ۴۳)

اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح ام ایمن کے ساتھ کر دیا۔ ام ایمن کے بطن سے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے اسامہ پیدا ہوئے۔

(طبقات ابن سعد، ج: ۳،ص: ۴۳)

حضور ام ایمن کی ملاقات کو تشریف لے جاتے: ام ایمن جن کا نام برکہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ اور خادمہ تھیں۔ یہ حضور کے والد محترم حضرت عبداللہ کی کنیز تھیں جو حضور کو وراثت میں ملی تھیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد فرما دیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بڑی محبت فرماتے تھے، چنانچہ حضور ان سے ملاقات کرنے ان کے گھر جایا کرتے تھے۔ کبھی حضور ان کو ماں کہہ کر خطاب فرماتے اور فرماتے ''یہ میری دوسری ماں ہیں'' حضور کے بعد حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان سے ملاقات کرنے جایا کرتے، حضرت ام ایمن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں خاص مقبولیت رکھتی تھیں۔ ایک سفر کے دوران انہیں شدت کی پیاس لگ گئی کہ جان پر بن آئی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی خاص مدد فرمائی گئی اور سفید رسّی سے بندھا ایک ڈول آسمان سے لٹک آیا، اسے پی کر حضرت ام ایمن نے اپنی پیاس بجھائی۔ اس جام نے ام ایمن کو ایسا سیراب

کر دیا کہ پھر کبھی پیاس نے غلبہ نہ کیا۔ گرمی کے دنوں میں روزہ رکھ کر پیاس لگانے کی کوشش کرتیں تھیں لیکن پھر بھی پیاس محسوس نہیں ہوتی تھی۔ ایک دن حضور نے فرمایا: جسے یہ پسند ہو کہ وہ جنتی عورت سے شادی کرے تو وہ ام ایمن سے شادی کر لے۔ یہ سن کر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ام ایمن سے شادی کر لی۔ یہ وہی خاتون ہیں جنہوں نے ایک برتن میں رکھے حضور کے پیشاب کو پانی سمجھ کر پی لیا۔ جب حضور نے فرمایا: برتن میں جو پیشاب ہے اسے پھینک دینا تو انہوں نے عرض کیا: حضور! میں تو اسے پانی سمجھ کر پی چکی ہوں۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہنستے ہوئے فرمایا: اے ام ایمن! آج کے بعد تمہارے پیٹ میں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔

ایک روایت میں ہے حضور نے فرمایا: آگ سے تمہارا پیٹ محفوظ رہے گا۔ (تاریخ دمشق، ج:۴، ص:۳۰۳، طبقات ابن سعد، ج:۱۰، ص:۲۱۳، کشف المشکل، ج:۲، ص:۲۲۴، المستدرک للحاکم، حدیث:۶۹۱۲، التلخیص الحبیر، ج:۱، ص:۱۷۱)

اسامہ بن زید: اللہ تعالیٰ نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں اور حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر میں برکت عطا فرمائی، آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت تک باحیات رہے۔ علامہ غلام رسول سعیدی تحریر فرماتے ہیں:

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت اسامہ بن زید بن شراحیل بن عبدالعزیٰ ان کا پورا نام ہے۔ ان کو محبوب ابن المحبوب کہا جاتا تھا، کیونکہ یہ دونوں باپ بیٹے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھے۔ ان کی کنیت ابو محمد اور ابو زید ہے، ان کی والدہ حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پالنے والی تھیں۔ امام ابن سعد نے کہا ہے کہ حضرت اسامہ زمانۂ اسلام میں پیدا ہوئے اور جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس وقت ان کی عمر بیس سال تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شام پر حملہ کرنے والے عظیم لشکر کا امیر بنایا، لشکر کے روانہ ہونے سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ

https://alislami.net

عنہ نے اس لشکر کو روانہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی بہت تعظیم اور تکریم کرتے تھے اور اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے زیادہ ان کو وظیفہ عطا کرتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت اسامہ فتنوں سے الگ رہے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے اواخر میں فوت ہوئے۔ حافظ ابن عبد البر نے کہا ہے: وہ پینتالیس ہجری میں فوت ہوئے تھے۔ (نعمۃ الباری، ج:٦،ص:٨٣٢)

دوسری زوجہ: آپ کی دوسری بیوی کا نام ''حضرت زینب بنت جحش'' ہے۔ زینب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن ہوتی ہیں، جو بعد میں حضور کے نکاح میں آ کر ام المومنین کے منصب پر فائز ہوئیں۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ دونوں شادیاں مکۂ مکرمہ میں ہوئیں۔ ابھی آپ پڑھ آئے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو رافع کو مدینۂ طیبہ سے مکۂ مکرمہ اپنے اہل بیت کو لینے کے لیے روانہ کیا تھا، مکہ پہنچ کر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور کے اہل بیت کو لیا اور اپنی زوجہ ام ایمن، بیٹے اسامہ کو لیا۔ پھر سب کو ایک ساتھ لے کر حضور کی بارگاہ میں مدینۂ طیبہ حاضر ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ام ایمن کے ساتھ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح مکۂ مکرمہ میں ہو چکا تھا۔

رہی یہ بات کہ حضرت زینب کا نکاح بھی حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مکۂ مکرمہ میں ہوا تھا، اس کے لیے آنے والا اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔ علامہ غلام رسول سعیدی سورۂ احزاب کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

سورۂ احزاب بالاتفاق مدنی ہے البتہ حسب ذیل آیت مکۂ مکرمہ میں نازل ہوئی: ''وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝۳۶'' (آیت:٣٦) جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ کر دیں تو اس کام کے متعلق کسی مومن مرد اور کسی مومنہ عورت کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔ یہ آیت حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضرت

https://alislami.net

زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کے متعلق نازل ہوئی۔ یہ نکاح مکۂ مکرمہ میں ہوا تھا، اس لیے یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی اور سورۃ الاحزاب کی باقی آیتیں مدینۂ منورہ میں نازل ہوئی ہیں۔ (تبیان القرآن، ج:۹،ص:۳۵۰)

حضور نے حضرت زید کا نکاح اپنی پھوپھی زاد بہن سے کرادیا: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مکمل سرپرستی فرماتے تھے، چنانچہ آپ نے ایک موقع پر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب سے کرانا چاہا، لہٰذا آپ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پیغام نکاح حضرت زینب اوران کے اہل خانہ کے پاس بھیجا، حضرت زینب اوران کے بھائی کو یہ رشتہ پسند نہ تھا اس لیے انہوں نے اس پیغام کو منظور نہ کیا۔ حضرت زینب اوران کے بھائی کے انکار پر آیت کریمہ نازل ہوئی، جس کے ذریعے حضرت زینب اوران کے بھائی کی تربیت کی گئی، چنانچہ پیغام منظور ہوا اور نکاح کردیا گیا۔

حضرت زید کے پیغام نکاح پر آیت کا نزول: مفسر قرآن صدرالافاضل خلیفۂ اعلی حضرت، حضرت علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی تحریر فرماتے ہیں: حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کیا تھا، وہ حضور ہی کی خدمت میں رہتے تھے، حضور نے زینب کے لیے ان کا پیغام دیا، اس کو زینب اوران کے بھائی نے منظور نہیں کیا۔ اس پر آیت کریمہ نازل ہوئی: ''وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴿۳۶﴾ '' جب اللہ ورسول کچھ حکم فرمادیں تو کسی مسلمان مرد عورت کو اپنے معاملے کا کچھ اختیار باقی نہیں رہتا اور جو حکم نہ مانے اللہ اور اس کے رسول کا وہ بے شک صریح گمراہی بہکا۔ (الاحزاب، آیت:۳۶)

حضرت زینب اوران کے بھائی اس حکم کو سن کر راضی ہوگئے اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح ان کے ساتھ کردیا اور حضور نے انکا

https://alislami.net

مہر دس دینار، ساٹھ درہم، ایک جوڑا کپڑا، پچاس مد کھانا، تیس صاع کھجوریں دیں۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورۂ احزاب، آیت: ۳۶)

اس مضمون کو علامہ غلام رسول سعیدی علیہ الرحمہ نے قدرے تفصیل سے لکھا ہے، آپ تحریر فرماتے ہیں:

یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی امیمہ بنت عبد المطلب کی بیٹی حضرت زینب بنت جحش اور ان کے بھائی حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے ان کو نکاح کا پیغام دیا تھا اور فرمایا: میں یہ چاہتا ہوں کہ تمہارا زید بن حارثہ سے نکاح کر دوں کیوں کہ میں نے ان کو تمہارے لیے پسند کر لیا ہے۔ حضرت زینب بنت جحش نے اس کا انکار کیا اور کہا: یا رسول اللہ! لیکن میں اپنے لیے زید کو ناپسند کرتی ہوں۔ میں اپنی قوم کی بے نکاح عورت ہوں اور آپ کی پھوپھی کی بیٹی ہوں، سو میں اس نکاح کے لیے تیار نہیں ہوں۔ دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا: میں خاندانی شرافت کے لحاظ سے زید سے افضل ہوں اور ان کے بھائی عبد اللہ نے بھی ان کی موافقت کی، پھر جب یہ آیت نازل ہوئی تو وہ دونوں اس نکاح پر راضی ہو گئے۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کا حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح کر دیا اور ان کے مہر میں دس دینار، ساٹھ درہم، ایک دوپٹہ، ایک قمیص، ایک چادر، ایک لحاف، ۲۵ رکلوگرام طعام اور ایک سو بیس کلوگرام کھجوریں مقرر فرمائیں۔ (جامع البیان، ج: ۲۲، ص: ۱۷، الکشف و البیان، ج: ۸، ص: ۴۷، روح المعانی، ج: ۲۲، ص: ۳۴، احکام القرآن، ج: ۳، ص: ۴۷۵، بحوالہ تبیان القرآن، ج: ۹، ص: ۴۵۲)

زینب کی طلاق اور ام المؤمنین بننے کی تفصیلات: حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی، حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا مزاج کی تیز تھیں اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلے میں اپنے نسب اور اپنے خاندان کو برتر

خیال کرتی تھیں۔ حضرت زید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر ان کی شکایت کرتے تھے کہ ان کی زبان بہت سخت ہے اس لیے میں ان کو طلاق دینا چاہتا ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرماتے تھے: تم اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں رہنے دو اور اللہ سے ڈرو اور ان کی زبان کی تیزی اور تندی کی وجہ سے ان کو طلاق مت دو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس سے مطلع فرما دیا تھا کہ بالآخر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت زینب کو طلاق دے دیں گے اور ان کی عدت گزرنے کے بعد اللہ تعالیٰ حضرت زینب کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دے گا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ خوف اور خدشہ تھا کہ پھر کفار اور منافقین آپ پر یہ اعتراض کریں گے کہ پہلے آپ نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا بیٹا بنایا پھر اس کی بیوی سے نکاح کر لیا، حالانکہ بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ ان اعتراضات کے خدشہ کی وجہ سے آپ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرماتے تھے کہ تم زینب کو طلاق مت دو، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور آپ اپنے دل میں اس بات کو چھپا رہے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور آپ کو لوگوں کے طعنوں کا اندیشہ تھا اور اللہ آپ کے خوف کا زیادہ مستحق ہے۔ (حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم وحی سے کسی آیت کو چھپانے والے ہوتے تو اس آیت کو چھپا لیتے)(صحیح البخاری، حدیث: ۴۸۸۵، صحیح المسلم، حدیث: ۱۷۷)

اس کے بعد فرمایا: (قرآن میں) جب زید نے (اس کو طلاق دے کر) اپنی غرض پوری کر لی اور طلاق دینے کے بعد زید کے دل میں ان کی طرف سے کوئی میلان اور رغبت نہ رہی اور نہ ان کے فراق سے ان کے دل میں کوئی وحشت اور گھبراہٹ ہوئی، اس کے بعد فرمایا: تو ہم نے (عدت کے بعد) آپ کا اس سے نکاح کر دیا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں: جب حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عدت پوری ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: تم زینب کے پاس جاؤ اور ان سے میرا ذکر کرو۔ حضرت زید رضی اللہ

تعالیٰ عنہ ان کے پاس گئے، اس وقت وہ آٹا گوندھ رہی تھیں، وہ کہتے ہیں کہ جب میں نے ان کو دیکھا تو میرے دل میں ان کی بہت عظمت اور ہیبت طاری ہوگئی اور میں ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی تاب نہیں لا رہا تھا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ذکر کیا تھا، میں ان کی طرف پیٹھ کر کے اپنی ایڑیوں کے اوپر کھڑا ہو گیا، میں نے کہا: اے زینب! تمہیں خوشخبری، مبارک ہو۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے، وہ تمہارا ذکر فرما رہے تھے۔ حضرت زینب نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کچھ نہیں کروں گی۔ پھر وہ اپنی نماز پڑھنے کی جگہ چلی گئیں اور اسی وقت قرآن نازل ہو گیا۔ (یعنی یہ آیت: "زَوَّجْنٰكَهَا") اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر اجازت کے ان کے پاس داخل ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمہ میں ہمیں روٹیاں اور گوشت کھلایا۔ (سنن نسائی، حدیث:۳۲۵۱، مسند احمد، ج:۳، ص:۱۹۵، الطبقات الکبریٰ، ج:۸، ص:۱۰۴، المستدرک، ج:۴، ص:۲۳، اسد الغابہ، ج:۷، ص:۱۲۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سلسلے میں پردے کے حکم کی آیت نازل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ولیمہ میں روٹیاں اور گوشت کھلایا اور حضرت زینب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری ازواج کے سامنے فخر کرتی تھیں اور فرماتی تھیں: اللہ تعالیٰ نے میرا نکاح آسمانوں میں کیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں ہے وہ دیگر ازواج سے فرماتی تھیں: "تمہارا نکاح تمہارے گھر والوں نے کیا ہے اور میرا نکاح سات آسمانوں کے اوپر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے"۔ (صحیح البخاری، حدیث:۷۴۲۰، صحیح المسلم، حدیث:۱۴۲۸، سنن ترمذی، حدیث:۳۲۱۸، مسند احمد، حدیث:۱۲۶۹۸)

علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں: اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے یہ چیز ہے کہ آپ کو یہ اجازت دی گئی کہ آپ بغیر مہر کے نکاح کر لیں تا کہ

https://alislami.net

آپ کی ازواج مطہرات خلوص سے آپ کا قصد کریں نہ کہ مہر کے عوض اور آپ سے تخفیف ہو اور ولی کی اجازت کے بغیر بھی آپ کو نکاح کی اجازت دی گئی ہے۔ اسی طرح سے آپ اپنے نکاح میں گواہوں کے حاضر ہونے سے بھی مستثنیٰ ہیں، اسی وجہ سے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا دیگر ازواج مطہرات سے فخر سے یہ کہتی تھیں کہ تمہارا نکاح تمہارے گھر والوں نے کیا ہے اور میرا نکاح اللہ عزوجل نے کیا ہے۔ (زاد المسیر، ج:٦،ص:٣٩١)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ٦٦٨ھ لکھتے ہیں: حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا تو اللہ تعالیٰ ان کے نکاح کا خود ولی ہو گیا اور اس لیے فرمایا: ہم نے آپ سے ان کا نکاح کر دیا۔

امام جعفر بن محمد نے اپنے آباء سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی کہ اس نے آپ کا نکاح حضرت زینب سے کر دیا تو آپ بغیر اجازت کے حضرت زینب کے پاس داخل ہو گئے، کسی عقد نکاح کی تجدید کی گئی نہ کوئی مہر مقرر کیا گیا اور نہ ان شرائط میں سے کوئی چیز تھی جو ہمارے نکاحوں میں ہوتی ہے اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان خصوصیات میں سے ہے جن میں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے، اسی وجہ سے حضرت زینب دیگر ازواج سے بطور فخر یہ کہتی تھیں کہ تمہارا نکاح تمہارے گھر والوں نے کیا ہے اور میرا نکاح آسمانوں پر اللہ عزوجل نے کیا ہے۔

علامہ اسمٰعیل حقی حنفی متوفی ١١٣٧ھ اور علامہ آلوسی حنفی متوفی ١٢٧٠ھ نے بھی اس آیت کی یہی تقریر کی ہے۔ (روح البیان، ج:٧،ص:٢١٥، روح المعانی، ج:٢٢،ص:٣٧)

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مختصر سوانح: حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ٧٧٤ھ لکھتے ہیں:

ذوالقعدہ پانچ ہجری میں غزوۂ بنو قریظہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہوا تھا، نکاح کے وقت ان کی عمر پینتیس سال تھی۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان خواتین میں سے تھیں جنہوں نے سب سے پہلے ہجرت کی

تھی، وہ بہت نیکی کرنے والی اور بکثرت صدقہ اور خیرات کرنے والی تھیں۔ ان کا پہلا نام برہ تھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام تبدیل کر کے زینب رکھ دیا۔ ان کی کنیت ام الحکم تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: میں نے ان سے زیادہ نیکوکارہ، صادقہ، اللہ سے ڈرنے والی، صلہ رحم کرنے والی، خیرات کرنے والی اور امانت دار خاتون نہیں دیکھی۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ جب منافقوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے میرے متعلق پوچھا اور ازواج مطہرات میں یہی میری ٹکر کی تھیں، ان کے تقوی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو محفوظ رکھا۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنے کانوں اور اپنی آنکھوں کی حفاظت کرتی ہوں۔ (صحیح البخاری، حدیث: ۴۱۴۱، صحیح المسلم، حدیث: ۲۷۷۰، سنن ابی داؤد، حدیث: ۲۱۳۸، سنن ابن ماجہ، حدیث: ۱۹۷۰)

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ''تم میں سب سے پہلے مجھ سے وہ ملے گی جس کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے ہوں گے'' سو ہم ناپتے تھے کہ ہم میں سے کس کے ہاتھ سب سے لمبے ہیں تو حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی کے ہاتھ سب سے لمبے تھے کیونکہ وہ بہت صدقہ اور خیرات کرتی تھیں۔ (آپ کی مراد لمبے ہاتھوں سے زیادہ سخاوت کرنا تھی اور ازواج نے اس سے یہ سمجھا کہ اس سے مراد جسمانی لمبائی ہے) (صحیح مسلم، رقم حدیث: ۲۴۵۲)

امام واقدی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت زینب ۲۰ رہجری کو فوت ہوئیں اور حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان کو بقیع میں دفن کیا گیا۔ (البدایہ والنہایہ، ج: ۳، ص: ۳۰۹)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ وفات کے وقت ان کی عمر پچاس سال تھی۔ اور ایک روایت کے مطابق ان کی عمر ترپین سال تھی۔ (الاصابہ، ج: ۸، ص: ۱۵۵، بحوالہ تبیان القرآن، ج: ۹، ص: ۴۵۶ تا ۴۵۸)

تیسری زوجہ: آپ کی تیسری بیوی کا نام "ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط" ہے۔ جب ام کلثوم ہجرت فرما کر مدینۂ طیبہ حاضر ہوئیں تو انہیں زبیر بن عوام، عبدالرحمن بن عوف، عمرو بن عاص اور زید بن حارثہ جیسے جلیل القدر صحابہ نے پیغام نکاح دیا، ام کلثوم نے اپنے ماں شریک بھائی حضرت عثمان بن عفان سے مشورہ کیا، حضرت عثمان نے ان سے فرمایا: تم اس بارے میں حضور سے دریافت کرو، جیسا حضور فرمائیں، اس پر عمل کرو۔ یہ حضور کی بارگاہ میں حاضر آئیں، حضور نے انہیں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح کرنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پیغام قبول کرتے ہوئے ان سے نکاح کر لیا۔ ان سے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک بیٹا زید بن زید اور ایک بیٹی رقیہ پیدا ہوئی، یہ دونوں بچے بچپن ہی میں انتقال فرما گئے، پھر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں بھی طلاق دے دی۔

چوتھی زوجہ: حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چوتھی بیوی کا نام "درہ بنت ابی لہب" ہے۔ کچھ دن بعد آپ نے درہ کو بھی طلاق دے دی۔

پھر آپ نے پانچویں شادی فرمائی۔

پانچویں زوجہ: آپ کی پانچویں بیوی کا نام ہند بنت العوام ہے جو حضرت زبیر بن عوام کی بہن ہیں۔ (طبقات ابن سعد، ج: ۳، ص: ۶۳، الاصابہ، ج: ۳، ص: ۵۳)

بدر کی فتح کی بشارت اور حضرت زید: حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان خوش نصیبوں میں شامل ہیں جو جنگ بدر میں حضور کی معیت میں حاضر تھے۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جنگ بدر کی ایک اور تاریخ وابستہ ہے، وہ یہ کہ جب جنگ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح مبین نصیب فرمائی تو اس فتح کی خوشخبری سنانے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غازیان اسلام سے پہلے مدینۂ طیبہ روانہ فرمایا۔

جب اس کی تفصیل ہم علامہ صالحی سے معلوم کرتے ہیں تو وہ فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کو جنگ بدر کی خوشخبری سنانے کے لیے دو حضرات کو دیگر غازیان

https://alislami.net

اسلام سے پہلے روانہ فرمایا، ان میں ایک حضرت زید بن حارثہ اور دوسرے حضرت عبداللہ بن رواحہ تھے۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینۂ طیبہ کے ان باشندوں کو فتح کی بشارت سنانا تھی جو نچلے حصے میں رہتے تھے، جبکہ بالائی حصے والوں کو بشارت دینے کی ذمہ داری حضرت عبداللہ بن رواحہ کو سونپی گئی تھی۔ یہ دونوں لوگ بروز اتوار دن چڑھے مدینۂ منورہ پہنچے اور اپنے اپنے علاقے میں بشارت دینے کے لیے روانہ ہوگئے۔ دونوں حضرات خوشی خوشی اہل مدینہ سے کہتے تھے: اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سلامتی پر خوشیاں مناؤ اور مشرکین کے قتل ہونے اور قید کیے جانے پر خوش ہو جاؤ، ربیعہ اور حجاج کے بیٹے مارے جا چکے ہیں، ابوجہل اور امیہ بن خلف وغیرہ سرداران قریش میدان بدر میں تہ تیغ ہوئے پڑے ہیں، حضرت عبداللہ بن رواحہ انصار کے گھر جا جا کر بشارت سناتے تھے، ان کے ساتھ بچوں کی بھیڑ چل رہی تھی، بچے زور زور سے کفار مکہ کے ابتر حال کو بیان کر رہے تھے۔ اس دن حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ اعزاز بھی حاصل تھا کہ آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی قصواء یا عضباء پر سوار کر کے بھیجا تھا۔ جب مقام مصلّٰی پر پہنچ کر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بآواز بلند لوگوں کو بشارت سنائی اور عتبہ، شیبہ، ابوجہل اور ابوالبختری جیسے سرداروں کی ہلاکت کی خبر دی تو بعض لوگوں نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سچا نہ جانا بلکہ انہوں نے گمان کیا کہ زید شکست خوردہ میدان جنگ سے جان بچا کر مدینہ پہنچے ہیں۔ اسامہ فرماتے ہیں کہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس دن بشارت لے کر مدینۂ طیبہ تشریف لائے جب لوگ حضور کی شہزادی حضرت رقیہ کو دفن کر کے فارغ ہوئے تھے۔

ایک منافق نے حضرت ابولبابہ سے کہا: مسلمان میدان جنگ سے ایسے بھاگے ہیں کہ اب وہ کبھی جمع نہ ہو سکیں گے اور بڑے بڑے صحابہ قتل کیے جا چکے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قتل کر دیا گیا ہے۔ (معاذ اللہ) یہ دیکھو ان کی اونٹنی ہے جسے زید لے کر بھاگ آیا ہے، زید اتنا دہشت زدہ ہے کہ اس کو معلوم ہی نہیں ہے کہ کیا کہہ رہا ہے، بے چارہ جیسے تیسے کسی طرح جان بچا کر بھاگ آیا ہے۔ معاذ اللہ

حضرت ابولبابہ نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ عنقریب تیرا جھوٹا ہونا ظاہر فرمادے گا، اسی طرح کی کچھ باتیں یہود نے بھی مسلمانوں سے کہیں۔ حضرت اسامہ کہتے ہیں: میں نے اپنے والد حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: آپ جو بشارت سنا رہے ہیں، کیا وہ واقعی سچی بشارت ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! میرے بیٹے، خدا کی قسم! یہ بالکل سچی بشارت ہے۔ اسامہ کہتے ہیں: اب مجھے یقین ہوگیا اور میں نے اس منافق سے کہا: تم رسول اللہ کے بدگو ہو، ہم تمہیں عنقریب حضور کی بارگاہ میں پیش کریں گے پھر وہ تمہاری گردن اتار دیں گے، اس نے کہا: اسامہ! میں نے جیسا لوگوں کو کہتے ہوئے سنا وہ تمہیں بتادیا۔ (میں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا ہے) پھر لوگوں نے اس بشارت کی تصدیق اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ لی جب مسلمان کفار قیدیوں کو دبوچے ہوئے مدینۂ طیبہ تشریف لے آئے۔ (سبل الہدیٰ والرشاد، ج:۴،ص:۵۸، البدایہ والنہایہ، ج:۳،ص:۱۷۳)

جنگ موتہ اور حضرت زید: موتہ سرزمین البلقاء کی ایک بستی ہے جو سرزمین شام کے قریب واقع ہے۔ یہ غزوہ جمادالاولی آٹھ ہجری میں ہوا تھا، اور اس کے بعد رمضان میں مکمل فتح حاصل ہوئی تھی۔ (جنگ موتہ کا تفصیلی بیان حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت میں گزر چکا ہے اس لیے ہم یہاں اختصار کے ساتھ صرف انہی واقعات کو پیش کریں گے جو حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت کے ساتھ وابستہ ہیں، تفصیل کے لیے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت کا مطالعہ کریں)

موتہ میں حضرت زید امیر لشکر: غزوۂ موتہ کا سبب یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت الحارث بن عمیر الازدی کو اپنا مکتوب دے کر روم کے بادشاہ کی طرف روانہ کیا۔ پس شرحبیل بن عمر الغسانی نے حضور کے قاصد کو زنجیروں میں باندھ کر قتل کردیا، ان کے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی سفیر کو قتل نہیں کیا گیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارث کا بدلہ لینے کے لیے مسلمانوں کو طلب کیا اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس لشکر کا امیر بنایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا: اگر زید شہید ہوجائیں تو

جعفر امیر ہوں گے اور اگر وہ شہید ہو جائیں تو پھر عبداللہ بن رواحہ امیر ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار صحابہ کے لشکر کو یہ وصیت کر کے روانہ فرمایا کہ وہ حارث بن عمیر کے شہید ہونے والی جگہ پر پہنچیں، وہاں جو لوگ موجود ہوں انہیں اسلام کی دعوت پیش کریں اگر وہ اس دعوت کو قبول کر لیں فبہ اور نہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کر کے ان سے قتال کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس لشکر کو وداع کرنے کے لیے ثنیۃ الوداع تک تشریف لائے اور دعاؤں کے ساتھ لشکر کو روانہ فرمایا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج:۲۱،ص:۴۱۷-۴۱۱،بحوالہ نعمۃ الباری، ج:۷،ص:۶۶۷ مختصراً)

امام بخاری نے روایت فرمایا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا: حضور نے غزوۂ موتہ میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر بنایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر زید شہید ہو جائیں تو پھر جعفر امیر ہوں گے اور اگر جعفر شہید ہو جائیں تو پھر عبداللہ بن رواحہ امیر ہوں گے۔ (بخاری، حدیث: ۴۲۶۱)

جنگ موتہ میں دشمن کی تعداد: کثیر مؤرخین کے بیان کے مطابق جنگ موتہ میں تین ہزار مجاہدین کے مقابل دشمن کے دو لاکھ سپاہی موجود تھے۔ (تاریخ ابن خلدون، ج:۲، ص:۴۵۶، البدایہ والنہایہ، ج:۶،ص:۴۶۱، عمدۃ القاری، ج:۸،ص:۹۵)

جنگ موتہ کا نتیجہ کیا ہوا؟ اس سلسلے میں مؤرخین کے درمیان اختلاف ہے، ہماری نظر میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور یہ قول زیادہ راجح ہے دلائل حضرت جعفر کے تذکرے میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت زید کا جہاد اور حضور کا بیان: جنگ موتہ میں جب مسلمانوں کا مقابلہ رومی مشرکین سے ہوا، ملک شام کی سرحدوں کے قریب مقابلہ جاری ہے اور مدینۂ طیبہ میں مسجد نبوی کے منبر سے حضور کا بیان جاری ہے، ادھر جو ہو رہا تھا حضور ادھر اس کو بیان فرما رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے مدینۂ طیبہ اور شام کے درمیان جتنے حجاب تھے وہ سب اٹھا دیے، حضور بچشم خود مجاہدین اسلام کو مصروف جہاد دیکھ رہے تھے اور مدینے والوں کو ہر پل کی تازہ خبر عطا فرما رہے

https://alislami.net

تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اب جھنڈا زید بن حارثہ نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا ہے۔

جنگ موتہ کے میدان میں شیطان کو حضرت زید کی للکار: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا: اس دوران زید کے پاس شیطان آ گیا، شیطان نے زید کی نظر میں زندگی کو محبوب بنانے اور موت کو ناپسند کرنے کی کوشش کی اور دنیا کی محبت زید کے دل میں بسانے کے لیے کوشاں رہا۔ زید نے شیطان کو (منہ توڑ) جواب دیا اور فرمایا: تو اب ہماری نظر میں دنیا کو محبوب بنانے کے لیے سرگرداں ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کو مومنوں کے دلوں میں راسخ فرمادیا ہے۔ (اب تیرا مؤمنوں پر کوئی داؤں چلنے والا نہیں ہے)

شہادت، استغفار اور حضرت زید کا دوڑتے ہوئے جنت میں داخل ہونا:
اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شیطان کو جواب دے کر زید آگے بڑھتے چلے گئے، یہاں تک کہ شہید ہو گئے (اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴿۱۵۶﴾) زید کی شہادت کے بعد حضور نے خود بھی زید کے لیے دعائے خیر فرمائی اور اپنے صحابہ سے بھی فرمایا: اپنے بھائی زید کے لیے استغفار کرو۔ ساتھ ہی حضور نے فرمایا: بے شک زید دوڑتے ہوئے جنت میں داخل ہو چکے ہیں۔ (تاریخ دمشق، ج:۱۹، ص:۳۶۸)

حضور کے آخری جملے سے پتہ چلا کہ حضور کی نظر صرف ملک شام کی سرحدوں کو ہی نہیں دیکھ رہی تھی بلکہ نگاہ مصطفیٰ جنت کا بھی احاطہ کیے ہوئے تھی۔ نگاہ مصطفیٰ کا کیا کہنا؟ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی فرماتے ہیں:

سر عرش پر ہے تری گزر دل فرش پر ہے تری نظر
ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

حضور کے آخری جملے سے یہ بھی پتہ چلا کہ استغفار جنتیوں کے لیے بھی کی جاتی ہے (کیونکہ اس سے مراتب و درجات ترقی پاتے ہیں) ورنہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو جنت میں پہلے ہی دوڑتے ہوئے داخل ہو چکے ہیں کیونکہ حضور کے فرمان: ''استغفروا له وقد دخل الجنة وهو يسعى'' کا مطلب ہے تم لوگ زید کے لیے استغفار کرو، اس حال

https://alislami.net

ہیں کہ زید دوڑتے ہوئے جنت میں داخل ہو چکے ہیں۔

تاریخ شہادت اور عمر: حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت بالاتفاق جنگ موتہ میں ہوئی اور جنگ موتہ جمادی الاولیٰ آٹھ ہجری میں لڑی گئی، اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی شہادت جمادی الاولیٰ آٹھ ہجری میں ہوئی، بوقت شہادت آپ کی عمر شریف ۵۵ رسال تھی۔ (تاریخ دمشق، ج:۱۹، ص:۳۶۸، اسد الغابہ، ج:۲، ص:۳۵۳، طبقات ابن سعد، ج:۳، ص:۴۴)

حضرت زید کی شہادت پر حضور کا غم: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شدید محبت فرماتے تھے بلکہ یہ بات متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مردوں میں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سب سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔ لہٰذا حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فراق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بڑا شاق تھا، شہادت کے کئی دن بعد تک جب کسی وجہ سے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یاد تازہ ہوجاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چشمان کرم اشک بار ہوجاتیں۔ حضرت اسامہ بن زید فرماتے ہیں: ''میں اپنے والد کی شہادت کے بعد جب حضور کے سامنے جا کر کھڑا ہوا تو مجھے دیکھ کر حضور کی آنکھیں بہہ نکلیں'' دوسرے دن پھر بارگاہ میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: تمہیں (بے باپ کے) دیکھ کر جو قلق میں نے کل محسوس کیا تھا وہ آج بھی محسوس کر رہا ہوں۔ پھر حضرت اسامہ کئی دن تک بارگاہ رسالت میں حاضر نہ ہوئے۔ کئی دن کے بعد حاضر خدمت ہوئے اور جیسے ہی حضور کے چہرے پر نظر پڑی آنکھیں برس پڑیں، تب حضور نے فرمایا: اسامہ جب تک تم نہیں آئے تھے تب تک نہیں آئے لیکن آج تم نے ہمارے غم کو پھر تازہ کر دیا ہے۔ (تاریخ دمشق، ج:۱۹، ص:۳۷۰)

یہ محبوب کا محبوب کے لیے اشتیاق ہے: حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی بارگاہ رسالت میں روتی ہوئی داخل ہوئیں، حضور نے بھی انہیں دیکھ کر گریہ فرمایا، یہاں تک کہ سسکیاں بندھ گئیں۔ حضرت سعد بن عبادہ نے عرض کیا: حضور! یہ کیا ہے؟ تو حضور نے فرمایا: یہ جذبات محبت کی فراوانی کا ایک منظر ہے۔

(طبقات ابن سعد، ج:۳، ص:۴۴، تاریخ دمشق، ج:۱۹، ص:۳۷۱)

یہ تھی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نورانی سیرت جسے کتاب محبت کا نام دیا جانا ہی زیادہ موزوں ہے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آسمان محبت کا وہ درخشندہ آفتاب ہے جس کی ضیا پاش کرنوں کی چمک قیامت تک اہل محبت کے سینوں کو منور کرتی رہے گی، جن کی وفا شعاری، شوق جہاد، ذوق عبادت اور انداز شہادت تاریخ کے روئے روشن پر نقش کالحجر بن کر ثبت ہو چکا ہے، اسے لیل ونہار کی آمد ورفت دھندلا کر سکے گی نہ امتداد زمان کی رفتار مٹا سکے گی۔

محبت رسول کے کارنامے نے انہیں شہرت دوام بخشی، تو تنزیل الرحمن یعنی قرآن کریم کی آیت کریمہ نے ان کے نام کو بقائے ابدی عطا فرمادی۔ ان کی سیرت کا یہ پہلو ہر عام وخاص کے لیے درس عبرت ہے کہ رضائے رب کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ محبت رسول ہے۔

وہ اپنے ہوگئے تو رحمت پروردگار اپنی

حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے ڈاکٹر اقبال نے کہا:

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کے صدقے ہم گناہ گاروں کو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور انہیں کی طرح محبت رسول سے ہمارے سینوں کو مزین فرما کر ہمیں بھی اپنا قرب خاص عطا فرمائے۔

ان کے مولیٰ کی ان پر کروڑوں درود
ان کے اصحاب و عترت پہ لاکھوں سلام
جس مسلماں نے دیکھا انہیں اک نظر
اس نظر کی بصارت پہ لاکھوں سلام

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

https://alislami.net

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اجمالی تعارف: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مکہ میں مبعوث فرمایا، بے شمار فضائل و خصائص عطا فرمائے، انہیں خصائص میں سے ایک آپ کی جاذبیت بھی ہے، اس جاذبیت نے نہ جانے کتنوں کو کہاں کہاں سے کھینچ لیا۔ ان کی ذاتیں بدلیں، عادتیں بدلیں، خصلتیں بدلیں، خواہشات اور چاہتیں بدلیں، وہ دیکھیے ایک نوجوان جو حسین وجمیل ہونے کے ساتھ ساتھ خوش لباس اور عمدہ پوشاک بھی ہے۔ خوشبو کا ایسا دلدادہ کہ بغیر خوشبو کے اس کی زندگی کا تصور مشکل ہے، چلتا ہے تو راہوں کو مہکا دیتا ہے بلکہ اپنی گزرگاہوں کو اپنی موجوگی پر دلیل بنا جاتا ہے، نازونعم کا پروردہ، ماں باپ کی آنکھ کا تارہ، گفتار کی مٹھاس، لطافت کلام اور ذوقِ سلیم سے آراستہ ہے، ایک دن ہادیِ عالم کی آغوش رحمت میں آ گیا، اسلام لے آیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بہت بھایا، قرآن سکھایا، نازل شدہ دین کا عالم بنایا، یثرب کو مدینہ بنانے کا وقت قریب آ گیا ہے، یہاں دین پھیلانا ہے، یہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نمائندے اور اسلام کے مبلغ کی سخت ضرورت ہے اور یہ ضرورت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہو چکی ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظر انتخاب اٹھی اور اس نوجوان کے چہرے پر جا ٹھہری۔ یہ نوجوان ہجرت سے پہلے مدینہ میں فروکش ہوا، ایک سال بعد مسلمانوں کا ایک حج تھالے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا، خدمتِ دین سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خوش کر دیا، جنگ بدر و احد میں اسلام کا علمبردار رہا، احد میں شہادت پائی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبارک لاش کے قریب آئے، آیت کریمہ: مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ (سورہ احزاب: ۲۳)

تلاوت فرمائی۔ پھر نوجوان سے مخاطب ہوکر فرمایا: میں نے تم کو مکہ میں دیکھا تھا، تم سے زیادہ حسین اور خوش پوشاک کوئی جوان نہ تھا اور آج دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے بال الجھے ہوئے ہیں اور جسم پر صرف ایک چادر ہے، اللہ کا رسول گواہی دیتا ہے کہ تم لوگ قیامت کے دن اللہ کے حضور گواہ بنو گے۔ جانتے ہیں یہ نوجوان کون ہے اس کو تاریخ اسلام، اسلام کے عظیم مبلغ اور سپوت کے طور پر جانتی ہے اس کا مبارک نام مصعب بن عمیر ہے۔

نام ونسب: آپ کا نام مصعب بن عمیر ہے، پورا نسب نامہ اس طور پر ہے مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد دار بن قصی بن کلاب بن مرہ قرشی عبدری۔ ماں کا نام خناس بنت مالک بن المضرب بن وہب بن عمرو بن حجیر بن عبد بن معیص بن عامر بن لوی ہے۔

کنیت ولقب: اکثر مؤرخین نے آپ کی کنیت ابوعبداللہ بیان فرمائی ہے لیکن امام ابن سعد نے طبقات میں آپ کی کنیت ابومحمد تحریر فرمائی ہے۔

(اسد الغابہ، ج:۵، ص:۱۷۵، طبقات ابن سعد، ج:۳، ص:۱۰۷)

بعض مؤرخین نے دونوں (ابوعبداللہ، ابومحمد) کنیتیں تحریر فرمائی ہیں، آپ کا لقب مصعب الخیر تھا۔ (سیرۃ الصحابی الجلیل مصعب بن عمیر، ص:۱۲)

پیدائش: حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیدائش کو متعین طور پر بتا پانا بہت دشوار ہے تاہم ایک موٹے اندازے کے مطابق یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیدائش ۵۸۵ء کے آس پاس ہوئی وہ اس طور پر کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت جنگ احد میں ہوئی اور جنگ احد تین ہجری ۶۲۵ء میں لڑی گئی اور شہادت کے وقت حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر شریف چالیس سال تھی اس سے ثابت ہوا کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیدائش حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے تقریباً چودہ سال بعد ۵۸۵ء میں ہوئی۔ (سیرۃ الصحابی الجلیل مصعب بن عمیر، ص:۱۱)

قبلِ اسلام: حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نعمت میں پیدا ہوئے، ناز میں پلے اور شامیانۂ دولت کے تلے پروان چڑھے، مکہ میں بہت کم نوجوان ہوں گے جو اس شان سے بڑھے پلے ہوں، حسن و جمال میں بھی قدرت نے انہیں یکتائے روزگار بنایا تھا۔ اس قدرتی حسن پر لباس کی نزاکت نے انہیں مزید حسین بنا دیا تھا۔ حسن اور لباس کی پھبن پر عطریات کا استعمال ان کے لیے وجہ شہرت بنا ہوا تھا۔ عرب کے اس غربت زدہ ماحول میں بھی وہ حضرمی جوتا، یمنی پوشاک اور عبیر کا عطر استعمال کرتے تھے اور یہ سب اس وجہ سے ممکن تھا کہ ان کے والدین کے پاس دولت کی کثرت بھی تھی اور جذبات محبت کی فراوانی بھی، وہ اپنے لاڈلے پر دولت کو پانی کی طرح بہانے میں خوشی محسوس کرتے تھے، اس نام پر وہ قطعاً کن جوس واقع نہیں ہوئے تھے، وہ اپنے لخت جگر کو بہتر سے بہتر کھلاتے اور اچھے سے اچھا پہناتے خاص کر ان کی والدہ ان سے شدید محبت کرتی تھی، کوئی رات ایسی نہ ہوتی جس میں وہ حیس (کھجور، گھی اور ستو سے تیار کیا گیا مخصوص کھانا) کا پیالہ ان کے سرہانے نہ رکھتی ہو۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بھی بیدار ہوتے اس سے جتنا کھانا چاہتے کھا لیتے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں قبل اسلام اور بعد اسلام دونوں حالتوں میں دیکھا تھا، کبھی کبھی رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی سابقہ حالت کو یاد کر کے فرمایا کرتے تھے: ''میں نے مکۂ مکرمہ میں مصعب بن عمیر سے زیادہ خوبصورت، پروردۂ نعمت اور جامہ زیب کسی اور جوان کو نہیں دیکھا''۔ (اسد الغابہ، ج: ۵، ص: ۱۷۶، المستدرک علی الصحیحین، ج: ۳، ص: ۲۲۱، الروض الانف، ج: ۲ ص: ۲۵۱، سیرۃ الصحابی الجلیل مصعب بن عمیر، ص: ۲۰، رجال حول الرسول، ص: ۲۳)

اسلام میں داخلہ: والدین کے سایۂ عاطفت اور نعمتوں کے ہجوم کے درمیان حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کاروان زندگی اپنی تمام تر رعنائیوں اور خوش گواریوں کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر جمیل ان کے سامنے ہوا، یہ تذکرہ اسی محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تھا جسے مکہ والے ابتداء

صادق وامین کے نام سے یاد کرتے تھے۔ آج بات ہو رہی ہے کہ وہ اپنے بارے میں کہنے لگے ہیں: اللہ تعالیٰ نے مجھے بشیر و نذیر اور وحدہٗ لاشریک کی عبادت کا داعی بنا کر بھیجا ہے۔

اب یہ ذکر ایک مرتبہ یا ایک دن کی بات نہیں رہ گیا ہے بلکہ مکہ پر سورج اپنی نئی شعاؤں کے ساتھ طلوع ہوتا ہے یا مکہ سے اپنی روپہلی کرنوں کو سمیٹ لیتا ہے تو یہ تبدیلی صرف اور صرف سورج کے مزاج و انداز میں آسمان دنیا پر واقع ہوتی ہے۔ رہے مکہ میں کیے جانے والے تذکرے تو ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، وہاں تو داعی اسلام ہی کے تذکرے باندازِ سابق جاری وساری تھے۔ یہ آوازیں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کانوں سے زیادہ ہی ٹکراتی تھیں اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان آوازوں کو ان سنا بھی نہیں کرتے تھے بلکہ پوری توجہ سے ایسی خبروں کو سماعت کرتے، ان کے سامنے تذکرہ زیادہ ہونے کی بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لڑکپن کے زمانے میں ہی زینت مجالس بن چکے تھے، کم عمری کے باجود حسن ظاہری اور عقل کی پختگی نے انہیں مقبول انام بنا دیا تھا، ہر مجلس اور محفل اس بات کی خواہاں رہتی کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے حاضرین اس کی رونق بڑھائیں۔

ایک دن حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر ملتی ہے کہ محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے جاں نثار مومنین کے ساتھ کوہِ صفا کے نزدیک دار ارقم بن ابی ارقم میں منتقل ہو گئے ہیں تاکہ قریش کے ظلم و ستم اور ایذا رسانی سے کسی حد تک حفاظت ہو سکے کیوں کہ دار ارقم کفار کی آنکھوں سے ایک حد تک چھپا ہوا اور ان کی مجلسوں سے دور تھا، اس وقت مسلمانوں کی تعداد چالیس ہو چکی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دار ارقم میں اپنی قوم سے چھپ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت فرماتے، ایمان لائے نو آموزوں کو قرآن سکھاتے، آیات بینات پڑھ کر سناتے، ان کے نفوس کا تزکیہ فرماتے اور علم و حکمت سے اپنے صحابہ کی تربیت فرماتے۔ دار ارقم میں مسلمان جمع ہو کر اپنے اعمال اور عبادات بجالاتے اور جو کچھ احکام نازل ہوئے رہتے ان کو اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سیکھ بھی لیتے اور ظلم و ستم

کے خوگروں سے محفوظ بھی رہتے۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی اپنے قبیلے کے افراد کے درمیان گزر رہی تھی، ان کا قبیلہ بھی کوئی دودھ کا دھلا تو نہ تھا، عرب کی اندھی جہالت نے انہیں بھی بتوں کی پوجا، شراب خوری، جوابازی اور رقص وسرور کی محفلوں کا دیوانہ بنا دیا تھا، اس کے ساتھ ساتھ اخلاق کی بانجھنگی، کردار کی پس ماندگی، نفوس کی بدتری وسماجی معاشی زبوں حالی میں بھی وہ کسی سے کم نہ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے جس طرح حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ظاہری صفائی اور حسن صورت بخشا تھا اسی طرح ان کی طبیعت میں بھی پاکیزگی ونفاست کا مادہ ودیعت فرما دیا تھا، اسی خدا داد طاقت و لطافت کے ذریعے وہ جلد ہی ان باطل رسومات، فرسودہ خیالات اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین حق کے درمیان تمیز کر پانے پر قادر ہوئے، انہوں نے سمجھ لیا کہ معاشرے میں موجودہ الحادی افکار عقل وفطرت کے قطعاً مخالف ہیں جبکہ اسلامی تعلیمات عقلِ سلیم اور فطرتِ انسانیہ کے عین موافق ومطابق ہیں۔

قدرتِ باری نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رہنمائی فرمائی، حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی داعی کی دعوت کے بغیر ہی دارِ ارقم میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملنے جا پہنچے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے معمول کے مطابق اصحاب کی تعلیم وتربیت میں مشغول تھے، آفتاب رسالت سے نکلنے والی کرنیں اہل محفل کے جسم وجان، قلب ونظر کو یکساں منور کر رہی تھیں، مہبط وحی کے قلب نوری سے نکل کر لب وزبان کے راستے بہنے والا آیات قرآن وحکمت وبیان کا آبشار سامنے بیٹھنے والے غلاموں کو تمام آلودگیوں سے مصفیٰ ومزکیٰ کر رہا تھا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ دیکھا اور سنا تو آنکھیں خیرہ ہوگئیں، دل میں جذبات کا تلاطم موجیں مارنے لگا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک بڑے پیار سے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے پر پھیرا، ہاتھ کا سینے سے مس ہونا تھا، تردد ویقین کے درمیان کانپتا ہوا دل

ہمیشہ کے لیے سکون پا گیا اور دوسرے ہی لمحے میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہر ایمان کے بلند پایہ مکین بن چکے تھے، کلمہ پڑھ کر اسلام کے کبھی نہ ختم ہونے والے سایۂ رحمت میں آ چکے تھے۔ اس کم سنی میں بھی وہ ایمان ویقین وعزم مصمم کی ایسی دولت لازوال کے مالک بن گئے تھے جو زمانے کا رخ بدلنے کے لیے کافی تھی۔

(رجال حول الرسول، ص: ۲۴، سیرۃ الصحابی الجلیل مصعب بن عمیر، ص: ۲۳)

علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ جب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت ودعوت کی خبر پہنچی تو آپ دار ارقم میں داخل ہوئے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق کر کے ایمان لے آئے۔ (طبقات ابن سعد، ج: ۳، ص: ۱۰۸)

پوشیدہ ملاقات: جس وقت حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان لائے، یہ وقت کفار ومشرکین کی جانب سے بڑا ہی ظلم وزیادتی سے بھرا ہوا تھا، لہٰذا مصلحتاً صحابہ کو اپنے ایمان کو مخفی رکھنے کی اجازت تھی۔ ایمان کا ظاہر ہو جانا گویا ظلم کی چکی میں پس جانا تھا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی دیگر صحابہ کی طرح اپنے ایمان کو چھپائے رکھا کیوں کہ انہیں معلوم تھا کہ اب وہ ایسے دین کو قبول کر چکے ہیں جو ان کی قوم اور آباواجداد کے دین کے مخالف ہے، اگر ان کا راز کھلتا ہے تو انہیں بھی ان ساری دشوار گزار راہوں سے گزرنا پڑے گا جس سے دیگر صحابۂ کرام گزر رہے ہیں اور وہ سب کچھ سہنا پڑے گا جو سابقین صحابہ برداشت کر رہے ہیں، لہٰذا کفار ومشرکین کی نظروں سے بچتے بچاتے، چھپتے چھپاتے، محبوب پروردگار پر نذرانۂ دل لٹانے دار ارقم میں دن میں داخل ہوتے، صحابۂ کرام کے ساتھ مل کر وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرتے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے علم حاصل کرتے، نبوت کے چشمۂ صافی سے فیضیاب ہوتے۔ اس ابتدائی دور اور پوشیدہ ملاقاتوں میں بھی حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فیضان نبوی سے خوب مالا مال ہوئے، یہاں تک کہ وہ اپنے بہت سے ساتھیوں پر میدان علم میں سبقت لے گئے، اسی وجہ سے ضرورت پڑنے پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں مدینۃ المنورہ میں صحابۂ کرام کی تعلیم

https://alislami.net

وتربیت پر مقرر فرما دیا، جس کا ذکر ان شاء اللہ آئندہ سطور میں آئے گا۔

(سیرۃ الصحابی الجلیل مصعب بن عمیر، ص: ۲۴)

ماں کا خوف: حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ خناس بنت مالک غیر معمولی طاقتور شخصیت کی مالک تھی، اس سے خوف ناک حد تک حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں ڈر بیٹھا ہوا تھا، ایک طرف پورے مکہ والوں کی مخالفت کا معاملہ ہوتا اور دوسری طرف ان کی ماں کی مخالفت کا، تو پورے مکہ کی مخالفت حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے اس سے آسان تھی کہ وہ اپنی ماں سے مخالفت مول لیں۔ یہی وہ اسباب تھے کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ایمان کو چھپائے رکھنے کا فیصلہ کیا تھا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوشیدہ ملاقات کے سلسلے کو غنیمت جانا تھا۔ (رجال حول الرسول، ص: ۲۴)

راز راز نہ رہا: وہ ایک حکیمانہ تدبیر تھی جو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اختیار کی تھی کہ اسلام پر عمل بھی ہوتا رہے اور کفار مکہ کے مظالم سے امان بھی حاصل رہے لیکن مکہ میں یہ کب تک چل سکتا تھا کیوں کہ مکہ کا مزاج یہ بن چکا تھا کہ اس میں کوئی راز راز نہ رہے۔ ہر پوشیدہ معاملہ کو منصۂ شہود پر لایا جائے، خاص کر پیغمبر اسلام اور ان کے متبعین کے پیچھے تو اہل مکہ اپنا منصبی بلکہ مذہبی فریضہ سمجھ کر لگے ہوئے تھے، دار ارقم تک پہنچنے والی ہر راہ پر نگاہوں کے پہرے تھے اور اس راہ کے پہرے داروں میں ہر دن اضافہ ہو رہا تھا، پہرا دینے کی کیفیت میں ہر گزرنے والی آن کے ساتھ شدت آتی جا رہی تھی۔ اب تو معاملہ یہاں تک پہنچ گیا تھا کہ راہوں پر منقوش ہونے والے نشان قدم سے راہی کی منزل کو متعین کیا جانے لگا تھا۔

جب معاملہ کی سنگینی اس حد تک بڑھ جائے تو پھر زمانے کی نگاہوں سے چھپ پانا تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بھی یہی ہوا، ایک دن چھپتے چھپاتے دیدار حبیب کے لیے دار ارقم میں داخل ہو رہے تھے کہ عثمان بن طلحہ

کی پردہ سوز منتظر نگاہوں نے حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ لیا، اطمنان کامل ہونے کے لیے تھوڑا اور انتظار کیا، دوسری بار عثمان نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز جیسی نماز پڑھتے دیکھ لیا، اب کسی شک کی گنجائش نہ بچی تھی بلکہ یہ بات یقینی ہوگئی تھی کہ مصعب بن عمیر نے اسلام قبول کرلیا ہے۔

(رجال حول الرسول،ص:۲۵)

ماں کی حالت: عثمان نے وقت برباد کیے بغیر ہوا کی تیزی کی طرح حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر پہنچ کر اہل خانہ، خاص کر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کو اس خبر سے مطلع کیا، ماں نے جب یہ خبر سنی بال کھولے ہوئے گھر سے باہر آ گئی اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے قسم کھائی کہ میں اس وقت تک نہ دوپٹہ اوڑھونگی، نہ سائے میں بیٹھوں گی، نہ تیل لگاؤں گی، نہ کھانا کھاؤں گی، نہ پانی پیوں گی جب تک کہ تو اس نئے دین کو ترک نہ کردے۔

حضرت مصعب کی آزمائش: یہ سن کر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی، ابوعزیز بن عمیر نے کہا: اے میری ماں! مصعب کو میرے حوالے کردو، ابھی یہ نرم و نازک نوجوان ہے، جب میں اسے بھوک کا مزہ چکھاؤں گا تو دماغ ٹھکانے آجائے گا اور نئے دین کو چھوڑ کر اپنے قدیم دین میں واپس آجائے گا۔ ابوعزیز بن عمیر نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے قبضے میں لے کر گھر میں بند کردیا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دنیوی تمام تر سہولیات چھین لی گئیں تھیں، شہزادۂ نعمت سے خوان نعمت سمیٹ لیا گیا تھا، پرتکلف زندگی سراپا عذاب بن گئی تھی، اب نہ وہ مخملی پوشاکیں تھیں، نہ بھڑکتی خوشبو، نہ زلف عنبری کی مہک تھی، نہ سرگیں آنکھوں کی چمک، نہ وہ ناز و انداز تھے، نہ ٹھاٹ باٹ، اب مسلسل عذاب تھے، مصیبتیں تھیں، گھر والوں کی ملامتیں تھیں اور قوم کے طعنے، یہ سب کچھ اسلام قبول کرنے کی سزا تھی۔ وہی ماں جسے اپنے بیٹے کے پیار کے سوا کوئی کام نہ تھا، سوتے، جاگتے، اٹھتے، بیٹھتے بیٹے کے خاطر داری ہی اس کا

https://alislami.net

بہترین مشغلہ تھا، جس کا سینہ بیٹے کی محبت کا خزینہ تھا، اب بالکل بدل گئی تھی۔ وہ نرم و نازک ماں اپنے بیٹے کے جسم نازنین کے لیے عذاب کی کدال بن گئی تھی۔ وہ بیٹے کو طرح طرح کے عذاب دینے میں ذرہ برابر تردد نہیں کرتی، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو محروم نعمت کرنے میں تھوڑا سا توقف نہیں کرتی، وہ خود تو جو کر سکتی تھی کرتی تھی، ساتھ ہی قوم کے بہیمانہ سلوک پر بھی مکمل مددگار تھی۔ وہ صرف اسی پر بس نہیں کرتی تھی بلکہ وہ اپنی قسم پوری کرنے کے لیے دھوپ میں کھڑی ہو جاتی اور طویل وقت تک کھڑی رہتی یہاں تک کہ بے ہوش ہو کر گر پڑتی، اس کے بیٹے موت سے بچانے کے لیے وقتی تدابیر کر کے اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرتے۔ اس طرح حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آزمائش وابتلاء کے سخت دور سے گزرتے رہے۔ جسمانی، روحانی، نفسانی اور دماغی سختیاں جھیلتے جھیلتے حالت دگر ہو گئی تھی، رنگ بدل گیا تھا، جسم کمزور ہو گیا، گوشت پوست کی ہیئت تبدیل ہو گئی تھی۔ (سیرۃ الصحابی الجلیل مصعب بن عمیر، ص:۲۵، الروض الانف، ج:۲، ص:۲۵۱)

حبشہ کی طرف ہجرت: جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام پر کیے جانے والے ظلم و ستم کے سلسلۂ لا متناہی کو ملاحظہ فرمایا اور پھر یہ کہ مکہ میں اب کوئی بھی اس ظلم کے خلاف زبان کھولنے کو تیار نہیں ہے۔ ابو طالب جیسی باوزن اور مسلمانوں کی حامی شخصیت دنیا سے جا چکی ہے تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی اور فرمایا: حبشہ کی سرزمین پر ایسے بادشاہ کی حکومت ہے کہ اس کے سامنے کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا لہٰذا تم لوگ حبشہ کی طرف ہجرت کر جاؤ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آسانی اور کشادگی کے دروازے کھول دے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب سے اجازت مل جانے کے بعد بعض صحابۂ کرام نے فتنے کے خوف سے بچنے کے لیے ہجرت کو اختیار فرمایا اور دوسرے بعض اپنے اسلام کو مخفی رکھتے ہوئے مکہ میں ٹھہرے رہے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اسی وقت مہاجرین کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی، اس سفر میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان

https://alislami.net

کے بھائی منصور بن عمیر بھی تھے۔

اس سفر کی تفصیل حضرت لیلیٰ بنت ابی حثمہ نے اس طور پر بیان کی ہے، فرماتی ہیں: جب ہجرت کرنے والے مسلمان پا بر کاب ہوئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: مصعب بن عمیر بھی تم لوگوں کے ساتھ ہجرت کا ارادہ رکھتے ہیں لیکن ان کی والدہ نے ان کو قید کر رکھا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان سن کر مسلمان ٹھہر گئے اور ان کے انتظار میں رات کو اپنے دروازوں کو کھولے رکھا، رات کے وقت جب مکہ میں سناٹا پسر گیا اور ان کی ماں ان سے غافل ہوگئی تو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے پاس آ گئے، پورا دن یہیں گزارا اور رات کو چپکے سے نکل کر اس جگہ پہنچ گئے جہاں سارے مہاجرین کا جمع ہونا طے پایا تھا، پھر سب لوگوں نے وہاں سے پیدل سفر کیا۔ لیلیٰ فرماتی ہیں: میں اپنے اونٹ پر سوار تھی، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نازک اندام، نرم خرام انسان تھے، ان کے پاؤں دوسرے صحابہ کی طرح مضبوط نہ تھے۔ میں نے دیکھا کہ ننگے پیر پیدل چلنے کی وجہ سے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نازک قدموں سے خون بہ رہا تھا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حالت جب صحابی رسول عامر بن ربیعہ نے دیکھی تو اپنے جوتے اتار کر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنا دیے۔ میں نے حضرت عامر کو دیکھا کہ وہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بے پناہ شفقتیں فرماتے تھے جیسے ایک والد اپنے بیٹے پر شفقت کرتا ہے (خیال رہے کہ حضرت عامر بن ربیعہ لیلیٰ بنت ابی حثمہ کے شوہر ہیں) پھر ہم کشتی کے ذریعے مقام مور پر پہنچے اور وہاں سے حبشہ پہنچ گئے۔ اس سفر میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس نہ کوئی درہم تھا اور نہ دینار، جب کہ ہمارے پاس پندرہ دینار موجود تھے۔ (الآحاد والمثانی لابن ابی عاصم، ج:٦، ص:٢٣٧، سیرۃ الصحابی الجلیل، ص:٢٩)

حضرت مصعب کی حبشہ سے واپسی: حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ پہنچ گئے، جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا وہاں

ٹھہرے رہے پھر کچھ مسلمان حبشہ سے پلٹ کر مکہ مکرمہ حاضر ہوئے تو یہ بھی پلٹنے والوں کے ساتھ واپس آ گئے، جیسا کہ حضرت عامر بن ربیعہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں: حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس دن سے ایمان لائے اس دن سے لے کر ان کی شہادت کے دن تک میری دوستی اور صحبت ان کے ساتھ قائم رہی، انہوں نے ہمارے ساتھ حبشہ کی طرف دو ہجرتیں کیں، میں نے ان سے زیادہ اچھے اخلاق کا انسان نہیں دیکھا اور نہ ہی ان سے کم اختلاف کرنے والا انسان دیکھا۔ (طبقات ابن سعد، ج: ۳، ص: ۱۰۹)

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حبشہ سے مکۂ مکرمہ واپس آ گئے تو حالت اس قدر بدل گئی تھی کہ دیکھنے والوں کو ان کی حالت پر ترس آنے لگا تھا، پتھر دل ماں نے بھی جب اپنے نور نظر کی یہ حالت دیکھی تو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ملامت کرنے سے باز آ گئی۔ (طبقات ابن سعد، ج: ۳، ص: ۱۰۸)

حضرت مصعب بن عمیر کی حالت: ہجرت کے پہلے مکی زندگی ہو یا ہجرت کے بعد حبشہ کی زندگی ہو یا پھر واپسی کے بعد مکی زندگی ہو، ہر دور میں ہجوم افکار اور مصائب کی یلغار نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چکنا چور کر کے رکھ دیا تھا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حالت کس قدر بدل گئی تھی اور وہ کیا سے کیا ہو گئے تھے؟ اس کا اندازہ آنے والی حدیث سے کریں:

امام ترمذی حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں؛ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم لوگ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد شریف میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر بارگاہ ہو گئے۔ ان کی حالت یہ تھی کہ ان کے جسم پر پیوند لگا ہوا کھال کا ایک کمبل تھا، جس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھا ان کے ماضی وحال کا موازنہ کرتے ہوئے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آنکھیں بھر آئیں، پھر سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: وہ زمانہ کیسا ہو گا؟ جب تم صبح وشام جوڑے تبدیل کرو گے، طرح طرح کے

کھانے تمہارے سامنے پیش کیے جائیں گے (جنہیں تم کھاؤ گے) اور تم اپنے گھروں میں اس طور پر پردہ لگاؤ گے جیسے کہ خانۂ کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا ہے۔ یہ سن کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ زمانہ ہمارے لیے بہتر ہوگا کیوں کہ ہم فکر معاش سے آزاد ہوکر عبادت میں لگے رہیں گے۔ اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: (بلکہ) تم آج اس زمانہ کے مقابلے میں زیادہ بہتر ہو۔

(سنن الترمذی، کتاب ابواب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع، حدیث نمبر: ۲۴۷۶)

دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے درمیان میں تشریف فرما تھے کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کے پاس حاضر ہوئے، حالت یہ تھی کہ ایک چادر کا ٹکڑا اوڑھے ہوئے جس میں تہ بتہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ صحابۂ کرام نے جب یہ حالت دیکھی تو دلوں میں ترحم کے جذبات پیدا ہوئے لیکن مالی حالت کچھ کرنے کے لائق نہ تھی تو احساس ندامت سے گردنیں جھکالیں، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آکر سلام کیا، رحمت عالمیاں نے جواب دیتے ہوئے دعاؤں سے نوازا اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف کی، پھر فرمایا: الحمد للہ! اب تو پوری دنیا کو بدل جانا چاہیے، میں نے اس نوجوان کو اس حال میں دیکھا ہے کہ پورے مکہ میں کوئی جوان اس سے زیادہ پروردۂ نعمت نہ تھا اور نہ کسی کے والدین اپنی اولاد کے اتنے نکھرے برداشت کرتے تھے جتنا ناز اس جوان کے والدین اٹھاتے تھے لیکن خیر کی طرف سبقت کرنے اور اللہ ورسول سے محبت کرنے میں آج اس کی یہ حالت ہوگئی ہے۔ (طبقات ابن سعد، ج: ۳، ص: ۱۰۹)

حضرت سعد ابن ابی وقاص سے روایت ہے، آپ فرماتے ہیں کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نعمت کے پروردہ، بہت ہی نازک اندام تھے، مکہ میں مسلمانوں نے سختیوں کا سامنا کیا تو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ معاملہ بڑا گراں اور دشوار گزار تھا، ان کی کھال پھٹ کر اس طرح متفرق ہوگئی تھی کہ جیسے سانپ کی کھال ٹکڑے ٹکڑے دکھائی دیتی ہے، ان کے لیے راستہ چلنا مشکل تھا، کبھی کبھی ہم ان کو اپنے کاندھوں

پر سوار کر کے چلتے تھے۔ (سیر سلف الصالحین، ص: ۳۰۶، اسد الغابہ ج: ۵، ص: ۱۷۶، سیرۃ الصحابی الجلیل مصعب بن عمیر، ص: ۲۷)

ان احادیث کریمہ سے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آزمائش، تکلیف، صبر اور ثابت قدمی کے ساتھ ساتھ صحابۂ کرام کی جاں نثاری مصیبت کے وقت مسلم بھائی کے لیے ایثار و قربانی کے جذبات کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔

حضور سے اہل مدینہ کی طلب: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت کریمہ یہ تھی کہ ہر سال ایام حج میں مختلف قبائل کے پاس جا کر ان کو اسلام کی دعوت دیا کرتے تھے۔ ۱۰/نبوی جب آپ اسی غرض سے اس عقبہ کے پاس پہنچے تو یہاں انصار کے قبیلۂ خزرج کے چند اشخاص موجود ملے جو مکۂ معظّمہ اس غرض سے آئے تھے کہ قریش سے امداد باہمی کا معاہدہ کر کے ان کے حلیف بن جائیں۔ انہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دی، ان لوگوں نے مدینہ کے یہود سے نبی آخر الزماں کی آمد آمد کی خبر سن رکھی تھی، اسلام کی دعوت سن کر انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور کہا کہ یہ وہی نبی ہیں، کہیں یہود ایمان لانے میں تم پر سبقت نہ کر جائیں اور کہا: ہم جس کے لیے آئے ہیں اس سے یہ بہتر ہے۔ ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ چھ حضرات تھے: ابوالہیثم بن تیہان، اسعد بن زرارہ، عوف بن حارث، رافع بن مالک بن حارث، جنگ احد میں شہید ہوئے۔ قطبہ بن عامر جنگ یمامہ میں شہید ہوئے، جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

اسلام قبول کرنے کے بعد یہ لوگ مدینۂ طیبہ واپس گئے اور آئندہ سال پھر آنے کا وعدہ کر گئے، مدینہ پہنچ کر اسلام کی تبلیغ کی۔ جس سے متعدد سعادت مندوں نے اسلام قبول کر لیا۔ حسب وعدہ دوسرے سال بارہ حضرات مدینہ سے آئے ان میں حضرت عبادہ بن صامت بھی تھے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیعت کی۔ یہ بیعت عقبۂ اولیٰ ہے۔

حضرت مصعب بن عمیر کی مدینہ روانگی: ان لوگوں نے درخواست کی کہ مدینہ کے نومسلموں کو دین سکھانے اور تبلیغ کے لیے کوئی صاحب ہمارے ساتھ کر دیے

جائیں۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیدنا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ کردیا۔(نزہۃ القاری، ج:۱،ص:۲۶۸)

قارئین! غور فرمائیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے موجودہ وقت کی سب سے بڑی مہم پر بھیجنے کے لیے جس ذات کا انتخاب کیا وہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔انہیں اسلام کا سفیر بنا کر مدینۃ المنورہ بھیجا جارہا ہے، وہاں جا کر ایمان لا چکے افراد کو دین سکھانا ہے، انہیں علم وحکمت کے پرامن حصار میں آباد کرنا ہے اور مدینہ منورہ کے غیر مسلموں کو دائرۂ ایمان میں لانے کی کوشش کرنا ہے اور یہ کہ مدینہ منورہ کو دارہجرت کے طور پر تیار کرنا ہے۔ یادرہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ میں ایسے افراد موجود ہیں جو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ تجربہ کار، عمر میں بڑے، جاہ وعزت میں مقدم اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسباً بھی زیادہ قریب ہیں، اس سب کے باوجود رحمت عالمیاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کارعظیم کے لیے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کا انتخاب فرمایا۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ بھی جانتے تھے کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وقت کے خطرناک ترین مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا، پیچیدہ سے پیچیدہ قضایا کو حل بھی کرنا پڑے گا، یہ شہر پاک جو عنقریب دارالہجرت بن کر مرجع خلائق بنے گا۔ دینی دعوت اور مبلغین کی جولان گاہ اور غازیان ملت وفاتحین اسلام کی قیام گاہ بنے گا۔ان اعلیٰ اغراض کے پیش نظر اس کی تہذیب وتمدن کو معیاری بنانا بھی حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقاصد میں شامل ہے۔اس سب کے باوجود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس عظیم مہم کے لیے منتخب فرمانا، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کردار کی برتری، عقل کی پختگی، دعوت وتبلیغ کی سنجیدگی اور عزائم کی بلندی کی اعلیٰ دلیل ہے۔(رجال حول الرسول،ص:۲۷)

مدینۂ منورہ میں سب سے پہلے کون؟: عیون الاثر کے مصنف ابن سید الناس تحریر فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینۂ منورہ کے مسلمانوں کی تعلیم کے

لیے اور جو اسلام نہیں لائے انہیں دعوت دین پہنچانے کے لیے دو مبلغین کو روانہ فرمایا، ان میں ایک ابن ام مکتوم ہیں اور دوسرے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

(عیون الاثر، ج:۱،ص:۲۶۵)

بخاری شریف کی ایک حدیث سے بھی ان دونوں صحابہ کی اولیت کا پتا چلتا ہے۔ حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس سب سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن ام مکتوم تشریف لائے، پھر عمار بن یاسر اور حضرت بلال تشریف لائے۔ (صحیح البخاری، کتاب المناقب باب مقدم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المدینۃ)

لیکن علامہ عینی نے ابن ابی شیبہ کی روایت بیان فرما کر تحقیق فرمائی کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے پہلے مدینۃ المنورہ پہنچے، ان کے بعد حضرت ابن ام مکتوم مدینۃ المنورہ تشریف لائے۔ (عمدۃ القاری، باب مقدم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المدینۃ)

اسد الغابہ میں درج روایت سے بھی پتہ چلتا ہے کہ پہلے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ تشریف لائے، اس کے بعد حضرت عمرو بن ام مکتوم تشریف لائے۔

(اسد الغابہ، ج:۵،ص:۱۷۶)

اس تحقیق سے یہ ثابت ہو گیا کہ مدینۂ منورہ میں سب سے پہلے قیام پذیر ہونے والے مہاجر صحابی کا نام مصعب بن عمیر ہے اور یہ کہ حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ پہنچنے میں مطلقا اولیت حاصل ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مدینہ منورہ میں جو اسلام کی بہاریں آئیں، وہاں اسلام پھلا پھولا ان سب کا سہرا سجانے کے لیے جبین مصعب سب سے زیادہ سزاوار اور لائق تر ہے۔

حضرت مصعب کی قیام گاہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فلاح ونجاح اور اسلامی ترقی کی دعائیں دے کر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکۃ المکرمہ سے مدینۃ المنورہ روانہ فرمایا، حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی محسن انسانیت ومعلم کائنات کا حکم پا کر بغیر کسی تردد کے غلامانہ شان کے ساتھ روانہ ہوئے۔ مکۂ مکرمہ اور مدینۂ منورہ کے

https://alislami.net

درمیان کی راہ طے کر کے مدینہ شریف پہنچے، یہاں پہنچ کر سب سے پہلے آپ حضرت اسعد بن زرارہ کے مہمان بنے اور یہیں رہ کر آپ نے وہ ذمہ داریاں نبھائیں، جس کے لیے سرورکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو مکہ سے روانہ فرمایا تھا، یہاں رہ کر آپ لوگوں کو اسلام کی تعلیم دیتے، قرآن پاک سکھاتے اور انہیں دینی مسائل سمجھاتے، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس خدمت پر پورے تن من کے ساتھ لگ گئے تھے، انہیں اس کے سوا کوئی کام نہ تھا اس لیے مدینہ شریف میں وہ مقری (معلم) کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔ (اسد الغابہ، ج:۵، ص:۱۷۶، سیرۃ الصحابی الجلیل مصعب بن عمیر، ص:۳۱)

اہل مدینہ کے امام: مدینہ منورہ پہنچ کر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک بڑی ذمہ داری یہ بھی تھی کہ وہ انصار مدینہ کو باجماعت نماز ادا کراتے تھے اور ان کی امامت کے فرائض انجام دیتے تھے کیوں کہ انصار کا تعلق اوس وخزرج عرب کے دو مشہور قبائل سے ہے اور یہ دونوں قبیلے ایک زمانے تک آپس میں دست بگریباں رہے، اس لیے ان دونوں قبیلوں کے افراد ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے کو ناپسند کرتے تھے۔ چناں چہ امامت کے لیے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ مناسب کوئی اور انسان نہ تھا لہٰذا آپ مدینہ منورہ میں اپنی تبلیغی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ امامت کے فرائض بھی انجام دیتے۔

مدینۂ منورہ کا پہلا جمعہ: اس دوران حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک مکتوب بھیجا، جس میں آپ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ شریف کے مسلمانوں کو جمعہ قائم کرنے کی اجازت دیں، یہ درخواست حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبول فرمائی۔ حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ دوپہر کے وقت جمعہ قائم کریں، دو رکعت نماز پڑھیں اور اس میں قوم کو خطبہ بھی دیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اجازت مل جانے کے بعد حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ

عنہ نے اہل مدینہ کو دار سعد بن خیثمہ میں جمعہ کی پہلی نماز ادا کرائی اور اس دن خوشی کے طور پر مسلمانوں نے ایک بکری ذبح کی تھی کیوں کہ یہ اسلام کا پہلا جمعہ تھا۔ (اسد الغابہ، ج:۵ ص:۱۷۶، طبقات ابن سعد، ج:۳ ص:۱۱۰، سیرۃ الصحابی الجلیل مصعب بن عمیر ص:۳۱)

بعض روایات میں اسعد بن زرارہ کا نام: ابھی آپ پڑھ آئے کہ مدینۂ طیبہ میں سب سے پہلا جمعہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھایا لیکن بعض روایات میں ابو امامہ حضرت اسعد بن زرارہ کا نام درج ہے کہ پہلا جمعہ انہوں نے ادا کرایا۔ لہٰذا ذہن میں خلجان پیدا ہونا ایک فطری امر ہے، ہم اس خلجان کو ان شاء اللہ دور کریں گے لیکن پہلے آپ یہ روایت بھی پڑھ لیں جس میں حضرت ابو امامہ اسعد بن زرارہ کا نام ہے کہ انہوں نے پہلا جمعہ پڑھایا۔

علامہ پیر کرم شاہ ازہری لکھتے ہیں:

اس پر سب متفق ہیں کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسعد بن زرارہ کے پاس رہائش اختیار کی، یثرب میں حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقری کہا جاتا تھا۔ یہی سب کے امام تھے، سارے لوگ ان کی اقتداء میں نماز باجماعت ادا کرتے تھے کیوں کہ اوس وخزرج میں باہمی عداوت تھی، وہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز ادا کرنے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کسی کو اعتراض نہ تھا۔ سب نے بالاتفاق ان کو اپنی نماز کا امام مقرر کیا۔

دارقطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف لکھا کہ وہ مدینہ میں نماز جمعہ قائم کریں۔ عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کتب الیٰ مصعب بن عمیر یامرہ باقامۃ الجمعۃ۔ (سیرۃ ابن کثیر ج۲ ص:۱۸۰)

بڑھاپے میں کعب بن مالک کی بینائی جاتی رہی تھی ان کے فرزند عبدالرحمٰن ان کا ہاتھ پکڑ کر مسجد میں لے جایا کرتے تھے، کعب بن مالک جب بھی جمعہ کی اذان سنتے تو ابی

امامہ اسعد بن زرارہ کے لیے دعا فرماتے۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے ایک روز ہمت کر کے اپنے والد سے اس دعا کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا: ابوامامہ وہ شخص ہے جس نے مدینۂ طیبہ کے حرۂ بنی بیاضہ میں ہزم النبیت کے مقام پر نماز جمعہ کی ابتدا کی۔ میں نے پوچھا: اس وقت آپ لوگوں کی تعداد کتنی تھی؟ انہوں نے فرمایا: ہم چالیس آدمی تھے۔ (سیرۃ الرسول، ج:۲،ص:۵۸۷، سیرت ابن کثیر، ج:۲،ص:۱۸۱)

خلجان کا حل: بعض روایات میں جو حضرت ابوامامہ اسعد بن زرارہ کا نام ہے کہ انہوں نے جمعہ قائم کیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت اسعد نے جمعہ قائم کرنے کا حکم دیا تھا اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جمعہ ادا کرائی تھی۔ یعنی حضرت اسعد بن زرارہ حکم دینے والے تھے اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام جمعہ تھے۔

قال الحافظ ویجمع بین روایۃ الطبرانی ھٰذہ وروایۃ اسعد بن زرارۃ التی عند المؤلف بأن اسعد کان اٰمرا وکان مصعب اماما. (عون المعبود، شرح ابی داؤد، باب الجمعۃ فی القری، ج:۳،ص:۲۸۳)

یہی بات علامہ سمہودی کے بیان سے بھی ظاہر ہے، فرماتے ہیں: حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام کا پہلا جمعہ حضرت اسعد بن زرارہ کی مدد سے پڑھایا۔ (وفاء الوفاء، ج:۱،ص:۵۸۲)

امام بیہقی نے فرمایا: حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدد سے جمعہ پڑھایا تھا اس لیے راوی نے جمعہ پڑھانے کی نسبت حضرت اسعد بن زرارہ کی طرف کر دی۔ (دلائل النبوہ، ج:۲،ص:۴۴۱)

دعوت کی کامیابی کا راز: حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اسعد بن زرارہ کے یہاں قیام پزیر ہو کر سستی یا کاہلی کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ جسم و جان کی تمام تر قوتیں تبلیغ اسلام پر صرف فرمائیں۔ اہل مدینہ کو اسلام کے بنیادی عقائد سے روشناس کرایا، مسلسل کوششیں اور پر خلوص عزائم جلد ہی ثمر بار ہوئے، چناں چہ قلیل سے وقت میں حضرت

https://alislami.net

مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعوت کے حیرت انگیز نتائج برآمد ہوئے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی مدد اور اسی کی توفیق سے ممکن ہوسکا تھا۔ اگر کامیابی کے ظاہری اسباب پر غور کیا جائے تو یہ تیز تر کامیابی آنے والے اسباب کی وجہ سے حاصل ہوسکی تھی۔ سب سے بنیادی سبب تو یہ تھا کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے میں مصطفیٰ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سکھایا ہوا وافر علم موجود تھا۔ دوسرے یہ کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دلائل قوت سے بھرپور تھے اور استدلال کا طریقہ مضبوط ہونے کے ساتھ ساتھ بہت ہی دل نشیں تھا۔ تیسرے یہ کہ اپنی دعوت میں سکینہ و وقار کو لازم پکڑے ہوئے تھے، جلد بازی اور غضب مزاجی کو انہوں نے قریب بھی نہیں آنے دیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ لوگوں کے مقام و مزاج کو اپنی دعوت میں فراموش نہیں کرتے تھے، مزید یہ کہ قرآنی آیات کی تلاوت اور ان کے ذریعے استدلال کرنے کی وجہ سے ان کے کلام میں غیر معمولی اثر پیدا ہوگیا تھا، ان کا کلام لوگوں کے دلوں میں جلد ہی سرایت کرجاتا تھا۔ (سیرۃ الصحابی الجلیل مصعب بن عمیر، ص: ۳۴)

مدینہ میں تبلیغی سرگرمیاں: اب ہم پیر کرم شاہ ازہری کا ایک اقتباس پیش کر رہے ہیں، جس سے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت کے کئی گوشے اجاگر ہوں گے۔ ساتھ ہی مدینۂ طیبہ میں اسلام کے فروغ کا پتہ چلے گا۔ آپ رقم طراز ہیں: علامہ ابن کثیر ابن اسحاق کے حوالے سے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تبلیغی سرگرمیوں کے بارے میں ایک واقعہ درج کرتے ہیں، جو درج ذیل ہے:

ایک روز اسعد بن زرارہ حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہمراہ لے کر عبدالاشہل اور بنی ظفر کے علاقے میں آئے، سعد بن معاذ اسعد کی خالہ کا لڑکا تھا اور اسعد اور حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنی ظفر کے ایک باغیچہ میں چلے گئے، وہاں ایک کنواں تھا جس کا نام بیر مرق تھا، اس کے پاس جا کر بیٹھ گئے، اردگرد کے علاقے میں جو مسلمان آباد تھے انہیں ان کی آمد کا پتہ چلا وہ بھی وہاں پہنچ گئے، ان دنوں سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر بنی عبدالاشہل اپنی اپنی قوم کے سردار تھے اور دونوں ابھی تک مشرک و بت پرست تھے۔

https://alislami.net

جب انہیں معلوم ہوا کہ اسعد اور مصعب دونوں بنی ظفر کے باغیچہ میں آئے ہوئے ہیں تو سعد نے اسید سے کہا: تیرا باپ مرے، تم ان دونوں کے پاس جاؤ جو ہمارے علاقے میں آئے ہوئے ہیں تا کہ ہمارے ضعیف العقیدہ لوگوں کو وہ بیوقوف بنائیں، تم جاؤ ان کی سرزنش کرو اور انہیں کہو کہ وہ آئندہ اس علاقے میں آنے سے پرہیز کریں۔ اگر مجھے اپنے خالہ زاد بھائی اسعد کا خیال نہ ہوتا تو میں خود چلا جاتا اور تمہیں یہ زحمت نہ دیتا۔

اسید بن حضیر دامن اسلام میں: سعد کے کہنے پر اسید اٹھا اور اپنا نیزہ سنبھالا اور بنی ظفر کے باغیچہ کی طرف چل پڑا، جہاں اسلام کے دونوں مبلغ بیٹھے ہوئے تھے۔ جب اسعد نے اسید کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہا: وہ سامنے اپنی قوم کا سردار تمہارے پاس آ رہا ہے۔ اسے یوں تبلیغ کرو کہ وہ اللہ کے دین کی تصدیق کرنے لگے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا؛ اگر وہ ہمارے پاس آ کر بیٹھ گیا تو میں ضرور اس سے گفتگو کروں گا، اتنے میں اسید وہاں پہنچ گیا اور منہ بسور کر کھڑا ہو گیا۔ پھر کہنے لگا کہ تم ہمارے ضعیف الاعتقاد لوگوں کو بیوقوف بنانے کے لیے یہاں کیوں آئے ہو؟ اگر تمہیں اپنی زندگی عزیز ہے تو فوراً میری آنکھوں سے دور ہو جاؤ۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ذرا بیٹھیے! ہماری بات تو سنیے، اگر پسند آ گئی تو قبول کر لینا اور اگر ہماری بات پسند نہ آئی تو ہم خاموش ہو جائیں گے اور آپ کو ایسی بات نہیں سنائیں گے جس کا سننا آپ پسند نہیں کرتے۔ اسید نے کہا کہ تم نے انصاف کی بات کی ہے پھر اس نے اپنا نیزہ زمین میں گاڑ دیا اور ان دونوں کی باتیں سننے کے لیے ان کے قریب بیٹھ گیا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گفتگو شروع کی اور اسلام کے بنیادی عقائد کے بارے میں بتایا اور پھر قرآن کی چند آیات تلاوت کیں، اس سے پیشتر کہ اسید اپنی زبان سے کچھ کہے، ہم نے اس کے چہرے پر ایمان کا نور دیکھ لیا، آخر وہ بولا: کتنی اچھی باتیں آپ نے سنائی ہیں، اچھا یہ بتاؤ کہ جب تم میں سے کوئی شخص اس دین میں داخل ہونا چاہتا ہے تو اسے کیا کرنا پڑتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ایسے شخص

https://alislami.net

کو چاہیے پہلے غسل کرے اور اپنے آپ کو پاک کرے پھر پاک لباس زیب تن کرے پھر کلمۂ شہادت پڑھے اور آخر میں کہا: دو رکعت نفل نماز ادا کرے۔ یہ باتیں سن کر اسید اٹھا، پہلے جا کر غسل کیا پھر پاک کپڑے پہنے، کلمۂ شہادت پڑھا پھر دو رکعت نماز ادا کی۔ اس نے ان دونوں سے کہا کہ میرے پیچھے ایک شخص ہے اگر وہ تمہاری تابعداری اختیار کر لے تو اس کی قوم کا ہر فرد آپ کے دین کو قبول کر لے گا۔ میں اس کو ابھی تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ اس نے اپنا نیزہ پکڑا اور جہاں سعد بن معاذ کو وہ چھوڑ کر گیا تھا ادھر جانے کا ارادہ کیا۔ سعد بھی مع اپنی قوم کے اس کے لیے چشم براہ تھا جب اس نے دور سے اسید کو اپنی طرف آتا ہوا دیکھا تو کہنے لگا: ''احلف باللّٰه لقد جاء کم اسید بغیر الوجه الذی ذهب به من عند کم'' یعنی میں اللہ کی قسم! کھا کر کہتا ہوں کہ اسید کا چہرہ بدلا ہوا ہے، جو چہرہ وہ لے کر گیا تھا اب وہ اس چہرہ کے ساتھ واپس نہیں آ رہا ہے۔ (سبل الہدی، ج: ۳، ص: ۲۷۳)

جب اسید وہاں پہنچا تو سعد نے پوچھا: سناؤ کیا کر آئے ہو؟ اسید نے کہا کہ میں نے ان دونوں صاحبوں سے گفتگو کی ہے، مجھے تو ان کی گفتگو میں کوئی خرابی نظر نہیں آئی۔ جب میں نے ان کو مزید تبلیغ کرنے سے منع کیا تو انہوں نے کہا: ''نفعل ما احببت'' ہم وہ کام کریں گے جو تمہیں پسند ہو۔ مجھے کسی نے بتایا ہے کہ بنو حارثہ اسعد بن زرارہ کو قتل کرنے کا ارادہ کر رہے تھے، اپنے گھروں سے وہ باہر نکل آئے تھے کیوں کہ انہیں پتہ چل گیا ہے کہ وہ تیری خالہ کا بیٹا ہے، اس طرح اسعد کو قتل کر کے درحقیقت وہ تجھے ذلیل ورسوا کرنا چاہتے ہیں۔

سعد بن معاذ دامن اسلام میں: یہ سنتے ہی سعد غضب ناک ہو کر اٹھ کھڑا ہوا، مبادا بنو حارثہ اسعد کو قتل کر دیں اس نے اپنا نیزہ پکڑا اور جانے سے پہلے کہنے لگا کہ اے اسید! تو نے وقت ضائع کیا ہے اور کوئی مفید کام نہیں کیا۔ سعد تیزی سے ادھر چل پڑا جہاں حضرت مصعب اور اسعد بن زرارہ بیٹھے تھے، وہاں پہنچا تو دیکھا کہ وہ دونوں بڑے اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ بھانپ گیا کہ اسید نے اسے محض اس لیے ادھر بھیجا ہے کہ

وہ ان کی گفتگو سن سکے۔ سعد وہاں پہنچا تو اس نے اسعد کو بڑے غصہ سے مخاطب کرتے ہوئے کہا: بخدا! اے ابوامامہ! اگر تیرے اور میرے درمیان یہ رشتہ داری نہ ہوتی تو تو کبھی یہ جسارت نہیں کر سکتا کہ تم ہمارے علاقے میں ایسا کام کرنے کے لیے آتے جو ہمیں از حد ناپسند ہے۔ اسعد نے حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہا کہ بخدا! ہمارے پاس اپنی ساری قوم کا سردار آ گیا ہے۔ اگر اس نے تیری تابعداری قبول کر لی تو پھر اس کی قوم کا ایک فرد بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سعد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''اوتقعدوتسمع وان رضیت امرا رغبت فیه قبلته وان کرهته عزلنا عنك ماتکره'' کیا آپ بیٹھ نہیں جاتے؟ کیا آپ میری بات سن نہیں لیتے؟ اگر آپ کو میری بات پسند آ جائے تو اسے قبول کر لیجیے گا اگر آپ کو پسند نہ آئے تو ہم ایسے کام سے دست بردار ہو جائیں گے جو آپ کو ناپسند ہے۔ یہ سیدھی سی بات سن کر سعد نے کہا: ''انصفت'' تو نے بڑے انصاف کی بات کی ہے، پھر اس نے اپنا نیزہ زمین پر گاڑ دیا اور ان کے پاس بیٹھ گیا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے سامنے اسلام پیش کیا اور قرآن کریم کی چند آیتیں تلاوت کیں۔ موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ انہوں نے سورۃ الزخرف کی ابتدائی چند آیتیں اسے پڑھ کر سنائیں۔ یہ آیتیں سنتے ہی اس کی کایا پلٹ گئی اور اس کے چہرے پر اسلام کی چمک دکھائی دینے لگی، اس سے پیشتر کہ وہ خود بات کرتا، ہم کو خود ہی اس بات کا اندازہ ہو گیا۔ پھر اس نے پوچھا کہ جب تم لوگ اسلام قبول کرنے لگتے ہو اور اس دین میں داخل ہوتے ہو تو کیا کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: پہلے غسل کرنا ہوگا تاکہ تمہارا جسم پاک ہو جائے پھر تمہیں پاک لباس زیب تن کرنا ہوگا پھر تمہیں کلمۂ شہادت پڑھنا ہوگا پھر تمہیں دو رکعت نفل ادا کرنے ہوں گے۔ یہ سن کر وہ اٹھا، اس نے غسل کیا، پاک لباس زیب تن کیا، کلمۂ شہادت پڑھا، دو رکعت نفل نماز ادا کی پھر اپنا نیزہ پکڑا اور اپنی قوم کی مجلس کی طرف چل پڑا۔ اسید بھی اس وقت اس کے ہمراہ تھا، جب اس کی قوم نے انہیں آتے دیکھا تو انہوں نے کہا کہ ہم اللہ کی قسم! کھا کر کہہ سکتے ہیں کہ سعد اس چہرے کو

لے کر واپس نہیں آ رہا ہے جس کو لے کر وہ یہاں سے گیا تھا، جب وہ ان کے پاس پہنچا تو کھڑے کھڑے اس نے اپنی قوم سے دریافت کیا:

یابنی عبدالاشھل کیف تعلمون امری فیکم

اے عبداشہل کے خاندان والو! میرے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟

قالو اسیدنا و افضلنا رأیا و ایمننا نقیبة

انہوں نے کہا: آپ ہمارے سردار ہیں، ہم سب سے آپ کی رائے افضل ہے اور تمہاری ذات بڑی بابرکت ہے۔

پورا قبیلہ دامن اسلام میں: سعد نے کہا کہ تمہارے مردوں اور تمہاری عورتوں کے ساتھ گفتگو کرنا مجھ پر حرام ہے، جب تک تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لے آؤ۔

شام تک بنی عبدالاشہل میں کوئی ایسا مرد اور عورت باقی نہ رہی تھی جس نے اسلام قبول نہ کر لیا ہو۔ حضرت سعد اور حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں یہاں سے اٹھ کر اسعد بن زرارہ کے مکان پر آ گئے اور لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دینے میں مشغول ہو گئے۔ ان کی کوششوں کے باعث سارے مدینہ میں انصار کا کوئی گھر ایسا نہ رہا جس میں کسی مرد یا کسی عورت نے کلمۂ شہادت نہ پڑھ لیا ہو۔ اس نعمت سے چند وہ خاندان محروم رہے جو ابوقیس بن الاسلت کے عقیدت مند تھے۔ یہ ان کا قومی شاعر اور قائد تھا، اس کی ہر بات وہ سنتے بھی تھے اور بجا بھی لاتے تھے۔ یہ لوگ اس کی وجہ سے کفر پر اڑے رہے، یہاں تک کہ خندق کا معرکہ پیش آیا، اس وقت ان کی آنکھوں سے تعصب کا حجاب دور ہوا اور اندھی تقلید کی پٹی کھلی اور انہیں اسلام قبول کرنا نصیب ہوا۔ (سیرۃ الرسول، ج:۲، ص:۵۹۱)

قیام گاہ منتقل: حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انصار کے قلوب کو حضرت اسعد بن زرارہ کے گھر قیام پذیر رہتے ہوئے ہی فتح کر لیا تھا لیکن جب بنی نجار نے اسعد بن زرارہ پر زیادہ سختی کی تو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی قیام گاہ تبدیل کر لی، پھر آپ نے سعد بن معاذ کے گھر قیام فرمایا اور وہاں سے اپنی تبلیغی سرگرمیاں

https://alislami.net

جاری رکھیں۔(وفاء الوفا، ج:۱،ص:۵۸۵)

اہل مدینہ کو جاں نثار بنادیا: گزشتہ سال یثرب کے بارہ آدمی بارگاہ رسالت میں حاضری کا شرف پاکر اور بیعت کی سعادت حاصل کرکے اپنے وطن واپس لوٹے توحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے ہمراہ روانہ کیا تاکہ وہاں کے باشندوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں اور جولوگ اسلام قبول کرلیں انہیں قرآن کریم پڑھائیں، ان میں اسلام کا صحیح فہم اور ادراک پیدا کریں۔ یہ بارہ افراد جب یثرب پہنچے تو بڑے مخلص اور پرجوش مبلغین کی طرح انہوں نے دعوت وتبلیغ کا کام شروع کردیا۔ حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی اور سرپرستی نے سونے پرسہاگے کا کام دیا۔ ابھی آپ نے پڑھا ہے کہ ان کی تبلیغ کا انداز اتنا اثر انگیز اور دل نشیں تھا کہ یثرب کے دو بڑے سردار اسید بن حضیر اور سعد بن معاذ حلقہ بگوش اسلام بن گئے، قلیل عرصہ میں یثرب کی کایا پلٹ گئی۔ اب اس شہر میں کوئی محلہ، کوئی گلی اور کوئی علاقہ ایسا نہ رہا جہاں اسلام نے کسی مرد یا کسی عورت کے دل میں عرفان الٰہی کا چراغ روشن نہ کردیا ہو۔ اس ایک سال کے عرصے میں سینکڑوں افراد نے جن میں قبائل کے رؤسا بھی تھے، اس دین حق کو قبول کرلیا، ہر گھر میں ہر محفل میں ہمہ وقت محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر خیر، یہاں کی پرنور فضاؤں میں گونجتا رہتا۔ یہاں کے شہریوں کو بھی ان مصائب وآلام کا علم ہوگیا جن سے ان کا ہادی ومرشد دوچار تھا۔ انہوں نے ظلم وستم کی وہ لرزہ خیز داستانیں بھی سن لی تھیں جن سے مکہ میں ان کے دینی بھائیوں کو واسطہ پڑتا تھا۔ انہوں نے یہ طے کرلیا کہ وہ اپنے محبوب آقا کو یہاں بلائیں گے، اہل مکہ نے ان کی راہ میں جو کانٹے بچھائے ہیں انہیں وہ اپنی آنکھوں کی پلکوں سے چن لیں گے اور ان کے بجائے اپنے راہبر کے قدموں کے نیچے محبت وعقیدت کے پھولوں کی تازہ پتیاں بچھائیں گے۔

وہ زندہ ہوں اور ان کے دینی بھائیوں پر ظلم وتشدد کے پہاڑ توڑے جارہے ہوں، یہ بات ان کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ انہوں نے متفقہ فیصلہ کیا، ہمارا جو وفد موسم حج میں

مکہ جائے گا وہ حضور کی خدمت میں پرزور التماس کرے گا کہ حضور ان کی بستی کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے ضرور سرفراز فرمائیں۔ (سیرۃ الرسول، ج:۲،ص:۵۹۲، ۵۹۳)

حضرت مصعب بارگاہِ حضور میں: چنانچہ جب حج کا موسم قریب آ گیا تو حاجیوں کا ایک قافلہ حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں مکۂ مکرمہ روانہ ہوا، اس میں ستر انصار تھے جو مسلمان ہو چکے تھے، ان کے علاوہ کئی مشرک بھی قافلے میں شامل تھے۔ مسلمانوں کی اس جماعت نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملاقات کی، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کے نتائج کی رپورٹ پیش کی اور جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے ان کے نام گنوائے، تبلیغی میدان میں ان کی شاندار کامیابیوں کے بارے میں سن کر حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو انتہائی مسرت ہوئی۔ (ایضاً:۵۹۴)

ماں نہیں حضور اول ہیں: حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک سال مکمل مدینہ طیبہ میں ٹھہرے رہے، فروغ اسلام کے لیے ان کی کوششیں مشکور ہوئیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی روداد محنت ومشقت سنانے کے لیے جب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکۂ مکرمہ میں قدم رکھا تو ان کا رخ رخ حبیب کی طرف تھا، اگرچہ مکہ میں ان کا گھر بار، ساز وسامان، دوست ویار، عزیز ورشتہ دار، بھائی بہن اور ماں سب کچھ تھے لیکن حضور سے پہلے کسی اور کی طرف رخ کرنا دستور محبت کے خلاف تھا، جو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک قطعاً جائز نہ تھا اور یہی ایمان کا مقتضی بھی تھا کیوں کہ ؎

محمد ہے متاع عالم ایجاد سے پیارا
پدر، مادر، برادر، مال، جان، اولاد سے پیارا

اس کسوٹی پر اللہ تعالیٰ کی تائید وتوفیق سے وہ مکمل کھرے اترے اور مکہ میں سب سے پہلے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دہلیز پر حاضر ہوئے۔ جب یہ خبر حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماں کو موصول ہوئی تو اس نے بڑے افسوس کے ساتھ حضرت مصعب رضی

https://alislami.net

اللہ تعالیٰ عنہ کو پیغام بھیجا: ''تو کتنا نافرمان لڑکا ہے جس شہر میں تیری ماں موجود ہے، تو ماں سے ملے بغیر کسی اور سے ملاقات کو روا جانتا ہے'' یہ پیغام حقیقت میں بڑا خطرناک تھا کیوں کہ اس میں جذبات محبت کو مہمیز دی گئی تھی ایک ماں کی طرف سے ایسا پیغام جس میں محبت کا بہتا دریا ٹھاٹھیں مار رہا ہو، لڑکے کو اس کے مشن سے غافل کر کے بآسانی اپنے ساتھ بہا سکتا تھا لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تلوے کی خاک جن آنکھوں کا سرمہ بن جائے پھر ان آنکھوں میں کوئی اور کیسے سما سکتا ہے۔

تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منہ کیا دیکھیں
کون نظروں پہ چڑھے دیکھ کے تلوا تیرا
(اعلیٰ حضرت)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت سے سرشار اس عاشق زار نے اپنی ماں کو ایسا جواب دیا جو ماں نے خواب وخیال میں بھی نہ سوچا ہوگا، آپ نے فرمایا: ''وما کنت لابدأ باحد قبل رسول الله'' جس شہر میں حضور صلی للہ تعالیٰ علیہ وسلم موجود ہوں، وہاں میں حضور سے پہلے کسی اور سے ہرگز ملاقات نہیں کرسکتا۔

محمد کی محبت خون کے رشتوں سے بالا ہے
یہ رشتہ دنیوی قانون کے رشتوں سے بالا ہے

ماں کے غلط ارادے پر مصعب کا جواب: آخرکار جب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مل کر فارغ ہوئے تو اپنی ماں کے پاس پہنچے، ملاقات ہوئی۔ ماں نے چہرہ دیکھ کر کہا: مجھے لگتا ہے کہ تم اب بھی اپنے آبائی دین سے برگشتہ ہو۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوری متانت کے ساتھ جواب دیا: (الحمدللہ) میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین پر قائم ہوں، جس کا نام دین اسلام ہے، جس دین سے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول راضی ہے۔ ماں نے کہا کہ تم نے میرے ان احسانات کا شکر یہ ادا نہیں کیا جو احسانات میں نے تم پر حبشہ اور یثرب کی مصیبتوں کے

بعد کیے تھے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں تمہاری ہی ایذا رسانیوں کی بنیاد پر اپنے دین کو بچانے کے لیے ادھر سے ادھر بھاگتا رہا اور مصیبتیں جھیلتا رہا ہوں۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ پھر یہ محسوس کیا کہ ماں کا ارادہ دوبارہ قید کر لینے کا ہے تو آپ نے فیصلہ کن انداز میں فرمایا: ماں! اگر تم نے مجھے قید کرنے کی کوشش کی تو سمجھ لو جو انسان بھی مجھے پکڑنے کے ارادے سے آگے بڑھے گا میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ بیٹے کا اٹل فیصلہ سن کر ماں اپنے ارادے سے باز آ گئی، روتے ہوئے کہا: مصعب! جاؤ اپنا کام کرو۔

ماں کو دعوت اسلام اور ماں کا انکار: جن آنکھوں سے کبھی ممتا برستی تھی، ان سے آنسو ٹپکتے دیکھ کر حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے آپ کو روک نہ سکے۔ ایک مومن بیٹا اپنی کافرہ ماں کے لیے جو کر سکتا تھا، حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے وہ سب کر دکھایا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ماں! میری نصیحت قبول کرلو۔ میری نصیحت میں شفقت کے سوا اور کچھ نہیں، میری بات مان جاؤ اور کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر مسلمان ہو جاؤ۔ ماں نے کہا: میں تمہارے دین میں داخل ہو کر نہ اپنی رائے کو رسوا کروں گی اور نہ ہی اپنی عقل کو کمزور کروں گی، ہاں میں تم کو تمہارے دین کے ساتھ چھوڑ رہی ہوں، میں اپنے دین پر مضبوطی سے قائم رہوں گی۔ (طبقات ابن سعد، ج: ۳، ص: ۱۱۱، سیرۃ الصحابی الجلیل مصعب بن عمیر، ص: ۳۹)

ایمان کی مضبوطی اور کفر کی سختی: آپ ماں اور بیٹے کے الوداعی الفاظ پڑھ آئے ہیں۔ ماں اپنے نورِ نظر کو کتنے سخت الفاظ کے ساتھ وداع کر رہی ہے اور بیٹا ماں کے جواب میں ''وبالوالدین احسانا'' کی کتنی عمدہ عملی ترجمانی کر رہا ہے، ماں کتنی مصر ہے اپنے کفر پر ڈٹے رہنے کے لیے تو بیٹے کی طرف سے کیا ہی عظیم اصرار ہے ایمان پر جمے رہنے کے لیے۔ بیٹے کے دل میں اپنی ماں کے ہدایت یافتہ ہونے کی کس درجہ حرص موجود ہے، اس خطرناک موقع پر بھی حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتنی دل نشین تبلیغ فرمائی

ہے لیکن صحیح تو یہی ہے کہ ہدایت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ خود فرماتا ہے: ”اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ“ یہاں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی ثابت کیا کہ بیٹے کا اپنے ماں باپ کو اسلام کی دعوت دینا ان کے ساتھ سب سے بڑی نیکی ہے اور بیٹے کے لیے اس پر عمل کرنا ضروری بھی ہے اور یہ کہ والدین کی محبت یا ان کے دباؤ میں آکر اپنے سچے دین کو ہرگز ترک نہ کیا جائے گا اور نہ ہی ذرہ برابر اس سے روگردانی کی جائے گی۔ (رجال حول الرسول، ص:۲٦، سیرۃ الصحابی الجلیل مصعب بن عمیر، ص:۳۹)

حضرت مصعب کی ہجرت: حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذی الحجہ میں مکہ آئے تھے، آنے کے بعد پورے ذی الحجہ مکہ میں ٹھہرے۔ محرم وصفر میں بھی یہیں رہے اور ربیع الاول شریف کا چاند دیکھ کر مدینہ شریف کی طرف ہجرت کی۔ لہٰذا حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہجرت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مدینہ شریف میں تشریف فرما ہونے سے بارہ رات قبل ہوئی۔ (المنتظم فی تاریخ الملوک والامم، ج:۳، ص:۱۹۴)

مواخات: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینۂ منورہ میں مسلمانوں کے درمیان محبت کی ڈور مضبوط کرنے کے لیے دو صحابہ کے درمیان رشتۂ اخوت قائم فرماتے، ایک مہاجر کو لیا جاتا اور ایک انصاری کو اور دونوں کو بھائی قرار دے دیا جاتا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حضرت ابوایوب انصاری کا رشتۂ مواخات قائم فرمایا۔ یہ ابوایوب انصاری وہی ہیں جنہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا میزبان بننے کا شرف حاصل ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ کی مواخات ذکوان بن عبد قیس کے ساتھ قائم کی گئی لیکن یہ قول ضعیف ہے۔ (طبقات ابن سعد، ج:۳، ص:۱۱۱، انساب الاشراف، ج:۳، ص:۲۷۲، جوامع السیرۃ، ج:۱، ص:۹٦، جوامع الکلم، ج:۱، ص:٦۰، مشاہیر الصحابہ، ج:۱، ص:۷۰)

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مواخات حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ قائم کی گئی۔ یہ آپ کی مکی مؤاخات کا تذکرہ ہے کیوں کہ مؤاخات کے باب میں تحقیق یہ ہے کہ مدنی مؤاخات سے پہلے حضور صلی

https://alislami.net

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبل ہجرت مہاجرین کے مابین مؤاخات قائم فرمائی تھی، لہٰذا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مؤاخات حضرت سعد کے ساتھ مکی مؤاخات کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

غزوات میں شرکت: قارئین جانتے ہیں کہ غزوات کا سلسلہ ہجرت مدینہ کے بعد شروع ہوتا ہے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حیات میں دو غزوات پیش آئے، جن میں سے ایک کو بدر اور دوسرے کو احد کہا جاتا ہے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں غزوات میں شریک رہے۔ بدر سے غازی کی حیثیت سے مدینہ طیبہ واپس تشریف لائے اور جنگ احد میں شہید راہ وفا ہوکر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ (عام کتب تاریخ)

ایک اونٹ پر تین سوار: اسلام وکفر کے درمیان سب سے پہلا فیصلہ کن غزوہ بدر کے نام سے پیش آیا۔ اس غزوے میں ظاہری اسباب حرب کی قلت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم خاص سے مسلمانوں کو فتح مبین نصیب فرمائی اور مجاہدین اسلام کو ان کی جاں نثاری کا نعم البدل عطا فرمایا۔ غزوے میں شرکت کرنے کے لیے مسلمانوں نے سفر شروع کیا، سفر کیا تھا؟ بذات خود غربت وافلاس کا واضح نشان تھا۔ ایک ایک اونٹ پر دو، دو تین، تین اور چار، چار صحابۂ کرام باری باری سوار ہوکر مسافت طے کررہے تھے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے اونٹ پر بھی تین لوگ باری باری سوار ہوتے تھے، ایک تو خود حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، دوسرے سویبط بن حرملہ اور تیسرے حضرت مسعود بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ (المغازی للواقدی، ج:۱، ص: ۲۴)

بدر میں علم بردار: حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ بدر میں صرف موجود بھر نہیں تھے بلکہ ایک عظیم مجاہد کی حیثیت سے شریک تھے۔ ان کی حیثیت کی عظمت ان کی زبان نے بیان نہیں فرمائی بلکہ جو ذمہ داری حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں سونپی تھی وہ ان کی عظمت کو بیان کرنے کے لیے کافی ہے۔ بدر کے دن حضور صلی اللہ تعالیٰ

https://alislami.net

علیہ وسلم نے انہیں اسلام کا جنگی علم عطا فرمایا تھا، اس علم کو سرنگوں ہونے سے بچانے کی ذمہ داری حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سونپی گئی تھی۔

علامہ واقدی لکھتے ہیں:

جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسلمانون کی صفیں درست کرا چکے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسم نے اپنا جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں میں سونپ دیا پھر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس جھنڈے کو لے کر اس جگہ تک پیش قدمی کی جہاں تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چاہتے تھے۔

(المغازی، ج:۱،ص:۵۶، سیرۃ الصحابی الجلیل، ص:۴۱، طبقات ابن سعد، ج:۳،ص:۱۱۱)

یاد رہے کہ جنگ کے دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین جھنڈے استعمال فرمائے تھے۔ ایک جھنڈا مہاجرین کا تھا، جو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھا، ایک قبیلۂ خزرج کا جھنڈا تھا جس کو اٹھانے کی ذمہ داری حباب بن منذر کی تھی، تیسرا جھنڈا قبیلۂ اوس کا تھا جس کی ذمہ داری سعد بن معاذ نے سنبھال رکھی تھی۔ اس دن کفار قریش بھی تین جھنڈے لیے ہوئے تھے جس میں سے ایک جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سگے کافر بھائی ابوعزیز کے پاس تھا۔ (المغازی، ج:۱،ص:۵۸)

مشرک سے تعلقات منقطع: جب معرکۂ بدر اپنے اختتام کو پہنچا، مسلمان فتح یاب ہوئے، کفر کو سخت رسوائی اور بڑی ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا، ستر کفار مقتول ہوئے تھے اور اتنے ہی قید کیے گئے تھے، باقی جان بچا کر بھاگ گئے تھے۔ جنگ بدر کے قیدیوں میں ایک قیدی نضر بن حارث بھی تھا جو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قریبی رشتہ دار تھا، نضر بن حارث کو حضرت مقداد نے گرفتار کیا تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مقام بدر سے چل کر مقام اثیل پہنچے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمام قیدیوں کو ملاحظہ فرمایا، چناں چہ جب آپ کی نظر نضر بن حارث پر پڑی تو آپ کچھ دیر تک اسے دیکھتے رہے، نضر بن حارث نے اپنے پاس کھڑے ہوئے انسان سے کہا: مجھے محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے ایسی نظر سے دیکھا ہے جس میں مجھے میری موت دکھائی دے رہی تھی۔ اس انسان نے جواب دیا: تمہارا یہ کہنا صرف تمہارے دل کا ڈر ہے اس کے سوا کچھ نہیں، دہشت زدہ نضر نے اس وقت حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رابطہ کیا اور ان سے سفارش کی بھیک مانگی، نضر نے حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا: آپ یہاں کے موجودین میں میرے سب سے قریبی رشتہ دار ہیں، مہربانی کر کے اپنے آقا کی بارگاہ میں میری سفارش کر دیں کہ میرے ساتھ میرے ساتھیوں جیسا سلوک کیا جائے (مجھ پر کوئی الگ سے حکم نافذ نہ کیا جائے) اے مصعب! اگر آپ نے میری سفارش نہ کی تو حضور مجھے قتل کرنے کا حکم فرما دیں گے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کافر کی طرف حقارت سے دیکھتے ہوئے کہا: تم وہی نضر تو ہو جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بارے میں واہیات باتیں کیا کرتے تھے اور اللہ کے رسول کی بارگاہ میں کیسی کیسی گستاخیاں کیا کرتے تھے۔ نضر نے کہا: مصعب میں صرف تم سے اتنی سفارش چاہتا ہوں کہ مجھے بھی میرے جملہ ساتھیوں میں سے ایک سمجھا جائے (مجھ پر الگ سے کوئی سختی نہ کی جائے) اگر ان کو قتل کیا جائے تو ان کے ساتھ مجھے بھی قتل کیا جائے اور انہیں احسان کی بھیک دی جائے تو مجھے بھی اس سے محروم نہ کیا جائے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تم وہی ہو جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ پر ظلم و ستم کیا کرتے تھے، یہ سن کر نضر نے کہا: اے مصعب! اگر تمہیں قریش نے قید کر لیا ہوتا تو میرے زندہ رہتے ہوئے وہ تمہیں قتل نہیں کر سکتے تھے (اور تم میرے ساتھ یہ گفتگو کر رہے ہو) حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! تم سچ کہہ رہے ہو کہ تم مجھے قتل ہونے سے بچا لیتے لیکن میرا معاملہ تمہاری طرح نہیں، تم مشرک ہو اور میں مسلمان۔ اسلام نے زمانۂ جاہلیت کے تمام معاہدات کو ختم کر دیا ہے، مسلمانوں کی قرابت صرف مسلمانوں سے ہو سکتی ہے اور کسی سے نہیں۔ یہ کہتے ہوئے آپ نے اس کی درخواست کو رد فرما دیا اور معاملہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مرضی پر چھوڑ دیا۔ (المغازی، ج:۱، ص:۶، سیرۃ الصحابی الجلیل، ص:۴۲)

سگے کافر بھائی پر سختی: جنگ بدر میں مسلمانوں نے ایک اور مشرک کو قید کیا تھا، یہ قیدی بھی حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قریبی تھا بلکہ اس کی قرابت نضر بن حارث کی قرابت سے زیادہ اہم واتم تھی، اس کا نام ابوعزیز تھا، وہی ابوعزیز جو کفار کے ایک جنگی جھنڈے کا علمبردار تھا، ابوعزیز حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے کوئی عام انسان نہ تھا بلکہ ان کا سگا بھائی تھا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے سگے بھائی کے ساتھ کیا برتاؤ کیا اور اس خونی رشتہ کو کس انداز میں نبھایا؟ اس کو پیر کرم شاہ ازہری سے سنیے، آپ لکھتے ہیں:

دوسرے روز جب ستر جنگی قیدی بارگاہ رسالت میں حاضر کیے گئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سب سے پہلے ان کے قیام وطعام کے انتظام کی طرف توجہ مبذول فرمائی، حضور نے انہیں اپنے صحابۂ کرام کے درمیان حسب حیثیت تقسیم کردیا اور ہر ایک کو تاکید فرمائی کہ وہ اپنے حصے کے قیدیوں کے آرام وآسائش کا پورا پورا خیال رکھیں۔ ابوعزیز حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سگا بھائی تھا، وہ خود بتاتا ہے کہ بدر کے روز کعب نامی ایک انصاری میرے بازو باندھ رہا تھا کہ میرے سگے بھائی مصعب بن عمیر میرے پاس سے گزرے، انہوں نے میری سفارش کرنے کے بجائے اس انصاری کو کہا کہ اس کے دونوں بازوؤں کو خوب کس کر باندھو، اس کی ماں بڑی دولت مند ہے وہ تمہیں گراں قدر فدیہ ادا کرکے اس کو چھڑائے گی، میں مدینہ پہنچا تو مجھے ایک انصاری کے حوالے کردیا گیا، صبح وشام جب اس انصاری کے اہل خانہ کھانا کھاتے تو حضور کی وصیت کے پیش نظر وہ مجھے روٹی کھلاتے اور خود کھجوروں کے چند دانوں پر اکتفا کرتے، جب ان میں سے کسی کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا آجاتا تو وہ اسے پھونک کر اس کی گرد صاف کرکے مجھے پیش کردیتے، مجھے بڑی شرم محسوس ہوتی، میں وہ ٹکڑا انہیں دینے پر اصرار کرتا لیکن وہ اس ٹکڑے کو ہرگز نہ لیتے اور بضد ہوتے کہ میں ہی اسے کھاؤں۔ ابوعزیز کفار کے لیے ایک اہم شخص تھا۔ نضر بن حارث کے قتل کے بعد مشرکین مکہ کے لشکر کا یہی علمبردار تھا۔ جب

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو یسر انصاری کو کہا کہ اسے خوب کس کر باندھو، ابوعزیز نے اپنے بھائی کی بات سن کر اسے کہا: میرے بھائی میرے لیے تم اسے یوں وصیت کر رہے ہو، تو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میرا بھائی یہ ہے، تم میرے بھائی نہیں ہو۔ سب سے گراں قیمت فدیہ ابوعزیز کی والدہ سے طلب کیا گیا، اسے کہا گیا کہ اپنے بیٹے کو آزاد کرانا چاہتی ہو تو چار ہزار درہم ادا کرو۔ اس نے یہ فدیہ ادا کیا اور اپنے بیٹے کو آزاد کرالیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ابوعزیز (ایک قول کی بنیاد پر) مشرف با اسلام ہو گیا۔ (سیرۃ الرسول، ج:۳، ص:۳۸۳، المغازی، ج:۱، ص:۱۴۰، البدایہ والنہایہ، ج:۵، ص:۱۹۱)

ابوعزیز مومن یا کافر: ابوعزیز بعض حضرات (ابن عساکر) کے نزدیک حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سگا بھائی ہے اور بعض (ابن کثیر) کے نزدیک باپ شریک بھائی ہے۔ یہ ایمان لایا یا نہیں، اس میں مؤرخین کے درمیان اختلاف ہے، خلیفہ بن خیاط نے ابوعزیز (جس کا نام زرارہ ہے) کو صحابہ میں شمار کرایا ہے۔ ابن کلبی اور زبیر نے کہا: ابوعزیز احد کے دن حالت کفر میں قتل کیا گیا۔ ابونعیم نے ابن مندہ کے حوالے سے کہا: میں اس کے اسلام کو نہیں جانتا۔ ابن اسحاق نے احد میں قتل ہونے والے کافروں کے نام جو شمار کرائے ہیں، اس میں ابوعزیز کا ذکر نہیں کیا گیا ہے لیکن اتنا طے ہے کہ ابوعزیز احد میں مشرکین کی طرف سے شریک تھا اور مشرکین کا علمبردار تھا۔ (سیرۃ الصحابی الجلیل مصعب بن عمیر، ص:۱۵)

علامہ ابن اثیر نے اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ ابوعزیز کو شرف صحابیت بھی حاصل تھا اور شرف سماعت بھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (اسد الغابہ تذکرہ ابوعزیز بن عمیر)

حضرت مصعب کا خاندان میدان احد میں: جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو نصرت عظیمہ سے سرفراز فرمایا تھا اور کفار قریش کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا، ساتھ ہی کئی صنادید قریش بھی میدان بدر کی خوراک بنے تھے، یہ سب کچھ کفار بداطوار کیسے برداشت کر لیتے؟ مکہ پہنچتے ہی انہوں نے انتقامی جنگ کی تیاری شروع کر دی تھی، تقریباً ایک سال تک جنگی تیاریوں میں مصروف رہنے کے بعد شوال ۳ھ میں کفار ایک بڑی

جنگ کے ارادے سے مدینۂ منورہ پر حملہ آور ہونے بڑے لشکر کے ساتھ میدان جنگ میں آئے تھے۔ وہ جذبات کو مشتعل کرنے کے لیے کچھ عورتوں کو بھی اپنے ساتھ لائے تھے، جو مشرکہ عورتیں میدان احد میں آئی تھیں ان میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کافرہ والدہ خناس بنت مالک بھی تھی، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سگا بھائی ابوعزیز بھی شرکائے جنگ میں موجود تھا، یہ وہی ابوعزیز ہے جو جنگ بدر میں قید ہوا تھا اور ان کی والدہ نے موٹی رقم ادا کر کے اس کو آزاد کرایا تھا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اصحاب سے مشورہ فرما کر احد کی طرف نکلے، آپ کے ساتھ آپ کے جاں نثار صحابہ تھے اور بعض صحابیات عورتیں بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ ان عورتوں میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ حضرت حمنہ بنت جحش بھی تھیں۔ حضرت حمنہ پیاسوں کو پانی پلانے اور زخمیوں کو مرہم لگانے پر مامور تھیں۔

(سیرۃ الصحابی الجلیل، ص: ۴۳، المغازی، ج: ۱، ص: ۲۵۰)

حضرت مصعب میدان احد میں اسلام کے علم بردار: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میدان احد میں پہنچے، صحابۂ کرام کی جنگی صفوں کو مرتب کیا، پورے اہتمام کے ساتھ صفوں کا جائزہ لیا، کوئی بھی صحابی صف کے آگے یا پیچھے ہوتے تو حضور ان کو صحیح جگہ پر کھڑا کر دیتے۔ مومنین پورے اخلاص کے ساتھ اپنے آقا کی معیت میں سرفروشی کے لیے صف بستہ کھڑے ہیں۔ اب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے چہروں پر نظر ڈالتے ہیں تا کہ اس مرد میدان کے مبارک نام کا اعلان کیا جائے جس کے ہاتھوں میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنا جنگی علم عطا فرمائیں گے۔ حضور نے فرمایا: مشرکین کا علمبردار کون ہے؟ جواب ملا: بنوعبددار کفر کے علمبردار ہیں۔ حضور نے فرمایا: ہم بھی اسی قبیلے کے ہاتھوں اسلام کا علم عطا فرمائیں یہی لائق تر ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ندا فرمائی: ''این مصعب بن عمیر'' مصعب بن عمیر کدھر ہیں؟ ادب کے پیرائے میں ڈھلی ایک آواز ابھری لبیک یارسول اللہ! جاں نثار حاضر ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسلامی

https://alislami.net

علم حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں کو سونپ دیا۔حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم کو لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہو گئے۔

(المغازی، ج:۱، ص:۲۲۱)

علم اسلام کی حفاظت اور شوقِ جہاد: حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عظیم اسلامی علم کو تھامے ہوئے میدان احد میں مرد میدان کی حیثیت سے حاضر ہیں، جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے، اللہ تعالیٰ کی مدد سے مجاہدین اسلام نے اپنی بہادری کے جوہر دکھاتے ہوئے کفار کو بھاگنے پر مجبور کر دیا، میدان مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو چکا تھا لیکن تیر انداز دستے کی خطائے اجتہادی سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ پیچھے سے ہونے والے ناگہانی حملے نے مسلمانوں کی کمر توڑ کر رکھ دی، صحابۂ کرام منتشر ہو گئے۔اس افراتفری کے عالم میں بھی حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دادِ شجاعت دیتے رہے، علم اسلام کی حفاظت کرتے رہے اور ساتھ ہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدافعت میں جان چھڑکتے رہے، جب تک آپ کے جسم میں جان رہی آپ نے اسلام کے علم کو سرنگوں نہیں ہونے دیا۔

شہادت: انہیں سخت لمحات میں قریش کا ایک ماہر جنگ جو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے لگا ہوا تھا، وہ آپ کو شہید کرنا چاہتا تھا لیکن مصعب سمجھ کر نہیں بلکہ وہ حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گمان کر رہا تھا۔ قریشی جنگ جو جس کا نام ابن قمئہ تھا حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حملہ آور ہوا اس نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے داہنے ہاتھ کو نشانہ بنایا اور اس کو کاٹ دیا، اس وقت حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان پر قرآن پاک کے یہ الفاظ جاری تھے: ''وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ '' (آل عمران ۱۴۴) ہاتھ کٹتے ہی آپ نے علم بائیں ہاتھ میں تھام لیا اب اس مشرک نے آپ کے بائیں ہاتھ کو نشانہ بنایا اور اسے بھی کاٹ دیا، آپ ابھی بھی بدستور مذکورہ آیت کی تلاوت کر رہے تھے، آپ نے کمال بہادری وہوشیاری دکھاتے ہوئے دونوں کٹے ہوئے بازوؤں کا حلقہ بنا کر علم کو سنبھال لیا، جب

https://alislami.net

مشرک نے آپ کی یہ حالت دیکھی تو تیسرا حملہ تلوار سے نہیں بلکہ نیزے سے کیا، نیزہ پوری قوت سے مارا گیا تھا جس سے بڑا کاری زخم لگا، یہی زخم آپ کے لیے پیغام اجل ثابت ہوا اور آپ زمین پر آ گئے، روح قفص عنصری سے پرواز کر گئی، علم ہاتھ سے چھوٹ گیا اور آپ جام شہادت سے سیراب ہو گئے۔ (طبقات ابن سعد، ج:۳، ص:۱۱۲، سیرۃ الصحابی الجلیل، ص:۴۵)

حضور سمجھ کر قتل کیا: ابن قمئہ لیثی نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پے در پے وار کیے تھے، اس کے پیچھے ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ وہ حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مصعب نہیں بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سمجھ رہا تھا، اسی لیے جب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو گئے تو یہ خبیث النفس، بد بخت مشرک بھاگ کر اہل قریش کے پاس پہنچا اور انہیں خبر دی کہ میں نے محمد کو قتل کر دیا ہے، اس کے بعد کفار نے شور مچا دیا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قتل کر دیے گئے ہیں۔ (معاذ اللہ)

(البدایہ والنہایہ، ج:۵، ص:۳۶۷، سیرۃ الصحابی الجلیل، ص:۴۵، الکامل فی التاریخ، ج:۲، ص:۵۰)

حضرت مصعب کی جان حضور پر قربان: حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت حضور کی حفاظت کرتے ہوئے ہوئی، اس کی تفصیل اس طور پر ہے کہ مکہ میں ابی بن خلف نے قسم کھائی تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قتل کرے گا، جب یہ بات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم ہوئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بل انا اقتله ان شاء الله. وہ مجھے نہیں ان شاء اللہ میں اسے قتل کروں گا۔ جنگ احد میں ابی بن خلف زرہ پوش ہو کر میدان میں اس نعرے کے ساتھ اترا ''مان جوت ان نجا محمد'' اگر محمد بچ گئے تو میرے لیے نجات نہیں۔ یہ کہتے ہوئے اس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حملہ کر دیا، وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قتل کرنا چاہتا تھا (العیاذ باللہ تعالیٰ) ان ہلاکت خیز لمحات میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کی حفاظت کے لیے آگے بڑھے اور جان کی بازی لگا دی، جب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پوری توجہ حضور کی حفاظت پر لگی ہوئی تھی ابن قمئہ نے آپ کو شہید کر دیا، جب حضرت مصعب رضی

اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو گئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابی بن خلف کی ہنسلی پر اپنے نیزے سے وار کیا ابی بن خلف کی ہنسلی زرہ سے چھپ نہ سکی تھی، نیزے کی خراش ابی کو لگی، ابی گھوڑے سے نیچے گرا، نیزہ اتنا ہلکا لگا تھا کہ اس کے جسم سے خون کا ایک قطرہ بھی نہیں نکلا تھا لیکن وہ زمین پر گر کر بیل کی طرح دہاڑیں مار رہا تھا، اس کے ساتھیوں نے آ کر اسے اٹھاتے ہوئے کہا کہ اتنا کیوں چیخ رہے ہو؟ ڈرنے کی بات نہیں یہ تو صرف کھرونچ لگی ہے ساتھیوں کی بات سن کر ابی نے کہا: تمہیں یہ معلوم نہیں کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ فرما چکے ہیں کہ میں ابی کو قتل کروں گا۔ اے میرے دوستو! سنو یہ خراش جو مجھے لگی ہے اگر یہی خراش اس وادی میں موجود تمام لوگوں کو لگ جاتی تو ان میں سے کوئی بھی نہ بچتا، سب کے سب موت کے گھاٹ اتر جاتے۔ یہ ابی کے آخری الفاظ تھے اس کے بعد وہ مر کر جہنم رسید ہو گیا۔

(البدایہ والنہایہ، ج:۵، ص:۴۰۳)

اس روایت کی وجہ سے بعض حضرات نے ابی بن خلف کو ہی حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاتل قرار دیا ہے۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۵، ص:۳۶۷)

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس جذبۂ جاں نثاری کو سلام، حضور پر جان قربان کرنے کا یہ جذبہ تاریخ صحابہ کے سوا کہاں ملے گا؟ اور جہاں ملے گا تو وہ صحابۂ کرام کی اتباع میں ملے گا، ان کی تربتوں سے آج بھی یہ آوازیں گونج رہی ہیں ؎

کروں تیرے نام پہ جاں فدا
نہ بس ایک جاں دوجہاں فدا
دوجہاں سے بھی نہیں جی بھرا
کروں کیا کروروں جہاں نہیں

(اعلیٰ حضرت)

قارئین کرام! حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مار پر غور کیجیے، ایک ہلکی سی خراش کا عالم یہ ہے کہ ابی بن خلف بیل کی طرح دہاڑیں مار مار کر تڑپ تڑپ کر جہنم رسید ہوا، کہیں کاری

https://alislami.net

زخم حضور کے ذریعے لگا ہوتا تو کیا ہوتا؟

غضب سے ان کے خدا بچائے جلال باری عتاب میں ہے

حضرت مصعب کے بعد علم کس کے ہاتھ میں: جب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو گئے تو علم کس نے سنبھالا؟ اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ علم سنبھالنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکل میں ایک فرشتہ نازل فرمایا اور اسی فرشتے نے علم اسلام کو سنبھالے رکھا، اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ دن کے آخری وقت پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مصعب! آگے آؤ، تو شکل بشر میں نازل شدہ فرشتے نے عرض کیا: ''لست بمصعب'' میں مصعب نہیں ہوں! سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہچان لیا کہ یہ مصعب نہیں بلکہ ملک مقرب ہے، اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عزت افزائی فرمائی ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ جب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زمین پر گر گئے تو بنو عبد دار کے دو شخص علم سنبھالنے کے لیے جھپٹے، ایک کا نام سویط بن سعد تھا، دوسرے ابوالروم بن عمیر (حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی) تھے۔ حضرت ابوالروم بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علم کو سنبھال لیا، یہ علم اس وقت تک انہیں کے ہاتھوں میں رہا جب تک مسلمان مدینہ میں داخل نہیں ہو گئے۔ (طبقات ابن سعد، ج:۳،ص:۱۱۲)

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسلامی علم حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرما دیا۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۵،ص:۳۶۷)

عرب کے چاند حضرت مصعب بن عمیر کے سرہانے آئے ہیں: جنگ اختتام کو پہنچی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میدان جنگ کا جائزہ لیا، ان اصحاب پر نظر فرمائی جنہوں نے اس میدان میں اپنی جانوں کے بدلے جنت خرید لی تھی۔ حضور چلتے

https://alislami.net

چلتے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نعش پر آ کر ٹھہر گئے، دیکھا کہ غلام وفادار اپنے چہرے کے بل خون میں لت پت راہ خدا میں شہید ہوا پڑا ہے۔ حالت دیکھ کر زبان پاک پر آیت کریمہ جاری ہوگئی "مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ" ترجمہ: مومنین میں کچھ وہ ہیں جنہوں نے رب سے کیے گئے وعدے کو سچ کر دکھایا۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر شہدا کی شہادت پر مہر تصدیق لگائی، فرمایا: اللہ کا رسول گواہی دیتا ہے کہ تم سب کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مرتبۂ شہادت حاصل ہے، یہ کہہ کر آپ مومنین سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: آؤ! ان شہدائے راہ خدا کی زیارت کرلو، ان کو سلام کرلو۔

عاشق کا منہ چھپانا: شہادت کے بعد زمین پر منہ کے بل پڑے رہنے سے ایسا لگتا ہے کہ عاشق صادق نے قصداً حضور سے منہ کو اس لیے چھپالیا تھا کہ حضور ان کو دیکھ کر غمگین نہ ہوجائیں، عاشق کبھی بھی اپنے محبوب کو غمگین نہیں کرنا چاہتا یا شاید اس لیے کہ وہ حضور پر جان قربان کرکے حضور سے شرمار ہے تھے کہ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ (رجال حول الرسول، ص: ۳۰۰)

شہدا، سلام کا جواب دیتے ہیں: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان کو الوداعی سلام کرلو۔ اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، قیامت تک جو مسلمان بھی سلام کرے گا یہ سلام کرنے والوں کا جواب دیتے رہیں گے۔ (طبقات ابن سعد، ج: ۳، ص: ۱۱۳، اسد الغابہ، ج: ۵، ص: ۱۷۷)

شہدائے احد کے تصرفات سے متعلق مزید معلومات کے لیے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ پڑھیں:

تم سے حسین کوئی نہ تھا: نعش مبارک اور انداز شہادت دیکھ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بچپن یاد آ گیا، فرمایا: میں نے تم کو مکہ میں دیکھا تھا، تم سے خوش پوش وجامۂ زیب کوئی نہ تھا، بالوں کے بناؤ سنگار سے تم حسن میں یکتائے روزگار تھے لیکن آج راہ خدا میں تمہارے بال بکھرے ہوئے ہیں اور تمہارے

جسم پر ایک چادر کے سوا کچھ نہیں بچا ہے۔ (طبقات ابن سعد، ج: ۳، ص: ۱۱۳)

دُنیا سے کچھ حاصل نہیں کیا: کتنے غم گین اور پر الم ہیں حضور کے وہ الفاظ جو سرکار ابد قرار نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سرہانے کھڑے ہوکر فرمائے، بوقت شہادت حضور کی زبان پر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بچپن کا تذکرہ اس بات کی سچی گواہی دیتا ہے کہ حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پوری زندگی حضور کے دل ودماغ پر چھائی ہوئی تھی، ایسا کیوں کر نہ ہوتا، حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پوری زندگی میں اللہ تعالیٰ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا کے حصول اور خدمت دین کے سوا کچھ اور نہ تھا۔ زندگی بھر اسلام کی تبلیغ فرمائی، زبان وبیان، کردار وعمل اور افکار وخیالات سے تبلیغ کرتے کرتے آج شہید راہ محبت خون کے آخری قطرے سے احد کی سرزمین پر پیغام جاں بازی وجاں نثاری کی آخری تحریر لکھ کر جنت کی نیند سو گیا ہے۔ سابقین اولین صحابۂ کرام کو حدیث پاک کی رو سے دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلے میں وہ لوگ ہیں جو سخت ترین دور میں اسلام لائے، کفار کے ظلم وستم جھیلے، تنگ دست رہے، فقر وفاقہ کی زندگی بسر کی، کبھی بھی راحت عیش سے بغل گیر نہ ہوئے پھر بھی ہر لمحہ صابر وشاکر رہے، اعلاء کلمۃ الحق کے لیے ہمیشہ سینہ سپر رہے اور اسی حال میں دنیا چھوڑ چلے۔ دوسرے گروہ میں وہ حضرات ہیں جو پریشانیاں جھیلنے اور مصیبتوں پر صبر کرنے میں گروہ اول سے کسی طور پر کم نہیں، ہاں بعد میں اللہ تعالیٰ نے انہیں فارغ البالی عطا فرمائی اور یہ لوگ تنگ دستی کے قید خانے سے نکل کر فراخ دستی اور رزق کی کشادگی کی آزاد فضا میں آباد ہو گئے چنانچہ حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

ہم نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی اور یہ ہجرت صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے تھی، اللہ تعالیٰ کے کرم سے ہمارا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہو گیا۔ ہم میں سے بعض وہ ہیں جو دنیا سے جا چکے اور انہوں نے اپنے اجر سے کچھ حاصل نہیں کیا، جنہوں نے کچھ حاصل نہیں کیا ان میں سے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور

https://alislami.net

ہم میں سے بعض ایسے ہیں جن کا پھل پک گیا وہ اسے چن چن کر کھاتے ہیں۔

(بخاری، کتاب الجنائز باب اذا لم یجد کفنا)

اس حدیث پاک سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دنیا کے عیش وآرام سے بغیر کچھ حاصل کیے دار بقا کی طرف کوچ کر گئے۔

تجہیز وتکفین: اسلام کے سفیر اول اور شہید راہ محبت پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعزیتی کلمات کہے، کلمات کی اثر انگیزی ماضی کی یاد دہانی، اسلام کے لیے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قربانی اور سامنے پڑی نعش کی خواری دیکھ کر صحابۂ کرام آنسوؤں کو ضبط نہ کر سکے۔ (رجال حول الرسول، ص: ۳۰)

لیکن شہیدوں کو حتی الامکان بے گوروکفن تو چھوڑا نہیں جا سکتا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے صحابۂ کرام نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کفن ودفن کی تیاری کی، کفن کے لیے صرف ایک چادر تھی وہ بھی اتنی کشادہ نہ تھی کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پورے جسم کو ڈھانک سکے مگر مجبوری یہ ہے کہ کوئی دوسری چادر دستیاب نہیں کہ اس کو ملا کر پورے جسم کا ستر کیا جا سکے، حالات کی تنگی اور مسلمانوں کی مفلسی کی سچی تصویر دیکھنی ہو تو بخاری شریف کی یہ حدیث پڑھیے!

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ احد میں شہید ہوئے (کفن کے لیے) ایک چادر کے سوا کچھ نہ تھا۔ اگر ہم لوگ (صحابۂ کرام) ان کے سر کو ڈھانکتے تھے تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں ڈھانکتے تو سر کھل جاتا (یہ بے سروسامانی دیکھ کر) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس چادر سے مصعب کے سر کو ڈھانک دو اور پیروں کو چھپانے کے لیے اذخر گھاس ڈال دو۔ (بخاری، کتاب المغازی باب غزوۂ احد)

نماز جنازہ: شہدائے احد کی نماز جنازہ کی کیفیت آپ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تذکرے میں پڑھ آئے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز جنازہ پڑھی گئی پھر ایک ایک شہید کو لایا جاتا اور حضرت حمزہ رضی اللہ

https://alislami.net

تعالیٰ عنہ کے برابر میں رکھ کر نماز جنازہ پڑھی جاتی۔(طبقات ابن سعد، ج:۳،ص:۱۰)

تدفین: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے قبر کھودی گئی اور نماز جنازہ کے بعد قبر میں دفن کر دیا گیا۔ آخری آرام گاہ میں اتارنے کے لیے ان کے بھائی ابوالروم بن عمیر ان کی قبر میں اترے، عامر بن ربیعہ اور سویط بن سعد ان کے ساتھ رہے۔(طبقات ابن سعد، ج:۳،ص:۱۱۶)

تاریخ شہادت: حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت کے ۳۲ر مہینے بعد جنگ احد میں شہید ہوئے، اس وقت ان کی عمر چالیس سال یا کچھ زیادہ تھی۔(ایضاً)

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت جنگ احد میں ہوئی، البتہ جنگ احد کی تاریخ میں اختلاف پایا جاتا ہے اس سلسلے میں چند اقوال ہیں: ۳ھ، سات شوال، گیارہ شوال، پندرہ شوال۔ لہٰذا انہیں میں سے کوئی ایک حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تاریخ شہادت ہے۔(امتاع الاسماع، ج:۱،ص:۱۱۳)

نزول قرآن: حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل پر اللہ تعالیٰ کی کتاب ناطق ہے، سورۂ نازعات میں ''وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى'' جو اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک جنت ہی ٹھکانا ہے۔

بعض مفسرین کے بیان کے مطابق یہ دونوں آیتیں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئیں۔ مفسر شہیر حضرت علامہ قرطبی فرماتے ہیں: دونوں آیتیں (مذکورہ آیتیں اور اس سے پہلے والی آیتیں) حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بھائی عامر بن عمیر کے حق میں نازل ہوئیں۔(یہاں پر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی کا نام عامر ذکر کیا گیا ہے جب کہ اکثر مؤرخین نے بھائی کا نام عامر کی جگہ زرارہ لکھا ہے۔)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''فَاَمَّا مَنْ طَغٰى،

جس نے سرکشی کی، اس سے مراد حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھائی ہے جسے بدر کے دن قید کیا گیا، حضرات انصار کرام نے اسے پکڑا، اس سے پوچھا: تم کون ہو؟ جواب دیا: میں مصعب بن عمیر کا بھائی ہوں، یہ سن کر انصار نے اس کی بندشیں نہیں کھینچیں اور اچھے طریقے سے اپنے پاس ٹھہرائے رکھا، صبح کو حضرات انصار نے پورا قصہ حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتایا تو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے اپنا بھائی ماننے سے انکار کر دیا، فرمایا: وہ میرا بھائی نہیں (کافر میرا بھائی نہیں ہوسکتا) تم اپنے قیدی کو مضبوطی کے ساتھ کس کے باندھو، اس لیے کہ بطحیٰ والوں میں سب سے زیادہ مال وزیور اس کی ماں کے پاس ہی ہے۔

اور ''وَاَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ'' جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا، اس سے مراد حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ احد میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تن تنہا حفاظت فرمائی، جب صحابۂ کرام منتشر ہو گئے تھے۔ جس کے نتیجے میں بہت سارے تیر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بدن میں پیوست ہو گئے تھے جس سے آپ شہید ہوئے، جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو خون میں لت پت دیکھا تو فرمایا: مصعب کو میں نے دو قیمتی چادروں میں دیکھا تھا جس کی قیمت کا لوگ اندازہ نہیں کر سکتے تھے اور ان کے جوتے کے تسمہ میں سونے کی کاریگری ہوتی تھی۔ (تفسیر قرطبی، سورۃ النازعات، آیت: ۳۷-۴۱، النکت والعیون ایضاً)

فضائل: حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کو اہل اسلام نے ہمیشہ بھاری بھرکم القاب سے یاد کیا اور یاد کرتے رہیں گے، انہیں مصعب خیر، قاری، مقری، سفیر اول اور نمائندۂ رسول کے مبارک القاب سے پکارا جاتا ہے، سابقین اولین میں نمایاں مقام کے حامل ہیں، اسلام کی نشرواشاعت اور تبلیغ دین میں اپنا ثانی نہیں رکھتے ہیں۔ مدینۂ طیبہ کی طرف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تبلیغ اسلام اور تعلیم دین کے لیے بھیجنا ان کی علمی پختگی، اخلاق کی بلندی، مزاج کی سنجیدگی اور قرأت قرآن کی عمدگی کا منہ بولتا ثبوت ہے، مدینۂ طیبہ کی سرزمین کو دار ہجرت کے طور

https://alislami.net

پر ہموار کرنا ان کا غیر معمولی کارنامہ ہے۔ حدیث پاک میں فرمایا گیا: اگر کسی کی وجہ سے ایک انسان ہدایت پا جائے تو یہ اس کے لیے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں میں اسلام قبول کرنے والے تاریخ اسلام میں اس کثرت سے پائے جاتے ہیں جن کا شمار دشوار ہے۔

امام ابن سعد وغیرہ کے بیان کے مطابق انصار مدینہ میں اگر چند کو چھوڑ دیا جائے تو باقی سب کے سب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر ایمان لائے، اہل مدینہ کے امام اول ہونے کا شرف انہیں کو حاصل ہے، مدینۂ طیبہ میں جمعہ کے بانی بھی یہی ہیں۔ انہیں تمام فضائل ومناقب کو دیکھ کر علامہ ابن اثیر نے فرمایا: ''وکفی بذالك فخرا واثرا فی الاسلام'' اسلام میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ کارنامے رہتی دنیا تک فخر کے لیے کافی ہیں۔ (اسد الغابہ، ج:۵،ص:۱۷۶)

مختصر یہ کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فضائل ومناقب کا وہ درخشندہ آفتاب ہے کہ جس کی ضیا پاشیوں سے قیامت تک کے مسلمان فیضیاب ہوتے رہیں گے لیکن جب جب اس آفتاب عظمت نشان کی حقیقت وکنہ کا ادراک کرنا چاہیں گے تو اس کی درخشندگی کے سامنے ادراک کرنے والوں کی نظریں چندھیا کر رہ جائیں گی اور وہ کما حقہ ان کی عظمت کا پتہ نہ لگا سکیں گے۔

اصحاب رسول کی نظر میں: یوں تو تعلیم نبوی سے سارے مسلمانوں کے سینوں میں اپنے ہر بھائی کے لیے اخوت اسلامی کے چشمے ابلتے تھے، بغض وحسد اور کینہ وعداوت تقریباً ناپید ہو چکے تھے لیکن اس کے باوجود اصحاب رسول کی نظر میں بعض صحابۂ کرام کا مقام بہت ہی نمایاں تھا، انہیں میں سے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں، صحابہ آپ سے دل کی گہرائیوں سے محبت کرتے، آپ کی اسلامی خدمات اور دینی قربانیوں کو بڑے قدر کی نگاہ سے دیکھتے، ساتھ ہی یہ حضرات آپ کی سیرت سے بے حد متاثر تھے۔ ملاحظہ ہوں! چند نمونے:

حضرت عامر بن ربیعہ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی بھی حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ کسی کو خلیق نہیں پایا اور نہ ان سے زیادہ کم اختلاف کرنے والا انسان دیکھا۔ (طبقات ابن سعد، ج:۳،ص:۱۰۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مثل کسی کو نہ دیکھا، گویا کہ وہ جنتی اشخاص میں سے ایک تھے۔

(مشاہیر الصحابہ، ج:۱،ص:۲۷)

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں ایک بار کھانا پیش کیا گیا آپ کھانے کو دیکھ کر رونے لگے پھر فرمایا: حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا گیا اور وہ مجھ سے بہتر تھے، انہیں ایک چادر میں کفن دیا گیا وہ اتنی چھوٹی تھی کہ اگر ہم ان کے پاؤں ڈھکتے تھے تو سر کھل جاتا اور اگر سر ڈھکتے تو پاؤں کھل جاتے۔ (بخاری، کتاب المغازی باب غزوۂ احد)

صحابۂ کرام کے تاثرات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صحابۂ کرام کی نظر میں ایک خاص مقام حاصل تھا، جو انہیں خوف خدا، زہد و تقوی، خدمت دین اور محبت رسول کے اعتبار سے دیگر صحابہ سے ممتاز کرتا ہے۔

ازواج و اولاد: حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ نکاح کیا، حضرت حمنہ بنت جحش ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن ہیں۔

(الکاشف فی معرفۃ من لہ روایۃ فی الکتب الستہ، ج:۲،ص:۲۷۲، تہذیب التہذیب، ج:۷۴،ص:۱۶)

حضرت حمنہ کے بطن سے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک بیٹی پیدا ہوئی جن کا نام زینب تھا۔ (طبقات ابن سعد، ج:۳،ص:۱۰۸)

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی حضرت حمنہ شیر دل عورت تھیں۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ جنگ احد میں مریضوں کی تیمارداری کرتی تھیں اور انہیں پانی پلاتی تھیں۔ جنگ احد کے خاتمہ کے بعد جب ان سے جنگ کے شہداء کی تفصیل بیان کی گئی

https://alislami.net

تو صبر وغم کی ملی جلی کیفیت کا مجسمہ بنی رہیں۔ حضرت ابن اسحاق روایت فرماتے ہیں کہ جب حضرت حمنہ کو ان کے بھائی عبداللہ بن جحش کی شہادت کی خبر دی گئی تو ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ﴿۱۵۶﴾'' پڑھا اور دعائے مغفرت کی پھر ان کے ماموں حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کی شہادت کی خبر سنائی تو پھر آپ نے ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ﴿۱۵۶﴾'' پڑھ کر دعائے مغفرت کی پھر آپ کے شوہر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر دی گئی تو آپ بلبلا کر چیخ پڑیں، یہ دیکھ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عورت کی زندگی میں شوہر کی اہمیت اور مقام بہت بلند ہے کیوں کہ حمنہ اپنے بھائی اور ماموں کی خبر شہادت سن کر ثابت رہیں اور شوہر کی شہادت کی خبر سن کر تڑپ اٹھیں۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۵،ص:۴۴۸)

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت حمنہ سے حضرت طلحہ تیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکاح فرمایا۔ (الکاشف من لہ روایۃ فی الکتب الستۃ، ج:۲،ص:۲۷۲)

یہ تھی عظیم المرتبت صحابی رسول حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درخشندہ سیرت طیبہ جس کی سطر سطر جانی، مالی، روحانی اور جسمانی قربانی کی گواہی دے رہی ہے، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دی اور اسلام کی راہ میں ہر وہ شے داؤں پر لگا دی جس کے وہ مالک تھے اور یہ سب چشمۂ نبوت کی فیضیابی کا اثر تھا۔ ہزاروں سلام ہوں نبی آخری الزماں پر جنہوں نے ایسے ایسے ہیرے تراشے اور ہزاروں سلام ہوں صحابۂ کرام پر بالخصوص حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جنہوں نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت واتباع میں اپنی جان کا سودا کر دیا۔

ان کے مولیٰ کی ان پر کروڑوں درود
ان کے اصحاب و عترت پہ لاکھوں سلام
جس مسلماں نے دیکھا انہیں اک نظر
اس نظر کی بصارت پہ لاکھوں سلام

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

https://alislami.net

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اجمالی تعارف: اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلی اقدار اور مکارم اخلاق کے ساتھ مبعوث فرمایا، حضور کی بعثت کائنات کے انقلاب کی ضامن تھی، ظلمات کو نور، شرک کو ایمان، کفر کو ایقان، بدی کو نیکی، جہل کو علم، غضب کو حلم، عداوت کو محبت، نفرت کو الفت اور تکبر کو عجز وانکسار کے پیرائے میں ڈھلنا مقدر ہو چکا تھا، اونچ نیچ اور چھوا چھوت کے وہ جراثیم جنہوں نے عالم کو مہلک امراض میں مبتلا کر رکھا تھا، ان سے اجسام و اذہان کی پاکی کا وقت بہت قریب آ چکا تھا، اب عزت وتکریم کو محض حسب ونسب کے پیمانوں سے نہیں ناپا جا سکے گا بلکہ ''اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ط'' کا غلغلہ بلند ہونے والا ہے، اب فقط ظاہری حسن و جمال ہی دامن دل کشید کرنے کے لیے کافی نہ ہوگا بلکہ کسی نگاہ کا مرکز توجہ بننے کے لیے پہلے حسن سیرت کے جاذب نظر خزینے درکار ہوں گے۔ انقلاب ایسا انقلاب غلام جنہیں عزت ووقار کی ہوا بھی نہ لگی وہ معظم بن جائیں گے، ایسے معظم کہ شرفاء ان کی معیت کو اپنے لیے وجہ افتخار سمجھیں گے، امرائے وقت انہیں اپنا سید اور آقا کہہ کر پکاریں گے، ہاں، ہاں! یہ خیال نہیں حقیقت ہے، بیان نہیں اصلیت ہے، افسانہ نہیں واقعہ ہے۔

وہ دیکھیے مکہ کا ایک غلام جسے اس کے آقا نے مار مار کر ادھمرا کر دیا ہے، ایک شریف الخصال باوقار شخص اس کا سودا کر رہا ہے اور کئی گنے داموں پر اس کو خرید لیتا ہے، سودا کتنا عظیم ہے کہ کائنات کا سلطان خریدار سے کہتا ہے: اس سودے میں مجھے بھی اپنا شریک بنالو، خریدار نے لوجہ اللہ اس غلام کو آزاد کر دیا، اس آزادی پر اسلام کا دوسرا خلیفہ ان الفاظ میں تبصرہ کرتا ہے: ہمارے ایک آقا نے دوسرے آقا کو آزاد کیا ہے، کل کا غلام آج کا آزاد،

اب رب کے محبوب کی غلامی میں آ چکا ہے، آقا کو غلام کا حسن معنوی خوب پسند آیا، وہ نظر انتخاب میں سما گیا، اب فیض بار جود و نوال کا سلسلہ شروع ہوا تو اسلام کا نقیب اول یعنی مؤذنین کا سرخیل بنا دیا گیا، اسلام کا پہلا مؤذن بننا نصیب ہوا، فتح مکہ کے وقت شہنشاہ کونین کا ہم رکاب رہا، شاہ بطحا کے ساتھ دخول کعبہ سے سرفراز ہوا اور جب کعبہ کے چھت سے توحید و رسالت کا نعرہ بلند کرنے کا وقت آیا تو باوجودیکہ عرب کے سرآوردہ افراد صحن کعبہ میں موجود تھے، حکم اذان اسی غلام کا نصیبہ بنا پھر وہ آقا کی غلامی میں ترقی کرتا ہی چلا گیا، یہاں تک کہ نبوت کے کانوں نے اس کے قدموں کی آہٹ کو جنت میں سماعت کر لیا اور میدان محشر میں لاہوتی ترانہ گنگنانے کا موقع بھی اسی کے سپرد کر دیا۔ اللہ اللہ کیسا انقلاب کل لوگ جسے کوڑے لگاتے نہیں تھکتے تھے، آج اسے سرآنکھوں پر بٹھاتے نہیں تھکتے، یقیناً آپ جان چکے ہیں کہ ہم حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر جمیل کر رہے ہیں۔

نام ونسب: آپ کا نام بلال والد کا نام رباح اور والدہ کا نام حمامہ ہے۔

آپ کی کنیت کے سلسلے میں مؤرخین نے کئی اقوال نقل فرمائے ہیں: (۱) ابوعبداللہ (۲) ابوعبدالکریم (۳) ابوعبدالرحمن (۴) ابوعمرو۔ (استیعاب، ج:۱، ص:۸۱، اسد الغابہ، ج:۱، ص:۴۱۵)

جمال بلال کے مصنف نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے حوالے سے آپ کی کنیت ابوخازن بھی نقل فرمائی ہے۔ (جمال بلال، ص:۸۰)

اعزازات والقابات: جمال بلال کے مصنف نے کئی معتبر حوالوں سے آپ کے متعدد القاب بیان فرمائے ہیں: رجل من اهل الجنة، سابق الحبشة، الصادق، اندى صوتاً۔ یہ تمام القاب آپ کو بارگاہ رسالت سے میسر آئے، سیدنا ابوبکر صدیق کی طرف سے آپ کو خازن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت فاروق اعظم کی جانب سے سیدنا، حسنة من حسنات ابی بکر کے اعزازی القاب نصیب ہوئے۔

اسلاف امت کی طرف سے بھی آپ کو بہت سے اعزازی القاب سے نوازا گیا، ان میں سے چند یہ ہیں: مؤذن الرسول، متجرد، عبدالکریم، سید المؤذنین، صاحب العزہ،

https://alislami.net

طاہر القلب وغیرہ۔ (جمال بلال، ص:۷۹)

پیدائش: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیدائش کب ہوئی یہ بات صاف طور پر کتب سیر و تاریخ میں مذکور نہیں، ہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیدائش کے حساب سے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیدائش کا سنہ نکالنے کی کوشش کی گئی ہے وہ اس طور پر کہ کتب تاریخ میں یہ روایت کثرت کے ساتھ درج ہے "کان بلال طرب ابی بکر" حضرت بلال، حضرت ابوبکر کے ہم عمر تھے اور حضرت ابوبکر واقعۂ فیل سے تین سال بعد پیدا ہوئے، اس اعتبار سے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیدائش واقعۂ فیل کے تقریباً تین سال بعد ہوئی۔ (تاریخ دمشق، ج:۱۰، ص:۴۵۷، معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم ج۱ص:۳۷۳، تہذیب التہذیب باب من اسمہ بلال، ج:۱، ص:۵۰۳، تہذیب الکمال، ج:۴، ص:۲۹۰)

جائے پیدائش: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیدائش کہاں ہوئی؟ اس سلسلے میں کتابوں میں سراۃ، مکہ، حجاز اور حبشہ کے نام درج ہیں جس میں سراۃ کو اکثر مؤرخین نے مضبوطی کے ساتھ بیان فرمایا ہے پھر علاقہ سراۃ کہاں واقع ہے؟ اس کو لے کر علامہ ابن عساکر نے مصر اور شام کی نشان دہی فرمائی لیکن تاریخ دمشق کے محشی نے مصر والے قول کو رد کر دیا۔ محقق علی الاطلاق علامہ عبدالحق محدث دہلوی نے سراۃ سے مراد وہ علاقہ لیا جو مکہ اور یمن کے درمیان ہے۔ اس بحث کو علامہ محمد علی رضا القادری نے کافی تفصیل سے لکھا ہے لہٰذا قارئین کے اطمینان کے لیے ہم اس بحث کو نقل کر رہے ہیں، آپ تحریر فرماتے ہیں:

جائے ولادت میں اختلاف: حضرت سیدنا بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جائے ولادت کے سلسلے میں کوئی بھی قول صراحت سے منقول نہیں چنانچہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ آپ حبشہ میں پیدا ہوئے ہیں یا مکہ میں یا پھر کسی اور جگہ۔ لیکن تاریخ ابن عساکر، عمدۃ القاری، معرفۃ الصحابہ، الاستیعاب، مجمع الزوائد، المعجم الکبیر للطبرانی، الزرقانی علی المواھب، المستدرک، الاصابہ، اسد الغابۃ، مدارج النبوۃ، تھذیب التھذیب، سیر اعلام النبلاء و تاریخ الاسلام للذھبی" میں محمد بن

سعد، ابوعبداللہ بن مندہ، احمد بن عبداللہ بن عبدالرحیم، احمد بن محمد بن حسین الکلاباذی، یحییٰ بن بکیر، محمد بن عمر، محمد بن اسحاق المدائنی اور ابونعیم وغیرہم کے اقوال بکثرت منقول ہیں کہ ''کان بلال بن رباح مولی ابی بکر الصدیق من مولدی السراۃ'' اور اسدالغابہ میں ابن اثیر، السیرۃ الحلبیہ میں امام حلبی، الاستیعاب میں ابن عبدالبر اور الاصابہ میں ابن حجر یہ بھی کہتے ہیں کہ ''قیل: من مولدی مکة''۔ اسی طرح امام ذہبی ''السیر'' اور ''التاریخ'' میں یہ بھی کہتے ہیں ''یقال انه حبشی وقیل من مولدی الحجاز'' چنانچہ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جائے ولادت کے سلسلے میں چار قسم کے اقوال ہمارے سامنے ہیں: (۱) سراۃ (۲) مکہ (۳) حجاز (عرب کا ایک معروف صوبہ جس میں مکہ و مدینہ ونواح شامل ہیں اور جس کا محل وقوع سراۃ اور نجد (یعنی موجودہ الریاض) کے درمیانی علاقے پر محیط ہے) (۴) حبشہ۔

ان میں سب سے مضبوط و مشہور اور راجح قول ''سراۃ'' کا ہے، یعنی حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سراۃ میں پیدا ہوئے کیونکہ مکہ حجاز یا حبشہ میں ولادت پر مذکورہ بالا اقوال کمزور ہیں جنہیں ''قیل'' اور ''یقال'' سے بیان کیا جاتا ہے، جن کا قائل معلوم نہیں چنانچہ اس پر ان کمزور اقوال کے علاوہ کوئی ٹھوس دلیل بصورت روایت بھی نہیں۔ لہٰذا ''سراۃ'' والے قول کو ترجیح ہوگی جسے اصحاب سیر نے بھی اپناتے ہوئے ترجیحاً نقل کیا ہے پھر یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ''سراۃ'' سے کیا مراد ہے؟ تو اس حوالے سے مزید کچھ کہنے سے پہلے میں ابن عساکر کے دو نقل کردہ قول پیش کرتا چلوں چنانچہ ایک قول یوں ہے ''من مولدی السراۃ من اهل مصر'' (یعنی حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سراۃ اہل مصر کے مولدین میں سے تھے) اور دوسرا قول یوں نقل کرتے ہیں کہ ''کان من مولدی السراۃ یعنی بالشام'' (آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سراۃ یعنی شامی سراۃ کے مولدین میں سے تھے) ان دونوں قولوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ مصر کے علاقے ''سراۃ'' میں پیدا ہوئے یا پھر ملک شام کے علاقے ''سراۃ'' میں۔

رفع ابہام: لیکن حق یہ ہے کہ سراۃ (سین کے زبر کے ساتھ) یوں تو پہاڑوں وغیرہ پر مشتمل ہر بلند مقام یا وسیع وعریض میدان کو کہا جاتا ہے، اس لحاظ سے "سراۃ" نامی علاقے عرب میں صرف دو ہی نہیں تھے بلکہ ابن منظور، مرتضی زبیدی اور ابنِ سیدہ جیسے ماہرین لغت کے مطابق عرب میں سراۃ الطائف، سراۃ ثقیف، سراۃ فہم، سراۃ عدوان، سراۃ الازد، سراۃ الحرۃ، سراۃ بجیلہ، سراۃ زہران، سراۃ عنز، سراۃ حجر، سراۃ بنی قرن، سراۃ بنی شبانہ، سراۃ المعافر، سراۃ الکراع، سراۃ بنی سیف، سراۃ ختلان، سراۃ الھان، سراۃ المصانع، سراۃ قدم، سراۃ ھتوم اور سراۃ العرفہ، نیز "سراۃ" نامی علاقہ کوفہ کے نزدیک بھی موجود تھا جسے سراۃ الکوفہ کہا جاتا تھا، ان کے علاوہ آذربائیجان کے ایک علاقے کا نام بھی سراۃ ہی ہے لیکن یاد رہے کہ ان تمام علاقوں کو سراۃ کہہ کر بہت ہی کم پکارا جاتا تھا لیکن جب بھی ان پر لفظ سراۃ کا اطلاق کیا جاتا تو ساتھ ہی مقید کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی، حتی کہ اگر مصر یا شام کے سراۃ کا بھی ذکر ہوتا تو انہیں بھی مقید بالاضافت ہی کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی، جیسا کہ سابق میں مثال گزر چکی چنانچہ یہی بات قابل غور ہے کہ ہمارے مذکور الصدر اقوال میں سے زیادہ تر اقوال مطلقاً سراۃ کے ہیں جن میں مصر یا شام یا عرب کے کسی بھی دوسرے علاقے کی قید نہیں، لہٰذا لفظ سراۃ کو بغیر کسی قید کے مطلق رکھنے سے ذہن بغیر کسی تکلف کے خود بخود ہی اس طرف چلا جاتا ہے کہ یہاں سراۃ سے ایک ایسا علاقہ مراد لیا گیا ہے جو عوام میں مصر اور شام اور عرب کے دوسرے سراوات سے بھی زیادہ مشہور ومعروف تھا جسے مقید کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں سمجھی گئی بس یہی ہمارا موقف ہے۔

حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت جس سراۃ کے علاقے میں ہوئی وہ نہ تو مصر کا علاقہ تھا اور نہ ہی شام کا بلکہ وہ علاقہ اس وقت کا سب سے زیادہ مشہور ومعروف سراۃ تھا جو یمن میں واقع ہے، چنانچہ اسی کی تائید کرتے ہوئے علامہ ابن منظور لسان العرب، ج: ۸، ص: ۳۵۵ میں لکھتے ہیں کہ **وسراۃ الیمن معروفۃ** یعنی یمن کا سراۃ زیادہ مشہور و معروف ہے تو یمن کا سراۃ اپنی شہرت کی وجہ سے اول الذکر اقوال میں مطلق رکھا گیا، ورنہ

https://alislami.net

اسے مقید کر کے ذکر کیا جاتا لہٰذا اسی کی تائید وتوثیق میں سراۃ الیمن کا محل وقوع بیان کرتے ہوئے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں علامہ ابن ناصر الدین الدمشقی، جامع الآثار ج: ۵، ص: ۲۸۰۹ میں لکھتے ہیں کہ ''کان من مولدی السراۃ فیما بین الیمن والطائف'' (یعنی حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سراۃ کے مؤلدین میں سے ہیں اور سراۃ وہ علاقہ ہے جو یمن اور طائف کے درمیان آباد ہے) نیز اسی قول کو شیخ محقق علامہ عبدالحق نے مدارج النبوۃ، ج: ۲، ص: ۵۸۲ میں بیان فرمایا ہے ''وی دراصل از مؤلدین سراۃ است بفتح سین مہملہ وتخفیف را موضع است میان مکہ ویمن، یعنی حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ دراصل سراۃ کے مؤلدین میں سے تھے، سراۃ سین مہملہ کی فتحہ اور را کی تخفیف کے ساتھ ہے اور یہ جگہ مکہ اور یمن کے درمیان آباد ہے اور چوں کہ یمن کا علاقہ سمندر کے واسطے سے حکومت حبشہ کے زیر تسلط تھا اور یہ علاقہ عرب اور حبشہ کے درمیان راہ داری کے طور پر بھی استعمال ہوتا تھا، اسی لیے یمن میں عربی، حبشی اور کئی طرح کی قومیں اور قبیلے آباد تھے اور سراۃ الیمن مکہ کے جنوب مغرب کی جانب یمن اور عرب کی سرحد پر سمندر کے تقریباً کنارے پر آباد تھا جس کی وجہ سے وہاں کے رہنے والوں کو حبشہ یمن اور مکہ سے تعلق جوڑنے میں دقت نہیں تھی اور ان علاقوں میں آمد ورفت رکھنا بھی آسان تھا۔ نیز سراۃ یمن اور عرب کے درمیان حد فاصل کی حیثیت رکھتا تھا، بعض اسے یمن اور بعض عرب کا حصہ سمجھتے تھے البتہ کچھ بھی ہو یہاں مذکورہ سراۃ سے مراد ہر حال میں یمن اور عرب کی سرحد پر واقع علاقہ سراۃ ہی مراد لیا جاتا ہے اور یہی راجح ہے کہ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی سراۃ میں پیدا ہوئے تھے۔ (جمال بلال، ص: ۱۱۲)

مسکن: نصوص واشارے بتاتے ہیں کہ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ''سراۃ الیمن'' میں پیدا ہوئے جو آپ کے والد کا مسکن تھا، بچپن اور لڑکپن یہاں گزارنے کے بعد کسی (نامعلوم) وجہ سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی والدہ صاحبہ کے وطن یعنی حبشہ چلے گئے جہاں کئی سال پر محیط اپنی جوانی کا ایک بڑا حصہ گزارا پھر شاید وہیں غلام

https://alislami.net

بنا لیے گئے یا شاید وہاں سے جب کئی سالوں کے بعد یمن واپس آئے تو کسی (نا معلوم) وجہ سے حبشہ سے آئے ہوئے پورے کنبے کو زبردستی غلام بنا لیا گیا اور اس بات کی تائید ''الکامل فی التاریخ لابن الاثیر ج:۱، ص:۵۸۸، ۵۸۹'' سے بھی ہوتی ہے، جس میں یوں کہا گیا ہے کہ ''بلال بن رباح الحبشی مولی ابی بکر الصدیق وکان ابوہ من سبی الحبشة وامه حمامة سبیة ایضا وھو من مولدی السراة'' یعنی حضرت سیدنا بلال بن رباح حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں، نیز آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ حضرت حمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دونوں ہی حبشہ سے آنے والے زبردستی بنائے گئے غلاموں میں سے تھے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ''سراۃ'' کے مؤلدین میں سے تھے۔ اسی وجہ سے حضرت سیدنا بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ غلامی کی حالت میں مکہ آئے اور پورے خاندان کو عرب کے مختلف قبیلوں نے خرید لیا، چنانچہ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قبیلۂ بنو تیم کے ایک سردار عبداللہ بن جدعان نے خریدا جو بہت مالدار اور سخی تھا۔ عمدۃ القاری، فتح الباری اور السیرۃ الحلبیۃ کے مطابق اسی کی غلامی میں حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ (جمال بلال، ص:۱۱۳)

قبیلہ اور والدین: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کس قبیلے میں پیدا ہوئے؟ اس بارے میں بھی یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہم اس سلسلے میں علامہ محمد علی رضا قادری کی تحقیق کا خلاصہ پیش کررہے ہیں، تفصیل کے لیے اصل کتاب جمال بلال کی طرف رجوع کریں۔

بعض لوگوں نے آپ کو قبیلۂ بنی تیم کا فرد بتایا ہے اس قبیلے سے آپ کا تعلق صرف ولا کی حد تک قائم ہے کیونکہ یہ قبیلہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو آزاد فرمایا، لہٰذا ولا کا تعلق اس قبیلے کے ساتھ قائم تھا۔ بعض حضرات نے قبیلۂ بنو جمح میں آپ کا شمار کیا ہے، یہ قبیلہ امیہ بن خلف کا تھا لہٰذا اس قبیلے سے آپ کا تعلق غلامی کی حد تک درست ہے، جن حضرات نے آپ کو قبیلۂ بنی جمح سے شمار کرایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ علامہ ابن عساکر وغیرہ نے آپ کے تعارف میں ''کان

مولدا من مولدی بنی جمح'' الفاظ کا استعمال کیا ہے لیکن اس عبارت سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ آپ کی پیدائش بنی جمح میں ہوئی، کیوں کہ مولد کا استعمال کئی معنوں میں ہوتا ہے۔ (۱) ولادت (۲) نسبت (۳) وہ شخص جس کے ماں باپ خالص عربی نہ ہوں بلکہ وہ عربوں میں رہ کر ان کے طور طریقے اختیار کر لے (۴) وہ شخص جس کا باپ عربی ہو لیکن ماں عجمی ہو۔

علامہ محمد علی رضا اپنا نظریہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

میرے نزدیک حق یہی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبیلہ نہ ہی بنی جمح تھا اور نہ ہی بنو تیم، بلکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نسبی تعلق یمن کے کسی خاندان سے تھا لیکن یہ تعلق کس خاندان اور قبیلے سے تھا؟ افسوس کہ اس قبیلے کا حال تو دور نام تک معلوم نہیں۔

(جمال بلال، ص:۱۱۹)

والدین: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والدین کے سلسلے میں بھی ہم علامہ محمد علی رضا کی تحقیق کا قول فیصل ذکر کر رہے ہیں، حق تحقیق ملاحظہ کرنے کے لیے جمال بلال کا مطالعہ کریں۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد کا نام رباح ہے باقی حالات سے تاریخ خاموش ہے۔ رباح پیدائشی غلام نہیں تھے بلکہ انہیں بھی حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ زبردستی غلام بنایا گیا تھا، یہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ نسلاً حبشی تھے۔ (علامہ محمد علی رضا کے نزدیک راجح ترین موقف یہی ہے کہ وہ حبشی النسل نہیں تھے بلکہ یمنی تھے) حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ حبشی النسل تھیں، جن کا نام حمامہ تھا، جن کو شرف صحابیت حاصل ہے، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ماں کی وجہ سے بلال بن حمامہ بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کی والدہ دونوں ایک ساتھ دامن اسلام سے وابستہ ہوئے لہٰذا آپ بھی سابقین اولین والی جماعت میں شامل ہیں، دونوں ماں بیٹے قبیلۂ بنو جمح کی غلامی میں جکڑے ہوئے تھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دونوں کو غلامی کی بندشوں سے ہمیشہ کے لیے آزاد کرا دیا۔

(جمال بلال، ص ۱۱۷-۱۳۴ ملخصاً)

https://alislami.net

(نوٹ: علامہ محمد علی رضا کی یہ تحقیق بے سرو پیر کی باتیں نہیں بلکہ دلائل سے مزین ہے، طوالت کے خوف سے ہم نے دلائل کو ذکر نہیں کیا ہے)

حلیہ: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رنگ گہرا گندمی تھا، رخسار اندر کو دبے ہوئے تھے اور بدن دبلا اور لمبا تھا، جسم پر بال زیادہ مقدار میں تھے کچھ کالے اور کچھ سفید تھے جنہیں آپ رنگین نہیں فرماتے تھے۔ (تہذیب الکمال، ج:۴، ص:۲۹۰، سیر اعلام النبلاء، ج:۱، ص:۳۵۹، تاریخ اسلام، ج:۳، ص:۲۰۵، اسد الغابہ، ج:۱، ص:۴۱۸، انساب الاشراف، ج:۱، ص:۸۳)

آپ کی آواز بلند اور لہجہ صاف تھا۔ (فتح الباری، ج:۲، ص:۳۹۷)

ناک اور ہونٹ موٹے تھے۔ (تاریخ دمشق، ج:۴۶، ص:۳۳۶)

علامہ محمد علی رضا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رنگ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: مذکورہ بالا کتب کی روایات کے الفاظ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رنگ کے گندمی ہونے پر گواہ ہیں، مگر افسوس! کہ ہر خاص و عام کی زبانوں اور ذہنوں پر یہی بات سوار ہو چکی ہے کہ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا رنگ کالا سیاہ تھا۔ رنگ کا کالا ہونا بے شک کوئی عیب نہیں لیکن کسی کا کالا ہونا کوئی فضیلت کی بات بھی نہیں، تاریخ گواہ ہے کہ کالے رنگ سے متصف بہت سے لوگ ہوئے لیکن افسوس کہ حیرت انگیز حد تک سیاہی کی نسبت جس طرح حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے ہی خاص کر دی گئی ہے اس کی مثال نہیں، معلوم نہیں حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو کالا کہنے میں کیا لطف و ثواب مضمر و مستتر ہے۔

فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفاد و مستفاض ہے کہ محبت اندھی ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ کالا محبوب بھی خوب رنگ دکھائی پڑتا ہے لیکن کیا کمال تعجب ہے کہ ایک طرف مؤذن رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور عشق کے بے نظیر دعوے اور دوسری جانب ان کے دیگر عظیم فضائل کو چھوڑ کر محض سیاہ رنگ کا پرچار۔ معلوم نہیں کس زبان میں اتنی تاثیر تھی کہ ہر خاص و عام اپنے اپنے انداز میں کالی رنگت کے افسانے میں اسی کی پیروی کرتا چلا جا رہا ہے۔ (جمال بلال، ص:۲۶۰)

بھائی بہن: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نسبی اعتبار سے ایک بھائی اور ایک بہن تھی، بھائی کا نام خالد جبکہ بہن کا نام غفیرہ تھا۔ (اسد الغابہ، ج:۱،ص:۴۱۸)

مؤاخات: حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی مواخات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کے ساتھ قائم فرمائی؟ اس سلسلے میں بھی مؤرخین کے چند اقوال ہیں۔

(۱) مواخات حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبیدہ بن حارث بن عبد المطلب کے درمیان قائم فرمائی تھی۔

(۲) حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو رویحہ کے درمیان قائم فرمائی تھی۔

(طبقات ابن سعد، ج:۳،ص:۲۱۴)

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو رویحہ میں اس قدر محبت ہو گئی تھی کہ جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملک شام جانے لگے تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: بلال! تمہارا وظیفہ کون وصول کرے گا؟ تو آپ نے جواب دیا امیر المومنین! میرا وظیفہ ابو رویحہ حاصل کریں گے، میں انہیں کبھی نہیں چھوڑ سکتا کیونکہ ان کے اور میرے درمیان اخوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمائی تھی۔ (طبقات ابن سعد، ج:۳،ص:۲۱۴)

(۳) حضرت ابو عبیدہ بن جراح کے ساتھ قائم کی گئی۔ (الاصابہ، ج:۱،ص:۱۷۱)

(۴) مسند الفردوس میں یہ روایت بھی موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر! بلال میرا بھائی ہے اور میں اس کا بھائی ہوں اور بلال تمہارا بھائی اور آزاد کردہ ہے اور کسی بھی قوم کا آزاد کردہ انہیں میں شمار ہوتا ہے۔ (ج:۲،ص:۴۵)

اسلام لانا: ابتداءً حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ عبد اللہ بن جدعان کے غلام تھے، عبد اللہ بن جدعان سخت گیر کافر تھا جیسے ہی عبد اللہ بن جدعان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر پہنچی تو اس نے اپنے تمام غلاموں کو اسلام لے آنے کے خوف سے مکہ سے باہر بھیج دیا، یاد رہے کہ عبد اللہ بن جدعان کے پاس سو غلام تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ عبد اللہ بن جدعان کی بکریاں چراتے تھے اس لیے آپ مکہ ہی میں ٹھہرے رہے۔

وضین بن عطا کہتے ہیں کہ بلا شبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک غار میں تنہا مصروف عبادت تھے کہ اس دوران وہاں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گزر ہوا، آپ وہاں بکری چرا رہے تھے چنانچہ ایک دن اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر انور غار سے باہر نکالا اور فرمایا: اے چرواہے! کیا تھوڑا دودھ ملے گا؟ تو حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: مجھے صرف ایک بکری کا اختیار ہے اگر آپ چاہیں تو میں وہ آج آپ کو پیش کر دیتا ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لے آؤ چنانچہ وہ لے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لکڑی کا بڑا پیالہ منگوایا پھر بکری کو باندھ کر اس کا دودھ دوہا تو پیالہ بھر گیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش فرمایا یہاں تک کہ سیر ہو گئے پھر دوہا اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو پلایا پھر دوہا اور پیالہ بھر کے سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پلایا، یہاں تک کہ وہ بھی سیر ہو گئے پھر جب اس بکری کو چھوڑا تو اس کا دودھ پہلے کی طرح پھر سے بھرا ہوا ہو گیا پھر فرمایا: اے غلام! کیا تم اسلام لاؤ گے؟ چنانچہ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آئے اور اسلام قبول کیا، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنا اسلام چھپانا، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اپنی بکریاں لے کر چلے گئے، رات گزاری چونکہ ان کے دودھ کئی گنا بڑھ چکے تھے تو حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے ان کے مالکان نے پوچھا: معلوم ہوتا ہے کہ تم نے بکریاں بڑی اچھی جگہ پر چرائی ہیں چنانچہ اب یہ تمہاری ہی ذمہ داری میں ہیں پھر حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ مزید تین دن تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دودھ پلاتے رہے اور اسلام کے بارے میں سیکھتے رہے۔

جب چوتھا دن ہوا تو ابوجہل کا گزر عبداللہ بن جدعان کے گھر کے قریب سے ہوا تو وہ بولا: میں دیکھتا ہوں کہ تمہاری بکریاں یوں ہی پڑی رہتی ہیں لیکن ان کا دودھ کثیر ہوتا ہے تو گھر والے بولے کہ تین دن سے ایسا ہی ہو رہا ہے اور ہم نہیں جانتے کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو وہ بولا: تمہارا غلام کعبہ کے رب کی قسم وہ ابن ابی کبشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

https://alislami.net

رہنے کی جگہ کو جانتا ہے لہٰذا اسے وہاں بکریاں چرانے سے منع کر و تو انہوں نے منع کر دیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف لائے اور چپکے سے مروہ کے قریبی مکان میں جلوہ افروز ہو گئے اور حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اپنے اسلام پر قائم رہے، چنانچہ ایک دن حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ خانۂ کعبہ میں داخل ہوئے اس وقت قریش خانۂ کعبہ کی دوسری جانب آپ کی آمد سے بے خبر موجود تھے پھر آپ نے جھانک کر دیکھا تو کوئی بھی آپ کو نہیں دیکھ رہا تھا، آپ بتوں کے پاس آئے اور ان پر تھوکنے لگے نیز فرمانے لگے: تمہیں پوجنے والا نا کام و نامراد ہو گیا، قریش کو پتہ چل گیا انہوں نے آپ کو پکارا لیکن آپ بھاگ کر اپنے آقا عبداللہ بن جدعان کے گھر میں داخل ہو کر چھپ گئے، مشرکین وہاں پہنچے اور عبداللہ بن جدعان کو پکارنے لگے وہ نکل آیا تو انھوں نے اس سے کہا: کیا تم نے دین بدل دیا؟ وہ بولا: مجھ جیسے شخص کے بارے میں ایسی بات کہہ رہے ہو حالانکہ میں نے لات و عزیٰ کے نام پر ۱۰۰/اونٹنیاں قربان کی ہیں، تو وہ بولے تیرے حبشی غلام نے ایسا ایسا کیا ہے، یہ سن کر اس نے آپ رضی اللہ عنہ کو پکارا لوگ بھی تلاش کرنے لگے، جب مل گئے تو آپ رضی اللہ عنہ کو اس کے پاس لے آئے، وہ آپ رضی اللہ عنہ کو نہیں پہچانتا تھا تو اس نے اپنے نگراں کو بلایا پھر بولا: یہ کون ہے کیا میں نے تمہیں حکم نہ دیا تھا کہ مؤلدین میں سے کوئی بھی اس کام پر باقی نہ رہے ورنہ میں تمہیں نکال دوں گا تو وہ نگراں بولا: یہی غلام آقا کی بکریاں چراتا ہے اور بکریوں کی دیکھ بھال اس سے بہتر کوئی نہیں کر سکتا تو عبداللہ بن جدعان ابوجہل اور امیہ سے بولا: اب یہ تمہارا ہوا اس کے ساتھ جو چاہو کرو تو وہ دونوں آپ رضی اللہ عنہ کو لے کر پتھریلی زمین کی جانب نکلے، آپ رضی اللہ عنہ کو انہوں نے وہاں کی تپتی ہوئی زمین پر لٹایا پھر انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر چکی رکھ دی اور کہنے لگے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرو تو آپ رضی اللہ عنہ فرماتے: نہیں! اور آپ رضی اللہ عنہ اللہ کی وحدانیت کا نعرہ لگانے لگے، اسی دوران ابوجہل اور امیہ پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا، فرمایا: تم اس حبشی غلام سے کیا چاہتے ہو؟ اللہ کی قسم! تم اس سے کسی کے قصاص کا

مطالبہ تو نہیں کر رہے، پھر اسے بلا وجہ کیوں مار رہے ہو؟ تو امیہ بن خلف اپنے ساتھیوں سے بولا کیا میں تمہیں ابو بکر سے ایسا کھیل کھیل کر نہ دکھاؤں، جیسا کسی نے بھی نہ کھیلا ہو پھر ہنسنے لگا اور بولا: اے ابوبکر! وہ تیرے دین پر ہے اسے ہم سے خرید لو۔ فرمایا: ٹھیک ہے، بولا: مجھے اپنا غلام فسطاس دے دو، فسطاس سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا غلام تھا، پیشے سے لوہار تھا اور وہ آپ کو آدھا دینار بطور خراج دیا کرتا تھا تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: اگر میں سودا کروں تو کیا تم بھی کرو گے؟ بولا: ہاں، فرمایا: تو میں نے اسے تمہاری ملکیت میں دیا، وہ ہنسنے لگا اور بولا: نہیں، اللہ کی قسم! جب تک تم اس کی بیٹی اور بیوی بھی ساتھ میں نہ دو گے، فرمایا: اگر میں سودا کروں تو کیا تم بھی کرو گے؟ بولا: ہاں، فرمایا: تو یہ سب کچھ بھی تمہارا ہوا، وہ پھر ہنسنے لگا اور بولا: نہیں، اللہ کی قسم! جب تک تم اس سودے پر دو سو دینار مزید نہیں بڑھا لیتے، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو ایسا شخص ہے جسے جھوٹ بولتے بھی شرم نہیں آتی، وہ بولا: لات وعزیٰ کی قسم! اگر تم مجھے یہ دے دو تو میں اس بار سودا ضرور کر دوں گا چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ پیسہ بھی تیرا ہوا، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لے لیا۔

(جمال بلال، ص: ۱۸۲، تاریخ دمشق، ج: ۱۰، ص: ۴۳۶، السیرۃ الحلبیہ، ج: ۱، ص: ۴۷۹)

آپ کب اسلام لائے: جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں کلمۂ توحید بلند کیا اور مکہ دین سماوی کے نور سے جگمگا اٹھا، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سابقین اولین کی جماعت میں شامل ہو چکے تھے۔ آپ اس وقت اسلام لائے جب زمین پر معدودے چند افراد ہی کلمۂ توحید و رسالت کی چاشنی سے فیض یاب ہوئے تھے، ان میں سرفہرست حضرت ام المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم، حضرت عمار بن یاسر ان کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسماء گرامی شامل ہیں۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے بے سہارا ساتھیوں (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے اسلام لانے کی پاداش میں جو مصائب برداشت کیے وہ کسی اور نے نہیں کیے۔ مستضعفین کی اس جماعت نے ابتلاء وآزمائش کی جو راہیں طے کیں، اس کا عشر عشیر بھی کسی دوسرے کے حصے میں نہیں آیا، حضرت ابوبکر صدیق ہوں یا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما یا دیگر وہ حضرات جو مکۂ مکرمہ میں اپنا مضبوط خاندانی وجود رکھتے تھے، ان کی قوم، خاندان اور قبیلہ کسی نہ کسی مرحلے میں ان کی حمایت کرتا تھا، مصائب کی چکی میں پیسے جانے سے ایک حد تک ان کی حفاظت کرتا تھا، لیکن حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے غلام اور باندیوں کا کون سہارا تھا جو انہیں کچھ مدد فراہم کرتا۔ بس اتنا کہا جاسکتا ہے کہ کمزور بے سہارا لوگوں کی یہ جماعت تھی اور سرداران مکہ کے مظالم۔ کفار مکہ ان کو سزا دے کر دو مقصد حاصل کرنا چاہتے تھے ایک تو یہ کہ یہ غلام و باندیاں دین اسلام سے الٹے پیروں واپس آکر ان کے باطل مذہب میں شامل ہوجائیں، دوسرا مقصد یہ کہ ان کو دی جانے والی سزائیں دوسروں کے لیے نشان عبرت بن جائیں اور مکہ میں بسنے والا کوئی بھی انسان ایسی غلطی نہ کرسکے جو انہوں نے کی ہے، جس کا خمیازہ یہ جماعت بھگت رہی ہے۔

اس بات پر تمام علما متفق ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کی اس جماعت میں شامل ہیں جسے سابقین اولین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، البتہ یہ متعین کرنا بہت مشکل ہے کہ آپ کس نمبر پر ایمان لائے۔ تاریخ دمشق کی روایت میں ہے کہ جن حضرات نے سب سے پہلے اپنے اسلام کو ظاہر کیا وہ سات افراد تھے، اس روایت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام کے بعد حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام مذکور ہے۔ (ج:۲۴، ص:۲۲۱)

بعض روایات میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام چھٹے نمبر پر درج ہے، اس کے علاوہ اور بھی روایات ہیں جس سے آپ کا نمبر دوسرا معلوم ہوتا ہے لیکن نظر تحقیق میں آپ کے اسلام لانے کا نمبر متعین کرنا بہت دشوار کن معاملہ ہے کیونکہ ان روایات میں

https://alislami.net

حضرت خدیجہ کا نام ہے نہ حضرت علی کا حالانکہ یہ دونوں اولین ترین مسلمانوں میں شامل ہیں، اس قسم کی روایات کو محققین علما نے جس انداز میں جمع کیا ہے وہی مذہب و مسلک سب سے بہتر ہے۔

ابن صلاح نے کہا: سب سے بہتر ہے کہ یہ کہا جائے آزاد مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق، نوعمروں میں سب سے پہلے حضرت علی، عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ، آزاد کردہ غلاموں میں سب سے پہلے حضرت زید بن حارثہ، غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے لوگوں میں سب سے پہلے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان لائے۔ (شرح الزرقانی، ج:۱،ص:۴۵۵، تاریخ الخمیس، ج:۱،ص:۲۸۶، السیرۃ النبویہ علی ضوء القرآن و السنۃ، ج:۱،ص:۲۸۵، نہایۃ الایجاز فی سیرۃ ساکن الحجاز، ج:۱،ص:۱۰۴)

ظلم کا سلسلۂ لامتناہی: آپ پڑھ آئے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات اور آپ کے تصرفات کا دیدار کر لینے کے بعد حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہو گئے اور ہمیشہ کے لیے آپ کی غلامی میں داخل ہو گئے لیکن توہمات پرستی کے اس بھیانک دور میں کہ جہاں ہر قبیلے کا ایک الگ خدا ہو، شرک و کفر کو نئے اور انوکھے انداز میں رواج دیا جا رہا ہو، نتیجۃً پورا خطہ ضلالت کی تاریکیوں سے تاریک تر ہو رہا ہو، ہر طرف گمراہی کے بلا خیز طوفان پوری تیزی و تندی کے ساتھ چل رہے ہوں، ایسے ماحول میں شمع ایمان بغیر دقت و مشقت کے فروزاں ہو جائے یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ کلمہ پڑھتے ہی مصائب کا ایک طوفان تھا، تعذیبات و تکلیفات کا ایک ختم نہ ہونے والا سلسلہ تھا جس نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے حصار میں لے لیا، مکہ کا کوئی بڑے خاندان کا فرد ہوتا تو اس کا خاندان ممکنہ حد تک اس کو مصائب سے چھٹکارا دلاتا لیکن حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو مکہ میں ایک اجنبی سے زیادہ حیثیت کے مالک نہ تھے۔ کوئی صاحبِ دولت فرد ہوتا تو اس کی دولت کچھ حمایت کر پاتی لیکن یہاں تو حال یہ ہے کہ جب سے شعور نے آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا پایا، نہ خاندان کی حمایت،

نہ دولت کی سر پرستی، نہ احبا و اقربا کا جمگھٹ ہے جو کفر و شرک کے ٹھیکیداروں سے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حفاظت کرے، بے سہارا حضرت بلال ہیں اور تکالیف شاقہ کے مراحل، ایک غلام ہے اور زرداروں کی دست درازیاں، کمزور اور مفلوک الحال وجود ہے اور طواغیت مکہ کی ریشہ دوانیاں، اگر کوئی ساتھی مونس اور غم گسار ہے تو وہ توفیق خداوندی اور تائید ایزدی، یہی تھا اصل سرمایہ اور یہی تھی ان کی قابل فخر پونجی، اسی پونجی سے وہ ایسا سودا کر گئے کہ اب قیامت تک کوئی دوسرا تاجر ان کی مثال قائم نہیں کر سکتا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صبر کی ایسی ڈھال عطا فرمائی کہ کفار کی سخت سے سخت سزائیں بھی ان کے مزعومہ ہدف کے حصول میں ناکافی ثابت ہوئیں، کوڑوں کی بوچھار ہو یا تپتے صحرا کے ریگزار، عرب کی جھلسا دینے والی چلچلاتی دھوپ کی دوپہریاں ہوں یا سخت سزاؤں کی بے ہوشیاں، سینے پر رکھے بھاری بوجھ ہوں یا گلا باندھ کر کھینچتی اوباشوں کی فوج، کفار کا کوئی حملہ اور تدبیر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نعرۂ احد لگانے سے روک نہ سکی۔ آیئے تاریخ کے حوالوں سے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دی جانے والی کچھ سزاؤں کو دریافت کرتے ہیں:

حضرت بلال کو دی جانے والی سزائیں: حضرت ابن اسحاق اور ان کے سوا دیگر حضرات نے بیان فرمایا ہے: دوپہر کے وقت جب دھوپ کی تمازت اپنے شباب پر ہوتی تو امیہ بن خلف حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ کی سنگلاخ وادی میں لے کر جاتا، پیٹھ کے بل لٹاتا اور سینے کے اوپر ایک بھاری پتھر رکھواتا (تاکہ پہلو نہ بدل سکے) پھر دھمکی بھرے لہجے میں کہتا: اس عذاب سے امان پانے کی صرف دو صورتیں ہیں یا تو تم مر جاؤ یا پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے لات و عزیٰ کے پجاری بن جاؤ۔ اس وقت جب کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سخت عذاب میں مبتلا ہوتے جواب دیتے: میرا خدا ایک خدا ہے، میں لات و عزیٰ کی خدائی کو کبھی بھی ماننے والا نہیں۔ کبھی امیہ زیادہ غصے میں ہوتا تو گلے میں پھندا ڈال دیتا جس سے آپ کا گلا گھٹ جاتا اور آپ بے ہوش ہو جاتے پھر کچھ دیر بعد آپ کو ہوش آتا۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: میں نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا، انہیں سخت گرم پتھروں پر سزا دی جا رہی ہے، اتنے گرم پتھر کہ اگر ان پر کچا گوشت رکھ دیا جائے تو اس کی حرارت سے پک جائے، وہ اس حال میں بھی کہہ رہے تھے میں لات وعزیٰ کو اپنا معبود تسلیم نہیں کر سکتا۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: میں نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس حال میں دیکھا کہ انہیں کچھ لڑکے لمبی رسی میں باندھ کر کھینچ رہے تھے اور وہ احد احد پکار رہے تھے اور فرماتے تھے: میں لات وعزیٰ اور ہبل وغیرہ کو خدا نہیں مانتا، یہ سن کر امیہ انہیں تپتے ہوئے سنگ ریزوں پر پٹک دیتا۔

عمیر بن اسحاق فرماتے ہیں کہ جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت تکالیف دی جاتیں تو وہ احد احد فرماتے، کفار آپ سے کہتے: وہ کہو جو ہم کہہ رہے ہیں تو آپ فرماتے: میری زبان یہ نہیں کہہ سکتی۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: کفار نے مجھے ایک دن اور ایک رات تک پانی نہ دے کر پیاسا رکھا پھر مجھے پتھریلی تپتی زمین پر لا کر سزائیں دینے لگے اور یہ ایک گرم دن تھا۔

حضرت عروہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ورقہ بن نوفل حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے گزرے، جب کہ انہیں عذاب دیا جا رہا تھا اور وہ احد احد کہہ رہے تھے، یہ سن کر حضرت ورقہ نے فرمایا: اے بلال! احد احد ہی کہنا، اللہ کی قسم! وہ ایک ہی ہے۔

(سبل الہدی والرشاد، ج:۲،ص:۳۵۸)

چربی پگھلا دینے والی گرمی میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوہے کی زرہ پہنا کر لٹا دیا جاتا پھر انہیں رسی میں باندھ کر اوباشوں کے حوالے کر دیا جاتا، اس کے باوجود کفار ان سے اپنی مرضی کا ایک کلمہ بھی نہیں کہلا پاتے وہ صرف احد احد ہی کہا کرتے تھے۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:۱،ص:۳۴۸)

ابوجہل آپ کو چہرے کے بل لٹا دیتا اور پیٹھ پر چکی کا پاٹ رکھ دیتا یہاں تک کہ دھوپ میں آپ کی چربی نکل جاتی۔(اسد الغابہ، ج:۱،ص:۴۱۵)

امیہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کوڑے برساتا تھا۔(مشاہیر الصحابہ، ج:۱،ص:۷۶)

آپ کو گائے کی کھال میں لپیٹ کر گرم زمین پر لٹا دیا جاتا اوپر سے پتھر چن دیے جاتے۔(الطبقات الکبریٰ، ج:۱،ص:۲۱۳)

آپ کے چہرے پر تھپڑ مارے جاتے، نسل اور غلامی کے طعنے دیے جاتے، آپ کے ماں باپ کو گالیاں دی جاتی، بھوکا پیاسا رکھا جاتا، منہ میں گندگی ڈالی جاتی، ہاتھ پیروں میں میخ گاڑ دی جاتی، قتل کی دھمکیاں دی جاتی۔(جمال بلال، ص:۲۱۲)

آپ کس کے غلام تھے؟: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کس کے غلام تھے؟ یہ بھی ایک تفصیل طلب بحث ہے، کتب تاریخ میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مالکان کے طور پر چار نام ملتے ہیں: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امیہ بن خلف، ابوجہل اور عبداللہ بن جدعان۔

ہم تاریخ دمشق کی روایت کا خلاصہ بیان کر رہے ہیں جس سے یہ مسئلہ واضح ہو جائے گا۔حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے والے واقعے میں ہے کہ جس وقت آپ اسلام لائے اس وقت آپ عبداللہ بن جدعان کی ملکیت میں تھے، اسلام لانے کے بعد آپ نے خانہ کعبہ میں جا کر وہاں رکھے بتوں پر تھوک کر بتوں کی لاچاری و عاجزی کو جگ ظاہر کیا اور صحن کعبہ میں بتوں کی حقارت اور ذلت و رسوائی کا جوڈنکا بجایا تھا اس سے کفار قریش تلملا اٹھے تھے۔حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سزا دلانے کے لیے ابوجہل اور امیہ بن خلف دونوں عبداللہ بن جدعان کے گھر پہنچے، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کارکردگی کا پورا واقعہ دونوں نے عبداللہ بن جدعان کو سنایا، پوری بات سن کر عبداللہ بن جدعان نے اپنے غلام حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ کہتے ہوئے ابوجہل اور امیہ بن خلف کو ہبہ کر دیا ”فھو لکما اصنعابہ ما احببتما“ (میں نے اپنا غلام تمہیں ہبہ کر دیا،

https://alislami.net

اب جو تمہیں پسند ہو اس کے ساتھ کرو) دونوں نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے قبضے میں لے لیا اور مکہ کی سنگلاخ زمین پر لٹا کر ظلم وزیادتی کی ہر حد کو پار کر دیا یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہاں سے گزر ہوا اور آپ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیہ بن خلف سے خرید لیا۔ (تاریخ دمشق، ج:۱۰، ص:۴۳۷)

اس روایت سے ظاہر ہوا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابتداء عبداللہ بن جدعان کے غلام تھے پھر عبداللہ بن جدعان نے امیہ بن خلف اور ابوجہل کو اپنے غلام کا مالک بنا دیا پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیہ بن خلف سے خرید لیا۔ لیکن مذکورہ بالا روایت میں صرف امیہ بن خلف سے خریداری کا پتہ چلتا ہے، ابوجہل سے خریداری کا ذکر نہیں حالانکہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں کی ملکیت میں تھے۔ اس لیے ہم ایک دوسری روایت پیش کر رہے ہیں جس میں ابوجہل سے خریداری کا ذکر موجود ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوجہل کے پاس سے گزرے، وہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت تکلیف دے کر دین اسلام کو ترک کرنے کے لیے دباؤ ڈال رہا تھا لیکن حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ توحید کا نغمہ گنگنائے جا رہے تھے، ابوجہل نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: آپ اپنے اس بھائی کو خرید کیوں نہیں لیتے؟ دونوں میں قیمت طے ہوئی اور حضرت ابوبکر نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ابوجہل سے خرید کر فرمایا: بلال! جاؤ، اب تم اسی کے ہو رہو جس کے لیے تم اسلام لائے ہو۔ (فضائل الصحابہ لاحمد، ج:۱، ص:۱۵۵)

یہاں بعض دیگر روایات بھی ہیں جن میں یہ ذکر ہے کہ خریداری حضرت ابوبکر نے بذات خود نہیں کی تھی بلکہ کسی کو بھیج کر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خریدا تھا لیکن دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے پہلے خود حضرت ابوبکر نے ابوجہل سے قیمت وغیرہ طے کر لی اور پھر اپنی طرف سے کسی کو بھیج کر ثمن ادا کرا دیا

اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے پاس بلا کر آزاد کر دیا۔

ابوبکر کا شوق اور سودے کی عظمت: سخت سے سخت سزائیں دینے کے بعد بھی صنادید قریش حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے اپنی مرضی کا ایک حرف بھی جاری نہ کرا سکے۔ آخر کار کائنات کے غمخوار بے کسوں کے حامی و مددگار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ارشاد فرمایا: ''اگر ہمارے پاس مال ہوتا تو ہم بلال کو خرید لیتے'' غلام وفادار کو جیسے ہی اپنے آقا کی مرضی پر اطلاع ہوئی فوراً حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خریداری کی کوششیں شروع فرما دیں۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:۱،ص:۳۵۲)

حضرت ابوبکر نے امیہ بن خلف سے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سودا کر لیا، سودا کتنے اوقیہ میں ہوا، اس میں مختلف اقوال ہیں۔ (طبقات ابن سعد)

لیکن اس سودے میں خاص حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شوق ہے کہ وہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خریداری پر کتنے حریص تھے، حضرت ابوبکر کا خریداری کا اشتیاق اس حد پر آخر کیوں نہ ہوتا کیونکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کو محسوس کر لیا تھا۔ آنے والے جملوں سے اندازہ ہوگا کہ حضرت ابوبکر کسی بھی قیمت پر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خرید لینا چاہتے تھے، امیہ نے بڑے مہنگے داموں میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیچا تھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مارکیٹ سے کئی گنا زیادہ قیمت دے کر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خرید لیا، امیہ اپنی اس کامیابی پر بڑا خوش تھا اس نے اپنی چالاکی اور ہوشیاری کی ڈینگے مارتے ہوئے کہا: اے ابوبکر! اگر تم اس پر اڑ جاتے کہ میں ایک اوقیہ سے زیادہ نہیں دوں گا تو میں بلال کو ایک اوقیہ قیمت کے بدلے تمہارے ہاتھ فروخت کر دیتا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: اے امیہ! اگر تو ضد کر لیتا کہ میں بلال کو ایک سو اوقیہ سے کم قیمت پر فروخت نہیں کروں گا تو میں بلال کو سو اوقیہ دے کر بھی ضرور خرید لیتا۔ (السیرۃ الحلبیہ، ج:۱،ص:۴۸۰، تاریخ دمشق، ج:۱۰،

https://alislami.net

ص: ۴۴۳، رجال حول الرسول، ص: ۶۴، مشاہیر الصحابہ، ج: ۱، ص: ۶۷)

امیہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قدر و قیمت کیا سمجھتا؟ اس کی عقل تو کفر کی نجاستوں میں دب کر خراب ہو چکی تھی، ہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نور ایمان سے دیکھ رہے تھے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان ایمان کا وہ ہیرہ ہے جس کی چمک سے قیامت تک ضیاء پاشیاں ہوتی رہیں گی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فکر و خیال کی تائید و تصدیق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرما دی جب حضرت ابوبکر نبوی خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے بعد بارگاہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر حضور کو خوشخبری دیتے ہیں: حضور! میں نے بلال کو خرید لیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم خبر سن کر فوراً ارشاد فرماتے ہیں: ابوبکر! اس سودے میں مجھے بھی شریک کر لو۔ (سبحان اللہ کیا عظمت ہے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خریداری کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس میں خود شریک ہونا چاہتے ہیں) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غلامانہ انداز میں عرض کیا: حضور! میں بلال کو پہلے ہی آزاد کر چکا ہوں۔ (طبقات ابن سعد، ج: ۳، ص: ۲۱۳، سبل الہدیٰ والرشاد، ج: ۲، ص: ۳۵۸، تاریخ دمشق، ج: ۱۰، ص: ۴۴۲)

ابوبکر نے خرید کر آزاد کر دیا: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میری امت پر سب سے زیادہ مہربان جو شخص ہے اس کا نام ابوبکر ہے''۔ دوسری حدیث میں فرمایا: ''امت پر اس امت کے نبی کے بعد سب سے زیادہ رحم فرمانے والی ذات کا نام ابوبکر ہے۔ (الریاض النضرۃ، ج: ۱، ص: ۶۲)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف ایک حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خرید کر کفار کے مظالم سے رہائی نہیں دلائی تھی بلکہ ان کے سوا کئی مبارک و مقدس ہستیاں اور بھی ہیں جنہیں حضرت ابوبکر نے خالص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کی خاطر اپنے ذاتی مال سے خرید کر کفار کی چیرہ دستیوں سے رہائی دلائی اور ہمیشہ کے لیے انہیں آزاد کر دیا۔

پیر کرم شاہ الازہری کے الفاظ میں ”وہی رحم دل اور کریم النفس جو اپنے غریب مسلمان بھائی بہنوں کو ان کے ظالم آقاؤں کی جور وستم کی چکی میں پستے دیکھ کر بے تاب ہو جاتا اپنی جیب سے قیمت ادا کر کے ان کو خریدتا پھر انہیں رضائے الٰہی کے لیے آزاد کر دیتا“۔(مقالات،ص:۴۹۲)

ان کے آزاد کردہ غلاموں میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲) حضرت ابوفکیہہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۳) حضرت لبیبہ جاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (۴) حضرت زنیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (۵) حضرت نہدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (۶) حضرت ام عبیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا (۷) حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔(الکامل فی التاریخ ذکر تعذیب المستضعفین، ج:۱،ص:۲۶۰)

ہجرت: کفار مکہ نے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا، اللہ تعالیٰ کے محبوب، حضور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غلاموں کو صبر وشکر کی تلقین فرماتے رہے، آخر اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو مکہ سے مدینۂ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔ مسلمانوں نے اپنے کاروبار، زمین جائیداد، مال ومنال بلکہ اہل وعیال تک کو چھوڑ کر خالی ہاتھ ایمان کی حفاظت کے ساتھ مکہ سے نکل جانے ہی کو غنیمت جانا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس طرح اسلام لانے والوں میں سابقین اولین میں شامل ہیں اسی طرح ان کا نام مہاجرین اولین کی جماعت میں شامل ہے۔ سب سے پہلے کس صحابی نے ہجرت فرمائی؟ یہ مسئلہ علما کے درمیان مختلف فیہ ہے، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تذکرے میں اس سلسلے میں ہم نے قدرے تفصیل سے لکھا ہے، یہاں ہم صرف بخاری شریف کی ایک حدیث پاک پر اکتفاء کر رہے ہیں۔ حضرت امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمارے (اہل مدینہ کے) پاس سب سے پہلے (ہجرت کر کے) حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت ابن ام مکتوم

https://alislami.net

رضی اللہ تعالیٰ عنہما تشریف لائے اور دونوں حضرات اہل مدینہ کو پڑھایا کرتے تھے، اس کے بعد جلد ہی حضرت بلال، حضرت سعد، حضرت عمار بن یاسر تشریف لائے پھر بیس لوگوں کے ساتھ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تشریف لائے۔ (بخاری، کتاب المناقب باب مقدم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المدینہ)

اس حدیث پاک سے واضح طور پر معلوم ہوجاتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہجرت کرنے میں بہت سارے صحابۂ کرام پر تقدم حاصل ہے۔ اس مقام پر علامہ بدرالدین عینی علیہ الرحمہ نے ایک اعتراض اوراس کا جواب نقل فرمایا ہے، لکھتے ہیں:

موسیٰ بن عقبہ نے اس بات پر جزم کیا ہے کہ مہاجرین میں ابوسلمہ بن عبدالاسد ہجرت کرنے میں مطلقاً تمام صحابۂ کرام پر مقدم ہیں جبکہ یہاں حدیث بخاری میں مذکور ہے کہ حضرت مصعب بن عمیر نے سب سے پہلے ہجرت فرمائی۔ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دونوں حدیثوں کواس طور پر جمع کیا جائے گا کہ حضرت ابوسلمہ مشرکین کے شر سے بچنے کے لیے مکہ شریف سے نکلے تھے، مدینۂ طیبہ میں اقامت کے ارادے سے نہیں نکلے تھے جب کہ حضرت مصعب بن عمیر نے مکہ شریف کو مدینۂ طیبہ میں اقامت کی غرض سے چھوڑا تھا تاکہ وہ مدینۂ طیبہ میں مسلمانوں کو دینی تعلیم دے سکیں، لہٰذا ان دونوں میں سے ہر ایک کو اولیت حاصل ہے لیکن اس کی جہتیں الگ الگ ہیں۔ (عمدۃ القاری، کتاب المناقب باب مقدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینہ)

مدینہ میں قیام گاہ: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت کر کے مدینۂ طیبہ پہنچے تو حضرت سعد بن خیثمہ کے دولت سرائے میں فروکش ہوئے، اسی مکان میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عامر بن فہیرہ بھی قیام پزیر تھے۔ (سمط النجوم العوالی فی انباء الاوائل والتوالی، ج:۱، ص:۲۳۹، طبقات ابن سعد، ج:۳، ص:۲۱۴، صور من حیاۃ الصحابۃ، ص:۳۱۷)

مدینۂ طیبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے صحت و برکت سے پہلے بیماریوں کا گھر تھا لہٰذا یہاں کی آب و ہوا مہاجرین کوراس نہیں آئی اور کئی صحابۂ کرام سخت بخار میں مبتلا ہوگئے،

https://alislami.net

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی سخت بیمار ہوئے اس وقت آپ کو مکۂ مکرمہ کی یاد بڑی شدت سے آتی اور بہت تڑپاتی، اپنا وطن آخر اپنا وطن ہوتا ہے، جہاں عہد طفولیت، بچپن اور جوانی کی نہ جانے کتنی یادیں انسان کے دل و دماغ میں ہمیشہ تازہ رہتی ہیں، یادوں کی یہ تازگی محض یادوں کے مجموعے میں اضافہ نہیں کرتی بلکہ بے قرار کو قرار، مضطرب کو مطمئن، تنگ دل کو خوش دل اور غمگین کو شگفتہ دل اور خوش وخرم بناتی ہے۔ بیماریوں کے حزن اور مہجوریوں کے رنج نے جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر غلبہ کیا تو اپنے شیریں اور دلربا لہجے میں مکہ کے بیابان اور بطحاء کے مغیلان کو یاد کر کے اپنی مترنم آواز میں اشعار گنگنانے لگے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درد کو بخاری شریف کی حدیث کے ذریعے محسوس کیجئے، امام بخاری ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تو حضرت ابوبکر اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بخار آ گیا اور حضرت ابوبکر کو جب بخار چڑھا تو وہ یہ شعر پڑھ رہے تھے:

كل امرئ مصبح فى اهله
والموت ادنى من شراك نعله

ہر شخص اپنے گھر میں صبح کو ہوتا ہے اور موت اس کی جوتی کے تسمے سے زیادہ نزدیک ہوتی ہے۔

اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جب بخار اتر جاتا تو وہ بلند آواز سے رو رو کر یہ اشعار پڑھتے تھے:

الا ليت شعرى هل ابيتن ليلة
بواد وحولى اذخر و جليل
وهل اردن يوما مياه مجنة
وهل يبدون لى شامة و طفيل

سنو! کاش میں پھر اس وادی میں ایک رات رہوں اور میرے گرد اذخر اور جلیل گھاس ہو اور کیا میں پھر کسی دن مجنہ کے پانی پر پہنچوں گا اور کیا پھر میرے لیے شامہ اور طفیل پہاڑ ظاہر ہوں گے۔

اور انہوں نے دعا کی: اے اللہ! شیبہ بن ربیعہ اور عتبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف پر لعنت فرما، جس طرح انہوں نے ہمیں اپنے وطن سے دارالوباء کی طرف نکال دیا ہے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی: اے اللہ! ہمارے نزدیک مدینہ کو اس طرح محبوب بنا دے جس طرح ہمیں مکہ محبوب ہے یا اس سے بھی زیادہ، اے اللہ! ہمارے صاع (چار کلو کا پیمانہ) میں اور ہمارے مد (دو کلو کا پیمانہ) میں برکت دے اور مدینہ کی ہوا کو صحت آفریں بنا دے اور اس کے بخار کو الجحفہ کی طرف منتقل کر دے، حضرت عائشہ نے بیان کیا: جب ہم مدینہ میں آئے تھے تو وہ اللہ کی زمین میں سب سے زیادہ وبا والی تھی اور مدینہ میں بطحان نام کا ایک نالہ تھا، جس میں تھوڑا تھوڑا پانی بہتا تھا اور وہ بھی بدمزہ اور بدبودار تھا۔ (بخاری، کتاب فضائل المدینۃ، باب کراہیۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان تعری المدینۃ)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب حجاب کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ (سمط النجوم العوالی، ج:۱ص ۲۳۹)

اس حدیث پاک کی شرح کرتے ہوئے علامہ غلام رسول سعیدی علیہ الرحمہ علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ھ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

حضرت ابوبکر اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جو بخار چڑھا اور انہوں نے اس موقع پر جو اشعار پڑھے، اس کے متعلق بعض علما نے یہ کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کرائی اور آپ کے اصحاب کو وطن کے فراق میں اور ان امراض میں مبتلا کیا جو ان کو طبعی طور پر ناپسند تھے تو ان میں سے ہر ایک نے وہی کہا جو اس کے یقین اور مستقبل کے متعلق اس کے علم کا تقاضا تھا، حضرت ابوبکر نے بخار چڑھتے وقت اپنی صبح اور شام کی کیفیات کا ذکر کیا اور انہوں نے یہ سمجھا کہ ہر انسان کی یہی کیفیت ہوتی

https://alislami.net

ہے، اس لیے انہوں نے کہا: ہر انسان صبح کو اپنے اہل میں ہوتا ہے اور موت اس کے قریب ہوتی ہے یعنی صبح اور شام وہ آفات اور مصائب میں گھرا ہوا ہوتا ہے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ تمنا کی کہ وہ اپنے وطن مکہ لوٹ جائیں جہاں وہ ہمیشہ صحت مند رہتے تھے۔ اس سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے کہ انہوں نے فرمایا: یہ دنیا بہت جلد فنا ہونے والی ہے اور موت ان کی جوتی کے تسمہ سے زیادہ ان کے قریب ہے۔ (نعمۃ الباری، ج:۴، ص:۹۴۹ ۳)

ڈاکٹر عبدالرحمٰن رافت پاشا کہتے ہیں کہ کوئی تعجب نہیں، جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دل مکہ اور اس کی وادیوں، وہاں کے پہاڑ اور ان کی گھاٹیوں کی سیر کرتا ہو تو ان کو حلاوت ایمانی کی تازہ مٹھاس محسوس ہوتی ہو، خدائے تعالیٰ کی رضا جوئی میں جو سختیاں انہوں نے جھیلیں وہ انہیں خوش ذائقہ لگنے لگتی ہوں کیونکہ مکہ ہی وہ جگہ تھی جہاں انہوں نے اپنے نفس اور شیطان دونوں کو شکست دی تھی۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ، ص:۳۱۸)

حضرت بلال کا صحابہ کو نماز کے لیے بلانا: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکۂ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینۂ طیبہ سے چند کلومیٹر پہلے مقام قبا میں تشریف فرما ہوئے اور یہاں آپ نے اس مسجد کی بنیاد رکھی جس کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا گیا "لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى" بے شک وہ مسجد کہ پہلے ہی دن سے جس کی بنیاد پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے۔ (سورۂ توبہ، آیت:۱۰۸)

اس مسجد کو ہماری تاریخ کی پہلی مسجد ہونے کا شرف حاصل ہے، قبا ایک چھوٹی بستی تھی اس لیے یہاں صحابۂ کرام جماعت میں آسانی سے شریک ہو جایا کرتے تھے، لیکن جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینۂ طیبہ میں تشریف فرما ہو گئے تو نمازی زیادہ ہو گئے اور رقبہ وسیع لہٰذا شہر کی گلی کوچوں اور بازاروں تک قیام جماعت کی اطلاع پہنچانے کی ضرورت پیش آئی چنانچہ رب کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جانثاروں سے مشورہ طلب فرمایا کہ وہ کیا طریقہ ہوگا؟ جس کے ذریعے مسلمان نماز کے لیے ایک ساتھ ایک وقت پر جمع ہو جائیں،

https://alislami.net

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق صحابۂ کرام نے اپنے اپنے مشورے پیش کیے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: مدینۂ طیبہ میں آنے کے بعد مسلمان نماز کے وقت جمع ہوکر نماز پڑھ لیتے، اس وقت کوئی شخص اذان نہیں دیتا تھا، ایک دن صحابہ نے اس مسئلے میں گفتگو کی، بعض نے کہا: عیسائیوں کی طرح ناقوس بنالو، بعض نے کہا: یہودیوں کی طرح سینگھ بنالو، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ایک آدمی کو کیوں مقرر نہیں کر دیتے؟ جو نماز کے وقت لوگوں کو آواز دے کر بلائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بلال! اٹھو اور لوگوں کو نماز کے لیے بلاؤ۔ (مسلم، کتاب الصلاۃ باب بدء الاذان)

خیال رہے یہاں حدیث پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا: ''یا بلال قم فناد بالصلاۃ'' اے بلال! اٹھو اور لوگوں کو نماز کے لیے بلاؤ، اس سے مراد موجودہ معروف اذان نہیں تھی بلکہ نماز کی دعوت اور ندا مقصود تھی۔ حضرت ملا علی قاری لکھتے ہیں:

حضور کے حکم کا مطلب تھا کہ وہ لوگوں کو ''الصلاۃ جامعۃ'' کہہ کر بلائیں، کیونکہ ایک مرسل حدیث میں ہے کہ اذان مشروع ہونے سے پہلے حضرت بلال ''الصلوۃ جامعۃ'' کہہ کر لوگوں کو نماز کے لیے آواز لگایا کرتے تھے۔ (مرقاۃ المفاتیح، ج:۲، ص:۵۵۳)

بلند نصیبہ: یہ کتنے بڑے نصیبے کی بات ہے کہ ابھی اذان مشروع نہیں ہوئی لیکن جب نمازیوں کو وہ بھی حضور کے اصحاب کو نماز کے لیے اکٹھا کرنے اور جماعت کے لیے بلانے کی بات آئی تو یہ خدمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سپرد کر دی۔ فرمان رب ہے: ''وَمَنۡ اَحۡسَنُ قَوۡلًا مِّمَّنۡ دَعَاۤ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ''۔ اس سے زیادہ کس کی بات اچھی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے نیکی کرے اور کہے میں مسلمان ہوں۔ (سورۂ حٰم سجدہ، آیت:۳۳)

اس آیت میں مذکور تمام صفات حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اندر موجود ہیں، پھر جب اذان مشروع ہوئی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کو اسلام کا مؤذن اول بنادیا۔

https://alislami.net

''ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ''

اذان مسلمان کی پہچان: علامہ غلام رسول سعیدی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں: اذان ہجرت کے پہلے سال شروع ہوئی اور یہ امت محمدیہ کی خصوصیت ہے، اذان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی تعظیم وتکریم، کلمہ شہادت اور شعائر اسلام کا اظہار ہوتا ہے، اذان دین اسلام کا خلاصہ ہے، اس میں مؤذن

''اللہ اکبر'' کہہ کر اللہ کی الوہیت اور استحقاق عبادت کا اعتراف کرتا ہے۔

''اشھد ان لا الہ الا اللہ'' کہہ کر اللہ تعالیٰ کی توحید کی شہادت دیتا ہے۔

''اشھد ان محمدا رسول اللہ''۔ کہہ کر سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت دیتا ہے۔

''حی علی الصلاۃ'' کہہ کر احکام کے مکلف ہونے کا اعتراف کرتا ہے۔

''حی علی الفلاح'' کہہ کر آخرت پر ایمان کا اظہار کرتا ہے۔

اذان کے ذریعے مسلمانوں کو نماز پڑھنے کی دعوت دی جاتی ہے، پھر اس دعوت کے بعد جو مسلمان اپنے گھروں، کارخانوں اور دکانوں سے اٹھ کر نماز کے لیے چل دیتے ہیں، وہ اپنے اس عمل سے ظاہر کر دیتے ہیں کہ وہ واقعی اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار بندے ہیں اور جو اذان سن کر نماز پڑھنے نہیں جاتے وہ اپنی بے عملی سے ظاہر کر دیتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے غافل اور بے پرواہ ہیں، اسی طرح اذان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار اور غیر اطاعت گزار بندوں کے درمیان فرق ہو جاتا ہے۔

اگر اذان کے سبب نماز کا ایک وقت متعین نہ ہوتا اور ہر شخص کو آزادی ہوتی کہ جس وقت چاہے نماز پڑھے اور جس وقت چاہے نماز نہ پڑھے تو مسلم معاشرے میں اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار اور غیر فرمانبردار افراد کے درمیان فرق نہ ہوسکتا اور معاشرے کے نااہل افراد کی اصلاح کا کوئی ذریعہ میسر نہ ہوتا۔ ایک مسلمان گفتگو میں، خرید وفروخت میں، دفتر، کارخانے یا گھر کے کاموں میں مشغول اور منہمک ہو اور جیسے ہی اذان کی آواز آئے اور وہ

سب کچھ چھوڑ کر خاموشی سے آواز سننے لگے تو اس کا یہ عمل ظاہر کرے گا کہ واقعی وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے اور ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کے نام کی تعظیم کو ترجیح دیتا ہے۔ جو لوگ قومی ترانے کو تعظیم سے سننے پر زور دیتے ہیں آخر وہ پانچ نمازوں کی اذانوں کی تعظیم کیوں نہیں کرتے اور انہیں غور سے کیوں نہیں سنتے ؟ اللہ تعالیٰ سے رحمت اور مغفرت کے حصول کا ذریعہ نماز ہے اور اس کا پیش خیمہ اور مقدمہ اذان ہے، اسی وجہ سے بعض علما نے تصریح کی ہے کہ مصائب کو دور کرنے کے لیے اذان دینی چاہیے۔ (شرح صحیح مسلم، ج:۱،ص:۱۰۷۰،۱۰۷۱)

اسلام کی پہلی اذان: علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

ماقبل میں مذکور حدیث سے معلوم ہوا کہ اہم امور میں باہمی مشورہ کرنا چاہیے اور یہ کہ صحابۂ کرام اسلام کی روح اور اس کے تقاضوں سے باخبر تھے وہ سمجھتے تھے کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے، اس لیے اس کے ارکان کی ادائیگی کے لیے ایک مربوط نظام ہونا چاہیے لہٰذا نمازوں کی ادائیگی کے لیے بھی ایک وقت مقرر ہو اور سب مسلمان اس وقت میں نماز ادا کریں تاکہ امت ایک وقت پر مجتمع ہو اور وحدت ملی قائم رہے، اس سبب سے تعین وقت کی علامت پر انہوں نے باہم غور وفکر اور مشورہ کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں اور عیسائیوں کے طریقہ کو ناپسند فرمایا کیوں کہ اسلام اپنے لیے ایک مستقل نظام کا متقاضی ہے، اسلام کسی اور مذہب کا تابع نہیں بلکہ تمام مذاہب کا ناسخ اور مستقل دین ہے، جس طرح عبادات میں اسلام کسی کا تابع نہیں بلکہ سب سے منفرد اور ممتاز دین ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان اپنے تمدن اور معاشرت تہذیب اور ثقافت میں بھی منفرد اور یگانہ ہوں اور کسی قوم کی ثقافتی اقدار کی پیروی نہ کریں، خصوصاً یہودیوں اور عیسائیوں کی تہذیب اور ثقافت سے اپنے آپ کو بالکل الگ رکھیں۔ حضرت عمر نے جو کہا: نماز کے وقت لوگوں کو آواز دے کر بلایا جائے، یہ اذان کی معروف صورت نہیں تھی اس سے محض دعوت اور ندا مقصود تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس رائے کو پسند کرلیا، اس میں ان کی فراست اور صحت رائے کی دلیل ہے، اس واقعے کے بعد حضرت عبداللہ بن زید

https://alislami.net

نے خواب میں ایک فرشتہ کو اذان کے کلمات کہتے سنا۔ امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن زید کہتے ہیں کہ ایک صبح ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے اپنا خواب بیان کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم بلال کے ساتھ کھڑے ہو کر ان کو خواب میں سنے ہوئے کلمات بتلاؤ اور پھر یہ ان کلمات کے ساتھ اذان دیں کیونکہ ان کی آواز تم سے زیادہ بلند ہے۔ جب حضرت عمر نے اذان کی آواز سنی تو وہ دوڑتے ہوئے آئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے، میں نے بھی خواب میں یہ کلمات سنے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اور وہی لائق ستائش ہے۔

اذان کی مشروعیت کا مدار حضرت عبداللہ بن زید یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے خواب پر نہیں ہے کیونکہ اصحاب کے خواب وحی نہیں ہیں اور نہ وہ شارع ہیں، اذان کی مشروعیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم سے ہوئی ہے جو آپ نے حضرت عبداللہ بن زید کو دیا جس میں فرمایا کہ ''یہ کلمات بلال کو سکھاؤ تاکہ وہ اذان دیں'' اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم نہ دیتے تو ہزار صحابۂ کرام بھی ان کلمات کو خواب میں سن لیتے تب بھی اذان ان خوابوں سے مشروع نہ ہوتی۔ (شرح صحیح مسلم، ج:۱،ص:۱۰۷۵،۱۰۷۶)

حضرت بلال اسلام کے پہلے مؤذن: ڈاکٹر عبدالرحمٰن رافت پاشا لکھتے ہیں: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینۂ طیبہ کو اپنا مستقر بنا چکے تھے، قریش کی شدائد اور مکہ میں ان پر نازل ہونے والے مصائب سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں نجات بخش دی تھی، اب وہ ہر مصروفیت سے فارغ ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہو کر رہ گئے تھے، سفر و حضر میں وہ حضور کے ساتھ رہتے، صبح ہو یا شام، دوپہر ہو یا وقت کی کوئی اور آن، وہ ہر دم حضور کے مصاحب و ملازم تھے۔ صرف مدینۂ طیبہ ہی نہیں سفری مہمات ہوں یا حضور کے غزوات، ہر دم وہ حضور کے ساتھ سائے کی طرح چلا کرتے تھے، اس صحبت وخدمت کو حضور صلی

اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی کی تعمیر سے فارغ ہو گئے اور جب وقت اذان آیا تو شہنشاہ کونین نے انہیں نہ صرف یہ کہ مسجد رسول کا پہلا مؤذن بنا دیا بلکہ انہیں تاریخ اسلام کا پہلا مؤذن ہونے کا منصب عطا فرمایا۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ، ص:۳۱۸)

حضرت بلال دررسول پر کھڑے ہو کر یا رسول اللہ کہتے: امام ابن سعد تحریر فرماتے ہیں: جس شخص نے سب سے پہلے اذان پڑھی اس کا نام حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے، جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذان سے فارغ ہو جاتے تو اس ارادے سے کہ حضور کی بارگاہ میں عرض کر دیں کہ وہ اپنی اذان دینے کی ڈیوٹی پوری کر چکے ہیں، حضور کی چوکھٹ پر کھڑے ہو جاتے (اور کمال ادب سے) عرض کرتے ہیں ''حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح، الصلاۃ یا رسول اللہ'' (پھر جا کر اقامت کی جگہ کھڑے ہو جاتے) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درِ دولت سے باہر تشریف لاتے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور کا دیدار کر لیتے پھر اقامت کہنے کی ابتدا کرتے۔ (طبقات ابن سعد، ج:۳، ص:۲۱۵)

جھوٹی روایات: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یاران نکتہ داں نے کئی من گھڑت اور موضوع روایات پہلے گڑھیں پھر ان کو بڑی چابک دستی سے عوام میں پھیلایا، ماضی قریب میں حدیث کی روایت و درایت سے ناواقف لفاظ ولسان حضرات خاص کر قوال پارٹی نے ان روایات کو خوب رواج دیا، یہاں تک کہ یہ جھوٹی روایات حقیقت ثانیہ کی صورت اختیار کر گئیں، بھلا ہو علمائے ربانیین کا کہ انہوں نے طاقت بھر اس جھوٹ کا پردہ فاش کیا اور عوام تک حق پہنچانے کی کامیاب کوشش فرمائی۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں مشہور کیا گیا کہ آپ کی زبان میں لکنت تھی جس کی وجہ سے آپ شین ادا نہیں کر پاتے تھے اور شین کو سین پڑھا کرتے تھے، اس ضمن میں ایک واقعہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ بعض یہودیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو طعنہ دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا مؤذن رکھا ہے جسے سین اور شین کی بھی تمیز نہیں، اس پر (معاذ اللہ) حضور صلی

اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان دینے سے روک دیا، کسی دوسرے صحابی نے فجر کی اذان دی لیکن اس دن صبح ہی نہیں ہوئی، صحابہ سوسو کر تھک گئے بعض صحابہ نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا: حضور! آج صبح ہو ہی نہیں رہی ہے، تب حضور کی بارگاہ میں حضرت جبریل امین علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا: حضور! آپ کا رب فرماتا ہے: جب تک بلال اذان نہ دیں گے اس وقت تک صبح نہیں ہوگی اور یہ کہ ہمارے نزدیک بلال کا سین شین ہے۔(العیاذ باللہ)

حضرت بلال فصیح ترین لوگوں میں ہیں: مذکورہ واقعہ غلط، موضوع اور من گھڑت ہے، حقیقت یہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار دنیا کے فصیح ترین لوگوں میں ہوتا ہے۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: ''كان من افصح الناس'' حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ فصیح ترین لوگوں میں شامل ہیں، معاملہ یہ نہیں جو بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سین شین شمار کی جاتی تھی یہاں تک کہ بعض لوگوں نے جو حدیث بیان کی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سین اللہ کے نزدیک شین قبول ہوتی ہے، اس حدیث کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی اصل ثابت نہیں۔ (السیرۃ النبویہ لابن کثیر ج: ۴، ص: ۶۵۷، سبل الہدیٰ والرشاد ج: ۱۱، ص: ۴۱۵، البدایہ والنہایہ ج: ۸، ص: ۳۰۵)

''سين بلال عند الله شين'' اس جملے کو احادیث موضوعہ میں شمار کرنے والے علما کی لمبی فہرست ہے، ہم ان سب کے حوالے دے کر بات کو لمبا کرنا نہیں چاہتے۔

حضرت بلال کے فصیح ہونے کے دلائل: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فصیح اللسان ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ انہیں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان دینے پر مامور فرمایا تھا، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فصحائے عرب کے درمیان اذان جیسی اہم ذمہ داری ایک ایسے شخص کو عطا فرمادیں کہ جو شین بھی ادا نہ کر پاتا ہو؟ اذان کی ابتداوالی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ

بن زید سے فرمایا: ''قم مع بلال فانہ اندی وامد صوتا منك'' تم بلال کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور انہیں اذان کے کلمات بتاتے جاؤ (تم بتاؤ گے اور حضرت بلال پڑھتے جائیں گے) کیونکہ ان کی آواز تم سے اچھی اور بلند ہے۔ ہم اس عنوان کا اختتام حضرت علامہ محمد رضا علی قادری کی تحریر پر کررہے ہیں:

حدیث میں بیان شدہ اس واقعے سے ثابت ہوا کہ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ فصیح اللسان تھے، ورنہ شرع شریف میں مؤذن کا بلند آواز والا ہونا اتنا اہم نہیں جتنا مؤذن کا فصیح ہونا اہم ہے لہٰذا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صرف اس لیے اذان دینے کا حکم یا اجازت نہیں دی کہ ان کی آواز اتنی بلند نہ تھی تو بھلا ہم یہ کیسے مان لیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان پڑھنے کا حکم دے دیں، جو ''اشھد'' کو ''اسھد'' سے بدل کر پڑھتے ہوں؟ لہٰذا حق یہی ہے کہ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ فصیح اللسان تھے، ان کی زبان ایسی کسی بھی طرح کی خرابی سے بالکل پاک تھی۔

حدیث میں موجود لفظ اندی کی لغوی تحقیق: لغت کی عام وخاص ہر طرح کی کتاب میں اس لفظ کو اچھی اور بلند آواز والے کے معنی میں لیا گیا ہے اور یہ اس کا عام استعمال ہونے والا معنیٰ ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ تاج العروس اور لسان العرب ج: ۸، ص نمبر: ۷۴۰ میں لفظ ندی کا معنیٰ ظاہر کرنا بھی کیا گیا ہے، جس کی رو سے اسم تفضیل اندیٰ کا معنیٰ سب سے زیادہ ظاہر کرنے والا ہوگا، چنانچہ لفظ اندی میں مؤخر الذکر معنی کی گنجائش بدرجۂ اتم موجود ہے، اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے لفظ اندی کا استعمال فرمانا اس کا واضح ثبوت ہے کہ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ زیادہ اچھی اور بلند آواز والے تھے اور الفاظ کو خوب ظاہر کر کے پڑھنے والے بھی تھے، جو کہ اظہار فصاحت کو مستلزم ہے لہٰذا دوسرے لفظوں میں اگر یوں کہہ دیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں حضرت سیدنا بلال

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فصیح اللسان قرار دیا ہے تو یہ معناً بالکل درست ہے۔

سیدنا بلال فصیح اللسان تھے: (۱) چنانچہ لفظ اندی کو فصاحت کے معنی میں مراد لینے کی تائید خود علامہ سخاوی نے بھی اپنی کتاب المقاصد الحسنہ ص نمبر: ۲۵۵ میں اپنے الفاظ میں یوں کی ہے کہ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فصیح اللسانی اور حسن الصوت کو اکثر اہل علم حضرات نے بیان کیا ہے اور بذات خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اذان کا خواب دیکھنے والے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یوں فرمایا ہے کہ یہ الفاظ بلال کو سکھا دو کیوں کہ وہ تم سے زیادہ ظاہر الصوت ہے۔ (علامہ سخاوی فرماتے ہیں) چنانچہ اگر سیدنا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان مبارک میں توتلا پن ہوتا تو اس بات کو کثیر تعداد میں اہل علم نقل کرتے، لثاغت (توتلی) والی بات تو ان منافقوں اور گمراہ لوگوں کے منہ سے نکلی ہوئی ہے جو اہل اسلام کی شان میں خرابی پیدا کرنے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں، ہم اللہ تعالیٰ سے بھلائی کی توفیق کے ہی طلبگار ہیں۔

(۲) اسی کے ساتھ ہم علامہ حافظ ابن کثیر کے البدایہ والنہایہ المعروف تاریخ ابن کثیر ج:۵،ص:۱۳۹ میں ذکر کردہ وہ الفاظ بھی بطور دلیل پیش کر دیتے ہیں جس میں واضح طور پر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فصیح ہونے کا ذکر ہے، آپ لکھتے ہیں: جب مدینہ میں اذان شروع ہوئی تو حضرت سیدنا بلال اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہی تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اذان دیا کرتے تھے، چنانچہ کبھی اذان یہ دیتے تھے اور کبھی یہ، اور حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حسین الصوت اور فصیح اللسان تھے۔

(۳) نیز علامہ صالحی دمشقی نے سبل الھدیٰ والرشاد ج:۱۱،ص:۴۱۵ میں ماقبل سے بھی واضح عبارت میں بصیغہ تفضیل حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فصاحت کا ذکر کیا ہے، آپ فرماتے ہیں: حضرت سیدنا بلال بن رباح حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہیں ابن حمامہ بھی کہا جاتا ہے، حضرت حمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ہیں، علامہ الحافظ، علامہ مزی، علامہ ابن کثیر اور ان کے علاوہ دوسرے علما بھی فرماتے ہیں

https://alislami.net

کہ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب لوگوں سے زیادہ فصیح تھے نہ کہ اس طرح جیسا لوگ ان کے بارے میں گمان کرتے ہیں کہ ان کی سین بھی شین ہی ہے حتیٰ کہ وہی بعض لوگ اس بارے میں ایک بے اصل حدیث بھی روایت کر دیتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بلال کی سین بھی اللہ کے نزدیک شین ہے''۔

(۴) علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی اپنی کتاب کشف الخفاء ومزیل الالباس کی ج:۱،ص:۱۱۴ رقم: ۱۵۱۸ میں فرماتے ہیں: حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فصیح اللسانی اور حسن الصوت کو اکثر اہل علم حضرات نے بیان کیا ہے اور بذات خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اذان کا خواب دیکھنے والے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یوں فرمایا کہ یہ الفاظ بلال کو سکھا دو کیونکہ وہ تم سے زیادہ ظاہر الصوت ہیں، چنانچہ اگر حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان مبارک میں توتلا پن ہوتا تو ایسی بات کو کثیر تعداد میں اہل علم نقل ضرور کرتے، لثاغت والی بات تو ان منافقوں اور گمراہ لوگوں کے منہ سے نکلی ہوئی ہے جو اہل اسلام کی شان میں خرابی پیدا کرنے کی بھرپور کوششوں میں لگے رہتے ہیں، یہ کلام مکمل ہوا۔ نیز علامہ ابراہیم ناجی اپنی کتاب المولد میں فرماتے ہیں کہ میں اللہ کو گواہ بنا کر اللہ کی قسم! کھا کر کہتا ہوں کہ میرے آقا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کبھی بھی ''اشھد'' کی بجائے سین مہملہ کے ساتھ ''اسھد'' نہیں کہا، جیسا کہ علامہ موفق الدین بن قدامہ سے ان کی المغنی میں واقع ہوا ہے اور اس معاملے میں علامہ ابراہیم کے بھتیجے شیخ ابو عمر شمس الدین نے کتاب المقنع کی اپنی شرح میں بھی علامہ ابراہیم ناجی کی ہی تقلید کی ہے بلکہ حق بھی یہی ہے کہ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں سے زیادہ فصیح اللسان تھے اور ان سب سے زیادہ ظاہر الصوت بھی تھے۔ ''الحمد للہ علی ذلك'' واضح ہو گیا کہ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ افصح الناس یعنی تمام لوگوں سے زیادہ فصیح تھے اور یہی حق ہے ورنہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بجائے کسی اور کو اسلام کا پہلا مؤذن بنا دیا جاتا۔

(جمال بلال،ص:۳۶۱ تا ۳۶۵)

https://alislami.net

نوٹ: ہم نے مصنف کی ذکر کردہ عربی عبارات کو حذف کر دیا ہے، صرف ترجمہ پر اکتفا کیا ہے۔ جنہیں عربی عبارات دیکھنا ہوں وہ اصل کتاب کی طرف رجوع کریں۔

غزوات میں شرکت: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سایہ کی طرح رہتے تھے، اس کی برکات انہیں دنیا و آخرت میں حاصل رہیں، حضور کی اس رفاقت نے انہیں بدر سے لیکر تمام غزوات میں شرکت کی سعادت عطا فرمائی۔ علمائے تاریخ بیان فرماتے ہیں: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدر اور اس کے سوا تمام غزوات میں شریک رہے۔ (اسد الغابہ، ج:۱،ص:۴۱۵، الاصابہ، ج:۱،ص:۱۷۱، طبقات، ج:۳،ص:۲۲۰)

جنگ بدر سے متعلق حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک خاص واقعہ کتابوں میں درج ہے جسے پڑھ کر اسلام سے محبت کرنے والوں کے چہرے کھل اٹھتے ہیں، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی داستان غم اور واقعات ستم پڑھنے کے بعد اہل محبت کے دل رنج والم کے خنجروں سے زخمی ہوتے ہیں، یہ واقعہ کسی حد تک زخمی دلوں کی ملہم پٹی اور مرہم نوازی کا کام کرتا ہے، ہم اس تاریخی واقعے کو پیر کرم شاہ ازہری کے الفاظ میں بیان کر رہے ہیں آپ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت بلال نے امیہ سے اپنا بدلہ لے لیا: امام بخاری اور امام ابن اسحاق عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں اور امیہ دونوں دوست تھے، میرا پہلا نام عبد عمرو تھا جب میں مشرف بہ اسلام ہوا تو میں نے اپنا نام بدل کر عبدالرحمن رکھ لیا، جب امیہ مجھے ملتا تو مجھے از راہ طعن کہتا کہ اے عبد عمرو! تم نے اپنا وہ نام ترک کر دیا ہے جو تیرے باپ نے رکھا تھا، میں کہتا: بے شک اس نے کہا: میں الرحمن کو نہیں جانتا اس لیے میں تمہیں عبدالرحمن کہہ کر نہیں بلاؤں گا اور اپنے پہلے نام کو تم نے ترک کر دیا ہے، اس لیے ہم آپس میں تمہارے لیے ایک نام طے کر لیں کہ جب میں تمہیں بلاؤں تو اس نام سے بلایا کروں چنانچہ ہم نے باہمی مشورہ سے عبدالالٰہ نام تجویز کر لیا، اس کے بعد جب کبھی وہ میرے پاس سے گزرتا تو مجھے عبدالالٰہ کہہ کر بلاتا اور میں اس کا جواب دیتا۔

جب جنگ بدر میں ہم اکٹھے ہوئے تو میرے دل میں خیال آیا کہ اسے اس جنگ

https://alislami.net

میں شرکت کرنے سے منع کردوں، میں نے دیکھا کہ امیہ اپنے بیٹے علی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑے آرہا ہے، میرے پاس چند زرہیں تھیں جو میں نے اپنے مقتولوں سے اتاری تھیں، جب اس نے مجھے دیکھا تو اس نے مجھے میرے پہلے نام سے بلایا: یا عبد عمرو! میں نے اسے جواب نہ دیا پھر اس نے مجھے عبدالالہٰ کہہ کر پکارا، میں نے ہاں سے جواب دیا پھر اس نے مجھے کہا: کیا تجھے میری سلامتی کی ضرورت ہے؟ تو پھر ان زرہوں کو پرے پھینکو اور مجھے بچانے کی فکر کرو، میری جان ان زرہوں سے زیادہ قیمتی ہے چنانچہ میں نے وہ زرہیں پھینک دیں پھر اس کا اور اس کے بیٹے کا ہاتھ پکڑ لیا، میں ان کو لے کر چلا، راستے میں اس کے بیٹے علی نے مجھ سے پوچھا: اے عبدالالہٰ! یہ شخص کون ہے، جس نے اپنے سینے پر شتر مرغ کا پر بطور علامت سجایا ہوا ہے؟ میں نے کہا: یہ حمزہ بن عبدالمطلب ہے۔ وہ بولا: ”ذلك الذی فعل بنا الافاعیل“ یعنی یہ وہ شخص ہے جس نے ہم پر بجلیاں گرائی ہیں، میں انہیں لے کر جا رہا تھا اچانک حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے میرے ساتھ دیکھ لیا، یہ وہی امیہ تھا جو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے مسلمان ہونے کے جرم میں اذیت ناک سزائیں دیتا تھا، آپ نے جب اسے دیکھا تو بلند آواز سے پکارا ”رأس الکفر امیة بن خلف لا ن جوت ان نجا“ یہ ہے کفر کا سرغنہ امیہ بن خلف اگر آج وہ بچ کر نکل گیا تو پھر میرا بچنا محال ہے۔ آپ نے یا معشر الانصار کہہ کر اپنی مدد کے لیے انصار کو بلایا، چند انصاری نوجوان لپک کر ان کے پاس آ گئے اور ہمارے تعاقب میں نکلے، جب میں نے دیکھا کہ وہ ابھی ہمیں آ لیں گے تو میں نے امیہ کے لڑکے کو ان کے حوالے کر دیا تا کہ وہ اس کے ساتھ الجھ کر مشغول ہو جائیں، اتنے میں امیہ کو میں کسی محفوظ جگہ پر پہنچا دوں گا، امیہ فربہ اندام تھا اس سے تیزی سے چلا نہیں جا سکتا تھا، میں نے اسے کہا: بیٹھ جاؤ، اور میں اس پر سپر بن کر لیٹ گیا تا کہ اس کو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار کے وار سے بچا سکوں، یہاں تک کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے ہمیں اپنے گھیرے میں لے لیا، وہ اس پر جھپٹ رہے تھے اور میں اس کا بچاؤ کر رہا تھا، اسی اثنا میں کسی نے تلوار کے

وار سے اس کے بیٹے کی ٹانگ کاٹ دی اور وہ دھڑام سے زمین پر گرا، امیہ نے یہ منظر دیکھ کر ایسی چیخ ماری کہ لوگوں کے دل دہل گئے، میں نے ایسی دل دوز چیخ پہلے کبھی نہیں سنی تھی، میں نے امیہ کو کہا: اس کو اب چھوڑو اب اپنی جان بچاؤ، میں اب تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے اپنی تلواروں کے پیہم واروں سے اس کے پرزے اڑا دیے، حضرت عبدالرحمن بن عوف بعد میں بھی کہا کرتے تھے ''یرحم اللہ بلالا ذھبت ادراعی و فجعنی باسیری'' اللہ بلال پر رحم کرے میری زرہیں بھی چلی گئیں اور میرے دو قیدیوں کو قتل کر کے مجھے ان کے زرِ فدیہ سے محروم کر دیا۔

وہ حبشی بلال جو دولت ایمان سے مشرف ہونے سے پہلے بنی جمح کی ایک مشرک عورت کا زرخرید غلام تھا اور رات دن اس کی خدمت گزاری میں لگا رہتا تھا، اس نے جب ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت توحید قبول کر لی تو کفر و شرک کے سرغنے ابوجہل اور امیہ انہیں طرح طرح کی سزائیں دیا کرتے تھے، آپ کے گلے میں رسی ڈال کر چند اوباشوں کو پکڑا دیتے، وہ انہیں مکہ کی پتھریلی گلیوں میں گھسیٹتے پھرتے، جب ان کا سر کسی پتھر سے ٹکراتا تو یہ قہقہے لگا کر ہنستے اور غشی کی حالت میں بھی حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منہ سے احد احد کی صدائیں بلند ہوتیں، آج وہ کمزور اور بے نوا بلال قوت ایمان اور اپنے اسلامی بھائیوں کے تعاون سے اتنا طاقتور ہو کر میدان بدر میں ابھرا کہ اس کی تلوار آج مکہ کے ایک رئیس اعظم اور اس کے نوجوان بیٹے پر اٹھ رہی ہے اور کسی کی مجال نہیں کہ اس کے آڑے آئے اور اس کو چھوڑائے اس روح فرسا بلکہ روح پرور منظر سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی عملی تصویر سامنے آجاتی ہے: ''وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝ '' اور ہم نے چاہا کہ احسان کریں ان لوگوں پر جنہیں کمزور بنا دیا گیا تھا ملک (مصر) میں اور بنا دیں انہیں پیشوا اور بنا دیں (فرعون کے تاج و تخت کا) وارث اور تسلط بخشیں انہیں سر زمین (مصر) میں اور ہم دکھائیں فرعون اور

ہامان اور ان کی فوجوں کو ان کی جانب سے (وہی خطرہ) جس کا وہ اندیشہ کیا کرتے تھے۔
(سورۃ القصص، آیت: ۵، ۶، سیرۃ الرسول، ج: ۳، ص: ۳۴۷)

حضور کی خدمت ومعیت: یوں تو ہر صحابی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت کرنا اپنے لیے باعث ہزار افتخار سمجھتا تھا اور ہر صحابی آپ کا خادم ہی تھا لیکن چند خوش نصیب وہ تھے جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خدمت کی خاص اجازت بخشی تھی۔ ان میں حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن مسعود، اسلع بن شریک، اسماء بن حارثہ، بکیر بن شداخ، خالد کے بیٹے حبہ اور سواء، ذومخمر، ربیعہ بن کعب، سعد مولیٰ ابی بکر، عبداللہ بن رواحہ، عقبہ بن عامر، مغیرہ بن شعبہ وغیرہ کے نام خاص طور پر شمار ہوتے ہیں، ان تمام کے مابین حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔ (البدایہ والنہایہ، ج: ۸، ص: ۳۰۴)

حضرت بلال حضور کے نیزہ بردار: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ شرف حاصل تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے خادمانہ شان سے نیزہ اٹھائے چلا کرتے، خاص مواقع پر نیزہ لے کر چلنا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقدر تھا، مثلاً عیدین کے لیے نکلنا ہو، یا نماز استسقاء کے لیے باہر جانا، یہ خدمت حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں آتی رہی یہ بات کہ نیزہ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ کیوں چلا جاتا تھا تو اس کی علما نے چند حکمتیں بیان فرمائی ہیں:

(۱) نماز کے وقت کھلی فضا میں نیزہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے نصب کر دیا جائے تاکہ لوگ سامنے سے گزر سکیں۔
(۲) وقت پڑنے پر مدافعت کی جاسکے، مدافعت دشمنوں سے بھی ہوسکتی تھی اور حشرات الارض وغیرہ سے بھی۔
(۳) قضائے حاجت کے وقت جگہ کو نرم کیا جاسکے۔
(۴) اس پر کوئی چیز ٹانگی جاسکے یا وقت ضرورت اس پر ٹیکا لگایا جاسکے۔ (نعمۃ الباری، ج: ۱، ص: ۵۵۴)

https://alislami.net

شاہ حبشہ حضرت نجاشی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تین نیزے تحفۃً بھیجے تھے، یہ نیزے ان عمدہ نیزوں میں سے تھے جنہیں شاہان وقت اپنے لیے پسند کرتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نیزہ اپنے لیے منتخب فرمایا، دوسرا حضرت علی بن ابی طالب کو عطا کیا اور تیسرا نیزہ حضرت فاروق اعظم کو عنایت فرمایا رضی اللہ عنہم۔ جو نیزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے رکھ لیا تھا اس کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خاص کر دیا، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری ظاہری حیات میں عید، بقرہ عید اور نماز استسقاء کے موقع پر اس نیزے کو لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے چلا کرتے، جب حضور (کھلی فضاء میں) نماز پڑھتے تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نیزے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گاڑ دیتے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد وہ اس نیزے کو لے کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ چلا کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں یہ ذمہ داری سعد القرظ نے پوری کی۔ (طبقات ابن سعد، ج:۳،ص:۲۱۷،صور من حیاۃ الصحابۃ،ص:۳۱۹)

حضرت بلال اور صحابہ پر نیند کا غلبہ: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر و حضر کے ساتھی تھے، سفر و حضر میں اذان دینے کی ذمہ داری بھی حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد رہتی تھی، خیبر سے واپسی کے سفر میں رات کے وقت فجر سے پہلے صحابۂ کرام نے آرام کرنا چاہا لیکن معاملہ فجر کی بیداری کا تھا کہ فجر کے وقت سب کو بیدار کون کرے گا؟ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آگے بڑھ کر یہ ذمہ داری قبول کی لیکن رات کی آخری ساعت نے انہیں بھی سلا دیا اور وہ صحابۂ کرام کو بیدار نہ کر سکے۔ پورا واقعہ پیر کرم شاہ ازہری سے سنیں:

نماز صبح کا قضا ہونا: خیبر سے مدینۂ طیبہ واپسی کے وقت صبح کی نماز قضا ہونے کا واقعہ پیش آیا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس واقعے کو یوں روایت کیا ہے، آپ فرماتے ہیں کہ خیبر سے واپسی کے وقت ایک رات سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رات

https://alislami.net

کے پہلے حصے میں سفر شروع کیا، جب رات ڈھل گئی اور نیند محسوس ہونے لگی تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو شب باشی کی اجازت مرحمت فرمائی لیکن استراحت فرمانے سے پہلے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے پوچھا: کیا تم میں سے کوئی ایسا صالح شخص ہے جو جاگتا رہے اور جب فجر طلوع ہو تو ہمیں جگا دے؟ ایسا نہ ہو کہ ہم سوتے رہ جائیں اور نماز فجر قضا ہو جائے، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! اس خدمت کے لیے غلام حاضر ہے۔ اس اہتمام کے بعد سب آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے آپ کو بیدار رکھنے کے لیے نفل پڑھنا شروع کر دیا، جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ نفل ادا کرنے میں مشغول رہے، طلوع فجر سے تھوڑی دیر پہلے انہوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے اپنے اونٹ کے ساتھ ٹیک لگا لی تا کہ جونہی صبح صادق طلوع ہو تو انہیں پتہ چل جائے لیکن اس وقت ان پر نیند کا ایسا غلبہ ہوا کہ ان کی آنکھیں بند ہو گئیں اور سو گئے اور ایسے سوئے کے طلوع آفتاب کے بعد جب دھوپ تیز ہو گئی تو سب سے پہلے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ مبارک کھلی، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''ما صنعت بنا یا بلال'' اے بلال! تم نے ہمارے ساتھ کیا کیا؟ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! جس ذات نے آپ کو سلائے رکھا اس نے مجھے بھی جاگنے نہیں دیا، حضور نے فرمایا: ''صدقت'' تو نے سچ کہا ہے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو یہاں سے کوچ کرنے کا حکم دیا، کچھ دور آگے جا کر حضور نے اپنے اونٹ کو بٹھایا اور سب صحابہ کو اپنی سواریاں بٹھانے کی ہدایت کی، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان و اقامت کہی امام الانبیاء علیہ الصلاۃ والثناء کی اقتدا میں نماز صبح قضا پڑھی گئی، نماز سے فراغت کے بعد ہادی برحق نے اپنے جاں نثاروں کو ارشاد فرمایا: ''اذا نسیتم الصلاۃ فصلوھا اذا ذکرتموھا فان اللہ عز وجل یقول اقم الصلاۃ لذکری'' یعنی اگر تم نماز ادا کرنا بھول جاؤ جیسے ہی تمہیں یاد آئے اس کو پڑھ لیا کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''ادا کیا کر نماز مجھے یاد کرنے کے لیے''۔ (سبل

https://alislami.net

الہدیٰ والرشاد، ج:۵،ص:۲۳۱،السیرۃ الحلبیۃ، ج:۲،ص:۱۸۴،تاریخ الخمیس، ج:۲،ص:۵۹)

نماز کے قضا ہونے میں حکمت: رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''عینای تنامان ولا ینام قلبی'' یعنی بوقت خواب میری دونوں آنکھیں تو سوتی ہیں لیکن میرا دل اس وقت بھی جاگ رہا ہوتا ہے۔ اس روز بیدار نہ ہونے میں حکمت یہ تھی کہ سب لوگوں کو پتہ چل جائے کہ اگر کسی وجہ سے وہ نماز ادا کرنے سے قاصر رہیں تو جب یاد آئے تو قضا کرلیں نیز حضور نے فرمایا ہے: ''صلوا کما رایتمونی اصلی'' کہ تم نماز اس طرح ادا کیا کرو جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو اور نماز ادا کرتے ہوئے صحابۂ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر وحضر میں بارہا دیکھا تھا لیکن نماز قضا کرتے ہوئے دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا، جب کہ امت کے بعض افراد سے نماز کا قضا ہونا بعید از امکان نہ تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پر نیند طاری کر کے قضا نماز پڑھنے کا بھی موقع فراہم کردیا تاکہ اللہ کے محبوب کی امت قیامت تک ادا و قضا میں اپنے نبی رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنے کی سعادت حاصل کرتی رہے ''وللہ فی شئونہ حکم لا تعد ولا تحصی'' اللہ کے سارے کاموں میں حکمتیں ہوا کرتی ہیں جن کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔

(سیرۃ الرسول، ج:۴،ص:۳۱۸تا۳۲۰)

فتح مکہ دخول کعبہ اور حضرت بلال: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی زندگی میں کئی دور دیکھے، مختلف مراحل سے گزرے، شدت وحدت کو برداشت کیا، ایک وہ زمانہ تھا جب ان پر کوڑے برسائے جاتے تھے اور وہ احد احد کے نعرے لگاتے تھے، اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا، ہجرت کر کے مدینۂ طیبہ پہنچ گئے لیکن ابتدائی مراحل میں یہاں بھی حالات پرسکون نہ رہے، مرض میں مبتلا ہو گئے، مرض نے اس حد تک جذبات میں ہیجان پیدا کردیا کہ انہیں مکہ کے بیابان، ریگستان، صحراء، وادیاں اور کہسار یاد آنے لگے، اللہ کے کرم نے دستگیری کی، حالات سازگار ہوتے چلے گئے، مدینۂ طیبہ کی پرسکون فضا میں ذکر وفکر کی لذت حاصل ہونے لگی پھر قدرت نے انہیں وہ دن بھی دکھایا جب میدان بدر

میں انہیں ستانے، استہزا کرنے اور مذاق اڑانے والے بے یار و مددگار پچھڑے پڑے تھے، مسلمانوں کی تلواروں نے کتنوں کے سرتن سے جدا کر دیے تھے، ظلم و تعدی کا وہ پیکر مجسم جس نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ستانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی یعنی رسوائے زمانہ امیہ بن خلف خود حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار سے واصل جہنم ہوا پڑا تھا، وہی بلال جو کبھی امیہ کے سامنے اس کی بغیر اجازت زبان کھولنے کے بھی مجاز نہ تھے، آج اسلام نے ان کمزور ہاتھوں کو اتنا طاقتور بنا دیا کہ امیہ بن خلف جیسے طاقتور سورما کو تہ تیغ کر ڈالا ہے، اس کے بعد بھی حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زمانے کے نشیب و فراز دیکھے، سرد و گرم سے آشنا رہے، اتار چڑھاؤ بھرے منازل سے گزرے، آخر وہ دن بھی آیا جس کی بشارت معبود حقیقی نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اور محبوب کے غلاموں کو پہلے ہی ''اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا'' کے مبارک الفاظ میں سنا دی تھی۔ وہ مبارک دن جس کی آرزو میں صحابۂ کرام نے نہ جانے کتنے آنسوں بہائے تھے، محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں مسلسل تگ و دو کرتے رہے تھے، قربانیاں دی تھیں اور غیر معمولی دکھ سہے تھے، جس کے لیے نہ جانے کتنی مرتبہ جاگتی آنکھوں سے حسین و جمیل خواب دیکھے تھے، آج وہ سارے خواب شرمندۂ تعبیر ہو رہے تھے، رب کا محبوب فاتح مکہ کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوا چاہتا ہے، مکہ میں احکام خداوندی کا نفاذ کیا جانا ہے، روئے زمین پر رب کی عبادت کا سب سے پہلا گھر خانہ کعبہ کب سے حضور کے انتظار میں ہے کہ وہ فاتح مکہ بن کر میرے صحن میں خرام ناز فرمائیں، میرے اندر رکھے ہوئے تین سو ساٹھ جھوٹے خداؤں کی جھوٹی خدائی کا پردہ فاش فرمائیں، انہیں ذلت و حقارت سے زمین بوس کر کے شعائر کفر کی نجاستوں سے مجھے پاک فرمائیں، سچے خدا کی کبریائی کا نعرہ بلند کریں اور بندگان خدا کی جبینوں سے میرے گوشے گوشے اور کونے کونے کو معمور فرمائیں۔ آ گیا وہ دن قریب تر ہو گئیں وہ ساعتیں جب رب کے برگزیدہ رسول محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم صحن کعبہ سے گزر کر عین کعبہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ کیا آپ جانتے ہیں جب اللہ کے محبوب بیت اللہ کی

عمارت کے اندر داخل ہوئے تو آپ کے ساتھ کتنے لوگ تھے؟ ان کے اسماء مبارکہ کیا ہیں؟ ہم اس سوال کو امام بخاری کی جانب متوجہ کرتے ہیں وہ ہماری علمی پیاس بجھاتے ہوئے اس کا جواب عنایت فرمائیں۔

امام بخاری فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں داخل ہوئے اور آپ کے ساتھ حضرت اسامہ بن زید، حضرت بلال، حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم موجود تھے۔(صحیح ابن حبان کی روایت میں ہے کعبہ مقدسہ میں داخل ہونے کے بعد دروازہ بند کر دیا گیا۔(حدیث نمبر: ۳۲۰۴) پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کافی دیر تک خانہ کعبہ میں ٹھہرے رہے اس کے بعد دروازہ کھولا، لوگ تیزی کے ساتھ بیت اللہ کی طرف بڑھے، سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن عمر داخل ہوئے دیکھا کہ حضرت بلال دروازے کے پیچھے کھڑے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فوراً پوچھا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کس جگہ ادا فرمائی؟ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اشارہ کر کے حضرت عبداللہ بن عمر کو وہ جگہ دکھائی جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے حضور سربسجود ہوئے تھے۔(صحیح البخاری کتاب المغازی باب دخول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من اعلی مکہ)

آپ نے شان حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملاحظہ فرمائی کہ اس مبارک و مسعود وقت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہزارہا صحابہ کے درمیان دخول کعبہ کا موقعہ حضور کی معیت میں صرف تین صحابہ کو میسر آیا، جن میں ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب صحابی اور محبوب صحابی کے بیٹے حضرت اسامہ بن زید تھے، دوسرے کعبہ مشرفہ کے کلید بردار حضرت عثمان بن طلحہ تھے، تیسرے ندائے آسمانی کے داعی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک مؤذن، ہمارے ممدوح حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔(صور من حیاۃ الصحابۃ، ص: ۳۱۹)

جیسا کہ حدیث پاک میں بیان ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کافی دیر تک خانۂ کعبہ میں ٹھہرے رہے، ایک زمانے کے بعد عبد کامل، انبیاء و رسل کے امام، پیغمبر اسلام کا سر خانۂ کعبہ میں اپنے معبود حقیقی کی بارگاہ میں عجز کی سرزمین پر رکھا ہوا تھا، اس طویل سجدے کی

کیفیات، مناجات کے لمحات، اللہ کے محبوب کا خانۂ خدا میں بندگی کا اظہار، ان تمام ساعات کو اپنے دل و دماغ میں بسانے والے اور اپنی نظر کا سرمہ بنانے والے لوگوں کی شناخت اگر تاریخ سے معلوم کی جائے تو روئے زمین پر ایسے خوش نصیبوں کی تعداد صرف تین تھی، ان میں ایک نام حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے ''ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ'' یہ سب اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے نواز دیتا ہے۔

فتح مکہ اور اذان بلال: انہیں دل کش مناظر کے سائے میں ظہر کا وقت آ گیا۔ فرزندان توحید کے ہزاروں ہزار کے مجمع نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے محبتانہ حصار میں لے رکھا ہے، خدام آقا کی حفاظت کے لیے سر بکفن چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں، شمع رسالت پر عشق رسالت کے پروانے نثار ہونے کے لیے مکمل تیار ہیں بلکہ مصروف پرواز ہیں، صحنِ کعبہ مجمع کثیر سے بھرا ہوا ہے، وہ لوگ بھی کعبۂ مقدسہ کے آس پاس منڈلا رہے تھے جو کفار قریش میں سے نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ اب وقت ہو چلا ہے کلمہ توحید و رسالت کو بلند کیا جانا ہے، وہ بھی خانہ خدا سے، یہ انتخاب رب کے محبوب کو فرمانا ہے کہ یہ سعادت کس کو بخشی جائے؟ یہاں بھی رب کے محبوب نے ہزاروں ہزار کے بیچ سے اسی پیارے مؤذن کا انتخاب فرمایا، جس کا انتخاب اپنی مبارک مسجد، مسجد نبوی کے لیے فرمایا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آواز دی، لبیک کہتے ہوئے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر خدمت ہو گئے، حکم ہوا: ''بلال خانۂ کعبہ کی چھت پر چڑھ جاؤ، خانۂ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر لوگوں کو کلمہ توحید اور نغمۂ رسالت سناؤ''، حکم ملتے ہی حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ خانۂ کعبہ کی چھت پر چڑھ گئے، اللہ اللہ وہ بلال جو تنہائی میں کلمہ توحید احد احد کہتے تھے تو کوڑے کھاتے تھے، تپتی دھوپ میں وزنی پتھر رکھ کر گرم ریت پر لٹا دیے جاتے تھے، گلے میں رسی ڈال کر اوباشوں کے حوالے کر دیئے جاتے تھے، وہ انہیں مکہ کی گلیوں میں بے دردی کے ساتھ گھسیٹتے تھے، وہی بلال اسی توحید کا اعلان عام کرنے جا رہے ہیں، اب کوئی روکنے والا ہے نہ مارنے والا، زجر و توبیخ کرنے والا ہے نہ

ڈانٹنے والا، اب بلال ہیں، خانۂ کعبہ کی چھت ہے، رب کے محبوب کی غلامی ہے، چہرۂ مصطفیٰ کا دیدار ہے، آقا کا سایۂ کرم ہے، پرستاران توحید کا مجمع ہے، رب کی کبریائی ہے اور نغمہ توحید کی روانی۔

کعبہ کی پرنور فضا میں نغمہ لاہوتی ''اللہ اکبر اللہ اکبر'' کی گونج سنائی دیتی ہے، ہزاروں چہرے اس آواز کی سمت متوجہ ہو جاتے ہیں، نظریں ٹک ٹکی باندھ کر اس امانت کے امین کو دیکھنے لگتی ہیں۔ دیکھا کہ گزشتہ زمانے کا ایک گم نام غلام ہے جو اپنی بلند شیریں اور مدھ بھری آواز میں رب کی کبریائی کے کلمات بلند کر رہا ہے، وہ تھا کبھی گم نام غلام اب تو تاریخ نے اسے آنے والی نسلوں اور صدیوں کا امام بنا کر زمانے کی تختی پر نہ صرف لکھ کر محفوظ کر دیا ہے بلکہ اسے شہرت دوام اور معرفت انام بخش دی ہے، اب قیامت تک اسلامی شعور رکھنے والا ہر بچہ، جوان اور بوڑھا نہ صرف حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہچانے گا بلکہ ان کے ساتھ نسبت قائم کرنے کو اپنے لیے عزت، سرخروئی اور باعث نجات جانے گا۔

اللہ اکبر اللہ اکبر کے رس گھولتے ہوئے کلمات پورے ہوئے، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھوڑی دیر کے لیے ٹھہرے، جیسا کہ ان کی اتباع کرتے ہوئے ہر مؤذن کو کچھ دیر آج بھی توقف کرنا ہوتا ہے، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ٹھہرے اور صحن کعبہ میں موجود جم غفیر نے مبارک کلمات کو پورے خشوع وخضوع کے ساتھ آہستہ آہستہ زیر لب دوہرایا، اہل محبت کے سینے ٹھنڈے ہوئے اور قلوب میں موجود ایمانی دریا موجزن ہو گئے، جن کے قلوب میں حسد اور اسلام دشمنی کی آگ سالہا سال سے بھڑک رہی تھی، اس آواز نے ان دلوں کو خاکستر کر کے رکھ دیا، دشمنان اسلام کے چہرے لٹک گئے اور دل پھٹ گئے، اس منظر کے بارے میں مت پوچھیے جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محبوب دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دیتے ہوئے اپنی اور قیامت تک کے مسلمانوں کی غلامی کا اعلان کرتے ہوئے کہا: ''اشھد ان محمدا رسول اللہ'' نہ پوچھیے کہ لوگوں نے اس پر کیا کیا تبصرے کیے تھے۔

https://alislami.net

خدا ہی دے صبر جانِ پُرغم
دکھاؤں کیوں کر تجھے وہ عالم

ابوجہل کی بیٹی نے کہا تھا: میری جان کی قسم! اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذکر بلند فرما دیا، نماز تو ہم پڑھیں گے لیکن جن لوگوں نے ہمارے اقارب کو قتل کیا ہے، انہیں کیسے پسند کریں گے۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ، ص: ۳۲۰، موضحا و مبصرا)

اذان بلال کے متعلق کچھ تبصرات پیر کرم شاہ الازہری نے اپنی کتاب میں بیان کیے ہیں، آیئے ان ہی کی زبانی سنتے ہیں، آپ رقم طراز ہیں:

اذان بلال: پہلے دن ہی جب ظہر کی نماز کا وقت ہوا تو نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ کعبے کی چھت پر چڑھ جاؤ اور اذان دو، مکہ کی کفر آلود اور تاریک فضاؤں کو نور اسلام سے منور کرنے کے لیے جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اذان گونجی تو اس وقت ابوسفیان، عتاب بن اسید اور حارث بن ہشام، حرم شریف کے صحن میں بیٹھے تھے، اذان سن کر غصے سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے عتاب بولا: اللہ تعالیٰ نے میرے باپ اسید پر بڑا کرم فرمایا کہ اسے موت کی نیند سلا دیا، آج اگر وہ زندہ ہوتا اور اذان کے ان کلمات کو سنتا تو یقیناً اس کو بڑا غصہ آتا پھر کہنے لگا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کالے کوے کے بغیر اور کوئی مؤذن نہیں ملا۔ حارث بن ہشام کہنے لگا: اگر میں جانتا کہ وہ حق پر ہے تو میں ضرور ان کی پیروی کرتا۔ ابوسفیان بولا ”لا اقول شیئا لو تکلمت لأخبرت عنی ھذہ الحصی“ یعنی میں تو کچھ نہیں کہتا اگر میں کوئی بات کروں گا تو یہ کنکریاں حضور کو بتا دیں گی۔

وہ یہی بات کر رہے تھے کہ اللہ کا پیارا رسول ان کے پاس تشریف لے آیا اور فرمایا: ”جو باتیں تم نے کی ہیں ان کا مجھے علم ہے“ ہر ایک کو الگ الگ مخاطب کر کے فرمایا: اے عتاب! تم نے یہ بات کی ہے، حارث تم نے یہ کہا، ابوسفیان بولا: یا رسول اللہ! میں نے تو کوئی بات نہیں کی، حضور اس بات پر ہنس پڑے، حارث اور عتاب نے کہا: ہم گواہی دیتے ہیں

کہ آپ اللہ کے رسول ہیں ان باتوں کو کسی آدمی نے نہیں سنا اگر کسی نے سنی ہوتی تو ہم یہ سمجھتے کہ اس نے آپ کو ان سے آگاہ کیا ہے، ہم گواہی دیتے ہیں ''آپ اللہ کے سچے رسول ہیں''۔

سعید بن عاص کے بیٹوں میں سے ایک بیٹے نے جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان دیتے ہوئے سنا تو کہنے لگا: اللہ تعالیٰ نے میرے باپ سعید پر بڑا احسان فرمایا ہے کہ اس کالے کو کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوا دیکھنے سے پہلے وہ ملک عدم کو سدھارا۔ حکم بن ابوالعاص بولا: یہ ایک عجیب وغریب سانحہ ہے کہ بنی جمح کا غلام (بلال) ابوطلحہ کی تعمیر کردہ عمارت پر کھڑے ہوکر چیخ رہا ہے، اس تمام شوروغل کے باوجود حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد نبوی کے مطابق کعبہ کی چھت پر کھڑے ہوکر مکمل اذان دی، اس ساعت ہمایوں سے لے کر آج تک یہ روح پرور کلمات اس فضا میں گونج رہے ہیں اور نور برسا رہے ہیں اور قیامت تک ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ (سیرۃ الرسول، ج:۴، ص:۴۷۷ تا ۴۷۸)

حضرت بلال کے علاوہ حضور کے مؤذن: علامہ بدرالدین عینی تحریر فرماتے ہیں: صحیح مسلم میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو مؤذن تھے، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ یعنی وقت واحد میں دو مؤذن تھے ورنہ ان دو کے علاوہ بھی آپ کے مؤذن تھے۔ حضرت ابومحذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ میں آپ کے لیے اذان دی ہے اور حضرت سعد القرظ نے آپ کے لیے قبا میں تین مرتبہ اذان دی ہے۔ (نخب الافکار فی تنقیح مبانی الاخبار فی شرح معانی الاثار، ج:۲، ص:۷۴، بحوالہ نعمۃ الباری، ج:۲، ص:۴۸۶)

حضور کا وصال اور اذان بلال: جس دن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا مؤذن منتخب فرمایا، اس دن سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ پوری ذمہ داری کے ساتھ اپنی ڈیوٹی سرانجام دیتے رہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی صدائے بلال سے بڑا انس تھا اور کیوں نہ ہوتا یہ وہی آواز تھی جسے ایک زمانے تک راہ خدا میں سخت سے سخت تکالیف اور شدید ترین

عذابوں میں مبتلا کیا گیا تھا، مگر یہ آواز ہر عذاب و تکلیف برداشت کر کے بھی احد احد پکارتی رہی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا، نماز کا وقت ہوا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان پڑھنے کی تیاری کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانی جسم پاک کو ابھی قبر میں نہیں اتارا گیا ہے، اس پیکرِ نور پر صرف ایک چادر ڈال دی گئی ہے، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان دینا شروع کی، اذان پڑھتے پڑھتے جیسے ہی ''اشهد ان محمدا رسول الله'' پر پہنچے، شدت غم سے نڈھال ہو گئے، آنسوؤں کے تقاطر نے گویا کہ گلا گھونٹ دیا، آواز گلے میں پھنس کر رہ گئی، اہل مدینہ آہیں بھرنے لگے، جدھر نظر اٹھایئے تو بہتے آنسو، ہچکیاں لیتے اہل بیت اور سسکیاں لیتے صحابہ نظر آئیں گے، پورا ماحول اس قدر غمگین ہو گیا کہ اس کے بعد حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین دن تک اذان کہی۔ جب بھی ''اشهد ان محمدا رسول الله'' کا تلفظ کرتے روتے اور صحابۂ کرام پر گریہ طاری کرتے۔

(صور من حیاۃ الصحابۃ، ص:۳۲۱، سلوۃ الکئیب بوفاۃ الحبیب، ج:۱، ص:۲۸)

حضرت بلال اور قبر رسول: بعد وصال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجرۂ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں مدفون ہوئے، قبر مبارک بند کر دی گئی پھر قبر مبارک پر پانی چھڑکا گیا، یہ سعادت بھی حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں آئی کہ قبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ہاتھوں سے پانی چھڑکا، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک مشک تھی جس میں پانی تھا، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرہانے کی دائیں کروٹ سے پانی چھڑکنا شروع کیا اور قدم ہائے مبارک تک چھڑکا اور بائیں کروٹ تک پانی پہنچانے کے لیے حجرۂ مبارکہ کی دیوار کا سہارا لیا گیا کیونکہ اس طرف دیوار کی وجہ سے چکر نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۸، ص:۱۵۳)

حضور کے بعد حضرت بلال نے اذان پڑھی؟: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی خلیفہ کے دور میں باضابطہ اذان پڑھی یا نہیں، اس سلسلے میں تاریخی روایات مختلف ہیں، بعض روایتوں سے ثابت ہوتا

https://alislami.net

ہے کہ پھر کسی خلیفہ کے دور میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان نہیں پڑھی، بعض روایات کا مفاد یہ ہے کہ دور صدیقی میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ ذمہ داری نبھاتے رہے لیکن بعد میں آپ نے یہ ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

قدرے تفصیل ملاحظہ فرمایئے! ایک روایت میں ہے: جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''اے خلیفۂ رسول اللہ! میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ''مومن کا سب سے بہتر عمل اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا ہے'' یہ سن کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: آپ کیا چاہتے ہیں؟ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: میں چاہتا ہوں کہ میں جہاد میں مصروف رہوں، یہاں تک کہ مجھے اللہ کے راستے میں موت آ جائے، یہ سن کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے بلال! میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم! دیتا ہوں، میں تمہیں اپنے منصب اور حق کا واسطہ دیتا ہوں (مجھے چھوڑ کر مت جاؤ) میں بوڑھا اور کمزور ہو چکا ہوں اور میری موت قریب کھڑی ہے، حضرت ابو بکر کے یہ پر سوز کلمات سن کر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا ارادہ ترک کر دیا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ٹھہرے رہے (اور اپنی ذمہ داری نبھاتے رہے) جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وفات پائی تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور وہی سب کچھ عرض کیا، جو خلیفۂ اول سے عرض کیا تھا، حضرت عمر نے بھی وہی جواب دیا جو خلیفۂ اول نے دیا تھا لیکن اب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذمہ داری لینے سے انکار کر دیا، اس پر حضرت عمر نے پوچھا: پھر اذان کی ذمہ داری کسے دے دوں؟ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: یہ ذمہ داری حضرت سعد کو سونپ دی جائے کیونکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی اذان دی ہے۔ حضرت عمر نے فوراً حضرت سعد کو بلایا اور اذان دینے کی جوابداری انہیں سونپ دی، وہ اذان دیتے رہے اور ان کے

بعد ان کی آل واولاد اس ذمہ داری کو نبھاتی رہی، اس روایت سے معلوم ہوا کہ زمانۂ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذان پڑھتے رہے۔

اب آپ دوسری روایت پڑھیے! حضرت سعید بن مسیب بیان فرماتے ہیں: ایک جمعہ کو جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر رونق افروز ہوئے تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اے ابوبکر خلیفۂ رسول اللہ! ارشاد فرمایا: ''لبیک یا بلال'' حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: امیر المومنین آپ نے مجھے اپنی ذات کے لیے آزاد فرمایا تھا یا اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا کے لیے؟ خلیفۃ المسلمین نے جواب دیا: بلال! میں نے تمہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے آزاد کیا تھا، عرض کیا: تو پھر مجھے اجازت دیں کہ میں مجاہدین کے ساتھ غزوات میں شرکت کر سکوں، یہ سن کر امیر المومنین نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غزوات میں جانے کی اجازت دے دی، اجازت مل جانے کے بعد حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملک شام چلے گئے وہیں آپ کا وصال ہوا۔ (اسد الغابہ، ج:۱، ص:۴۱۶، تاریخ دمشق، ج:۱۰، ص:۴۶۹، صور من حیاۃ الصحابۃ، ص:۳۲۲)

اذان کی روایات میں اختلاف اور تطبیق کی صورت: آپ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق کئی روایات ملاحظہ کیں جن میں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعد وصال حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے اذان پڑھی اور بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے بھی اذان نہیں پڑھی، ان احادیث کے درمیان حضرت علامہ رضا علی نے تطبیق دینے کی کوشش کی ہے ہم ان کے کلام کو ان کی کتاب سے نقل کر رہے ہیں آپ تحریر فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ ان روایات میں تطبیق دینا مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں، چنانچہ میرے نزدیک ان تمام روایتوں میں تطبیق یوں بھی دی جا سکتی ہے کہ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی چند روز اذانیں دیں، جیسا کہ

طبقات ابن سعد میں ہیں پھر فرط جذبات کی تاب نہ لاتے ہوئے خلافت صدیقی کے ابتدائی ایام میں جلد ہی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اجازت مانگی اور شام چلے گئے جیسا کہ تاریخ ابن عساکر وغیرہ میں ہے وہاں تھوڑے ہی عرصے بعد (جس کا دورانیہ مدارج نبوت ج: ۲، ص: ۵۸۳ میں چھ ماہ بیان کیا گیا ہے) خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے فیض یاب ہوئے اور دور صدیقی میں ہی مدینہ لوٹ آئے، اس وقت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہو چکا تھا چنانچہ مسجد نبوی شریف میں اذان دی جیسا کہ تاریخ الخمیس وغیرہ میں ہے اور جب واپسی کا ارادہ کیا تو اس بار سیدنا صدیق اکبر نے انہیں مدینہ میں ہی ٹھہرنے اور اذانیں دینے کے لیے منانے کی کوشش کی لیکن یہ کوشش کارگر ثابت نہ ہوئی پھر شام چلے گئے، جیسا کہ ابن عساکر وغیرہ کی بعض روایتوں میں ہے اور اگلے سال پھر مدینہ آکر اذان دی، جیسا کہ تاریخ خمیس میں ہے لیکن اس بار سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پرزور فرمائش کے ساتھ انہیں مدینہ میں ہی اقامت اختیار کرنے اور اذانیں دینے کی ذمہ داری سونپتے ہوئے اپنی محبت اور حق یاد دلا کر رک جانے پر منا لیا چنانچہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذانوں کی ذمہ داری پھر سے سنبھال لی حتیٰ کہ دور فاروقی تک وہیں رہے اور اذانیں دیتے رہے جیسا کہ ابن عساکر وغیرہ کی دوسری بعض روایتوں میں ہے لیکن حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منصب خلافت پر متمکن ہوتے ہی پھر اجازت لے کر شام چلے گئے جیسا کہ ابن عساکر وغیرہ میں ہے اور وہاں سے ہر سال سابق کی طرح صرف ایک بار اذان دینے کے لیے مدینہ آتے رہے جیسا کہ تاریخ الخمیس میں ہے پھر شام میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد اور فرمائش پر اذان دی جیسا کہ فتوح الشام وغیرہ میں ہے اور وہیں پر وفات پائی جیسا کہ بیشتر کتب میں ہے، میں کہتا ہوں کہ ان صورتوں کا امکان وقوع یکسر نظر انداز کر دینا بھی قطعاً انصاف نہیں ہوگا لہٰذا یہ تطبیق روایات کی صورت اس امر سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ ایک طرح کی روایات کو کلی طور پر چھوڑ کر دوسری کو ترجیح دی جائے لیکن یہ

https://alislami.net

بھی حق ہے کہ اگر کوئی شخص ہماری اس تطبیق سے اختلاف رکھنا چاہے تو بلاشبہ پوری پوری گنجائش موجود ہے بشرطیکہ کوئی اس سے بھی بہتر تطبیق دے سکے لیکن ایسی توقع کی توقع بھی ان شاءاللہ العزیز بہت کم ہے۔ (جمال بلال،ص:۴۲۸،۴۲۹)

ایک مدت کے بعد مدینۂ طیبہ میں اذان بلال: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملک شام کو مستقل طور پر اپنا مستقر بنالیا تھا (ایک دن قسمت نے ی اوری کی) خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے بہرہ مند ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بلال! یہ کیا بے رخی ہے؟ ہماری زیارت کو بھی نہیں آتے'' آقا کی زبان سے یہ الفاظ سن کے سہم گئے، مارے خوف کے آنکھ کھل گئی، غم واندوہ سے بھری کیفیات کے ساتھ سواری کو تیار کیا اور مدینۂ منورہ کی جانب روانہ ہوگئے، گویا ان کی حالت بیان کررہی تھی:

پھر اٹھا ولولۂ یاد مغیلان عرب
پھر کھنچا دامنِ دل سوئے بیابانِ عرب
میٹھی باتیں تیری، دینِ عجم ایمانِ عرب
نمکیں حسن تیرا، جانِ عجم شان عرب

سیدھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور پر پہنچے، اپنا چہرہ قبر انور پر لگاتے، رگڑتے اور روتے، یہی حالت تھی کہ حضرت حسنین کریمین تشریف لے آئے پھر کیا تھا کبھی انہیں باری باری سینے سے لگاتے کبھی ان کے جسم نازنیں کو بوسہ دیتے، حضرات حسنین نے فرمایا: ''بلال ہم اس اذان کے سننے کے لیے بڑے مشتاق ہیں جو آپ سحر کے وقت نانا جان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا کرتے تھے'' شہزادوں کی تمنا کو کیسے رد کیا جاسکتا تھا فوراً تیار ہوگئے، مسجد نبوی کی چھت کے اوپر چڑھے اور اس جگہ کھڑے ہوئے جہاں وہ حضور کے سامنے کھڑے ہوتے تھے، جس وقت آپ نے ''اللہ اکبر اللہ اکبر'' کہا، مدینۂ منورہ یوں لگتا تھا کہ اس کے در ودیوار میں زلزلہ برپا ہوگیا ہے، جب ''اشھد ان لا الہ الا اللہ''

پر پہنچے تو مدینۂ منورہ کے ہچکولوں میں اور زیادتی ہوگئی اور جس وقت آپ نے ''اشھد ان محمدا رسول اللہ'' کا تلفظ کیا تو پھر پردہ نشینان مدینہ گھروں سے باہر آگئیں، لوگ پکار اٹھے: کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دوبارہ دنیا میں بھیج دیا گیا ہے؟ مدینۂ منورہ میں اس دن سے زیادہ نہ کسی رونے والے نے آنسوں بہائے اور نہ گریا کرنے والے نے گریا کیا۔

(تاریخ اسلام، للذہبی، ج:۳، ص:۲۰۵، تاریخ دمشق، ج:۷، ص:۱۳۷، اسد الغابہ، ج:۱، ص:۲۱۷، خلاصۃ الوفا، ج:۱، ص:۴۴، سبل الہدیٰ والرشاد، ج:۱۲، ص:۳۵۹، سلوہ الکئیب بوفاہ الحبیب، ج:۱، ص:۲۹، سیدنا محمد رسول اللہ، ج:۲، ص:۹۴، سیر اعلام النبلاء، ج:۱، ص:۳۵۸، السیرۃ الحلبیہ، ج:۲، ص:۳۰۸)

بعض حضرات نے اس روایت کی اسناد کو لے کر کلام کیا ہے علامہ ذہبی نے فرمایا: اسنادہ لین وھو منکر (واللہ اعلم) (سیر اعلام النبلاء، ج:۱، ص:۳۵۸) لیکن علامہ علی بن عبد اللہ سمہودی نے اس کی اسناد کو جید قرار دیا ہے، اور امام اہل سنت اعلی حضرت فاضل بریلوی نے بھی اسے ثابت رکھا ہے۔ (وفاء الوفاء، ج:۴، ص:۱۸۲، فتاویٰ رضویہ، ج:۹، ص:۵۳۱)

علامہ علی بن برہان الدین حلبی نے اپنی سیرت میں لکھا ہے کہ جس دن حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حسنین کریمین کے کہنے پر اذان پڑھی اور ''اشھد ان محمدا رسول اللہ'' پر آئے تو مدینۂ پاک میں کوئی ذی روح ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں سے آنسوں اور منہ سے چیخ نہ نکل گئی ہو، یہ دن اس کی طرح ہو گیا تھا جس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا تھا۔ علامہ حلبی نے مزید لکھا ہے اس واقعے کے بعد حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملک شام واپس چلے گئے لیکن وہ سال میں دو مرتبہ مدینۂ طیبہ حاضر ہوتے اور اہل مدینہ کو اذان سناتے۔ (السیرۃ الحلبیہ، ج:۲، ص:۳۰۸)

فتح بیت المقدس اور اذان بلال: جس وقت بیت المقدس فتح ہوا اور حضرت امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں تشریف لے گئے، نماز کا وقت ہوا تو حضرت فاروق اعظم نے فرمایا: اے بلال! اللہ آپ پر رحم فرمائے، آج آپ اذان کہیں، اس پر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کے بعد میں کسی کے لیے بھی اذان نہیں کہنا چاہتا تھا لیکن اب جبکہ آپ نے مجھے حکم دے دیا ہے تو میں آپ کی اطاعت کرتے ہوئے صرف اسی ایک نماز کے لیے اذان کہوں گا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان کہنا شروع کی، حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز سماعت کی تو حضور کی یاد آ گئی اور تمام صحابہ زار و قطار رونے لگے، امیر المومنین بھی رونے لگے لیکن سب سے زیادہ جن صحابہ کو روتے دیکھا گیا وہ حضرت ابوعبیدہ اور معاذ بن جبل تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے انہیں یہ کہتے ہوئے چپ کرایا، اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے اب بس کرو۔

(السیرۃ الحلبیہ، ج:۲،ص:۳۰۹،وفیات الاعیان، ج:۳،ص:۷۰)

اس مقام پر علامہ حلبی نے بیان کیا ہے جن کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف ایک ہی مرتبہ اذان پڑھی وہ بھی حضرت فاروق اعظم کے ارشاد پر شاید ان مصنفین کی مراد یہ ہے کہ مدینۂ طیبہ کے باہر صرف حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہنے پر ہی اذان پڑھی اگر یہ مراد ہے تو جو اذان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدینۂ طیبہ میں پڑھی جس کا ذکر پچھلے اوراق میں گزرا اس پر کوئی اعتراض نہیں پڑے گا۔ (السیرۃ الحلبیہ، ج:۲،ص:۳۰۹)

میدان محشر میں اذان: امام طبرانی نے معجم صغیر اور معجم کبیر دونوں میں آنے والی حدیث روایت فرمائی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن انبیاے کرام علیہم السلام کا حشر اس طور پر کیا جائے گا کہ انہیں ان کی قبروں سے اٹھا کر چوپایوں پر بٹھا کر میدان محشر لے جایا جائے گا۔ حضرت صالح علیہ السلام کو ان کی اونٹنی پر بٹھا کر لے جایا جائے گا، میرے دونوں بیٹے امام حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو میری اونٹنی عضباء پر بٹھا کر لے جایا جائے گا، مجھے براق پر بٹھایا جائے گا جس کا ایک قدم منتہائے نظر پر پڑے گا، بلال کو ایک جنتی اونٹنی پر بٹھایا جائے گا پھر وہ اذان پڑھیں گے اور حقیقی شہادت دینگے، پھر جب وہ ''اشهد ان محمد ارسول الله'' پڑھیں گے تو سب مؤمنین اولین وآخرین اس

بات کی گواہی دیں گے، جس کی گواہی قبول ہونا تھی قبول ہوگئی اور جس کی رد ہونا تھی رد کر دی گئی۔ (المعجم الصغیر، ج: ۲، ص: ۲۵۶، المعجم الکبیر، ج: ۱۹، ص: ۹۲، شرح ابن ماجہ للمغلطائی، تاریخ دمشق، ج: ۱۰، ص: ۴۵۸، الوافی بالوفیات، ج: ۳، ص: ۴۲۱)

مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان محشر میں اذان پڑھیں گے اور یہ کہ ان کا حشر جنتی اونٹنی پر کیا جائے گا، اس سے بھی حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت شان کا پتہ چلتا ہے، اس حدیث کی سند پر کئی علما نے سخت جرح فرمائی ہے مگر چونکہ حدیث حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت سے متعلق تھی اور ہمارے اسلاف میں سے متعدد ماہرین فن علما نے اس کو اپنی کتابوں میں درج فرمایا ہے بس ان کی پیروی کرتے ہوئے میں نے بھی اس حدیث کو یہاں پیش کر دیا ہے۔

حضرت بلال کو جنت کا حلہ پہنایا جائے گا: بعض روایات میں ہے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے جنت سے دو حلے لائے جائیں گے اور پھر وہ دونوں حلے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنائے جائیں گے، سب سے پہلے جنتی حلہ جن مسلمانوں کو پہنایا جائے گا وہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صالح مؤمنین ہوں گے۔ (تاریخ دمشق، ج: ۱۰، ص: ۴۵۹، الوافی بالوفیات، ج: ۳، ص: ۴۲۱)

حضور کی قربت وعنایات: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا خاص قرب بخشا تھا، یہی وجہ تھی کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص مؤذن بھی تھے اور خادم بھی، ہم حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قربت وخدمت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں شرف باریابی کے چند نمونے پیش کریں گے۔

سرکار مدینہ کے خازن: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا خازن ہونے کا شرف عطا فرمایا، یہ کوئی معمولی بات نہیں بلکہ سلطنت خداوندی کے مالک ومختار نبی کا خازن مقرر ہو جانا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے بڑے ناز اور فضیلت کی بات ہے، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان تمام چیزوں کی ذمہ

https://alislami.net

داری سنبھالتے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجی جاتیں اسے محفوظ رکھتے تھے پھر جسے جو دینے کا حکم ہوتا اسے عطا کرتے۔ (کشف المشکل، ج:۱، ص:۱۰۵۶، المفصل فی تاریخ العرب، ج:۱۴، ص:۱۳۱، عطر الاحبۃ، ج:۱، ص:۴۵)

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم تھا کہ وہ اللہ کے دیے سے خوب خرچ کیے جائیں، چنانچہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے دیکھا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کھجور کا ایک ٹوکرا رکھا ہوا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلال! یہ کیا ہے عرض کیا: حضور! یہ کھجوریں ہیں جنہیں میں نے آپ کے لیے رکھ لیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلال! کیا تمہیں اس بات کا خوف نہیں کہ یہ تمہارے لیے جہنم کا ایندھن بن جائے؟ پھر فرمایا: اے بلال! خرچ کیے جاؤ اور عرش کے مالک کی طرف سے کمی کا خوف نہ رکھو۔ (المعجم الکبیر، ج:۱، ص:۳۴۲)

غسالہ عطا فرمایا: امام بخاری روایت فرماتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں: میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکۃ المکرمہ اور مدینۂ طیبہ کے بیچ جعرانہ میں تشریف فرما تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، اتنے میں ایک دیہاتی آیا اس نے آکر حضور سے کہا: کیا آپ وہ وعدہ پورا نہیں کریں گے جو آپ نے مجھ سے کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بشارت قبول کرو، دیہاتی نے کہا: آپ مجھے بشارتیں بہت سنا چکے ہیں، یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم غصہ کی حالت میں حضرت ابوموسیٰ اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا: اس نے بشارت کو رد کر دیا لہٰذا تم دونوں قبول کرلو، دونوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم نے بشارت قبول کرلی، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پانی کا برتن منگایا اس میں اپنے دست اقدس اور چہرۂ انور کو دھویا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں کلی فرمائی اور فرمایا: تم دونوں اسے پی لو، چہرے اور گردن پر ڈال لو اور بشارت قبول کرلو، دونوں نے حضور سے برتن لیا اور جیسا سرکار نے فرمایا تھا ویسا ہی کیا، اتنے

میں حضرت ام سلمہ نے پردے کے پیچھے سے آواز دی: تھوڑا تمہاری ماں کے لیے بھی بچا دو لہٰذا کچھ پانی دونوں نے حضرت ام المومنین کی بارگاہ میں پیش کیا۔ (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الطائف، صحیح المسلم، کتاب الفضائل باب من فضائل ابی موسی)

کیا کرم کریمانہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں صحابہ کو اپنے چہرۂ انور اور دست ہائے اقدس کا غسالہ عطا فرمایا بلکہ اس پانی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کلی فرما کر اپنا لعاب دہن بھی ملا دیا، وہی لعاب دہن جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ٹوٹی پنڈلی پر لگا دیتے تو جڑ جاتی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی دکھتی آنکھوں پر لگا دیتے ہیں تو ہمیشہ کے لیے شفایاب ہوجاتی ہیں، کھاری کنویں میں ڈال دیتے ہیں تو شیرۂ جاں بن جاتا ہے، اس دہن مبارک کی کس کس برکت کو شمار کیا جائے اور کس ذات میں یہ طاقت کہ شمار کر سکے، اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

وہ دہن جس کی ہر بات وحی خدا
چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام
جس کے پانی سے شاداب جان و جناں
اس دہن کی طراوت پہ لاکھوں سلام
جس سے کھاری کنوئیں شیرۂ جاں بنے
اس زلال حلاوت پہ لاکھوں سلام

قابل مبارک باد اور باعثِ صدرشک قدسیاں ہیں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ زلال حلاوت کو چکھا، پیا، سیر ہوئے اور دارین کی ان گنت برکات سے سرشار ہوئے۔

خاص مواقع پر حضور کے ساتھ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی بارگاہ کی حضوری اور باریابی خوب بخشی تھی، اس لیے خاص و عام مواقع پر کثرت کے ساتھ حضور کے ساتھ رہتے تھے۔ ایک عید کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے خطاب فرمایا، انہیں صدقہ کی نصیحت فرمائی، اس دوران آپ صلی

https://alislami.net

اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر ٹیک لگائے ہوئے تھے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کپڑے کی جھولی پھیلائے ہوئے تھے، عورتیں اپنے زیورات اتار اتار کر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جھولی میں ڈال رہی تھیں۔

(صحیح المسلم، کتاب العیدین، حدیث نمبر: ۲۰۸۴)

حضور کے لیے عمدہ کھجوریں لائے: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلانے پلانے پر بھی بڑے حریص تھے چنانچہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بڑی عمدہ کھجوریں پیش کیں، جنہیں دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بلال! اتنی عمدہ کھجوریں کہاں سے لے کر آئے ہو، اس سے عمدہ کھجوریں کبھی دیکھنے میں نہیں آئیں؟ عرض کی: حضور! میرے پاس ردی کھجوریں تھیں، میں نے دگنی کھجوریں دیکر یہ اچھی کھجوریں حاصل کی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (یہ تو ناجائز ہے) جاؤ! یہ کھجوریں واپس کروا پنی کھجوریں حاصل کرو، پھر انہیں کسی چیز کے بدلے بیچ دو پھر اسی چیز کے ذریعے ان اچھی کھجوروں کو خرید کر میرے پاس لاؤ، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا میں نے ویسا ہی کیا، جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر خدمت ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمت ربا والی حدیث بیان فرمائی۔ (المعجم الکبیر، ج:۱، ص:۳۹۹)

حضور کے لیے سایہ کرتے: یوم ترویہ (آٹھ ذی الحجہ) کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقام منی سے مکۂ مکرمہ کے لیے روانہ ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، انہوں نے ہاتھ میں ایک لکڑی پکڑ رکھی تھی، لکڑی پر ایک کپڑا بندھا ہوا تھا، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے ذریعے سورج کی تمازت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دور کر رہے تھے۔ (المعجم الکبیر، ج:۸، ص: ۲۲۴، مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۲۳۰۵)

جذبۂ جاں نثاری: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کے سچے عاشق اور خادم تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کے بارے میں پوچھتے تو جواب عرض کرتے اور ساتھ

میں اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ''جعلنی اللہ فداك''۔ ایک مرتبہ حضور نے پوچھا: بلال! برتن میں پانی ہے؟ تو عرض کرتے ہیں ''نعم! جعلنی اللہ فداك'' ہاں حضور پانی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیشہ مجھے آپ پر فدا رکھے۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۸، ص:۳۰۸، مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۶۸۲۴)

عاجزی و انکساری: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و معیت نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فضائل و مناقب کا عظیم مجسمہ بنا دیا تھا لیکن اس سب کے باوجود وہ کبھی اپنے فضائل پر اتراتے نہ خوبیوں پر نازاں ہوتے بلکہ ہمیشہ عجز و انکسار کا پیکر بنے رہتے، ایک طرف صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان کی تعظیم و توقیر بجا لاتے، فاروق اعظم جیسے جلیل القدر صحابی انہیں اپنا سید و سردار قرار دیتے چنانچہ آپ کا یہ فرمان بڑا مشہور ہے ''ابو بکر سیدنا اعتق سیدنا بلال'' ہمارے سردار حضرت ابوبکر نے ہمارے سردار حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آزاد فرمایا۔ (تاریخ دمشق، ج:۱۰، ص:۴۲۷)

حضرت عبداللہ بن عمر کے ایک بیٹے کا نام بلال تھا، کسی شاعر نے بلال بن عبداللہ کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے کہا: ''بلال بن عبداللہ خیر بلال'' عبداللہ کا بلال سب سے اچھا بلال ہے۔ یہ سن کر حضرت ابن عمر نے فوراً فرمایا: تم نے جھوٹ کہا، حقیقت یہ ہے کہ عبداللہ کا بلال سب سے بہتر بلال نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بلال سب سے بہتر بلال ہے۔ (تاریخ دمشق، ج:۱۰، ص:۴۷۳، سیر اعلام النبلاء، ج:۱، ص:۳۴۹)

قارئین نے ہمارے بیان کردہ دو واقعات سے اندازہ کیا ہوگا کہ صحابۂ کرام کس قدر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف و توصیف اور تعظیم و توقیر کیا کرتے تھے؟ بعض حضرات نے تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی افضل کہنا شروع کر دیا، اس پر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں زبردست تنبیہ فرمائی کہ ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے، آپ نے فرمایا: تم لوگ مجھے حضرت ابوبکر سے افضل کیسے سمجھ سکتے ہو جبکہ حال یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیکیوں میں سے ایک نیکی کا نام حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے، آپ کا فرمان عالیشان ہے: ''انما انا

حسنة من حسناته''۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۱،ص:۳۵۹، تاریخ دمشق، ج:۱۰،ص:۴۷۵)

اب ہم حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک ایسا فرمان پیش کرنے جا رہے ہیں جو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عاجزی وانکساری کی سچی تصویر بھی ہے اور قیامت تک کے مؤمنین کے لیے درس عبرت بھی، جب لوگ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ان کی فضیلت کا تذکرہ کرتے اور ان کی خداداد خیر کو یاد کرتے تو آپ فرماتے: ''انما انا حبشی کنت بالامس عبدا'' (لوگو! میری فضیلت کے تذکرے چھوڑو مجھے یاد ہے) کہ میں وہی بلال حبشی ہوں جو کل تک دوسروں کا غلام تھا۔ (تاریخ دمشق، ج:۱۰،ص:۴۷۵، سیر اعلام النبلاء، ج:۱،ص:۳۵۹، الطبقات الکبری، ج:۳،ص:۲۱۹)

مبالغہ آرائی سے مکمل پرہیز: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن تھے اور کئی خاص و عام پیغام حضور کی جانب سے لوگوں کو پہنچاتے تھے۔ ظاہر ہے اس اہم اور نازک ذمہ داری کو انہیں بخوبی نبھانا تھا، اس میں وہ اپنی طرف سے بالکل بھی کمی وزیادتی نہیں کر سکتے تھے لیکن اس کے سوا بھی وہ عام معاملات میں جو بات کہتے اس میں بھی صداقت، سچائی اور راست گوئی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے، خاص کر ایسے معاملات جہاں خواص بھی مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے معاملات میں بھی راہ اعتدال پر قائم رہتے، چنانچہ جب ان کے دینی بھائی حضرت ابورویحہ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اہل یمن کے ایک قبیلے میں اپنی شادی کی سفارش کرانا چاہی تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلا لاگ لپیٹ کے اپنے بھائی کا جو تعارف کروایا اس کو پڑھیے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حق گوئی کی داد دیجئے، آپ نے فرمایا: میں بلال ہوں اور یہ میرا بھائی ہے جو اخلاق و دین میں کوئی اچھا آدمی نہیں ہے اگر تم چاہو تو اس کے ساتھ شادی کر دو اور نہ چاہو تو مت کرو، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ تبصرہ سن کر گھر والوں نے کہا: اے بلال! جس کے بھائی آپ ہوں ہم اس کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کرنے کو تیار ہیں لہٰذا انہوں نے اپنی بیٹی کی شادی آپ کے

بھائی کے ساتھ کر دی۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بھائی نے ایک یمنی قبیلے میں اپنی شادی کا پیغام دیا پھر اپنا اور اپنے بھائی کا تعارف کچھ اس طرح کرایا: میں بلال ہوں اور یہ میرا بھائی ہے ہم دونوں حبشی غلام تھے کہ اللہ نے ہمیں آزادی بخشی، ہم گمراہ تھے اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت عطا فرمائی، اگر تم ہمارے ساتھ اپنی بیٹیوں کا نکاح کرتے ہو تو الحمد للہ! اور اگر نہیں کرتے تو (کوئی حرج نہیں) اللہ سب سے بڑا ہے۔

(طبقات ابن سعد، ج:۳،ص:۲۱۸)

روایت حدیث: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے، حضور کی باتوں کو سنا اور افعال کو دیکھا پھر ضرورت پڑنے پر انہیں بیان بھی فرمایا، صحابۂ کرام کو آپ پر کامل اعتماد تھا، اس لیے وہ آپ سے احادیث روایت فرماتے تھے، تابعین حضرات نے بھی آپ سے احادیث روایت فرمائیں، چنانچہ تاریخ دمشق میں ہے: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث روایت فرمائیں اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اعظم اور صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین کی ایک جماعت نے احادیث بیان فرمائی ہیں۔

(تاریخ دمشق، ج:۱۰،ص:۴۳۶)

علامہ ابن اثیر نے فرمایا: آپ سے جماعت صحابہ میں حضرت ابوبکر صدیق، فاروق اعظم، مولائے کائنات حضرت علی، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، کعب بن عجرہ، اسامہ بن زید، جابر، ابوسعید خدری اور حضرت براء بن عازب نے احادیث روایت فرمائی ہیں۔ تابعین میں سے مدینۃ المنورہ اور شام کے بڑے بڑے علما نے آپ سے روایت فرمائی ہیں۔(اسد الغابہ، ج:۱،ص:۴۱۷)

آپ کی مرویات کی تعداد: علامہ ذہبی کے بیان کے مطابق آپ کی روایت کردہ احادیث کی تعداد صرف چوالیس ہے، جن میں سے چار احادیث صحیحین میں مروی

https://alislami.net

ہیں، ایک متفق علیہ ہے، دو احادیث میں امام بخاری منفرد ہیں، ایک حدیث موقوف میں امام مسلم منفرد ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۱، ص:۳۶۰)

علامہ ذہبی کے بیان کردہ تعداد سے معلوم ہوا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احادیث کی روایت بہت کم کی ہے اور یہ ان کے جذبۂ احتیاط کے پیش نظر تھا، ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی لمبی مصاحبت، مصاحبت میں کمال قربت، قربت میں مواقع خدمت وغیرہ کا حاصل ہونا اس بات کا متقاضی تھا کہ ان کی مرویات کی تعداد بہت زیادہ ہوتی لیکن احتیاط کے جذبات نے انہیں کثرت روایات سے روک دیا، احتیاط کے یہ نمونے اور بھی کئی جلیل القدر صحابہ کی حیات مبارکہ میں پائے جاتے ہیں۔

اذان سے پہلے درود پڑھنے کی دلیل: حضرت عروہ بن زبیر فرماتے ہیں: قبیلۂ بنونجار کی ایک صحابیہ نے فرمایا: مسجد نبوی شریف کے قریب میرا گھر سب گھروں سے اونچا تھا، اسی پر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذان دیا کرتے تھے، وہ سحر کے وقت جلدی آجاتے اور چھت پر بیٹھ کر طلوعِ فجر کا انتظار کرتے، جب فجر کا وقت ہو جاتا تو انگڑائی لیتے ہوئے کھڑے ہو جاتے اور کہتے: ''اللّٰھم انی احمدك واستعينك على قريش ان يقيم دينك'' اے اللہ! میں تیری حمد بیان کرتا ہوں اور قریش کے معاملے میں تیری مدد طلب کرتا ہوں کہ وہ تیرے دین کو قائم کریں۔ (یہ دعا کرتے) پھر اذان پڑھتے صحابیہ فرماتی ہیں: خدا کی قسم! میرے علم کے مطابق ایک رات بھی ایسی نہیں جس میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دعا نہ مانگی ہو۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب الاذان فوق المنارہ، السنن الکبریٰ للبیہقی، حدیث:۵۱۹، الاذان فی المنارہ)

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ عمل ہم اہل سنت و جماعت کے لیے اس بات پر بہترین دلیل ہے کہ اذان سے پہلے حضور علیہ الصلوۃ والسلام پر درود وسلام پڑھا جاسکتا ہے کیونکہ جب اذان سے پہلے قوم قریش کے لیے دعا کی جاسکتی ہے وہ بھی ایک بار نہیں مسلسل تو پھر سردار کائنات کے لیے درود وسلام کی دعا کیوں نہیں کی جاسکتی۔

عشق مصطفیٰ نے مدینہ چھڑا دیا: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال فرمانے کے بعد حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفۂ رسول اللہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور مدینہ سے ہجرت کرنے کی اجازت چاہی، بعض روایتوں کے اعتبار سے حضرت ابوبکر صدیق نے ان کو اجازت دے دی اور بعض روایتوں کے اعتبار سے حضرت صدیق اکبر نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روک لیا لیکن فاروق اعظم کے زمانے میں انہوں نے بااصرار اجازت حاصل کر لی۔ (روایتوں کا اختلاف ہم نے تفصیل سے بیان کر دیا ہے) آخر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینۃ الرسول کو چھوڑ کر ملک شام کیوں چلے گئے؟ اس کی دو بنیادی وجہیں علمائے کرام نے بیان فرمائی ہیں: ایک تو وہی جو آپ نے حدیث پاک میں پڑھ لی کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جذبات جہاد سے سرشار تھے، وہ اپنی بقیہ زندگی جہاد فی سبیل اللہ میں گزارنا چاہتے تھے۔ (ان کا یہ مقصد ملک شام رہنے میں آسانی سے حاصل ہو رہا تھا کیونکہ ادھر مجاہدین اسلام دشمنان اسلام سے برسرپیکار تھے) دوسری بڑی وجہ ان کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھا، انہوں نے اپنے آقا و مولا کے ساتھ مدینۂ طیبہ میں جو زندگی گزاری تھی اور خدمت رسول کے جو نقوش ان کے دل و دماغ پر منقوش تھے، وہ اتنے عظیم تھے کہ بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کیے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔

اپنے دل کا یہ حال خود حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جانشین رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت ابوبکر صدیق کے سامنے ان الفاظ میں بیان فرمایا: ''انی لا ارید المدینه بدون رسول الله صلی الله علیه وسلم ولا احتمل مقام رسول الله صلی الله علیه وسلم خالیا عنه'' میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بغیر مدینۂ طیبہ میں رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا کیونکہ میں حضور کے مقام کو خالی دیکھ کر برداشت نہیں کر سکتا۔

(عمدۃ القاری، باب مناقب بلال، ج:١٦، ص:٢٤٤)

بے شک حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی صداقت دنیا نے اس وقت اپنی

کھلی آنکھوں سے دیکھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے سچے عشق کا کچھ حد تک اندازہ کیا، جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینۂ طیبہ حاضر ہوئے اور حسنین کریمین کی طلب پر آپ نے اذان دینا شروع کی لیکن جب زبان نے ''اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ'' کہا اور نگاہیں چہرۂ مصطفیٰ کی دید سے محروم رہیں تو وہی ہوا جس کا پتا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے ہی خلیفۂ رسول اللہ کو دے دیا تھا، غش کھا کر گر گئے اور اذان پوری نہ کر سکے۔

نہ زمیں ہے میری قرار گاہ
نہ فلک ہے منزل جذب دل
بڑی دیر سے ہے سفر میرا
تیری یاد سے تیری یاد تک
کوشش کے باوجود بھی تو بھولتا نہیں
تیرے بغیر کیا کروں کچھ سوجھتا نہیں

حضرت ابوذر غفاری کا حضرت بلال سے معافی طلب کرنا:

ایک موقع پر حضرت ابوذر غفاری اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان تیز کلامی ہوگئی، حضرت ابوذر غفاری فرماتے ہیں ''میرے اور ایک شخص کے درمیان تیز کلامی ہوگئی، اس کی ماں عجمیہ تھی، میں نے اس کی ماں کو کچھ کہہ دیا، اس نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس بات کو ذکر کر دیا، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا: کیا تم نے فلاں کو گالی دی ہے؟ میں نے عرض کیا: ہاں! فرمایا: اس کی ماں کو کچھ کہا ہے؟ میں نے عرض کیا: ہاں! فرمایا: تم میں کچھ جاہلیت ہے، میں نے عرض کیا: اس وقت تک بڑھاپے کے باوجود؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! (بخاری، کتاب العتق وکتاب الادب)

حضرت شارح بخاری علیہ الرحمہ شرح قسطلانی سے نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ قصہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ پیش آیا، حضرت ابوذر نے ان کو یہ کہہ دیا تھا ''او کالی عورت کے بچے'' انہوں نے دربارِ نبوی میں شکایت کر دی، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تم میں جاہلیت ہے،اس ارشاد کو سننے کے بعد حضرت ابوذر نے اپنا رخسار زمین پر رکھ کر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: میں زمین سے اپنا رخسار اس وقت تک نہیں اٹھاؤں گا، جب تک تم میرے رخسار کو قدم سے نہ روند دو، بالآخر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی ضد پوری کرنی پڑی۔(نزہۃ القاری، ج:۱،ص:۳۴۶،ارشاد الساری،قسطلانی، ج:۱،ص:۱۱۵)

تربیت صحابہ: سبحان اللہ! کتنے اچھے، کتنے سچے تھے حضور کے صحابہ، ان کے آقا ومولیٰ اوران پر لاکھوں کروڑوں درود وسلام نازل ہوں، حضور نے ان کی کیسی تربیت فرمائی کہ کبھی بتقاضائے بشریت کسی سے کوئی چوک ہوتی تو فریق ثانی اپنی طرف سے کوئی انتقامی کاروائی کرنے کے بجائے مقدمے کو اپنے افضل الخلق آقا ومولیٰ کی بارگاہ میں پہنچا دیتا، پھر انصاف فرمانے والے گروہ کے سردار حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو فیصلہ ہوتا وہ فریق اول کو پورا پورا جان ودل سے قبول ہوتا، حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے کہے گئے چند تادیبی جملے ان میں خوف خدا اور ندامت وشرمندگی کا ایسا احساس پیدا کردیتے کہ جب تک اپنے ساتھی سے معافی طلب نہ کرلیتے بلکہ معاف نہ کرا لیتے اس وقت تک ان کی بے قراری کا اضطراب تھمنے کا نام نہیں لیتا، معافی طلب کرنے کا انداز بھی کتنا نرالا کتنا سہانا ہے جسے آپ اوپر پڑھ چکے ہیں، یہ صرف اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی شایاں ہے۔

واقعے کا ایک لطف یہ بھی آپ ملاحظہ فرمائیں وہ خود اپنے خلاف گواہی دیتے تھے، جو پوچھا جاتا سچ سچ بتادیتے، ان کے خلاف الگ سے کسی گواہ کی ضرورت نہ تھی، انہیں خود اپنے خلاف گواہی دینے میں ذرہ برابر تامل نہ تھا، خدائے تعالیٰ کے فرامین جو انہوں نے مصطفائے کائنات کی زبانی سن رکھے تھے ان پر کامل ایمان رکھتے تھے اور مکمل عمل کرتے تھے۔اس واقعے میں آیت کریمہ ''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ''(سورۃ النساء، آیت:۱۳۵)اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے لیے گواہی دیتے رہو انصاف پر خوب قائم رہو پھر یہ گواہی چاہے تمہاری جانوں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو) میں مطلوبہ شہادت پر حضرت ابوذر غفاری نے کیا ہی بہترین عملی نمونہ پیش فرمایا ہے پھر

https://alislami.net

پڑھیے اور ان کے حسن عمل کی داد دیجیے، ہم گواہی دیتے ہیں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سب سے بہترین بندے اور سب سے افضل رسول ہیں، بے شک جماعت صحابہ زمین پر اللہ تعالیٰ کی بہترین گواہ ہے۔

ابوذر اور ایسا کلام: اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابوذر غفاری جو جلیل القدر صحابی ہیں، ان کا ایمانی مقام بہت بلند ہے پھر انہوں نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایسا کلام کیوں کیا، جو کسی بھی مسلمان کے ساتھ جائز نہیں ہے؟ اس سوال کو علامہ عینی نے اپنے ان الفاظ میں بیان کیا ہے ''کیف جوز ابو ذر ذلك وھو حرام'' اس ناجائز فعل کا ارتکاب حضرت ابوذر غفاری سے کیسے وجود میں آ گیا پھر خود ہی اس کا جواب دیتے ہیں: ''الظاھر ان ھذا کان منه قبل ان یعرف تحریمه'' ظاہر یہی ہے کہ یہ سب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس وقت سرزد ہوا جب انہیں اس فعل کے حرام ہونے کا علم نہیں تھا۔ (عمدۃ القاری، ج:۱ص:۲۰۸)

علامہ عینی کے اس جواب کو سن لینے کے بعد کسی شخص کو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق اس سلسلے میں کچھ بھی سوچنے کی گنجائش نہیں بچتی ہے۔

حضرت بلال نے معاف کر دیا: قارئین نے یہ بھی ملاحظہ کیا، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو چوک ہوئی اسے لے کر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی مخالفت پر جمے نہیں رہے بلکہ ان کے آقا نے جو عفو و درگذر کی فضیلتیں بیان فرمائی تھیں وہ انہیں یاد تھیں، لہٰذا جب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معذرت طلب کی تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں اپنی طرف سے معافی دے دی اور پھر دونوں حضرات شیر و شکر ہو کر زندگی گزارنے لگے۔ اے کاش! ہم بھی صحابۂ کرام کے اسوۂ حسنہ پر عمل کر کے اپنی زندگی سے عداوت و بغاوت کا خاتمہ کر پاتے۔

حضور کی گواہی بلال سچے ہیں: تعلیمات مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلب و جگر اور فکر و نظر پر ایسی محیط تھیں کہ ان کا کوئی قدم خلاف شریعت

نہیں اٹھتا تھا، صدق مقال تو ان کی ایسی شان تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں اس کی گواہی پیش فرمائی۔ اس سلسلے میں ایک حدیث نقل کر رہے ہیں جو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی زوجہ کے احوال سے متعلق ہے۔ الفاظ حدیث کا انداز یہ بتاتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوئی بات اپنی زوجہ کو مصطفیٰ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حوالے سے بتائی ہے اور اس پر زوجہ نے ان سے کچھ پس و پیش کا اظہار کیا جو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ناراضگی کا سبب بنا اور بات حضور تک پہنچ گئی، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سچائی کی گواہی عطا فرمائی، اب پوری حدیث پاک ملاحظہ فرمائیں: ''حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ حدیث بیان فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور انہیں سلام کیا پھر پوچھا: کیا بلال سے کوئی چوک ہوئی ہے؟ جواب دیتے ہوئے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ عرض گزار ہوئیں: نہیں یا رسول اللہ! سرکار نے پوچھا: پھر کیا تم بلال پر غصہ ہوئی ہو؟ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ نے عرض کیا: (میں ان پر کیسے غصہ ہوسکتی ہوں جب کہ) وہ مجھ سے بہت محبت فرماتے ہیں، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلال! میری جو حدیث بھی تم سے بیان کریں تو بیشک بلال اس میں سچے ہیں کیونکہ بلال جھوٹ نہیں بولتے، اے بلال کی اہلیہ! یہ بات یاد رکھو بلال پر غصہ مت کرنا کیونکہ جب تک تم بلال سے ناراض رہو گی تمہارا کوئی عمل قبول نہیں ہوگا۔ (تاریخ دمشق، ج:۱۰،ص:۴۶۳)

حضرت بلال کا زوجہ کے ساتھ حسن سلوک: حدیث پاک سے یہ بات بھی اچھے طریقے سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اپنی ازواج کے ساتھ معاملات بہت اچھے تھے، حدیث میں بیوی کی جانب سے کہے گئے الفاظ ''انہ یحبنی کثیرا'' (وہ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں) ہمارے دعوے کی بہترین دلیل ہیں پھر شوہر و بیوی کے درمیان جو معاملہ پیش آیا تھا وہ اپنی جگہ لیکن جب سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوی سے پوچھ گچھ کی تو کہیں بھی ان کی اہلیہ نے ذرہ برابر بھی حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

کوئی شکایت نہیں کی، اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معاملہ اپنی ازواج کے ساتھ سخت گیر نہ تھا اگر ایسا ہوتا تو حضور کو اس موقع پر ضرور بتایا جاتا پس ثابت ہو گیا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی ازواج کے ساتھ حسن اخلاق کا پیکر مجسم تھے۔

حضرت بلال کی عرض پر معجزے کا ظہور: ایک مرتبہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فجر کی اذان پڑھی، یہ رات بڑی سرد تھی، سردی کی وجہ سے لوگ ابھی تک مسجد حاضر نہ ہو سکے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: اے بلال! ابھی تک لوگ مسجد حاضر کیوں نہیں ہوئے؟ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: حضور ٹھنڈک کی شدت نے لوگوں کو مسجد آنے سے روک دیا ہے، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی بارگاہ میں عرض کیا: ''اللّٰھم اذھب عنھم البرد'' اے اللہ! لوگوں سے سردی کو دور فرما دے، حضرت بلال کہتے ہیں: حضور کی دعا کا اثر یہ ہوا کہ میں نے دیکھا کہ فجر کی نماز میں لوگ پنکھا جھل رہے تھے۔

(مسند البزار، حدیث: ۱۳۵۶، معرفۃ الصحابہ، حدیث: ۱۱۳۵، اسد الغابہ، ج:۱، ص:۴۱۸)

فضائل ومناقب: ذات باری پر کامل ایمان، اطاعت رسول، حب رسول اور خدمت رسول جیسے اوصاف نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات کو گنجینۂ فضائل بنا دیا تھا، قرآن کریم اور احادیث رسول میں وارد حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تمام فضائل کو یہاں جمع کر دیا جائے تو کتاب خاصی ضخیم ہو جائے، ہم اختصاراً فضائل کے سمندر سے چند موتی چن کر کتاب کو مزین کرنے کی کوشش کریں گے۔

قرآن کریم اور حضرت بلال: (۱) اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد پاک ہے ''وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ'' اے محبوب جب آپ کی بارگاہ میں وہ لوگ حاضر ہوں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو ان سے فرمایئے تم پر سلام ہو، تمہارے رب نے اپنے ذمۂ کرم پر رحمت لازم کر لی۔

(سورۂ انعام، آیت: ۵۴)

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ بغوی فرماتے ہیں: یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت بلال، حضرت سالم بن ابی عبیدہ، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت حمزہ، حضرت جعفر، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت عمار بن یاسر، حضرت ارقم بن ابی ارقم اور حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے حق میں نازل ہوئی۔ (تفسیر بغوی، آیت مذکور)

علامہ بغوی کی بیان کردہ تفصیلات سے واضح ہو گیا کہ آیت میں مذکور فضیلت میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل ہیں، حضرت عکرمہ فرماتے ہیں: جب حضور اس جماعت کو دیکھتے تو فوراً ان کی عزت افزائی کے لیے سلام فرماتے۔ (تفسیر بغوی، آیت مذکور)

بات بالکل ظاہر ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان خوش نصیبوں میں شامل ہیں کہ جن کی عزت افزائی کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلام کی ابتداء فرماتے، اس آیت کریمہ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت افزائی سے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے پھر یہ کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان بخت آور لوگوں میں ہیں جن کے لیے ان کے رب نے اپنے ذمۂ کرم پر رحمت کو لازم کر لیا ہے۔

(۲) جب کفار قریش اور روٴسائے عرب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہمیں غربا اور شکستہ حالوں کے ساتھ بیٹھنے میں شرم آتی ہے اگر آپ انہیں اپنی صحبت سے جدا کر دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں، اگر ہم ایمان لے آئیں گے تو خلق کثیر ایمان لے آئے گی تو آیت کریمہ نازل ہوئی ''وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ '' اپنی جان ان سے مانوس رکھو، جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی رضا چاہتے ہیں۔ (سورہ کہف، آیت: ۲۸)

آیت کی تفسیر فرماتے ہوئے علامہ ابن کثیر تحریر فرماتے ہیں: کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ جب حضور ان (روٴسا) کے ساتھ جلوس فرمائیں تو اس میں غربا شکستہ حال اصحاب جیسے حضرت بلال، حضرت عمار، حضرت صہیب وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین

شریک نہ ہوں، اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو ان کی بات ماننے سے منع فرمادیا۔

(۳) اور فرمایا: ''وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ'' اور ان لوگوں کو دور نہ کرو جو صبح وشام اپنے رب کو اس کی رضا چاہتے ہوئے پکارتے ہیں۔

(سورۂ انعام، آیت: ۵۳)

اور حکم دیا: ''وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ'' آپ اپنے آپ کو اس جماعت کے ساتھ مانوس رکھیے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورۂ کہف، آیت: ۲۸)

مذکورہ تفصیل سے واضح ہوا کہ سورۂ انعام کی آیت: ۵۳ اور سورۂ کہف کی آیت: ۲۸، جن اصحاب کے حق میں نازل ہوئیں ان میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شریک ہیں۔

احادیث میں بلال: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں کثیر احادیث وارد ہیں، ہم ان میں سے یہاں صرف چند احادیث بیان کر رہے ہیں، امام بخاری بیان فرماتے ہیں:

(۱) حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بلال! مجھے یہ بتاؤ تم نے اسلام میں ایسا کون سا عمل کیا؟ جس کے اجر کی تم کو سب سے زیادہ توقع ہے، کیونکہ میں نے آج رات جنت میں اپنے آگے تمہارے چلنے کی آواز سنی، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: میں نے اسلام لا کر کوئی ایسا عمل نہیں کیا جس کی منفعت کی مجھے زیادہ امید ہو، سوا اس کے کہ میں دن اور رات کے وقت میں جب بھی مکمل وضو کرتا ہوں تو میں اس وضو سے اتنی نماز پڑھتا ہوں جتنی اللہ تعالیٰ نے میرے لیے مقرر کی ہے۔

(صحیح البخاری، حدیث: ۱۱۴۹، مسلم، حدیث: ۵۴۵۸)

(۲) دوسری حدیث میں ہے: اے بلال! تم نے کس عمل کی وجہ سے جنت میں مجھ پر سبقت کی ہے؟ میں گزری رات جنت میں داخل ہوا تو میں نے اپنے آگے تمہارے جوتوں کی آواز سنی، اس پر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: حضور! میں جب بھی اذان دیتا ہوں تو نماز بھی پڑھ لیتا ہوں۔

دوسری روایات میں ہے: میں جب بھی بے وضو ہوتا ہوں تو وضو کرتا ہوں اور دو رکعت نماز پڑھ لیتا ہوں۔ (صحیح ابن خزیمہ، حدیث: ۱۲۰۹، صحیح ابن حبان، حدیث: ۷۰۸۷)

حدیث کے بعض لطائف: علامہ غلام رسول سعیدی علیہ الرحمہ حافظ ابن حجر کے حوالے سے لکھتے ہیں: اس حدیث کا سیاق وسباق یہ بتاتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہر وضو کے بعد نماز پڑھنے کی وجہ سے یہ فضیلت حاصل ہوئی کہ وہ جنت کے اندر دکھائی دیے، اس حدیث میں یہ جملہ ''اے بلال! تم نے کس عمل کی وجہ سے مجھ پر جنت میں سبقت حاصل کی، یہ جملہ اس مفہوم میں ظاہر ہے کہ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جنت کے اندر دیکھا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قصہ خواب کا تھا، اس سے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت ثابت ہوگئی کیونکہ انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں۔ رہا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے چلنا تو یہ بیداری میں ان کی عادت کے موافق تھا تو خواب میں بھی اسی طرح دکھایا گیا (یعنی جیسے وہ بیداری میں خادم کی حیثیت سے آگے چلتے تھے جنت میں بھی اپنی خادمانہ حیثیت سے حضور کے آگے آگے چل رہے تھے) اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے داخل ہوئے ہوں، کیونکہ یہ ان کا تابع ہونے کا مقام تھا گویا کہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اشارہ کیا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زندگی میں جو مقام اور بلند مرتبہ ہے وہ بعد (جنت) میں بھی ان کو حاصل رہے گا، اس میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظیم فضیلت ہے، علامہ کرمانی نے کہا: کوئی شخص بھی مرنے سے پہلے جنت میں نہیں جائے گا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندگی میں اور بیداری میں جنت میں گئے، بہ ظاہر اس میں تعارض ہے لیکن علامہ کرمانی کے قول کی یہ توجیہ کی جائے گی کہ غیر انبیاء میں سے کوئی شخص بھی مرنے سے پہلے جنت میں نہیں جائے گا، یا یہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ آپ عالم دنیا سے نکل کر عالم ملکوت میں داخل ہو گئے تھے۔ (فتح الباری، ج:۲، ص:۸-۶۳ ملخصاً بحوالہ نعمۃ الباری، ج:۳، ص:۳۰۰)

معمولات اہلسنت کی دلیل: علامہ سعیدی مزید لکھتے ہیں: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اجتہاد سے نفلی عبادت کا وقت معین کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصویب کر دی، اس سے معلوم ہوا کہ نفلی عبادت کا اپنے اجتہاد سے وقت متعین کرنا جائز ہے، اس میں یہ دلیل ہے کہ معمولات اہلسنت صحیح ہیں کیونکہ اہل سنت نے اپنے اجتہاد سے عید میلاد النبی، گیارہویں شریف، سوئم، چہلم اور عرس کا وقت متعین کیا ہے جس طرح حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر وضو کے بعد دو رکعت پڑھنے کا وقت معین کیا تھا اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چوں کہ ان کا رد نہیں کیا تھا، اس لیے ان ایام کے معین کرنے میں شرعاً حرج نہیں ہے۔ (نعمۃ الباری، ج:۳،ص:۳۰۰)

(۳) حضرت زید بن ارقم فرماتے ہیں: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بلال بڑا اچھا آدمی ہے، وہ مؤذنین کا سردار ہے، اسکی اتباع مؤمن ہی کرے گا۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث:۵۱۱۹)

(۴) جنت تین لوگوں کی بہت مشتاق ہے، وہ ہیں حضرت علی، حضرت عمار اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم۔

بعض روایت میں چار لوگوں کا ذکر ہے، چوتھا نام حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے اور بعض روایات میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جگہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام ہے، بعض روایات میں دیگر صحابہ کے نام بھی وارد ہوئے ہیں۔

(تاریخ دمشق، ج:۱۰،ص:۴۵۱، سیر اعلام النبلاء، ج:۱،ص:۳۵۵)

(۵) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اے کاش! میری ماں وہ ہوتی جو بلال کی ماں ہے اور میرے والد بلال کے والد ہوتے اور میں بلال کی طرح ہوتا'' اور حضرت عمر نے فرمایا: ''ہمارے سردار حضرت ابو بکر نے ہمارے سردار حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آزاد فرمایا۔ (شرف المصطفیٰ، ج:۶،ص:۵۷)

فضائل کا اختصار: محدثین ومؤرخین نے آپ کے کثیر فضائل کا ذکر اپنی اپنی

کتابوں میں فرمایا ہے، ان میں سے چند یہ ہیں: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سابقین اولین کی جماعت میں شامل ہیں، سابقین اولین میں آپ کا درجہ بہت پہلے ہے، جن سات لوگوں نے سب سے پہلے اپنے اسلام کو ظاہر فرمایا، ان میں ایک حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، اسلام کے سب سے پہلے مؤذن اور تمام عمر آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مؤذن ہونا نصیب ہوا، بخت آوری کی انتہا کہ خادم رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا شرف حاصل کیا، اصحاب بدر میں امتیازی حیثیت سے آپ کا شمار ہوتا ہے، تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونے اور خدمت کرنے کا شرف حاصل رہا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی وجہ سے آپ کو خوب ستایا گیا، آپ کو تکالیف دینے میں کفار بداطوار نے ظلم کی انتہا کر دی لیکن خلاف اسلام وہ ایک کلمہ بھی آپ کے منہ سے نہ سن سکے، حضور سے کسی نے پوچھا: آپ کی اتباع کس کس نے اختیار کی ہے؟ تو فرمایا: ایک آزاد اور ایک غلام نے، آزاد سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور غلام سے مراد حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے خریدنے کی خواہش ظاہر کی اور حضرت ابوبکر سے ان کی خریداری میں شرکت طلب کی، قرآن کریم میں جس کے لیے آیات کا نزول ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے محاسن بیان فرمائے اور ''اشتاقت الجنة اليه'' کا مژدہ سنایا، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سابق الحبشہ کا تمغہ پایا اور سید المؤذنین کا لقب حاصل کیا وغیرہ وغیرہ۔

(عامۃ الکتب التاریخیہ، سیر اعلام النبلاء، ج:۱ص:۳۴۷، ۳۵۹)

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہل صفہ میں سے تھے۔ (سیر السلف الصالحین، ج:۱ص:۳۴)

شوق وصال اور عشق رسول: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فطرت کا سب سے چمکدار جوہر ان کا جذبۂ اطاعت وفرمانبرداری اور اپنے آقا کے ساتھ سچا خلوص اور وفاداری تھا، جس طرح اللہ تعالیٰ پر ان کا ایمان نہایت قوی اور مستحکم تھا، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کو بے حد خلوص اور بے انتہا جذبۂ فدائیت بھی حاصل تھا۔ وہ

https://alislami.net

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت والفت کو اپنی زندگی کا ماحصل سمجھتے تھے اور ان کی اتباع و پیروی کو خدا کی خوشنودی اور آخرت کا توشہ سمجھتے تھے، وہ دنیا کی زندگی میں اور موت کے بعد عقبہ کی زندگی میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب اور آپ کی رضا کے سوا کسی شے کے طلب گار نہ تھے۔ (حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ص:۹۶)

جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ کی زوجہ نے (جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابیہ تھیں) شدت غم سے نڈھال ہو کر کہا: ''واحزناہ'' (ہائے غم واندوہ کا عالم) زوجہ کا یہ کلام سن کر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''واطرباہ'' (واہ رے خوشی کے عالم) ان الفاظ کے ذریعے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی زوجہ کو تنبیہ فرمائی، یہ حزن کا عالم نہیں، یہ تو خوشی کا وقت ہے، پھر آپ نے ایک شعر پڑھا: ''غدا نلقی الاحبۃ محمدا وحزبہ'' کل ہم اپنے دوستوں سے ملاقات کریں گے، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں سے۔ (شرح شفا، ج:۲، ص:۴۸، مرآۃ الجنان وعبرۃ الیقظان، ج:۱، ص:۶۵، شذرات الذہب فی اخبار من ذہب، ج:۱، ص:۱۷۱، تاریخ دمشق، ج:۱۰، ص:۴۵۷، سیر اعلام النبلاء، ج:۱، ص:۳۵۹، الوافی بالوفیات، ج:۱۰، ص:۱۷۴)

گویا آسی غازی پوری نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عربی الفاظ کو اردو شاعری میں ڈھالتے ہوئے فرمایا:

آج پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسی
ہے شب گور بھی اس گل سے ملاقات کی رات

وفات: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے سلسلے میں علمائے سیر و تاریخ نے چند اقوال بیان فرمائے ہیں، سب سے مشہور قول یہ ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ۲۰ھ میں ہوا، بعض حضرات نے آپ کے وفات کا سال ۲۱ھ بھی بیان کیا ہے۔ (تاریخ دمشق، ج:۱۰، ص:۴۷۹، طبقات ابن سعد، ج:۳، ص:۲۱۹)

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں: امام بخاری نے فرمایا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ

https://alislami.net

نے دور فاروقی میں ملک شام میں وفات پائی۔ ابن بکیر نے فرمایا: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ طاعون عمواس کا شکار ہو کر واصل حق ہوئے۔ (الاصابہ، ج:۱، ص:۱۷۱)

علامہ ابن اثیر نے فرمایا: آپ کا وصال ۲۰ ھ میں ہوا، بعض حضرات نے ۱۷/ اور ۱۸/ ہجری کا قول بھی نقل کیا ہے۔ (اسد الغابہ، ج:۱: ص:۱۸۸)

علامہ ابن کثیر نے بھی آپ کے وفات کا سال ۲۰ ھ بیان فرمایا ہے۔

(البدایہ والنہایہ، ج:۸، ص:۳۰۵)

وقت وفات عمر شریف: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر مبارک وقت وصال کتنی تھی؟ اس بارے میں تاریخ کی کتابوں میں ''وله بضع وستون سنة'' جیسے الفاظ بیان کیے گئے ہیں، یعنی آپ کی عمر ۶۰/ سال سے زائد تھی۔

(البدایہ والنہایہ، ج:۸، ص:۳۰۵، اسد الغابہ، ج:۱: ص:۴۱۸)

بعض حضرات نے تعیین کے ساتھ آپ کی عمر شریف ۶۳/ سال بیان کی ہے۔

(شذرات الذہب فی اخبار من ذہب، ج:۱، ص:۱۷۱)

مزار مبارک: آپ کی قبر انور کے سلسلے میں کئی قول ملتے ہیں، سب سے زیادہ مشہور یہ ہے کہ شہر دمشق کے محلہ باب صغیر میں آپ مدفون ہیں، دوسرے قول کے مطابق آپ کی قبر شریف حلب میں باب اربعین میں واقع ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ آپ کو قریہ داریہ میں دفن کیا گیا۔ (تاریخ دمشق، ج:۱۰، ص:۴۸۰)

علامہ ابن عساکر نے اس مقام پر یہ صراحت فرمائی ہے کہ آپ کا انتقال قریہ داریہ میں ہوا پھر وہاں سے آپ کو باب صغیر لایا گیا، وہیں آپ کو دفن کیا گیا۔

(تاریخ دمشق، ج:۱۰، ص:۴۸۰، سیر اعلام النبلاء، ج:۱، ص:۳۶۰)

علامہ ابن کثیر نے حلب والے قول کو یہ کہہ کر رد فرما دیا ہے کہ حلب آپ کا نہیں بلکہ آپ کے بھائی خالد کا مدفن ہے۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۸، ص:۳۰۵)

اب ان اقوال کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ قول ہی زیادہ درست ہے

کہ آپ کا مزار مبارک دمشق کے باب الصغیر میں موجود ہے۔ واضح رہے کہ ملک شام کے دارالحکومت کا نام دمشق ہے اور ''داریا'' دمشق کے علاقہ غوطہ میں ایک بڑی بستی کا نام ہے۔

(حاشیۃ السیرۃ النبویۃ لابن کثیر، ج:۴،ص:۶۵۷)

ازواج: تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں فرمائیں،

علامہ محمد علی رضا لکھتے ہیں: اس سلسلے میں ہمارے پاس پانچ مختلف روایات ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پانچ مختلف شادیاں فرمائیں تھیں۔ (جمال بلال،ص:۱۵۳)

لیکن ہمیں صرف چار بیویوں سے متعلق ہی روایات مل سکیں جو ذیل میں درج کی جارہی ہیں۔

تاریخ دمشق میں ہے کہ بنو ابی بکیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی: حضور! ہماری بہن کا نکاح فلاں سے کردیں، حضور نے فرمایا: تم بلال کو کیوں بھولے ہوئے ہو؟ یہ لوگ دوبارہ حضور کے پاس حاضر آئے اور اپنی عرض کو دہرایا، حضور نے وہی جواب دیا جو پہلے دیا تھا، پھر تیسری مرتبہ بھی سب کچھ وہی ہوا، اس بار سرکار نے فرمایا: تم جنتی شخص (بلال) کو چھوڑ کر کہاں سرگرداں ہو؟ راوی کہتے ہیں: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ جملہ سن کر انہوں نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ نکاح کردیا۔

(تاریخ دمشق، ج:۱۰،ص:۴۶۴،طبقات ابن سعد، ج:۳،ص:۲۱۹)

طبقات ابن سعد کی روایت سے دوسری بیوی کا پتہ چلتا ہے، حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبیلۂ بنوزہرہ کی عربی خاتون سے نکاح کیا تھا۔

(ج:۳،ص:۲۱۹)

تیسری بیوی کا ذکر علما کی ایک جماعت نے اپنی اپنی کتابوں میں کیا ہے، علمائے کرام نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس زوجہ کا نام ہند الخولانیہ بیان فرمایا ہے۔

https://alislami.net

(معرفۃ الصحابہ لابی نعیم، حدیث:۸۶۹ ۷، اسد الغابہ، ترجمہ نمبر:۶ ۴ ۳ ۷)

ان تین بیویوں کا پتہ صاف طور پر تاریخ سے ملتا ہے۔ چوتھی بیوی کے بارے میں صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے اور آپ کے بھائی نے جو یمنی قبیلے میں اپنے نکاح کا پیغام دیا تھا۔ (اس روایت کو ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں) اگر اس پیغام کو قبول کرتے ہوئے اہل قبیلہ نے آپ کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا تھا تو وہ آپ کی چوتھی بیوی قرار پائے گی۔ (طبقات ابن سعد، ج:۳،ص:۲۱۸) واللہ اعلم بالصواب

اولاد: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شادیاں تو کئی فرمائیں، لیکن تاریخ میں آپ کے کسی بیٹے یا بیٹی کا ذکر موجود نہیں۔ مؤرخین فرماتے ہیں: ''بلال بن رباح مولی ابی بکر لا عقب له'' حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کوئی اولاد باقی نہ رہی۔ (تہذیب الکمال، فی اسماء الرجال، ج:۴،ص:۲۹۰، تاریخ دمشق، ج:۱۰،ص:۴۳۱، اسد الغابہ، ج:۱،ص:۴۱۸)

بخت آور بلال: ''تم نے خرید کر مجھے انمول کر دیا'' یہ مصرع حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات کا سچا اور اچھا ترجمان ہے، غلامی کی زنجیروں میں جکڑے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دین اسلام نے نہ صرف غلامی کی زنجیروں سے رہائی دلائی بلکہ نعرہائے احد احد نے ان کو اپنے امثال واقران میں ممتاز کر دیا، جہنم سے بچا کر جنت کی ابدی نعمتوں سے مالا مال کر دیا، مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فیض صحبت نے انہیں کہاں سے کہاں پہنچا دیا؟ ان کی زندگی کی سانس سانس یہ پکار رہی ہے:

عرشی ہلال کر دیا فرشی بلال کو
خیر الوریٰ نے چند ہی لمحے بٹھا کے پاس

ان کی تربت اطہر سے آج بھی یہ صدا گونج رہی ہے دین و دنیا کی بھلائیاں، کامیابیاں اور کامرانیاں چاہتے ہو تو قدم حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے لپٹ جاؤ، خاک پائے مصطفیٰ کے ساتھ لگا رہنا ہی مومن کی معراج اور ایمان کا کمال قرار پاتا ہے۔ واہ رے بلال! ہم آپ کی زندگی کو سوچتے ہیں تو سوچ کر حیران ہو جاتے ہیں، کہاں آپ کی زندگی پر وہ

https://alislami.net

غلامی کے بھیانک سائے جہاں امیہ جیسے ظالموں کے ظلم سہنے کے سوا زندگی میں اور کچھ نظر نہیں آتا، آپ امیہ کی غلامی کے بعد محمد عربی کے غلام کیا بنے کہ کائنات کے امام بن گئے، بقول علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ:

سر پہ سر کیوں نہ جھکے ان کے قدم پر ارشد
ایک غلامی ہے تو کونین کی آقائی ہے

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پوری زندگی ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ خلوص، وفا، محبت، اطاعت، استقامت اور جذبۂ جاں نثاری کا سبق پڑھاتی ہے، ان کی سیرت کے جھرونکوں سے آج بھی آواز سن سکتے ہیں:

جگر راہ وفا میں نقش ایسے چھوڑ آیا ہوں میں
جس منزل سے گزرا ہوں وہ اب تک یاد کرتی ہے

اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آقا پر، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ان کے تمام ساتھیوں پر

ان کے مولیٰ کی ان پر کروڑوں درود
ان کے اصحاب و عترت پہ لاکھوں سلام
جس مسلماں نے دیکھا انہیں اک نظر
اس نظر کی بصارت پہ لاکھوں سلام

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وآله واصحابه اجمعین

♣ ♣ ♣

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اجمالی تعارف: اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والتسلیم اور حضرت حواء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے انسانوں کو پیدا فرمایا، ان کی اولاد میں برکت رکھی، ان دو جانوں سے پیدا ہونے والی نسل اس کثرت سے بڑھی کہ خالی پڑی خدا کی زمین کے اطراف و جوانب کو بھر دیا، کوئی کہیں بسا تو کوئی کہیں جا پہنچا، زمین کے ویران خطے آباد ہوئے، ان کے نئے نئے نام رکھے گئے، انسانی آبادی مرضیِ مولیٰ کے مطابق شعب اور قبائل میں منقسم ہوگئی، قبائل کے بھی الگ الگ اور جدا جدا نام پڑ گئے تاکہ شناخت اور پہچان میں آسانی ہو، نہ جانے کتنے خطے ایسے ہیں کہ ہم ان کے ناموں سے بھی آشنا نہیں، نہ وہاں کے مکینوں سے ہمارا کوئی رابطہ اور واسطہ ہے، مگر بعض خطۂ زمین ضرور ایسے ہیں کہ وہ بعد مکانی کے باوجود بھی ہماری سماعتوں سے قریب اور ہمارے دل و دماغ میں محفوظ ہیں، اس میں زمین کی تاثیر نہیں بلکہ مکین کے کارناموں کی کارفرمائی شامل ہے۔ مکہ کو اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے پیدائش بننے کا شرف حاصل ہونا تھا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے یہاں نبی کے استقبال کے لیے کعبۂ مقدسہ کو زمین پر پہلے عبادت خانے کے طور پر اپنی معصوم مخلوق فرشتوں کے ہاتھوں تعمیر کروا دیا، پھر عہد بعہد اس کی تعمیر نو کے انتظامات بھی فرما دیے، نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کے دل شہر مکہ کی طرف جھک گئے اور وہ بندگان خدا کے دلوں کی دھڑکن بن گیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی برکت سے مکہ کے اطراف و جوانب میں پھیلے گاؤں اور دیہاتوں کے عظیم سلسلے کو بھی شہرت دوام اور حیات ابد حاصل ہوگئی، گو اس کے اسباب جدا جدا ہو سکتے ہیں لیکن سب کے رابطے کی ڈور جان عالمیاں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کے ذکر جمیل سے بندھی ہے۔ ایسی زمینوں میں ایک نام قبیلۂ غفار کی سرزمین کا بھی ہے، غفار قبیلۂ کنانہ کی ایک شاخ کا نام ہے، جس کی جائے سکونت مکہ کے قریب مقام سرف سے کچھ آگے ہے۔ (معجم البلدان، ج:۱، ص: ۲۱۴)

ان کے کنوؤں میں بدر اور ان کی وادیوں میں وڈان کا نام شامل ہے، ان کے دیار میں وادیِ صفراء بھی ہے، جو مکۃ المکرمہ اور مدینۂ طیبہ کے درمیان واقع ہے۔

(المعالم الاثیرہ فی السنۃ والسیر ۃ، ج:۱، ص:۲۰۹)

وادی وڈان وہ وادی ہے جو باہری دنیا کو مکۃ المکرمہ سے ملاتی ہے، اسی وادی میں ایک قبیلہ سکونت رکھتا اور اپنی گزر بسر کرتا تھا، اس کی معاشی زندگی بڑی کمزور بنیادوں پر قائم تھی، یہاں کے بسنے والے قریش کے ان قافلوں کے دست نگر تھے جو تجارتی اغراض کے تحت مکہ آتے جاتے تھے، یہ تجارتی قافلے ان پر جو رزق ارزانی کر دیتے وہی ان کی زیست کا سامان اور درد کا درماں تھا، اگر تجارتی قافلے بخل سے کام لیتے تو ارض غفار کے باشندے اپنے تیر کمان سنبھال کر قافلوں کے ساتھ لوٹ پاٹ کر کے اپنی خورد ونوش کا انتظام کر لیتے۔

(صور من حیاۃ الصحابۃ، ص: ۱۴۲)

حد تو یہ ہے کہ یہ قبیلہ حجاج کے قافلوں کو لوٹنے میں بھی دریغ نہیں کرتا تھا، اس قبیلے کا ایک بچہ عنفوان شباب کو پہنچا، جس کا نام ''جندب بن جنادہ'' تھا، جو لوٹ پاٹ اور غارت گری میں اپنے قبیلے کے عین نقش قدم پر تھا، ہاں شجاعت، بسالت، جرأت، حوصلہ مندی، بہادری، دل کی بے باکی اور عقل کی پختگی میں وہ اپنے اقران میں ممتاز تھا۔ قبیلے والے جب قافلوں کو لوٹنے کا ارادہ کرتے تو انہیں قزاقوں کی ایک ٹولی بنانا پڑتی تھی لیکن بسا اوقات یہ نوجوان قافلے پر اکیلے ہی حملہ کرتا، قافلے سے لوٹے ہوئے ساز وسامان کو مال غنیمت سمجھ کر اپنے گھر لے آتا، نوجوان کی زندگی کی ابتدا تو قزاقی اور غارتگری سے ہوئی تھی لیکن غیبی قوت اس کے لیے مددگار ثابت ہوئی، فطری خیر جو ہر فرد بشر کے سینے میں موجود ہوتی ہے، کسی کی بیدار ہو جاتی ہے اور کسی کی ہمیشہ کے لیے مر جاتی ہے، وہ خیر اس نوجوان کے دل میں جلد ہی

بیدار ہوگئی، تاریکیاں نور میں تبدیل ہونا شروع ہوگئیں، نوجوان اپنی دلی کیفیات کو بدلتا محسوس کرنے لگا، یہ بدلاؤ کسی داعی کی دعوت کا نتیجہ نہ تھا بلکہ یہ اس فطرت کا اثر تھا جس کے بارے میں ہمارا خالق فرماتا ہے: ''فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا''

ایک وقت ایسا آیا کہ نوجوان کی شخصیت پورے طور پر بدل گئی، یہ بدلاو ایسا تھا کہ جو جاہلیت والی شخصیت سے کوسوں دور تھا، اب جندب کی شخصیت ایسے قالب میں تبدیل ہو گئی تھی جسے شخصیت ماضیہ سے کوئی لگاؤ اور تعلق نہ تھا، یہ جندب میں پوشیدہ خیر کا نتیجہ تھا کہ وہ زمانۂ جاہلیت میں موحد بن گیا، اپنے انداز میں ایک خدا کی عبادت کرنے لگا اور بتوں کی پوجا سے دور رہنے لگا تھا۔ (ابوذر غفاری والشیوعیۃ للدکتور عبدالحمید محمود، ص: ۱۴)

حضرت خفاف بیان کرتے ہیں کہ آپ بہت بہادر تھے، قافلے کو اکیلے لوٹ لیتے اور اس پر حملہ کرتے اور ایسے حملہ کرتے جیسے درندہ حملہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں اسلام ڈال دیا۔ (تاریخ اسلام، ج:۳، ص:۴۰۸)

شاید ابھی آپ جندب بن جنادہ کو پہچان نہ سکے ہوں، لہٰذا ہم آپ کو بتائے دیتے ہیں کہ جندب بن جنادہ کوئی غیر معروف ذات نہیں بلکہ وہ تو اسلام کی مشہور ترین شخصیت کا نام ہے، البتہ لوگ انہیں جندب بن جنادہ کے نام سے کم جانتے ہیں، تاریخ اسلام انہیں فقر و تصوف کے امام عظیم المرتبت صحابی ''ابوذر غفاری'' کے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے۔ ذیل میں ہم ان ہی کی شخصیت پر اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے قدرے تفصیل سے کلام کریں گے۔

نام ونسب: علامہ ابن اثیر نسب نامہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام (اور ان کے والد کے نام میں) کثیر اختلاف پایا جاتا ہے، سب سے زیادہ صحیح اور مشہور قول یہ ہے کہ آپ کا نام جندب اور والد کا نام جنادہ ہے، آپ کے نام اور والد کے نام کے سلسلے میں درج ذیل اقوال بھی موجود ہیں۔

(۱) بریر بن عبداللہ (۲) بریر بن جنادہ (۳) بریدہ بن عشرقہ (۴) جندب بن عبد اللہ (۵) جندب بن سکن ۔ آپ کا مشہور نسب نامہ درج ذیل ہے:

جندب بن جنادہ بن قیس بن عمرو بن ملیل بن صعیر بن حرام بن غفار۔

(اسد الغابہ، ج:٦، ص:٩٦)

علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ آپ کے نام اور آپ کے والد کے نام میں اختلاف ہے۔ مشہور یہ ہے کہ آپ کا نام جندب بن جنادہ ہے۔ (الاصابہ، ج:٧، ص:٦٠)

ماں کا نام: آپ کی ماں کا نام رملہ بنت وقیعہ غفاریہ ہے۔ (الاصابہ، ج:٧، ص: ١٦١، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:١، ص:٨٠٠)

کنیت: آپ کی کنیت اتنی مشہور ہوئی کہ آپ کا نام ہی لوگوں میں مشکوک ہوگیا، بہت کم لوگ ہیں جو آپ کو نام سے پہچانتے ہیں دنیائے اسلام میں اپنی کنیت ابوذر کے ذریعے مشہور و معروف ہوئے، آپ کی کنیت آپ کے بیٹے ''ذر'' کے نام پر ''ابوذر'' مشہور ہوئی۔

علامہ ابن حجر نے الاصابہ میں ذر نامی ایک صحابی کا ذکر فرمایا ہے کہ یہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے تھے، مقام غابہ میں رہ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دودھ والی اونٹنیاں چرایا کرتے تھے، اچانک عیینہ بن حسن نے حملہ کردیا۔ (علامہ عینی نے حملہ کرنے والے کا نام عبدالرحمن بن عیینہ بن حصین لکھا ہے) حملہ آوروں نے ذر کو قتل کردیا اور ذر کی بیوی کو قیدی بنالیا، یہی واقعہ غزوۂ غابہ جسے غزوۂ ذی قرد بھی کہا جاتا ہے کا سبب بنا۔ علامہ ابن حجر آگے لکھتے ہیں: ابن سعد نے طبقات میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے کو غزوۂ ذی قرد میں شہید کیا گیا۔ (الاصابہ، ج:٢، ص:١٧١، عمدۃ القاری، ج:١، ص:٧، ص:٢٣٣، غزوۂ ذی قرد، امتاع الاسماء، ج:٨، ص:٣٨٠، غزوۃ الغابہ، مدارج النبوہ مترجم، ج:٢، ص:٢٤٣)

اس واقعے کا ذکر کثیر محدثین و مؤرخین نے فرمایا ہے، بہرحال ہمیں اس سے یہ ثابت کرنا ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک بیٹا تھا جس کا نام ذر تھا، جب یہ ثابت ہوگیا تو یہ بات بالکل صاف ہوگئی کہ اسی بیٹے کے نام پر ہی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابوذر رکھی گئی اور اسی لیے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی کو ''ام ذر'' کہا جاتا ہے۔

https://alislami.net

آپ کی کنیت ''ابوذر'' مشہور ہونے کے سلسلے میں بعض علمانے ایک لطیف واقعہ بھی بیان فرمایا ہے، جسے ہم ذیل میں بیان کررہے ہیں:

علامہ شمس الدین محمد بن عمر بن احمد سفیری شافعی شرح البخاری للسفیری المعروف بالمواعظ الوعظیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ بعض علمانے یہ افادہ فرمایا ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابوذر پڑنے کی وجہ یہ ہے، ذر کا معنیٰ ہوتا ہے چیونٹی، ہوا یہ کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک روٹی تھی اس پر چیونٹیاں آ گئیں تو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چیونٹیوں والی روٹی کا وزن کیا، پھر روٹی سے چیونٹیاں ہٹا کر اس کو تولا دونوں کا وزن برابر تھا، یعنی بغیر چیونٹیوں والی روٹی کو جب ترازو میں تولا گیا تو ترازو میں پہلے کے مقابلے کوئی حرکت پیدا نہیں ہوئی، اس پر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: دیکھیے دنیا کی ترازو میں اس ذر (چیونٹی) کا اثر ظاہر نہیں ہوتا اور اس کی وجہ سے ترازو کا پلڑا اونچا نیچا نہیں ہوتا مگر آخرت کی ترازو (میزان) اپنی عظمت کے باوجود ایک ذرے سے حرکت میں آ جائے گی، اس کا پلڑا اونچا نیچا ہو جائے گا بس اسی سے آپ کی کنیت ابوذر پڑ گئی۔ یہی مضمون علامہ صفوری نے اپنی کتاب نزہۃ المجالس میں لکھا ہے مگر یہ کہ انہوں نے اس قول کی نسبت علامہ ابن عماد کی طرف کی ہے۔

(شرح البخاری للسفیری، ج:۲، ص:۴۴، نزہۃ المجالس، ج:۲، ص:۲۰۴)

حلیہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قد لمبا جسم گداز (بعض روایتوں میں دبلا) رنگ گندمی داڑھی اور سر کے بال سفید تھے اور داڑھی گھنی تھی۔ (تاریخ مدینہ دمشق، ج:٦٦، ص:١٧٦، سیر اعلام النبلاء، ج:۲، ص:۷۴، تہذیب الکمال، ج:۳۳، ص:۲۹۵)

مؤاخات: بعض حضرات کے نزدیک حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مؤاخات حضرت منذر بن عمرو کے ساتھ قائم فرمائی تھی لیکن دوسرے بعض حضرات کا ماننا یہ ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مؤاخات کسی کے ساتھ بھی قائم نہیں کی گئی، اس کی وجہ یہ ہے کہ مؤاخات کا سلسلہ معرکۂ

بدر سے قبل تک جاری تھا، جب آیت میراث نازل ہوگئی تو سلسلہ مؤاخات منقطع ہوگیا چونکہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان لانے کے بعد اپنی قوم کی طرف واپس ہوگئے تھے پھر بدر و احد اور خندق کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مدینۂ طیبہ حاضر ہوئے۔(تاریخ دمشق، ج:٦٦،ص:٢١٩)

تحقیق یہ ہے کہ بدر کے بعد بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کے درمیان مؤاخات قائم فرمائی تھی۔ تفصیل جاننے کے لیے کتاب میں موجود مضمون ''مؤاخات'' کا مطالعہ فرمائیں۔

صراط مستقیم کی تلاش: ہماری تمہیدی گفتگو میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی میں روحانی طور پر انقلاب برپا ہو چکا تھا، اپنے انداز میں نماز پڑھا کرتے، خدا کی عبادت کیا کرتے، دل کے اندر ایک خلش تھی جو وصول حق کے لیے انہیں بے چین کیے ہوئے تھی، سکون قلب کے حصول کے لیے راہیں کیسے ہموار ہوتی ہیں اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ زندگی کے کس کس موڑ سے گزرتے ہیں؟ اس کا قدرے تعارف ہم استاذ العلما مفتی فیض احمد اویسی رضوی کے قلم حق رقم سے انہیں کے دیے ہوئے حوالوں کے ساتھ کراتے ہیں، آپ تحریر فرماتے ہیں:

جلا وطنی: آپ کے حالات میں ملتا ہے کہ آپ کو اپنے گھر سے جلا وطن کیا گیا تھا اور آپ اپنے ماموں کے یہاں رہائش پذیر ہوگئے تھے لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا یہ جلا وطنی کیوں ہوئی؟ بہرکیف آپ کی جلا وطنی کی علت خواہ کچھ بھی ہو آپ نے غفار کو چھوڑا، قریب کے رشتہ داروں میں آپ کے ایک ماموں کسی دوسرے قبیلے میں اقامت گزیں تھے، وہیں کا ارادہ کیا، اپنی والدہ اور بھائی کے ساتھ گھر سے نکل پڑے، قطع منازل کے بعد اس قبیلے میں پہنچے، آپ کے ماموں نے جو اپنی بچھڑی ہوئی بہن یعنی آپ کی والدہ کو اس غربت کے ساتھ آتے ہوئے دیکھا، جی بھر آیا بھانجوں کو تسلی دی خیمے خالی کر دیے غرض ایک ماموں سے جس ہمدردی کی امید ہو سکتی تھی وہاں آپ کو میسر آئی، نہایت چین اور اطمینان کے ساتھ

رہنے لگے یہاں ان کو اپنے مشغلے سے کوئی روکنے والا نہ تھا۔

ماموں کے یہاں سے روانگی: ماموں نے بھی آپ کے عنصر طیب اور جوہر ذاتی کو پہچان لیا، روز بروز ان کی توجہ زیادہ ہوتی جاتی تھی، آخر اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان کے ماموں کے یہاں آنے جانے والے لوگوں کے دلوں میں رشک کا مادہ پیدا ہوا، ان دونوں بھائیوں نے بہت سے حاشیہ نشینوں کی جگہ لے لی تھی، ان کے گھر کے کام جو اب تک دوسروں کے ساتھ متعلق تھے ان لوگوں کے ہاتھ سپرد ہو گئے۔

الغرض مختلف اسباب وعلل نے اس مادے کو تیز کیا یہاں تک کہ رشک نے حسد کی صورت اختیار کی، مخالفوں کی ایک جماعت تیار ہوئی جو ان کے خلاف ہر امکانی کوشش کرنے کی فکر میں مصروف رہتی تھی، آپ کے ماموں کبھی کبھی سیر وشکار کی غرض سے گھر سے باہر بھی جایا کرتے تھے، مخالفوں نے اس کو غنیمت سمجھا، ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ سبھوں نے مل کر کہا کہ جناب آپ جب باہر جاتے ہیں اور گھر میں کوئی نہیں رہتا تو آپ کے بھانجے انیس گھر والوں پر افسری کرتے ہیں اور ہر قسم کی ابتری پھیلا دیتے ہیں، ان کی وجہ سے لوگوں کی ناک میں دم ہے، آپ کے ماموں کی عنایات گو آپ پر اور آپ کے بھائی پر بہت زیادہ بڑھی ہوئی تھیں اور شاید اسی وجہ سے شکایت کا ان پر کوئی غیر معمولی اثر پیدا ابھی نہیں ہوا۔ تاہم وہ آدمی تھے ایک دن موقع پا کر انہوں نے پوچھ لیا کہ بھائی انیس ایسا کیوں کرتا ہے؟ اس قدر جملے کا سننا تھا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپے سے باہر ہو گئے، ایک تو اس لیے کہ وہ فطری طور پر ایک کڑے مزاج کے آدمی تھے دوسرے غربت و مسافرت میں انسان کا دل بہت چھوٹا ہو جاتا ہے، وہ کسی کی معمولی بات کی تاب نہیں لاسکتا پھر واقعہ بھی سرے سے غلط، ممکن ہے کہ انجام کا بھی خیال آیا ہو، اگر اسی طرح ہم لوگوں کی شکایتیں ہونے لگیں تو آج تو معاملہ زیادہ خطرناک نہیں، ہوسکتا ہے کہ آئندہ ہمیں اپنے ماموں کے گھر سے بے غیرت ہو کر نکلنا پڑے، بس پھر کیا تھا؟ حسرت بھرے لہجے میں اپنے ماموں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: آپ نے تمام گذشتہ احسانات کی نہروں کو گدلا کر

دیا، بس اس کے بعد ہمارا اجتماع آپ کے ساتھ ممکن نہیں، اور اپنے اونٹوں پر لد کر وہاں سے بھی بلا کسی توقف کے روانہ ہوئے، بیچارے ماموں کو کیا خبر تھی کہ محض اتنی سی بات پوچھنے سے حضرت ابوذر کا یہ حال ہوگا وہ تو ہکّا بکّا ہو کر رہ گئے، روکتے تھے، تسلیاں دیتے تھے مگر یہاں کون سنتا ہے؟ وہ وقت بھی نہایت دردناک تھا جب کہ ان لوگوں کے اونٹ اس قبیلے سے گزر رہے تھے، خود حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے: ''فتغطی خالنا بثوبه وجعل يبكى'' ماموں اپنے منہ کو کپڑے سے ڈھانپ کر روتے جاتے تھے، الغرض رائی پہاڑ بنی اور آپ کو یہاں سے بھی رخصت ہونا پڑا۔

مکہ کی طرف رخ کرنا: مکۂ معظّمہ عرب کا مشہور شہر تھا آپ نے اپنے اونٹوں کو اس طرف پھیر دیا، خاص شہر میں تو جانا آپ نے مناسب نہ سمجھا لیکن اس کے اردگرد کسی قریب کے گاؤں میں اتر پڑے اور وہیں بود و باش اختیار کر لی، اس پر کچھ دن گزرے کہ اسی عرصے میں آپ کے بھائی انیس کا جو ایک زبردست شاعر تھے، کسی دوسرے شاعر سے مقابلہ ہوگیا، انیس اپنے اشعار کی تعریف کرتے تھے اور اسے بلند پایہ بتاتے اور دوسرا اپنی شاعری کی مدح سرائی کرتا اسے بڑھاتا، الغرض اسی نوک جھوک میں شرط کی نوبت آ گئی، بات اس پر طے ہوئی کہ جو ہارے وہ اپنے ریوڑ جیتنے والے کی نذر کرے، ایک کاہن حکم مقرر ہوا، دونوں اس کے پاس حاضر ہوئے، خوش قسمتی سے کاہن نے حضرت انیس کے موافق فیصلہ دیا، ان کے اشعار کو خصم کے شعروں سے بہتر بتایا، حضرت انیس خوشی خوشی اپنے ریوڑ کے ساتھ اس کے ریوڑ بھی قیام گاہ تک ہنکا لائے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اس تائید غیبی پر بہت مسرت ہوئی۔

دربار نبوی تک باریابی کے اسباب: یہ وہ زمانہ تھا کہ رافت سماویہ ملت ابراہیمیہ کے اتمام و احیاء کیلیے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت قدسیہ کا انتخاب کر چکی تھی، حراء کا واقعہ، نزول وحی، بعثت کے حوادث گزر چکے تھے، اسلام کی تبلیغ کی آواز عشیرہ واقربین سے گزر کر ام القریٰ میں گونج چکی تھی، گھر گھر اس نئے دین کا چرچا تھا، کفار میں

اسلاف پرستی کے اوصاف نمایاں تھے، بچوں سے بوڑھوں تک ہر ایک اپنے خود تراشیدہ معبودوں کی تائید میں سرشار ہو رہا تھا، راہگیروں میں اور مکہ میں آ کر بازار کرنے والوں کے اور اعراب و مسافرین کے کان کھڑے ہو چکے تھے، مکہ سے جو باہر جاتا وہ اس کی خبر اپنے شناسا کو ملنے جلنے والے کو تعجب سے سناتا تھا، اس عرصے میں مکہ سے کوئی مسافر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پڑاؤ کی طرف گزرا، آرام لینے کے لیے کچھ دیر شاید وہاں ٹھہرا ہوگا، بات میں بات پیدا ہوئی معلوم نہیں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خیالات سے اسے پہلے سے واقفیت تھی یا اسی وقت ان کی گفتگو سے اسے معلوم ہوا کہ آپ بھی ایک خدا کے ماننے والوں میں سے ہیں، بہرکیف اس نے کہا: ابوذر! یہ تم جو کچھ کہتے ہو مکہ کا ایک شخص اسی کا مدعی ہے، دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر کلام نازل فرمایا ہے اور اسے اپنا پیغمبر بنایا ہے، خدا کا حکم ہے کہ اس کے علاوہ اور کسی معبود سے کوئی واسطہ نہ رکھو، اس نے تو روا روی میں یہ خبر سنائی لیکن ادھر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دل بلیوں اچھل پڑا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گوہر مقصود کی جگمگاہٹ نے ان کے دل و دماغ کو روشن کر دیا، سمجھ لیا کہ وقت قریب ہے، دل کی بے چینی کی دوا آسمان سے اتر چکی ہے، سنتے ہی سنبھل کر بیٹھ گئے اور نہایت اضطراب کے ساتھ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کرنے لگے کہ اس کا اصلی وطن کہاں ہے؟ کس قبیلے کا آدمی ہے؟ مکہ کے کس خاندان سے اس کا تعلق ہے؟ راہگیر نے سارا نشان و پتہ بتا دیا کہ وہ مکہ کا آدمی ہے اور قبیلۂ قریش کے ممتاز خاندان کا آدمی ہے۔ (طبقات ابن سعد، ج:۶، ص:۵۴۴)

اس قدر پوچھ کر آپ چپ ہو گئے، دل میں عجیب کیفیت تھی جو رہ رہ کر مکۂ معظّمہ کی طرف ان کو گھسیٹ کر لے جانا چاہتی تھی لیکن کچھ اپنے بت پرست بھائی کا خیال کچھ مشرکہ ماں کی خاطر سے دل میں اس انگارے کو دبائے بیٹھے رہے، جو تبلیغ کے بعد ہر ایسے دل میں خود بخود بلا کسی دلیل و حجت کے پیدا ہوتا ہے، حقیقت و الفت کا ایک دریا تھا جو روح حضرت ابوذر میں جوش زن تھا، نہیں سمجھتے تھے کہ کیا ہے کیوں ہے؟ مگر تھا۔ اور وہ اس کے ہیجان سے

بیکل تھے، سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کریں مگر یہاں تو سعادت آپ کی پیشانی چوم رہی تھی، آپ کے رشد وہدایت کا سامان آسمان پر کیا گیا تھا، انیس رضی اللہ عنہ نے یکایک آپ سے آ کر کہا: بھائی جان! میں مکہ جاؤں گا، آپ ذرا اونٹوں کی نگہداشت فرمایئے گا، ان کے چارہ پانی کا خیال رکھیں، ان شاء اللہ بہت جلد واپس آتا ہوں۔ (مسلم وطبقات ابن سعد)

ایک آواز تھی یا بجلی جس کی رو تمام قویٰ وحواس پر آناً فاناً دوڑ گئی، خدا جانے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا دیکھا؟ سامنے سے کیا چیز تڑپ کر نکل گئی؟ مگر فوراً کچھ سوچ کر آپ یکایک تھم گئے اور خودساختہ طمانیت اور سکون طاری کرتے ہوئے انیس کو آپ نے اجازت دی اور اصل مقصد جس کو بے غرضانہ اسلوب مگر دل دوز لفظوں میں ادا کیا ہے۔ میں اسے بخاری شریف سے نقل کرتا ہوں: ”ارکب الی ھذہ الوادی فاعلم لی علم ھذا الرجل الذی یزعم انه نبی یاتیه الخبر من السماء واسمع من قوله ثم أتنی“۔ (البخاری، ج:۱،ص:۵۴۴)

انیس وادی مکہ جاؤ کوئی مضائقہ نہیں مگر ہاں! میرے لیے یہ کرتے آنا جو اپنے کو نبی خیال کرتا ہے اور کہتا ہے کہ آسمان سے اس کے پاس خبریں آتی ہیں، ذرا اس کی حالت دریافت کرنا، سننا کہ وہ کیا کہتا ہے، یہ کر کے پھر آنا، ادھر حضرت انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو مکہ کو روانہ ہوئے ادھر ایک شعلۂ انتظار تھا جو ان کے رخصت ہوتے ہوئے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل وجگر میں بھڑکنے لگا، رہ رہ کر اس کی شدت بڑھ رہی تھی، حتیٰ کہ اس سختی کو آپ اسلام لانے کے بعد بھی نہ بھولے تھے، اپنی داستان سناتے ہوئے فرمادیتے تھے، انیس نے بہت دیر لگائی تھی، بہرکیف دیر ہوئی تھی یا نہیں لیکن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ وقت بہت گراں گزرا، اور شاید اس سے زیادہ شکایت کسی تراخی کو انہوں نے کبھی نہیں کی۔

حضرت انیس واپس ہوئے ایک معمولی انداز کے ساتھ ملے اور پھر پوچھا کہ اتنی دیر تم نے کہاں لگائی؟ حضرت انیس نے فرمایا کہ اسی آدمی سے ملنے میں دیر ہوئی، اس کا

طریقہ وہی ہے جو آپ کا ہے، وہ اچھی عادتوں کی تعلیم دیتا ہے اور یہ صحیح ہے کہ وہ اپنے آپ کو رسول گمان کرتا ہے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اچھا مکہ والے ان کو کیا کہتے ہیں؟ کیسا آدمی سمجھتے ہیں؟ انیس نے کہا کہ اسے کوئی شاعر کہتا ہے اور کوئی کاہن کہتا ہے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس موقع پر غایت نشاط اور مسرت کے ساتھ اپنے اسلام کی حالت بیان کرتے ہوئے خاص اس مقام پر فرمایا کرتے تھے: انیس حالانکہ اچھا شاعر تھا مگر اس نے یہی کہا کہ صاحب میں نے شعر کے اوزان پر ان کے شعروں کو خوب جانچا، شعر تو وہ یقیناً نہیں ہیں، رہا کاہن تو میں سیکڑوں کاہنوں سے ملا ہوں، ان کی باتیں سنی ہیں لیکن اس شخص کے کلام کو ان کی گفتگو سے کوئی واسطہ نہیں، قسم خدا کی! وہ سب کے سب جھوٹے ہیں لیکن وہ سچا ہے۔ (طبقات وصحاح ستہ)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کیا حال ہوا؟ پوچھنے کی ضرورت نہیں، ناصح جب دل گرفتوں کا ہم خیال وہمدم ہو جاتا ہے اس وقت اطمینان کی جو خنکی دلوں میں محسوس کی گئی ہے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے کو بھی اسی سے معمور سمجھنا چاہیے، حضرت انیس کے خیال کے اس انقلاب نے ان کے تمام غم غلط کر دیے اور ایک مسرورانہ لہجہ میں فرمایا: ''ماشفیتنی مما اردت''۔ (بخاری)

ہم جس مرض کا علاج چاہتے ہیں، تم اس کی دوا نہیں لائے اور وہ کہاں سے لا سکتے تھے اس کے بعد کہا کہ انیس ''اکفنی اذھب فانظر'' تم میری جگہ اب گھر رہو، تاکہ میں جاؤں اور میں بھی تو دیکھوں کہ کون ہے کہ ساری تڑپ اور بے چینی اسی ایک نظر کے لیے تھی اور آہ کہ اس وقت تک کتنوں کو ہے۔ (سوانح حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ص:۹ تا ۱۷)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ماموں کا گھر کہاں تھا؟ اس اقتباس میں اس بات کا ذکر نہیں ملتا لیکن حلیۃ الاولیاء میں اس بات کی صراحت ہے کہ آپ کے ماموں علاقۂ نجد کے بالائی حصہ میں رہتے تھے۔ (ج:۱، ص:۱۵۷)

گوہر مراد قریب ہوا: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس دولت کی

https://alislami.net

تلاش میں تھے اس کے اسباب اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے لیے مقدر فرما دیے، وہ وقت قریب سے قریب تر آ پہنچا ہے، جب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کا مقصود حاصل ہوگا، وہ رحمت عالمیاں کی آغوش رحمت پناہ میں پہنچ کر اسلام کی دولت لازوال سے مشرف ہوں گے اور ہمیشہ کے لیے داعی اسلام کے ہو رہیں گے، ہمارے قارئین پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ اسلام کی ابتدائی اور پوشیدہ دعوت کا دور ہے اور اس وقت میں مسلمان ہونا گویا اپنے آپ کو مصیبتوں کے منہ میں ڈال دینا ہے، لیکن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دین حق چاہیے تھا، خواہ قیمت کچھ بھی کیوں نہ چکانا پڑے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ان کی باریابی اور دامن اسلام میں ان کی پناہ یابی کو ہم علامہ پیر کرم شاہ الازہری کی زبانی بیان کر رہے ہیں، آپ تحریر فرماتے ہیں:

اسلام میں داخلہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے توشہ دان میں کھانے کا سامان رکھا، ہاتھ میں عصا تھا اور مکہ کی طرف روانہ ہو گیا، ساری مسافت پیدل طے کر کے مکہ پہنچا، وہاں میری جان نہ پہچان، میں نے سیدھا حرم شریف کا رخ کیا، میں اس شخص کو نہیں جانتا تھا جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور جس کی زیارت کا شوق کشاں کشاں مجھے یہاں لے آیا تھا اور کسی سے حضور کے بارے میں پوچھنا بھی مناسب نہیں سمجھتا تھا، مبادا کسی مشکل میں پھنس جاؤں، میں انتظار کرتا رہا یہاں تک کہ رات ہو گئی، میں وہیں لیٹ گیا مجھے علی مرتضیٰ نے دیکھا، آپ سمجھ گئے کہ میں مسافر ہوں، میرا یہاں کوئی ٹھکانہ نہیں، اس لیے حرم شریف میں فروکش ہو گیا ہوں، آپ نے مجھے اپنے پیچھے پیچھے چلنے کا اشارہ کیا چنانچہ میں آپ کے پیچھے چل پڑا، راستے میں نہ آپ نے مجھ سے کچھ پوچھا اور نہ میں نے خود کچھ بتایا، رات آپ کے وہاں بسر کی، صبح ہوئی تو اپنا توشہ دان اٹھایا اور حرم میں آ کر ڈیرہ ڈال دیا۔

دوسرا دن بھی گزر گیا حضور کی زیارت نصیب نہ ہوئی، شام ہوئی تو چادر بچھا کر لیٹ گیا، حضرت علی مرتضیٰ کا پھر گزر ہوا، مجھے کل کی طرح بے خانماں دیکھ کر اپنے ساتھ لے

گئے، راستے میں سکوت طاری رہا نہ انہوں نے مجھ سے کچھ پوچھا اور نہ میں نے اپنے بارے میں از خود کچھ بتایا، دوسری رات بھی گذر گئی، صبح کا اجالا ہوا تو اپنا سامان اٹھا کر حرم میں آ گیا، جب تیسرے دن کا سورج بھی غروب ہو گیا اور شام کے دھندلکے نے اپنی چادر پھیلانی شروع کر دی اور میں فرش حرم پر آرام کرنے کی غرض سے لیٹنے کی تیاری کرنے لگا تو پھر شاہ مرداں علی مرتضیٰ آتے ہوئے دکھائی دیے، میرے پاس آئے اور مجھے اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا، جب ہم منزل پر پہنچے تو آپ نے مہر سکوت توڑتے ہوئے دریافت کیا کہ تمہارا یہاں کیسے آنا ہوا ہے؟ میں نے عرض کی: اگر آپ میرے ساتھ پختہ وعدہ کریں کہ آپ میرا راز فاش نہیں کریں گے اور میری راہبری کریں گے تو میں اپنی آمد کا مقصد بیان کرتا ہوں، آپ نے مجھے راز داری کا یقین دلایا تو میں نے سارا ماجرا کہہ سنایا، میری بات سن کر آپ نے فرمایا: بے شک وہ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں، صبح میں تمہیں اپنے ساتھ ان کی خدمت میں لے جاؤں گا، صبح ہوئی تو حسبِ وعدہ آپ مجھے ساتھ لے کر جانے کے لیے تشریف لائے، مجھے فرمایا: تم چپکے چپکے میرے پیچھے چلتے آنا اگر مجھے کوئی خطرہ محسوس ہوا تو میں اس طرح کھڑا ہو جاؤں گا جس طرح میں لوٹے سے پانی بہا رہا ہوں یا اپنی جوتی کا تسمہ درست کر رہا ہوں اور اگر کوئی خطرہ نہ ہوا تو میرے پیچھے اطمینان سے چلے آنا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ سیدنا علی آگے آگے چلتے رہے، میں آہستہ آہستہ ان کے پیچھے پیچھے، چنانچہ میں آپ کی معیت میں حضور سرور کائنات کی بارگاہ میں حاضر ہوا، میں نے عرض کی: یارسول اللہ! میرے سامنے اسلام پیش فرمائیں، حضور پر نور نے بڑے دل نشیں پیرائے میں اسلام کی حقیقت سے مجھے آگاہ کیا، حضور کی ہر بات میرے دل میں اترتی چلی گئی، جب حضور کا ارشاد اختتام پذیر ہوا تو میرا بخت خفتہ بیدار ہو چکا تھا، میرے تاریک دل میں ایمان کی نورانی شمع جگمگانے لگی تھی، شکوک وشبہات کا سارا غبار چھٹ گیا تھا، اسی وقت اور اسی جگہ حضور کے دست ہدایت بخش پر میں نے اسلام کی بیعت کی، حضرت ابوبکر بھی خدمت اقدس میں حاضر تھے، انہوں نے درخواست

کی کہ حضور اپنے جاں نثار غلام سمیت آج رات میرے کلبہ محزین میں رونق افروز ہوں اور ماحضر تناول فرمائیں، حضور نے اپنے عاشق صادق کی اس درخواست کو قبول فرمایا، رات کا کھانا سرور کائنات، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر احباب نے کاشانۂ صدیقی میں تناول فرمایا، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں زندگی میں پہلی مرتبہ طائف کے زبیب (خشک میوہ) کھانے سے لطف اندوز ہوا۔ مرشد کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم نے اپنے نو آموز مرید کو دو خصوصی نصیحتیں فرمائیں: ''بایع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا تأخذہ فی اللہ لومۃ لائم وعلی ان یقول الحق ولو کان مرا'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں پر ان سے بیعت لی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے نیز وہ حق بات کہیں گے خواہ وہ کتنی کڑوی ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہدایت کی کہ وہ یہاں (مکہ میں) ابھی اپنے ایمان کو ظاہر نہ کریں اور اپنے قبیلے کے پاس واپس چلے جائیں اور انہیں اسلام کی دعوت دیں، جب ہمارے فتح یاب ہونے کی تمہیں اطلاع ملے تو پھر میرے پاس آ جانا، آپ نے عرض کی: یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں تو مشرکین کے مجمع میں جا کر اپنے ایمان لانے کا اعلان کروں گا، چنانچہ ایک روز جب قریش کے قبائل حرم شریف میں اپنی اپنی مجلسیں جما کر بیٹھے ہوئے تھے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور پورے زور کے ساتھ اعلان کر دیا ''اشھد ان محمدا رسول اللہ'' حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ قریش یہ سن کر بھڑک اٹھے اور مجھ پر ہلہ بول دیا، جو چیز جس کے ہاتھ میں آئی لکڑی، ڈھیلا، ہڈی، پتھر اس سے مجھے زدوکوب کرنے لگے، یہاں تک کہ میں غش کھا کر گر پڑا، اتنے میں عباس آ گئے انہوں نے مجھے جھک کر دیکھا تو پہچان لیا اور انہیں جھڑکتے ہوئے کہا: کم بختو! یہ کیا کر رہے ہو؟ یہ قبیلۂ غفار کا آدمی ہے جسے مار مار کر تم نے ادھ مرا کر دیا ہے، تمہیں خبر نہیں کہ تمہارے

تجارتی قافلوں کا راستہ ان کے علاقے سے گزرتا ہے، تب ان لوگوں نے مجھے چھوڑا۔

جب مجھے ہوش آیا تو میں اٹھ کر زمزم کے کنویں کے پاس گیا، اس کے پانی سے اپنے جسم پر لگا ہوا خون دھویا، جوں توں کر کے رات گزری، صبح ہوئی تو جنونِ عشق نے پھر مجبور کیا کہ کفار کے بھرے مجمع میں اپنے محبوب کی رسالت کا پھر اعلان کروں، اس کے جرم عشق میں پیٹا جاؤں اور میرے انگ انگ سے خون کی ندیاں رواں ہوں، چنانچہ دوسرے روز قریش حسب دستور جب اپنی محفلیں جما کر بیٹھ گئے تو میں نے اپنے پھیپھڑوں کی پوری قوت سے نعرہ لگایا ''اشهد ان محمدا رسول الله'' میں نے یہ اعلان کر کے گویا بھڑوں کے چھتے میں پتھر مار دیا، یہ سنتے ہی سب بپھر گئے اور غضب ناک ہو کر مجھ پر ٹوٹ پڑے، مکوں، گھونسوں، سونٹوں اور پتھروں سے میری خوب مرمت کی، جگہ جگہ سے خون بہنے لگا غش کھا کر پھر گر پڑا، حضرت عباس پھر میرے لیے نجات کا فرشتہ بن کر آ پہنچے، ان کو خوب ڈانٹا اور انہیں بتایا کہ جس شخص پر تم یہ زیادتی کر رہے ہو، یہ اس قبیلے کا فرد ہے جس کے علاقے سے تمہارے تجارتی کارواں گزرتے ہیں، اس طرح مجھے ان سے چھٹکارا ملا۔

(سیرۃ الرسول، ج:۲،ص:۲۴۶)

خانۂ کعبہ میں پہلی صدائے حق: استاد خالد محمد خالد لکھتے ہیں کہ ہمارے علم کے مطابق خانۂ خدا میں صنا دید مکہ کے درمیان حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اعلانِ اسلام، یہ مسلمانوں کی طرف سے پہلا آواز ہ تھا جو خانہ کعبہ میں گونجا تھا، آپ کو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ یہ نعرۂ حق ایسے شخص نے بلند کیا تھا، جو مکہ کا باشی تھا نہ یہاں اس کا کوئی خاندانی وجود، اس کا کوئی حمایتی تھا نہ سفارشی بلکہ یہ ایک غریب الوطن اور اجنبی انسان کی آواز تھی جس نے مکہ کے گھمنڈیوں کے کانوں میں جھنکار پیدا کر دی تھی، اس کی پاداش میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو کچھ جھیلنا پڑا، ایسا نہیں کہ وہ کوئی غیر متوقع چیز تھی، حضرت ابوذر جیسی حساس طبیعت اور ثاقب ذہن رکھنے والے انسان سے یہ قطعاً توقع نہیں کی جاسکتی کہ ان کو نتائج کا اندازہ نہ تھا بلکہ یہ کلمۂ حق کی گواہی کا جوش تھا جو سوائے

اعلان حق کے کسی دوسری چیز سے سرد ہونے والا نہ تھا، خواہ قیمت کچھ بھی چکانا پڑے۔
(رجال حول الرسول، ص:۴۶)

سب سے پہلے اسلامی سلام: دین اسلام اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے، اس کی اپنی تہذیب اور اپنا تمدن ہے، اسلام میں تحیت وسلام کا انداز انتہائی انوکھا، حسین اور پر معنی ہے، دنیا میں موجود آداب وتسلیمات کا کوئی طریقہ اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا، سوال یہ ہے کہ اس سلام کو سب سے سے پہلے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کس نے پیش کیا؟ اگر ہم یہ سوال حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھیں تو جواب دیں گے: ''کنت انا اول من حیاہ تحیۃ الاسلام'' میں ہی وہ شخص ہوں جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سب سے پہلے سلام تحیت پیش کرتے ہوئے عرض کیا تھا: ''السلام علیك یا رسول الله'' اس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وعلیك ورحمة الله''۔ (مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل ابی ذر، الاصابہ، ج:۷، ص:۶۱، طبقات ابن سعد، ج:۴، ص:۲۶۰)

ڈاکٹر عبدالرحمن پاشا لکھتے ہیں: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے پہلے انسان ہیں جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اسلامی سلام کو پیش فرمایا، اس کے بعد یہ سلام اہل اسلام کے درمیان مشہور ومعروف ہوگیا۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ، ج:۶:۱۴۶)

خیال رہے کہ اسلام کے اس مقدس طریقۂ سلام سے پہلے لوگ ''انعم صباحا'' جیسے الفاظ سے ایک دوسرے کو سلام کرتے تھے، حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں: جب اسلام آگیا تو ہمیں اس جیسے سلام سے روک دیا گیا۔ (فتح الباری، ج:۱۱، ص:۴، کتاب الاستیذان باب بدء السلام)

اسلام میں آپ کا نمبر: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام سابقین اولین کی جماعت میں سرفہرست ہے، مؤرخین کے بیان کے مطابق آپ چوتھے یا پانچویں نمبر پر اسلام لائے، بعض حضرات نے چھٹا نمبر بھی بیان فرمایا ہے۔ (تاریخ دمشق، ج:۶۶، ص:۱۸۶، اسد الغابہ، ج:۶، ص:۹۶، صور من حیاۃ الصحابۃ، ص:۶:۱۴۶، رجال حول الرسول، ص:۴۵)

https://alislami.net

مبلغ مصطفیٰ بن کر مکہ سے رخصت: اسلام لانے کے بعد جتنے دن اللہ تعالیٰ نے چاہا حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ میں ٹھہرے رہے، اس دوران جتنا میسر ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم سیکھتے رہے اور اسلام کی تعلیم حاصل کرتے رہے، ان ایام میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قلب مصطفیٰ میں اپنی جگہ بنالی تھی، یہی وجہ رہی کہ جب مصطفیٰ کی بارگاہ میں ایک مرتبہ حاضر ہوئے تو اللہ کے نبی نے انہیں ایک راز کی بات بتائی، خود فرماتے ہیں: ایک دن میں مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اپنی ہجرت گاہ کے طور پر ایک کھجوروں والی زمین دکھائی گئی ہے، مجھے پوری امید ہے کہ وہ سرزمین یثرب ہے لہٰذا تم میرے مبلغ کی حیثیت سے ابھی اپنی قوم کی طرف چلے جاؤ، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے انہیں فائدہ پہنچائے گا اور ان کے ذریعے تمہیں اجر عطا فرمائے گا، جس وقت تمہیں یہ اطلاع ملے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں غلبہ نصیب فرمادیا ہے تو تم ہجرت کرکے ہمارے پاس آجانا۔ (طبقات ابن سعد، ج:۴، ص:۲۰۸، صور من حیاۃ الصحابۃ، ص:۱۴۸، دلائل النبوۃ لاسماعیل الاصبہانی، ص:۱۴۸)

تبلیغ اسلام اور اس کا اثر: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پاکر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی قوم کی طرف روانہ ہوگئے، گھر پہنچے تو سب سے پہلے انیس سے ملاقات ہوئی، انیس نے پوچھا: بھائی بتایئے کیا کچھ کر کے آئے ہو؟ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: الحمد للہ! مسلمان ہوگیا ہوں، اور میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کردی ہے، اللہ تعالیٰ نے انیس کا سینہ کھول دیا، انیس نے یہ کہتے ہوئے سلسلہ کلام کو آگے بڑھایا میں بھی آپ کے دین سے اعراض کرنے والا نہیں ہوں، میں اسلام لایا اور میں نے بھی تصدیق کی، پھر دونوں بھائی اپنی والدہ کے پاس پہنچے، والدہ کو دعوت اسلام پیش کی، والدہ کی زبان سے بھی وہی الفاظ جاری ہوئے جو ابھی کچھ دیر پہلے انیس نے کہے تھے، وہ بھی کلمۂ اسلام پڑھ کر داخل اسلام ہوگئیں۔ اس دن سے یہ پورا گھرانہ قبیلۂ غفار کو دعوت اسلام دیتا رہا، ان کے سامنے خدائے واحد کی عظمت، رسول اکرم

https://alislami.net

صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور اسلام کے محاسن بیان کرتا رہا، یہ لوگ دعوت دین سے تھکتے نہ اکتاتے، مسلسل اشاعت دین اور تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دیتے رہتے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے قبیلۂ غفار میں سے خلق کثیر کو ہدایت نصیب فرما دی اور یہ لوگ ایمان لے آئے، نماز قائم کر دی گئی، قبیلے کا سردار ایماء بن رحضہ اپنی قوم کی امامت کے فرائض انجام دیتا، البتہ ایک فریق نے یہ کہا: ہم اپنے دین پر قائم رہیں گے، یہاں تک کہ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم مدینۂ طیبہ تشریف لے آئیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینۂ طیبہ تشریف فرما ہو جائیں گے تو ہم بھی ایمان لے آئیں گے، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینۂ طیبہ تشریف لے آئے تو قبیلۂ غفار کے باقی ماندہ افراد بھی دولت اسلام سے مالا مال ہو گئے۔

(صور من حیاۃ صحابۃ، ص: ۱۴۸، طبقات ابن سعد، ج: ۴، ص: ۲۰۸)

خدائے وحدہٗ لاشریک کی قدرت کے فیصلوں پر قربان، اس کے فیصلے بڑے عظیم اور حکیمانہ ہوتے ہیں، وہی غفار جو کل تک چوروں اور ڈاکوؤں کے گروہ میں شامل تھے، رہزنی جن کا پیشہ تھا اور لوٹ مار ان کا ذریعۂ معاش، اللہ تعالیٰ نے ایک حضرت ابوذر کی کیفیت تبدیل فرمائی، راہ حق کی رہنمائی فرمائی، محبوب کی بارگاہ میں باریابی حاصل کرائی، دولت ایمان بخشی اور عظمت صحابیت عطاء فرمائی، پھر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امداد خداوندی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں سے بتوں کے پجاریوں کو خدائے واحد کا عابد، مشرکوں کو موحد اور رہزنوں کو رہبر بنا دیا۔

خود نہ تھے جو راہ پر غیروں کے ہادی بن گئے\
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

قبیلۂ اسلم میں چراغ حق کی روشنی: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تبلیغی مساعی کا سلسلہ صرف اپنے قبیلے، قبیلۂ غفار تک محدود نہ تھا بلکہ نور محمدی کی جو شمع حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آقا نے ان کے دل میں فروزاں فرمائی تھی اور اس کے ذریعے تاریکیاں دور کرنے کی جو ڈیوٹی لگائی تھی، وہ حضرت ابوذر کو اچھے طریقے

سے یاد تھی، لہٰذا حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے سلسلۂ تبلیغ کو قبیلۂ اسلم تک وسیع کر دیا اور یہاں بھی چراغ محمدی کی روشنی پھیلانا شروع کر دی۔ (رجال حول الرسول، ص:۴۶)

دو قبیلے بارگاہ رسالت میں: خوشی ہو یا غم، زمانے کو اپنی رفتار سے کام ہے، کسی کے غم پر اس کی رفتار کم ہوتی ہے نہ خوشی پر زیادہ، جو ذمہ داری خالق و مالک کی طرف سے عطا ہوئی ہے، لیل و نہار کا آنا جانا پوری پابندی کے ساتھ اس پر گامزن ہے اور ہمیشہ رہے گا، زمانہ گزرتا رہا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں اپنی منصبی ذمہ داریاں نبھاتے رہے اور کفار مکہ اپنی طبیعت کے مطابق پیغمبر اسلام اور ان کے دیوانوں پر ظلم ڈھاتے رہے، ادھر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی ڈیوٹی پر مستعد رہے، آخر وہ وقت بھی آ گیا جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رب کے حکم سے مسلمانوں کو مدینۂ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی اور خود بھی اپنے یار غار کے ساتھ ہجرت فرما کر مدینۂ طیبہ میں فروکش ہو گئے۔

ایک دن کی بات ہے، مدینۂ طیبہ کی وادیوں نے ایک قافلے کا استقبال کیا، قافلے میں شامل انسانوں کی لمبی قطاروں نے مدینۂ طیبہ کی فضاؤں کو غبار آلود بنا دیا تھا، قافلے میں تکبیرات وتہلیلات کے نغمے سنائی دے رہے تھے اگر یہ تکبیرات کی بلند آوازیں نہ ہوتی تو اہل مدینہ یہی گمان کرتے کہ مشرکین کے کسی غارت گر لشکر نے ان کے اوپر چڑھائی کر دی ہے لیکن ذکر خدا کی صداؤں نے اس گمان کو بالکل مردود بنا دیا تھا، قافلہ اور قریب ہوا اور مدینۂ طیبہ میں داخل ہو گیا، اب اس کا رخ مسجد نبوی کی جانب تھا، دیکھنے پر معلوم ہوا کہ یہ قافلہ دو قبیلوں کے افراد پر مشتمل ہے، جن میں سے ایک کو غفار اور دوسرے کو اسلم کہا جاتا تھا، قافلے کو لے کر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تھے، قافلے میں مسلمانوں کی خاصی تعداد تھی، مرد، عورت، بوڑھے، جوان اور بچے سبھی اس میں شامل تھے، جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کل حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے اسلام لانے پر تعجب خیز نظروں سے دیکھا تھا، کیونکہ پیغمبر اسلام کے

https://alislami.net

سامنے ایک ایسا شخص کھڑا تھا جس کا کام قزاقی اور غارت گری تھا، اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تعجب کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا تھا ''اِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ '' اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت نصیب فرماتا ہے۔

آج جب کہ پورا قبیلہ نہ صرف غفار بلکہ اس کے ساتھ قبیلۂ اسلم بھی اسلام اپنا کر، اللہ کی کبریائی کا نغمہ گا کر، حضور کی غلامی کا قلادہ گلے میں ڈال کر، حضور کی بارگاہ میں حاضر تھا تو حضور کی خوشی اور تعجب کا حال کیا ہوگا؟ آج تو غارت گری میں ممتاز افراد ہدایت وخیر کے ساتھ زمانے میں ممتاز ہو گئے تھے، جو شیطان کے حلیف تھے وہ رحمٰن کے وفادار بن گئے تھے، اب قرآن کریم کی اس صداقت میں کسی کو شک نہیں ہوسکتا تھا ''اِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ '' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے ان پیروکاروں پر ایک نظر فرمائی، ایسی نظر جس میں خوشی اور جذبات محبت کا ایک سیل رواں تھا، حضور قبیلۂ غفار کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''غفر اللہ غفارا'' پھر قبیلۂ اسلم کی طرف روئے مبارک کرتے ہوئے گویا ہوئے ''اسلم سالمھا اللہ'' اللہ تعالیٰ قبیلۂ غفار کو بخشے اور قبیلہ اسلم کو سلامت رکھے۔

(رجال حول الرسول، ص: ۴۷)

کیا کوئی گمان کرسکتا ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی اس عظیم خدمت پر بارگاہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے انعام نہ ملا ہو؟ انعام ملا، خوب ملا اور بڑا عظیم ملا، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس پر شاہد و ناطق ہے۔

مدینہ کب حاضر ہوئے اور کب تک رہے: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کے حکم سے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبلغ کی حیثیت سے اپنے وطن واپس چلے گئے تھے، اپنے قبیلے میں رہ کر تبلیغ کی خدمت انجام دیتے رہے اور یہاں کافی لمبا وقت گزارا، یہاں تک کہ بدر و احد اور خندق جیسے عظیم معرکے گزر گئے، اس کے بعد آپ مدینۂ طیبہ حاضر ہوئے پھر مدینۂ طیبہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کو لازم پکڑ لیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک حضور کے ساتھ رہے، حضرت ابوبکر کے وصال کے بعد ملک شام

چلے گئے اور ملک شام میں ٹھہرے رہے، یہاں تک کہ خلافت حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں دوبارہ مدینۂ طیبہ تشریف لائے اور کچھ وجوہات کی وجہ سے (جس کا ذکر ہم آگے کریں گے) آپ مقام ربذہ (مدینہ کے پاس ایک گاؤں) چلے گئے اور یہیں آپ نے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔

(الاستیعاب، ج:۱، ص:۱۱۱، کوثر المعانی الدراری فی کشف خبایا صحیح البخاری، ج:۲، ص:۱۲۴)

بعثت سے پہلے خدا کی عبادت: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جب تقریباً پورا عرب کفر و شرک کی غلاظتوں میں غرق تھا، ایسے ماحول میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی بعثت سے تین سال قبل حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ توفیق ارزانی فرمائی کہ وہ ایک خدائے واحد و یکتا کی عبادت اپنے انداز میں کرنے لگے تھے۔ (بعض روایات میں دو سال کا ذکر ہے) یہ خبر خود حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ بن صامت کو دی، اس پر حضرت عبداللہ بن صامت نے پوچھا: آپ نماز میں رخ کدھر کرتے تھے؟ تو آپ نے فرمایا: جدھر اللہ تعالیٰ میرا رخ پھیر دیتا تھا۔

طبقات ابن سعد کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ زمانۂ جاہلیت میں خدا کی عبادت کرتے، لا الہ الا اللہ پڑھتے اور بتوں کی پوجا نہیں کرتے تھے۔

(الاستیعاب، ج:۱، ص:۵۶۳، تاریخ دمشق، ج:۶۶، ص:۱۸۰ طبقات ابن سعد، ج:۴، ص:۲۰۹)

غزوات میں شرکت: یہ تو صاف اور واضح ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدر و احد اور خندق تک تو اپنے قبیلے ہی میں موجود تھے، مدینۂ طیبہ میں حاضری ہی نہیں ہوئی تھی لہٰذا ان غزوات میں آپ کی شرکت کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی، رہے اس کے بعد کے غزوات تو صرف دو غزوات میں آپ کا نمایاں ذکر ملتا ہے، ایک غزوۂ حنین اور دوسرا غزوۂ تبوک، ان دو غزوات کے سوا ہمیں آپ کا ذکر کہیں نمایاں نظر نہیں آیا، مگر آپ کی فطری، بہادری، جرأت اور شجاعت کا تقاضہ یہی ہے کہ آپ اس کے بعد کے تمام غزوات میں شریک رہے ہوں۔ آپ کی سیرت میں مؤرخین کا یہ لکھنا کہ ہجرت کے بعد آپ حضور

https://alislami.net

صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے سفر وحضر میں آپ سے جدا نہیں ہوئے یہ الفاظ بھی اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ آپ تمام غزوات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک رہے ہوں۔ مجھے صرف ایک کتاب میں اس بات کا ذکر مل سکا کہ آپ مدینہ پہنچنے کے بعد تمام غزوات میں شریک رہے۔

علامہ محمد بن حبان فرماتے ہیں: ''ثم هاجر الى المدينة وشهد جو امع المشاهد ومات بالربذة'' پھر آپ نے مدینۂ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی اور تمام غزوات میں شریک رہے۔ (مشاہیر علماء الامصار، ج:۱، ص:۳۰)

حنین میں غفار کا جھنڈا: علامہ ابن عساکر تحریر فرماتے ہیں کہ جنگ حنین میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جمع فرمایا، صف بندی فرمائی، لوگوں کو جھنڈے عطا فرمائے، اس دن بنی غفار کے جھنڈے کو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھائے ہوئے تھے۔ (تاریخ دمشق، ج:٦٦، ص:١٨٦)

جنگ تبوک اور حضرت ابوذر غفاری: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ تبوک کے لیے نکلنا چاہتے تھے، جب یہ خبر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملی تو تیاری شروع کی، اونٹ کی جانب نظر کی تو اس کو بڑا ہی زار ونزار پایا، وہ اتنی لمبی مسافت کیسے طے کر سکے گا؟ دل میں سوچا کیوں نہ اسے چند دنوں خوب چارہ کھلاؤں تا کہ یہ موٹا اور فربہ ہو جائے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملوں، منصوبے کے مطابق حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سفر شروع کیا، جب مقام ذی المروہ پر پہنچے تو اونٹ کی حالت ناگفتہ بہ ہوگئی، تبوک کا سفر نہایت ہی گرمی کے موسم میں درپیش ہوا تھا، ایک منزل پر پڑاؤ ہوا، صحابۂ کرام کا بیان ہے: ایسا لگتا تھا کہ ہم عنقریب پیاس کی شدت سے ہلاک ہو جائیں گے، لوگوں نے پانی کے لیے اپنے اونٹ ذبح کر دیے تا کہ ان کے پیٹ میں موجود پانی پی سکیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش کی دعا کے لیے عرض کیا، رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رب کی بارگاہ میں اپنے دست ہائے

مبارک دراز فرمائے، ابھی ہاتھ نیچے بھی نہ آنے پائے تھے کہ بارش ہوگئی، لوگ سیراب ہوئے، برتن بھر لیے گئے۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم نے باہر نکل کر دیکھا تو بارش صرف اتنے ہی حصہ میں ہوئی تھی جتنے میں اصحاب رسول کے لشکر کا پڑاؤ تھا، اس سے باہر ایک قطرہ بھی نہ برسا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر تبوک کی طرف جاری تھا، اس دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا جاتا ہے کہ فلاں صاحب لشکر میں شریک نہ ہو سکے، وہ جنگ سے پچھڑ گئے، جواب میں حضور صرف اتنا فرماتے: ''اس کا ذکر چھوڑ و اگر اس کے ارادے نیک ہوں گے تو وہ عنقریب ہم سے آملے گا اور اگر معاملہ اس کے سوا ہے تو جو خدا کا حکم ہوگا وہی فیصلہ ہوگا'' پچھڑنے والوں کا ذکر ہوتے ہوتے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام بھی حضور کے سامنے پیش ہوگیا، حضور! ابوذر بھی پیچھے رہ گئے، ان کے اونٹ کی رفتار بہت سست تھی، حضور نے فرمایا: اس کے ارادے نیک ہوں گے تو عنقریب ہم سے آملے گا ورنہ جیسا خدا کا حکم۔ کیا حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ سکتے ہیں اور کیا وہ مدینہ واپس لوٹ جائیں گے؟ ہرگز نہیں! حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیسے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ سکتے ہیں؟ نہ وہ منافقوں کے ساتھ مدینہ واپس جا سکتے ہیں، وہ سخت پیاسے ہیں انہیں محسوس ہو رہا ہے کہ دم نکلا جا رہا ہے، پانی ساتھ نہیں مگر پیاسا مر جانا پیٹھ دکھانے سے بہتر ہے، اونٹ چلتا نہیں، انہوں نے اسے بہت ڈانٹا ڈپٹا کہ کسی طرح نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جا ملے مگر وہ ہلا بھی نہیں تو پھر اب کیا کریں؟ کدھر جائیں؟ اونٹ کو چھوڑ کر سامان پشت پر رکھ کر دوڑنے لگے تاکہ غازیوں سے جا ملیں یا راہِ حق میں شہید ہو جائیں۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پشت پر سامان دھرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روانہ ہوئے، گو وہ پیاس اور تھکن سے چور ہو چکے تھے مگر ان کا مؤمن دل ڈھارس بندھا رہا تھا اور بتا رہا تھا کہ تنگی کے بعد کشادگی آتی ہے، لہٰذا آپ کا دل قوی ہو جاتا اور سختیوں کی برداشت کی طاقت پیدا ہو جاتی، آپ کمر ہمت باندھتے اور منزل مقصود کی

طرف قدم بڑھاتے جاتے ،حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دور سے مسلمانوں کا لشکر دیکھا تو مردہ آرزوئیں بیدار ہوگئیں، وہ اپنے جسم میں ایک کپ کپی سی محسوس کرنے لگے کہ پر ہوتے تو اڑ جاتے ، وہ اپنے بارے میں کسی قسم کی بدگمانی سے لوگوں کو بچانا چاہتے تھے اور بتانا چاہتے تھے کہ ابوذر کیسے واپس لوٹ سکتا ہے؟ ابوذر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا ساتھی اور رفیق ہے، وہ بھلا راہ خدا میں جہاد کرنے سے باز رہ سکتا ہے؟ ایک مسلمان نے دور سے ایک آدمی کو آتے دیکھا تو کہا: یارسول اللہ! ایک آدمی تنہا آرہا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کن اباذر '' اے آنے والے! ابوذر ہو جا،لوگ بغور دیکھنے لگے، جب وہ شخص قریب آیا تو پکار اٹھے: خدا کی قسم! یہ ابوذر ہی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم (حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استقبال کے لیے) کھڑے ہو گئے۔

جب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریب پہنچ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مرحبا کہا اور پھر ایک تاریخی جملہ ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ ابوذر پر رحم فرمائے ، یہ تنہا چلے گا، تنہا مرے گا اور تنہا ہی روز قیامت اٹھایا جائے گا۔ ابوذر! پیچھے کیوں رہ گئے تھے؟ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے آقا سے پوری روداد سفر بیان کی، سرکار نے فرمایا: ابوذر تمہارا پیچھے رہ جانا میرے اوپر گراں تھا، اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے ، مجھ تک پہنچنے میں تمہارا ہر قدم ایک گناہ کو مٹانے والا تھا، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا سامان اپنی پیٹھ سے اتارا، پانی طلب کیا، پانی سے اپنے آپ کو بعد میں سیراب کیا، پہلے دیدار نبی سے شوق جذبات کی پیاس بجھائی، سلام ہو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آقا پر اور حضرت ابوذر کی اس جاں نثاری پر۔ (تاریخ دمشق، ج:٦٦،ص:١٨٦، سبل الہدیٰ والرشاد، ج:٥،ص:٤٤٤، المنتظم فی تاریخ الامم والملوک، ج:٣،ص:٣٦٧، ابوذر غفاری مترجم،ص:٦٦)

حضور کی نیابت: جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود کسی غزوے میں تشریف لے جاتے تو کسی صحابی کو مدینۂ طیبہ پر اپنا نائب اور حاکم بنا کر چھوڑ جاتے۔ تاریخ

میں ایسے کئی مواقع آئے جب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ آپ مدینۂ طیبہ میں حضور کے نائب کے طور پر موجود رہے، غزوۂ ذات الرقاع جو چار ہجری میں پیش آیا بعض روایات کے مطابق اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینۂ طیبہ پر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا نائب بنایا۔ غزوۂ بنی مصطلق جو چھ ہجری میں واقع ہوا، اس میں بھی بعض حضرات کی رائے کے مطابق اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینۂ طیبہ پر مقرر فرمایا۔ ایک روایت کے اعتبار سے غزوۂ خیبر کے موقع پر بھی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا خلیفہ منتخب فرمایا۔ عمرۃ القضاء کے موقع پر بھی آپ کو مدینۂ طیبہ پر حاکم بنایا گیا اگرچہ مذکورہ غزوات میں سے اکثر غزوات میں نیابت کے طور پر دوسرے صحابہ کے نام بھی درج ہیں لیکن اس میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام بھی شامل ہے۔ واللہ اعلم۔

(سیرت ابن ہشام، ج:۲،ص:۲۰۳-۲۸۹،امتاع الاسماع، ج:۱،ص:۳۰۶،وص:۹و ص:۲۲۷)

غزوۂ غابہ اور ابوذر: محقق علی الاطلاق علامہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ غزوۂ ذی قرد جس کو غزوۂ غابہ بھی کہتے ہیں، غابہ دراصل ایک جنگل ہے اس غزوے کا وقوع حدیبیہ سے پہلے (چھ ہجری) ہے، اس غزوے کے وقوع کا سبب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیس ایسی دودھ والی اونٹنیاں جو بچہ جننے کے قریب تھیں، وہ غابہ میں چرتیں تھیں، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں رہتے تھے، اتفاق سے ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ چند دن کے لیے وہاں سے چلے آئیں، انہوں نے حضور سے اجازت چاہی باوجود اس کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہ دی تھی، انہوں نے منت وسماجت میں اصرار ومبالغہ کیا تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دے دیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں غطفان سے مطمئن نہیں ہوں، مبادا کہ وہ تم پر حملہ آور ہوں، یہ فرما کر اجازت دے دی، مزید فرمایا: میں دیکھ رہا ہوں کہ گویا غطفان تم پر حملہ آور ہیں اور

انہوں نے تمہارے بیٹے کو شہید کر دیا ہے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اپنے حال پر تعجب ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایسا فرماتے ہیں اور میں اصرار کرتا رہا، بالآخر وہی ہوا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، یہ واقعہ عجیب ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایسا واقعہ ہوا، باوجودیکہ وہ جلیل القدر صحابی ہیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا کی طلب کے ہمیشہ خواستگار رہے ہیں اور ان سے اس معاملے میں جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم توقف فرما رہے تھے، اصرار و مبالغہ سرزد ہو گیا، تقدیر الٰہی یہی تھی۔ القصہ عیینہ حصین فزاری چالیس کافروں کے ساتھ حملہ آور ہوا اونٹوں کو لوٹ کر لے گیا اور ان کے دونوں چرواہوں کو شہید کر کے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے کو بھی شہید کر دیا۔ (مدارج النبوہ مترجم، ج:۲، ص:۲۴۳)

فتح بیت المقدس: فاروق اعظم کے زمانے میں جب بیت المقدس فتح ہوا، اس وقت آپ وہاں حضرت عمر کے ساتھ موجود تھے۔ فتح مصر میں بھی آپ شریک رہے۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:۲، ص:۷۴، حسن المحاضرہ، ج:۱، ص:۲۴۵)

علم و فضل: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے حاضر باش تھے، اصحاب صفہ میں ہونے کے ناطے زیادہ تر وقت مسجد نبوی شریف میں گزرتا، خادم نبی ہونے کا شرف بھی آپ کو حاصل تھا اس لیے حاضری کے خوب مواقع میسر آتے، حضرت اسماء بنت یزید فرماتی ہیں کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے اور جب خدمت سے فراغت حاصل ہوتی تو مسجد میں آ جاتے، گویا یہی انکا گھر تھا۔ (المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث:۱۶۲۳)

علمی تشنگی بجھانے کے لیے حضور کی بارگاہ میں کثرت سے سوال کرتے تھے جیسا کہ ان کی روایات سے ثابت ہے لہٰذا صحبت و خدمت اور بارگاہ رسالت میں حاضر باشی اور وقت گزاری نے اکتساب فیض کے خوب مواقع فراہم کیے، اخاذ طبیعت نے سوال کر کر کے علم کی گہرائیوں میں غوطہ زنی کرتے ہوئے خوب خوب علمی جواہر پاروں کی دستیابی کی۔

https://alislami.net

صحابۂ کرام کے درمیان ان کا صاحب علم ہونا مشہور ومعروف تھا، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ابوذر نے وہ علم حاصل کیا، جس سے لوگ عاجز رہ گئے پھر علم کے تھیلے کے منہ کو ایسا بند کر دیا کہ اس سے کچھ بھی ضائع نہ ہوا۔ حضرت ابوداؤد نے کہا: ''ابوذر غفاری علم وفضل میں عبداللہ بن مسعود کے مساوی تھے'' (ابن مسعود کے علم وفضل کے لیے جلد اول کا مطالعہ کریں) (تاریخ اسلام، ج: ۳،ص:۴۰۶)

اصحاب رسول کے مفتی: آپ کے علم کی یہ بھی ایک ممتاز شان تھی کہ آپ دور صحابہ میں فتویٰ دیا کرتے تھے، آپ نے حضرت ابو بکر صدیق، فاروق اعظم اور حضرت عثمان غنی تینوں خلفاء کے دور میں فتاوی جاری کیے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

(سیر اعلام النبلاء، ج: ۲،ص:۴۶)

مرویات کی تعداد: آپ کی مرویات کی تعداد دوسو اکیاسی ہے، جن میں سے بارہ احادیث متفق علیہ ہیں، دو حدیث میں امام بخاری اور ۱۹/احادیث میں حضرت امام مسلم منفرد ہیں، آپ سے حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت انس، حضرت احنف، حضرت ابوعثمان نہدی اور ان کے علاوہ خلق کثیر نے روایت کی ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین (خلاصۃ تہذیب تہذیب الکمال، ج:۱،ص:۴۴۹، سیر اعلام النبلاء، ج:۲،ص:۵۷)

احادیث مرویہ کی یہ تعداد حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حاضر باشی اور معیار علم کے اعتبار سے کافی کم ہے، اس کی دو بڑی وجہ ہیں ایک تو یہ کہ بعض صحابۂ کرام احادیث بیان کرنے میں بڑی احتیاط فرماتے تھے، دوسرے یہ کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تارک الدنیا شخص تھے، لوگوں سے اختلاط وملنا جلنا بہت کم کرتے تھے، اس لیے سینے میں موجود علم کے سمندر کا تعلق ندی اور نہروں سے کم ہو سکا، نتیجۃً وہ آپ کے ساتھ ہی چلا گیا، ورنہ جہاں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلم اور حصول علم کا سوال ہے تو خود فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال میں چھوڑا کہ آسمان میں پھڑ پھڑاتے پرندے سے متعلق بھی ہمیں علم عطا فرما دیا۔ اور فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی

اللہ علیہ وسلم سے ہر چیز کے بارے میں پوچھ لیا یہاں تک کہ نماز میں کنکریاں ہٹانے کے بارے میں بھی سوال کرلیا تو حضور نے فرمایا: (اگر ضروری ہو تو ایک بار ہٹالو)۔

(تاریخ دمشق، ج:٦٦ ص:١٨٧)

جس شخص نے ایسا فیض صحبت پایا ہو، اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کیا نہ سنا ہوگا، مگر خدائے تعالیٰ نے جتنا چاہا وہ بیان کر گئے باقی ان کے ساتھ چلا گیا۔

تربیت مصطفیٰ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زہد اور ترک دنیا میں اپنے تمام صحابہ سے ممتاز فرمانا چاہتے تھے، اس لیے وقت وقت پر انمول نصیحتیں فرمائیں کہ ابوذر غفاری کی ذات ان پر عمل کر کے مجموعۂ محاسن بن جائے اور زاہدین میں ان کا مقام ممتاز اور مثالی ہو جائے، اس سلسلے میں ہم چند تربیتی نمونے پیش کررہے ہیں۔

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوذر! ایک بیعت کرو گے؟ اللہ تعالیٰ تمہیں جنت نصیب فرمائے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: جی ہاں، اور اپنا ہاتھ حضور کی طرف پھیلا دیا، حضور نے مجھ سے اس بات پر بیعت لی کہ میں لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہیں کروں گا، حضور نے فرمایا: اے ابوذر! کسی شخص سے سوال مت کرنا یہاں تک کہ تمہارا کوڑا اگر ہاتھ سے گر جائے تو سواری سے اتر کر خود اٹھا لینا۔ (کسی سے اٹھا کر دینے کا سوال نہیں کرنا) (مسند احمد، حدیث:٢١٥٠٩)

(۲) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبۂ مقدسہ کے سایے میں بیٹھ کر فرما رہے تھے ''رب کعبہ کی قسم! وہ لوگ زیادہ گھاٹے میں ہیں، رب کعبہ کی قسم! وہ لوگ زیادہ گھاٹے میں ہیں'' حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: میں نے دل میں سوچا میرا حال کیا ہے؟ (کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ میں کوئی ایسی چیز دیکھی ہے جو مجھے خسارے میں ڈالنے والی ہے یا میرے متعلق قرآن میں کچھ نازل ہوا ہے) کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے متعلق کوئی چیز دکھائی جارہی ہے، میرا کیا حال ہے؟ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ

https://alislami.net

تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ پھر میں آپ کے پاس بیٹھ گیا اور آپ وہی فرما رہے تھے، اب مجھ میں خاموش رہنے کی طاقت نہ رہی، اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا مجھ پر یہ حالت چھائی رہی، پھر میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ کون ہیں؟ آپ پر میرے ماں باپ قربان، آپ نے فرمایا: وہ لوگ یہی ہیں جن کے پاس مال بہت زیادہ ہو، سوائے ان کے جنہوں نے اس مال کو اس طرح اور اس طرح اور اس طرح خرچ کیا۔ (یعنی جس نے اپنے مال کو بے دریغ مستحقین میں دائیں بائیں آگے پیچھے خرچ کیا)۔ (بخاری، کتاب الایمان والنذ ور باب کیف کانت یمین النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مسلم، حدیث نمبر: ۹۹۰)

(۳) شام کا وقت تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینۂ طیبہ کی سیاہ پتھریلی زمین پر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لیے جا رہے تھے، سامنے احد پہاڑ دکھائی دے رہا تھا، آپ نے فرمایا: اے ابوذر! میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میرے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو اور اس کے اوپر ایک رات یا تین راتیں گزر جائیں، سوائے ایک دینار کے جس کو میں قرض کی ادائیگی کے لیے رکھ چھوڑوں مگر میں اللہ کے بندوں سے کہتا ہوں کہ اس طرح اور اس طرح اور اس طرح کریں۔ (مستحقین پر خرچ کریں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہاتھ کے اشارے سے بتایا، پھر آپ نے فرمایا: اے ابوذر! میں نے کہا: ''لبیك وسعديك يا رسول الله'' (حاضر ہوں) آپ نے فرمایا: جو دنیا میں زیادہ مال دار ہیں وہ آخرت میں کم (ثواب والے) ہوں گے، مگر جو اس طرح دے۔ (بخاری شریف، حدیث: ۶۲۶۸)

(۴) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں مسجد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، آپ نے فرمایا: اے ابوذر! مسجد میں دیکھو، تمہاری نظر میں رتبے کے اعتبار سے سب سے بلند تر آدمی کون ہے؟ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نظر دوڑائی تو دیکھا کہ ایک شخص (عمدہ) جوڑا پہنے بیٹھا ہوا ہے، اس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا: حضور یہ ہے، سرکار نے فرمایا: اب یہ دیکھو کہ ان میں سب سے کمتر کون ہے؟ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک ایسے مسکین

شخص کی طرف اشارہ کیا جو پھٹے پرانے کپڑے پہنے مسجد میں بیٹھا تھا، میرا جواب سن کر حضور نے فرمایا: قیامت کے دن یہ پھٹے پرانے کپڑوں والا اس جیسے عمدہ کپڑے والوں سے (نیکیوں کے وزن میں) زمین بھر زیادہ ہوگا۔

(موارد الظمان الی زوائد ابن حبان، حدیث نمبر: ۲۵۶۴، صحیح ابن حبان، حدیث نمبر: ۶۸۱)

پیش کردہ احادیث کے ذریعے آپ نے اندازہ کیا ہوگا کہ کس طرح معلم کائنات نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تربیت فرمائی کہ ان کے سینے میں حب مال یا مال کے ذخائر جمع کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔

نصیحتیں جس نے دنیا بدل دی: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گاہے بگاہے تربیت فرماتے رہتے اور ان پر نصیحت ارزانی فرماتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے کی گئی چند نصیحتوں کا بیان حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے الفاظ میں یوں فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے چھ چیزوں کی نصیحت فرمائی:

(۱) مسکینوں سے محبت کرنا۔

(۲) (دنیاوی اعتبار سے) اپنے سے کم درجے والے کو دیکھنا بلند درجے والے کی طرف نظر نہ کرنا۔

(۳) حق بات کہنا اگرچہ کڑوی ہو۔

(۴) اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کسی کی ملامت کا خوف نہ رکھنا۔

(۵) رشتہ داروں سے رشتہ داری نبھانا۔

(۶) لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ کا وظیفہ کرنا۔ (سیر اعلام النبلاء، ج: ۲، ص: ۵۸، تاریخ دمشق، ج: ۶۶، ص: ۱۸۷، حلیۃ الاولیاء، ج: ۱، ص: ۱۶۰)

مزید فرماتے ہیں کہ مجھے میرے محبوب نے تین چیزوں کی خاص وصیت فرمائی، میں ان شاء اللہ ان کو کبھی نہ چھوڑوں گا:

(۱) مجھے چاشت کی نماز پڑھنے کی وصیت فرمائی۔

(۲) سونے کے بعد وتر پڑھنے کی وصیت فرمائی۔

(۳) ہر مہینے میں تین دن روزہ رکھنے کی وصیت فرمائی۔ (مسند احمد، حدیث: ۲۱۵۱۸)

قوت لایموت پر گزارا: یہ تعلیمات مصطفیٰ کا اثر اور تادیبی کلمات کا نتیجہ تھا کہ آپ دنیا کی رنگینیوں سے کنارہ کش رہتے، خود دنیا کمانے کے لیے تگ ودو تو کیا کرتے اگر کوئی صاحب تحفہ بھی پیش کرنا چاہتے تو قبول نہ فرماتے، چنانچہ سیدنا ابوبکر بن منکدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں: ملک شام کے گورنر حضرت حبیب بن مسلمہ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں تین سو، دینار ہدیہ بھیجے اور کہا: ان سے اپنی گزر بسر کریں، آپ نے وہ دینار یہ کہتے ہوئے واپس کر دیے، اللہ تعالیٰ کے سلسلے میں دھوکہ کرنے کے لیے اسے میرے سوا کوئی اور نہ مل سکا؟ ہمیں تو زندگی گزارنے کے لیے تھوڑا سایہ، کچھ بکریاں، ایک باندی جو ہماری خدمت کر سکے، کافی ہے، اس سے زیادہ سے ڈر لگتا ہے۔

ایسا ہی ایک دوسرا واقعہ جس میں ملک شام سے حارث نامی شخص نے آپ کے لیے تین سو، دینار ہدیہ بھیجے، جب اسے اس بات کا پتہ چلا کہ آپ تنگدستی میں مبتلا ہیں، آپ نے کہا: اسے میرے علاوہ کوئی اور نہ ملا اور دینار واپس کر دیے، مزید فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رکھا ہے جس کے پاس چالیس دینار ہوں وہ اس کے باوجود بھی سوال کرتا ہے تو اس نے اصرار کے ساتھ مانگا، آل ابی ذر کے پاس چالیس درہم، چالیس بکریاں اور ایک نوکرانی ہے۔ (حلیۃ الاولیاء، ج:۱، ص:۱۶۱، تاریخ دمشق، ج:۶۶ ص:۲۰۸)

تارک الدنیا ابوذر: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ غور کرنے پر دو گروہ میں منقسم دکھائی دیتے ہیں، ایک گروہ وہ ہے جو دین کو سلامت رکھتے ہوئے دنیا کی نعمتوں سے بھی متمتع ہوتا رہا، دوسرا گروہ وہ ہے جس کی نظر میں دنیا کی کوئی وقعت نہ بچی تھی اور دنیا کو انہوں نے بغرض آخرت ٹھوکر ماردی تھی، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام دوسرے گروہ میں شمار ہوتا ہے، وہ اس گروہ کے ایک فرد ہی نہیں بلکہ اس جماعت کے امام و

پیشوا اور میر کارواں ہیں، وہ اپنی پارسائی، حق گوئی، مخلوق سے دوری، توکل علی اللہ، زہد و تقوی، قناعت، استغنا اور استقامت میں تمام صحابہ کے درمیان ممتاز تھے، وہ اپنے آپ کو انہیں صفات اور احوال پر باقی رکھنا چاہتے تھے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں چھوڑ گئے تھے، اس میں وہ کسی بھی تبدیلی کے روادار نہ تھے، انہیں یہ طریقہ صرف پسند ہی نہ تھا بلکہ وہ اس کو اپنی آخرت کی عظیم پونجی تصور کرتے اور اس کو نعمت الٰہی کے طور پر لوگوں کے سامنے بیان بھی فرماتے، چنانچہ ان کا ارشاد ہے:

اے لوگو! بروز قیامت میں تم سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب رہوں گا، اس لیے کہ میں نے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے ''قیامت کے دن میرے سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جو دنیا سے اس طور پر رخصت ہوگا جیسا میں اسے چھوڑ کر جا رہا ہوں'' پھر فرمایا: ''میرے سوا تم میں سے ہر ایک شخص کسی نہ کسی دنیوی چیز سے وابستہ ہے''۔ (حلیۃ الاولیاء، ج:۱ص؛۱۶۲، تاریخ دمشق، ج:۶۶ص:۲۰۲، الزہد للامام احمد، ص:۱۲۱)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی نے مجھ سے کہا کہ آپ ایسی جائیداد کیوں نہیں بناتے جیسی فلاں فلاں صاحب نے بنا رکھی ہے؟ تو میں نے جواب دیا: میں امیر بننے کا کام نہیں کرتا میرے لیے ہر دن پینے کے لیے پانی یا دودھ کی کچھ مقدار اور ہفتے بھر میں گیہوں کا ایک قفیز (ایک پیمانہ) کافی ہے۔

حضرت سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی پاک صاحب لولاک سیاح افلاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں میری خوراک صرف ایک صاع تھی اور اب میں ساری زندگی اس مقدار پر اضافہ نہیں کروں گا۔

حضرت سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ''ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابوذر! تم نیک انسان ہو، عنقریب میرے بعد تمہیں آزمائش آئے گی، میں نے عرض کی: کیا یہ آزمائش راہ خدا میں آئے گی؟ ارشاد فرمایا: ہاں! تو میں نے عرض کیا: میں رضائے الٰہی میں

آنے والی ہر آزمائش کو مرحبا کہتا ہوں‘‘۔

حضرت سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قبیلۂ بنوامیہ نے مجھے قتل اور فقر کی دھمکیاں دیں حالانکہ مجھے زمین کا پیٹ اس کی پشت سے اور ناداری مالداری سے زیادہ پسند ہے، اس پر کسی نے کہا: اے ابوذر! کیا بات ہے؟ جب بھی آپ کسی قوم کے پاس بیٹھتے ہیں تو وہ آپ کو چھوڑ کر اٹھ جاتے ہیں، فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ میں ان کو مال جمع کرنے سے منع کرتا ہوں۔

آگ کا انگارہ: حضرت سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے خلیل محبوب رب جلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے عہد لیا کہ جو بھی سونا چاندی جمع کرے گا یہ اس کے لیے آگ کا انگارہ ہوگا مگر یہ کہ اسے راہ خدا میں خرچ کر دیا جائے۔

(حلیۃ الاولیاء، ج:۱،ص:۱۶۲، اللہ والوں کی باتیں، ج:۱،ص:۳۱۰)

اچھے مکانات سے بیزاری: حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت سیدنا ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے گزرے جو اپنا گھر تعمیر کروا رہے تھے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تم پتھروں کو لوگوں کی پشت پر اٹھا رہے ہو، انہوں نے کہا: میں اپنے لیے گھر بنوا رہا ہوں، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر وہی بات کہی، انہوں نے جواب دیا: اے میرے بھائی! شاید آپ اس کام کو اچھا نہیں سمجھتے؟ فرمایا: تمہارا اپنے گھر والوں کی گندگی میں ہونا مجھے تمہاری اس حالت سے زیادہ پسند ہے جس میں، میں تمہیں دیکھ رہا ہوں۔

حضرت سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ لوگ مرنے کے لیے پیدا ہوتے ہیں، ویران کرنے کے لیے مکان تعمیر کرواتے ہیں، فنا ہونے والی چیز کی حرص رکھتے ہیں اور باقی رہنے والی (آخرت کو) بھلا دیتے ہیں سنو موت اور غربت کتنی اچھی ہیں حالانکہ لوگ انہیں ناپسند جانتے ہیں۔

(الزہد،ص:۱۲۰، حلیۃ الاولیاء، ج:۱،ص:۱۶۳، اللہ والوں کی باتیں، ج:۱،ص:۳۱۱)

حساب کا ڈر: حضرت سیدنا ابوشعبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوکر کچھ مال پیش کیا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے پاس دودھ کے لیے بکری سواری کے لیے گدھا اور خدمت کے لیے بیوی ہے اور ایک چادر ضرورت سے زائد ہے اور میں اس کی وجہ سے خوفزدہ ہوں کہ کہیں مجھ سے اس کا حساب نہ لے لیا جائے۔

حضرت سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم پر ایک ایسا زمانہ ضرور آئے گا کہ مالدار پر اس طرح رشک کیا جائے گا جس طرح آج عاشر (صدقہ وصول کرنے والے) پر کیا جاتا ہے۔ (حلیۃ الاولیاء، ج:۱، ص:۱۶۳، اللہ والوں کی باتیں، ج:۱، ص:۳۱۲)

ہر مال میں تین حصے دار ہیں: حضرت سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مال میں تین حصے دار ہوتے ہیں:

(۱) تقدیر یہ وہ حصہ دار ہے جسے بھلائی اور برائی (مال یا تجھے ہلاک کرنے) میں تیری اجازت کی حاجت نہیں۔

(۲) دوسرا حصہ دار تیرا وارث اسے اس بات کا انتظار ہے کہ تو مرے اور یہ تیرے مال پر قبضہ کر لے اور

(۳) تیسرا حصہ دار تو خود ہے مذمت کیا ہوا یقیناً تم ان دونوں حصے داروں کو عاجز نہیں کر سکتے لہٰذا اپنا مال راہ خدا میں خرچ کر دو۔

بیشک اللہ تعالیٰ کا فرمان عالیشان ہے: ''لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ'' اس آیت کریمہ کی تلاوت کرنے کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اونٹوں کی طرف اشارہ کرکے فرمانے لگے ''مجھے میرے مال میں یہ اونٹ سب سے بڑھ کر پسند ہیں اس لیے میں انہیں خیرات کرکے اپنے لیے آخرت میں ذخیرہ کرنا پسند کرتا ہوں''۔

(حلیۃ الاولیاء، ج:۱، ص:۱۶۳، اللہ والوں کی باتیں، ج:۱، ص:۳۱۲)

علوم میں برتری اور خوف خدا: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتوں اور تربیتی

https://alislami.net

مجلسوں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذات مصطفیٰ کا آئینہ بنا دیا تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے سن رکھا تھا، بے شک میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے اور اگر تم وہ جان لو جو میں جانتا ہوں تو تم ہنسو گے کم، روؤ گے زیادہ، عورتوں سے دور ہو جاؤ گے اور جنگلوں میں نکل جاؤ گے۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر:۴۱۹۰)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حضور کے رنگ میں رنگ گئے تھے چنانچہ فرماتے تھے: خدا کی قسم! جو میں جانتا ہوں اگر وہ تم جان لو تو تم روؤ گے زیادہ اور ہنسو گے کم، تم اپنی بیویوں سے لطف اندوز ہونا چھوڑ دو گے، تمہیں اپنے بستروں پر قرار نہ ہوگا، تم جنگلوں کی جانب نکل جاؤ گے چیختے روتے۔ اے کاش! مجھے خدا نے درخت بنا دیا ہوتا جسے کاٹ لیا جاتا اور پھل کھا لیا جاتا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۷، ص:۱۲۳، حدیث نمبر:۳۴۶۸۲، تاریخ دمشق، ج:۶۶، ص:۲۱۴)

فکر آخرت: کسی شخص کے بارے میں عموماً اس کی اہلیہ اس کے احوال سے زیادہ خبردار اور واقف کار ہوتی ہے، کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص گھر کے باہر تو پارسائی اور خدا ترسی میں مشہور ہوتا ہے لیکن گھر والوں کی نظر میں اس حیثیت سے اس کی کوئی وقعت نہیں ہوتی اور یہ وہیں ہوتا ہے جہاں ظاہر و باطن دو متضاد حقیقتیں ہوتی ہیں لیکن جس کا باطن ظاہر سے زیادہ صاف و شفاف ہو وہاں ایسے خیالات کی گنجائش کہاں؟

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوف خدا کی اس منزل پر فائز تھے کہ جہاں باطن ظاہر سے زیادہ خوف زدہ ہوتا ہے، چنانچہ ایک شخص بصرہ سے چلتا ہے کہ وہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عبادت و ریاضت کے سلسلے میں ان کی اہلیہ سے کچھ معلوم کرے، یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وصال فرما چکے تھے۔ آنے والے نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ ام ذر سے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عبادت و ریاضت سے متعلق دریافت کیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا: ''ان کا پورا دن ایک کونے میں آخرت کی فکر میں گزرتا تھا''۔ (صفۃ الصفوۃ، ج:۱، ص:۵۹۱)

https://alislami.net

کعبہ میں خطابت ونصیحت: حضرت سیدنا سفیان ثوری علیہ الرحمۃ والرضوان سے مروی ہے کہ حضرت سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کعبہ کے پاس کھڑے ہوکر فرمایا: اے لوگو! میں جندب غفاری ہوں، اپنے شفقت ونصیحت کرنے والے بھائی کے پاس جمع ہوجاؤ، سب لوگ جمع ہوگئے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی سفر پر جاتا ہے تو کیا وہ زادراہ (سفر میں کام آنے والے ضروری سامان) ساتھ نہیں لیتا ؟ جس سے ضروریات پوری ہوں اور اپنی منزل تک پہنچ سکے، لوگوں نے عرض کی: کیوں نہیں؟ فرمایا: تو سنو قیامت کا سفر سب سے طویل ہے، اس کے لیے خوب زادراہ تیار کرو جو تمہارے کام آسکے، حاضرین نے پوچھا: وہ کیا ہے جو اس میں ہمارے کام آئے؟ فرمایا: بڑے بڑے دشوار کاموں کو آسان کرنے کے لیے حج کرو، روز قیامت کی گرمی وتپش سے حفاظت کے لیے سخت گرمی کے دنوں میں بھی روزے رکھو، قبر کی وحشت وگھبراہٹ سے نجات حاصل کرنے کے لیے رات کی تاریکی میں نماز ادا کیا کرو، حساب کے دن پیشی کے لیے اچھی بات کہو اور بری سے باز رہو، قیامت کی سختیوں سے بچنے کے لیے اپنا مال صدقہ کرو۔ دنیا میں صرف دو قسم کی محفل اختیار کرو، ایک وہ جو طلب آخرت کے لیے ہو اور دوسری وہ جو طلب حلال کے لیے ہو، اور ان کے علاوہ کوئی تیسری محفل اختیار نہ کرنا کہ اس میں تمہارے لیے کوئی نفع نہیں بلکہ وہ تمہارے لیے نقصان دہ ثابت ہوگی، اسی طرح اپنے مال کو بھی دو حصوں میں بانٹ لو ایک حصہ اہل وعیال پر خرچ کرو اور دوسرا راہ خدا میں خرچ کر کے اپنی آخرت کے لیے ذخیرہ کرلو، ان کے علاوہ کوئی تیسرا حصہ مت بناؤ کہ اس میں سراسر نقصان ہے فائدہ کچھ نہیں، اس کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلند آواز سے فرمایا: لوگو! حرص سے بچو کہ اس میں تمہارے لیے ہلاکت ہے کیونکہ یہ کبھی ختم نہیں ہوتی اور نہ ہی تم اسے پورا کر سکتے ہو۔ (حلیۃ الاولیاء، ج:۱،ص:۱۶۵، اللہ والوں کی باتیں، ج:۱،ص:۳۱۵، صفۃ الصفوۃ، ج:۱،ص:۵۹۲)

ایک آیت کا وظیفہ: حضرت سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں

کہ سرکار روالا تبار ہم بے کسوں کے مددگار شفیع روز شمار صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت بار بار پڑھتے اور مجھے سناتے '' وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ '' اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان نہ ہو۔ (سورۂ طلاق، آیت: ۲)

حضرت سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ شہنشاہِ مدینہ قرار قلب و سینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابوذر! ایک ایسی آیت ہے کہ اگر لوگ اس پر عمل کریں تو وہ انہیں کفایت کرے، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سامنے بار بار اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: '' وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ '' اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان نہ ہو۔

(حلیۃ الاولیاء، ج:۱، ص:۱۶۶، اللہ والوں کی باتیں، ج:۱، ص:۳۱۶)

ابوذر کے سوالات رحمت عالم کے جوابات: ہم یہ بات لکھ آئے ہیں کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں طلب علم کے لیے کثرت سے سوال عرض کیا کرتے تھے، جو موقع بھی تعلیم و تعلم کا میسر آتا اس کو ضائع نہیں کرتے، ایک دن حسین موقع میسر آیا دل کھول کر حضور سے سوالات کیے۔ گو سوالات و جوابات کا سلسلہ خاصا طویل ہے لیکن علمی جواہر پاروں کا ایک خزینہ ہے اس لیے ہم اس کو مکمل طور پر حلیۃ الاولیاء اور اس کے ترجمے اللہ والوں کی باتوں سے نقل کر رہے ہیں:

حضرت سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں داخل ہوا تو حضور نبی رحمت شفیع امت صلی اللہ علیہ وسلم تنہا تشریف فرما تھے، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب بیٹھ گیا تو ارشاد فرمایا: ابوذر! دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کر لو، فرماتے ہیں: میں وہاں سے اٹھا، نماز ادا کی اور پھر خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر بیٹھ گیا اور عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے مجھے نماز پڑھنے کا حکم دیا، یہ ارشاد فرمائیں کہ نماز کیا ہے؟ ارشاد

فرمایا: نماز کم ہو یا زیادہ اس میں خیر ہی خیر ہے، میں نے عرض کی: افضل ترین عمل کونسا ہے؟ ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا، میں نے عرض کی: ایمان میں کامل کون ہے؟ ارشاد فرمایا: سب سے اچھے اخلاق والا، میں نے عرض کیا: اسلام میں کامل کون ہے؟ ارشاد فرمایا: جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے لوگ محفوظ رہیں، میں نے عرض کی: افضل ترین ہجرت کونسی ہے؟ ارشاد فرمایا: گناہوں کو ترک کر دینا، میں نے عرض کی: افضل نماز کون سی ہے؟ ارشاد فرمایا: جس میں قیام طویل ہو۔

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! روزوں کے بارے میں ارشاد فرمایئے، ارشاد فرمایا: روزے فرض ہیں اور اللہ تعالیٰ کے وہاں اس کا اجر کئی گنا ہے، میں نے عرض کی: افضل جہاد کونسا ہے؟ ارشاد فرمایا: جس میں گھوڑے کے پاؤں کٹ جائیں اور اس کا خون بہہ جائے، میں نے عرض کی: کیسا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟ ارشاد فرمایا: جو قیمتی اور مالک کو پسند ہو، میں نے عرض کی: افضل صدقہ کونسا ہے؟ ارشاد فرمایا: مال کم ہونے کی صورت میں بھی فقیر کی حاجت روائی کرنا، میں نے عرض کی: قرآن حکیم کی سب سے بڑی آیت کونسی ہے؟ ارشاد فرمایا: آیت الکرسی، فرمایا: ابوذر! کرسی اور ساتوں آسمان کی حیثیت میدان میں بڑی انگوٹھی کی مانند ہے اور عرش کی فضیلت کرسی پر ایسی ہے جیسی میدان کی فضیلت انگوٹھی پر، میں نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! انبیاء کرام علیہم السلام کی تعداد کتنی ہے؟ ارشاد فرمایا: کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار (۱۲۴۰۰۰)۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے کتنے رسول مبعوث فرمائے؟ ارشاد فرمایا: تین سو تیرہ کا جم غفیر، میں نے عرض کی: یہ کثرت تو اچھی ہے پھر عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پہلے نبی کون ہیں؟ ارشاد فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام، میں نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا وہ نبی مرسل ہیں؟ ارشاد فرمایا: ہاں! اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور ان میں اپنی طرف کی روح پھونکی پھر سب سے پہلے انہیں ٹھیک (سالم الاعضاء) بنایا۔

حضرت سیدنا احمد بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے پھر سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام فرمایا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابو ذر! چار نبی سریانی ہیں، حضرت آدم، حضرت شیث، حضرت خنوخ اور وہ ادریس علیہم السلام ہیں اور یہ پہلے انبیاء ہیں جنہوں نے قلم سے لکھا ہے اور نوح علیہ السلام اور چار نبی عربی ہیں، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام اور اے ابوذر! تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے کتنی کتابیں نازل فرمائیں، ارشاد فرمایا: سو صحیفے اور چار کتابیں، پچاس صحیفے حضرت شیث علیہ السلام پر، تیس صحیفے حضرت ادریس علیہ السلام پر، دس صحیفے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور دس صحیفے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات سے پہلے نازل کیے، اس کے علاوہ تورات، انجیل، زبور اور قرآن حکیم نازل فرمایا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں کیا تھا؟ ارشاد فرمایا: وہ سب عبرت و نصیحت پر مشتمل تھے، اس میں تھا کہ اے دنیا کے دھوکے میں مبتلا بادشاہ! ہم نے تمہیں دنیا اکٹھی کرنے نہیں بھیجا بلکہ تمہیں مظلوم کی حاجت روائی کرنے کے لیے بھیجا ہے، کیوں کہ میں مظلوم کی دعا رد نہیں کرتا اگرچہ کافر ہو، اس میں یہ بھی تھا کہ عقلمند کو چاہیے کہ جب تک اس کی عقل مغلوب نہ ہو اپنے وقت کو اس طرح تقسیم کرے کہ ایک گھڑی اپنے پروردگار عزوجل سے مناجات کرے، ایک گھڑی اپنا محاسبہ کرے، ایک میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں غور و فکر کرے اور ایک گھڑی کھانے پینے کے لیے چھوڑ رکھے، عقلمند صرف تین چیزوں کے لیے سفر کرتا ہے آخرت بنانے، روزی کمانے یا حلال چیزوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے، عقلمند پر لازم ہے کہ اپنے زمانے کے حالات سے واقف اس کے معاملات سے آگاہ ہو اور اپنی زبان کی حفاظت کرے، باتیں کرنے کے بجائے کام کرے اور اس کا کلام فضول باتوں پر مشتمل نہ ہو۔

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں کیا تھا؟ ارشاد فرمایا: ان تمام میں عبرت کا بیان تھا کہ تعجب ہے اس پر جو موت کا

یقین رکھتا ہے پھر بھی خوش ہوتا ہے، تعجب ہے اس پر جو تقدیر پر ایمان رکھتا ہے پھر بھی رزق کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے، تعجب ہے اس پر جو دنیا کی حقیقت سے آگاہ ہے پھر بھی اسے قبول کر کے مطمئن ہو جاتا ہے اور تعجب ہے اس پر جسے یقین ہے کہ کل اسے حساب دینا ہے پھر بھی نیک اعمال نہیں کرتا۔

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے نصیحت فرمائیے۔

ارشاد فرمایا: میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں کیوں کہ تقویٰ تمام اچھے اعمال کی بنیاد ہے۔

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مزید ارشاد فرمائیے۔

ارشاد فرمایا: قرآن مجید کی تلاوت اپنے اوپر لازم کرلو کہ یہ زمین میں تمہارے لیے نور اور آسمانوں میں تمہارے تذکرے کا باعث ہے۔

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مزید ارشاد فرمائیے۔

ارشاد فرمایا: زیادہ ہنسنے سے بچو کیونکہ اس سے دل مردہ اور چہرہ افسردہ ہو جاتا ہے۔

میں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! مزید ارشاد فرمائیے۔

فرمایا: اچھی بات کے سوا کچھ نہ کہو، شیطان تم سے دور بھاگے گا اور نیکیوں میں مدد ملے گی۔

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مزید ارشاد فرمائیے۔

ارشاد فرمایا: جہاد کو لازم پکڑ لو یہ میری امت کی رہبانیت ہے۔

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مزید ارشاد فرمائے۔

فرمایا: غریبوں سے محبت اور ان کی صحبت اختیار کیا کرو۔

میں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مزید ارشاد فرمائیے۔

ارشاد فرمایا: (دنیاوی معاملات میں) اپنے سے کم درجے والوں کو دیکھو بلند درجے والوں (اپنے سے زیادہ مالداروں) کی طرف نہ دیکھو کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی کمی کا احساس ہو۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مزید نصیحت فرمائیے، ارشاد

https://alislami.net

فرمایا: اپنے رشتے داروں سے صلہ رحمی کرو اگر چہ وہ تم سے قطع تعلق کر لیں، مزید فرمایا: اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی کی ملامت سے نہ ڈرو اور حق بات کہو اگر چہ کڑوی ہو۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مزید کچھ ارشاد فرمائیے، ارشاد فرمایا: دوسروں کی ان خامیوں پر اعتراض نہ کرو جو تمہارے اندر پائی جاتی ہیں اور ان کاموں پر غصہ نہ کرو جنہیں تم خود بھی کرتے ہو اور کسی کی غیبت کے لیے یہی بات کافی ہے کہ تم اس کے بارے میں ایسی بات کہو جسے اپنے لیے برا جانتے ہو۔ حضرت سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست اقدس میرے سینے پر مار کر فرمایا: اے ابوذر! کفایت شعاری سے بڑھ کر کوئی عقل مندی نہیں، گناہوں کو چھوڑنے سے بڑھ کر کوئی تقویٰ و پرہیزگاری نہیں اور حسن اخلاق سے بڑھ کر کوئی شرافت نہیں۔ (حلیۃ الاولیاء، ج:۱، ص:۱۶۶، اللہ والوں کی باتیں، ج:۱، ص:۳۱۶)

انسان بھی شیطان ہوتا ہے: مسند احمد کی روایت میں کچھ سوالات الگ ہیں، اس روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: اے ابوذر! جن وانس کے شیاطین سے اللہ کی پناہ مانگو، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! کیا انسانوں میں بھی شیطان ہوتے ہیں؟ تو حضور نے فرمایا: ہاں! انسانوں میں بھی شیطان ہوتے ہیں۔ (مسند احمد، حدیث نمبر:۲۱۵۴۶)

جذبہ ایثار: عطا بیان کرتے ہیں میں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک معمولی دھاری دار چادر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ تو کہا: اے ابوذر! کیا آپ کے پاس اس کے سوا کوئی کپڑا نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا: اگر میرے پاس اس کے سوا کپڑا ہوتا تو تم مجھے پہنے ہوئے دیکھتے، میں نے کہا: چند دن پہلے میں نے آپ کو دو کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تھا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: بات تو تمہاری صحیح ہے لیکن میں نے وہ کپڑے ایسے شخص کو دے دیے جنہیں ان کپڑوں کی مجھ سے زیادہ ضرورت تھی، میں نے کہا: خدا کی قسم! آپ کو خود اس کی ضرورت تھی، آپ نے (غصے میں) فرمایا: اللہ تمہیں

معاف فرمائے، تم نے دنیا کو عظیم جانا ہے (مجھے اس سے زیادہ ضرورت نہ تھی) کیا تمہیں میرے اوپر یہ چادر دکھائی نہیں دیتی؟ مسجد جانے کے لیے میرے پاس ایک اور چادر بھی ہے، میرے پاس دودھ کے لیے بکریاں، بوجھ اٹھانے کے لیے سواریاں اور کھانا پکانے کے لیے خادم ہے تو جو نعمتیں ہمارے پاس ہیں اس سے زیادہ بہتر اور کیا چاہیے۔

(تاریخ دمشق، ج:٦٦، ص:٢٠٤)

شرف خدمت اور غیب کی خبر: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عزت افزائی متعدد انعامات کے ذریعے فرمائی، انہیں انعامات میں سے ایک خدمت کا موقع نصیب فرمانا بھی ہے، ایک دن کی بات ہے کہ خدمت سے فارغ ہو کر آرام فرمانے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور غیب کی ایک عظیم خبر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سنائی، آپ خود حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی سنیے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا جب خدمت سے فارغ ہو جاتا تو مسجد نبوی میں آ کر لیٹ جاتا، ایک دن کی بات ہے میں مسجد میں سو رہا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے قدم اقدس سے جگایا تو میں اٹھ بیٹھا، آپ نے فرمایا: ابوذر! یہاں سو رہے ہو، میں نے عرض کیا: حضور اور کہاں سوؤں؟ اس کے سوا میرا اور گھر کہاں ہے؟ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لے کر بیٹھ گئے، فرمایا: ابوذر! اس وقت کیا کرو گے جب لوگ تمہیں یہاں سے نکال دیں گے؟ عرض کیا: تو میں ملک شام چلا جاؤں گا، ملک شام ہجرت کی سرزمین ہے، میدان محشر بھی ہے اور ارض انبیاء بھی ہے، میں بھی وہاں کا باشندہ ہو جاؤں گا، ابوذر! اس وقت کیا کرو گے؟ جب لوگ تمہیں ملک شام سے بھی نکال دیں گے، حضور! میں پھر مسجد نبوی میں حاضر ہو جاؤں گا پھر یہی میرا ٹھکانہ ہوگا، ابوذر! اس وقت کیا کرو گے جب لوگ تمہیں یہاں سے دوبارہ نکال دیں گے؟ حضور! اس وقت میں اپنی تلوار اٹھا کر ان لوگوں سے قتال کروں گا یہاں تک کہ شہید ہو جاؤں۔ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم مسکرائے اپنا ہاتھ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رکھا، دوسری روایت میں حضور نے تین مرتبہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے دعا فرمائی ''اللہ تعالیٰ ابوذر کی مغفرت فرمائے'' حضور نے فرمایا: کیا میں اس سے بہتر چیز نہ بتا دوں؟ عرض کیا: ضرور یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ان لوگوں کی اطاعت کرنا وہ جیسا کہیں ویسا کرنا۔ دوسری روایت میں ہے جو بھی حاکم ہوا گرچہ وہ ایک حبشی غلام ہو اس کی نافرمانی مت کرنا وہ جدھر کا حکم کرے ادھر چلے جانا۔

(مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۱۲۹۱،۲۷۵۸۸)

یہ غیبی خبر تھی جو ایک نہیں کئی چیزوں پر مشتمل تھی، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنے والی زندگی میں خبر کی تصدیق ہوگئی، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ چھوڑ کر شام پھر شام سے مدینہ اور مدینۂ طیبہ سے ربذہ جانا پڑا، جس کی تفصیل عنقریب ان شاء اللہ آپ ملاحظہ کریں گے۔

محرم راز ابوذر: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پسند فرمایا، خدمت کا موقع عطا فرمایا اور پھر اپنا محرم راز بھی بنالیا، اللہ ہی بہتر جانے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے اسرار کے رازدار تھے لیکن یہ بات واقعی ہے کہ ان کے سینے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راز موجود تھے، امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا: میں آپ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی معاملے سے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں ارشاد فرمایا: تم جس معاملے سے متعلق سوال کرنا چاہتے ہو اگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راز ہوگا تو میں تمہیں نہیں بتاؤں گا۔ (مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۱۴۴۳)

اس واقعے سے دو چیزیں خاص معلوم ہوئیں، ایک تو یہ کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محرم راز تھے، دوسری یہ کہ آپ دوسرے علوم تو لوگوں کو بتا دیتے تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسرار کسی پر منکشف نہیں فرماتے تھے۔

ذکر محبوب کی حلاوت: رشتۂ محبت بھی عجیب ہوتا ہے متکلم کا کلام خود محبت کے باہمی رشتے کا پتہ دیتا ہے، لہجے کا اتار چڑھاو، کلام میں مستعمل الفاظ کی شائستگی، انداز کلام، بیچ بیچ میں مخصوص اشارات، کبھی محبوب کے ذکر کی مٹھاس، تو کبھی محبوب سے دوری ومہجوری کا ملال، چہرے پر کبھی مسرت وانبساط کا بانکپن، کبھی تدبر کی شکن، تو کبھی تفکر کی لکیریں یہ تمام تر چیزیں محب کے دل میں موجود محبوب کی محبت کی وارفتگی کا ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام میں ایسے نمونے کثرت سے پائے جاتے ہیں۔کبھی فرماتے: ''اوصانی حبی'' میرے محبوب نے مجھے وصیت کی ہے، کبھی فرماتے ہیں: ''اوصانی خلیلی'' میرے خلیل نے مجھے وصیت کی ہے، وصیت بیان کرنے کے بعد آپ کا یہ فرمانا: میں اس کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا، یہ اس کا ثبوت ہے کہ یہ محبت والفت الفاظ تک محدود نہ تھی جس طرح انہیں لب جاناں سے نکلے ہوئے الفاظ سے پیار تھا ایسے ہی محبوب کے مقصود ومطلوب کا بھی انہیں مکمل پاس ولحاظ تھا۔ (تفصیل کے لیے مسند احمد میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعے مروی احادیث کا مطالعہ کریں)

محبوب اور خلیل کے الفاظ سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ ان الفاظ کو ذکر کرنے میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرحت حاصل ہوتی تھی، تو کبھی کبھی یہی الفاظ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یاد جاناں میں اتنا بے قرار کر دیتے کہ آپ بے خود ہو جاتے، بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالتے اور حدیث کو پورا کر پاتے، ملاحظہ ہو ایک مثال:

حضرت احنف بن قیس کہتے ہیں کہ میں بیت المقدس میں داخل ہوا، میں نے ایک شخص کو دیکھا سجدے پر سجدہ کیے جا رہا ہے تو مجھے (اٹپٹا) محسوس ہوا، جب اس شخص نے سلام پھیرا تو میں نے پوچھا: جناب آپ کو معلوم ہے کتنی رکعت پر سلام پھیرا ہے؟ اس شخص نے جواب دیا: اگر میں نہیں بھی جانتا ہوں تو میرا خدا تو جانتا ہے پھر فرمایا: مجھے میرے محبوب ابوالقاسم نے خبر دی ہے، بس اتنا کہا اور وہ شخص رونے لگا، پھر کہا: مجھے میرے محبوب ابوالقاسم نے خبر دی ہے اور پھر رونے لگا پھر تیسری مرتبہ کہا: مجھے میرے محبوب ابوالقاسم صلی

اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے، بندہ اللہ کے لیے سجدہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ہر سجدے کے بدلے بندے کے درجے کو بلند فرماتا ہے، ایک گناہ بخشتا ہے اور ایک نیکی عطا فرماتا ہے۔ احنف کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے، یہ تو بتائیے کہ آپ ہیں کون؟ تو اس شخص نے فرمایا: میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی ابوذر غفاری ہوں، جواب سن کر احنف شرمسار ہو گئے۔ (مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۱۴۵۲)

اگر محبوب کے عمل کی طرح عمل نہ ہو: محبت میں محب بڑی دور کی سوچتا ہے اور سوچتے سوچتے کہاں سے کہاں نکل جاتا ہے؟ سچا مسلمان تو دنیا کی کم اور آخرت کی زیادہ سوچتا ہے، جیسے دنیا میں آدمی اپنے محبوب کے ساتھ رہنا چاہتا ہے آخرت میں بھی اس کی یہی چاہت ہوتی ہے کہ قربت محبوب میسر ہو۔ ہم جو حدیث پیش کرنے جارہے ہیں، اس کا انداز یہ بتاتا ہے کہ شاید حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی انہی جذبات نے مغلوب کر دیا کہ آخرت میں کیا ہوگا؟ دنیا میں محبوب دو عالم سے صحبتیں رہی ہیں، مواقع خدمت میسر آئے ہیں، صبح و شام خسروانہ نوازشات کی برسات ہوئی ہے، سب سے بڑھ کر شربت دیدار یار سے جو روح کو تازگی اور بے قراری کو قرار ملتا ہے آخرت میں یہ مزے ہوں گے یا نہیں؟ کیونکہ محبوب کا مقام اور اللہ کی بارگاہ میں ان کا انعام بہت عظیم ہے، یہاں تو امید ہے کہ محبوب کے تصدق سے جنت ارزانی ضرور ہوگی مگر کہاں ہماری منزل اور کہاں جان عالمیاں کا بالا خانہ پھر دیدار یار کیسے ہوگا؟ بس ان ہی خیالات کے اضطراب نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مضطرب کر دیا اور حضور کی بارگاہ میں جا پہنچے، عرض کرتے ہیں: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آدمی کسی سے محبت کرتا ہے؟ مگر اس کی طرح عمل نہیں کر سکتا (حضور اس کا آخرت میں کیا ہوگا؟ غلام کی بے قراری رحمت عالمیاں نے سمجھ لی اور فرمایا) ''انت یا اباذر مع من احببت'' (اے ابوذر! تم جس سے محبت کرتے ہو اسی کے ساتھ رہو گے) حضور کی زبان سے اتنا سنا تو پکار اٹھے ''فانی احب اللہ ورسولہ'' بے شک میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں، حضور نے فرمایا: اے ابوذر! تم اس کے ساتھ رہو

گے جس سے تم محبت کرتے ہو، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے جاتے ''بے شک میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں'' اور حضور فرماتے جاتے: ابوذر! تم اسی کے ساتھ رہو گے جس سے تم محبت کرتے ہو، یہ سلسلۂ کلام تین مرتبہ مکرر رہوا۔ (مسند احمد، حدیث: ۲۱۴۶۳)

عنایات محبوبانہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی اپنے عاشق و خادم کو محروم نہیں فرماتے تھے بلکہ جذبۂ محبت کی تسکین کے لیے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حضور کی عنایات بے پایاں کا ابر بہاراں برسا اور اتنا برسا کہ محبت کی کھیتی کو ہمیشہ کے لیے شاداب کر گیا، مخصوص اوقات میں نوازشات کے خاص تحائف انہیں کی زبان میں ملاحظہ کیجیے:

ایک شخص نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا، یہ بتائیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سے ملاقات کرتے تو کیا اس کے ہاتھ پکڑ کر مصافحہ فرماتے تھے؟ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تم نے صحیح جگہ سوال کیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جب بھی مجھ سے ملاقات ہوئی تو حضور نے مجھ سے مصافحہ فرمایا، یہ کوئی ایک مرتبہ کا ذکر نہیں ہے (ہمیشہ کا معمول تھا) اور حضور سے جو میری آخری ملاقات تھی (اس کا حال مت پوچھو اس میں تو رحمت خداوندی جھوم کر برسی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلانے کے لیے کسی کو میرے پاس بھیجا، اس وقت سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت ناساز تھی اور اسی مرض میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا۔ میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ سرکار بستر ناز پر آرام فرما ہیں، بس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر جھک گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور مجھے اپنے آپ سے چمٹا لیا۔

(مسند احمد، حدیث: ۲۱۴۴۳، ۲۱۴۴۴)

مصطفیٰ کا صدر منشرح حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے سے ملا، سمندر کا تعلق نہر سے ہوا، نہر نے اپنی بساط کے مطابق کتنا جمع کیا یہ راز و نیاز تو اللہ تعالیٰ کے بعد مصطفیٰ جانیں اور مصطفیٰ کے بعد حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جانیں۔ ہمیں یہ لگتا ہے

https://alislami.net

کہ سینۂ مصطفیٰ سے علم کے خزینے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے میں منتقل کر دیے گئے، قلب مصطفیٰ میں صرف اور صرف محبت الٰہی ہی جاگزیں تھی، اس کے سوا وہاں کسی کی رسائی نہیں بس اس سینے کا حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مس ہونا تھا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے سے ساری خواہشات آرزوئیں سلب کر دی گئیں، حرص، لالچ اور دنیا طلبی کے سارے مادے جل کر خاکستر ہو گئے، بزبان علامہ فیض احمد اویسی عالم یہ ہو گیا:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئینۂ فقر محمدی بن کر زندہ رہے سادگی کا یہ حال لباس کی بھی پرواہ نہیں، کبھی صرف کمبل سے جسم کی پوشش کر لیتے اور اس معاملے میں ملامت گروں کی ملامت بھی ان پر اثر انداز نہیں ہوتی، کبھی عربی جوڑا زیب تن ہوتا اور کبھی فقر کی گدڑی ہی میں لپٹے رہتے، بال پریشان رہتے، داڑھی الجھی رہتی، کوئی اس حال میں دیکھتا تو نہلا دھلا کر کپڑے بدل دیتا، رنگ گندمی تھا جو اسی حالت جذب میں دھوپ وغیرہ سے سیاہ ہو گیا تھا، ٹاٹ کا بستر تھا کسی نے پوچھا: آپ نرم گدا کیوں نہیں بنا لیتے، تو ہاتھ اٹھا کر عرض کرنے لگے: یا اللہ! دنیا میں جو چیزیں تو نے اپنی مرضی سے عطا کی ہیں میں ان کے متعلق بھی مغفرت کا طلب گار رہوں۔ (سوانح ابوذر غفاری، ص:۷۳)

ذوق عبادت اور امت کے لیے بشارت: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا تعلق دنیا سے نہ کے برابر قائم رکھا تھا، وہ سارے تنعّمات، تعیّشات اور خواہشات کو ترک کر کے صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہو رہے تھے۔ زندگی ''وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا'' (سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو) کی آئینہ دار تھی۔ فرائض کے ذوق کا اندازہ ان کے نوافل کے ذوق سے با آسانی لگایا جا سکتا ہے، فرائض کے متعلق تو قرآن کریم میں اور احادیث کریمہ میں جو تاکیدات ہیں انہیں دیکھ کر کوئی سلیم الفطرت مومن بھی ترک فرائض کی ہمت نہیں کرتا، چہ جائے کہ صحابی رسول۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تو ان کے آقا نے وہ طریقہ بھی بتادیا تھا جہاں فرائض کی ادائیگی میں بظاہر مشقت

پیدا ہو رہی ہو، ایسے وقت میں کس طرح وہ رب کے فریضے سے عہدہ برآ ہوں گے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے ابوذر! اگر تمہارے زمانے میں ایسے لوگ رہیں جو نماز کو مؤخر کریں تو تم اپنی نماز کا کیا کرو گے؟ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کچھ عرض کرتے، اس سے پہلے ہی آقائے کریم نے طریقہ ارشاد فرمایا: اے ابوذر! تم نماز کو وقت پر ادا کر لینا، پھر اگر جنہوں نے نماز نہیں پڑھی ہے وہ نماز پڑھنے آ جائیں تو ان کے ساتھ بھی نماز پڑھ لینا، یہ نماز تمہارے لیے نفل ہو جائے گی، اللہ کے رسول نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ضرر سے بچانے کے لیے فرمایا: تم ان لوگوں سے یہ نہ کہنا کہ میں نے نماز پڑھ لی ہے۔ (اس لیے اب تمہارے ساتھ نہیں پڑھوں گا) (مسند احمد: ۲۱۴۷۸، ۲۱۴۹۰)

فرائض کی پابندی کا یہ عالم ایک وقت ان کو تیمم کا مسئلہ معلوم نہ تھا اور یہ مدینۂ طیبہ کے باہر اپنی ذمہ داریاں نبھا رہے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سونپی تھیں، اہلیہ ساتھ میں تھیں غسل کی حاجت پیش آ گئی بغیر غسل کے ہی نماز ادا کر لی لیکن دل میں بہت پریشان تھے، موقع ملتے ہی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے ہانپتے کانپتے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں ہلاک ہو گیا، ارشاد فرمایا: کیا ہوا؟ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پورا معاملہ بیان کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوا کر انہیں غسل کرنے کے لیے بھیجا، جب غسل کر کے حاضر بارگاہ ہوئے پھر تیمم کے بارے میں بتایا، نیز فرمایا: ابوذر! پاک مٹی انسان کے لیے پاکی ہے اگر چہ دس سال تک آدمی پانی نہ پائے۔ (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: ۳۳۳)

نفلی عبادت کا ذوق اس حد تک تھا کہ پوری پوری رات نماز پڑھتے رہتے، سجدے پر سجدہ کرتے رہتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تاک میں لگے رہتے کہ حضور کب تشریف لے آئیں اور نماز میں حضور کی معیت حاصل ہو جائے۔ ہم دلیل کے طور پر ایک حدیث پاک پیش کر رہے ہیں:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر

کے دوران عشاء کی نماز پڑھائی، لوگ حضور کے نماز پڑھانے کے بعد بھی وہاں نماز پڑھ رہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قیام گاہ میں تشریف لے گئے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا کہ اب لوگ جگہ خالی کر کے چلے گئے ہیں، حضور دوبارہ وہاں تشریف لا کر نماز پڑھنے لگے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تاک رہے ہوں) کہتے ہیں: میں بھی حاضر ہو گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا، حضور نے مجھے اپنی داہنی جانب کا اشارہ فرمایا، اور میں حضور کی دائیں جانب آ کر کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں عبداللہ بن مسعود حاضر ہو گئے اور وہ میرے اور حضور کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے، انہیں حضور نے بائیں جانب کھڑے ہونے کا اشارہ فرمایا اور وہ بائیں جانب کھڑے ہو گئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم اپنی اپنی نماز پڑھ رہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات بھر نماز میں ایک ہی آیت کو بار بار پڑھتے رہے یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز ادا کر لی، جب صبح ہو گئی تو میں نے عبداللہ بن مسعود کو اشارہ کیا کہ وہ حضور سے پوچھیں کہ رات کے اس فعل میں (ایک آیت کی تکرار) کیا حکمت تھی؟ تو عبداللہ بن مسعود نے مجھے اشارے سے جواب دیا: جب تک حضور خود ہی ارشاد نہ فرما دیں میں حضور سے سوال نہیں کر سکتا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: تو پھر میں نے حضور سے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ کو تو پورا قرآن کریم یاد ہے لیکن آج آپ نماز میں پوری رات ایک ہی آیت کی تکرار کرتے رہے، اگر ہم میں سے کوئی ایسا کرتا تو ہم تو اس کو اچھا نہیں سمجھتے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابوذر! میں نے اپنی امت کے لیے دعا کی تھی، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: حضور رب کی طرف سے کیا جواب ملا، ارشاد فرمایا: ابوذر ایسا جواب ملا کہ اگر لوگوں کو پتہ چل جائے تو بہت سارے لوگ نماز کو ہی ترک کر دیں، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: حضور! کیا میں لوگوں کو اس بشارت کی خبر نہ دے دوں (حضور کا دریائے کرم جوش پر تھا) فرمایا: کیوں

نہیں (اس کی خبر دے دو) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ نے ابوذر کو یہ خوشخبری سنانے کے لیے بھیج دیا تو لوگ بشارت ہی پر بھروسہ کر لیں گے اور عبادت چھوڑ بیٹھیں گے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آواز لگا کر روکا گیا، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس حاضر ہو گئے۔

وہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس کو رات بھر نماز میں پڑھ رہے تھے یہ تھی ''اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝١١٨''

(المائدہ: ۱۱۸، مسند احمد، حدیث: ۲۱۴۹۵)

حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رات بھر نماز نوافل پڑھتے رہے یہ ان کا ذوق عبادت تھا، جہاں عبداللہ بن مسعود جیسے جلیل القدر صحابی سوال کرنے کی جرأت نہ کر سکے وہاں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرضی لگائی، سوال کیا بلکہ سوال پر سوال کیے، یہ بارگاہ رسالت میں ان کی وجاہت ہے اور یہ کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خوب منہ لگے تھے۔ یہ بشارت امت کو سنانے سے اگرچہ منع کر دیا گیا لیکن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو بشارت شفیع المذنبین سے خود اپنے کانوں سے سنی تھی، اس سے پختہ سبب علم ان کے لیے اور کیا ہو سکتا تھا لیکن کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ ان کا ذوق عبادت یہ سننے کے بعد کم ہوا بلکہ تاریخ یہی بتاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی لوگ انہیں سجدے پر سجدہ کرتے ہوئے پاتے تھے، وہ لوگ کم ہمت اور دین میں کمزور ہوتے ہیں بشارتیں جن کا ذوق طلب گھٹا دیتی ہیں، اللہ والے، عظیم الہمت لوگ وہ ہیں کہ بشارتیں جن کا ذوق طلب بڑھا دیتی ہیں۔

دوران سفر سواری پر نماز: ذوق عبادت کا یہ عالم تھا کہ دوران سفر آپ اپنی سواری پر بھی نماز ادا کرتے تھے، ابوعثمان نہدی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر غفاری کو

سواری پر دیکھا تو میں سمجھا کہ آپ کو نیند آ رہی ہے، میں نے قریب جا کر پوچھا: کیا آپ سو رہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: نہیں! میں نماز پڑھ رہا ہوں۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۲، ص:۷۸)

انتہائے شوق پر برہم مزاجی: ہم یہ بات ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منہ لگے تھے اس لیے موقع بہ موقع حضور کی بارگاہ میں کثرت سے سوال کیا کرتے تھے، خود فرماتے ہیں کہ میں حضور کی بارگاہ میں سارے لوگوں سے زیادہ سوال کرتا تھا لیکن جب شوق حدود کو پار کر جائے تو پریشانی پیدا کر دیتا ہے اور کبھی کبھی عتاب کا باعث بن جاتا ہے۔

ایک دن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شب قدر کے بارے میں معلوم کیا کہ یہ رمضان میں ہوتی ہے یا کسی اور مہینے میں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رمضان میں، پھر پوچھا کہ یہ صرف انبیاء کرام علیہم السلام کی ظاہری زندگی میں ہوتی ہے یا اس کے بعد بھی قیامت تک باقی رہے گی؟ فرمایا: قیامت تک باقی رہے گی، عرض کیا: رمضان میں کب؟ جواب ملا: اس کو رمضان کے پہلے اور آخری عشرے میں تلاش کرو پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کچھ دوسری باتوں میں مشغول ہو گئے لیکن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ موقع کی تلاش میں رہے جیسے ہی موقع ملا پھر سوال کر لیا، حضور دونوں میں سے کون سے عشرے میں شب قدر ہوتی ہے؟ حضور نے فرمایا: آخری دس راتوں میں تلاش کرو، ساتھ ہی سرکار نے فرمایا: اب اس کے بعد کچھ نہ پوچھنا (لیکن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ امت کی بھلائی کی فکر میں انتہائے شوق کو پہونچے ہوئے تھے تھوڑی دیر خاموش رہے) حضور باتوں میں مشغول ہوئے جیسے ہی موقع دیکھا پھر پوچھ لیا (اس بار پوچھنے کا انداز بھی الگ تھا) حضور اس غلام کا آقائے کریم پر جو حق ہے (حضور کا بخشا ہوا) اس حق کا واسطہ مجھے بتا دیجیے؛ ان دس راتوں میں شب قدر کب ہوتی ہے؟ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے اوپر ایسے غصہ ہوئے کہ ایسا غصہ آپ نے مجھ پر پہلے کبھی فرمایا تھا نہ اس کے بعد (عتاب تو

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سرکار نے فرمایا لیکن جواب سے محروم نہ فرمایا) فرمایا: آخری سات راتوں میں شب قدر کو تلاش کرو اور اب اس متعلق کچھ بھی سوال مت کرنا۔ (المستدرک للحاکم، حدیث نمبر:۱۵۹۶، السنن الکبری للبیہقی :۸۷۸۸)

امام ابوعبداللہ الحاکم نے فرمایا: یہ حدیث صحیح ہے اور امام مسلم کی شرط پر ہے، امام بخاری و مسلم نے اس کو تخریج نہیں فرمایا ہے۔

خودنمائی اور بڑائی سے دور رکھنے والا خطاب: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت وتزکیہ نے صحابہ میں ممتاز کر دیا تھا، مال ومنال کی بے ثباتی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نگاہ میں ایسی قائم فرمائی کہ انہوں نے سونے چاندی کے ڈھیروں کو اگر دیکھا تو بنظر حقارت ہی دیکھا، کبھی زراندوزی کا سودا ان کے دل میں نہ سما سکا، عبادت وریاضت اور گوشہ نشینی کا رنگ ایسا چڑھا کہ تمام عمر دنیا کی رنگینیوں کی طرف مڑ کر نہیں دیکھا لیکن ان سب کے باوجود خود پسندی، تکبر اور عبادت و ریاضت کے گھمنڈ سے بچانے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے فرمان الٰہی کے وہ نمونے پیش فرمائے کہ انہیں سن لینے کے بعد حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو کہاں کوئی صحیح الحواس مؤمن بھی اپنے عبادت و ریاضت پر اترا سکتا ہے نہ تکبر وگھمنڈ جیسی کوئی چیز اس کے قریب آسکتی ہے۔ ملاحظہ ہو وہ حدیث قدسی جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سنائی، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے سے پوری انسانیت کو اس کی اوقات یاد دلائی، اس روایت کو کثیر مؤرخین ومحدثین نے الفاظ کی قدرے کمی وبیشی کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔ ہم امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تخریج کردہ حدیث بیان کررہے ہیں:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کیا ہے اور میں نے تمہارے درمیان بھی ظلم کو حرام کردیا لہٰذا تم ایک دوسرے پر ظلم نہ

https://alislami.net

کرو، اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو سوا اس کے جس کو میں ہدایت دوں، اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو سوائے اس کے جس کو میں کھانا کھلاؤں، بس تم مجھ سے کھانا طلب کرو میں تم کو کھلاؤں گا، اے میرے بندو! تم سب بے لباس ہو سوائے اس کے جس کو میں لباس پہنا دوں لہٰذا تم سب لباس مانگو میں تم کو لباس پہناؤں گا، اے میرے بندو! تم سب دن رات گناہ کرتے ہو اور میں تمام گناہوں کو بخشتا ہوں تم مجھ سے بخشش طلب کرو میں تم کو بخش دوں گا، اے میرے بندو! تم کسی نقصان کے مالک نہیں کہ مجھے نقصان پہنچا سکو اور تم کسی نفع کے مالک نہیں کہ مجھے نفع پہنچا سکو، اے میرے بندو! اگر تمہارے اول و آخر اور تمہارے انسان و جن تم میں سب سے زیادہ متقی شخص کی طرح ہو جائیں تو میرے ملک میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتے اور اے میرے بندو! اگر تمہارے اول و آخر اور تمہارے انسان و جن تم میں سے سب سے زیادہ بدکار شخص کی طرح ہو جائیں تو میرے ملک سے کوئی چیز کم نہیں کر سکتے اور اے میرے بندو! تمہارے اول و آخر اور تمہارے انسان و جن کسی ایک جگہ کھڑے ہو کر مجھ سے سوال کریں اور میں ہر انسان کا سوال پورا کر دوں تو جو کچھ میرے پاس ہے اس میں سے صرف اتنا کم ہوگا جس طرح سوئی کو سمندر میں ڈال کر (نکالنے سے) سمندر میں کمی ہوتی ہے، اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہیں جن کو میں تمہارے لیے جمع کر رہا ہوں پھر میں تم کو ان کی پوری پوری جزا دوں گا پس جو شخص خیر پائے وہ اللہ کی حمد کرے اور جس کو خیر کے سوا کوئی اور چیز (مثلاً آفت یا مصیبت) پہنچے تو وہ اپنے نفس کے سوا کسی کو ملامت نہ کرے۔ سعید بیان کرتے ہیں کہ ابوادریس خولانی جس وقت یہ حدیث بیان کرتے تھے تو گھٹنوں کے بل جھک جاتے تھے۔ (صحیح المسلم، کتاب البر باب تحریم الظلم)

حدیث پاک میں ہے کہ تم سب گمراہ ہو سوائے اس کے کہ جس کو میں ہدایت دوں، اس گمراہی سے مراد وہ گمراہی ہے جو فطرت کے بعد رسولوں کے آنے سے پہلے تھی جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ''كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ۔'' تمام لوگ ایک طریقہ (گمراہی) پر تھے تو اللہ تعالیٰ نے خوشخبری دینے والے

https://alislami.net

اور ڈرانے والے نبی بھیجے۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو نہ بھیجتا اور لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیتا اور لوگ اسی تن آسانی عیش پرستی اور دلائل توحید میں عدم تدبر کے حال میں رہتے تو لوگ گمراہ ہو جاتے۔ اس حدیث میں ہے جو کچھ میرے پاس ہے اس سے صرف اتنا کم ہوگا جس طرح سوئی کو سمندر میں ڈال کر نکالنے سے اس میں کمی ہوتی ہے۔ چونکہ سوئی کو سمندر میں ڈال کر نکالنے سے بظاہر کوئی کمی نہیں ہوتی اس لیے مثال دی گئی ورنہ سمندر متناہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے وہ غیر متناہی ہے۔ (شرح صحیح مسلم، ج:۷، ص:۱۵۸)

اللہ تعالیٰ کے اس کلام (حدیث قدسی) میں جلال و جمال کے مظاہر دیکھ لینے اور ان پر یقین کر لینے کے بعد کیا کوئی شخص اپنی خوبی پر اترا سکتا ہے؟ کمال پر غرور و تکبر کا شکار ہو سکتا ہے؟ جب واشگاف انداز میں بتا دیا گیا تم سب گنہگار و خطا کار ہو تو اپنے زہد و ورع پر کس دماغ میں پندار تقوی و طہارت سما سکتا ہے؟ جب ابتدائے آفرینش سے لیکر صبح قیامت تک کے عابد و زاہد صغیر و کبیر، نیک اور پارسا سب مل کر بھی اس صاحب جلال مالک الملک کی سلطنت قاہرہ میں مکھی کے پر کے برابر اضافہ نہیں کر سکتے تو پھر کوئی خاک کا پتلا مغرور و متکبر کیوں کر ہو سکتا ہے۔ جب سب اسی کا ہے اور سب اسی کے ہیں: جمال و جلال کی یہ کہکشاں، فضل و کمال کے یہ درخشندہ ستارے، زہد و تقوی اور عفت و طہارت کے لہلہاتے گلشن اسی کی شان کریمی اور جود و نوال کے مرہون منت ہیں اگر وہ اپنے رحم و کرم اور جود و نوال کی عنان ایک لمحے کے لیے موڑ لے تو سارے محاسن، سارے کمالات، زمین و آسمان بھری نی کیاں اسی لمحے میں راکھ کا ایک ڈھیر یا ریت کے ٹیلے میں تبدیل ہو جائیں۔ (العیاذ باللہ) تو پھر کوئی عاقل خدائے واحد کی حمد و ثنا چھوڑ کر اپنی مدح سرائی میں رطب اللسان کیسے ہو سکتا ہے ؟ یہی وجہ ہے کہ جس کا مقام بارگاہ خداوندی میں جتنا عظیم ہے وہ اسی قدر صبر و شکر، عبادت و ریاضت، توبہ و استغفار، عاجزی و انکساری کا پیکر جمیل بنا ہوا ہے۔

منزل عشق میں تسلیم و رضا مشکل ہے
جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

https://alislami.net

تعلیمات نبویہ کے یہی وہ بیش بہا نمونے تھے جو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رگ رگ اور ریشہ ریشہ میں سما گئے تھے۔ یوں تو آفتاب نبوت کے نور سے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سینہ خوب منور ہوا، ان کی ہر نیکی پیغمبر اسلام کی مساعی کا نتیجہ اور مواعظ حسنہ کا ثمرہ ہے، ان کی زندگی کے ہر ہر ورق پر رنگ محمدی چڑھا ہوا ہے مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جس طرح آسمان دنیا کا آفتاب مطلع انوار پر طلوع ہوتا ہے، کائنات اس کے جلووں سے فیض پاتی ہے، قرص آفتاب سے صادر ہونے والی کرنیں بظاہر ایک جیسی ہیں لیکن فیض پانے والی کائنات میں اس کا جلوہ جدا جدا رنگوں میں نظر آتا ہے۔ عالم نباتات پر ہی غور کر لیجئے کوئی پتہ پیلے رنگ کا، کوئی ہرے رنگ کا، پتوں کا رنگ الگ ہے، شاخوں کا الگ، پھولوں کا الگ تو پھلوں کا الگ، ایک ہی درخت پر لگنے والے تمام پھل جسم میں، جسمانیت میں، حجم میں، جثے میں، ضخامت میں، لطافت میں، کثافت میں، مزے میں اور ذائقے میں ایک جیسے نہیں ہوتے۔ بلاتشبیہ آفتاب نبوت سے فیض پانے والے آسمان ہدایت کے چاند تارے صحابۂ کرام سب کے سب ایک ہی آفتاب سے اکتساب نور کرتے رہے مگر کسی میں شان صدیقیت کی جلوہ نمائی ہوئی، کوئی پرتوے عدالت بن گیا، تو کسی نے حیاے نبوی کے جلووں کو اپنی ذات میں سمولیا، کوئی شجاعت نبوی سے فیضیاب ہوا اور کوئی قضاے نبوی کے جواہر پاروں سے مزین ہو گیا۔

امت کے سب سے بڑے زاہد: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات میں جو رنگ سب سے نمایاں نظر آتا ہے وہ حضور کی زاہدانہ زندگی کا رنگ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مختار کائنات بنایا، عظمت شان کا یہ عالم کہ اگر چاہیں تو سونے کے پہاڑ ساتھ چلا کریں لیکن فقر کے اختیار کی یہ شان کہ گھر میں دو ماہ تک چولہا نہیں جلتا۔ (بخاری شریف، حدیث نمبر: ۶۴۵۹، شرح السنۃ للبغوی: ۳۶۸۳، شعب الایمان: ۱۳۹۵)

کل جہاں ملک اور جو کی روٹی غذا
اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

اسی رنگ سے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رنگا رنگ ہو گئے، زبان رسالت مآب سے وہ تمغہ پایا کہ جس تمغے نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امت کا ممتاز اور مایہ ناز زاہد بنا دیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''من سرہ ان ینظر الی زھد عیسی بن مریم فلینظر الی ابی ذر'' جو شخص حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے زہد کو دیکھ کر مسرور ہونا چاہے وہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نظارہ کرے۔ (جامع الاحادیث، حدیث نمبر: ۱۹۷۷۸، طبقات ابن سعد، ج: ۴، ص: ۲۱۴، تاریخ دمشق، ج: ۶۶، ص: ۲۹۰، سیر اعلام النبلاء، ج: ۲، ص: ۵۹)

رہبانیت سے پاک زہد: اسلام رہبانیت نہیں سکھاتا کہ انسان خدا کی عبادت اور زہد و تقویٰ کے نام پر آبادیوں کو چھوڑ کر جنگلات میں بسیرا کر لے، گھروں اور مکانات سے نکل کر پہاڑوں اور غاروں کی کھوہوں کو اپنا مسکن بنا لے، آبادیوں کو ترک کر کے صحراؤں اور بیابانوں کو ہی اپنا وطن بنا لے، ترک نکاح کر کے تجردانہ زندگی جیے، معاش اور تربیت اطفال کے چکروں میں پھنسنے کے بجائے تنہائی میں اللہ اللہ کرتا رہے، یہ سب کچھ تعلیمات اسلام سے میل نہیں کھاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زاہد بنایا تھا راہب نہیں۔ اسی لیے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شادی بھی کی، ان کے یہاں اولاد بھی ہوئی، بچوں کی پرورش بھی کی، لوگوں کے ساتھ وعظ و نصیحت میں مشغول بھی رہے، جس جگہ رہے اپنے اہل خانہ کو ساتھ رکھا، وہ راہب بن بھی کیسے سکتے تھے؟ جب کہ ان کے آقا نے انہیں اچھے طریقے سے یہ سبق از بر کرا دیا تھا؛ اے ابوذر! تمہارا راستے سے ہڈی (تکلیف دہ چیز) کو ہٹا دینا صدقہ ہے، کسی کو راستہ دکھا دینا صدقہ ہے، اپنی طاقت سے کسی ضعیف کی مدد کرنا صدقہ ہے، کسی گناہ کو گناہ ظاہر کر دینا صدقہ ہے، تمہاری بیوی کے ساتھ تمہارا ہمبستر ہونا یہ بھی صدقہ ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! ہم تو اپنی بیویوں سے اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے ہم بستر ہوتے ہیں، اس پر ہمیں اجر کیوں ملتا ہے؟ حضور

https://alislami.net

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابوذر! یہ بتاؤ اگر تم اپنی شہوت کو حرام طریقے پر پورا کرو تو تم گناہ گار ہو گے یا نہیں؟ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ہاں حضور ہم اس وقت ضرور گناہ گار ہوں گے (تو پھر جائز طریقے سے پورا کرنے پر ثواب کیوں نہیں پاؤ گے) فرمایا: تم لوگ گناہوں کو شمار کر لیتے ہو اور نیکیاں بھول جاتے ہو۔ (مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۱۳۶۳)

حدیث پاک میں بیان کردہ انواع واقسام کے یہ صدقے چھوٹی چھوٹی سی چیزوں پر جزاء کی یہ دل خوش کر دینے والی بشارتیں خود اپنی حاجت روائی اور تسکین نفس پر ثواب کا ذخیرہ، کیا غاروں کی کھوہوں، پہاڑوں کی چوٹیوں، صحراؤں کی تنہائیوں، کسب معاش کی بے فکریوں اور تجردانہ زندگی کی بے کیفیوں میں میسر آ سکتا ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں! یہ آغوش محمدی میں تربیت یافتہ وہ افراد ہیں جن کی مثال عالم میں نایاب ہے، یہ دنیا میں رہتے ہوئے تارک الدنیا ہوتے ہیں، آبادیوں کی بھیڑ میں بھی عبادت و ریاضت کے اس مقام پر ہیں کہ گوشہ نشیں حضرات پوری زندگی تنہائی میں گزار کر بھی ان کے مقام کے عشر عشیر کو بھی نہیں پہنچ سکتے، یہ سب صدقہ ہے جان عالمیاں حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور رسالت کا۔

ایک تم دنیا میں رہ کر تارک دنیا رہے
رہ کے دنیا میں دکھائے کوئی دنیا چھوڑ کر

(تاج الشریعہ)

ابوذر کے زہد کی نمایاں خوبیاں: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زہد بڑا ہی عمدہ تھا جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ وہ زہد میں جنگلات کا رخ کر لینے کے قائل نہ تھے بلکہ وہ معاشرے میں رہ کر خود نیکی کرتے اور لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے اور نیکی کو پسند فرماتے، وہ لوگوں کو زہد کی دعوت دیتے تھے تاکہ لوگوں کا حساب قیامت کے دن آسان ہو جائے، کثرت مال قیامت میں لوگوں کے لیے وبال جان نہ بن جائے اس لیے وہ مالداروں پر سخت تنقید کرتے، انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے فرامین سناتے کیونکہ یہ بات اسلام میں ثابت شدہ ہے کہ قیامت میں انسان سے اس کے مال کے بارے میں

https://alislami.net

پوچھا جائے گا، اس نے اپنا مال کہاں خرچ کیا؟ وہ چاہتے تھے کہ لوگ پل صراط سے بآسانی گزر سکیں، کثرت مال ان کے پاؤں کے لیے زنجیر ثابت نہ ہو، وہ اپنے لیے یہ پسند کرتے تھے کہ ان کے پاس اتنا غلہ اور سامان ہو جو ان کے اور اہل وعیال کے لیے پورے سال کھانے پینے میں کفایت کر سکے، اس سے زیادہ کو وہ گھر میں رکھنا پسند نہ کرتے تھے بلکہ اس کا راہ خدا میں صدقہ کر دینا ہی ان کے یہاں متعین تھا، اپنے پاس چند جانور رکھتے تا کہ ان پر سواری کر سکیں، دودھ والی بکریوں کو دوہ کر خود دودھ پی سکیں اور لوگوں کو بھی پلا سکیں، یہی طرز زندگی وہ دوسروں کے لیے بھی پسند کرتے تھے۔ (ابوذر غفاری والشیوعیہ، ص:۲۵)

کیفیت مجذوبانہ: علامہ فیض احمد اویسی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

آپ کا جذب ہمارے مجذوبوں کی طرح نہ تھا کہ نہ حقوق العباد کا خیال اور نہ حقوق اللہ کا دھیان، نہ فرائض کی فکر نہ سنتوں کی پرواہ، نہ ستر کا ہوش نہ حلال وحرام کی تمیز، ان کا جذب ایسا نہیں تھا کہ نماز روزہ اور دیگر شرعی امور سے آزاد ہو گئے ہوں بلکہ وہ ایسے مجذوب تھے جو ہمارے بڑے بڑے عاقلوں سے زیادہ عاقل اور باہوش تھے۔ فرائض میں تو کسی قسم کی کوتاہی ان سے قطعاً ثابت نہیں، نوافل وغیرہ میں کچھ بے ضابطگیاں ہو جایا کرتی تھیں، مثلاً رکوع پر رکوع کرتے جاتے تھے یا سجدے پر سجدے ہی کرتے جاتے، اس کے باوجود کہ بعض اوقات بے خود ہو جاتے تھے، محمدی جذب کا اثر تھا کہ اپنے محبوب کی اداؤں کی سختی سے پابندی فرماتے تھے، ایک مرتبہ کسی بات پر غصہ آ گیا تو بیٹھ گئے پھر فوراً ہی کیچڑ سے بھری زمین پر لیٹ گئے پوچھا گیا: آپ نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تم میں سے جس کسی کو غصہ آئے وہ کھڑا ہو تو اسے چاہیے کہ بیٹھ جائے کہ اس سے غصہ جاتا رہتا ہے ورنہ پھر لیٹ جائے۔ (سوانح ابوذر، ص:۳۸)

حضرت ابوذر غفاری کا وظیفہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سابقین اولین صحابہ میں تھے، بیت المال سے آپ کے لیے خاص مقدار میں رقم بطور وظیفہ متعین تھی چنانچہ آپ کو بیت المال سے چار ہزار (دینار) سالانہ نذر کیے جاتے تھے، اس سے متعلق

آپ کا طریقۂ کار یہ تھا کہ جس دن وہ وظیفہ ملتا آپ اپنے خادم کو بلاتے، اس سے معلوم کرتے؛ ایک سال کی ضروریات کے لیے کیا کیا چاہیے؟ وہ جو بتاتا اس کے مطابق غلہ اور سازوسامان خرید لیا جاتا، باقی جو بچتا اس کے پیسے بنا لیے جاتے پیسہ اس لیے بنا لیے جاتے تھے تاکہ سونا اور چاندی جمع کرنے والوں میں آپ کا شمار نہ ہو۔ (طبقات ابن سعد، ج:۴،ص: ۲۱۶، سیر اعلام النبلاء، ج:۲،ص:۳۷، تاریخ دمشق، ج:۶۶،ص:۲۰۶، ۲۰۷)

طبقات ابن سعد کی دوسری روایت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ یہ پیسے اس لیے کرتے تھے تاکہ راہ خدا میں خرچ کرنے میں آسانی ہو، اور سونا چاندی جمع کرنے والوں میں آپ کا شمار نہ ہو۔ آپ بھی غور فرمائیں، حضرت عبداللہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جب گھریلو سازوسامان خرید لیا جاتا اور کچھ بچ رہتا تو آپ اس کے پیسے خرید لیتے، میں نے عرض کیا: کاش! آپ دیناروں کو اپنی حاجت یا مہمانوں کی مہمان نوازی کے لیے رکھ لیتے تو آپ نے فرمایا: میرے خلیل نے مجھ سے عہد لیا ہے جو مال بھی سونے یا چاندی کی شکل میں ہو اور اس کو کن جوسی کے ساتھ سنبھال کر رکھا جائے تو وہ آگ کا انگارہ ہے، اس کے مالک کے لیے، یہاں تک کہ اس کو راہ خدا میں خرچ کر دیا جائے۔

(طبقات ابن سعد، ج:۴،ص:۲۱۶، مسند احمد، حدیث نمبر:۲۱۳۸۵)

روایت میں مذکور الفاظ سے مجھے یہ لگتا ہے کہ آپ پیسے اس لیے خرید لیتے تھے تاکہ سہولیت کے مطابق حاجت مندوں پر خرچ کریں اور سونا چاندی جمع کرنے کی وعید سے بھی بچے رہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

امت میں سب سے سچے: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں سے ایک بڑی فضیلت یہ ہے کہ انہیں زبان رسالت مآب اور دہن عدیم المثال کہ جس کی ہر بات وحی خدا ہے سے ایک عظیم سند حاصل ہوئی، نبی رؤف رحیم نے ارشاد فرمایا "مَا أَظَلَّتِ الْخَضْرَاءُ وَلَا أَقَلَّتِ الْغَبْرَاءُ أَصْدَقَ مِنْ أَبِي ذَرٍّ"۔ (سنن الترمذی، حدیث نمبر:۳۸۰۱)

آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ

سچا آدمی نہیں ہے، یہ سب کرم فرمائی ہے ''وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ'' کی شان والے نبی کی کہ اپنے اصحاب کو نرالی شان عطا فرمائی۔

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ علامہ تور بشتی نے فرمایا: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے سچے ہیں یہ بطور مبالغہ ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ علی الاطلاق سب سے زیادہ سچے ہیں کیونکہ وہ بالا جماع حضرت ابوبکر سے زیادہ سچے نہیں ہیں، دوسری جگہ لکھتے ہیں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ سچے ہیں کیونکہ حضرت ابوبکر اس امت کے صدیق ہیں اور امت میں سب سے زیادہ افضل ہیں۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب المناقب، حدیث نمبر: ۶۲۳۸، ۶۲۳۹)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان ظاہری طور پر ان کے سچے ہونے کی سند ہے اور اگر سنجیدگی سے غور کیا جائے تو یہ جملہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مستقبل کی پیغمبرانہ تلخیص ہے۔ یہ صدق بے باک حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کا جو ہر حیات ٹھہرا، ان کی پوری زندگی صدق سے عبارت ہوگئی، اس صداقت نے ان کے ظاہر و باطن کا احاطہ کرلیا، فرمان رسالت میں زبان ومقال کی صداقت کے ساتھ صداقت عقیدہ و صداقت اعمال بھی مضمر ہے یعنی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پوری زندگی میں خواہ وہ ظاہری ہو یا باطنی سچے ہی رہیں گے نہ اپنے نفس کو دھوکہ دیں گے نہ کسی غیر کے ساتھ کوئی چال چلیں گے نہ کسی کو مغالطہ آفرینی کا موقع فراہم کریں گے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کے ایک ایک لمحے نے فرمان مصطفیٰ کی حقیقی تصدیق فرمائی، ایک اور بات جو ان کی زندگی سے سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ جس صدق کو قابل فضیلت سمجھتے تھے وہ صدق اعلانیہ تھا، وقت ضرورت سچائی کا اعلان انکی قابل ذکر خوبی وخصلت قرار پائی، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس سچائی کو نگاہِ نبوت نے پہلے ہی دیکھ لیا تھا، نگاہ مصطفیٰ نے یہ بھی دیکھ لیا تھا حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صداقت کے ساتھ جب صلابت کا ملاپ ہوگا تو کئی مرتبہ حالات کشیدہ ہو جائیں گے، تلواریں میان سے باہر

آ جائیں گی، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہمیشہ صبر، عاجزی، فروتنی اور حکام وقت کی اطاعت کا حکم دیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو انہیں حکم دیا تھا، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر سچا عمل کر کے دکھایا وہ آخر ایسا کیوں نہ کرتے جب وہ ہر قول و فعل اور عمل میں سچے ہی ٹھہرے۔ (رجال حول الرسول، ص:۴۸)

امارت طلب فرمانا: ایک دن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پوری رات گزارنے کا موقع ملا، پوری رات راز و نیاز کی باتیں ہوتی رہیں اس وقت حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: حضور مجھے بھی کہیں کا حاکم بنا دیں، حضور نے فرمایا: کسی جگہ کی امارت یہ بہت بڑی امانت ہے اگر اس کا حق ادا نہ کیا جا سکا تو قیامت کے دن یہ شرمندگی اور ندامت کا سبب بن جائے گی۔ (مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۱۵۱۳، سیر اعلام النبلاء، ج:۲، ص:۵۷)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی جگہ کا امیر کیوں نہیں بنایا؟ اس کی وجہ سرکار نے دوسری حدیث پاک میں بیان فرمائی، اے ابوذر! تم اس معاملے میں کمزور ہو، میں تمہارے لیے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں تم کبھی دو لوگوں کے بھی امیر نہ بننا اور کبھی یتیم کے مال کے متولی مت بننا۔ علامہ ذہبی نے فرمایا: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں جو کمزوری بیان کی گئی وہ ضعف رائے پر محمول ہے (ورنہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت بڑے بہادر اور نڈر تھے) کیونکہ امیر کے اندر حلم و مدارات چاہیے اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اندر تیزی زیادہ تھی اگر انہیں کسی یتیم کے مال کا والی بنا دیا جاتا تو سارا مال خیر کی راہ میں خرچ کر دیتے اور یتیم کو فقیر بنا دیتے کیونکہ ان کے نزدیک سونا چاندی کو جمع کرنا جائز نہ تھا، اس لیے حضور نے وہ نصیحت فرمائی جو آپ نے پڑھی۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۲، ص:۵۷)

جب وہ علامہ ذہبی کے کہنے کے مطابق یتیم کا پورا مال خیر کے کاموں میں خرچ کر دیتے تو جس علاقے کے وہ امیر ہوتے وہاں بھی سارے مال کو فقرا پر خرچ کر دیتے جو

https://alislami.net

یقیناً مصلحت کے خلاف ہوتا۔

حضور کے ہر فرمان پر عمل کر کے دکھایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک غلام عطا فرمایا تھا، ساتھ ہی فرمایا: اپنے غلام کو وہی کھلانا جو تم کھاؤ اور وہی پہنانا جو تم پہنو، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک ہی کپڑا تھا آدھا خود استعمال کر لیا اور آدھا غلام کو دے دیا، بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو سرکار نے فرمایا: ابوذر! تمہارے کپڑے کی کیا حالت ہے؟ حضور سے پورا قصہ عرض کر دیا، اب حضور نے مزید فرمایا: اس کے ساتھ بھلائی کرنا، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر آئے اور غلام کو آزاد کر دیا پھر حضور نے پوچھا: ابوذر! تمہارے خادم کا کیا حال ہے؟ عرض کیا: حضور! میرے پاس کوئی خادم نہیں ہے، میں نے اس کو آزاد کر دیا، حضور نے فرمایا: اے ابوذر! اللہ تمہیں اجر عطا فرمائے۔ (تاریخ دمشق، ج:٦٦، ص:١٨٩)

آپ نے ملاحظہ کیا کہ جو حضور نے فرمایا: ہر حالت میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر عمل کیا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی رضا حاصل کی۔

آقا اور غلام دونوں کا لباس ایک: حضرت معرور فرماتے ہیں کہ میں نے مقام ربذہ میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کی، میں نے دیکھا جو لباس ان پر تھا ویسا ہی لباس ان کے غلام پر تھا، میں نے ان سے اس بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بتایا: میں نے ایک شخص کو (غلام کو) ماں کی گالی دی تھی، اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی، اس پر حضور نے فرمایا: اے ابوذر! تم نے اس کو ماں کی گالی دی ہے؟ تم میں کچھ جاہلیت ہے، تمہارے خدام تمہارے بھائی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارے ماتحت کر دیا ہے، جس کے ماتحت اس کا کوئی بھائی ہو تو اسے چاہیے کہ جو خود کھائے ایسا ہی اسے کھلائے، جیسا پہنے ویسا ہی اسے بھی پہنائے، ان کو ایسا کام نہ دو جو ان کی طاقت سے زیادہ ہو اور اگر ایسا کام دو تو ان کی مدد کرو۔

(صحیح البخاری، کتاب الایمان باب المعاصی من امر الجاہلیۃ، حدیث نمبر:٣٠)

ابوذر غفاری کا بلال سے معافی طلب کرنا: ایک موقع پر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت بلال کے درمیان تیز کلامی ہوگئی، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ''میرے اور ایک شخص کے درمیان تیز کلامی ہوگئی، اس کی ماں عجمیہ تھی، میں نے اس کی ماں کو کچھ کہہ دیا، اس نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس بات کو ذکر کر دیا، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا: کیا تم نے فلاں کو گالی دی ہے؟ میں نے عرض کیا: ہاں! فرمایا: اس کی ماں کو کچھ کہا ہے؟ میں نے عرض کیا: ہاں! فرمایا: تم میں کچھ جاہلیت ہے، میں نے عرض کیا: اس وقت تک بڑھاپے کے باوجود؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! (بخاری، کتاب العتق و کتاب الادب)

حضرت شارح بخاری علیہ الرحمہ شرح قسطلانی سے نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ قصہ حضرت بلال کے ساتھ پیش آیا، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو یہ کہہ دیا تھا ''او کالی عورت کے بچے'' انہوں نے دربار نبوی میں شکایت کر دی، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں جاہلیت ہے، اس ارشاد کو سننے کے بعد حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا رخسار زمین پر رکھ کر حضرت بلال سے فرمایا: میں زمین سے اپنا رخسار اس وقت تک نہیں اٹھاؤں گا جب تک تم میرے رخسار کو قدم سے نہ روند دو، بالآخر حضرت بلال کو ان کی ضد پوری کرنی پڑی۔

(نزہۃ القاری، ج:۱ص:۳۴۶، ارشاد الساری (قسطلانی) ج:۱ص:۱۱۵)

تربیت صحابہ: سبحان اللہ! کتنے اچھے کتنے سچے تھے حضور کے صحابہ، ان کے آقا و مولیٰ اور ان پر لاکھوں کروڑوں درود و سلام نازل ہوں، حضور نے ان کی کیسی تربیت فرمائی کہ کبھی بتقاضۂ بشریت کسی سے کوئی چوک ہوئی تو فریق ثانی اپنی طرف سے کوئی انتقامی کاروائی کرنے کے بجائے مقدمے کو اپنے افضل الخلق آقا و مولیٰ کی بارگاہ میں پہنچا دیتا، پھر انصاف فرمانے والے گروہ کے سردار حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو فیصلہ ہوتا وہ فریق اول کو پورا پورا جان و دل سے قبول ہوتا ہے، حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب

سے کہے گئے چند تادیبی جملے ان میں خوف خدا اور ندامت وشرمندگی کا ایسا احساس پیدا کردیتے کہ جب تک اپنے ساتھی سے معافی طلب نہ کر لیتے بلکہ معاف نہ کرا لیتے اس وقت تک ان کی بے قراری کا اضطراب تھمنے کا نام نہیں لیتا، معافی طلب کرنے کا انداز بھی کتنا نرالا، کتنا سہانا ہے جسے آپ اوپر پڑھ چکے ہیں، یہ صرف اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی شایاں ہے۔

واقعے کا ایک لطف یہ بھی آپ ملاحظہ فرمائیں: وہ خود اپنے خلاف گواہی دیتے تھے، جو پوچھا جاتا سچ سچ بتا دیتے، ان کے خلاف الگ سے کسی گواہ کی ضرورت نہ تھی، انہیں خود اپنے خلاف گواہی دینے میں ذرہ برابر تامل نہ تھا، خدائے تعالیٰ کے فرامین جو انہوں نے مصطفائے کائنات کی زبانی سن رکھے تھے ان پر کامل ایمان رکھتے تھے اور مکمل عمل کرتے تھے۔ اس واقعے میں آیت کریمہ ''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُوۡنُوۡا قَوّٰمِیۡنَ بِالۡقِسۡطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوۡ عَلٰٓی اَنۡفُسِکُمۡ '' (اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے لیے گواہی دیتے رہو انصاف پر خوب قائم رہو پھر یہ گواہی چاہے تمہاری جانوں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو) (سورۃ النساء، آیت: ۱۳۵) میں مطلوبہ شہادت پر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا بہترین عملی نمونہ پیش فرمایا ہے۔ پھر پڑھیے اور ان کے حسن عمل کی داد دیجیے'' ہم گواہی دیتے ہیں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سب سے بہترین بندے اور سب سے افضل رسول ہیں، بے شک جماعت صحابہ زمین پر اللہ تعالیٰ کی بہترین گواہ ہے''۔

ابوذر اور ایسا کلام: اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو جلیل القدر صحابی ہیں، ان کا ایمانی مقام بہت بلند ہے پھر انہوں نے حضرت بلال کے ساتھ ایسا کلام کیوں کیا جو کسی بھی مسلمان کے ساتھ جائز نہیں ہے؟ اس سوال کو علامہ عینی نے اپنے ان الفاظ میں بیان کیا ہے'' کیف جوز ابو ذر ذلك وهو حرام '' اس ناجائز فعل کا ارتکاب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیسے وجود میں آ گیا پھر خود ہی اس کا جواب دیتے ہیں: ''الظاهر ان هذا كان منه قبل ان يعرف تحريمه '' ظاہر

https://alislami.net

یہی ہے یہ سب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس وقت سرزد ہوا جب انہیں اس فعل کے حرام ہونے کا علم نہیں تھا۔(عمدۃ القاری، ج:۱،ص:۲۰۸)

علامہ عینی کے اس جواب کو سن لینے کے بعد کسی شخص کو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کچھ بھی سوچنے کی گنجائش نہیں بچتی ہے۔

محبوب کی ڈانٹ محبوب اور تلخی فخر تھی: اگر کسی موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لہجہ ترش ہوا تو اس ترشی کو بھی وہ اپنے لیے قابل فخر سمجھتے تھے، کیوں کہ آقا کی ڈانٹ بھی غلام کے لیے رحمت ہوتی ہے۔ حدیث بیان کرتے وقت ناز بھرے انداز میں بیان فرماتے تھے کہ مجھ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم غصہ ہوئے، ایسے غصہ ہوئے کہ نہ اس سے پہلے کبھی ایسا غصہ ہوئے نہ اس کے بعد۔

امام بخاری و مسلم اور کثیر محدثین نے آنے والی حدیث روایت فرمائی ہے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں: میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا، حضور سفید کپڑا اوڑھ کر سوئے ہوئے تھے، تھوڑی دیر کے بعد پھر حاضر ہوا، حضور حسب سابق اب بھی سوئے ہوئے تھے، تھوڑی دیر بعد پھر حاضر خدمت ہوا تو حضور نیند سے بیدار ہو چکے تھے، میں حضور کے پاس بیٹھ گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے بھی ''لا الہ الا اللہ'' کی گواہی دی پھر اسی اعتقاد پر اس کا انتقال ہو گیا تو وہ شخص ضرور جنت میں داخل ہوگا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا کہ اگر چہ وہ زنا کرے، چوری کرے، حضور نے فرمایا: (ہاں) اگر چہ وہ زنا کرے اگر چہ وہ چوری کرے، تین مرتبہ تک حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہی سوال کرتے رہے اور حضور بھی حسب سابق جواب دیتے رہے، جب چوتھی مرتبہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوال کو مکرر کیا تو حضور نے جواب دے کر ارشاد فرمایا: ''وَاِنْ رَغِمَ اَنْفُ اَبِیْ ذَرٍّ'' ہاں وہ جنت میں داخل ہوگا اگر چہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ناک خاک آلود ہو جائے۔(مسلم کتاب الایمان، باب من مات لا یشرک باللہ شیئاً، بخاری، حدیث:۵۸۲۷)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بات کو بڑا جان رہے تھے کہ آدمی مرتکب کبائر ہوکر جنت میں کیسے داخل ہوگا؟ اس لیے بار بار سوال کررہے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بار بار اپنی بات کو دہرا رہے تھے تاکہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بات کو بڑا اور قابل تعجب نہ جانیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تکرار پر حضور نے ارشاد فرمایا: اگر چہ ابوذر غفاری کی ناک خاک آلود ہوجائے۔ اس جملے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناپسندیدگی بھی دکھائی دیتی ہے اور اس میں حکیمانہ انداز پر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے ڈانٹ بھی تھی، مگر واہ رے ابوذر! تم عشق رسول میں کیسے کندن بن گئے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈانٹ کو بھی اپنے لیے وجہ صد افتخار سمجھتے تھے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بھی اس حدیث کو بیان فرماتے تو آخر میں یہ الفاظ ضرور کہتے تھے ''وَاِنْ رَغِمَ اَنْفُ اَبِیْ ذَرٍّ''۔ (مسند احمد، حدیث: ۲۱۴۶۶، بخاری، حدیث: ۵۸۲۷)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسا کیوں کرتے تھے، اس کا جواب علامہ عینی نے یہ دیا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بات کو اپنے لیے باعث شرف اور وجہ افتخار سمجھتے تھے۔ (عمدۃ القاری، کتاب اللباس باب الثیاب البیض)

علامہ سعیدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: اس حدیث میں مذکور ہے ''عَلٰی رَغْمِ اَنْفِ اَبِیْ ذَرٍّ''، یعنی وہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ناک کو خاک میں ملاتا ہوا جنت میں داخل ہوگا یہ کلام بطور مجاز استعمال ہے یعنی خواہ وہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ناپسند ہو پھر بھی وہ جنت میں داخل ہوگا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی حکایت کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے محبت وشرف اور افتخار کی وجہ سے تھا۔ (نعمۃ الباری، ج: ۱۲، ص: ۳۱۶)

شرف ردافت اور تلقین صبر: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر بیٹھنے کا موقع بہت کم صحابۂ کرام کو نصیب ہوا۔ جن کو حضور نے اس شرف سے مشرف فرمایا، ان بخت

https://alislami.net

آوروں میں ایک نام حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی ہے، ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دراز گوش پر سوار تھے اور پیچھے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سوار فرمایا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقبل کے راز ہائے سربستہ سے پردہ اٹھانا شروع کیا اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صبر کی تلقین فرمائی، اے ابوذر! اس وقت کیا کرو گے؟ جب لوگوں میں سخت بھک مری پھیل جائے گی اور بستر سے مسجد تک جانے کی طاقت نہ بچے گی؟ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: برداشت کرنا اور کسی سے سوال نہ کرنا، اس وقت کیا کرو گے جب موت اس کثرت سے واقع ہوگی کہ قبر کی کھدائی کی قیمت غلام کی قیمت کے برابر ہوجائے گی؟ عرض کیا: اللہ ورسولہ اعلم، ارشاد فرمایا: صبر کرنا، اے ابوذر! اس وقت کیا کرو گے ؟ جب لوگ اس کثرت سے قتل کیے جائیں گے کہ حجارۃ الزیت (ایک مقام کا نام ہے مدینۂ منورہ میں) مقتولین کے خون میں ڈوب جائے گا، عرض کیا: اللہ ورسولہ اعلم، فرمایا: دروازہ بند کرکے گھر میں بیٹھ جانا، عرض کیا: اگر وہاں بھی بچاؤ کی صورت نظر نہ آئے؟ فرمایا: اپنے اسی قبیلے میں چلے جانا جہاں سے تم آئے تھے، عرض کیا: حضور کیا میں ہتھیار نہ اٹھا لوں؟ فرمایا: اس سے فتنہ اور بڑھے گا لیکن جب تمہیں یہ خوف ہو کہ تلوار تم تک پہنچ چکی ہے تو اپنے چہرے کو چادر میں ڈھانک لینا اس طرح ظالم پر دہرا گناہ ہوگا۔ (مسند احمد، حدیث:۲۱۳۲۵)

حدیث پاک سے معلوم ہوا حضور چھوٹی سواری پر بھی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سوار کر لیتے تھے حالانکہ چھوٹی سواری پر عموماً کسی کو سوار نہیں کیا جاتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو راز و نیاز کی باتیں کیں، اس سے بارگاہ رسالت میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بلند مرتبے کا پتہ چلتا ہے۔

کریمانہ نوازشات: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رحمت عالم کا کرم جھوم کر برستا تھا، اس غلام وفادار اور خادم خاص سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس قدر انس ہوگیا تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب بھی (عطا و بخشش کا) کوئی معاملہ

فرماتے اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ محفل میں موجود ہوتے تو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کام کی ابتدا فرماتے اور اگر محفل میں موجود نہ ہوتے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں دریافت فرماتے۔(سیر اعلام النبلاء، ج:۲،ص:۵۸،تاریخ دمشق، ج:۶۶،ص:۱۸۷،الاصابہ،ج:۷،ص:۶۲)

سادگی: علامہ فیض احمد اویسی لکھتے ہیں: ظاہر ہے کہ تربیت کنندہ جتنا کامل تر ہوگا تربیت یافتہ بھی کامل واکمل ہوگا، ہر صحابیِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تربیت نے گوہر آبدار بنا دیا لیکن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ خصوصی رنگ میں رنگے گئے۔ آپ اکثر سواری گدھے پر کرتے، زمین پر آپ نے کبھی مکان کے لیے دیوار نہ بنائی، ہمیشہ کمبل کے خیموں میں رہائش اختیار کرتے، مدینہ شریف، شام یا زبدہ جہاں بھی رہے، یہی آپ کا مکان ہوتا، بستر ہمیشہ ٹاٹ کا ہوتا جس پر ہمیشہ یہ اصدق المسلمین آرام فرماتے، آپ کا اصل طرۂ امتیاز نسبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا احترام ہے جس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد کسی لمحہ بھی آپ نے مجروح نہیں ہونے دیا، اپنی زندگی کو جس صبغۃ اللہ میں آپ نے رنگین کیا تھا وہی رنگ سارے زمانے پر غالب کر دینا چاہتے تھے، احقاق حق اور ترویج سنت کا فریضہ آپ نے تادم حیات سرانجام دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اس عظیم تلمیذ کو اس کی زندگی کے مختلف مراحل کے لیے خطوط عمل مرتب کرا دیے تھے۔(سوانح ابوذر،ص:۴۳)

عاجزی: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بایں عظمت شان اپنے چھوٹوں کے ساتھ عاجزی سے پیش آتے تھے، ایک مرتبہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غضیف نامی ایک نوجوان کی تعریف کی، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ تعریف امیر المومنین سے سماعت کی، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غضیف سے ملاقات کی اور فرمایا: بھائی میرے لیے دعائے مغفرت کیجیے تو نوجوان نے حقیقت بیان کرتے ہوئے عرض کیا: حضور! آپ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں

آپ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ میرے لیے استغفار کریں، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں نے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ غضیف کیا ہی بہترین نوجوان ہے، عمر وہ ہیں جن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان پر حق جاری فرمادیا ہے'' (انہوں نے جو فرمایا ہے وہ حق اور سچ ہے لہٰذا تم میرے لیے دعا کرو) (مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۱۲۹۵)

حق گوئی: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس بات کو حق سمجھتے تھے اس کو بلا خوف وتردد بیان فرماتے تھے، وہ اس بات کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے کہ ان کی حق بیانی کس کے خلاف ہے؟ وہ اس کو بیان کرتے تھے چاہے وہ کسی امیر کے خلاف ہو یا غریب کے، خواہ اس کی قیمت انہیں کچھ بھی چکانا پڑے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ عمدہ مکانات میں خود رہتے تھے نہ ان کو بنانا پسند کرتے تھے، اگر کوئی بناتا تو اس پر سخت تنقید کرتے تھے، اس سلسلے میں حضرت ابودرداء کا واقعہ گزر چکا ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو مکان بناتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: تمہارا اپنے گھر والوں کی گندگی (بیت الخلاء) میں ہونا مجھے تمہاری اس حالت سے زیادہ پسند ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ج:۱،ص:۱۶۳)

دمشق میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی الخضراء نامی عمارت بنوا رہے تھے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا تو فرمایا: اے امیر معاویہ! اگر یہ عمارت اللہ کے مال (بیت المال) سے بنائی جارہی ہے تو یہ خیانت ہے اور اگر آپ کے ذاتی مال سے بنائی جارہی ہے تو یہ اسراف ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات سن کر خاموش رہے، کوئی جواب نہ دیا۔

(انساب الاشراف، ج:۵،ص:۵۴۲، تاریخ دمشق، ج:۶۶،ص:۱۷۴)

آپ حکام پر تنقید کرتے ہوئے اعلانیہ فرماتے تھے: خدا کی قسم! میں ایسے اعمال دیکھ رہا ہوں جو کتاب اللہ میں ہیں نہ سنت رسول اللہ میں، حق کے چراغ کو بجھایا جارہا ہے اور باطل کو فروغ دیا جارہا ہے، سچے کو جھٹلایا جارہا ہے اور جھوٹے کو ترجیح دی جارہی ہے۔

(انساب الاشراف، ج:۵،ص:۵۴۲)

ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور فرمایا: آپ مسلمانوں کے مال کو اللہ کا مال کیوں کہتے ہیں؟ اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ابو ذر! اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے، کیا ہم اللہ کے بندے اور مال اللہ کا مال نہیں ہے؟ سب اسی کا تو ہے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: بے شک سب اسی کا ہے لیکن اس مال کو مسلمانوں کا مال کہیے۔ (التمہید والبیان فی مقتل الشہید عثمان لابی عبداللہ محمد بن یحییٰ، ج:۱،ص:۸۴)

حق گوئی پر حضرت علی کی گواہی: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت لی تھی کہ وہ ہمیشہ حق بات کہیں گے اور اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کسی بھی ملامت کا خوف نہیں کریں گے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بیعت پر مردانہ وار قائم رہے اپنے آقا سے کیا گیا وعدہ ہمیشہ نبھاتے رہے، ہم سند کے طور پر حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہ الکریم کا ارشاد پیش کر رہے ہیں:

حضرت علی ارشاد فرماتے ہیں: آج ہر شخص اللہ تعالیٰ کے معاملے میں ملامت کرنے والے کی پرواہ کرتا ہے سوائے ابوذر کے، کہ وہ حق کہنے میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے، میں اپنے آپ کو بھی اس سے مستثنیٰ قرار نہیں دے رہا ہوں، یہ کہتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا ہاتھ اپنے سینے پر مارا۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:۲،ص:۶۴، تاریخ اسلام، ج:۳،ص:۴۰۷، تاریخ دمشق، ج:۶۶،ص:۱۹۴)

عہدے داروں سے دوری: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو دولت وثروت سے دور بھاگتے ہی تھے، وہ حضرات جن کا تعلق کسی نہ کسی طور پر مال ومنال سے ہوتا ان سے ملاقات بھی پسند نہ فرماتے تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری کو جلیل القدر صحابہ میں شمار کیا جاتا ہے، جب عراق کے گورنر بنے اور واپس آئے تو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کی، بڑی خندہ پیشانی اور بڑے ہی پرتپاک انداز میں ملے، ابوموسیٰ جوشِ محبت میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ چمٹ جانا چاہتے تھے،

https://alislami.net

بھائی بھائی کہہ کر آگے بڑھے لیکن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے واضح انداز میں کہا: ابوموسیٰ تم میرے بھائی اس وقت تھے جب گورنر نہ تھے، آج تم میرے بھائی نہیں ہو، مجھ سے دور ہی رہنا۔ اسی دوران آپ کی ملاقات حضرت ابوہریرہ سے ہوئی ان سے بھی آپ نے دوری بنائی، حضرت ابوہریرہ آپ کو گلے لگانا چاہتے تھے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مجھ سے دور رہنا، اس کے بعد حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے چند سوالات کیے، جوابات سن کر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مطمئن ہو گئے کہ ابوہریرہ دنیادار نہیں بنے ہیں تو پھر پورے جوش کے ساتھ یہ کہتے ہوئے ہاں! تم میرے بھائی ہو، تم میرے بھائی ہو، ملاقات کے لیے راضی ہو گئے۔

(طبقات ابن سعد، ج:۴، ص:۲۱۶، طبری، ج:۱، ص:۵۳۳، تاریخ دمشق، ج:۶۶، ص:۲۱۰)

مہمانوں اور ہمسایوں کا خیال: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ اپنے پاس مال کے ڈھیر نہ رکھتے تھے تاہم جو کچھ بھی ان کے پاس تھا اس میں قطعاً کنجوسی سے کام نہ لیتے تھے، انہوں نے اپنے محبوب سے پڑوسیوں اور مہمانوں کے بارے میں جو سن رکھا تھا اس پر ممکنہ حد تک عمل کرنے کی کوشش کرتے تھے، غربت کی وجہ سے ضیافت و خدمت میں جو کمی رہ جاتی اس پر نہایت ہی عاجزی کے ساتھ معذرت کرتے۔

خود بھوکے رہ جاتے لیکن مہمانوں اور پڑوسیوں کو کھلاتے: عیسیٰ بن عمیلہ کہتے ہیں کہ مجھے اس شخص نے خبر دی جس نے بچشم خود حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس عمل کو دیکھا کہ آپ نے بکریوں کا دودھ نکالا اور سب سے پہلے اپنے پڑوسیوں اور مہمانوں کو پلایا۔ ایک رات میں نے ان کو دیکھا بکری کے تھنوں میں کچھ دودھ تھا اس کو اپنے ہاتھوں سے نکالا پھر اپنے مہمان اور پڑوسیوں کے پاس لائے، ساتھ میں تھوڑی سی کھجوریں بھی پیش کیں پھر ان لوگوں کے سامنے عذر پیش کرتے ہوئے کہنے لگے؛ اگر میرے پاس اس سے بہتر ہوتا تو ضرور اس کو آپ کی خدمت میں پیش کرتا۔ خود حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال یہ تھا کہ انہوں نے اس رات کچھ بھی نہ چکھا تھا۔ (تاریخ

دمشق، ج:٦٦،ص: ٢١٣)

دنیا سے کنارہ کش لوگ عام طور پر اکھڑ مزاج ہوتے ہیں لیکن یہ صحبت حضور کی بہاریں تھیں کہ کبھی بھی خوش اخلاقی اور مہمان نوازی کی فضیلت سے عاری نہیں ہوئے۔

سب سے محبوب اور سب سے مبغوض: نعیم بن قعنب ریاحی فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملنے گیا تو وہ گھر پر نہیں تھے، ان کی اہلیہ نے بتایا کہ وہ کھیت پر گئے ہوں گے، میں نے دیکھا کہ دو اونٹ آگے پیچھے چل رہے ہیں اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں ہانکتے ہوئے لا رہے ہیں، اونٹوں کے گلوں میں مشکیں بندھی ہوئی تھیں، جب گھر پہنچ کر مشکیں اتار لیں تو میں نے عرض کیا: ابوذر! آپ ایسے شخص ہیں کہ مجھے آپ کی ملاقات سے زیادہ کسی شخص کی ملاقات محبوب نہ تھی اور نہ آپ کی ملاقات سے زیادہ کسی کی ملاقات مبغوض (ناپسند) تھی۔ آپ نے فرمایا: یہ کیسے ممکن ہے؟ میں نے عرض کیا: جناب میں زمانۂ جاہلیت میں لڑکیوں کو زندہ درگور کر دینے والا شخص ہوں، لہٰذا مجھے آپ کی ملاقات اس لیے بڑی محبوب تھی کہ آپ میرے لیے اس گناہ کی کوئی توبہ تجویز فرما کر مجھے اس گناہ سے نجات دلائیں گے (اور میں اس ڈر سے ملاقات سے نفرت کرتا تھا) کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ فرما دیں کہ تمہارے لیے معافی کی کوئی صورت نہیں ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے پوچھا کہ یہ جاہلیت (زمانۂ کفر) کی بات ہے؟ میں نے عرض کیا: ہاں! فرمایا: (اسلام لانے کی وجہ سے) اللہ تعالیٰ نے تمہیں معاف فرما دیا۔ (کیونکہ اسلام ماقبل کے تمام گناہوں کو ختم کر دیتا ہے)

بیوی کے ساتھ بردباری: پھر آپ نے اپنی اہلیہ کو اشارہ کیا کہ میری ضیافت کے لیے کچھ پیش کریں، یہ سن کر محترمہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ناراض ہو گئیں (شاید اس لیے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مہمانوں کے شایان شان گھر میں کچھ بندوبست نہیں رکھتے تھے بلکہ فقر وفاقہ کی زندگی گزارتے تھے) آپ نے دوبارہ فرمایا: بیوی نے پھر ناراضگی کا اظہار کیا، یہاں تک کہ دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں۔

پھر آپ نے فرمایا: محترمہ رہنے بھی دیجیے، کیا اس سے بھی آگے گزر جانے کا خیال ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے بارے میں فرما چکے ہیں؟ نعیم نے عرض کیا: حضور نے عورتوں کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا تھا؟ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ''عورتوں کی تخلیق ٹیڑھی پسلی سے کی گئی ہے اگر تم ان کو سیدھا کرنے جاؤ گے تو یہ ٹوٹ جائے گی اور اگر ان کو چھوڑ دو گے تو ٹیڑھ کے باوجود فائدہ دیں گی''۔

روزہ اور کھانا دونوں ساتھ ساتھ: اب محترمہ گئیں اور کھانے کے لیے ثرید لے کر آئیں۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے فرمایا: آپ کھائیں اور میری پرواہ نہ کریں کیونکہ میں روزہ دار ہوں، آپ نے یہ فرمایا اور نماز پڑھنے لگے، آپ نے ہلکی نماز پڑھی، میں نے دیکھا آپ غور کر رہے تھے کہ میں شکم سیر ہو گیا ہوں، اب آپ تشریف لائے اور میرے ساتھ کھانا کھانے لگے، میں نے پڑھا: ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' فرمایا: کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا: کم سے کم میں آپ کے بارے میں تو جھوٹ کا گمان نہیں کر سکتا تھا۔ آپ نے فرمایا: جب سے ملاقات ہوئی آپ کو میری کونسی بات جھوٹی لگی؟ میں نے عرض کیا: کچھ دیر پہلے تو آپ نے کہا تھا کہ آپ روزہ دار ہیں اور اب میرے ساتھ کھانا کھا رہے ہیں، آپ نے فرمایا: (میں نے جو کچھ کہا تھا وہ سچ کہا تھا، یہ الگ بات ہے تم سمجھ نہ سکے) بے شک میں نے یہی کہا تھا (اب میری بات کی تفصیل سنو) میں نے اس مہینے کے تین روزے رکھ لیے ہیں (حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس نے تین روزے ایک ماہ میں رکھ لیے تو وہ پورے ماہ روزہ دار ہے) لہٰذا میرے لیے پورے ماہ کے روزوں کا ثواب بھی ثابت ہو گیا اور تمہارے ساتھ کھانا بھی جائز ہو گیا۔ (مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۱۳۳۹)

کم وبیش ایسا ہی ایک واقعہ آپ کا حضرت عبداللہ بن شقیق عقیلی کے ساتھ بھی مروی ہے۔ دربار فاروقی میں دونوں کو داخل ہونا تھا (حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرے کو دیکھ کر) حضرت عبداللہ نے کہا کہ آپ روزے سے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں!

https://alislami.net

دونوں دربار میں داخل ہوئے کچھ چیز کھانے کے لیے پیش کی گئی تو عبداللہ کے ساتھ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کھانے لگے، عبداللہ نے اشارے سے روزہ یاد دلایا تو آپ نے فرمایا: جو میں نے کہا تھا میں بھولا نہیں ہوں، میں اس ماہ میں تین روزے رکھ چکا ہوں لہٰذا میں پورے مہینے روزہ دار ہی ہوں۔

السنن الکبریٰ میں تقریباً ایسا ہی ایک اور واقعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی موجود ہے۔ (السنن الکبری للبیہقی، حدیث نمبر:۸۲۲۱)

حضرت ابوذر غفاری کی کل کائنات: ایک شامی شخص حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا، اس نے دیکھا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ چولہا جلا کر کچھ پکا رہے ہیں، لکڑیاں گیلی ہونے کی وجہ سے چولہا جلانے میں مشقت کا سامنا تھا حال یہ تھا کہ آنکھوں سے آنسو نکل رہے تھے، یہ حال دیکھ کر ان کی بیوی نے کہا: اگر آپ چاہیں تو اس مشقت سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ (یہ سن کر آپ غصہ ہو گئے) آپ نے فرمایا: سنو! میں ابوذر رہوں اور جو تم دیکھ رہی ہو یہی میری زندگی ہے اگر تمہیں پسند ہے تو بہتر ورنہ السلام علیکم، یہ کہہ کر بیوی کو بالکل خاموش کر دیا۔ جب پتیلی پک چکی تو اس کو ایک بڑی پلیٹ میں انڈیل دیا اور اس میں موٹی موٹی روٹی چور دی گئی، ہمیں بھی کھلایا اور اپنی بیوی کو بھی کھلایا، پھر آپ کی خادمہ نے ہمیں بکری کا دودھ پلایا، میں نے کہا: آپ گھر میں کچھ تو آسائش زندگی رکھ لیجیے، آپ نے فرمایا: اے اللہ کے بندو! کیا تم مجھے اس سے زیادہ حساب دینے پر مجبور کرنا چاہتے ہو؟ یہ بستر ہے جس پر ہم آرام کرتے ہیں، یہ ایک کپڑا ہے جسے ہم بچھا لیتے ہیں، یہ چادر ہے جسے ہم اوڑھ لیتے ہیں، یہ پتیلی ہے جس میں ہم پکا لیتے ہیں، یہ پلیٹ ہے جس میں ہم کھا لیتے ہیں، یہ تیل کی بوتل اور یہ آٹے کا تھیلا ہے، کیا اس سے زیادہ کا حساب دلانا چاہتے ہو؟ (تاریخ دمشق، ج:٦٦،ص:٢٠٧)

گلے پر چھری ہو تب بھی حدیث بیان کروں گا: حضرت سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے میرے پاس آ کر کہا: امیر المومنین حضرت

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عاملین (زکاۃ کے وصولی پر مقرر کردہ افراد) زکاۃ کے معاملے میں ہم پر زیادتی کرتے ہیں تو کیا ہم بقدر زیادتی اپنا مال چھپا لیا کریں؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: نہیں! بلکہ تم اپنا مال ان کے سامنے رکھو اور ان سے کہو کہ جتنا حق بنتا ہے اتنا ہی لو اور جس میں حق نہیں بنتا اسے چھوڑ دو پھر بھی اگر وہ تم پر ظلم کریں تو ان کا یہ ظلم نیکیوں کی صورت میں کل بروز قیامت تمہارے نامۂ اعمال میں رکھا جائے گا، وہاں اس وقت ایک قریشی نو جوان کھڑا تھا اس نے کہا: کیا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر المومنین حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتویٰ دینے سے منع نہیں کیا تھا؟ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کیا تم میرے نگہبان ہو؟ اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر تم میرے گلے پر چھری بھی رکھ دو اور مجھے یقین ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو چھری چلنے سے پہلے نافذ کر سکتا ہوں تو میں ایسا ضرور کروں گا۔

(فتح الباری، ج:۱، ص:۱۰۸، عمدۃ القاری، ج:۲، ص:۳۸۴، باب العلم قبل القول، حلیۃ الاولیاء، ج:۱، ص:۱۶۰، اللہ والوں کی باتیں، ج:۱، ص:۳۰۶)

شرعی مسائل میں اختلاف: زمانۂ صحابہ سے لے کر آج تک مسائل فرعیہ، فقہیہ میں اختلاف ہوتا چلا آیا ہے اور یہ اختلاف قیامت تک جاری رہے گا، لیکن حکم یہی ہے کہ جمہور کی رائے پر عمل کیا جائے اور منفرد رائے کو چھوڑ دیا جائے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ مجتہد خواہ اپنے مقام و مرتبہ میں کتنا بھی عظیم کیوں نہ ہو اس کی رائے جمہور کے مخالف ہو سکتی ہے۔ مجدد اعظم امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

صحابۂ کرام سے ائمہ اربعہ تک رضی اللہ عنہم اجمعین کوئی مجتہد ایسا نہ ہو گا جس کے بعض اقوال خلاف جمہور نہ ہوں۔ سیدنا ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مطلقاً جمع زر کو حرام ٹھہرانا، ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نوم کو اصلاً حدث نہ جاننا، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسئلہ ربا، امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسئلہ مدت رضاع، امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسئلہ متروک التسمیہ عمداً، امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسئلہ طہارت سور کلب وتعبد

غسلات سبع، امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسئلہ نقض وضوء بلحم جزور وغیرہ مسائل کثیرہ۔

(فتاوی رضویہ، ج:۱۸،ص: ۴۹۳)

اجتہاد کی اہلیت رکھنے والے مجتہد سے اگر اجتہاد میں غلطی بھی ہو جائے تب بھی اسے ثواب دیا جاتا ہے لہٰذا مجتہدین کرام لعن طعن کے نہیں بلکہ تعظیم کے مستحق ہیں۔

حدیث پاک کا مفہوم ہے اگر اجتہاد کرنے والے کا اجتہاد صحیح ہو تو اسے دو اجر ملتے ہیں اور اگر اجتہاد میں خطا ہو جائے تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔ (بخاری شریف، حدیث: ۷۳۵۲)

حضرت ابوذر غفاری کا منفرد فقہی مذہب: شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب یہ تھا کہ حاجت سے زیادہ مال جمع کرنا حرام ہے، وہ اپنے اس اجتہاد پر بہت سخت تھے لوگوں پر اس سلسلے میں بہت سخت تنقید فرماتے جس سے خلفشار مچا رہتا۔ (نزہۃ القاری، ج:۱،ص: ۳۴۵)

حضرت ابوذر غفاری کا مذہب جمہور صحابہ کے خلاف تھا: شارح بخاری علامہ غلام رسول سعیدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا موقف یہ تھا کہ انسان پر اپنی ضرورت سے زیادہ مال جمع کرنا حرام ہے لیکن یہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اجتہاد تھا اور ان کی انفرادی رائے تھی، جمہور صحابہ کا یہ موقف نہیں ہے اگر انسان پر اپنی ضرورت سے زائد مال جمع کرنا حرام ہو تو پھر زکوۃ ساقط ہو جائے گی کیونکہ جو مال انسان کی ضرورت سے زائد ہو اور وہ نصاب کی مقدار کے برابر ہو تب اس پر زکوۃ فرض ہو گی اور جب وہ مال جمع ہی نہیں کر سکتا تو پھر زکوۃ اس پر کیسے فرض ہو گی، اس طرح قربانی بھی ساقط ہو جائے گی اور اس پر حج بھی فرض نہیں ہو گا کیوں کہ اتنا مال جمع کرنا ہی اس کے لیے جائز نہیں ہو گا، اسی طرح نفلی صدقات بھی ساقط ہو جائیں گے اور چوری اور ڈاکے کی سزاؤں کی بھی ضرورت نہیں رہے گی کیونکہ جب اتنا مال جمع ہی نہیں ہو گا تو پھر کوئی کیسے چوری کرے گا اسی وجہ سے جمہور صحابہ نے حضرت

https://alislami.net

ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نظریات کا ساتھ نہیں دیا۔(نعمۃ الباری، ج:۳ص:۶۱۶)

حضرت ابوذر غفاری کا حضرت امیر معاویہ سے اختلاف: امام بخاری نے بخاری شریف میں حدیث بیان فرمائی:

حضرت زید بن وہب نے کہا کہ میں ربذہ سے گزرا تو میری ملاقات حضرت ابوذر غفاری سے ہوئی، میں نے ان سے کہا: کس چیز نے آپ کو اس جگہ پہنچایا؟ تو انہوں نے فرمایا: میں شام میں تھا مجھ میں اور معاویہ میں اس آیت کے بارے میں اختلاف ہوا'' جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں، اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی بشارت دو'' معاویہ نے کہا: یہ اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے، میں نے کہا: یہ ہمارے اور ان کے دونوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس سلسلے میں میرے اور ان کے درمیان کچھ تکرار ہوگئی، انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس میری شکایت لکھی اس پر حضرت عثمان نے مجھے لکھا کہ تم مدینے آجاؤ، میں مدینہ گیا، لوگ میرے پاس بکثرت جمع ہوگئے گویا اس سے پہلے مجھے انہوں نے دیکھا ہی نہیں تھا، میں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کا تذکرہ کیا تو فرمایا: اگر تم چاہو تو کہیں قریب پاس میں گوشہ نشیں ہو جاؤ اسی وجہ سے میں یہاں ہوں اور اگر لوگ حبشی کو امیر بنادیں تو اس کا بھی حکم سنوں گا اور مانوں گا۔(بخاری، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر:۱۴۰۶)

اختلاف کی تفصیل: شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق صاحب امجدی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

ربذہ مدینہ سے تین منزل کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے، حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے زکوۃ کے اونٹوں کی چراگاہ بنادی تھی۔ مسند ابویعلیٰ میں زید بن وہب سے مروی ہے کہ خود حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! جب مدینہ کی آبادی کوہ سلع تک پہنچ جائے تو تم شام چلے جانا، اسی ہدایت کے بموجب جب مدینۂ طیبہ کی آبادی کوہ سلع تک پہنچ گئی تو یہ شام دمشق

چلے گئے، وہاں اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی تھے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب یہ تھا کہ جتنی آمدنی ہو حاجت سے جو بچے سب کا صدقہ کرنا فرض ہے، حاجت سے زائد جمع کرنا حرام ہے، آدمی بہت پر جوش اور جری تھے، آپ اس مسلک کی علانیہ تبلیغ فرماتے تھے، اس سے وہاں ایک خلفشار مچا ہوا تھا چونکہ سابقین اولین میں سے تھے اور بہت معزز صحابی تھے اس لیے عوام کا رجحان ان کی طرف زیادہ تھا، آخر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زوردار گفتگو ہوئی، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت کریمہ مذکورہ تلاوت فرمائی، ان کا اجتہاد یہ تھا کہ اس آیت میں ''وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا'' سے مراد بقدر حاجت سے جو زائد ہو سب کا سب خرچ کرنا ہے صرف بقدر زکوۃ صرف کرنا مراد نہیں۔ اور حضرت معاویہ کا خیال تھا کہ یہ یہود ونصاری، احبار اور رہبان کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اس لیے کہ آیت کا ابتدائی حصہ یہ ہے ''اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ '' (بہت سے احبار ورہبان لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور جو لوگ سونا اور چاندی جوڑ جوڑ کر رکھتے ہیں) حالانکہ دونوں حضرات سے خطا ہوئی۔ نہ یہ آیت کریمہ اہل کتاب کے ساتھ خاص ہے اور نہ (وَلَا) يُنْفِقُوْنَهَا سے کل مال مراد ہے بلکہ یہ آیت کریمہ عام ہے اور (وَلَا) يُنْفِقُوْنَهَا سے زکاۃ ادا کرنا مراد ہے، کل مال کا صرف کرنا نہیں، اس پر اجماع ہے اور یہ آیات واحادیث سے بھی ثابت ہے، ارشاد باری ہے: ''وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝۲۹'' اور ہاتھ ایک دم مت پھیلا دے پھر ملامت خردہ حسرت زدہ ہو کر بیٹھا رہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی تھے اور ان کا مذہب پوری امت سے الگ تھا، اس لیے لوگ جوق در جوق آتے، ان سے طرح طرح کے سوال کرتے جس سے گھبرا کر حضرت عثمان کی خدمت میں شکایت کی، حضرت عثمان نے دو باتیں پیش کیں، آپ چاہیں تو میرے گھر رہیں، اونٹنیاں دروازے پر حاضر کی جائیں گی یعنی نہ کہیں جائیں

نہ کسی سے ملیں جلیں یا چاہیں تو مدینہ کے قریب کہیں بود و باش اختیار کر لیں، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوسری صورت اختیار کر لی اور ربذہ جا کر فروکش ہو گئے، یہ بہتان ہے کہ حضرت عثمان نے انہیں جلاوطن کر کے ربذہ بھیجا تھا، یہ ہو سکتا ہے کہ جب ان کے گھر رہنا پسند نہ فرمایا تو ربذہ رہنے کی رائے دی ہو جو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبول فرمالی۔ (نزہۃ القاری، ج:۴،ص:۱۶۸)

صحابہ کے ذریعے کنز کا مسئلہ حل کرنے کی کوشش: آپ پڑھ آئے ہیں کہ مال جمع کرنے کے مسئلے میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا موقف جداگانہ تھا، دمشق میں جب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے موقف کی تبلیغ فرمائی تو حضرت معاویہ نے صحابۂ کرام کے ذریعے ان کے سامنے مسئلہ کی وضاحت کرانا چاہی لیکن اس سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہو سکا، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے موقف پر اڑے رہے۔ تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

حضرت قنبر کہتے ہیں کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت امیر معاویہ پر سخت تنقید کرتے تھے تو اس سلسلے میں حضرت امیر معاویہ نے حضرت عبادہ بن صامت، حضرت ابودرداء، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضرت ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے اپنی بات رکھتے ہوئے کہا: آپ سب حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں جیسا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، جو معاملہ پیش آ رہا ہے، وہ آپ دیکھ رہے ہیں اگر آپ لوگ مناسب سمجھیں تو اس سلسلے میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بات کریں (انہیں سمجھانے کی کوشش کریں) پھر حضرت امیر معاویہ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تشریف لانے کا پیغام بھیجا اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے آئے، جب صحابۂ کرام کی اس جماعت نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سمجھانے کی کوشش کی تو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر ایک سے جدا جدا خطاب کیا، چنانچہ آپ نے حضرت

https://alislami.net

عبادہ بن صامت سے فرمایا: اے ابو ولید! رہے آپ تو بے شک آپ مجھ سے پہلے ایمان لائے، آپ عمر میں بھی مجھ سے بڑے ہیں اور آپ مجھ پر فضیلت بھی رکھتے ہیں (کیونکہ آپ نے حضور کی صحبت مجھ سے زیادہ پائی ہے) اس فضیلت کے باوجود آپ کا اس محفل میں شریک ہونا مجھ پر گراں ہے (آپ کو ایسی بات نہیں کرنی چاہیے) اور اے ابودرداء! آپ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے قریب ایمان لائے ہیں، اس کے بعد بے شک آپ ایک صالح مؤمن ثابت ہوئے (لیکن حضور کے ساتھ آپ کو رہنے کا موقع اتنا نہ مل سکا جتنا ہم نے پایا تو آپ ہم سے کیا بات کر سکتے ہیں) اور اے عمرو بن عاص! رہے آپ تو آپ کا زیادہ تر وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں گزرا (مسائل سیکھنے کا موقع آپ کو زیادہ نہ مل سکا تو آپ ہم سے کیا بات کر سکتے ہیں) رہیں محترمہ ام حرام تو آپ ایک عورت ہیں، آپ کی عقل ایک عورت کی عقل ہے آپ کو اس (پیچیدہ مسئلہ) سے کیا سروکار؟ حضرت عبادہ کہتے ہیں: اس کے بعد میرا کبھی ایسی محفل میں بیٹھنا نہ ہوا۔ (مسند احمد، حدیث: ۲۱۳۰۹)

حضرت معاویہ نے امتحان لیا: آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سونا چاندی دراہم اور دنانیر جمع کرنے کے سخت خلاف تھے، اس سلسلے میں ان کا حضرت معاویہ سے مناظرہ بھی ہو چکا تھا، یہ جانچنے کے لیے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے قول وفعل میں کس حد تک سچے ہیں؟ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ہزار دنانیر سے بھری ایک تھیلی رات کی تاریکی میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجی، قاصد رات کی تاریکی میں تھیلی دے کر واپس آ گیا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد قاصد کو بلایا اور فرمایا: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو میں غلطی سے تھیلی آپ کو دے گیا تھا وہ تھیلی امیر معاویہ نے کسی اور شخص کے لیے بھیجی تھی، برائے کرم اب میری جان امیر معاویہ کی سزا سے بچائیے اور وہ تھیلی مجھے واپس کر دیجیے، قاصد کو جو بتایا گیا تھا اسی کے مطابق اس نے عمل کیا، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تھیلی واپس کرنے کا

مطالبہ کیا (حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوئی دنیادار صوفی یا زاہد تو تھے نہیں، یہاں تو باطن ظاہر سے زیادہ پاکیزہ اور مصفا تھا) آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قاصد سے فرمایا: بیٹے! امیر معاویہ سے کہنا وہ دنانیر تو ہم نے صبح ہونے سے پہلے ہی خرچ کر ڈالے، صبح تک ہمارے پاس اس میں سے ایک بھی دینار باقی نہ رہا، ہاں! اگر ان کو اپنے دینار واپس چاہیے تو ہمیں تین دن کی مہلت دیں ہم دینار کا انتظام کر کے انہیں واپس کر دیں گے، اس سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یقین اور پختہ ہو گیا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فعل ان کے قول کی مکمل تصدیق کر رہا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۲،ص:۰۷)

مال سے متعلق حدیث سختی کے ساتھ سناتے: حضرت احنف بن قیس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ میں قریش کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا تھا، پس ایک شخص آیا جس کے بال سخت اور کپڑے موٹے تھے اور اس کی شکل معمولی تھی حتی کہ وہ اس جماعت کے پاس کھڑا ہو گیا اور ان کو سلام کیا اور کہا: مال جمع کرنے والوں کو یہ خوشخبری سنا دو کہ دوزخ کی آگ میں ایک پتھر گرم کیا جائے گا پھر اس کو ان میں سے کسی ایک کے پستان کے سر پر رکھ دیا جائے گا حتی کہ وہ اس کے کندھے کی اوپر والی ہڈی کے پار ہو جائے گا پھر وہ پتھر اس کے کندھے کی اوپر والی ہڈی پر رکھ دیا جائے گا، یہاں تک کہ وہ اس کے پستان کے سر سے نکل جائے گا پھر وہ پتھر اسی طرح لرزتا رہے گا پھر اس نے پیٹھ پھیری اور ایک ستون کی طرف بیٹھ گیا، میں اس کے پیچھے آیا اور اس کے پاس بیٹھ گیا اور میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کون ہے؟ میں نے اس سے کہا کہ میرا خیال ہے کہ یہ لوگ تمہاری بات سن کر ناراض ہوئے ہیں، اس نے کہا: یہ بے عقل لوگ ہیں۔ (بخاری، حدیث نمبر:۱۴۰۷)

حضرت ابوذر غفاری کے نظریہ سے سوشلزم پر استدلال: حضرت علامہ غلام رسول سعیدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نظریہ یہ تھا کہ مسلمان اپنے مال میں سے صرف اپنی ضرورت کی اشیاء اپنے پاس رکھ سکتا ہے اور جو چیزیں اس کے کھانے اور پینے

سے زائد ہوں ان کا صدقہ کرنا اس پر واجب ہے اور جس شخص نے اپنی ضرورت سے زائد چیزوں کو صدقہ نہیں کیا اس کی چیزیں اور مال کنز (خزانہ) ہے، جس پر قرآن مجید نے عذاب کی وعید سنائی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾'' (سورۂ توبہ: ۳۴-۳۵)

جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجیے، جس دن (ان کا جمع کردہ مال) جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، جس سے ان کی پیشانیوں پہلوؤں اور پشتوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا) یہ وہ مال ہے جس کو تم نے اپنے لیے جمع کر کے رکھا تھا اب اپنے جمع کردہ مال کا مزا چکھو۔

جو لوگ اپنی ضرورت سے زائد اشیاء کو صدقہ نہیں کرتے تھے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک وہ اس آیت کے مصداق تھے، ایک اور آیت سے بھی اس نظریے پر استدلال کیا جاتا ہے، ''وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ'' (بقرہ: ۲۱۹) یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ راہ خدا میں کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیجئے کہ جو چیز تمہاری ضرورت سے زائد ہو۔ بعض لوگ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نظریے سے سوشلزم کے جواز پر استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ضرورت سے زائد اشیاء کو قومی ملک میں لینا عین اسلامی نظریہ ہے، یہ بات قطعاً باطل ہے کیونکہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اجتہاد سے مستحب چیزوں کو واجب قرار دیتے تھے، ان کا یہ نظریہ ان کی اجتہادی خطا تھی، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی نے ان کی موافقت نہیں کی، ان کے نظریہ کے بطلان پر قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں واضح دلائل ہیں، اگر انسان پر زائد اشیاء کا صدقہ کرنا واجب ہو تو زکاۃ، عشر اور خراج بے معنی ہو گئے، حج اور قربانی کے احکام لغو ہو جائیں گے کیونکہ جب کسی کے پاس ضرورت سے زائد مال نہیں ہو گا اور اس

کو شرعاً رکھنا جائز نہیں ہوگا تو زکاۃ کس چیز کی دے گا؟ عشر اور خراج اور خمس کس مال سے نکالے گا؟ حج اور عمرہ کیسے ادا کرے گا؟ اور کس چیز کی قربانی دے گا؟ نیز چوری اور ڈاکے پر قرآن مجید نے ہاتھ پاؤں کاٹنے کے جو احکام بیان کیے ہیں ان کا کوئی محل نہیں رہے گا، کیونکہ جب کسی شخص کو ضرورت سے زائد اشیا رکھنے کی شرعاً اجازت ہی نہیں ہے تو پھر کسی شخص کے پاس مال کہاں ہوگا؟ جس کی وہ حفاظت کرے گا اور اس کو چوری اور ڈاکہ کا کب خوف ہوگا؟ قرآن مجید میں قتل خطا، قسم اور ظہار کے کفارے میں جو غلام آزاد کرنے اور مسکینوں کو کھانا کھلانے کا حکم دیا ہے، ان حالات میں ان کی مشروعیت بے معنی رہے گی، قتل خطا میں قرآن مجید نے دیت واجب کی ہے اور حدیث شریف سے دیت کی مقدار سو اونٹ بیان کی ہے، سوال یہ ہے کہ جب کسی شخص کو دو جوڑے کپڑے اور دو وقت کی روٹی سے زیادہ مال جمع کرنے کی اجازت نہیں ہے تو ایسے لوگوں پر سو اونٹوں کی ادائیگی کا حکم نازل کرنا کس طرح صحیح ہوگا؟ قرآن مجید میں مسجد تعمیر کرنے کو ایمان کی علامت قرار دیا ہے ''اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔'' (سورۂ توبہ: ۱۸) اللہ کی مساجد صرف وہ لوگ تعمیر کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لاتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد بنانے پر جنت کی بشارت دی ہے تو کیا خدا اور رسول نے ان لوگوں کو جنت بنانے کا مکلف کیا ہے جن کو دو جوڑے کپڑے اور دو وقت روٹی کے انتظام سے زیادہ مال جمع کرنے کی اجازت نہیں دی، کیا یہ لوگ مسجدیں بنا سکتے ہیں؟ مجاہدوں کو سامان حرب خرید کر دے سکتے ہیں، اور جن صدقات جاریہ کی احادیث میں ترغیب ہے وہ یہ لوگ کر سکتے ہیں؟ جو لوگ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نظریہ سے اشتراکیت کے جواز پر استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پیداوار کے اجتماعی مآخذ کو قومی تحویل میں لینا واجب ہے، وہ مغالطہ آفرینی کرتے ہیں، اس نظریہ کو قبول کر لینے سے آدھے سے زیادہ اسلام کے احکام ختم ہو جاتے ہیں نیز اشتراکیت انسانوں کو انسان کا غلام بناتی ہے جبکہ اسلام انسانوں پر انسان کا تسلط ختم کر کے سب انسانوں پر اللہ تعالیٰ کا تسلط

قائم کرتا ہے، یہ خوبصورت فریب دیا جاتا ہے کہ اشتراکیت کے ذریعے زمین داری اور کارخانہ داری ختم ہو جائے گی اور کوئی مزدور اور کسان نہیں رہے گا، سب مالک ہو جائیں گے حالانکہ اشتراکیت میں مزدور پہلے سے زیادہ مزدور اور کسان پہلے سے زیادہ کسان ہو جاتا ہے، پہلے جائز مالکین کیلیے مزدوری کرتا تھا اور اب ناجائز قابضین کے لیے مزدوری کرتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے ضرورت کے وقت مالداروں سے دولت مانگ لی تھی چھینی نہیں تھی، سواد عراق سے مغالطہ دینا بھی صحیح نہیں ہے کیوں کہ حضرت عمر نے عراق کی مفتوحہ زمین مجاہدین کی ملک میں نہیں دی تھی یہ نہیں کیا تھا کہ کسی کی مملوکہ چیز کو قومی تحویل میں لے لیا ہو۔ (شرح صحیح مسلم، ج:۲،ص:۹۲۰)

کعب احبار کو لاٹھی ماردی: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے موقف پر کس سختی کے ساتھ قائم تھے؟ اس کا اندازہ آنے والی حدیث سے لگائیں، حضرت کعب احبار نے ان کے موقف کے خلاف مسئلہ بیان کیا تو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو لاٹھی دے ماری۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے حضرت عثمان غنی کی خدمت میں حاضری کی اجازت مانگی، اجازت مل گئی، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں لاٹھی تھی (وہاں کعب احبار پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے) حضرت عثمان نے فرمایا: اے کعب! حضرت عبدالرحمن کی وفات ہوئی، انہوں نے بہت مال چھوڑا، اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ فرمایا: اگر اس میں اللہ کا حق ادا کرتے ہوں تو کوئی حرج نہیں، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لاٹھی اٹھا کر کعب کو ماری اور فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے ''مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے پاس اس پہاڑ برابر سونا ہو جسے میں خیرات کروں اور وہ قبول ہو جائے کہ اس سے چھ اوقیہ اپنے پیچھے چھوڑ دوں''۔ اے عثمان! تمہیں اللہ کی قسم! کیا تم نے حضور کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے؟ یہ آپ نے تین بار فرمایا: آپ نے کہا: ہاں۔ (مشکوٰۃ المصابیح، حدیث نمبر:۱۸۸۲)

https://alislami.net

حضرت ابوذر غفاری کا مارنا حالت جذب میں تھا: حدیث پاک کی شرح کرتے ہوئے علامہ احمد یار خان نعیمی تحریر فرماتے ہیں:

حضرت عثمان غنی نے حضرت ابوذر غفاری کی موجودگی میں کعب احبار سے مسئلہ پوچھا کہ عبدالرحمٰن بن عوف بہت مال چھوڑ کر وفات پا گئے ہیں، تمہارا کیا خیال ہے؟ آیا مال جمع کرنا اور بال بچوں کے لیے چھوڑ جانا جائز ہے یا نہیں؟ مرقاۃ میں ہے کہ حضرت عبد الرحمن بن عوف نے دولاکھ دینار چھوڑے تھے، خیال رہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ زاہدترین صحابہ میں تھے، ان کا خیال تھا کہ

تج ڈال مال و دھن کو کوڑی نہ رکھ کفن کو
جس نے دیا ہے تن کو دے گا وہی کفن کو

زہد وترک دنیا کی احادیث پر سختی سے عامل تھے اس لیے ان کی موجودگی میں یہ سوال وجواب ہوئے تاکہ وہ حکم شرعی اور زہد میں نیز تقوی اور فتوی میں فرق کرلیں، یعنی مال جمع کرنا بعد وفات چھوڑ جانا حلال ہے جبکہ اس سے زکاۃ، فطرہ، قربانی، حقوق العباد ادا کیے جاتے رہے ہوں، یہ کنز میں داخل نہیں جس کی قرآن کریم میں برائی آئی ہے۔

یہ مارنا بحالت جذب تھا، آپ اپنے نفس پر قابو نہ پاسکے چونکہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بزرگ ترین صحابی تھے، تمام صحابہ آپ کا بہت احترام کرتے تھے، ان کی ناراضگی یا مار پر ناراض نہ ہوتے تھے۔ جیسے آج بھی سعادت مند جوان محلہ کہ بزرگوں کی سختی پر ناراض نہیں ہوتے، اس لیے خلیفۃ المسلمین نے ان سے قصاص کے لیے نہ کہا، نہ حضرت کعب نے کچھ برا مانا، ہوسکتا ہے کہ آپ کی یہ مار تادیب وسرزنش کے لیے ہو کہ تم تو کہہ رہے ہو کہ مال جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں، حالانکہ امیر سخی بھی مسکینوں سے پانچ سو برس بعد جنت میں جائیں گے، حساب میں دیر لگے گی، یہاں مرقاۃ میں ہے کہ بعد میں حضرت عثمان نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینۂ منورہ سے مقام ربذہ میں بھیج دیا تھا آپ تا وفات وہاں ہی رہے کیونکہ آپ کی طبیعت بہت جلالی تھی۔

خلاصۂ جواب یہ ہے کہ اے کعب! تم تو کہتے ہو مال جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ اس سے فرائض ادا کر دیے جائیں مگر میں نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ''مال سارے کا سارا خیرات کر دینا کچھ باقی نہ رکھنا سنت ہے اور جمع کرنا خلاف سنت'' کیا خلاف سنت میں حرج نہیں ہوتا؟ مگر یہ جو دوسخا حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سب گھر والے سید المتوکلین تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث سننے کا اقرار تو کیا مگر حدیث کا مطلب سمجھایا کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ اپنے لیے فرمایا ہے، عام مسلمانوں کو اس کا حکم نہ دیا۔ (مرأۃ المناجیح، ج:۳، ص:۱۰۰، حدیث:۱۸۸۲)

لوگ ابوذر پر ناراض نہیں ہوتے تھے: صحابۂ کرام اور تابعین کے دلوں میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بڑا احترام تھا، سب آپ کی باتوں اور ردعمل کو کمال حلم کے ساتھ برداشت کر لیتے تھے، آپ نے دیکھا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت کعب احبار کو ڈنڈا مار دیا لیکن حضرت عثمان نے ان سے کچھ کہا نہ حضرت کعب احبار نے۔ صحابی رسول حضرت ابو درداء کی ایک گواہی اور ملاحظہ کر لیں، فرماتے ہیں: اگر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے ماریں یا میرے ہاتھ کاٹ دیں، تب بھی میں ان سے ناراض نہ رہوں گا۔ (الزہد لامام احمد، ص:۱۲۱)

کیا آپ کو ربذہ میں رہنے کے لیے مجبور کیا گیا تھا: بعض لوگ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات پر معاذ اللہ یہ کہتے ہوئے طنز کرتے ہیں کہ آپ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینۂ طیبہ سے شہر بدر کیا تھا۔

ابھی آپ حضرت مفتی شریف الحق کے حوالے سے پڑھ آئے ہیں ''یہ بہتان ہے کہ حضرت عثمان نے انہیں جلاوطن کر کے ربذہ بھیجا تھا'' اس بات کی تائید میں ہم مزید چند حوالے پیش کر رہے ہیں:

تاریخ دمشق میں ہے کہ حافظ ابوالقاسم رحمہ اللہ نے فرمایا: حضرت ابوذر غفاری

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ربذہ نہیں بھیجا تھا، جب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس فتنے کا خوف ہوا جس سے انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈرایا تھا تو وہ از خود ربذہ چلے گئے۔ چونکہ کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ربذہ جانا اس واقعے (مسئلہ کنز کی سمجھائش وفہمائش) کے بعد ہوا تھا، جو آپ کے اور حضرت عثمان کے درمیان پیش آیا تھا، اس بات سے لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ حضرت عثمان نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ربذہ بھیجا تھا (یہ بات حضرت ابوالقاسم نے یوں ہی نہیں کہہ دی ہے بلکہ اس پر ایک مضبوط سند پیش کی ہے) حضرت عبداللہ بن صامت کہتے ہیں: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ حضرت ام ذر فرماتی ہیں: خدا کی قسم! حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہیں نکالا تھا، بلکہ جب مدینۂ طیبہ کی آبادی کوہ سلع تک پہنچ گئی تو آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کرتے ہوئے ملک شام روانہ ہو گئے، پھر وہاں سے واپس مدینۂ طیبہ حاضر ہوئے اور پھر آپ مقام ربذہ چلے گئے وہیں آپ نے انتقال فرمایا۔

حضرت غالب قطان فرماتے ہیں کہ میں نے حسن سے کہا: اے ابوسعید! کیا حضرت عثمان نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو (مدینۂ طیبہ سے) نکالا تھا؟ حضرت ابوسعید نے فرمایا: ''معاذ اللہ'' (میں اس بات سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں)

(تاریخ دمشق، ج:٦٦،ص:٢٠٢)

یہی روایات علامہ ذہبی نے بھی اپنی کتاب میں نقل فرمائی ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:٢،ص:٧٢)

علامہ ابن سعد نے جو روایت نقل فرمائی ہے اس میں ہے ''جب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینۂ طیبہ آ گئے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے فرمایا: آپ میرے پاس رہیں، آپ کے لیے صبح وشام دودھ کی اونٹنیاں حاضر کی جائیں گی، آپ نے فرمایا: مجھے ضرورت نہیں، آپ مجھے ربذہ چلے جانے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ اس پر حضرت عثمان نے انہیں ربذہ جانے کی اجازت دے دی۔ (طبقات ابن سعد، ج:٤،ص:٢١٣)

حضرت سعید بن مسیب نے فرمایا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی مرضی سے ربذہ رہنے گئے تھے۔ (انساب الاشراف، ج:۵،ص:۵۴۵)

ان واضح دلائل کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو جلاوطن کر کے ربذہ بھیجا تھا، یہ واقعی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بہتان ہے، اس سلسلے میں ابھی آپ حضرت ابوذر کی زوجہ کا بیان پڑھ آئے ہیں، ان کی زوجہ سے بہتر ان کے بارے میں خبر کون دے سکتا ہے؟ انہوں نے قسم کھا کر فرمایا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو جلاوطن نہیں فرمایا تھا۔

تنبیہ: جن کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ حضرت عثمان نے انہیں ربذہ بھیجا تھا، اس کا مطلب یہی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں ربذہ جانے کی اجازت دی تھی۔

اطاعت شعار ابوذر: صحابۂ کرام اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان مسئلہ کنز میں بہت بڑا علمی اختلاف پایا جاتا تھا، جس میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا موقف سب سے جدا اور منفرد تھا۔ اس سلسلے میں وہ کسی کی بات مانتے تھے نہ اپنے موقف سے ایک قدم پیچھے ہٹنے کے روادار تھے، وہ اپنے موقف کو بیان بھی کرتے اور اس کی تبلیغ بھی فرماتے تھے، انہوں نے اپنے موقف کو لے کر نہ کبھی دمشق کے امیر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سمجھوتا کیا اور نہ ہی امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، لیکن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتنہ پرور تھے نہ فتنہ پروروں کے ساتھی بلکہ وہ ایک سچے مؤمن اور مومنوں کے اچھے خیر خواہ تھے، وہ مسلمانوں کی شیرازہ بندی کے خواہاں تھے، انتشار و افتراق سے ان کا دور کا بھی تعلق نہ تھا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے علمی اختلاف کے باوجود وہ انہیں امیر شہر اور امیر مملکت تسلیم کرتے تھے، ان کا جو حکم نائب خلیفہ یا نائب رسول اللہ کی حیثیت سے ہوتا تو اس پر وہ فوراً سر تسلیم خم کر دیتے، خلیفہ کے کسی بھی حکم سے وہ سرتابی نہیں کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے ''مجھے اگر حبشی غلام کی اطاعت کا حکم بھی دیا جائے گا تو میں اس کو بغیر چوں و چرا

تسلیم کرلوں گا'' ان کا یہ دعوی صرف زبانی نہ تھا بلکہ انہوں نے ایسا عملی طور پر کر کے بھی دکھایا۔ قادر مطلق کی قدرتوں کی جانب سے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صداقت کی تائید اور ان کے خلوص کے اظہار کا بھی عجیب حسن انتظام تھا کہ وہ ربذہ جو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آخری قیام گاہ اور برزخی آرام کے لیے مقرر تھا، اس گاؤں کا امام حضرت امیر المومنین کی جانب سے ایک حبشی غلام ہی مقرر تھا۔

نماز کے وقت جب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس حبشی غلام نے دیکھا تو صحابی رسول کے احترام میں مصلیٰ امامت چھوڑ کر اس امید پر پیچھے ہٹ گیا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ امامت فرمائیں گے، لیکن اس تفتہ جاں اور سوختہ جگر دیوانے کے سینے میں کوئی آرزو وامنگ مرضات خدا اور رسول کے سوا زندہ بچی ہی کہاں تھی کہ وہ امامت فرما کر اس کو پورا کر لیتے۔ حکم ہوا: آپ ہی امامت فرمائیں، مجھے اطاعت وفرمابرداری کا حکم دیا گیا ہے، اگرچہ ذات مطاع حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو (اس حکم پر عمل کرنے کا موقع بھی آج میسر آ گیا ہے) کیونکہ آپ ایک حبشی غلام ہیں۔ (طبقات ابن سعد، ج:۴، ص: ۲۱۳)

بھڑکانے کی کوشش: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ربذہ منتقل ہو جانے کو بعض موقع پرستوں اور اسلام کے بدخواہوں نے بھنانا چاہا چنانچہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فتنہ برپا کرنے کے لیے اکسایا، فتنہ پرور شاید یہ بھول گئے تھے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کس درسگاہ کے فاضل اجل ہیں؟ انہیں جس درسگاہ سے شرف تلمذ حاصل تھا اس درسگاہ کا ہر فارغ خلوص ووفا کا کفن ہمیشہ اپنے سر سجائے رکھتا ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ڈورے ڈالنے کے لیے اہل کوفہ کا ایک وفد ربذہ میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کرتا ہے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کی تلقین کرتا ہے، اس وقت حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان فتنہ پروروں کو جو جواب دیا وہ تاریخ کا ایک زریں باب ہونے کے ساتھ ساتھ، ابوذر

کے خلوص و وفا کا سچا ترجمان، ان کی پاکیزہ سیرت کا چمکتا آفتاب، جماعت مسلمین کی خیر خواہی کا آئینہ دار اور اطاعت رسول وعشق رسول کی تاریخی دستاویز ہے۔

آپ نے فرمایا: میرے سامنے یہ باتیں نہ کرو۔ جو سلطان اسلام کو ذلیل کرے گا اس کی توبہ قبول نہ ہوگی۔ خدا کی قسم! اگر عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے اونچے پہاڑ اور سب سے اونچے درخت پر مجھے سولی چڑھا دیں تب بھی میں ان کی اطاعت و پیروی کروں گا، اس پر صبر کروں گا اور ثواب کی امید رکھوں گا اور اس کو اپنے حق میں بہتر جانوں گا۔ اگر وہ مجھے اتنے فاصلے پر بھیج دیں جتنا فاصلہ مشرق ومغرب کے درمیان ہے تو میں ان کی بات مانوں گا، اطاعت کروں گا، صبر کروں گا، ثواب کی امید رکھوں گا اور یقین کروں گا کہ یہی میرے لیے بہتر ہے، اور اگر وہ مجھے میرے گھر بھیج دیں تب بھی ان کی اطاعت کروں گا، صبر کروں گا اور اس پر ثواب کی امید رکھوں گا اور اپنے حق میں اسی کو بہتر سمجھوں گا۔

(طبقات ابن سعد، ج: ۴، ص: ۲۱۳)

قارئین غور کر سکتے ہیں کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بغیر حیلہ وحجت اور بغیر کسی افہام وتفہیم کے کس انداز میں فتنے کی جڑوں کو کاٹ دیا؟ فتنہ پروروں کی ساری چالوں کو تار عنکبوت کی طرح بکھیر دیا، اس ردعمل کے بعد باطل دوبارہ حیلہ سازی کر سکتا ہے نہ پلٹنے کی ہمت۔

حاکم کی اطاعت کی ایک اور مثال: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے کسی بھی عمل سے خلیفۃ المسلمین کے خلاف بغاوت کرنے کے قائل نہ تھے وہ حتی الامکان مسلمانوں میں اتفاق دیکھنا چاہتے تھے۔ اس کی بہترین مثال آنے والا واقعہ ہے۔

موسم حج میں مقام منی کے اندر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے کسی نے بیان کیا کہ حج کے دوران منی میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چار رکعت نماز پڑھی ہے (نماز میں قصر نہیں کی ہے) یہ بات حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بہت

گراں گزری اور آپ بھڑک گئے، کافی سخت جملے استعمال کیے۔فرمایا: میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ دو رکعات پڑھی ہے (حضور نے نماز میں قصر کیا ہے) اور حضرت ابوبکر وعمر کے ساتھ بھی میں نے نماز ادا کی ہے (انہوں نے بھی قصر کیا تو حضرت عثمان نے قصر کیوں نہیں کیا) اس کے بعد حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے اور چار رکعت نماز ادا فرمائی۔لوگوں نے کہا: ابھی تو آپ اس سلسلے میں امیر المومنین پر ناراض ہو رہے تھے پھر آپ نے وہی عمل کیا جس پر آپ ناراض تھے، آپ نے فرمایا: اختلاف بہت بڑی اور بری چیز ہے۔حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں ایک دن خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''میرے بعد ایک سلطان ہوگا اس کو ذلیل کرنے کی کوشش مت کرنا جس نے ایسا ارادہ کیا تو بے شک اس نے اسلام کی غلامی کا قلادہ اپنی گردن سے نکال پھینکا، اس کی توبہ اس وقت تک قبول نہ ہوگی جب تک کہ وہ اپنی پیدا کی ہوئی درار کو بھر نہ دے اور وہ ایسا نہ کر سکے گا، ہاں! اگر وہ سلطان کی نافرمانی سے باز آجائے تو وہ سلطان کے عزت کرنے والوں میں شمار ہوگا'' ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ (سلاطین وقت) ہم پر تین چیزوں میں غالب نہیں آنا چاہیے۔نیکی کا حکم دینے، اور برائی سے روکنے، اور لوگوں کو حضور کا طریقہ سکھانے میں۔(مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۱۴۶۰)

حاکم امیر اور خلیفہ کی اطاعت کی اس سے بڑی سند اور کیا ہو سکتی ہے۔رہی یہ بات کہ حضرت عثمان نے منیٰ میں قصر کیوں نہیں کی تو اس کا جواب علامہ غلام رسول سعیدی علیہ الرحمہ سے سنیے، آپ فرماتے ہیں: صحیح جواب یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منیٰ میں شادی کر لی تھی اور جو شخص جس جگہ شادی کر لے وہ بھی اس کا وطن ہو جاتا ہے اور وہاں اس کو پوری نماز پڑھنا لازم ہے۔(تفصیل کے لیے شرح مسلم کا مطالعہ کریں)

(شرح صحیح مسلم، ج: ۲، ص: ۳۸۱)

جذبات کا عالم یہ خیالات کا عالم: موسم حج فرزندان توحید کے لیے مژدۂ جانفزا سے کم نہیں، شوال المکرم کا چاند طلوع ہوتے ہی مؤمنوں کے دل خانۂ کعبہ کی طرف خاص

طور پر کھنچنے لگتے ہیں، دل خانہ خدا کی جانب کیوں نہ کھنچیں کہ خدا کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں یہ الفاظ شامل تھے ”اے میرے معبود! لوگوں کے دلوں کو شہر مکہ کی طرف جھکا دے“ دعائے خلیل کے سر اجابت کا سہرا سجایا گیا، شہر مکہ اہل ایمان کے لیے اطمینان وسکون کا مرکز بن گیا، ہر شے اپنے مرکز کی طرف پلٹنے کی کوشش کرتی ہے، جیسے ماہی بے آب کو پانی کے بغیر سکون نہیں ملتا، مؤمن کے دل کو خانہ خدا کے بغیر اطمینان حاصل نہیں ہوتا، جن دیوانوں کو اس سفر کا موقع میسر آتا ہے ان کے سفر کی دیوانگی بھی قابل دید ہوتی ہے، کوئی پیادہ پا سفر کرتا ہے تو کوئی قدم قدم نوافل کا اہتمام کرتا ہے، کوئی صدقہ وخیرات کو سفر کی زینت بناتا ہے تو کوئی کمزوروں کو بدنی مدد پہنچاتا ہے، یہ سب چلتا رہتا ہے اور سفر سوئے حرم جاری رہتا ہے۔

ہمارے ممدوح وموصوف حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی جب جوان، توانا اور تندرست تھے تو اس مبارک سفر میں پیدل چل کر اپنے رب کی رضا حاصل کرتے، جیسا کہ تاریخ دمشق میں روایت موجود ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکۂ مکرمہ سے پیدل حج فرماتے تھے۔ (ج:٦٦،ص:٢١٢)

لیکن یہ ان کی جوانی تھی آج وہ وقت آ گیا ہے کہ اعضاء جواب دے رہے ہیں، جسمانی قوتیں ساتھ چھوڑ رہی ہیں، لوگ حج کا احرام باندھے ہوئے مقام ربذہ کی عموماً سونی پڑی رہنے والی راہوں کو بارونق بناتے ہوئے گزر رہے ہیں، اسی ربذہ میں اپنے ٹاٹ کے خیمے میں بے کسی کے عالم میں عالم اسلام کی وہ شخصیت موجود ہے جس کے پاکیزہ وجود پر اسلام اور اہل اسلام کو ناز ہے، حاجیوں کا ترانۂ توحید جسے ترانۂ اظہار بندگی یا غلامی کا اعلان عام بھی کہا جا سکتا ہے، جب حاجیوں کے مشکیں لبوں اور عنبری زبانوں سے نکلتا ہے فضائے بسیط کو چیرتا ہوا عالم بالا کی سرحدوں سے گزرتا ہوا ملاء اعلی کے ملائک تک جا پہنچتا ہے، فرشتے فرش گیتی پر رینگنے والے حجاج کے قافلوں کے لیے اپنے معبود سے رحمت ومغفرت کی سفارشیں کرنے لگتے ہیں۔ یہی ترانہ جب سفر حج سے محروم رہ جانے والوں کے کانوں تک

پہنچتا ہے تو ان کے دلوں میں حسرت و یاس، محرومی و مہجوری کا نیا اضطراب پیدا کر دیتا ہے۔

۳۲ رہجری کا حج ادا کرنے کی تیاریاں چل رہی ہیں، بندگان خدا ہر طرف سے لبیک کا گیت گاتے ہوئے مکہ شریف کی جانب رواں دواں ہیں، مدینۂ طیبہ سے امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنفس نفیس مناسک حج کی جملہ رسوم ادا کرنے اور کرانے کے لیے تشریف لانے والے ہیں، خلیفۃ المسلمین کی آمد سے مومنوں کے دلوں میں جذبات شوق کا ایک سمندر موجیں مارنے لگا تھا، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس سے بے خبر نہ تھے، ذرا عالم تصور میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خیالات کا جائزہ لیجیے، وہ اس سفر کے لیے کتنے بے قرار اور مضطرب رہے ہوں گے، وادی مکہ سے ان کی کتنی یادیں وابستہ تھیں؟ انہیں ایمان کی سرمدی دولت اسی وادی میں تو میسر آئی تھی، رب کے مظہر اتم محبوب پروردگار کا دیدار بھی تو انہیں یہیں مقدر ہوا تھا، شہادت توحید و رسالت کی پاداش میں کفار مکہ کی سختیوں کا کڑوا جام جوان کے لیے جام کوثر کی ضمانت ٹھہرا، اسے بھی تو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہیں نوش کیا تھا وغیرہ وغیرہ۔

لبیک کا پیارا ترانہ حاجیوں کی مبارک زبانوں سے ربذہ کی فضاؤوں میں گونجا ہوگا، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس ترانے نے کتنا تڑپایا ہوگا؟ یہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے، مگر اتنا طے ہے کہ اس کا اثر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بہت عظیم ہوا ہوگا، جب یہ ترانہ ایک عام مومن کے دل کو ہلا سکتا ہے تو جس کا دل اپنے رب کی یاد میں پہلے ہی سے جل کر کباب ہو چکا ہو، جسم کی رنگت بدل گئی ہو، جو رب کی خاطر پوری کائنات سے کٹ کر صرف اسی کے ہو چکا ہے، اب مرض، ضعف اور نقاہت کا عالم، نیم جاں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیروں کی بیڑیاں بن جائے تو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح اس کو کیسے برداشت کر لیتی۔ انجام کار وہی ہوا جس کا ہر ذی روح سے خدائی وعدہ ہے وعدہ وفا ہونے کا وقت قریب آ گیا، جان جاں آفریں کو سپرد کرنے کی تیاریاں ہونے لگیں۔

https://alislami.net

جو منہ سے کہہ دیا بے شک وہ بات ہو کے رہی: اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے جو فرما دیا وہ حقیقت میں وحی الٰہی ہوتی ہے، اس لیے رب تبارک وتعالیٰ محبوب کی بات کو سچا ثابت فرماتا ہے، زمانے نے ان گنت مرتبہ زبان رسالت کی سچائی کا مشاہدہ کیا ہے، ہم اہل سنت کا تو عقیدہ یہی ہے جدھر رب کے محبوب کا حکم ہوتا ہے کائنات کا رخ ادھر ہی مڑ جاتا ہے۔ جنگ تبوک کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے جملوں (تنہا رہے گا تنہا مرے گا) کا حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات سے ملان اور مقابلہ کر لیجیے۔ واللہ العظیم مراد مصطفیٰ سے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی ایک ذرے کے برابر بھی منحرف نہیں ہوسکی، زندگی آپ نے ملاحظہ فرمالی کہ وہ زمانے کی بھیڑ سے کس طرح الگ تھلگ رہے؟ وہ کثرت اژدھام میں بھی ہمیشہ تن تنہا رہے، فرمان مصطفیٰ کی سچائی ظاہر کرنے کے لیے مدینۂ منورہ اور دمشق کی چہل پہل کو چھوڑ کر ربذہ کی تنہائیوں میں جا بسے اور پھر زندگی بھر وہیں رہے، حضور نے فرمایا: تنہا مرے گا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سفر آخرت کا مطالعہ کر لیجیے کہ ربذہ اگرچہ چھوٹا سا گاؤں تھا تاہم اس کی آبادی اتنی تو تھی کہ کسی میت کو نہلا دھلا سکے، کفن و دفن کر سکے لیکن زبان نبوت سے نکل گیا تھا ''تنہا مرے گا'' تو ربذہ کی تنہائی کا یہ عالم ہوگیا کہ آپ پر وفات کے آثار دیکھ کر آپ کی اہلیہ زار و قطار رونے لگیں، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: بیوی روتی کیوں ہو؟ تو عرض کرتی ہیں: میرے سرتاج! آپ ربذہ کی تنہائیوں میں اپنی جاں جاں آفریں کو سونپنے کی تیاری کر رہے ہیں، میں اکیلی عورت ذات آپ کے کفن دفن کا کیا انتظام کروں گی اور کیسے کروں گی؟

(تاریخ دمشق، ج:۶۶،ص:۳۲۱)

قدرت کا انتظام بھی کیا کہیے حج کے بہانے پورا ربذہ خالی ہوگیا، اب حضرت ابوذر غفاری ہیں اور ربذہ کی تنہائیاں اور ویرانیاں پھر ملک الموت کی روح نکالنے والی کارروائیاں۔

وقت وصال بیوی کو تسلی دی: بیوی کے آنسو دیکھ کر حضرت ابوذر غفاری رضی

اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا: محترمہ رونے کی ضرورت نہیں ہے، میں تمہیں ایک حدیث سناتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کی ایک جماعت سے ارشاد فرمایا تھا میں خود بھی اس جماعت میں موجود تھا، تم میں سے ضرور ایک شخص جنگل میں انتقال کرے گا، اس کے جنازے میں مسلمانوں کی ایک جماعت آ کر شریک ہوگی، میرے علم کے مطابق اس جماعت کا ہر فرد کسی نہ کسی آبادی میں وفات پا چکا ہے، تن تنہا میں بچا ہوں، آج اس ویرانے میں دم توڑ رہا ہوں، نہ میں جھوٹ بول رہا ہوں نہ مجھ سے جھوٹ بولا گیا ہے، بیوی جاؤ اور راستے پر بیٹھ کر مسلمانوں کی آنے والی جماعت کا انتظار کرو، فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: ''اب مسافروں کی جماعت کہاں سے آئے گی، حجاج سب کے سب جا چکے ہیں، راستے سنسان پڑے ہیں؟'' فرمایا: جاؤ! دیکھو تو سہی۔ حکم کی بجا آوری کے لیے بی بی صاحبہ اٹھیں اور راستے کی طرف چلیں، فرماتی ہیں: میں تیزی سے ریت کے تودے تک جاتی، کھڑی ہو کر دور تک نظر دوڑاتی پھر جاں بلب شوہر کا حال دیکھنے واپس خیمے میں آ جاتی، اسی دوڑ دھوپ میں تھی اچانک شتر سواروں کی ایک جماعت نظر آئی، ان لوگوں نے جب ایک عورت کو اس طرح کھڑے دیکھا تو بہت تیزی کے ساتھ شتر سوار عورت کے قریب پہنچ گئے، انہوں نے پوچھا: اللہ کی بندی یہاں کیوں کھڑی ہے؟ بیوی صاحبہ کہتی ہیں کہ میں نے کہا: ایک مسلمان ہے جو مرنے کے قریب ہے، کیا تم لوگ اس کے کفن دفن کا انتظام کر سکو گے؟ آنے والوں نے پوچھا: وہ کون شخص ہے اس کا نام تو بتاؤ؟ جو اب ملا ابوذر غفاری! ابوذر غفاری اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابی؟ جی ہاں! وہی ہیں، ان پر تو ہمارے ماں باپ قربان! صاحبہ جلدی چلیے اور ہمیں بتائیے آخر وہ کہاں ہیں؟ آنے والے حضرات حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچ چکے تھے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس جاں کنی کے عالم میں ہی ان کا استقبال کیا (ابھی سانسیں چل رہی ہیں، آواز نکل رہی ہے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو غنیمت جانا اور حدیث پاک سنانا شروع کر دیا) جو الفاظ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

منہ سے نکلے وہ یہ تھے ''تمہیں بشارت ہو (حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس بات کی بشارت انہیں دینا چاہتے تھے وہ بہت بڑی بشارت تھی آنے والوں کے اسلام اور ایمان کی بشارت تھی کیونکہ حضور نے فرمایا تھا: ''جنگل میں مرنے والے کے جنازے میں شریک ہونے والے مسلمان ہوں گے'' ایک مسلمان کے لیے اس سے بڑی سعادت اور کیا ہوسکتی ہے کہ پیغمبر اسلام کی زبان سے اس کے ایمان وعقیدے کی صحت کی سند مل جائے) اب حدیث پاک سنانا شروع کی، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے ''دو مسلمانوں (ماں باپ) کے اگر دو یا تین بچے انتقال کر جائیں پھر یہ لوگ اپنے بچوں کی موت پر صبر کرلیں اور اپنے رب سے ثواب کی امید رکھیں تو اللہ تعالیٰ انہیں جہنم سے آزاد کردیتا ہے''۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہی بشارت بھری حدیث ان لوگوں کو سنائی، جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے آنے والوں کے ایمان کی گواہی موجود تھی پھر آپ نے فرمایا: آج میرے گھر میں میرا یا میری اہلیہ کا کوئی ایسا کپڑا موجود ہوتا جو میرے کفن کے لیے کافی ہوتا تو میرا جنازہ اسی کفن میں تیار کیا جاتا لیکن آج گھر میں ایسا کوئی کپڑا موجود نہیں ہے لہٰذا تم لوگ مجھے اپنے کپڑوں میں کفنانے کا انتظام کرنا لیکن میں تم لوگوں کو اللہ کی قسم! دیتا ہوں کسی ایسے شخص کا کپڑا میرے کفن کا حصہ نہ بنا دینا، جو خود حاکم و امیر ہو یا امیر کا عریف یعنی بعض امور کا ذمہ دار یا پھر ڈاکیہ ہو۔

جب اس جماعت نے ایک دوسرے کے متعلق غور کیا تو تمام افراد کے مابین صرف ایک انصاری جوان ایسا تھا جو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بتائے شرائط پر کھرا اترتا تھا، باقی لوگ کسی نہ کسی طرح ارباب اقتدار میں شامل تھے، انصاری نوجوان کی آواز بلند ہوئی، حضور! میں آپ کو اپنے کپڑوں میں کفن دوں گا، ایک یہ میری چادر دوسرے دو کپڑے جو میری والدہ نے اپنے ہاتھوں سے تیار کیے ہیں، اس طرح کفن کے تینوں کپڑوں کا انتظام میرے پاس موجود ہے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تو پھر تم ہی میرے کام کے ہو، تمہیں مجھے اپنے کپڑوں کا کفن دینا۔

https://alislami.net

وقت وصال مہمانوں کا خیال: اسی دوران جب کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ اپنے سرتاج کے کفن ودفن کے لیے سرگرداں اور پریشان تھیں، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیٹی کو ایک بڑی ذمہ داری سونپی، بیٹی تم ایک بکری ذبح کرو اور اس کو پکا کر تیار کرلو، میرے انتقال کے بعد جو لوگ میرے کفن ودفن کا انتظام کریں گے انہیں بغیر کھانا کھلائے رخصت مت کرنا، ان سے کہنا والد گرامی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ لوگوں کو قسم دی ہے کہ بغیر کھانا کھائے یہاں سے ہرگز رخصت نہ ہوں، فرماں بردار بیٹی اپنے بے مثال والد کے حکم کے مطابق کھانا بھی پکاتی رہی اور والد محترم کی تیمارداری بھی کرتی رہی۔

ابوذر قبلہ رو اور خیمہ معطر: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر نزع کا عالم طاری ہوگیا، خیمہ کستوری کی خوشبو سے مہک رہا تھا، آنے والوں نے اہل خانہ سے پوچھا: یہ بھینی بھینی خوشبو خیمے سے کیوں کر آرہی ہے؟ جواب ملا: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا ''ابھی ایک ایسی جماعت بھی حاضر ہوگی جو کھانا نہیں کھاتی، خوشبو پسند کرتی ہے، لہٰذا ان کے لیے خوشبو کا اہتمام کرو'' مشک کو پانی میں ملا کر خیمے میں چھڑک دو، لہٰذا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خواہش کے مطابق خیمے کو خوشبو سے معطر کر دیا گیا ہے۔ اب اقلیم فقر کا شہنشاہ رب کے حضور حاضری کے لیے پابرکاب ہے، جس نے رب کو راضی کرنے کے لیے دنیا کی طرف ایک آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا، ٹاٹ کے کپڑے، کمبل کے خیمے، بوریوں کے بچھونے، روکھے سوکھے کھانے استعمال کر کے جسم کی رنگت بگاڑ لی، بکھرے بال، الجھی داڑھی، چہرے پر سجی دیوانگی جس نے اپنی پہچان بنالی جو اللہ اور رسول کے لیے ساری دنیا سے روٹھ گیا جس نے دنیا کے سامنے ببانگ دہل یہ اعلان کر دیا۔

توحید تو جب ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

اب یہ دیوانہ دنیا سے رخصت ہوا چاہتا ہے خیمے میں آواز بلند ہوئی مجھے قبلہ رخ کر

دیا جائے۔ وہی قبلہ جہاں پہلی مرتبہ خدا کی توحید اور نبی کی نبوت و رسالت کی گواہی خلوص کے اس پیکر مجسم نے دی تھی وہ بھی صنادید قریش کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تو کفار نے مار مار کر ادھ مرا کر دیا تھا وہی قبلہ آخری دم پھر یاد آ رہا ہے۔ مرد درویش کا یہ آخری حکم تھا جو اس نے دنیا والوں کو دیا تھا، پھر دنیا ہمیشہ کے لیے اس کا کوئی بھی حکم سننے سے محروم ہوگئی، چاہت کے مطابق حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رو بقبلہ کر دیا گیا، پھر اس لاغر و نحیف وجود نے اپنی ساری قوتیں یکجا جمع کیں اور راہی راہ خدا نے اپنی خلوص و وفا والی زبان سے با آواز بلند کہا: ''بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ'' یہ کلام حقیقت میں ان کی زندگی کا حاصل تھا، جو انہوں نے آخری جملوں کے طور پر دنیا والوں کو سنایا، سامعین کو اپنے ایمان وعقیدے پر گواہ بنایا اور جاں جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ آج حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر بھر کی ساری بے قراریاں، بے تابیاں اور جگر کاویاں اطمینان پا گئیں، عمر بھر تڑپنے والا، جگر کو بریاں کرنے والا ہمیشہ کے لیے سکون کی نیند سو گیا، عالم پر زہد و فقر اور عبادت و ریاضت کی روپہلی کرنیں بکھیرنے والا مہر تاباں اپنی زندگی کا چکر پورا کر کے عدم کی اوٹ میں سما گیا اور حق گوئی کی لافانی مثال قائم کرنے والی زبان ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگئی۔ ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ''

تجہیز و تکفین: بعد وصال انہیں شتر سواروں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسد مبارک کو حکم شریعت کے مطابق تیار کیا، غسل دیا گیا اور وصیت کے مطابق انصاری نوجوان کے کپڑوں میں ملبوس کر کے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازے کو نماز جنازہ پڑھنے کے لیے تیار کر دیا گیا۔

ابن مسعود نماز جنازہ کے امام: چلتی سانسوں اور نکلتی آوازوں کے وقت آپ نے ایک خاص وصیت یہ بھی کی تھی جب میرے جنازے کو غسل و کفن دے کر تیار کر لیا جائے تو جنازہ خیمے سے اٹھا کر راستے کے بیچ و بیچ رکھ دینا، سواروں کا سب سے پہلا دستہ جو میرے جنازے کے پاس سے گزرے تو اس سے کہنا: یہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ

https://alislami.net

وسلم کے صحابی ابوذر غفاری ہیں، ان کو دفنانے میں ہماری مدد کیجیے (ایسا لگتا ہے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نگاہوں کے سامنے سے حجاب اٹھا دیے گئے تھے اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ دور تک راہ چلتے افراد کو دیکھ رہے تھے، ان کے حالات و مقامات اور مراتب کو بھی ملاحظہ کر رہے تھے) حسب وصیت جنازہ تیار کر کے برسر راہ رکھ دیا گیا، خدا کی قدرت جس قافلے کا وہاں سے سب سے پہلے گزر ہوا اس کے میر کارواں صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعود تھے، جو عمرہ کرنے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مکہ شریف جا رہے تھے۔ سرِ راہ پڑے جنازے کو دیکھ کر قافلہ ٹھٹھک کر رک گیا، جنازے کے پاس کھڑے لڑکے نے کہا: یہ اللہ کے رسول کے صحابی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنازہ ہے، ان کی تدفین میں ہماری مدد کیجیے۔

عبداللہ بن مسعود نے جب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام سنا تو چیخ مار کر رونے لگے پھر فرمایا: سچ فرمایا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''ابوذر اکیلا چلے گا، اکیلا رہے گا، اکیلا مرے گا اور اکیلا اٹھایا جائے گا'' دیر تک روتے رہے، روتے جاتے اور کہتے جاتے: میرا بھائی، میرا دوست، اکیلا رہا، اکیلے زندگی گزاری، اکیلے وصال فرمایا، اکیلے ہی ان کو اٹھایا جائے گا۔ ابوذر تمہیں مبارک ہو، حضرت عبداللہ بن مسعود نے نماز جنازہ پڑھائی اور دونوں قافلوں کے لوگوں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہمیشہ کے لیے خدا کی زمین کو بطور امانت سونپ دیا۔ (طبقات ابن سعد، ج: ۲، ص: ۲۱۹، تاریخ دمشق، ج: ٦٦، ص: ۲۱٦، اسد الغابہ، ج: ۱، ص: ۵٦۴، سیر اعلام النبلاء، ج: ۲، ص: ٦۷، تاریخ طبری، ج: ۴، ص: ۳۰۸، الاستیعاب، ج: ۱، ص: ۱۱۱)

نوٹ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سفر آخرت کے احوال ہم نے مذکورہ بالا کتب کی روایات کو سامنے رکھ کر اپنے ذوق کے مطابق مرتب کیے ہیں، ساتھ میں اپنی جانب سے کچھ تبصرے بھی شامل کیے ہیں تاکہ مضمون کا تسلسل باقی رہے، تاہم پورے مضمون کے بنیادی عناصر مذکورہ حوالوں میں ضرور موجود ہیں۔

https://alislami.net

بیٹی نے کھانا کھلایا: جب قافلے والے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سپرد خاک کرنے کی جملہ ذمہ داریاں نبھا چکے تو چلنے کے لیے تیار ہوئے لیکن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیٹی کو پہلے ہی تاکیدی حکم دے چکے تھے کہ کوئی بھی صاحب بغیر کھانا کھائے ہرگز روانہ نہ ہوں۔ بیٹی مہمانوں کا راستہ روک کر کھڑی ہوگئی، عرض کیا: ابو نے آپ حضرات کو سلام کہا ہے اور قسم دی ہے کہ کوئی بھی مہمان بغیر کھانا کھائے گھر سے نہ جائیں۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قسم کی لاج رکھنے اور بٹیا کے اصرار پر عمل کرنے کے لیے اہل قافلہ نے کھانا کھایا اور رخصت ہو گئے۔ (تاریخ دمشق، ج:۶۶،ص:۲۱۷)

کون ہے جو مجھ سے اسی حالت میں ملے: رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے ارشاد فرمایا: وہ کون ہے جو مجھ سے اسی حالت پر آ کر ملے گا؟ جیسا کہ میں اسے چھوڑ کر جارہا ہوں۔ اس وقت حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز بلند ہوئی تھی ''یا رسول اللہ! ان شاءاللہ میں آپ سے اسی حالت میں آ کر ملاقات کروں گا جیسا آپ چھوڑ کر جا رہے ہیں'' حضور نے فرمایا: ابوذر! تم نے سچ کہا۔ (طبقات ابن سعد، ج:۴،ص:۲۱۴)

اس حدیث پاک میں ہمارے ذوق کے مطابق اسی حالت پر ملنے سے مراد دین پر عمل اور دنیا سے دوری ہے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سفر آخرت نے ہمیں بتادیا، بیشک حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ٹھیک انہیں احوال کے ساتھ اپنے رؤف ورحیم آقا سے ملنے جارہے ہیں جن احوال پر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آقا نے غلام کو دنیا میں چھوڑا تھا، جذبۂ دینی کے تصلب کا اندازہ تو آپ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مہمان نوازی سے کیجیے کہ حالت نزع میں بھی سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کس قدر پاس ولحاظ تھا کہ جاتے جاتے بھی اپنے مہمانوں کو بھوکا نہیں رکھا، انتقال بعد میں فرمایا پہلے کھانا پکوا کر تیار کرادیا، اپنی قسم اپنی امانت دار بیٹی کے حوالے فرما کر مہمانوں کے لیے خلوص واصرار کی ساری حدیں پار کردیں، گویا حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے بعد بھی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قسم اپنے مہمانوں سے

https://alislami.net

پورے خلوص کے ساتھ کھانا کھانے کا اصرار کر رہی تھی، جس کی زندگی میں سنت رسول کی حفاظت کا اس قدر اہتمام ہو تو وہاں فرائض و واجبات کا کیسا انتظام اور منہیات شرعیہ سے کیسا اجتناب ہوگا؟ رہی دنیا سے دوری تو یہ بات ٹھیک ہے کہ کوئی بھی مرنے والا خواہ امیر ہو یا غریب، دنیا سے کچھ لے کر نہیں جاتا لیکن اتنا تو ماننا پڑے گا کہ مرنے والا عموماً اپنے یا رشتے داروں کے گھر کا کفن ضرور ساتھ لے جاتا، لیکن واہ رے ابوذر! تمہاری دنیا سے دوری تم دنیا کے سامنے یہ اعلان کر گئے نہ کچھ لے کر آیا تھا نہ کچھ لے کر جا رہا ہوں، بعد مرگ جسم چھپانے کے لیے خود کا اہلیہ کا اور بیٹی کا کوئی کپڑا بھی موجود نہیں، جسے کفن بنایا جاسکے۔ بھلا ہو اس اجنبیوں کی جماعت کا خاص کر جماعت میں شامل اس انصاری نوجوان کا جس کے کپڑے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آخری لباس بنے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مبارک ہو دنیائے اسلام رب کے حضور تمہارے حق میں یہ گواہی دینے کے لیے بے قرار ہے کہ تم نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا وعدہ پورا پورا نبھا دیا تھا۔

ربذہ کی تنہائی میں ابن مسعود کی آمد: مشہور مقولہ ہے "مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ" جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لیے چھوڑ دیا یہاں تک کہ اس بے کسی کے حال میں انتقال فرمایا کہ تجہیز و تکفین کے لیے بھی وہاں بقدر حاجت لوگ موجود نہیں، ظاہری حالت کا تقاضہ تو یہ تھا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے گور و کفن ہی پڑے رہ جاتے لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے سب کچھ قربان کر دیتا ہے تو قادر مطلق کی قدرتیں اس کی یاری کے لیے کافی ہوتی ہیں۔ خدا اور رسول کا ابوذر بے گور و کفن کیسے رہے گا؟ تجہیز و تکفین کے لیے اجنبیوں کی جماعت بھیج دی گئی، اجنبی بھی ایسے جن کے ایمان کی گواہی زبان نبوت سے تقریباً بیس سال پہلے ہی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود اپنے کانوں سے سماعت کر لی۔ امامت کے لیے اس شخص کا انتظام کیا جا رہا

ہے جس کے حسن قرأت کی داد مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دیتے ہیں، صاحب قرآن خود ان سے قرآن سماعت کرتے ہیں، امت کو اس سے قرآن سیکھنے کا حکم دیتے ہیں، صحابہ نے جس کے علم کا لوہا مانا جو معلم امت ہونے کی حیثیت سے مشہور ہوا۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جسے ''معلم'' فرمایا، جس کی مرضی کو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رضا فرمایا، ان جیسی کثیر صفات محمودہ سے متصف حضرت عبداللہ بن مسعود کو کوفہ سے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے ربذہ بھیج دیا جاتا ہے کیونکہ

عاشق کا جنازہ ہے ذرا شان سے اٹھے

سنہ وفات: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنہ وفات میں مؤرخین کے اقوال کافی مختلف ہیں جس قول کو زیادہ تر مؤرخین نے اولیت کے ساتھ بیان کیا وہ ۳۲/ ہجری ہے، کئی مؤرخین نے ۳۱/ھ کے قول کو ترجیح کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

علامہ ابن حجر نے فرمایا: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ۳۱/ھ میں مقام ربذہ میں ہوئی لیکن اکثر لوگوں کا ماننا یہ ہے کہ آپ کی وفات ۳۲/ہجری میں ہوئی۔ (اسد الغابہ، ج:۱،ص: ۵۶۴، الاصابہ، ج: ۷،ص: ۶۳، تاریخ دمشق، ج: ۶۶،ص: ۲۲۲، شرح الزرقانی، ج: ۴،ص: ۵۱۴)

علامہ ذہبی نے فرمایا: کہا گیا ہے کہ آپ کی وفات ماہ ذی الحجہ میں ہوئی۔

(سیر اعلام النبلاء، ج: ۲،ص: ۴۷)

بعض مؤرخین نے آپ کی وفات کے سلسلے میں ۲۴/ہجری اور ۲۵/ہجری کے اقوال بھی بیان فرمائے ہیں۔

(المختصر فی اخبار البشر، ج:۱،ص:۱۶۶، مستعذب الاخبار باطیب الاخبار، ج:۱،ص: ۳۴۳)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے تقریباً دس دن بعد حضرت عبداللہ بن مسعود بھی انتقال فرما گئے۔ (سیر اعلام النبلاء، ج: ۲،ص: ۴۷)

حضرت ابوذر غفاری کا ترکہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زاہدانہ

https://alislami.net

زندگی اور فقیرانہ مزاج ہم بار بار بیان کر چکے ہیں۔ بیشک وہ بیان کے لائق ہی ہے، ایک روایت اور سن لیجیے تاکہ بعد ممات ان کا ترکہ سمجھنا آسان ہو جائے۔ ایک بزرگ جن کو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ نماز ادا کرنے کا موقع بار بار میسر آیا ہے، انہوں نے ایک شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ''اس شخص کی چادر کی قیمت حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کی کل پونجی سے ضرور زیادہ ہے'' وہ ذات جس کے زہد نے حضرت عیسی علیہ السلام کی یادیں تازہ کردیں، بعد وصال جب لوگوں نے گھر کا مشاہدہ کیا تو مندرجہ ذیل اشیاء اس کی کل کائنات تھی، جسے وہ اپنے اہل خانہ کے لیے چھوڑ گیا تھا۔ محمد نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھانجے سے پوچھا: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا چھوڑ کر وصال فرمایا؟ انہوں نے جواب دیا: دو گدھی، ایک گدھا، چند بکریاں اور کچھ سواریاں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ترکہ تھا۔

(طبقات ابن سعد، ج:۴، ص:۲۱۷)

فضائل کا اختصار، علم فنا اور بقا کے موجد: حضرت ابونعیم نے فرمایا: حضرت ابوذر غفاری بعثت سے تین سال پہلے ہی خدا کی عبادت کرنے لگے تھے، اسلام کی دعوت کے اوّلین مراحل میں ایمان لاکر چوتھے مسلمان کہلائے، حضور کو سب سے پہلے اسلامی سلام کیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اس بات پر بیعت کی کہ وہ حق کہنے میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت و ریاضت اور فقر و فاقہ بھری زندگی کو دیکھ کر انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تشبیہ دی، جب تک دنیا میں رہے فضولیات کو کبھی اپنے پاس نہ آنے دیا، دنیا سے دور رہنے کا جو عہد انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا اسے آخری سانس تک نبھاتے رہے، وہ دنیا داری کو ذلت و رسوائی اور دنیا سے دوری کو نعمت و رحمت سمجھتے تھے، مسکینوں سے محبت کرنے والی حضور کی وصیت کو آپ نے خوب خوب محفوظ رکھا، حضور کی خدمت سے فارغ ہونے کے بعد مسجد نبوی ہی ان کا ٹھکانہ تھی، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ زاہدین کے سردار اور تارکین دنیا کے آقا ہیں،

https://alislami.net

علم فنا اور بقا کے سلسلے میں سب سے پہلے آپ ہی نے کلام فرمایا، وہ علم سے بھرا ہوا ایسا برتن تھے کہ کبھی ان سے علم کی کوئی چیز ضائع نہیں ہوئی۔ (تاریخ دمشق، ج:٦٦ ص:١٧٦)

علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ زہد و صدق علم و عمل کے سرچشمہ تھے، خوب خوب حق کہنے والے تھے اور حق کہنے میں کسی کی پرواہ ہرگز نہ کرتے تھے، مزاج میں تیزی تھی۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:٢ ص:٤٧)

ازواج و اولاد: اللہ تعالیٰ نے آپ کو کئی بچے عطا فرمائے لیکن سب زندہ نہ رہ سکے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے وقت صرف ایک بیٹی حیات تھی، جس کو آپ نے مہمانوں کے لیے کھانا پکانے کی وصیت کی تھی، ایک بیٹے کی شہادت غزوۂ غابہ سے پہلے ہوئی، بیٹے کی شہادت غزوۂ غابہ پیش آنے کی وجوہات میں سے ایک وجہ تھی، اپنے بعض بچوں کی وفات کا ذکر خود آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی وفات سے کچھ دیر قبل فرمایا تھا۔

(عمدۃ القاری، ج:١٧ ص:٢٣٣، تاریخ دمشق، ج:٦٦ ص:٢١٧-٢٢٠)

اولاد کے انتقال پر اللہ کی حمد: کسی نے کہا کہ ابوذر غفاری تمہارے بچے زندہ نہیں رہتے تو جواب میں ایک بے مثال جملہ ارشاد فرمایا: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ یَأْخُذُهُمْ مِنْ دَارِ الْفَنَاوَیُدَخِّرُهُمْ فِیْ دَارِ الْبَقَا'' تمام تعریفیں اس پروردگار کے لیے ہیں جس نے میرے بچوں کو فانی گھر سے لے کر باقی رہنے والے گھر میں ذخیرہ بنا دیا۔

دوسری شادی سے انکار: آپ نے ایک ہی نکاح فرمایا، یہ بیوی بھی کوئی حسین و جمیل نہ تھیں بلکہ ان کا رنگ کالا تھا، کسی نے مشورہ دیا کہ دوسرا نکاح فرمالیں (کسی خوبصورت عورت سے) تو آپ نے فرمایا: جس بیوی کی وجہ سے لوگ مجھے کمتر سمجھیں اس کو میں ایسی عورت سے بہتر سمجھتا ہوں جس کی وجہ سے لوگ مجھے عزت بخشیں۔

(حلیۃ الاولیاء، ج:١ ص:١٦١، طبقات ابن سعد، ج:٤ ص:٢٢٢)

بیوی کی ایک نہ مانی: تنگدستی اور مشقت بھری زندگی دیکھ کر اہلیہ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کبھی کہا ہوگا کہ ہم لوگ عراق چلیں تا کہ یہ دقتیں ختم ہو

جائیں۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو منظور نہ فرمایا بلکہ بیوی کی اس عرض پر طنز کرتے ہوئے اپنے بعض مہمانوں سے فرمایا: آپ لوگ اس کالی عورت کے حال پر غور نہیں کرتے یہ مجھ سے عراق جانے کو کہتی ہے، میں عراق جاؤں تا کہ لوگ میری طرف اپنی دنیا لے کر رغبت کریں، میرے خلیل نے تو مجھ سے ارشاد فرمایا ہے کہ پل صراط کے پاس ایک بہت پھسلنے والا راستہ ہے میں اس راستے پر اقتدار کا بھاری بوجھ لے کر گزروں اس سے میں یہ زیادہ بہتر سمجھتا ہوں کہ میں (مال و دولت سے) ہلکا ہو کر آسانی سے گزر جاؤں۔ (طبقات ابن سعد، ج:۴، ص:۲۲۲)

ایک مرتبہ گھریلو پریشانی دور کرنے کے ارادے سے بیوی نے صرف اتنا کہہ دیا: اگر آپ چاہیں تو یہ دقت دور ہوسکتی ہے، یہ سن کر آپ ناراض ہو گئے تھے اور آپ نے فرمایا: بیوی سنو! یہ ہے ابوذر اور یہ ہے اس کی زندگی، اگر اس پر تم راضی ہو تو ٹھیک ہے ورنہ تمہاری مرضی۔ (تاریخ دمشق، ج:٦٦، ص:٢٠٦)

اس طرح آپ نے اپنے اوپر اپنی نہ کسی غیر کی حتی کہ بیوی بچوں کی خواہشات تک کو کبھی سوار نہ ہونے دیا۔

ساز وسامان آخرت کے گھر بھیج دیا: ایک شخص حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں داخل ہوا، ادھر ادھر نظر دوڑائی لیکن اسے گھر میں کچھ نظر نہ آیا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: آپ کے گھر میں کچھ ساز وسامان دکھائی نہیں دے رہا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہمارا ایک اور گھر ہے (آخرت میں) ہم سارا اچھا سامان وہیں بھیج دیتے ہیں، اس شخص نے کہا: جب تک آپ اس گھر میں ہیں کچھ سامان کی تو بہر حال ضرورت ہے، آپ نے فرمایا: گھر کا مالک ہمیں اس گھر میں نہیں چھوڑے گا۔

(تاریخ دمشق، ج:٦٦، ص:٢١١)

برے ساتھی سے تنہائی بہتر: حضرت عبداللہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک اونی چادر میں لپٹے ہوئے مسجد میں تنہا بیٹھے ہوئے

دیکھا، آپ فرما رہے تھے: تنہائی برے ساتھی سے اچھی ہے، نیک ساتھی تنہائی سے بہتر ہے، بری بات بولنے سے خاموشی بہتر ہے، اچھی بات بولنا خاموشی سے بہتر ہے۔

(تاریخ دمشق، ج:٦٦ ص:٢١٥)

بے مثال ابوذر: حضرت ابواسود دئلی کہتے ہیں: میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب کی زیارت کی تو کسی کو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشابہ نہیں دیکھا۔ (تاریخ دمشق، ج:٦٦ ص:٢١٦)

ابوذر کے اہل وعیال کی حضرت عثمان نے کفالت کی: حضرت عبداللہ بن مسعود اوران کے ساتھی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تدفین کے بعد جب مکۃ المکرمہ جانے لگے تو سوچا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہل وعیال کو ساتھ لے چلیں تاکہ مکہ پہنچ کر ان کو امیر المومنین کے حوالے کر دیں، حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: امیر المومنین مکہ ہی میں موجود ہیں، چل کر انہیں بتائے دیتے ہیں جو مناسب ہوگا وہ فیصلہ کریں گے۔ اہل قافلہ نے مکہ پہنچ کر حضرت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کی خبر دی، خبر سن کر امیر المومنین نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے رحمت ومغفرت کی دعائیں کیں اور جب مکہ سے مدینۂ طیبہ کے لیے روانہ ہوئے تو قصداً آپ نے ربذہ والے راستے کو اختیار کیا پھر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عیال کو ساتھ لے لیا اور اپنے عیال میں شامل فرمالیا۔ (تاریخ دمشق، ج:٦٦ ص:٢١٨)

کھجور پر پانی پی کر تمہاری طرح جیتا ہوں: حضرت نافع طاحی کہتے ہیں کہ میری ملاقات حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی، انہوں نے مجھ سے پوچھا: کہاں کے باشندے ہو؟ میں نے عرض کیا: عراق کا! فرمایا: عبداللہ بن عامر کو پہچانتے ہو؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! فرمایا: وہ میرے ساتھ رہ کر فقہ سیکھتا تھا پھر وہ بصرہ کا امیر (حاکم) بن گیا، جب تم بصرہ جاؤ تو اس سے ملاقات کرنا اور تنہائی میں کہنا ''حضرت ابوذر

غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو سلام کہا ہے اور آپ کو یہ پیغام بھیجا ہے کہ ابوذر کھجور کھاتا ہے، پانی پیتا ہے اور ایسے ہی زندہ ہے، جیسے تم زندہ ہو" جب میں نے عبداللہ بن عامر سے ملاقات کر کی اور اسے بتایا کہ میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاصد ہوں تو عبداللہ بن عامر خوف میں مبتلا ہو گیا پھر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سلام کہا اور پیغام پہنچایا تو امیر بصرہ اپنا منہ اپنے گریبان میں ڈال کر روتا رہا یہاں تک کہ گریبان تر ہو گیا۔ (صفۃ الصفوۃ، ج:۱،ص:۵۹۴)

یہ تھیں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زاہدانہ اور فقیرانہ زندگی کی نورانی شعاعیں جو آج بھی حرص، لالچ، حق تلفی، ناجائز زراندوزی اور فتنہ پروری کی تاریکیوں میں بھٹکتی دنیا کو زہد، توکل، استغنیٰ اور اطاعت شعاری کی روشنی فراہم کر رہی ہیں۔ زمانہ ہوا کہ یہ عابد شب زندہ دار اور زہد حضرت مسیح کا سچا امین دنیا سے چلا گیا لیکن اس کی لحد کی خاک آج بھی حرص وہوس کے دیوانوں اور پکے دنیاداروں کو دار آخرت کے جنون کا سبق پڑھا رہی ہے، آفتاب نبوت کے نور سے روشن ہونے والا یہ چراغ اگرچہ بنام ابوذر غفاری وادی ربذہ میں گل ہو گیا لیکن گل ہونے سے پہلے ایمان، ایقان، زہد، ورع، تقویٰ، توکل، استغنیٰ، عشق رسول، محبت رسول، اطاعت رسول کے ان گنت چراغ روشن کر گیا، جو قیامت تک ہر تاریکی کو اپنی جھلملاہٹ سے دور کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے اور مومنوں کے سینے ان کے نور سے مستنیر ہوتے رہیں گے۔

ان کے مولیٰ کی ان پر کروڑوں درود
ان کے اصحاب و عترت پہ لاکھوں سلام
جس مسلماں نے دیکھا انہیں اک نظر
اس نظر کی بصارت پہ لاکھوں سلام

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

♣ ♣ ♣

https://alislami.net

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اجمالی تعارف: رب تبارک وتعالیٰ نے محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا رسول بنا کر مکہ میں مبعوث فرمایا، پھر مدینۂ طیبہ کی جانب ہجرت کرائی اور اس نور کا اتمام فرمایا، جس کے سامنے آفتاب ومہتاب کا نور ماند پڑ گیا، عالم کو نئی حیات میسر آئی اور ایک نئی تاریخ مدون ہوئی، یہ پوری تاریخ جان عالمیاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اردگرد چکر کاٹتی ہے لیکن کچھ نفوس قدسیہ اس تاریخ کا ایسا انمٹ حصہ بنے کہ جب بھی حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت کا بیان ہوگا تو مؤرخ پوری رضا ورغبت کے ساتھ آپ کے ان غلاموں کا بھی ذکر کرے گا، ایسے ہی ایک غلام کا ہم ذکر کرنے چلے ہیں، جو انصار کے سابقین اولین کا عظیم حصہ ہے، مکہ کی وادی میں کی گئی بیعت عقبہ ہو یا بدر واحد خیبر وخندق وغیرہ غزوات کے قاتل لمحات، یہ جاں نثار ہر جگہ حاضر ہے، بیعت رضوان کے جاں نثاروں میں بھی جس کا نام جلی حروف کے ساتھ درج ہے، فتح مکہ اور حجۃ الوداع میں حضور کے ساتھ پابرکاب ہے، جس نے زمانۂ ابوبکر صدیق سے لے کر مولائے کائنات تک کبھی غزوات کو پیٹھ نہیں دکھائی، پھر حضرت امیر معاویہ کے ساتھ بھی مصروف جہاد رہا، جو عنفوان شباب سے لے کر بڑھاپے کی دہلیز تک صافنات جیاد (تیز دوڑنے والے خوبصورت گھوڑے) کی پیٹھوں پر سوار رہا، یہی قسمت کا سکندر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مدینۂ طیبہ میں خصوصی میزبان رہا، آج اہل سیاست کے گھر وزیر اعظم، دنیاداروں کے ہاں سلطان اعظم اور دین داروں کے مفتی اعظم اور متقی اعظم قدم رنجہ فرمادیں تو سیاست کے ایوان، دنیاداروں کے محلات، دینداروں کے مکانات، باعث رشک جہاں بن جاتے ہیں۔ ذرا اندازہ کیجئے اس میزبان کی قسمت کا

جس کے گھر محبوب رب العالمین، رحمۃ للعالمین، سید المرسلین، امام الانبیاء، باعث تخلیق کائنات، فخر جان و جہان، رشکِ قدسیاں، تاجدار عرب و عجم، مالک رقاب امم، آفتاب نبوت، ومہتاب رسالت، روحی فدا، حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مہمان بنے ہوں، وہ بھی چند لمحات، گھنٹوں اور دنوں کے لیے نہیں، تقریباً ایک سال تک جس کے مکان میں نزول اجلال فرمایا ہو، کیا کہیں اس مکان کو اور کیا کہیں صاحب مکان کو؟

مبارک منزلے کاں خانہ را ماہے چنیں باشد
ہمایوں کشورے کاں عرصہ را شاہے چنیں باشد

یہ اسی میزبانی کا شرف ہے کہ مسلمانوں کا بچہ بچہ میزبان رسول سے آشنا ہوا اور انہیں تاریخ اسلام میں وہ شہرت دوام حاصل ہوئی کہ مرورِ زمانہ کی طویل مسافت اس پر کچھ بھی اثر انداز نہ ہوسکی، ان کے ذکر جمیل کو وہ حلاوت میسر آئی کہ اہل محبت کی زبانیں آج بھی اس کی مٹھاس محسوس کر رہی ہیں، آپ ان کی ذات، عالی صفات اور نام نامی سے بخوبی واقف ہیں، لذت ذکر کے لیے مزید پڑھیں، انہیں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا جاتا ہے۔

نام ونسب: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام ''خالد'' ہے۔نسب نامہ اس طور پر ہے: خالد بن زید بن کلیب بن ثعلبہ بن عبد بن عوف بن غنم بن مالک بن نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج۔

والدہ کا نام: آپ کی والدہ کا نام ہند بنت سعید بن عمرو بن امراء القیس بن مالک بن ثعلبہ ہے۔

کنیت: آپ کی کنیت ابوایوب ہے۔آپ اپنی کنیت کے ذریعے ہی لوگوں میں مشہور ہوئے۔(اسد الغابہ، ج:۲،ص:۱۲۱،الاصابہ، ج:۲،ص:۸۹،تاریخ دمشق، ج:۱۶،ص:۳۳)

ہم نے نسب نامہ علامہ ابن اثیر کے بیان کے مطابق تحریر کیا ہے۔(مذکورہ بالا بعض کتابوں میں آپ کے نسب کے تعلق سے کچھ تغیر پایا جاتا ہے)

https://alislami.net

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت نام پر ایسی غالب آئی کہ لوگ ان کا نام بھول گئے۔ رہی آپ کی ذات تو وہ مؤمنین کے درمیان شہرت عظیم کی حامل ہے کہ مسلمانوں کا ہر وہ بچہ جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجرت سے متعلق کچھ معلومات رکھتا ہے، وہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ضرور آشنائی رکھتا ہے، کنیت کے سلسلے میں آپ کا معاملہ حضرت ابوہریرہ کی طرح ہے، اسلام کا ہر قاری حضرت ابوہریرہ کو جانتا ہے، لیکن آپ کا نام بہت کم لوگوں کو یاد ہے، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت تو ان کے نام پر اس قدر غالب تھی کہ صحابۂ کرام بھی ان کے نام کو نہ پہچانتے تھے، وہ بھی صرف کنیت ہی جانتے تھے، نام کا راز تو اس وقت فاش ہوا جب حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن ان کے نام کا ذکر فرمایا۔ پورا واقعہ آپ امام محمد بن جریر طبری اور علامہ ابن اثیر جزری سے سنیے، آپ فرماتے ہیں:

جن دنوں باغیوں نے خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان غنی ذوالنورین کو محصور کر رکھا تھا، مسجد نبوی کے مؤذن حضرت سعد القرظ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا: لوگوں کو نماز کون پڑھائے گا؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: خالد بن زید کو کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت سعد نے خالد بن زید کا نام لے کر آواز لگائی کہ وہ نماز پڑھائیں۔ تو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو نماز پڑھائی، یہ پہلا دن تھا جب لوگوں نے یہ جانا تھا کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام خالد بن زید ہے۔ (تاریخ طبری، ج:۲،ص:۶۹۴، الکامل فی التاریخ، ج:۳،ص:۷۶)

مؤاخات: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کی مؤاخات مبلغ دربار رسالت، داعی مدینۃ المنورہ، اسلام کے سفیر اول، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ قائم فرمائی۔ (الاصابہ، ج:۲،ص:۹۰، طبقات ابن سعد، ج:۳،ص:۴۴۹، اسد الغابہ، ج:۲،ص:۱۲۱)

حضرت ابوایوب کا خاندان: علامہ ذہبی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

https://alislami.net

آپ خزرجی، نجاری، بدری صحابی ہیں۔ (اپنے خاندان کے) بڑے سردار ہونے کے ساتھ خاندان بنونجار میں یہ شرف صرف آپ کو حاصل ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی قیام گاہ کے طور پر آپ کے گھر کو زینت بخشی۔ جب تک مسجد نبوی سے متصل امہات المؤمنین کے حجرے تعمیر نہ ہو گئے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہاں قیام پذیر رہے اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان کو رشک قدسیاں بنائے رکھا۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:۲،ص:۴۰۲)

خاندان مصطفیٰ سے قدیم مراسم: ڈاکٹر علی محمد صلابی اپنی کتاب السیرۃ النبویہ میں لکھتے ہیں:

خاندان بنونجار سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ننھیالی رشتہ تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کی والدہ اسی خاندان کی شہزادی تھیں۔ (حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پردادا) حضرت ہاشم نے سلمیٰ بنت عمرو سے نکاح کیا تھا اور عمرو خاندانِ بنونجار کے چشم و چراغ تھے۔ (السیرۃ النبویۃ، عرض وقائع وتحلیل احداث، ج:۱،ص:۲۶۴)

اب ہم خاندانِ مصطفیٰ سے خاندان بنونجار کے قدیم تعلقات کو پیر کرم شاہ الازہری کی زبانی قدرے تفصیل سے بیان کر رہے ہیں، آپ تحریر فرماتے ہیں:

عبد مناف کے چار بیٹے تھے۔ سب سے بڑے کا نام ''ہاشم'' تھا۔ سب سے چھوٹے کا نام ''مطلب'' تھا۔ ہاشم تجارت کے لیے ملک شام جارہے تھے۔ راستے میں ان کا گزر یثرب کی بستی سے ہوا، عمرو بن لبید خزرجی جو خانوادۂ بنی نجار کے سردار تھے، ان کے ہاں چند روز کے لیے ٹھہرے، اس اثناء میں عمرو کی بیٹی سلمیٰ کو دیکھا، ہاشم نے اس کا رشتہ اس کے باپ سے طلب کیا، عمرو نے بڑی خوشی سے اپنی بچی کا رشتہ مکہ کے قریشی سردار ہاشم کو دینا منظور کر لیا، شادی طے پائی لیکن رخصتی نہیں ہوئی، البتہ عمرو نے یہ شرط لگائی کہ جب اس کی بچی کے یہاں اولاد پیدا ہونے کا وقت آئے گا تو وہ بچہ بچی اپنے گھر میں جنے گی، ہاشم اپنے کاروبار کے سلسلہ میں ملک شام کو روانہ ہو گئے، اپنی کاروباری مصروفیتوں سے فارغ

ہونے کے بعد واپسی پر اپنے سسرال آئے، عمرو نے اپنی بیٹی کو رخصت کیا، آپ اسے لے کر مکہ پہنچے، کچھ عرصہ وہاں رہے، وہ حاملہ ہو گئیں، جب بچے کی پیدائش کا وقت قریب آ گیا تو حسب وعدہ آپ نے اپنی زوجہ کو اس کے باپ کے پاس یثرب بھیج دیا، جب مولود مسعود پیدا ہوا تو اس کے سر کے بالوں میں چند سفید بال تھے، اس لیے ان کا نام شیبہ (بوڑھا) تجویز ہوا، ہاشم پھر تجارتی کارواں کے ہمراہ شام گئے، وہاں ہی داعی اجل کو لبیک کہا۔ شیبہ اوران کی والدہ سلمٰی یثرب میں ہی رہ گئیں، سات سال کا عرصہ گزر گیا، اتفاقاً بنو حرث بن عبد مناف کا ایک آدمی یثرب سے گزرا، اس نے وہاں کمسن بچوں کو نشانہ بازی کرتے دیکھا، ایک بچہ جب اس کا تیر نشانہ پر جا لگتا تو بڑی مسرت اور فخر سے نعرہ لگاتا "انا ابن هاشم انا ابن سيد البطحاء" یعنی میں ہی ہاشم کا فرزند ہوں میں بطحا کی وادی کے سردار کا بیٹا ہوں، جب وہ شخص مکہ واپس آیا تو مطلب کے پاس گیا، وہ اس وقت حجر میں مجلس جمائے بیٹھے تھے، اس نے انہیں سارا واقعہ کہہ سنایا اور کہا: یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ ہاشم کا بیٹا غریب الوطنی کی زندگی بسر کرتا رہے، جاؤ! اور اسے ضرور اپنے وطن واپس لاؤ، تاکہ اپنے خاندان کے بچوں میں پروان چڑھے، مطلب نے کہا کہ میں ابھی یثرب جا کر اپنے بھتیجے کو لے آتا ہوں، اس آدمی نے اس سفر کے لیے اپنی اونٹنی پیش کی، مطلب اس پر سوار ہوئے تیزی سے مسافت طے کرتے ہوئے یثرب پہنچے۔ صحیح قول یہی ہے کہ آپ نے اپنے بھائی کی بیوہ سلمٰی کو کہا کہ وہ بچے سمیت ان کے ہمراہ مکہ چلے تاکہ بچے کی صحیح ماحول میں مناسب تربیت اور پرورش ہو سکے، سلمٰی نے خود تو مکہ آنے سے انکار کر دیا لیکن اپنے بیٹے کے مستقبل کی خاطر بچے کو مکہ بھیجنے پر رضامند ہو گئیں، مطلب نے اپنے بھتیجے شیبہ کو اونٹنی پر اپنے پیچھے بٹھایا اور مکہ کے لیے روانہ ہو گئے، مکہ پہنچے تو دوپہر کا وقت تھا، بڑے بڑے رئیس اپنی اپنی مجلسیں جمائے بیٹھے تھے، جب مطلب ان کے پاس سے گزرے، انہوں نے پوچھا: یہ بچہ کون ہے؟ آپ نے جواب دیا: یہ میرا غلام ہے، گھر پہنچے، بیوی نے بچے کے بارے میں استفسار کیا تو اسے بھی یہی جواب دیا کہ یہ میرا غلام ہے، اس طرح شیبہ عبدالمطلب کے نام

https://alislami.net

سے مشہور ہو گئے پھر مطلب نے بچے کو نہلایا، نیا لباس پہنایا اور لوگوں کو بتایا کہ یہ میرے بڑے بھائی ہاشم کا لخت جگر ہے لیکن عبدالمطلب کے نام کو ایسی مقبولیت حاصل ہوئی کہ عمر بھر اسی نام سے پکارے جاتے رہے، شیبہ جوان کا اصلی نام تھا اس کی طرف کسی نے توجہ نہ دی، جب عبدالمطلب سن رشد کو پہنچے اور اپنی ذمہ داریاں نبھانے کے قابل ہو گیے تو آپ کے مشفق چچا مطلب نے آپ کے باپ کی جائیداد ان کے حوالے کر دی، نیز رفادہ، سقایہ وغیرہ مناصب جو ہاشم کے سپرد تھے وہ بھی ان کے حوالے کر دیے۔ (سیرۃ الرسول، ج:۱،ص:۴۴۵)

حضور کے والد بنو نجار کے مہمان بنے: پیر کرم شاہ ازہری لکھتے ہیں:

حضرت عبدالمطلب کے حالات میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ آپ کے والد گرامی حضرت ہاشم نے یثرب کے بنی نجار خاندان کے رئیس عمرو بن لبید کی صاحبزادی سلمٰی سے شادی کی، جس کے بطن سے شیبہ (عبدالمطلب) پیدا ہوئے، حضرت ہاشم ایک تجارتی سفر پر فلسطین گیے ہوئے تھے کہ غزہ کے مقام پر انتقال فرمایا اور یہ بھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت عبداللہ شادی کے بعد کچھ عرصہ مکہ میں رہے، پھر بغرض تجارت شام گئے، جب واپس لوٹے تو ان کا گزر یثرب سے ہوا، چند روز کے لیے اپنے والد حضرت عبدالمطلب کے ننہال میں قیام کیا، اسی اثناء میں وہ بیمار ہو گئے، آپ کے دوسرے ساتھیوں نے چند روز انتظار کیا لیکن جب آپ کی طبیعت نہ سنبھلی تو وہ لوگ مکہ روانہ ہو گئے لیکن آپ رک گئے کہ صحت درست ہو تو سفر اختیار کریں لیکن مشیت الٰہی کو کچھ اور ہی منظور تھا، آپ کی طبیعت بگڑتی چلی گئی یہاں تک کہ آپ نے یثرب میں ہی داعی اجل کو لبیک کہا، جب یہ جانکاہ خبر مکہ پہنچی ہوگی تو عبدالمطلب کے خاندان پر بجلی بن کر گری ہوگی، حضرت عبدالمطلب کو اپنے جواں سال اور فرخندہ فال لختِ جگر اور آپ کے بھائی بہنوں کو اپنے بلند اقبال اور خجستہ خصال بھائی کی وفات نے جس طرح تڑپایا ہوگا، اس کا با آسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے لیکن حضرت آمنہ کے معصوم دل پر اس جانکاہ صدمہ سے جو چوٹ لگی ہوگی، اس کے درد کا کون اندازہ لگا سکتا ہے؟ ابھی تو انہوں نے اپنے ماہ تمام کو جی بھر کے دیکھا بھی نہ تھا، کتنی

آرزوئیں زندہ درگور ہوگئی ہوں گی، کتنی امنگیں ادھوری رہ گئی ہوں گی؟ ایک کامیاب اور ہر نوع کی سعادتوں سے مالا مال زندگی بسر کرنے کے سارے حسین خواب چور چور ہو گئے ہوں گے، سیدہ کے قلب حزیں نے کتنا چاہا ہوگا کہ اڑ کر یثرب جائیں اور اس مٹی کے تودے کو دیکھیں اور اس کی خاک کو آنکھوں کا سرمہ بنائیں، جہاں ان کا قرار جاں استراحت فرما ہے، لیکن وہ امانت جس کا آپ کو امین بنایا گیا تھا اس کی حفاظت کے احساس نے ان کے دل ناصبور کو اپنے محبوب کی مرقد کی زیارت سے باز رکھا، یہاں تک کہ وہ نور حق محمد معصوم کے پیکر رعنا میں ظاہر ہوا، پھر حضور کی پرورش کا فرض اس شوق فراواں کی تکمیل میں حائل رہا، جب اس لخت جگر اور نور نظر کی عمر چھ سال ہوگئی اور آپ سات، آٹھ سال کی عمر کے بچوں سے بھی زیادہ توانا اور تندرست معلوم ہونے لگے اور غمزدہ ماں کو یقین ہو گیا کہ ان کے گلشن آرزو کا یہ گل رنگیں اب یثرب کے طویل اور کٹھن سفر کی صعوبتوں کو برداشت کرنے کے قابل ہو گیا ہے، تو انہوں نے اپنے سسر حضرت عبدالمطلب سے اپنی اس دیرینہ آرزو کا ذکر کیا اور اجازت چاہی کہ آپ یثرب جا کر اپنے دولہا کی قبر کی زیارت کریں جو انہیں اپنی ایک سہانی جھلک دکھا کر شب ہجر کی تاریکیوں کے حوالے کر کے ہمیشہ کے لیے ان سے بچھڑ گیا ہے، حضرت عبدالمطلب اپنی بہو کی اس درخواست کو مسترد نہ کر سکے اور یثرب جانے کی اجازت دے دی۔

حضور بچپن میں اپنی والدہ کے ساتھ بنونجار کے مہمان بنے: سیدہ آمنہ اپنے فرزند دلبند کو لے کر یثرب روانہ ہوئیں، ان کے ساتھ ان کی کنیز ام ایمن تھی، اس خوش بخت خاتون کا نام برکت تھا اور اس کا تعلق حبشہ سے تھا، یہ حضور کو اپنے والد سے ورثہ میں ملی تھی، یہ مختصر سا قافلہ حضور کے جدامجد حضرت عبدالمطلب کے ننہال بنوعدی بن نجار کے یہاں جا اترا اور ایک ماہ تک وہاں مقیم رہا، مہینہ بھر کے قیام کے دوران جو واقعات رونما ہوئے، سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہجرت کے بعد جب یہاں تشریف فرما ہوئے تو بسا اوقات حضور ان یادوں کو تازہ فرمایا کرتے تھے، جب اس مکان کو دیکھتے جہاں

اپنی پیاری ماں کے ساتھ رہائش فرمائی تھی تو فرماتے: ''اس مکان میں میں اپنی والدہ کے ساتھ اترا تھا اور میں نے بنی عدی بن نجار کے تالاب میں تیرنے میں مہارت حاصل کی تھی''۔

(السیرۃ النبویہ لزینی دحلان، ج:۱، ص:۶۵)

اس مختصر قیام کے دوران ایک یہودی نے مجھے دیکھا تو پوچھا: ''یا غلام ما اسمك'' اے بچے! تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے کہا: میرا نام احمد ہے، پھر اس نے میری پیٹھ کی طرف دیکھا، پھر میں نے اس کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''هذا نبی هذه الامة'' یہ اس امت کا نبی ہے، پھر وہ اپنے یہودی علما کے پاس گیا اور انہیں جا کر یہ بتایا، میری والدہ کو بھی اس کا پتہ چل گیا، ان کے دل میں یہود کی طرف سے طرح طرح کے اندیشے پیدا ہونے لگے، ام ایمن کہتی ہے کہ میں نے ان یہودیوں کو جو حضور کو دیکھنے کے لیے یکے بعد دیگرے آتے تھے یہ کہتے سنا: ''هو نبی هذه الامة وهذه دار هجرته'' کہ اس امت کے یہ نبی ہیں اور یہ جگہ ان کی دار ہجرت بنے گی، ان اندیشوں کے باعث حضرت آمنہ نے یہاں مزید ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا اور مکہ جانے کی تیاری شروع کر دی، ہم مدینہ سے روانہ ہوئے اور جب ابواء کے مقام پر پہنچے تو آپ کی طبیعت ناساز ہوگئی۔ ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں اسماء بنت رہم سے روایت کیا ہے: انہوں نے کہا کہ میری ماں حضرت آمنہ کی وفات کے وقت حاضر تھی، آپ نے اپنی بالین کے قریب اپنے فرزند کو دیکھا تو کچھ اشعار پڑھے ان کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے:

''میں نے جو خواب میں دیکھا ہے اگر وہ صحیح ہے تو آپ تمام لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجے جائیں گے۔

حل اور حرم سب جگہ آپ نبی ہوں گے، آپ کو آپ کے باپ ابراہیم کے دین اسلام پر مبعوث کیا جائے گا۔

میں آپ کو بتوں سے خدا کا واسطہ دے کر روکتی ہوں کہ آپ دوسری قوموں کے ساتھ مل کر ان کی دوستی نہ کریں۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا: ہر زندہ موت کا مزہ چکھے گا، ہر نئی چیز پرانی ہو جائے گی

اور ہر بڑی چیز فنا ہو جائے گی، میں تو مر رہی ہوں لیکن میرا ذکر ہمیشہ باقی رہے گا کیونکہ میں نے ایک پاکباز بچہ جنا ہے۔

علامہ زرقانی شرح مواہب اللدنیہ میں ان اشعار کو نقل کرنے کے بعد علامہ سیوطی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ یہ اشعار اس بات پر صراحتاً دلالت کرتے ہیں کہ حضرت آمنہ موحدہ تھیں، انہوں نے دین ابراہیمی کا ذکر کیا اور یہ بھی بتایا کہ آپ کا فرزند اسلام کے ساتھ اللہ کی طرف سے مبعوث ہوگا اور بتوں کی دوستی سے اپنے فرزند کو منع فرمایا۔ کیا یہی توحید نہیں؟ کیا ان عقائد کے علاوہ توحید کسی دوسری چیز کا نام ہے؟۔ (سیرت الرسول، ج:۲،ص:۷۵ تا۷۷)

حضور نے ابوایوب کے خاندان کو سب سے بہتر بتایا: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گروہ انصار سے غایت درجہ محبت فرماتے تھے، آپ کی یہ محبت تمام انصار کے لیے عام تھی، لیکن انصار کے بعض قبیلوں کی مدح سرائی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خاص طور پر فرمائی، ان میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبیلے کو یہ شرف حاصل ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے قبیلے کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''انصار میں سب سے بہتر قبیلہ بنونجار کا قبیلہ ہے''

ملاحظہ ہوں انصار کے لیے زبان رسالت سے نکلے ہوئے توصیفی کلمات:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: انصار میرا معدہ اور زنبیل ہے (میرے معتمد خاص اور پکے راز دار ہیں) اس حدیث پاک میں حضور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمام انصار کی تعریف فرمائی۔

دوسری حدیث پاک میں فرمایا: انصار کے گھرانوں میں سب سے بہتر بنونجار ہیں، پھر بنوعبدالاشہل پھر بنوالحارث پھر بنوساعدہ ہیں اور انصار کے تمام گھرانوں میں خیر ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب الفضائل باب فی خیر دور الانصار)

اس حدیث پاک میں بنونجار کا ذکر ہے، جو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبیلہ تھا، آپ اس قبیلے کے عظیم الشان سردار تھے، حضور نے صاف الفاظ میں فرمایا:

https://alislami.net

انصار کے گھرانوں میں سب سے بہتر بنونجار ہیں۔

خاندان ابوایوب کا ایک اور شرف: یوں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کے خاندان کے بارے میں جو فرمایا، اسے کچھ حد تک آپ پڑھ آئیں ہیں، پھر اسی خاندان کو آپ نے اپنی میزبانی کا شرف عطا فرمایا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس قبیلے کو تعمیر مسجد نبوی کے دوران ایک لازوال شرف اور بھی عطا فرمایا، وہ یہ کہ جب بنونجار کے نقیب حضرت اسعد بن زرارہ کا انتقال ہو گیا تو بنونجار حضور کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا: حضور ہمارے قبیلے کے کسی شخص کو نقیب متعین فرمادیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں خود بنونجار کا نقیب ہوں، لہٰذا کسی اور کو نقیب متعین کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، یہ سن کر بنو نجار کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہ رہا اور اس سعادت کو انہوں نے اپنے لیے ہمیشہ باعث افتخار سمجھا۔

(انساب الاشراف، ج:۱،ص:۲۵۰، عیون الاثر، ج:۱،ص:۳۱۵، تاریخ ابن خلدون، ج:۲،ص:۱۶)

مدینے میں صبح نور اور ابوایوب کا اسلام میں داخلہ: مدینۂ طیبہ میں جن نفوس قدسیہ نے سب سے پہلے دامن اسلام کے سایۂ رحمت میں اپنی جگہ بنائی وہ انصار کے چند افراد تھے، ان کے مبارک اسماء درج ذیل ہیں:

اسعد بن زرارہ، عوف بن حارث، رافع بن مالک، قطبہ بن عامر، عقبہ بن عامر اور جابر بن عبداللہ۔ ہم بڑے اختصار کے ساتھ ان حضرات کے اسلام قبول کرنے والے واقعے کو بیان کر رہے ہیں:

اعلان نبوت کے گیارہویں سال مدینۂ طیبہ کے مذکورہ بالا چھ افراد موسم حج میں مکۂ مکرمہ حاضر ہوئے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی عادت کے مطابق مکہ میں آئے، دور دراز کے قبائل کو دعوت حق پہنچانے کی غرض سے میدان منیٰ میں تشریف لائے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عقبہ کے پاس پہنچے تو وہاں مذکورہ حضرات سے ملاقات ہوئی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں اپنا تعارف کرایا اور دعوت حق پیش کی، قرآن سنایا اور اسلام کے بارے میں بتایا، یہ گروہ انصار مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ نشست و برخاست کی وجہ سے

https://alislami.net

حضور کے بارے میں کچھ باتیں اور علامتیں جانتا تھا، کیونکہ یہود مدینہ اپنی محفلوں میں نبی آخرالزماں کا تذکرہ کرتے اور کچھ علامتیں بیان کرتے تھے، اب حضور کی گفتگو سے انہیں یہ یقین ہوگیا کہ یہ وہی نبی ہیں جن کا تذکرہ آسمانی کتابوں میں موجود ہے، انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور بغیر تاخیر کیے ہوئے اسلام لے آئے، مدینۂ طیبہ کے مومنین کا یہ پہلا گروہ مکۂ مکرمہ سے مدینۂ طیبہ پہنچا اور اپنی قوم کو دعوت اسلام پیش کی، جس کو توفیق خداوندی نصیب ہوئی وہ ایمان لے آیا، ان کی دعوت پر بہت زیادہ لوگ ایمان تو نہ لا سکے لیکن ان کی زبان سے نکلے ہوئے پیغام کا چرچا انصار کے گھر گھر میں عام ہوگیا۔

بیعت عقبۂ اولیٰ: اگلے سال جو اعلان نبوت کا بارہواں سال تھا مدینۂ طیبہ سے ۱۲/افراد پر مشتمل انصار کا ایک قافلہ مکۂ مکرمہ پہنچا، جن میں پانچ افراد تو وہی تھے جو پچھلے سال حاضر بارگاہ ہوئے تھے۔ (ان چھ حضرات میں سے جابر بن عبداللہ حاضر نہ ہو سکے) باقی سات افراد پہلی مرتبہ حاضر ہوئے تھے، نو وارد افراد کے نام یہ ہیں:

معاذ بن حارث، ذکوان بن عبدقیس، عبادہ بن صامت، یزید بن ثعلبہ، عباس بن عبادہ، ابوالہیثم بن تیہان، عویم بن ساعدہ۔

یہ کل بارہ افراد تھے جنہوں نے عقبہ کے مقام پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیعت کی، اسی بیعت کو بیعت عقبۂ اولیٰ کہا جاتا ہے، پھر اہل مدینہ کی طلب پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر کو مدینۂ طیبہ روانہ فرمایا، تاکہ وہ ساکنین مدینہ کو دین سکھائیں اور قرآن پڑھائیں، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سفیر کی حیثیت سے مدینۂ طیبہ حاضر ہوئے تھے) نے اپنی ذمہ داری بحسن وخوبی انجام دی، اللہ تعالیٰ نے ان کی مساعی قبول فرمائیں اور مدینۂ طیبہ میں بہت سارے افراد دولت اسلام سے مالا مال ہو گئے۔

بیعت عقبۂ ثانیہ: اعلان نبوت کے تیرہویں سال حضرت مصعب بن عمیر کی کارکردگی میں انصار کے ستر مرد اور دو خواتین حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مکۂ

https://alislami.net

مکرمہ حاضر ہوئے، بعض روایات میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے والے انصار کی تعداد اس سے زیادہ بیان کی گئی ہے، چناچہ عیون الاثر کی روایت کے مطابق انصار کی تعداد پچھتر تھی، جن میں تہتر مرد اور دو عورتیں تھیں۔ (ج:۱،ص:۲۷۷)

ان خوش نصیبوں نے عقبہ کے پاس حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک دست پاک پر حفاظت ونصرت پر بیعت کی، اس بیعت کو تاریخ اسلام میں بیعت عقبۂ ثانیہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ علامہ محمد بن محمد المعروف بن سید الناس نے اس مقام پر اپنی کتاب عیون الاثر میں ان پچھتر حضرات کی فہرست، نام مع قبائل تحریر فرمائی ہے، قبیلۂ بنونجار کے افراد کا شمار کراتے ہوئے سب سے پہلا نام آپ نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تحریر فرمایا ہے، چنانچہ آپ لکھتے ہیں: ''ومن الخزرج ثم من بنی النجار ابو ایوب خالد بن زید بن کلیب۔'' (البدء والتاریخ، ج:۴،ص:۱۶۶، الطبقات الکبری، ج:۱،ص: ۱۷۱، عیون الاثر، ج:۱،ص:۲۷۸)

علامہ ابن سید الناس کے علاوہ کثیر مؤرخین نے حضرت ابوایوب کا ذکر کرتے ہوئے یہ الفاظ بیان فرمائے ہیں: ''شهد العقبة'' حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ عقبہ (ثانیہ) میں شریک ہوئے۔

(الاستیعاب، ج:۱،ص:۹۶، اسد الغابہ، ج:۲،ص:۱۲۱، الاصابہ، ج:۲،ص:۹۰)

مذکورہ بالا تفصیل سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار ان صحابۂ کرام میں ہے، جنہیں انصار میں سابقین اولین کہا جاتا ہے اور یہ کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کوششوں کے نتیجے میں اس وقت اسلام قبول فرمالیا تھا جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینۂ طیبہ کی جانب ہجرت بھی نہ فرمائی تھی۔

حضور کی ہجرت اور ابوایوب کی قسمت: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لائے، بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، حضور کا دیدار کیا اور حضور کے

https://alislami.net

دست مبارک پر بیعت کی، ان تمام فیروز بختیوں نے گو انہیں بعد الانبیاء کائنات کا سب سے بڑا اشرف، شرف صحابیت حاصل کرادیا تھا لیکن حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات کو ذکر ابد اور شہرت دوام جس چیز نے عطا فرمائی وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سفر ہجرت ہے کہ جس سفر کی بدولت حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور کی میزبانی کرنے کا شرف میسر آیا اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تاریخ اسلام کا ایک انمٹ حصہ ہو گئے لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس سفر کی کچھ تفصیلات پیش کی جائیں۔ سفر ہجرت کو پیر کرم شاہ ازہری نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ اپنی کتاب میں بیان کیا ہے، ہم انہیں کے بعض اقتباسات کو قارئین کی خدمت میں پیش کررہے ہیں:

سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبا میں تشریف آوری: اہل مدینہ کو جب سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مکہ سے روانگی کی اطلاع ملی، اسی دن سے ان کی آتش شوق بھڑک اٹھی، انتظار کے یہ لمحات انہیں قیامت سے زیادہ طویل نظر آنے لگے، مکۂ مکرمہ سے مدینۂ طیبہ کا فاصلہ عام طور پر بارہ دنوں میں طے ہوجاتا ہے، یہ بارہ دن تو انہوں نے بیقرار دلوں کو تسلی دیتے ہوئے گزار لیے لیکن اب ان کے صبر کا یہ پیمانہ لبریز ہو چکا تھا، وہ اجتماعی شکل میں اپنے آقا کے استقبال کے لیے مدینۂ طیبہ سے باہر ایک پتھریلے میدان میں جمع ہوجاتے اور سورج کے ڈھلنے تک انتظار کرتے، پھر مایوس ہوکر گھروں کو لوٹ جاتے، دن کے وقت سورج کی تپش ناقابل برداشت ہوتی ہے، گرم لو جسم کو جلائے دیتی ہے، اس لیے اہل عرب صحراؤں کو عبور کرنے کے لیے راتوں کو سفر کرتے ہیں تاکہ چاشت کے وقت تک اپنی منزل مقصود تک پہنچ جائیں، اگر ایسا نہ ہوسکے تو پھر دوپہر سے پہلے کسی سایہ دار درخت کے نیچے دن گزارتے ہیں، پھر جب رات آتی ہے تو سفر شروع کرتے ہیں، انصار مدینہ کا یہ معمول تھا کہ صبح سویرے استقبال کے لیے جمع ہوجاتے اور چاشت کے وقت تک انتظار کرتے ہیں، جب حضور کی تشریف آوری کا متوقع وقت گزر جاتا

https://alislami.net

تو گھروں کو لوٹ آتے، انتظار کا پہلا دن کرب میں اور آنے والی رات پہلو بدلتے بے چینی کی نذر ہوگئی۔

دوسرے دن علی الصبح وہ پھر اپنے محبوب کریم کے دیدار کے شوق میں نئے عزم کے ساتھ سراپا شوق بن کر استقبال کے لیے اسی پتھریلے میدان میں جمع ہوگئے، جوق در جوق، گروہ در گروہ، فرزندان اسلام وہاں انتظار کرتے رہے، یہاں تک کہ موسم گرما کے آفتاب نے دھوپ میں ٹھہرنا محال بنا دیا اور انہیں مجبوراً واپس آنا پڑا، بیم ورجا کی اس کیفیت میں دو دن گزر گئے لیکن وہ حبیب دلربا ابھی تک تشریف نہ لایا تھا۔ (السیرۃ النبویہ لزینی دحلان، ج:۱ص:۳۲۱)

تیسرے دن پھر وہ صبح کے وقت اپنے آقا کی راہ میں دل ونگاہ کو فرش راہ بنانے کے لیے اس میدان میں انتظار کرنے لگے، سورج ڈھلنے کے قریب ہوگیا، دیواروں کے سائے بھی سمٹ کر ختم ہوگئے، انہیں یقین ہوگیا کہ اس ماہ مبین کے طلوع ہونے کا بظاہر اب کوئی امکان نہیں رہا تو وہ آہستہ آہستہ گھروں کو لوٹنے لگے، یہاں تک کہ وہ میدان خالی ہوگیا، عین اس وقت ایک مختصر قافلہ ادھر آ رہا تھا، رحمت الٰہی اور عنایت ربانی اس پر سایہ فگن تھی، تقدس کا نورانی ہالہ ان کے گرد حلقہ زن تھا، لطف خداوندی رم جھم برس رہا تھا، اس وقت ایک یہودی اپنے کسی کام کے سلسلہ میں ایک اونچے ٹیلے پر کھڑا تھا، اس نے اس نور افشاں کارواں کو دیکھا تو پہچان گیا، جھٹ اس نے بلند آواز سے نعرہ لگایا جس سے یثرب کی ساری وادیاں گونج اٹھیں اور فضا میں خوشی ومسرت کی ایک لہر دوڑ گئی، اس نے بلند آواز سے کہا: ''یا بنی قیلة ھذا جدکم قد جاء'' ایک قبیلہ کے فرزندوں یہ ہے تمہارا بخت بیدار دیکھو، یہ تمہارے پاس آ گیا ہے۔ (قیلہ انصار کی ایک وادی کا نام تھا) جس کسی کے کان میں یہ آواز پہنچی وہ اپنے آقا کے دیدار اور استقبال کے لیے بھاگا ہوا چلا آ رہا تھا، اس اثنا میں حضور سرور کائنات اور حضرت صدیق کھجور کے ایک درخت کے سائے میں پہنچ گئے، اپنی اونٹنیوں کو بٹھایا اور ان سے اتر کر اس کھجور کے سایے میں تشریف فرما ہوگئے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی حضور کی آمد کے موقع پر انصار وفا اشعار کی مسرت

وشادمانی کا یوں بیان کرتے ہیں:

جب ٹیلے پر کھڑے ہو کر یہودی نے اعلان کیا ہے مسلمانوں تمہارا مقصد ومقصود تشریف لے آیا ہے، مسلمانوں میں مسرت وشادمانی کی ایک لہر دوڑ گئی، اپنے ہتھیاروں کو لیے ہوئے سرور کائنات کے استقبال کے لیے بھاگے چلے آرہے تھے، حرا کے میدان میں ملاقات کا شرف نصیب ہوا، ایک دوسرے کو مبارک بادیں دے رہے تھے، طرح طرح سے خوشیوں کا اظہار کر رہے تھے، جوان اور بچے، عورتیں اور مرد، چھوٹے اور بڑے سب نعرہ لگا رہے تھے ''جاء رسول الله، جاء نبی الله'' اللہ کے رسول تشریف لے آئے ہیں، اللہ کے نبی تشریف لے آئے ہیں۔ (مدارج النبوۃ، ج:۲،ص:۶۳)

حضرت انس فرماتے ہیں: میری عمر اس وقت آٹھ، نو سال کی تھی، یوں معلوم ہوتا تھا کہ ہمارے در و دیوار حضور کی طلعت زیبا کے انوار سے چمک رہے ہیں، گویا کہ سورج طلوع ہو گیا، حضرت ابوبکر حضور کریم کے ہم عمر تھے، بہت کم فرق تھا، اہل مدینہ کہتے ہیں کہ ہم میں سے اکثر نے حضور کو پہلے دیکھا نہ تھا اس لیے پہچاننے میں دقت ہو رہی تھی، چند لمحوں میں زائرین کی بھیڑ لگ گئی، حضرت ابوبکر نے لوگوں کی اس پریشانی کو بھانپ لیا، انہوں نے اٹھ کر حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اپنی چادر تان کر سایہ کر دیا، اس سے سب کو معلوم ہو گیا کہ مخدوم کون ہے اور خادم کون، آقا کون ہے اور غلام کون؟

(سبل الہدیٰ والرشاد، ج:۳،ص:۳۷۷)

جس بستی میں حضور نے نزول اجلال فرمایا، اس کا نام قبا تھا، مدینۂ طیبہ کے قریب ایک چھوٹی سی آبادی تھی، جہاں عمرو بن عوف کا قبیلہ آباد تھا، یہی وہ خوش بخت لوگ تھے جن کو اللہ کی راہ میں ہجرت کر کے آنے والے مسلمانوں کی میزبانی کا شرف نصیب ہوا تھا، یہی وہ بلند اقبال قبیلہ تھا جسے رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سفر ہجرت کی طویل اور پر خطر مسافت طے کرنے کے بعد استراحت فرمانے کے لیے منتخب فرمایا تھا، پل بھر میں پانچ سو کے قریب جاں نثار انصار کا ہجوم اکٹھا ہو گیا، سب نے عرض کی: ''انطلقا آمنین

مطاعین'' اپنی اونٹنیوں پر سوار ہو جائیں، بڑے اطمینان سے ہمارے ہاں تشریف لے چلیں، آپ یہاں امن وامان میں ہوں گے، ہم سب غلام آپ کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرتے رہیں گے۔ (سیرت ابن کثیر، ج:۲، ص:۲۶۹)

قبا میں رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کلثوم بن ہدم جو قبیلہ عمرو بن عوف کا ایک سردار تھا کہ گھر میں قیام فرمایا، بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ قبا میں حضور کے میزبان سعد بن خیثمہ تھے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ قبا میں حضور کا قیام تو کلثوم بن ہدم کے ہاں تھا لیکن جب لوگ ملاقات کے لیے جمع ہو جاتے تو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کلثوم کے مکان سے نکل کر حضرت سعد کی حویلی میں تشریف لے جاتے تھے، وہ کھلی حویلی تھی، نیز حضرت سعد کے بیوی بچے بھی نہ تھے، یہاں بے تکلفی اور آسانی سے سب زائرین سے ملاقات ہو سکتی تھی، پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ وہ مہاجرین جن کے ساتھ ان کے اہل وعیال نہیں ہوتے تھے وہ سب سعد کے مہمان بنا کرتے تھے، اسی وجہ سے ان کا گھر بیت العزاب کے نام سے مشہور تھا۔

مسجد قبا کی تعمیر: رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب تک قبا میں تشریف فرما رہے، ملاقات کرنے والوں، زیارت کرنے والوں اور دعوت حق سننے والوں کا تانتا بندھا رہا، سعادت مندروحیں اس چشمۂ صافی سے اپنے دلوں کی پیاس کو بجھاتی رہیں، چند روز قیام کے بعد سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یثرب کی پیاسی سرزمین کو سیراب کرنے کے لیے روانہ ہوئے، لیکن یہاں سے روانہ ہونے سے پہلے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دست اقدس سے اس بستی میں ایک عظیم الشان مسجد کی تعمیر فرمائی، اس مسجد کو مسجد قبا کہا جاتا ہے۔ (حضور نے قبا میں کتنے دن قیام فرمایا، اس کو ہم ان شاء اللہ عنقریب بیان کریں گے)

حضرت شموس بنت نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہا مسجد قبا کی تعمیر کا چشم دید حال بیان کرتی ہیں: میں نے اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی، جب حضور قبا میں تشریف لائے، یہاں اقامت فرمائی اور مسجد تعمیر کی، جب مسجد

https://alislami.net

قبا تعمیر ہو رہی تھی تو میں نے حضور کو دیکھا کہ حضور پتھر خود اٹھاتے تھے اور اس پتھر سے گرنے والی مٹی حضور کے چمکتے ہوئے شکم مبارک پر پڑتی تھی، حضور کی خدمت میں کوئی صحابی حاضر ہوتا اور عرض کرتا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ حضور پر قربان ہوں، یہ پتھر مجھے عطا فرمائیں، میں آپ کی طرف سے اٹھا کر لے جاؤں تو حضور فرماتے: ''لا، خذ مثلہ'' اسے رہنے دو، تم اس جیسا کوئی اور پتھر اٹھا کر لے جاؤ، یہاں تک کہ وہ مسجد پائے تکمیل تک پہنچی۔ یہ مسجد ایک ایسے میدان میں تعمیر کی گئی جہاں پہلے کھجوریں خشک کی جاتی تھیں اور یہ کلثوم بن ہدم حضور کے میزبان کی ملکیت تھی، انہوں نے زمین کا یہ ٹکڑا مسجد تعمیر کرنے کے لیے حضور کی خدمت میں پیش کیا، یہ پہلی مسجد تھی جسے ہجرت کے بعد سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعمیر کیا اور اس میں بھاری بھرکم پتھر اٹھا کر لائے اور اس کی تعمیر میں شریک ہوئے، یہی وہ مسجد ہے جس کے بارے میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی ''لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ۝۱۰۸'' البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے، پہلے دن سے وہ زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں، اس میں ایسے لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں صاف ستھرا رہنے کو اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے پاک صاف لوگوں سے۔

(سورۂ توبہ:۱۰۸)

اس آیت کا یہ مقصد نہیں کہ صرف یہ مسجد ہی ایسی ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے، اس کے علاوہ اور کوئی مسجد نہیں جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہو، بلکہ اس مسجد کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ آیت اس کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اس کے علاوہ بھی بے شمار مسجدیں ہیں جو اس کے بعد تعمیر ہوئیں اور ان کی بنیاد بھی تقوی پر رکھی گئی تھی جیسے مسجد نبوی اور دیگر مساجد۔

قبا میں مدت قیام: سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کتنے روز قبا میں قیام فرمایا، اس کے بارے میں علما سیرت وحدیث کے چار اقوال ہیں:

(۱) اولین سیرت نگار امام ابن اسحاق فرماتے ہیں: سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیر کے دن دوپہر کے فوراً بعد قبا میں تشریف فرما ہوئے۔ منگل، بدھ، جمعرات کو یہاں قیام فرمایا اور چوتھے روز جمعہ کے دن تک چاشت کے وقت یہاں سے عازم یثرب ہوئے۔

(۲) موسیٰ بن عقبہ نے قبا میں مدت قیام بائیس شب بتائی ہے۔

(۳) واقدی کے نزدیک یہ عرصہ چودہ روز ہے۔

(۴) لیکن سید المحدثین امام محمد بن اسماعیل البخاری نے اس کے بارے میں اپنی صحیح میں امام زہری اور حضرت عروہ کے واسطہ سے یہ روایت نقل کی ہے یعنی سرور انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دس شب سے چند روز زیادہ یہاں قیام فرمایا اور انہیں ایام میں مسجد قبا کی تعمیر پایۂ تکمیل تک پہنچی۔ (سیرت ابن کثیر، ج:۲، ص:۲۶۷)

مندرجہ بالا روایات میں سے سند کے اعتبار سے یہی روایت زیادہ قابل اعتماد ہے، حالات اور واقعات بھی اس کی تائید کرتے ہیں، مسجد تعمیر کرنے کے لیے جگہ کا تعین، عمارت کے لیے پتھروں کی فراہمی پھر اس کی تعمیر کی تکمیل، ان تمام کاموں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے اتنے دنوں کا صرف ہونا اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

قبا سے روانگی: نور دیدہ عاشقاں، راحت قلوب مشتاقاں، حبیب الرحمٰن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جتنے روز بھی قبا میں قیام فرما رہے، یثرب کے فرزندان اسلام صبح و شام ہر وقت شمع جمال مصطفوی پر پروانوں کی طرح تصدق ہوتے رہتے تھے، اللہ کے محبوب کے دیدار کا شوق کشاں کشاں انہیں یہاں لاتا، بے قرار دل اور بے چین آنکھیں اس جمال جہاں آرا کی زیارت میں ہمہ وقت محو رہتیں، یہ سب لوگ اس لمحے کے انتظار میں ماہی بے آب کی طرح تڑپا کرتے، جب ان کا ہادی و رہبر اپنے ورود مسعود سے ان کے قلب ہائے احزان کو منور فرمائے گا، ان کے مضطرب دلوں اور بے چین روحوں کی جھولیوں کو سچی اور ابدی مسرتوں سے معمور کرے گا، صرف انصار ہی اس ساعت ہمایوں کے لیے مضطرب نہ تھے بلکہ یثرب کے مکانوں کے درودیوار اس روئے انور کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے

قرار تھے اور اس بستی کے کوچہ و بازاران کے قدم ناز کو بوسہ دینے کے لیے بے چین تھے، طیبہ کے نخلستانوں کی بلند قامت کھجوریں جھوم جھوم کر اس شاہ والا تبار کی بلائیں لے رہی تھیں، آخر جمعۃ المبارک کی وہ صبح صادق طلوع ہوئی، ہر طرف نور ہی نور پھیل رہا تھا، ہر طرف اجالا ہی اجالا انسانیت کی شب تار کو روز روشن میں بدل رہا تھا، اندھیروں کا طلسم ٹوٹ رہا تھا، ظلمتوں کے دبیز پردے چاک ہو رہے تھے، اس نیر اعظم کی نورانی شعاعوں کی ہیبت سے ہر نوع کی تاریکیوں پر لرزا طاری تھا، ویسے تو ہر رات کے بعد ہمیشہ صبح طلوع ہوتی ہے اور ہر صبح کی روشنی زمین کے گوشے گوشے کو منور کرتی رہتی ہے لیکن آج کی صبح نرالی صبح تھی، اس کے اجالوں میں اتنی شوخی اور تابانی تھی کہ کوئی تاب نہیں لاسکتا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ''جس روز رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینۂ طیبہ میں نزول اجلال فرمایا، مدینہ کی ہر شے جگمگانے لگی تھی''۔ حضرت ابو خیثمہ کے فرزند فرماتے ہیں کہ ''میں اس روز وہاں موجود تھا جس روز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شہر مدینہ میں قدم رنجہ فرمایا، میں نے آج تک کوئی ایسا دن نہیں دیکھا جو اس روز سعید سے زیادہ حسین ہو یا زیادہ روشن ہو''۔ (سبل الہدیٰ والرشاد، ج:۳،ص:۳۸۶)

چند روز قبا کی بستی کو بقعۂ نور بنائے رکھنے کے بعد یمن و سعادت کا پیکر ہمایوں، خیرات و برکات کا قاسم کریم، نوع انسانی کا بخت بیدار، کائنات کی برکات کا من موہنا اور سجیلا دولہا، آج اس سرزمین کو عرش پایہ بنانے کے لیے روانہ ہو رہا تھا، جس کی خاک کے ذرے ازل سے اس کے پائے ناز کو بوسہ دینے کے لیے تڑپ رہے تھے، جس کی نسیم سحر کے جھونکے اس کی زلف عنبریں کو چومنے کے لیے دیوانہ وار سرگرداں رہا کرتے تھے، ان کچے مکانوں، کھجوروں کی شاخوں سے بنے ہوئے چھپروں جن کو آج تک غربت و افلاس نے جنم لینے والی محرومیوں نے اپنا گھر بنایا ہوا تھا، وہ فخر دودۂ آدم آج انہیں ایسی رونقیں بخشنے کے لیے تشریف لا رہا تھا، جن پر شاہ ایران کا قصر ابیض اور قیصر روم کے مر مریں محلات سو جان سے فدا ہونے والے تھے، چاشت کا وقت ہو گیا ہے، عرب کا سورج

https://alislami.net

اپنی جملہ تمازتوں کے ساتھ جلوہ فشاں ہے، یثرب کے سارے کلمہ گو اپنے آقا، اپنے ہادی اور اپنے نبی کو اپنے ہمراہ اپنی بستی میں لے جانے کے لیے جمع ہو رہے ہیں۔ جشن استقبال میں شرکت کرنے والے تمام حضرات نے بہترین لباس زیب تن کیے ہوئے ہیں، ہتھیار اپنے جسم پر سجائے ہوئے ہیں، خارہ شگاف شمشیروں کی چمک سے سورج شرما رہا ہے اور نیزوں کی سنانیں آسمان کی طرف اٹھی ہوئی ہیں، ان کی چمک اور تیزی سے اہل باطل کے جگر گداز ہو رہے ہیں، حبشہ کے سیاہ رنگ حبشی بھی اظہارِ مسرت میں کسی سے پیچھے نہ تھے، وہ اپنے آقا کے جلوے میں سرخوش وسرشار ہو کر اپنے ہتھیاروں سے جنگی کرتب دکھا رہے تھے، آج وہ کیوں کر خوش نہ ہوتے، آج وہ تشریف لا رہا ہے جس کے قدموں کی خاک نے ان کی کالی رنگت کو وہ ملاحتیں بخش دی تھیں جن پر فردوس بریں کی حوریں بھی سو جان سے قربان ہونے لگی تھیں، اب انہیں کوئی ان کی سیاہ روئی کا طعنہ نہ دے سکے گا، ان کے موٹے ہونٹوں اور چھوٹی ناکوں کے باعث کوئی انہیں حقیر اور ذلیل نہ سمجھ سکے گا بلکہ امت مسلمہ کا امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم انہیں سیدنا بلال کہہ کر پکارے گا، جب مکہ فتح ہوگا، جب بیت اللہ شریف بتوں کی نجاستوں سے پاک کر دیا جائے گا، اس روز کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی توحید، کبریائی اور اس کے محبوب بندے کی رسالت اور شان مصطفائی کا اعلان کرنے کے لیے کسی عرب کو، کسی قریشی کو، کسی ہاشمی کو منتخب نہیں کیا جائے گا بلکہ اہل حبش کے ایک فرد کو نگاہ رسالت منتخب فرمائے گی اور اسے حکم دے گی: اے بلال! چڑھ جا کعبہ کی چھت پر اور اذان دے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ''جس روز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ شریف تشریف لائے، اس روز حضور کی یہاں آمد پر مسرت و شادمانی کا اظہار کرتے ہوئے حبشیوں نے اپنے ہتھیاروں کے ساتھ جنگی کرتب دکھائے''۔

اللہ تعالیٰ نے بڑی فیاضی سے اہل یثرب کو حسن و جمال کی نعمت ارزانی فرمائی ہے، لیکن آج تو ان کے شباب اور ان کی رعنائیوں کا رنگ ہی نرالا ہے، چاند ان کی طلعت زیبا کو دیکھ کر ماند پڑ گیا ہے اور شگفتہ پھول ان کے رخساروں کی رنگت کے سامنے شرمسار ہو

https://alislami.net

رہے ہیں، وہ خوش نصیب آج اللہ تعالیٰ کی شان تخلیق کے شاہکار کے حسن کے جلوؤں کے مشاہدے میں مستغرق ہیں، دلوں کے جام اس نازنین ازلی کی محبت کی شراب طہور سے لبالب بھرے ہیں، انہوں نے اپنے سینوں کو ہر قسم کی آلائشوں اور آلودگیوں سے پاک کر دیا ہے تا کہ ان کے کریم آقا کے دل آویز انوار کی جلوہ گاہ بن سکیں۔ آخر کار وہ سعید لمحہ آتا ہے جس کے انتظار میں عرصے سے وہ دیدہ و دل فرش راہ کیے ہوئے ہیں، قصوی نامی ناقہ پیش کی جاتی ہے، جس پر ایک سادہ سا پالان کسا ہوا ہے، مرکب کون و مکان کا یکتا شہسوار رکاب میں قدم مبارک رکھ کر اس پالان پر جلوہ فرما ہے، گلشن ہستی پر بہار آجاتی ہے، ہر طرف عید کا سماں ہے، نبض ہستی کو نئی جولانیاں بخش دی گئی ہیں، نسیم رحمت کے جھونکے دلوں کے غنچوں کو شگفتہ پھول بنا رہے ہیں، اپنے آقا کو یوں سوار دیکھ کر دل و جاں نثار کرنے والے غلاموں پر کیف و مستی کا ایک عجیب سماں طاری ہوجاتا ہے، اچانک نعرے بلند ہونے لگتے ہیں: ''الله اكبر قد جاءنا رسول الله، الله اكبر جاء محمد، الله اكبر جاء محمد، الله اكبر جاء رسول الله'' ان پر جوش نعروں سے ساری فضا گونج اٹھتی ہے، باطل و طاغوت کے پرستاروں کے دل پھٹنے لگتے ہیں، اصنام و اوثان کے پجاریوں کے گھروں میں صف ماتم بچھ جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے محبوب نبی کی رسالت کے نعروں سے حق کا پرچم بلند ہوجاتا ہے۔ جاں نثاروں کا بے پناہ جوم ہے، گلیوں میں تل دھرنے کی جگہ نہیں، اردگرد کے مکان اور ان کی چھتیں شوق دیدار میں بے خود اور بے قابو ہونے والوں سے بھری ہوئی ہیں، بچے، جوان، بوڑھے، کمسن بچیاں اور پردہ دار خواتین کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوئے ہیں، معصوم بچیاں اور اوس وخزرج کی عفت شعار دوشیزائیں دفیں بجا بجا کر دل و جان سے محبوب تر اور عزیز تر اپنے مہمان کو ان اشعار سے خوش آمدید کہہ رہی ہیں:

طلع البدر علینامن ثنیات الوداع
وجب الشکر علینامادعا لله داع
ایها المبعوث فینا جئت بالامر المطاع

ثنیۃ الوداع (وہ چوٹی جہاں مہمانوں کو الوداع کی جاتی ہے) سے چودھویں کے چاند نے ہم پر طلوع فرمایا ہے۔

جب تک اللہ تعالیٰ کو پکارنے والا اس کو پکارتا رہے گا ہم پر لازم ہے کہ ہم اس نعمت کا شکر ادا کرتے رہیں۔

اے ہمارے پاس نبی بن کر تشریف لانے والے! آپ اس طرح تشریف لے آئے ہیں کہ آپ کے ہر حکم کی اطاعت کی جائے گی۔

ہر لحظہ ہجوم بڑھتا چلا جا رہا ہے قصوی کے لیے چلنا دشوار ہو رہا ہے گویا اس کے کانوں میں کوئی یہ کہہ رہا ہے:

قدم اے راہرو آہستہ تر نہ چو ماہر ذرہ او دردمنداست

اس مرکب ہمایونی کو حرکت میں آئے کافی وقت گزر گیا ہے لیکن بمشکل چند فرلانگ کا فاصلہ طے ہوا، اہل صدق وصفا ارباب عشق ووفا کا یہ قافلہ اپنے مرشد ورہبر اپنے محبوب و دلبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قیادت میں بنی سالم بن عمرو بن عوف کے محلہ میں جب پہنچا تو سورج ڈھل گیا تھا اور نماز جمعہ ادا کرنے کا وقت ہو گیا تھا، وہیں ایک کھلے میدان میں نماز جمعہ ادا کرنے کا حکم صادر ہوا، چند لمحوں میں صحابۂ کرام نے اپنی صفیں درست کر لیں، بصد ادب اور بہزار خضوع اپنے رب قدیر وکریم کی بارگاہِ صمدیت میں نماز ادا کرنے کے لیے بیٹھ گئے، افصح العرب والعجم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبۂ جمعہ ارشاد فرمایا، اس کی فصاحت و بلاغت نے سامعین پر وجد ومحویت کی ایک عجیب کیفیت طاری کر دی، سچے موتیوں سے زیادہ آبدار کلمات میں معانی ومعارف کے جو سمندر موجزن تھے انہوں نے دلوں کی دنیا بدل کر رکھ دی، اذہان کی سوچیں بدل گئیں، سود وزیاں فنا وبقا کے نئے معیاروں کی نقاب کشائی کر دی گئی، یہ پہلی نماز جمعہ تھی جو تمام انبیاء ورسل کے امام کی قیادت میں اوس وخزرج کے اہل ایمان اور جملہ مہاجرین کو ادا کرنے کی سعادت نصیب ہوئی، یہ جمعہ کا پہلا خطبہ تھا جو یثرب کے آزاد ماحول میں محسن انسانیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنی نوع انسان کو بادیۂ

ضلالت سے نکال کر راہ راست پر گامزن کرنے اور انہیں منزل مقصود تک پہنچانے کے لیے ارشاد فرمایا تھا۔

جس علاقے میں بنی سالم محلہ تھا، اس کا نام وادی رانونا تھا۔ یہاں کھلے میدان میں حضور سرور کائنات علیہ اطیب الصلوات واز کی التسلیمات نے پہلی نماز جمعہ ادا کی، وہاں بعد میں مسجد تعمیر ہوئی، وہ مسجد ''غبیب'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ نماز جمعہ سے فراغت کے بعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی ناقہ قصویٰ پر سوار ہوئے تو قبیلۂ بنی سالم کے چند حضرات خدمت اقدس میں حاضر ہوئے جن کی قیادت ان کے دو سردار حضرت عتبان بن مالک اور عباس بن نضلہ کر رہے تھے (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) اور آ کر گزارش کی ''یا رسول اللہ اقم عندنا فی العدد والعدۃ والمنعۃ'' یا رسول اللہ! ہمارے ہاں قیام فرمائیں، ہمارے قبیلہ کی تعداد بھی کافی ہے، ساز وسامان اور اسلحہ بھی وافر مقدار میں ہے اور ہم حضور کے دفاع کی بھی پوری طاقت رکھتے ہیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا: ''خلوا سبیلھا فانھا مامورۃ'' میری اونٹنی کا راستہ خالی کر دو، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے حکم مل چکا ہے، یہ حکم الٰہی کے مطابق ٹھہرے گی اپنے آقا کا ارشاد سن کر دلوں میں خلوص ومحبت کے جو طوفان اٹھ رہے تھے سہم گئے، کسی کو مزید اصرار کی ہمت نہ ہو سکی، سب نے سر تسلیم خم کر دیا اور اونٹنی کے لیے راستہ صاف کر دیا، وہ خوش بخت اونٹنی شہسوار میدان نبوت ورسالت کو اپنے اوپر اٹھائے خراماں خراماں اس منزل کی طرف روانہ ہوئی، جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے کی مستقل قیام گاہ بننے کے لیے چنا تھا، کیا سہانا منظر ہوگا؟ غریب پرور اور دل نواز آقا کی سواری آگے بڑھ رہی ہے، سراپا خلوص وایثار غلاموں کا جم غفیر اپنے آقا کے گرد حلقہ باندھے ہے، سارے راستے اور گلیاں بھری ہوئی ہیں، مکانوں کے صحن اور ان کی ساری چھتوں پر خواتین سراپا انتظار بنی، وارفتگی شوق میں ایک دوسرے سے پوچھ رہی ہیں:

''ایھم ھو ایھم ھو'' ہماری آنکھوں کا نور اور دلوں کا سرور کون سا ہے؟

چلتے چلتے یہ موکب ہمایوں بنی بیاضہ کے محلہ کے نواح میں پہنچتا ہے تو زیاد بن ولید

https://alislami.net

اورفروہ بن عمرو اپنے قبیلے کے چند چیدہ افراد کی معیت میں خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں: یا رسول اللہ! ہمارے ہاں تشریف رکھیے، ہمارے قبیلے کی تعداد بھی کافی ہے، جنگی ساز وسامان بھی وافر مقدار میں ہیں اور ہم حضور کے دفاع کی پوری طاقت رکھتے ہیں، سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں بھی ارشاد فرمایا: اس کا راستہ خالی کردو، اللہ تعالیٰ کی طرف اسے حکم مل چکا ہے، یہ حکم الٰہی کے مطابق قیام کرے گی، یہ لوگ بھی فرمان نبوت کے سامنے سر جھکا دیتے ہیں اور اونٹنی کے سامنے سے ہٹ جاتے ہیں۔ اس کے بعد یہ جلوس دار بنی ساعدہ کے پاس پہنچتا ہے، قبیلۂ بنو ساعدہ کے دو رئیس سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرو چند ہمراہیوں کے ساتھ حاضر خدمت ہو کر عرض کرتے ہیں: یا رسول اللہ! ہمارے پاس تشریف رکھیے ہمارے قبیلہ کے افراد کی تعداد بھی کافی ہے جنگی ساز وسامان بھی بکثرت ہے اور ہم حضور کا دفاع کرنے کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں، نبی اکرم نے ان کو بھی وہی جواب دیا کہ میری اونٹنی کا راستہ خالی کردو، وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ٹھہرے گی، وہ بھی سامنے سے ہٹ گئے اور اونٹنی نے چلنا شروع کیا۔ جب حضور بنو حارث بن خزرج کے علاقہ میں پہنچے تو سعد بن ربیع، خارجہ بن زید، عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بنو حارث کے دیگر افراد کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی، حضور علیہ السلام نے اپنا پہلا جواب دہرایا۔ انہوں نے بھی اپنی عقیدت ومحبت کے شدید تقاضوں کو حکم رسالت پر قربان کردیا اور راستہ خالی کردیا۔

یہ قافلہ چلتے چلتے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ننہال کے محلہ دار بنی عدی بن نجار میں پہنچا، جہاں بنو عدی بن نجار سکونت پذیر تھے، حضور کے جدامجد حضرت عبدالمطلب کی والدہ ماجدہ سلمیٰ بنت عمرو اسی خانوادہ کی خاتون تھیں، ان کی شادی حضرت ہاشم کے ساتھ ہوئی تھی، انہی کے شکم طاہر سے حضرت عبدالمطلب کی ولادت ہوئی تھی، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہاں پہنچے تو سلیط بن قیس اور اسیرہ بن خارجہ اپنی قوم کے افراد کے ساتھ حاضر خدمت ہو کر عرض پرداز ہوئے: یا رسول اللہ! اپنے ننہال کے پاس تشریف لائیے ان

کی تعداد بہت زیادہ ہے، ساز و سامان سے لیس ہے، قوت دفاع بھی زیادہ ہے، حضور نے ارشاد فرمایا: اس کا راستہ چھوڑ دو، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہے، وہ راستے سے ہٹ گئے ناقہ آگے رواں ہوئی۔ جب بنی مالک بن نجار کے محلہ میں پہنچی تو وہ اونٹنی اس جگہ بیٹھ گئی جہاں اب مسجد نبوی ہے، اس وقت وہ کھلا میدان تھا جہاں لوگ اپنی کھجوریں دھوپ میں خشک کیا کرتے تھے، یہ میدان بنونجار کے دو یتیموں سہل اور سہیل فرزندان عمرو کی ملکیت تھا، جب اونٹنی یہاں بیٹھی تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نیچے نہیں اترے اس کے اوپر ہی بیٹھے رہے، تھوڑی دیر کے بعد اونٹنی پھر کھڑی ہوگئی اور آگے چل دی، حضور نے اس کی مہار اس کی گردن پر ڈالی ہوئی تھی، حضور اسے کسی طرف موڑتے نہیں تھے چند قدم آگے چل کر اونٹنی خود بخود واپس مڑی اور جہاں پہلے بیٹھی تھی وہاں آ کر بیٹھ گئی، پھر اس نے جھرجھری لی در ماندہ ہو کر بیٹھ گئی اور گردن زمین پر ڈال دی۔ (سیرت ابن ہشام، ج:۲، ص:۱۱۲)

پل بھر میں بنونجار کی بچیاں دفیں لیے ہوئے یہ شعر گاتی ہوئی اپنے محبوب نبی اور جلیل القدر مہمان کو مرحبا اور خوش آمدید کہنے کے لیے اکٹھی ہوگئیں، وہ گا رہی تھیں: ہم بنو نجار کی بچیاں ہیں یا رسول اللہ! (فداك ابي و امي) آپ کتنے بہترین پڑوسی ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان بچیوں کا یہ محبت آگیں شعر سن کر ان سے پوچھا: کیا واقعی تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟

ہاں! بیشک یا رسول اللہ! ہم محبت کرتی ہیں۔

تو رحمت عالم نے ارشاد فرمایا: ''بخدا میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں، بخدا میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں، بخدا میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں۔ (سبل الہدیٰ والرشاد، ج:۳، ص:۳۹۰)

فخر آدم و بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں اپنی ناقہ سے اترے اور حضور نے چار مرتبہ یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی ''وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ۝۲۹ ''

اے میرے رب! اتار مجھے بابرکت منزل پر اور تو ہی سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔

اس وقت حضور پر نزول وحی کی کیفیت طاری ہوئی، کچھ دیر کے بعد یہ کیفیت ختم ہو

https://alislami.net

گئی، حضور نے فرمایا: یہ ہماری قیام گاہ ہے۔''ان شاء اللہ''

یہاں سب سے قریب حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر تھا، وہ آئے اور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سامان اٹھا کر اپنے گھر لے گئے، حضور نے اپنی رہائش کے لیے ان کے گھر کو ہی پسند فرمایا، اس طرح ارض وسما کے خالق و مالک کا حبیب و محبوب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا بڑے بڑے محلات کشادہ حویلیوں اور شاندار مکانات سے صرف نظر کرتا ہوا اپنے ایک درویش صفت غلام کے گھر کو اپنے قیام سے مشرف ومکرم فرماتا ہے۔

مبارک منزلے کاں خانہ را ماہے چنیں باشد
ہمایوں کشورے کاں عرصہ راشاہے چنیں باشد

انتخاب دار ابی ایوب انصاری کی وجہ: محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے قیام کے لیے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان کو کیوں پسند فرمایا؟ اس کے بارے میں اولین سیرت نگار ابن اسحاق نے اپنی تالیف ''المبتدا'' میں اور امام ابن ہشام نے ''التیجان'' میں اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ دمشق میں اور دیگر متعدد علما نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ میں تاریخ ابن عساکر کے حوالہ سے اس کا خلاصہ قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں:

تبع مکۂ مکرمہ میں خانہ کعبہ شریف کی زیارت کرنے کے بعد اور اسے غلاف پہنانے کے بعد اپنے لشکر جرار سمیت یثرب کی طرف روانہ ہوا، اس وقت یثرب ایک پانی کے چشمے کا نام تھا، جہاں کھیتی باڑی کا کوئی نام ونشان نہ تھا۔ تبع کے ہمراہ لشکر کے علاوہ صاحب کمال علما وحکما کا بھی ایک جمِ غفیر تھا جو اس نے مختلف علاقوں سے چن چن کر اکٹھے کیے تھے، یثرب پہنچ کر اس نے وہاں قیام کیا، ایک روز چار سو علما بادشاہ کے دروازہ پر آ کھڑے ہوئے اور گزارش کی کہ ہم اپنے شہروں کو چھوڑ کر ایک طویل عرصے سے جہاں پناہ کے ساتھ سفر کرتے رہے ہیں، اب ہم چاہتے ہیں کہ یہاں سکونت اختیار کریں، یہاں تک کہ ہمیں

https://alislami.net

موت آ جائے، بادشاہ نے وزیر کو بلایا اور کہا کہ ان کے حالات پر غور کرے اور وہ وجہ معلوم کرے جس کے باعث لوگوں نے میرے ساتھ چلنے کا عزم ترک کر دیا ہے حالانکہ مجھے ان کی سخت ضرورت ہے، وزیر ان کے پاس گیا، ان سب کو ایک جگہ جمع کیا اور بادشاہ نے اسے جو کہا تھا اس نے انہیں آگاہ کیا، انہوں نے وزیر کو کہا: تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ کعبہ کی عزت اور اس شہر کا شرف اس ہستی کی وجہ سے ہے جو یہاں ظہور پذیر ہوگی، ان کا نام نامی محمد ہوگا، حق کے امام ہوں گے، وہ صاحب قرآن، صاحب قبلہ اور صاحب لواء و منبر ہوں گے، وہ یہ اعلان کریں گے ''لا الہ الا اللہ'' ان کی پیدائش مکہ میں ہوگی، ان کی ہجرت گاہ یہ شہر بنے گا، پس خوشخبری ہے اس کے لیے جو ان کو پائے گا اور ان پر ایمان لے آئے گا، ہماری یہ آرزو ہے کہ ہم ان کی زیارت سے مشرف ہوں یا ہماری آنے والی نسلوں میں سے ہمارا کوئی بچہ ان کے زمانے کو پالے اور ان پر ایمان لے آئے، وزیر نے جب یہ بات سنی تو اس کے دل میں یہاں رہائش پذیر ہونے کا شوق پیدا ہوا، جب بادشاہ نے کوچ کرنے کا ارادہ کیا تو ان سب نے یک زبان ہو کر کہا: ہم یہاں سے ہرگز نہیں جائیں گے، ہم نے اس کی وجہ آپ کے وزیر کو تفصیل سے بتا دی ہے، بادشاہ نے وزیر کو بلا کر دریافت کیا، اس نے سارا ماجرا کہہ سنایا، بادشاہ سوچ میں پڑ گیا اس نے فیصلہ کیا کہ وہ ایک سال حضور کی آمد کے انتظار میں یہاں ٹھہرے گا، بادشاہ نے حکم دیا کہ ان چار سو علما کے لیے چار سو رہائشی مکانات تعمیر کیے جائیں، اس نے چار سو کنیزیں خریدیں انہیں آزاد کیا پھر ان کا نکاح ایک ایک عالم سے کر دیا، انہیں زر کثیر بخشا تا کہ وہ یہاں کے اخراجات آسانی سے برداشت کر سکیں، ایک خط لکھا جسے سونے کے ساتھ سربمہر کر دیا اور ان علما میں سے جو سب سے بڑا عالم تھا اس کے سپرد کیا اور اس سے التماس کیا کہ اگر اس کو حضور کی زیارت نصیب ہو تو یہ عریضہ وہ خود حضور کی بارگاہ میں پیش کرے ورنہ اپنی اولاد در اولاد کو وصیت کرتا جائے کہ جس کو وہ عہد سعید دیکھنا نصیب ہو اور رحمت عالم کی زیارت کا شرف میسر آئے تو وہ اس کا عریضہ بارگاہ رسالت میں پیش کرے، اس کے عریضے کے چند اہم فقرے یوں بیان کیے گئے ہیں:

''اے اللہ کے رسول! (محمد) میں آپ پر اور آپ کی کتاب پر ایمان لایا ہوں، جو اللہ تعالیٰ آپ پر نازل فرمائے گا، حضور کا دین قبول کیا ہے اور آپ کی سنت پر عمل کروں گا، آپ کے رب پر اور کائنات کے پروردگار پر ایمان لایا ہوں اور جو احکام شریعت آپ اللہ کی طرف سے لے آئیں گے ان پر محکم یقین رکھتا ہوں، اگر مجھے حضور کی زیارت نصیب ہو جائے تو یہ میری انتہائی خوش بختی ہوگی اور اگر میں زیارت کی سعادت سے بہرہ ور نہ ہوسکوں تو قیامت کے روز میری شفاعت فرمائیں اور مجھے فراموش نہ کیجئے، میں حضور کے ان فرماں بردار اور اطاعت گزار امتیوں سے ہوں جو حضور کی آمد سے پہلے حضور پر ایمان لائے تھے''

تبع کی وفات کے بعد پورے ایک ہزار سال گزر گئے تو حضور کی ولادت باسعادت ہوئی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب مکہ سے مدینۂ طیبہ ہجرت کی اور اہل یثرب کو پتہ چلا تو انہوں نے مشورہ کیا کہ اس خط کو حضور کی خدمت میں کیسے پہنچایا جائے ؟ حضرت عبدالرحمن بن عوف جو مکہ سے ہجرت کر کے یثرب پہنچ گئے تھے انہوں نے مشورہ دیا کہ وہ ایک قابل اعتبار شخص کا انتخاب کریں اور یہ خط دے کر حضور کی خدمت اقدس میں روانہ کریں، چنانچہ انہوں نے ایک زیرک آدمی جس کا نام ابولیلیٰ تھا اور انصار کے قبیلے میں سے تھا، اسے یہ خط دے کر بھیجا۔ اسے پرزور تاکید کی کہ اس خط کو بڑی حفاظت سے رکھے اور حضور کی خدمت میں پیش کرے، وہ روانہ ہوگیا، جب اثنائے سفر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبیلۂ سلیم کے ایک شخص کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے، وہاں پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور فرمایا: ''انت ابو لیلیٰ ''، تم ابولیلی ہو؟ اس نے عرض کی: ہاں! پھر حضور نے پوچھا: تبع اول شاہ یمن کا خط تمہارے پاس ہے؟ وہ یہ سن کر ششدر ہوگیا اور سراپا حیرت بن کر پوچھنے لگا: آپ کون ہیں؟ آپ جادوگر تو نہیں؟ حضور نے فرمایا: نہیں! بلکہ میں محمد ہوں (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ''ھات الکتاب'' وہ خط پیش کرو، اس نے اپنا سامان کھولا جس میں اس نے وہ خط چھپا کر رکھا ہوا تھا، اس کو حضور کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت ابوبکر نے یہ خط پڑھ کر سنایا، حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کا

خط سن کر تین بار فرمایا کہ میں اپنے نیک بھائی کو مرحبا کہتا ہوں، پھر حضور نے ابولیلی کو حکم دیا: وہ واپس یثرب چلا جائے اور وہاں کے لوگوں کو حضور کی آمد کے بارے میں آگاہ کرے۔

امام محمد بن یوسف الصالحی نے سبل الہدیٰ میں اس واقعے کو متعدد حوالوں سے نقل کیا ہے اور وہ اشعار بھی لکھے ہیں جو اس نے اپنے عریضے میں تحریر کیے تھے، آپ اشعار کا ترجمہ ملاحظہ کریں:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام اس اللہ کے رسول ہیں جو تمام روحوں کو پیدا کرنے والا ہے۔

اگر میری زندگی نے وفا کی اور میں نے حضور کا زمانہ پالیا تو میں حضور کا وزیر بنوں گا اور چچازاد بھائی کی طرح ہر موقع پر امداد کروں گا۔

میں تلوار کے ساتھ آپ کے دشمنوں سے جہاد کروں گا اور حضور کے سینے میں جو فکر و اندیشہ ہوگا اس کو دور کروں گا''

علامہ احمد بن زینی دحلان نے بھی السیرۃ النبویہ میں بعینہ یہ واقعہ لکھا ہے۔(سبل الہدیٰ والرشاد، ج:۳،ص:۳۹۰، السیرۃ النبویہ، ج:۱،ص:۳۲۶،بحوالہ سیرت الرسول، ج:۳،ص:۱۰۲ تا ۱۳۰ مختصراً)

تنبیہ: واضح ہو کہ پیر کرم شاہ ازہری نے اس طویل اقتباس کو جس مقصد کے لیے نقل کیا تھا، وہ پورے اقتباس میں کہیں حاصل نہ ہوسکا، ان کا مقصد ان کی لگائی گئی سرخی ''انتخاب دارابی ایوب انصاری کی وجہ'' سے خوب ظاہر ہے لیکن ہمارے قارئین پر یہ بات مخفی نہیں کہ وجہ پورے اقتباس میں کہیں مذکور نہیں، یا تو پیر صاحب کی توجہ ادھر سے ہٹ گئی یا پیر صاحب نے تو لکھا مگر کاتب صاحب نے اپنا کمال دکھاتے ہوئے اسے چھوڑ دیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم، بہرحال اب آپ وہ وجہ ملاحظہ کریں جس کے لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دارابی ایوب انصاری کو اپنی قیام گاہ کے لیے منتخب فرمایا۔

حضور اپنے ہی مکان میں ٹھہرے: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ مکان جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نزول اجلال فرمایا تھا، یہ ملک

تبع نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ہی بنوایا تھا، یہ مکان اس وقت بنوایا جب اسے اپنے علما کے ذریعے معلوم ہوا کہ حضور کی بعثت مکۂ مکرمہ میں ہوگی اور آپ سرزمین مدینۂ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائیں گے۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس عالم کی اولاد میں سے تھے جس نے تبع کو کعبے سے متعلق خیر کی نصیحت کی تھی، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اہل مدینہ ان علما کی اولاد میں سے تھے جو تبع کے بنوائے ہوئے گھروں میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انتظار میں رہے، اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جس مکان میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ٹھہرے وہ تبع بادشاہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ہی بنوایا تھا اور نسلاً بعد نسلٍ وراثت جاری ہوتے ہوئے اس وقت حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملکیت میں تھا، گویا حضور اپنے ہی مکان میں ٹھہرے۔ (تاریخ دمشق، ج:۱۱،ص: ۱۴، خلاصۃ الوفا باخبار المصطفیٰ، ج:۱،ص: ۵۴۹، شرف المصطفیٰ، ج:۱،ص: ۱۰۵، شرح الزرقانی علی المواہب، ج:۲،ص:۱۴۶)

علامہ عیسیٰ رضوی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: وہ مکان جو خاتم الانبیاء کے لیے بنایا گیا تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدم رنجہ فرمانے تک موجود رہا، کہتے ہیں کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ مکان جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد نزول اجلال فرمایا تھا یہ وہی مکان تھا۔ (سیرت مصطفیٰ جان رحمت، ج:۱،ص:۲۴۷)

ادب رسول میں میاں بیوی کا اضطراب: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر دو منزلہ تھا، جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان کو زینت بخشی اور ان کے گھر میں قیام کرنا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مکان کا بالا خانہ حضور کے لیے خالی کر دیا، اوپری منزل میں جس قدر گھر کا ساز وسامان تھا اس سب کو دوسری جگہ منتقل کر دیا، پھر بارگاہ رسالت میں عرض گزار ہوئے: حضور بالائی منزل میں آرام فرمائیں، میری تمنا ہے کہ آقا اوپر قیام فرمائیں اور خدام نیچے رہیں، لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

اپنے لیے گھر کے نچلے حصے کو پسند فرمایا، حضور کے حکم پر عمل کرتے ہوئے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے آقا کی رہائش کا انتظام گھر کی نچلی منزل (گراؤنڈ فلور) میں کر دیا۔ اپنی بساط کے مطابق سکونت کے تمام بندوبست درست کر دیے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی مرضی کے مطابق گھر کی پہلی منزل میں قیام پذیر ہو گئے، دن ڈھلا شام آئی اور پھر رات کا ایک حصہ گزرنے کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے بستر ناز پر محو استراحت ہوئے، حضور کے آرام کرنے پر مطمئن ہو کر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی وفا شعار شریکۂ حیات خود آرام کرنے کے لیے اپنے گھر کے بالا خانہ پر چڑھ گئے، جیسے ہی بالا خانہ کا دروازہ بند کیا کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی اہلیہ کو ''ويحك ماذا صنعنا'' (ہائے تباہی میں نے یہ کیا کیا) کہہ کر سخت انداز میں تنبیہ کی اور آگے بہت کچھ کہتے چلے گئے، کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نیچے رہیں؟ کیا ہم لوگ حضور کے اوپر رہیں گے؟ کیا حضور کے سر کے اوپر چلیں گے؟ کیا ہم وحی اور مہبط وحی کے درمیان حائل رہیں گے؟ پھر تو ہم ہلاک ہو جائیں گے۔ ابوایوب خود تو حیران تھے ہی آپ کے ان جملوں نے زوجۂ محترمہ ام ایوب کو بھی تصویر حیرت بنا ڈالا، دونوں میاں بیوی حیرت کی اس چوٹی پر کھڑے تھے کہ جہاں سے کچھ نظر نہیں آتا تھا، کہ آخر وہ کیا کریں جو انہیں اس ورطۂ حیرت سے نجات عطا کر دے، تائید غیبی نے کچھ رہنمائی فرمائی تو قدرے سکون کی ایک راہ نظر آئی اور وہ یہ کہ اپنے وجود اور اس کی تمام تر ضروریات کو بالا خانہ کے اس حصے میں محدود کر دیں کہ جس کے ٹھیک نیچے ذات رحمت عالمیاں کے موجود ہونے کا وہم و گمان بھی نہ ہو اور جس وقت میاں بیوی کے لیے بالا خانہ پر چلنا ناگزیر ہو تو صرف بالا خانہ کے کناروں کا استعمال کیا جائے، وسط مکان کی جانب ہرگز قدم نہ بڑھایا جائے، اسی منصوبے پر عمل کرتے ہوئے میاں بیوی نے رات گزاری، صبح ہوئی تو جان میں جان آئی، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! پوری رات نہ تو میرا پلک جھپکا اور نہ ام ایوب کی آنکھ بند ہوئی، رحمت عالم نے

https://alislami.net

پوچھا: ''ومم ذاك يا ابا ايوب'' اے ابوایوب! ایسا کیوں ہوا کہ تم دونوں ایک لمحہ بھی نہ سو سکے؟ حضور کے سوال پر حضرت ابوایوب نے حال دل بتانا شروع کیا: یارسول اللہ! یہ خیال ہمارے لیے سوہان روح تھا، کیا ہم اس گھر کی چھت پر چڑھے ہوئے ہیں جس کے نیچے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں؟ ہم چھت پر چلیں گے ہمارے چلنے پھرنے سے غبار اڑے گا جو حضور کے جسم نازتک پہنچے گا اور اس سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تکلیف ہوگی اور یہ کہ ہم کہیں نزول وحی اور صاحب وحی کے بیچ میں حائل تو نہیں ہو گئے ہیں، بس انہیں خیالات نے پلک جھپکنے دیا نہ آنکھ لگنے دی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابوایوب! ان خیالات کو ترک کر کے اپنے آپ کو ہلکا کرلو، میرے لیے مکان کی پہلی منزل میں رہنا دوسری منزل کی بنسبت آسان ہے کیونکہ میرے پاس ملنے جلنے والوں کی بھیڑ بھاڑ ہوتی ہے لہٰذا نچلی منزل میں قیام کرنا میرے لیے زیادہ مناسب ہے۔ (صورمن حیاۃ الصحابہ، ص: ٦٩، دلائل النبوۃ للبیہقی، ج: ٢، ص: ٥٠١، مسلم، حدیث: ٥٤٧٩، سیرت ابن ہشام، ج: ١، ص: ٤٩٨، السیرۃ الحلبیہ، ج: ٢، ص: ٢٧٦، الروض الانف، ج: ٢، ص: ٣٤٠، القول المبین فی بیان منزلہ رسول رب العالمین، ص: ١٤١)

حضور کے آرام کے لیے ٹھنڈی رات برداشت: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنے دل کا اضطراب بیان کر چکے تھے کہ انہیں اس گھر کی چھت پر رہنا پسند نہیں، جس کے نیچے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما ہوں، مگر آقا نے فرمادیا کہ ابوایوب! فکر نہ کرو اور تم اوپر ہی رہو کیونکہ میرے لیے لوگوں سے ملنے میں آسانی اسی میں ہے کہ میں مکان کی نچلی منزل میں قیام کروں۔ ''الامر فوق الادب'' پر عمل کرتے ہوئے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی اہلیہ بالا خانہ میں رہنے لگے، اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھیے ایک عجیب معاملہ پیش آ گیا، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی زوجہ کے ساتھ ایک سرد رات میں بالا خانہ پر موجود تھے کہ وہاں پر رکھا ہوا پانی کا گھڑا اچانک ٹوٹ گیا، پانی کا گھڑا ٹوٹا تو پانی

https://alislami.net

بالا خانے میں بہہ گیا، چھت کچی ہونے کے سبب حضرت ابو ایوب اور ان کی اہلیہ کو بڑا صدمہ ہوا اور اس خطرے سے گھبرا گئے کہ کہیں پانی کی کوئی بوند حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوپر گرے جس سے حضور کے آرام میں خلل واقع ہو جائے، میاں بیوی نے پانی کو جذب کرنے کی ترکیب پر غور کیا تو اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ مخمل کا وہ ٹکڑا جسے دونوں نے لحاف بنا کر اوڑھ رکھا تھا، اسی میں پانی جذب کر کے چھت کو سکھایا جائے بغیر ایک لمحے کی دیر کیے ہوئے اپنے اسی لحاف سے پانی خشک کرنا شروع کیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں کامیابی عطا فرمائی، پانی خشک ہو گیا لیکن لحاف بھیگ گیا، لحاف بھیگ جانے کی وجہ سے اوڑھنے کے کام کا نہ رہا، چنانچہ پوری رات ٹھنڈ میں ٹھٹھرتے ہوئے گزار دی لیکن حضور کے آرام میں خلل نہ پیدا ہونے دیا۔ تعظیم رسول، ادب رسول، احترام رسول اور محبت رسول کے یہ نمونے تاریخ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے سوا اور کہاں؟ اس بار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درخواست قبول فرمالی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی قیام گاہ کے طور پر بالا خانے کو پسند فرمالیا لہٰذا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گھر کی بالائی منزل میں قیام پذیر ہو گئے، جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالا خانے میں رہائش پذیر ہو گئے تب جا کر حضرت ابوایوب اور ان کی زوجہ ام ایوب کے بے چین دل کو قرار آیا۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ، ص:۶۹، سیرت ابن ہشام، ج:۱، ص:۴۹۸، الروض الانف، ج:۲، ص:۳۴۰، السیرۃ الحلبیہ، ج:۲، ص:۲۷۶)

حضرت ابوایوب انصاری کے بعد وہ مکان جہاں حضور ٹھہرے: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نزول اجلال فرمایا اور آپ کی سکونت کی وجہ سے وہ رشک عرش وعرشیاں بن گیا، وہ مکان حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد آپ کے آزاد کردہ غلام حضرت افلح کے قبضے میں آیا تو پھر افلح سے اس مبارک مکان کو حضرت مغیرہ بن عبدالرحمن بن حارث نے ایک ہزار دینار کے بدلے خرید لیا اور اس کی دیواریں وغیرہ جو قابل مرمت ہو چکی تھیں اس

https://alislami.net

کی آپ نے مرمت کرائی لیکن چھت میں کوئی بدلاؤ نہ کیا پھر اسے مدینۂ منورہ کے ضرورت مندوں کے لیے ہبہ کردیا۔ (السیرۃ النبویہ علی ضوء القرآن والسنہ، ج:۲، ص:۷۲، امتاع الاسماع، ج:۹، ص:۲۰۰، الروض الانف، ج:۲، ص:۲۷۹)

الروض الانف کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہ مکان تبع اول نے حضور کے لیے بنایا تھا پھر اس میں لوگوں کی ملکیت تبدیل ہوتی رہی، یہاں تک کہ اس کو ملک مظفر شہاب الدین غازی نے خرید لیا، پھر سلطان نے اس جگہ پر ایسا مدرسہ قائم کیا جس میں چاروں مذاہب کی تعلیم دی جاتی تھی۔ (حاشیہ الروض الانف)

موجودہ وقت کی اگر بات کریں تو مدینۂ طیبہ کے زائرین اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ مسجد نبوی کی توسیع بہت زیادہ کردی گئی ہے لہٰذا اب اس مبارک جگہ کو مسجد نبوی شریف میں شامل کرلیا گیا ہے۔

برکت کے حصول کیلئے وہیں سے کھاتے جہاں سے حضور نے کھایا ہوتا:

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قسمت میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا میزبان ہونا لکھ دیا تھا، لہٰذا جہاں ان کے حصے میں یہ سعادت آئی کہ حضور نے ان کے گھر کو رونق بخشی اور ایک مدت تک اس میں جلوہ بار رہے، کیا کہنا اس گھر کی قسمت کا جہاں جان عالمیاں محبوب رب العالمین جلوہ بار ہوں، آپ جدھر چل دیتے ہیں ادھر ہی منشئ رحمت کے قلم دان کا رخ ہوجاتا ہے۔

نعمتیں بانٹتا جس سمت وہ ذیشان گیا
ساتھ ہی منشئ رحمت کا قلمدان گیا

حضور جب وہاں جلوہ فرما رہے ہوں گے تو وہاں ملائکہ کے ورود، رحمت کی بارش اور قرآن کے نزول کی کیف آگیں لمحات کو کون بیان کرسکتا ہے؟ اب حضرت ابوایوب کی قسمت کا دوسرا رخ اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان کی عقیدت ومحبت اور عشق کی وارفتگی کا رنگ بھی ملاحظہ فرمائیے:

https://alislami.net

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کے گھر تشریف فرما تھے، اس لیے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کثرت کے ساتھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ضیافت کا موقع میسر آتا تھا، گو دیگر صحابۂ کرام بھی حضور کے لیے کھانا پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے تھے، اس سلسلے میں حضرت سعد بن عبادہ اور اسعد بن زرارہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

(سیرۃ الحلبیہ، ج:۲،ص:۲۷۷)

اب حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عشق کی جولانیت امام احمد بن حنبل اور امام مسلم کی روایت کردہ حدیث کی زبانی سنیے:

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے کھانا تیار کرتے اور حضور کو پیش کرتے تھے جب سرکار کا پس خوردہ (بچا ہوا) کھانا واپس آتا اور حضرت ابوایوب کے پاس لایا جاتا تو وہ پوچھتے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کس جانب سے کھایا تھا اور کس جگہ آپ کی انگلیاں لگی تھیں؟ پھر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھانے کو اسی جگہ سے کھاتے جہاں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگلیاں لگی تھیں۔ (مسند احمد، حدیث:۲۷۵۱۷، صحیح المسلم، حدیث:۷۹۵۴، کتاب الاشربہ، باب اباحۃ اکل الثوم)

حضور کی انگلیوں کے نشان کی تلاش کیوں: علامہ سہیلی نے امام ابن اسحاق کی سند سے الروض الانف میں روایت بیان فرمائی، جس میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود وجہ بھی بتائی کہ وہ اور ان کی اہلیہ کھانے میں حضور کی انگلیوں کے نشانات کیوں تلاش کیا کرتے تھے؟ روایت ملاحظہ ہو:

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے کھانا تیار کرتے، پھر کھانا حضور کی بارگاہ میں حاضر کرتے، جب حضور کا مابقیہ کھانا ہمارے پاس آتا تو میں اور میری اہلیہ ام ایوب اس جگہ کو تلاش کرتے جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہاتھ لگا ہوتا، پھر ہم اسی جگہ سے کھاتے ''نبتغی بذالك البركة'' ہمارا مقصود اس سے برکت حاصل کرنا ہوتا تھا۔ (الروض الانف، ج:۲،ص:۳۴۰)

یہ خود صحابیِ رسول کا بیان ہے کسی عالم نے ان کی بات کا مطلب اپنی طرف سے بیان نہیں فرمایا۔

نجدی حکومت کی رسول دشمنی: اس سے سعودیہ کی نجدی حکومت، حکومت کے کارندے اور اس کے زر خرید غلام مولویوں کو سبق لینا چاہیے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے جسم کو سراپا برکت بنا دیا ہے جس چیز کو یہ جسم بابرکت مس ہو جاتا ہے (لگ جاتا ہے) اسے بھی بابرکت بنا دیتا ہے، لیکن برا ہو نجدیہ کی رسول دشمنی کا کہ مدینۂ طیبہ میں اگر کوئی زائر، ان مقامات مبارکہ کو چوم لے جنہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کسی نہ کسی مرحلے میں کوئی نسبت رہی ہے تو نجدی ''البرکۃ فی الکعبۃ'' جیسے جملوں کی بوچھار کرتے ہوئے زائرِ مدینہ، عاشق رسول پر شرک وبدعت کے فتوؤں کی برسات کر دیتے ہیں:

خدا جب دین لیتا ہے تو عقلیں چھین لیتا ہے

ان کٹھ ملوں کو یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ قرآن کریم معراج کے بیان میں مسجد اقصیٰ کے تعلق سے فرمایا ہے ''اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَى الَّذِىْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ'' مسجد اقصیٰ کے اردگرد ہم نے برکت رکھی ہے۔

خلیفۂ اعلیٰ حضرت علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: (مسجد اقصیٰ کے اردگرد ہم نے برکت رکھی ہے) دینی بھی اور دنیوی بھی کہ وہ سرزمین پاک وحی کی جائے نزول اور انبیاء کی عبادت گاہ اور ان کی جائے قیام وقبلۂ عبادت ہے، اور کثرت انہار واشجار سے وہ زمین سرسبز وشاداب، میوؤں اور پھلوں کی کثرت سے بہترین عیش وراحت کا مقام ہے۔

قارئین غور فرمائیں! خدا کی قدرت سے مسجد اقصیٰ کے اردگرد کا خطہ تو بابرکت بن سکتا ہے بلکہ بن گیا، جیسا کہ قرآن کریم میں بیان فرمایا، لیکن نجدی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم سراپا بابرکت کو برکت والا ماننے کے لیے ہرگز تیار نہیں، اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب

https://alislami.net

فرمائے۔ ہاں عشاق رسول ضرور اس سرزمین کو گوہوارۂ رحمت و برکت یقین کرتے ہیں اور سو جان سے اس پر نثار ہوتے ہیں۔ عاشق مدینہ امام عشق و محبت مجدد دین و ملت امام اہلسنت اس خاک کی برکتوں کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہشت خلد آئیں وہاں کسبِ لطافت کو رضا چار دن برسے جہاں ابرِ بہاران عرب

بزرگوں کے آثار سے تبرک حاصل کرنا: علامہ غلام رسول سعیدی مسلم شریف کی مذکورہ حدیث (انگلیوں کے نشانات کی تلاش) کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پس خوردہ لایا جاتا تو وہ پوچھتے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگلیاں کس جگہ لگیں تھیں؟ اس سے حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کمال محبت ظاہر ہوتی ہے اور اس میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کا بھی ثبوت ہے۔

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابوایوب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ادب سے نچلی منزل میں آگئے اور حضور سے درخواست کی کہ آپ اوپر کی منزل میں آجائیں، اس سے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کمال ادب ظاہر ہوتا ہے، اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ مشائخ اور بزرگان دین کو اوپر کی منزل میں ٹھہرا کر خود نچلی منزل میں رہنا ادب کا تقاضا ہے۔ (شرح صحیح مسلم، ج:٦،ص:٣١٢)

پسند اور ناپسند کا معیار: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ کی طبیعتوں اور چاہتوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے محبوب کی طبیعت و چاہت کے تابع کر دیا تھا، انہیں ان امور کو بجالانے میں بڑی فرحت محسوس ہوتی تھی جنہیں رحمت عالمیاں نے انجام دیا ہو، جس چیز کے متعلق کوئی خبر مل جاتی تھی کہ یہ شے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ناپسند ہے تو خبر ملتے ہی وہ شے ان کی نظر میں بھی ناپسند ہو جاتی تھی، اگرچہ وہ پہلے اس کو پسند کرتے ہوں، اسی طرح اس کے خلاف بھی ہوتا تھا کہ اگر کوئی چیز انہیں پہلے پسند نہ تھی لیکن جب انہیں اس کے بارے میں یہ معلوم ہو گیا کہ یہ شے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پسند ہے بس حضور کی پسند کی

https://alislami.net

خبر ملتے ہی یہ شے اب صحابۂ کرام کے لیے بھی محبوب ہو جاتی تھی، اس دعوے کو دو حدیثوں کے ذریعے ثابت کریں گے، پہلی حدیث کا تعلق حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات سے اور دوسری حدیث اگرچہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات سے متعلق نہیں مگر اس کا ذکر ہمارے دعوے کو ثابت کرنے والا ہے، اس لیے اس کو بھی یہاں ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

جو آپ کو ناپسند ہے وہ مجھے بھی ناپسند: امام مسلم روایت فرماتے ہیں کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے کھانا تیار کرتے تھے، جب سرکار کا بچا ہوا کھانا ان کے پاس لایا جاتا تو وہ پوچھتے کہ حضور نے کس جانب سے کھایا تھا اور کس جگہ آپ کی انگلیاں لگیں تھیں؟ پھر وہ آپ کی انگلیوں کے لگنے کی جگہ سے کھاتے ، ۔ایک دن انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے کھانا تیار کیا، جس میں کچا لہسن پڑا ہوا تھا، جب وہ کھانا حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لوٹایا گیا تو انہوں نے دریافت کیا کہ اس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگلیاں کہاں لگی تھیں؟ تب حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتایا گیا کہ اس میں سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کھانا تناول نہیں فرمایا، یہ سن کر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھبرا گئے اور اوپر جا کر حضور سے عرض کیا: کیا یہ (لہسن) حرام ہے؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب دیا: (نہیں) لیکن میں اس کو ناپسند کرتا ہوں، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلاتوقف عرض کیا کہ حضور میں بھی اسے ناپسند کرتا ہوں جسے آپ ناپسند کرتے ہیں، اس حدیث کو کثیر محدثین نے روایت کیا ہے۔

(مسلم: ۵۴-۷۹، مسند احمد، حدیث: ۲۳-۵۱۷)

اس حدیث کا لطف حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول میں محسوس کریں کہ جو حضور کو ناپسند ہے وہ مجھے بھی ناپسند ہے۔ قارئین غور فرمائیں! لہسن حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پسند تھا اسی لیے تو اسے کھانے میں ڈالا گیا تھا

اور حضور کی بارگاہ میں پیش کیا گیا تھا لیکن جیسے ہی یہ پتہ چلا کہ کچا لہسن حضور کو ناپسند ہے تو بغیر کچھ سوچے ہوئے پکار اٹھے ''جو حضور کو ناپسند ہے وہ مجھے بھی ناپسند ہے'' حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی طبیعت کو حضور کی طبیعت پر قربان کر دیا اور لہسن کے ناپسند ہونے کا اعلان کر دیا۔

جو حضور کو پسند ہے وہ مجھے بھی پسند ہے: اب آپ دوسری حدیث ملاحظہ فرمائیں کہ

امام بخاری حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرماتے ہیں: ایک درزی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کھانے کی دعوت پیش کی، میں بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ گیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں روٹی اور ایسا شوربہ پیش کیا گیا جس میں کدو اور خشک کیا ہوا نمکین گوشت پڑا ہوا تھا، کھانے کے درمیان میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ پیالے کے کناروں سے کدو کے ٹکڑے تلاش کر رہے ہیں۔ حضرت انس فرماتے ہیں: ''فلم ازل احب الدباء من یومئذ'' پس اسی دن سے میں بھی کدو سے محبت کرنے لگا۔ (بخاری، کتاب الاطعمہ باب من تتبع حوالی القصعۃ)

اس حدیث کا آخری جملہ بتا رہا ہے کہ اس سے پہلے حضرت انس کو کدو پسند نہ تھا لیکن جب آج اپنی آنکھوں سے حضور کی محبت کدو کے ساتھ ملاحظہ کر لی بس بات ختم ہوگئی اور کدو ہمیشہ کے لیے حضرت انس کی پسند بن گیا۔ بے شک ہر عاشق رسول کا یہی حال ہوتا ہے۔

اس وقت تک کھانا نہیں کھاتے جب تک حضور نہ کھا لیتے: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر میں حد درجہ مبالغہ فرماتے، انہیں یہ بات بھی پسند نہ تھی کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے کھانا کھا لیں، وہ کھانا تیار کرا کر حضور کی بارگاہ میں بھیج دیتے، حضور تناول فرما کر واپس بھیجتے، تب حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کی انگلیوں کے نشانات دیکھ دیکھ کر وہیں سے کھانا کھاتے۔ (السیرۃ النبویۃ علی ضوء القران والسنہ، ج:۲، ص:۲۶)

ابوایوب کے گھر قیام کی مدت: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس وقت تک حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کو اپنے قیام سے زینت بخشی، جب تک مدینۂ طیبہ میں مسجد نبوی شریف اور اس کے ساتھ بعض حجرے تعمیر نہ ہو گئے، البتہ اس مدت کی تعیین میں مؤرخین کے درمیان اختلاف ہے کہ وہ مدت کتنے ماہ کی تھی۔ علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قیام کی مدت سات ماہ بیان فرمائی ہے۔ (ج:۲،ص:۱۵۴)

علامہ ابن حجر نے بھی اس قول کو فتح الباری میں بیان فرمایا ہے لیکن اس کے ساتھ ایک قول اور ذکر فرمایا ہے، جس سے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں آپ کے قیام کی مدت نو ماہ ہونا معلوم ہوتی ہے۔ (ج:۲،ص:۴۱۰)

علامہ حلبی نے السیرۃ الحلبیہ میں تحریر فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ربیع الاول شریف سے لے کر صفر المظفر تک حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر رونق افروز رہے اور یہ کل بارہ ماہ ہوتے ہیں، سات ماہ والے قول کو علامہ نے ضعف کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ (السیرۃ الحلبیہ، ج:۲،ص:۲۵۱)

غزوات میں شرکت: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جاں باز مجاہد تھے، اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا آپ کا محبوب مشغلہ تھا، اس لیے غزوات میں آپ کی شرکت مشہور و معروف ہے۔ اکثر مؤرخین نے اجمالی طور پر غزوات میں آپ کی شرکت کا بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے: آپ بدر و احد اور تمام غزوات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے۔ (اسد الغابہ، ج:۲،ص:۱۲۱، الاصابہ، ج:۲،ص:۹۰)

اس عبارت کا مطلب یہی ہے کہ آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہر غزوے میں شریک رہے، خواہ وہ بدر ہو یا احد، خیبر ہو کہ خندق، بیعت رضوان ہو یا صلح حدیبیہ، فتح مکہ کی حسین یادیں ہوں یا حنین کی سخت ترین ساعتیں، سب میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور جان عالمیاں کے ساتھ رہے۔ ڈاکٹر خالد نے آپ کے

غزوات کے سلسلے میں قدرے تفصیل سے لکھا ہے، ہم اس کا خلاصہ نظر قارئین کر رہے ہیں:

ڈاکٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں: قریش نے جس وقت سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف حملوں کا آغاز کیا، مدینۂ طیبہ کو جنگ و جدال کا ہدف بنایا اور شمع اسلام کو گل کرنے کی ناپاک کوشش کی، اس وقت سے ہی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے آپ کو ایک عظیم مجاہد کے قالب میں ڈھال لیا، بدر ہو یا احد یا خندق یا اس کے ماسوا غزوات ہر غزوے میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس شان کے ساتھ حاضر ہوئے کہ انہوں نے اپنی جان و مال کا سودا اللہ تبارک و تعالیٰ سے پہلے ہی کر دیا ہے، آپ کی یہ حالت صرف زمانۂ رسالت تک محدود نہ تھی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی وہ کسی بھی ایسے معرکے میں پیچھے نہ رہے جو مسلمانوں کے حق میں مقدر ہو چکا ہے، چاہے اس معرکے تک پہنچنے کے لیے بعد مسافت کے طویل سلسلے طے کرنے پڑے ہوں یا تکلیف و مشقت کے عظیم مراحل عبور کرنا پڑے ہوں۔ جہاد فی سبیل اللہ کے سلسلے میں ان کا ایک شعار تھا جسے وہ ہمیشہ تازہ کیے رہتے، شعار ایک عظیم نعرہ تھا جسے وہ دن رات بلند کرتے رہتے، وہ اس نعرے کو علانیہ بھی لگاتے اور اپنی تنہائیوں میں بھی گنگناتے تھے، ان کا یہ نعرہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا ایک ٹکڑا تھا ''انفرو خفافا وثقالا'' اس نعرے کے ذریعے وہ لوگوں سے کہنا چاہتے تھے ''تم اللہ تعالیٰ کے لیے اس کی راہ میں بڑھے چلو اور جہاد کے لیے نکلو چاہے تمہارے لیے آسانی ہو یا پریشانی، اہل و عیال کی کمی ہو یا زیادتی، اسلحہ کم ہوں یا زیادہ، سواریاں ہوں یا پیدل، کمزور ہو یا طاقتور، جوان ہو یا بوڑھے، مالدار ہو یا فقیر، کاموں سے فارغ ہو یا مصروف، اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا بس چلے چلو اور بڑھے چلو اور اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کرنے کی کوشش میں لگے رہو''۔ ڈاکٹر خالد کے مطابق زندگی میں صرف ایک موقع ایسا آیا جس میں وہ لشکر اسلام کے ساتھ شریک نہ رہ سکے۔

ہوا کچھ یوں کہ خلیفۂ وقت نے ایک نوجوان کو امیر لشکر متعین کر دیا، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس امارت سے مطمئن نہ تھے، لہٰذا وہ اس مرتبہ لشکر اسلام کے ساتھ نہ

رہے لیکن اپنے اس فیصلے پر ہمیشہ پشیماں رہے، اس واقعے پر افسوس کرتے ہوئے کہا کرتے تھے "ما علی من استعمله علی" جو بھی امیر متعین کیا جائے اس سے مجھ پر کیا فرق پڑتا ہے؟ مجھے اپنے کام میں لگا رہنا چاہیے، یہ واقعہ ان کی زندگی کا پہلا اور آخری واقعہ تھا، اس کے سوا وہ کبھی بھی کسی غزوے میں غیر حاضر نہ رہے۔ (رجال حول الرسول، ص:۲۹۹، سیر اعلام النبلاء، ج:۲، ص:۴۰۴)

جنگ خیبر اور ابوایوب انصاری: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جاں نثاری کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے اور یہ کہ وہ حضور کی ذات مقدس کو لے کر بہت فکرمند رہتے تھے، اگر ان کی دور اندیشی کو ادنیٰ سا خطرہ بھی نظر آتا تو اس کے دفاع کے لیے دل وجاں سے کوشاں ہو جاتے۔ اس سلسلے میں ہم غزوۂ خیبر سے واپسی کا ایک واقعہ نذر قارئین کر رہے ہیں:

جنگ خیبر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عظیم کامیابی نصیب فرمائی، پیر کرم شاہ ازہری لکھتے ہیں: سارے اسیران جنگ مرد وزن کو ایک جگہ جمع کیا گیا، ان میں صفیہ بھی تھیں جو اپنے صوری اور معنوی محاسن کے اعتبار سے سب سے ممتاز تھیں، یہ کنانہ بن ابی الحقیق کی زوجہ تھیں جو یہودیوں کا حکمراں تھا، نیز یہودیوں کے ایک دوسرے رئیس اعظم حی بن اخطب کی بیٹی تھیں، حضرت صفیہ حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھیں، سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس عالی مرتبت خاتون کو اپنے لیے منتخب فرما لیا پھر حضور نے انہیں اختیار دیا کہ اگر ان کی مرضی ہو تو حضور ان کو آزاد کر دیں اور وہ باقی ماندہ اپنے رشتے داروں کے پاس واپس چلی جائیں یا اسلام قبول کر لیں اور رحمت عالم انہیں اپنی زوجیت کا اعزاز عطا فرمائیں، حضرت صفیہ نے عرض کیا "اختار الله و رسوله" میں اللہ اور اس کے رسول کو پسند کرتی ہوں اور اپنے خاندان کے لوگوں کے پاس جانے کو تیار نہیں۔ (حضرت صفیہ کا پہلا نام زینب تھا رحمت عالم نے ان کا نام بدل کر صفیہ رکھا)۔

(تاریخ الخمیس، ج:۲، ص:۵۷، بحوالہ سیرت الرسول، ج:۴، ص:۲۴۵)

ابوایوب انصاری کی پاسبانی اور حضور کی خوشی: جس رات حضرت صفیہ

بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئیں اس رات حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پوری رات تلوار ہاتھ میں لیے حضور کے خیمے کے باہر پہرا دیتے رہے۔ صبح تڑکے جب حضور خیمے سے باہر تشریف لائے اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر حضور کے رخ زیبا پر پڑی آپ نے زور سے ''اللہ اکبر'' کہا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا: اے ابوایوب! کیا معاملہ ہے؟ عرض کیا: حضور! میں پوری رات سو نہ سکا، رحمت عالم نے پوچھا: ابوایوب! ایسا کیوں ہوا؟ غلام وفادار نے عرض کیا: حضور! آپ کی دلہن حضرت صفیہ نومسلم ہیں، ابھی ابھی اسلام میں داخل ہوئی ہیں اور اس جنگ میں مسلمانوں نے ان کے باپ بھائی شوہر کئی اقارب کو تہ تیغ کیا ہے، خدا کی قسم! مجھے خطرہ ہوا کہ کہیں یہ خاتون کوئی ناگوار حرکت نہ کر بیٹھے؟ رحمت عالم جاں نثار کا جواب سن کر مسکرائے، بہت خوش ہوئے اور دعاؤں سے نوازا، بارگاہ مولیٰ میں عرض کیا: ''اللّٰھم احفظ ابا ایوب کما بات یحفظنی'' اے اللہ! ابوایوب کو اپنی حفاظت نصیب فرما جیسے اس نے پوری رات میری حفاظت کی ہے۔ (تاریخ دمشق، ج:۱۶، ص:۴۶، الروض الانف، ج:۷، ص:۱۱۳، السیرۃ الحلبیہ، ج:۳، ص:۶۵، تاریخ الخمیس، ج:۲، ص:۷۵، دلائل النبوۃ للبیہقی، ج:۴، ص:۲۳۳)

حجۃ الوداع میں حضور کے ساتھ: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دس ہجری میں اپنا پہلا اور آخری حج ادا فرمایا اور عالم اسلام کو اس کی اطلاع بھی بھیج دی کہ اس سال رحمت عالم حج ادا فرمائیں گے، اس موقع پر تقریباً ایک لاکھ صحابۂ کرام نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا، ان میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے اعزاز میں غدیر خم پر جو جملہ ارشاد فرمایا تھا: ''من کنت مولاہ فعلی مولاہ'' میں جس کا مولا ہوں علی بھی اس کے مولا ہیں۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع سے واپسی کے سفر میں ارشاد فرمایا تھا اور یہ جملہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود سنا تھا، پس ثابت ہوگیا کہ حضرت ابو

ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس مبارک سفر میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ اب آپ وہ روایت ملاحظہ کرلیں جس میں ذکر ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جملہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سماعت کیا ہے۔ (شرح مشکل الآثار، ج: ۴، ص: ۲۱۴، باب بیان مشکل ماروی عن الرسول من قولہ یوم غدیر خم، سیرت الرسول، ج: ۴، ص: ۷۸۱)

(۱) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک جماعت نے ملاقات کی تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان الفاظ کے ساتھ سلام کیا ''السلام علیك یا مولانا'' اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ میں تمہارا مولیٰ کیوں کر ہوں؟ جب کہ تم عرب ہو، تو اس جماعت نے جواب دیا: ہم نے غدیر خم کے موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ''من کنت مولاہ فعلی مولاہ'' راوی حدیث حضرت ریاح کہتے ہیں کہ میں نے اس جماعت کے بارے میں پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ یہ جماعت حضرات انصار کی ہے اور اس میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے۔

(مسند احمد، حدیث: ۲۳۶۰۹)

(۲) الریاض النضرہ میں درج روایت اس سے بھی زیادہ واضح اور صریح ہے۔ اس روایت کو صاحب کتاب نے امام بغوی کے حوالے سے ذکر فرمایا ہے، اس حدیث کو امام طبرانی نے بھی اپنی معجم میں ذکر فرمایا ہے، حضرت ریاح ابن حارث فرماتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا: ''السلام علیك یا مولای'' پوچھا گیا: یہ کون صاحب ہیں؟ جو ان الفاظ کے ساتھ سلام کر رہے ہیں، معلوم ہوا کہ یہ صحابی رسول حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں سے فرمایا: ان کے لیے جگہ کشادہ کرو فوراً لوگوں نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے جگہ چھوڑ دی، اب حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے: جس کا میں مولا ہوں اس کے علی مولا ہیں۔ (الریاض النضرہ، ج: ۱، ص: ۲۵۰، المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث: ۴۰۵۲)

https://alislami.net

زمانۂ اختلاف میں حضرت علی کے ساتھ: جس زمانے میں امیر المومنین خلیفۃ المسلمین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان اختلافات اپنے شباب پر تھا اور دونوں گروہ آپس میں برسر پیکار تھے، حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم کے ساتھ نہ صرف مضبوطی کے ساتھ کھڑے تھے بلکہ وہ حضرت علی کی جانب سے تمام جنگوں میں شرکت بھی فرماتے تھے۔

(اسد الغابہ، ج:۲،ص:۱۲۲، الاستیعاب، ج:۱،ص:۱۹۷، رجال حول الرسول،ص:۳۰۰)

صلح کے بعد حضرت امیر معاویہ کے ساتھ: حضرت امام حسن سے صلح ہو جانے کے بعد جب حضرت امیر معاویہ کو خلیفۃ المسلمین تسلیم کرلیا گیا، اس وقت بھی آپ کا جذبۂ جہاد مردہ ہوا تھا نہ پژمردہ بلکہ آپ نے اس وقت بھی حضرت امیر معاویہ کے لشکر میں شامل ہوکر اعداء اسلام سے جہاد جاری رکھا خواہ حضرت امیر معاویہ کی جانب سے کسی کو بھی امیر لشکر متعین کیا گیا ہو۔ (الاستیعاب، ج:۱،ص:۱۹۷)

فتح مصر اور خوارج کے خلاف جنگ میں شرکت: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس لشکر میں بھی شریک تھے جس نے مصر کو فتح کیا اور حضرت علی کے اس لشکر میں بھی آپ شریک رہے جس نے دشمنان اسلام خوارج کو نہروان کے میدان میں دھول چٹائی۔ (تاریخ دمشق، ج:۱۶،ص:۴۲)

حضرت ابوایوب کا شوق جہاد: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جذبۂ جہاد کا اندازہ اس واقعے سے کیا جا سکتا ہے جو ان کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ جس وقت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر ۸۰ ر سال سے بھی متجاوز ہو چکی تھی، اچانک ان کے کانوں میں آواز آئی کہ کوئی نداء کرنے والا کہہ رہا ہے کہ اے مسلمانو! چلو اور قسطنطنیہ کو فتح کرو۔ (جدید نام استامبل) پھر کیا تھا حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جذبۂ جہاد سے سرشار ہوکر اٹھ کھڑے ہوئے، تلوار گلے میں لٹکائی اور نعرہ لگایا، لوگوں چلو

اللہ کی راہ میں نکلو ہمارا رب فرماتا ہے: ''انفرو خفافا وثقالا'' جس حال میں بھی ہو چلے چلو۔ (مشاہیر صحابہ، ج:۱، ص:۱۴۸، صور من حیاۃ الصحابۃ، ص:۴۷)

قارئین اندازہ کر سکتے ہیں، کیا ۸۰ر سال کی عمر بھی لڑنے کی عمر ہوتی ہے؟ لیکن حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ صرف اس عمر میں اٹھ کر کھڑے ہوئے بلکہ جہاد کے لیے نکلے اور قسطنطنیہ ہی میں آپ کا وصال اسی غزوے کے دوران ہوا۔ جیسا کہ ہم عنقریب اس کو تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔ (تاریخ دمشق، ج:۱۶، ص:۶۵)

مسجد نبوی کے امام: حضرتِ ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت کتنی قد آور تھی اس کا اندازہ آپ اس بات سے کر سکتے ہیں، جن دنوں مدینۃ المنورہ کے حالات ناسازگار تھے، بلوائیوں نے مدینۂ طیبہ میں ایک بڑا فتنہ برپا کر رکھا تھا، اس وقت کچھ دن تک مسجد نبوی میں مسلمانوں کو نماز پڑھانے کی ذمہ داری حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہنے پر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ انجام دے رہے تھے۔ واضح رہے کہ اس فتنے کے وقت میں ایک دن حضرت سہل بن حنیف نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور کچھ دن حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کی امامت فرمائی، پھر حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے، یہاں تک کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا گیا (ظاہر ہے ایسے بگڑے ہوئے حالات میں وہی شخص امامت کر سکتا تھا جو قوم کی نظر میں اپنا نمایاں مقام اور خاص وقار رکھتا ہو)۔ (تاریخ طبری، ج:۲، ص:۶۹۴)

مدینہ کے گورنر: بیان کیا جا چکا ہے کہ زمانۂ اختلاف میں آپ مولائے کائنات حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رہے، اس زمانے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو مدینۂ طیبہ کا گورنر متعین فرمایا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینۂ طیبہ پر سب سے پہلے حضرت سہل بن حنیف کو والی مقرر فرمایا، پھر انہیں اپنے پاس کوفہ بلا لیا اور ان کی جگہ حضرت تمام بن عباس کو مدینۂ طیبہ کا والی بنایا، پھر حضرت تمام کو معزول کر کے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مدینۂ طیبہ کا گورنر متعین فرمایا۔ (اسد الغابہ، ج:

https://alislami.net

۱،ص:۴۲۵،سیر اعلام النبلاء،ج:۲،ص:۴۱۰،تاریخ دمشق،ج:۱۶،ص:۵۲)

زمانۂ علی اور وظیفہ میں زیادتی: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خاص پذیرائی حاصل تھی، لہٰذا جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانۂ خلافت آیا تو آپ کے اعزاز میں بڑا اضافہ ہوا، چنانچہ آپ کے وظیفے میں خصوصی بڑھوتری کر دی گئی۔ اس سے پہلے دربار خلافت سے آپ کا وظیفہ چار ہزار روپے تھا۔ آپ کے زمانے میں اسے آٹھ گناہ بڑھا دیا گیا، لہٰذا آپ کے لیے بیس ہزار روپے وظیفہ کے طور پر جاری کیے گئے، پہلے آپ کو بیت المال کی طرف سے آٹھ خادم حاصل ہوتے تھے، اب زمانۂ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں غلاموں کی تعداد آٹھ سے بڑھا کر چالیس کر دی گئی۔ (اسد الغابہ،ج:۲،ص:۲۲،تاریخ دمشق،ج:۱۶،ص:۵۵)

حضور ابوایوب کے گھر کو اپنا گھر سمجھتے تھے: تعمیر مسجد نبوی کے بعد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مسجد نبوی کے پاس بنے حجروں میں منتقل ہو گئے اور حضرت ابوایوب کے گھر سکونت ترک فرما دی، اس کے بعد بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حضرت کے ابوایوب کے گھر تشریف لانا بدستور جاری رہا، کیونکہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور پر اپنا دل، جان اور مال سب کچھ قربان کیے ہوئے تھے، اس کے نتیجے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی حضرت ابوایوب انصاری سے خصوصی محبت فرماتے، جانبین سے پیدا شدہ محبت کے ماحول نے تکلفات کے حجابات کو کافی حد تک زائل کر دیا تھا، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کو اپنا گھر سمجھتے تھے۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ،ص:۷۰)

بھوک کی شدت میں مسجد نبوی سے ابوایوب کے گھر: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن بھوک کی شدت میں مسجد نبوی میں حاضر ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ حضرت ابوبکر اس وقت میں مسجد تشریف لائے ہیں تو پوچھا: اے ابوبکر! اس وقت کیسے تشریف لانا

ہوا؟ حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا: مجھے بھوک کی شدت نے مسجد آنے پر مجبور کر دیا ہے، یہ سن کر حضرت عمر نے کہا: خدا کی قسم! میں بھی بھوک کی وجہ سے ہی حاضر ہوا ہوں، دونوں حضرات میں یہ بات چل ہی رہی تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لے آئے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت کیسے آنا ہوا؟ تو دونوں نے بیک زبان عرض کیا: حضور! پیٹ میں لگی بھوک کی آگ ہمیں یہاں لے آئی ہے، حضور نے فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے، مجھے بھی یہاں بھوک کی شدت لے کر آئی ہے، حضور نے فرمایا: میرے ساتھ آؤ، پھر تینوں حضرات حضرت ابو ایوب کے گھر کی جانب روانہ ہو گئے۔

حضور کے ساتھ ابوبکر و عمر: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھوک کے عالم میں اپنے دو بھوکے غلاموں کے ساتھ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازے پر جا پہنچے۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول یہ تھا کہ وہ روزانہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ضیافت کی نیت سے اپنے گھر پر کھانا یا دودھ رکھا کرتے تھے اور جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم متوقع وقت پر تشریف نہ لاتے تو وہ اس کھانے کو اپنے اہل خانہ کو کھلا دیتے، آج بھی یہی معاملہ پیش آیا کہ جب حضور وقت مخصوص پر تشریف نہ لائے تو کھانا اہل خانہ کو کھلا دیا گیا اور حضرت ابوایوب اپنے باغ میں کام کرنے کے لیے گھر سے چلے گئے، باغ گھر کے پاس ہی تھا، ابوایوب کے معزز مہمانوں نے گھر پر دستک دی، تو حضرت ابوایوب کی اہلیہ دروازے پر حاضر ہوئیں اور عرض کیا: حضور اور حضور کے ساتھیوں کا آنا مبارک ہو۔ حضور نے پوچھا: ابوایوب کہا ہیں؟ عرض کیا: حضور وہ ابھی آتے ہیں، حضرت ابوایوب کو گھر میں نہ پا کر حضور واپس پلٹنا چاہتے تھے مگر چونکہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے پاس کے باغ ہی میں تھے، انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز کو سن لیا تھا، بھاگے ہوئے حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، آتے ہی عرض کیا: حضور اور حضور کے ساتھیوں کو مرحبا (صد مرحبا) پھر عرض کیا: (غلام اس لیے گھر

https://alislami.net

میں نہ مل سکا) اس وقت حضور تشریف نہ لاتے تھے، حضور نے فرمایا: ہاں! ابوایوب تم صحیح کہہ رہے ہو یہ وقت میرے آنے کا وقت نہیں ہے، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے معزز مہمانوں کو پوری تعظیم کے ساتھ ٹھہرایا اور خود باغ کی جانب روانہ ہو گئے، جلد ہی ایک خوشہ لے کر آئے جس میں کچھ ادھ پکی کھجوریں، کچھ چھوارے اور کچھ تازہ کھجوریں تھیں، یہ خوشہ اپنے مہمانوں کی بارگاہ میں پیش کیا پھر ایک بکری ذبح کرنے کی اجازت چاہی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر بکری ذبح کرنے کا ارادہ ہے تو یاد رکھو دودھ دیتی بکری ذبح نہ کرنا، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بکری ذبح کی اور ام ایوب اپنی بیوی سے فرمایا: تم آٹا گوندھو اور روٹی پکاؤ، کیونکہ تم روٹی اچھی بناتی ہو (اور میں سالن تیار کرتا ہوں) پھر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آدھی بکری کا سالن بنا لیا اور آدھی بکری کو بھون لیا (کباب بنا لیے) کھانا تیار ہو گیا اور حضرت ابوایوب نے کھانا اپنے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بارگاہ میں پیش کیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گوشت کا ایک ٹکڑا روٹی پر رکھا اور حضرت ابو ایوب سے فرمایا: جاؤ یہ کھانا میری نور نظر فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دے آؤ، اس نے بھی کئی دن سے ایسا کھانا نہیں کھایا ہے، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلدی سے گئے اور یہ کھانا اپنی آقا زادی کے یہاں دے کر حاضر بارگاہ ہو گئے، جب معزز مہمان کھا پی کر سیر ہو گئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: آج ہم نے گوشت، روٹی، کچی کھجور، پکی کھجور اور تازہ کھجوریں اتنی نعمتیں کھائی ہیں۔ یہ الفاظ حضور کی زبان پر جاری تھے اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، قیامت کے دن تم سے ان نعمتوں کا سوال ضرور کیا جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ'' پھر آپ نے اپنے اصحاب کو تسکین دینے کے لیے ارشاد فرمایا: جب تم اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کھاؤ تو بسم اللہ پڑھ کر ان نعمتوں کو ہاتھ لگاؤ اور جب تم کھا پی کر سیر ہو جاؤ تو پڑھا کرو: ''الحمد للہ

الذی ھو اشبعنا وانعم علینا فافضل" تمام تعریفیں اس خدا کے لیے جس نے ہمیں سیرابی عطا فرمائی اور اس نے ہم پر انعام فرمایا تو افضل ترین نعمتیں عطا فرمائیں، حضور نے فرمایا: یہ دعا ان نعمتوں کے شکریہ کا ایک طریقہ ہے، پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اٹھے اور حضرت ابوایوب سے فرمایا: کل ہمارے پاس آنا، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت کریمہ یہ تھی کہ جب بھی کوئی انسان حضور کے ساتھ حسن سلوک کرتا تو حضور اس کی بہتر جزا عطا فرماتے، حضور کے اس حکم کو "کل ہمارے پاس آنا" حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سن نہ سکے، جسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محسوس کر لیا، لہٰذا آپ نے فرمایا: اے ابوایوب! آپ نے سنا نہیں، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو کل اپنی بارگاہ میں حاضر ہونے کا حکم دیا ہے، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: حضور کا فرمان بچشم وسر منظور ہے۔

حضور نے تحفہ دیا: حکم پر عمل کرتے ہوئے دوسرے دن حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں تحفے میں ایک خادمہ عطا فرمائی اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: اے ابوایوب! اس کا خیال رکھنا، میں تمہیں اس کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں، جب سے یہ خادمہ ہمارے پاس ہے ہم نے اس کی ذات میں خیر کے سوا کچھ نہیں دیکھا ہے، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ تحفے کو لے کر شاداں وفرحاں گھر تشریف لائے، اہلیہ نے پوچھا: میرے سرتاج یہ کیا ہے؟ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ ہمارے آقا نے ہمیں تحفہ دیا ہے، اہلیہ نے عرض کیا: کیا ہی عمدہ تحفہ اور کیا ہی شاندار عطیہ ہے، پھر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی اہلیہ سے فرمایا: ہمیں حضور نے اس کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے، اس پر اہلیہ نے کہا: پھر آپ نے حسن سلوک کرنے کے بارے میں کیا تدبیر سوچی ہے؟ تاکہ حضور کے حکم پر عمل ہو سکے۔

وصیت پر عمل کرنے کے لیے باندی آزاد کر دی: حضرت ابوایوب انصاری

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: بیگم! مجھے اس کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی اس سے بہتر کوئی تدبیر نظر نہیں آتی کہ اس کو آزاد کر دیا جائے، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب سن کر بیوی نے کہا: اللہ تعالیٰ کی توفیق سے آپ کی رائے بالکل درست ہے، بس پھر کیا تھا حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے آزاد کر دیا۔ (صحیح ابن حبان، حدیث: ۱۶۵۲، باب آداب الاکل بغیۃ الطلب فی تاریخ حلب، المعجم الصغیر للطبرانی، حدیث: ۱۸۵، سبل الہدیٰ والرشاد، ج: ۱، ص: ۱۲۴، صور من حیاۃ الصحابۃ، ص: ۷۳)

اس حدیث پاک کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب الاشربہ میں اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے۔

مذکورہ بالا طویل حدیث کے ذریعے جہاں طرفین سے محبت کی ہمہ گیری اور میزبانی کی عالی قدروں کا پتہ چلتا ہے، وہیں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ ام ایوب کے حسن اخلاق کی نشان دہی ہوتی ہے اور یہ کہ وہ اپنے شوہر کے تئیں کتنی وفادار تھیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وصیت پر عمل کرانے کے لیے اپنے شوہر کا نہ صرف یہ کہ ساتھ دے رہی ہیں بلکہ بڑے پیارے انداز میں ترغیب بھی دلا رہی ہیں، بے شک ایسی خدا ترس محب رسول اور وفا شعار بیوی اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے۔

حضرت ابن عباس نے اپنا گھر نذر کر دیا: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کی آل اطہار وابرار پر جان چھڑکتے ہی تھے، ساتھ ہی اہل بیت رسول بھی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شدید محبت کرتے تھے، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہل بیت سے محبت تو آپ دیکھ چکے کہ وہ پورے زمانۂ علی مرتضیٰ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رہے، یہ تعلق خاندان نبوت ہی تھا کہ انہوں نے مولائے کائنات کے مقابلے میں حضرت امیر معاویہ کا ساتھ نہ دیا اور تمام جنگوں میں وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب سے مصروف جہاد رہے۔ اب آپ اہل بیت کو دیکھیے کہ یہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ

تعالیٰ عنہ سے کس درجہ محبت فرماتے ہیں، خاندان نبوت کو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ ایثار ومحبت اچھی طرح یاد تھی جو انہوں نے رحمت عالمیاں کے ساتھ انجام دی تھی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضورا کرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم دونوں کے سگے چچازاد ہیں، ان کی محبت وایثار کا ایک واقعہ ملاحظہ فرمایئے:

یہ اس زمانے کی بات ہے جب حضرت عبداللہ ابن عباس حضرت علی کی جانب سے بصرہ کے حاکم تھے، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے ملاقات کرنے بصرہ تشریف لائے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد پر غایت درجہ خوشی حاصل ہوئی (حضرت ابن عباس کی نظر میں رسول اللہ پر حضرت ابوایوب کی جاں نثاری کے جو مناظر روز روشن کی طرح واضح تھے اس کی حسن مکافات میں آپ نے ایک نئی تاریخ رقم کردی) چنانچہ جب حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات حضرت ابن عباس سے ہوئی تو حضرت ابن عباس نے فرمایا: جس طرح آپ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد پر اپنا گھر حضور کے لیے خالی کردیا تھا، میری دلی خواہش ہے کہ میں بھی آپ کے لیے اپنا گھر مع ساز وسامان آپ کے لیے خالی کردوں، یہ الفاظ کہتے ہوئے ساز وسامان سے بھرا پورا گھر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نذر کردیا، پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب سے وظیفے میں وہ اضافہ فرمایا جس کا ذکر آپ ماقبل میں پڑھ آئے ہیں۔ (اسد الغابہ، ج:۲،ص:۱۲۲، تاریخ دمشق، ج:۱۶،ص:۵۵، سیر اعلام النبلاء، ج:۲،ص:۴۱۰، المستدرک الحاکم، حدیث:۵۹۴۱، المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث:۳۸۷۱، البدایہ والنہایہ، ج:۱۱،ص:۲۵۲، سبل الہدیٰ والرشاد، ج:۱۱،ص:۱۱۸، معرفۃ الصحابہ لابی نعیم، ج:۲،ص:۹۳۶)

حضرت ابوایوب کی اُم المؤمنین سے عقیدت: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عقیدت ومحبت کا ثبوت وہ جواب بھی ہے جو انہوں نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے متعلق

https://alislami.net

اس وقت دیا تھا جب ہلاکت میں پڑنے والے ہلاکت میں پڑ رہے تھے، حضرت ابوایوب کی اہلیہ محترمہ نے حضرت ابوایوب سے سوال کرتے ہوئے عرض کیا تھا: اے میرے سرتاج! کیا آپ نے وہ باتیں سنی ہیں جو لوگ ام المومنین کے بارے میں بیان کررہے ہیں ؟ آپ نے فرمایا: ہاں! میں نے وہ جھوٹ سنا ہے پھر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی اہلیہ سے پوچھا: ام ایوب! کیا تم ایسا کرسکتی ہو؟ تو حضرت ام ایوب نے کہا: خدا کی قسم! میں ہرگز ایسا نہیں کرسکتی، اس پر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: پھر حضور کی حرم محترم ایسا کیسے کرسکتیں ہیں؟ ام ایوب! وہ تو تم سے بہت بہتر ہیں، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی اہلیہ کے اس جواب میں ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوران کی اہلیہ نے ام المومنین سے متعلق وہی جواب دیا جو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی زبان سے سننا پسند فرماتا تھا۔قرآن کی آیت نازل ہوئی اور اس میں مسلمانوں سے فرمایا گیا: '' لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾ '' (سورۂ نور، آیت:۱۲)

ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ بہتان سنا تو مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اپنے لوگوں پر نیک گمان کرتے اور کہتے: یہ کھلا ہوا بہتان ہے، سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے جو حکم مسلمانوں کو اس آیت کریمہ میں دیا حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوران کی اہلیہ خدا کی توفیق سے آیت کریمہ کے نازل ہونے سے پہلے ہی اس پر عمل کر چکے تھے۔

(الروض الانف، ج:۴،ص:۲۷، سیرت ابن ہشام، ج:۲،ص:۳۰۳، البدایہ والنہایہ، ج:۱۱،ص:۲۵۲، تاریخ الطبری، ج:۲،ص:۱۱۴، فتح الباری، ج:۱۳،ص:۲۶۰)

حق گوئی و بے باکی: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلیل القدر صحابی تھے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت کا ایک طویل زمانہ پایا تھا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تربیت نے فکر وعمل میں اعتدال پسندی راسخ فرمادی تھی، امور شریعت کی ادائیگی کو حتی الامکان طریقۂ سنت کے موافق دیکھنا چاہتے تھے، اگر کسی سے اس

کے خلاف دیکھتے تو اس پر سخت نکیر فرماتے اور حسن تدبیر سے اصلاح کی کوشش فرماتے، وہ اس سلسلے میں حاکم وقت کی بھی پرواہ نہ فرماتے تھے چہ جائے کہ عام انسان۔ہم اس سلسلے میں چند شواہد پیش کر رہے ہیں:

حاکم وقت کے سامنے حق گوئی: (۱) حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک غزوے کے سلسلے میں مصر تشریف لائے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مصر پر حضرت امیر معاویہ کی جانب سے صحابی رسول حضرت عقبہ بن عامر جہنی گورنر مقرر تھے۔ ہوا یہ کہ مصر کے گورنر نے نماز مغرب میں تاخیر کر دی اور دیر سے نماز پڑھائی، حضرت عقبہ بن عامر نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے بات کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے اور فرمایا: اے عقبہ بن عامر! کیا آپ نے اس طرح (دیر سے) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز پڑھتے دیکھا ہے؟ کیا آپ نے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ فرمان نہیں سنا؟ ''میری امت ہمیشہ خیر پر قائم رہے گی جب تک وہ مغرب کی نماز کو اتنا مؤخر نہ کریں گے کہ ستارے ظاہر ہونے لگیں؟'' یہ سن کر حضرت عقبہ بن عامر نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا: بے شک آپ کی بات صحیح ہے، جب حضرت ابوایوب، حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اپنی بات کی تصدیق کرا چکے، تب فرمایا: پھر اس کے ہوتے ہوئے آپ نے نماز میں تاخیر کیسے کر دی؟ حضرت عقبہ بن عامر نے عذر پیش کرتے ہوئے کہا: کسی کام کی مصروفیت کی بنا پر تاخیر ہو گئی، اس پر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی عمدہ تنبیہ فرمائی، آپ نے فرمایا: عقبہ بن عامر! آپ یہ بات نہ بھولیں کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابی ہیں (آپ کا قول وعمل لوگوں کی نظر میں دلیل ہے) خدا کی قسم! میرا گمان ہے کہ جب تمہیں لوگ کچھ کرتا ہوا دیکھیں گے (اور جیسا کرتا ہوا دیکھیں گے) تو لوگ یہ سمجھیں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے ہوں گے۔ (مسند احمد، حدیث: ۱۷۱۷۶۳، المعجم الکبیر، حدیث: ۲۷۹۱۴، مسند الصحابہ، مسند جریر بن عبداللہ)

قارئین کرام غور فرمائیں ! سنت کی مخالفت ہونے پر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابی رسول حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کس عمدہ انداز میں گفتگو فرمائی ؟ اور حق بیان کرنے میں ان کی گورنری کا ذرہ برابر بھی خیال نہ فرمایا۔

حاکم مدینہ کو کھرا جواب: (۲) حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایسا ہی ایک معاملہ حاکم مدینہ مروان بن حکم کے ساتھ بھی پیش آیا۔ مروان بن حکم نے اپنی سستی کی بنیاد پر نمازوں کی ادائیگی میں کچھ بے اعتدالیاں برتیں، اس پر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مروان کی مخالفت کی، یہ بات مروان کو معلوم ہوگئی کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی مخالفت کر رہے ہیں، اس نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: آپ میری مخالفت کرتے ہیں؟ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلاخوف فرمایا: میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نمازیں پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، اگر آپ کا عمل حضور کے عمل کے مطابق ہوگا تو ہم آپ کی موافقت کریں گے اور اگر آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طریقے کی مخالفت کریں گے تو ہم آپ کی مخالفت کریں گے۔ (تاریخ دمشق، ج:۱۶، ص:۵۰، سیر اعلام النبلاء، ج:۲، ص:۴۰۹)

امیرِ لشکر کے سامنے حق بیانی: (۳) ایک مرتبہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ بحر میں شریک تھے، غزوۂ بحر رومیوں کے خلاف حضرت امیر معاویہ کے زمانے میں پیش آیا تھا، اس غزوے کے امیر صحابی رسول حضرت عبداللہ بن قیس فزاری تھے، راوی کہتے ہیں کہ ہم سمندر میں تھے (کشتی میں سوار تھے جس میں رومی قیدیوں کو بھی رکھا گیا تھا) ہمارے ساتھ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، اچانک حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گزر جہاز میں اس جگہ سے ہوا جہاں امیر کے متعین کردہ ایک افسر نے رومی قیدیوں کو ٹھہرایا ہوا تھا، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر ایک عورت پر پڑی جو زاروقطار رو رہی تھی، آپ نے اس کے رونے کی وجہ معلوم کی تو لوگوں نے بتایا کہ اس عورت کے بچے کو اس سے جدا کر دیا گیا ہے، چنانچہ عورت

کو یہاں رکھا گیا ہے اور بچے کو دوسری جگہ، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس جگہ پہنچے جہاں اس کا بچہ موجود تھا، بچے کو اپنے ساتھ لیا اور لا کر اس عورت کی گود میں تھما دیا، یہ بات قیدیوں کے افسر کو ناگوار گزری، اس نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکایت امیر لشکر حضرت عبداللہ بن قیس کے سامنے پیش کردی، عبداللہ بن قیس نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر پوچھا: آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے امیر لشکر کو جواب دیا: میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے: ''جس نے ماں کو اس کے بچے سے جدا کیا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس جدا کرنے والے اور اس کے عزیزوں کے درمیان تفریق کردے گا''۔ (لہٰذا میں اس فرمان رسول کے ہوتے ہوئے اس چیز کو کیسے برداشت کر لیتا) ظاہر ہے کہ امیر لشکر کے پاس خاموشی کے سوا اور کیا جواب ہوسکتا تھا؟ (مسند احمد: حدیث: ۲۳۶۲۳۵۴، تاریخ دمشق، ج: ۲۳، ص: ۱۱۹)

ایسے تو جانوروں کی بھی نہیں مارتے: (۴) سرزمین روم پر ہی ایک اور واقعہ پیش آیا، جس میں امیر لشکر حضرت عبدالرحمن بن خالد بن ولید نے دشمن کے چار قیدیوں کو ہاتھ پر ہاتھ باندھ کر تیروں کے ذریعے قتل کرادیا، یہ بات حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بہت گراں ثابت ہوئی، آپ نے فرمایا: یہ تو سفا کی ہے، آپ نے امیر لشکر سے ملاقات کی، اور فرمایا: آپ نے قتل کرنے میں اس طریقے کا استعمال کیا ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو جانوروں کے ساتھ بھی ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے، میں تو ایک مرغی کو بھی اس طرح قتل کرنا پسند نہیں کرتا، اگرچہ مجھے اس کے بدلے میں یہ اور یہ (مال و دولت) دے دیا جائے، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات کا امیر لشکر پر بڑا اثر ہوا اور انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا، چنانچہ اس غلطی کے کفارے کے طور پر انہوں نے اپنے چار غلاموں کو آزاد کردیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج: ۵، ص: ۴۵۵، حدیث: ۲۷۹۳۳، السنن الکبریٰ للبیہقی، حدیث: ۱۸۰۶۰)

حسن اخلاق کی ایک مثال: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی تربیت اس ذات گرامی نے فرمائی تھی جس کے فیض نظر سے نہ جانے کتنے سنگریزے ایسے چمکتے ہیرے بن گئے کہ جن کی آب وتاب نے ایک جہان روشن کر دیا، حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تو نبوت کی خصوصی نظر تھی ''وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝٤'' کی مصداق ذات عالی تبار نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خاص تربیت فرمائی تھی، جس کے ثمرات ان کی زندگی کے ہر گوشے کو محیط ہیں، ہم یہاں ان کے حسن اخلاق کی ایک مثال پیش کر رہے ہیں۔ ہمارے قارئین جانتے ہیں کہ کسی کے معاشرتی اخلاق کا صحیح اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جو صاحب اخلاق کے بیشتر اوقات کا ساتھی ہو، گاہے بگاہے کی ملاقات میں تو بد اخلاق بھی اپنے آپ کو صاحب اخلاق ثابت کر دیتا ہے، اب ہم یہاں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک غلام کا طرز عمل آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں، امید ہے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اخلاق کی خوشبو قارئین کے مشام جاں کو معطر کر دے گی۔

حضرت امام محمد بن سیرین بیان فرماتے ہیں: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک غلام تھا، جس کو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چالیس ہزار رقم کے عوض مکاتب بنا دیا (چالیس ہزار ادا کرو اور آزاد ہو جاؤ) لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے غلام افلح کو مکاتب بنا دیا ہے، تو لوگ افلح کو مبارکباد پیش کرنے لگے کہ تمہیں آزادی مبارک ہو، لیکن بعد میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے اس فیصلے پر افسردگی ہوئی اور آپ نے افلح سے کہا: میں چاہتا ہوں کہ یہ معاہدہ ختم کر دیا جائے اور تم جیسے پہلے میرے غلام تھے ویسے ہی رہو، اس بات کی اطلاع جب افلح کے اہل وعیال کو ہوئی کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکاتبت والے ایگریمنٹ کو رد کرنا چاہتے ہیں تو ان سب نے افلح کو مشورہ دیا: تم اس پر رضامند مت ہونا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں آزادی دے دی ہے، اب واپس غلامی کی طرف مت پلٹنا، اس پر حضرت افلح نے اپنے گھر والوں کو جواب دیا: خدا کی قسم! حضرت ابوایوب

انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ سے جو کہیں گے میں اس پر عمل کروں گا، پھر افلح وہ معاہدہ لے کر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں پہنچے جو ان کی آزادی کے لیے لکھا گیا تھا، انہیں دکھایا اور پھاڑ دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا افلح اسی حالت پر رہے، ایک دن حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے افلح کو بلایا اور فرمایا: افلح آج سے تم آزاد ہو اور جو کچھ مال تمہارے پاس ہے وہ بھی تمہارا ہے۔

(بغیۃ الطلب فی تاریخ حلب، ذکر من اسمہ افلح)

قارئین اندازہ کریں کہ افلح کے دل ودماغ میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اخلاق وکردار نے کیسی جگہ بنالی تھی کہ افلح نے گھر والوں کے مشورے کے خلاف جاکر آزادی پر غلامی کو ترجیح دی لیکن ایسے خوش خصال آقا کی حکم عدولی منظور نہ کی، اس واقعے کا دوسرا پہلو بھی ناظرین دیکھتے چلیں کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے غلام پر مزید نوازشات کی برسات فرمادی، پہلے تو افلح کو بدل کتابت کے طور پر چالیس ہزار گراں قدر رقم ادا کرنی تھی لیکن بعد میں تو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے بغیر کسی عوض کے آزاد کردیا پھر آپ نے اس آزادی کو مزید پرلطف اس وقت بنادیا، جب افلح کو یہ اختیار بھی دے دیا کہ اس کے پاس جو کچھ مال ہے وہ اسی کا ہوگیا حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس میں سے کچھ نہ لیں گے۔

حکم رسول پر شدت سے عمل: بہت مشہور مسئلہ ہے یہاں تک کہ عوام بھی اس حکم سے آشنا ہیں کہ قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرکے پاخانہ کرنا صحیح ہے نہ پیشاب۔ کیوں کہ حضور نے اس سے منع فرمایا ہے، اس حدیث پاک کو مشہور کرنے میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کردار کا بڑا دخل ہے، چنانچہ جب آپ مصر پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ وہاں کے پاخانے اس طور پر بنے ہوئے ہیں کہ جہاں حضور کے فرمان مذکور پر عمل کرنا دشوار ہے، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسا بھی نہیں کر سکتے تھے کہ پاخانہ یا پیشاب کے لیے بیٹھتے وقت فرمان رسول کو بھول جاتے اور پاخانے کے قدمچوں کو بدل بھی

https://alislami.net

نہیں سکتے تھے، یہ بات حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل و دماغ پر بار بنی ہوئی تھی، اس لیے آپ لوگوں سے پریشانی کو بیان بھی کرتے تھے جیسا کہ حضرت رافع بن اسحاق بیان فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیان کرتے ہوئے سنا ''سمجھ نہیں آتا کہ ان پاخانے کے قدمچوں کے ساتھ کیا کیا جائے حالانکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرما چکے ہیں کہ پاخانہ پیشاب کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ کرو نہ پشت۔ (مسند احمد، حدیث: ۲۳۵۱۵)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رہنمائی فرمائی اور اپنی قدرت کاملہ سے ایک تدبیر سجھا دی کہ جس میں قدمچوں کو بدلے بغیر حضور کے حکم پر عمل ممکن ہوسکا، جس کے بارے میں وہ خود ہی فرماتے ہیں: جب ہم نے پاخانے کی سیٹوں کو قبلہ رخ دیکھا (تو ہم سیٹ تو نہیں بدل سکتے تھے) البتہ خود اس طرح گھوم کر پاخانہ پیشاب کرنے بیٹھتے تھے کہ قبلہ کی طرف منہ ہو نہ پشت، ساتھ ہی ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استغفار کیا کرتے تھے۔ (مسند احمد، حدیث: ۲۳۶۳۵)

قارئین غور فرمایئے! دقت طلب مراحل میں بھی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس انداز میں فرمان رسول پر عمل کر کے دکھایا؟ آپ استغفار اس لیے کرتے تھے کہ منحرف ہونے میں کہیں کوئی کمی واقع ہوگئی ہو، یہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم شریعت پر جذبۂ عملی اور خلوص کا نتیجہ ہے کہ آج یہ مسئلہ زبان زد عام خاص ہوگیا۔

ناراض ہوئے کھانا نہ کھایا: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کے معاملات اور رہن سہن کو اسی کیفیت پر دیکھنا چاہتے تھے جیسے کہ لوگ زمانۂ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں تھے، اس کے خلاف پر برہم ہوجاتے اور سختی سے پیش آتے، ملاحظہ فرمائیں!

حضرت سالم بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میرے ولیمہ کے موقع پر والد محترم نے لوگوں کو دعوت دی، مدعو حضرات میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل

https://alislami.net

تھے، آپ جب ہمارے گھر تشریف لائے تو دیوار پر پڑے پردوں کو دیکھ کر سر جھکا لیا، میرے والد کو بلایا اور فرمایا: اے عبداللہ! آپ دیواروں کو پردوں سے ڈھاکتے ہیں؟ یہ سن کر میرے والد کو احساس ندامت ہوا، اور عرض کیا: عورتیں ہم پر غالب آگئیں، آپ نے فرمایا: میں نہیں سمجھتا کہ تم پر بھی عورتیں غالب آسکتی ہیں؟ میں تمہارے گھر میں داخل ہوں گا نہ کھانا کھاؤں گا پھر آپ واپس تشریف لے گئے۔

(تاریخ دمشق، ج:١٦،ص:٥٠،شرح صحیح البخاری للحوینی، ج:٤،ص:٨)

علمی مقام: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معلم کائنات سے اکتساب فیض کیا تھا، حضور کی صحبتوں سے خوب فائدہ اٹھایا اور اپنے سینے کو علم شریعت کا خزینہ بنادیا۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا علمی مقام اور تفقہ فی الدین لوگوں میں یہاں تک صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے درمیان بھی مشہور ومعروف تھا، چنانچہ جب صحابۂ کرام کے درمیان کسی فقہی مسئلے میں اختلاف ہو جاتا تو صحابۂ کرام حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسئلہ حل کرایا کرتے، اس حیثیت سے دیکھا جائے تو آپ کی ذات مرجع صحابہ ومرجع انام تھی۔

پہلی شہادت: امام بخاری اپنی صحیح میں روایت فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن حنین فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت مسور بن مخرمہ کا مقام ابواء میں اختلاف ہو گیا، حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا: محرم اپنا سر دھل سکتا ہے جبکہ حضرت مسور بن مخرمہ کا کہنا تھا کہ محرم (احرام والا) اپنا سر نہیں دھل سکتا، عبداللہ بن حنین کہتے ہیں: مجھے عبداللہ بن عباس نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں بھیجا، میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا تو میں نے دیکھا کہ آپ کنویں کی دو لکڑیوں کے درمیان نہا رہے ہیں اور انہوں نے ایک کپڑے سے پردہ کیا ہوا ہے، میں نے ان کو سلام کیا، انہوں نے پوچھا: کون ہے؟ میں نے کہا: میں عبداللہ بن حنین ہوں، مجھے آپ کے

پاس حضرت عبداللہ بن عباس نے بھیجا ہے، میں آپ سے یہ پوچھتا ہوں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حالت احرام میں ہوتے تھے تو اپنا سر کس طرح دھوتے تھے؟ یہ سن کر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ہاتھ سے پردہ اتنا نیچے کر دیا کہ مجھے ان کا سر دکھائی دینے لگا، پھر اس شخص سے فرمایا: جوان پر پانی ڈال رہا تھا کہ پانی ڈالو! اس نے آپ کے سر پر پانی ڈالا، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو ہلایا پھر دونوں ہاتھوں کو آگے لے گئے اور پیچھے لائے، پھر فرمایا: میں نے اس طرح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (صحیح البخاری، باب الاغتسال للمحرم، حدیث: ۱۸۴۰، سنن ابی داؤد، حدیث: ۱۸۴۰، سنن ابن ماجہ، حدیث: ۲۹۳۴)

حدیث سے ثابت ہوا کہ جب دو صحابہ میں اختلاف ہوا تو مسئلہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب سے حضرت عبداللہ بن عباس کے قول کی تائید ہوئی کہ محرم حالت احرام میں اپنا سر دھو سکتا ہے یہی ہم احناف کا مذہب بھی ہے۔

دوسری شہادت: حضرت ابواسحاق مولا بنی ہاشم فرماتے ہیں کہ ایک دن لوگوں میں اس بات کو لے کر اختلاف ہو گیا کہ القرع نامی برتن میں نبیذ (ایک مشروب) بنائی جا سکتی ہے یا نہیں، یہ بحث چل ہی رہی تھی کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گزر وہاں سے ہوا، لوگوں نے موقع غنیمت جانا اور ایک آدمی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے بھیجا تاکہ وہ اس بارے میں آپ سے معلوم کرے، چنانچہ اس نے آپ سے سوال کیا: القرع نامی برتن میں نبیذ بنائی جا سکتی ہے یا نہیں؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ''مزفت'' نامی برتن میں نبیذ بنانے سے منع فرماتے ہوئے سنا، پوچھنے والے نے پھر قرع کے بارے میں پوچھا: آپ نے دوبارہ وہی پہلے والا جواب دہرا دیا۔ (مسند احمد، حدیث: ۲۳۵۱۲، المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث: ۴۰۰۰)

مطلب یہ ہے کہ جس برتن میں حضور نے منع فرمایا ہے، اس میں نبیذ بنانا ممنوع ہے

اور وہ برتن ہے مزفت (تارکول لگا ہوا ایک برتن) اس کے سوا دوسرے برتنوں میں نبیذ بنانا ممنوع نہ ہوگا۔

دیگر صحابہ کے ہوتے ہوئے آپ سے مسئلہ پوچھا جاتا: حضرت عاصم بن سفیان ثقفی غزوۂ سلاسل میں شرکت کے لیے نکلے لیکن شرکت نہیں ہوسکی (جنگ بند ہو گئی) انہیں جہاد میں شرکت نہ کرنے کا بڑا ملال ہوا، سیدھے حضرت امیر معاویہ کے پاس پہنچے، اتفاق سے اس وقت حضرت امیر معاویہ کے پاس حضرت ابوایوب انصاری اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہم موجود تھے۔ (حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسئلہ پوچھنا تھا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا نہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بلکہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے) اور سوال کرتے ہوئے کہا: اے حضرت ابوایوب! ہم غزوے میں تو شریک نہ ہوسکے لیکن ہمیں یہ حدیث سنائی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے چار مسجدوں (مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ، مسجد قباء) میں سے کسی ایک میں نماز پڑھ لی، اس کے تمام گناہ بخش دیے جائیں گے، جواب دیتے ہوئے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے میرے بھتیجے! میں تجھے اس سے بھی آسان بات سنائے دیتا ہوں، میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ''جس نے اس طرح وضو کیا جیسا اسے حکم دیا گیا ہے اور اسی طرح نماز پڑھی تو اللہ تعالیٰ اس کے ماقبل کے گناہ مٹا دیتا ہے'' یہ حدیث بیان فرما کر آپ نے حضرت عقبہ بن عامر سے فرمایا: اے عقبہ! یہی بات ہے؟ تو حضرت عقبہ بن عامر نے آپ کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا: جی ہاں۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث: ۹۶۱۳، سنن الکبریٰ، حدیث: ۱۳۹، مسند احمد، حدیث: ۵۹۵۲۳)

قارئین نے اندازہ کیا ہوگا کہ پوچھنے والے نے دو جلیل القدر صحابہ کو چھوڑ کر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسئلہ معلوم کیا، مسئلہ بیان کرنے کے بعد آپ نے حضرت عقبہ بن عامر سے اپنی تائید کرائی، اس سے آپ کی عاجزی اور انکساری کا ظہور

https://alislami.net

ہوتا ہے۔

سماعت حدیث کا شوق: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود زبان رسالت سے احادیث سنی تھیں اور خوب سنی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں حضور کی احادیث سماعت کرنے کا خاص ذوق بخشا تھا، جس کی وجہ سے وہ دیگر صحابۂ کرام سے بھی احادیث کی سماعت کرتے تھے بلکہ اس کے لیے ایک مرتبہ تو انہوں نے مدینۂ طیبہ سے مصر کا طویل سفر اختیار کیا اور وہ بھی بڑھاپے کے عالم میں، اس سفر میں ان کے پیش نظر رسول اللہ کی حدیث کی سماعت کے سوا کوئی دوسرا مقصد نہ تھا، جیسا کہ آنے والی حدیث سے واضح ہوگا۔ روایات بتاتی ہیں کہ یہ حدیث جس کے لیے اتنا طویل سفر کیا تھا خود حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور سے سماعت کر رکھی تھی، صرف حدیث کی تصدیق کرنے کے لیے مصر گئے تھے۔ حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے لیکن وہاں اختصار ہے، ہم یہاں مسند حمیدی والی تفصیلی روایت ذکر کر رہے ہیں:

حضرت عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے گھر سے مصر کا سفر کیا، عقبہ بن عامر سے ملاقات کرنے کے لیے آپ سیدھے امیر مصر مسلمہ بن مخلد کے مکان پر پہنچے، امیر مصر کو جب حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تشریف آوری کا علم ہوا تو فوراً باہر تشریف لائے اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے معانقہ کیا، پھر پوچھا: کیسے تشریف لانا ہوا؟ آپ نے فرمایا: میں ایک حدیث کے سلسلے میں یہاں آیا ہوں، جس کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے، آج روئے زمین پر میرے اور عقبہ بن عامر کے سوا کوئی تیسرا شخص موجود نہیں ہے جس نے اس حدیث کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہو، لہٰذا آپ میرے ساتھ کسی کو بھیج دیں تاکہ وہ مجھے عقبہ بن عامر کے گھر لے جائے، امیر مصر نے فوراً ایک شخص کو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ روانہ کیا، اس نے آپ کو حضرت عقبہ بن عامر کے گھر پہنچا دیا، اطلاع ملتے ہی حضرت عقبہ بن عامر باہر تشریف لائے اور حضرت ابو ایوب

https://alislami.net

انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ معانقہ کیا اور پوچھا: جناب آنے کی زحمت کیوں گوارہ فرمائی؟ اس پر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں نے ایک حدیث مومن کی عیب پوشی سے متعلق حضور سے سماعت کی ہے، آج اس حدیث کو حضور سے سماعت کرنے والا میرے اور آپ کے سوا کوئی تیسرا شخص موجود نہیں ہے۔ یہ سن کر حضرت عقبہ نے فرمایا: جی ہاں! آپ صحیح فرمارہے ہیں، میں نے حضور کو فرماتے ہوئے سنا ہے ''جس نے مومن کا کوئی عیب جو اسے دنیا میں رسوا کرنے والا تھا چھپالیا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے (عیوب) کا ستر فرمائے گا'' حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: عقبہ تم نے سچ کہا، پھر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی سواری پر سوار ہوئے اور مدینۂ طیبہ کے لیے روانہ ہوگئے۔ (مسند حمیدی، حدیث:۳۸۸، مسند احمد، حدیث:۳۹۱۱۷)

روایت حدیث: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے احادیث روایت فرمائی ہیں، صحابہ میں آپ نے حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابوہریرہ سے حدیث کی روایت کی ہے، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرنے والوں کی تعداد کافی زیادہ ہے جس میں سے چند یہ ہیں: حضرت جابر بن سمرۃ، حضرت مقداد بن معدی کرب، حضرت عبداللہ بن یزید حطمی، حضرت زید بن خالد، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت انس، حضرت ابن عمر، حضرت براء بن عازب، حضرت ابورہم، حضرت جبیر بن نفیر، حضرت عطاء بن یزید لیثی وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

(تاریخ دمشق، ج:۱۶،ص:۳۳، الاصابہ، ج:۲،ص:۸۹، اسد الغابہ، ج:۲،ص:۱۲۲)

علامہ ذہبی کے بیان کے مطابق آپ نے ایک سو پچپن احادیث روایت فرمائی ہیں، جن میں سے سات احادیث پر امام بخاری و مسلم متفق ہیں، ایک حدیث میں حضرت امام بخاری منفرد ہیں اور پانچ احادیث میں امام مسلم منفرد ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۲،ص:۴۰۳)

وقت وصال اشاعت حدیث کا خیال: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگوں کو احادیث کی تعلیم دینے کا بڑا شوق تھا، اگر کسی کو خلاف سنت کرتا دیکھتے

توفوراً حدیث سنا کراس کو غلطی پر تنبیہ فرماتے، جیسا کہ ماقبل میں کئی واقعات گزر چکے ہیں۔ اب حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جذبۂ اشاعت حدیث ملاحظہ کیجیے، احادیث جوانہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سماعت کی تھیں، وہ تمام حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوسرے حضرات کو پہنچا دی تھیں، لیکن ایک حدیث انہوں نے ابھی تک کسی کو نہ سنائی تھی، اس حدیث کوانہوں نے لوگوں سے چھپا رکھا، آج اس حدیث کو حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بستر مرگ پر لوگوں کو سنا رہے تھے، حدیث کی روایت آپ نے ابھی تک کیوں نہ فرمائی اس کو ہم بعد میں بیان کریں گے، پہلے آپ ان کی بیان کردہ آخری حدیث سماعت کریں۔ امام مسلم روایت فرماتے ہیں:

ابوصرمہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی وفات کے وقت فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنی ہوئی ایک حدیث تم سے چھپا رکھی تھی، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ایک ایسی مخلوق کو پیدا کرتا جو گناہ کرتی اور اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کر دیتا''۔ (صحیح المسلم، کتاب التوبہ باب فضیلۃ الاستغفار)

حدیث کیوں چھپالی: علامہ غلام رسول سعیدی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں، قاضی عیاض نے کہا: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث کو اس خوف سے چھپا لیا تھا کہ لوگ اس پر اعتماد کر کے عمل کو ترک کر دیں گے اوران پر مغفرت کی امید غالب آجائے گی اور وہ دلیری سے گناہ کرنے لگیں گے، اس طرح واعظ پر واجب ہے کہ وہ اس قسم کی احادیث کو بکثرت بیان نہ کریں تا کہ لوگ گناہوں میں نہ ڈوب جائیں اور وعظ ونصیحت میں گناہوں سے ڈرانے کی احادیث کو زیادہ تر بیان کیا جائے لیکن اس طرح نہیں کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو جائیں اور جب انسان پر موت کا وقت آئے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی رحمت ومغفرت کی وسعت سے متعلق آیات واحادیث سنانی چاہیے تا کہ مرتے وقت بندے کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن قائم رہے۔ (اکمال اکمال المعلم، ج:۷، ص:۱۵۵)

علامہ سعیدی مزید لکھتے ہیں: اس حدیث کا منشا یہ نہیں کہ لوگ گناہ کریں اور پھر مغفرت چاہیں بلکہ اس کا منشا یہ ہے کہ لوگ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے رہیں، عبادت گزار اور نیکوکار بھی اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتے رہیں، کیونکہ انسان کتنی بھی عبادت کیوں نہ کرلے وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی غیر متناہی نعمتوں میں سے کسی ایک نعمت کا بھی شکر ادا نہیں کرسکتا، اس لیے ہر وقت اپنی عبادت کی کمی پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے رہنا چاہیے یا اس کا منشا یہ ہے کہ اگر انسان سے گناہ ہوجائے تو فوراً توبہ اور استغفار کرے اور توبہ سے غافل نہ ہو۔ (شرح صحیح مسلم، ج:۷، ص:۵۱۲)

حضور کی دعا ابوایوب کے لیے: ایک مرتبہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک میں کوئی تکلیف دہ چیز دیکھی تو فوراً سے نکال دیا، حضرت ابوایوب کی اس محبت بھری ادا کو جب حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا تو دعاؤں سے نوازتے ہوئے کہا: ''لا یصیبك السوء یا ابا ایوب'' اے ابوایوب! تمہیں کبھی تکلیف نہ پہنچے۔

(تاریخ دمشق، ج:۱۶، ص:۷۰۴، الاصابہ، ج:۲، ص:۹۰، المستدرک علی الصحیحین، حدیث:۵۹۶۳)

امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انہیں دعاؤں کا اثر تھا کہ آپ پوری زندگی آفات و بلیات سے محفوظ رہے اور بعد وصال آپ کی قبر دشمن کے شہر میں ہونے کے باوجود بھی محفوظ رہی، جیسا کہ ہم عنقریب اس کو بیان کریں گے۔

ابوایوب نے انداز دعا سکھایا: ابوزید اور نوف بکالی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عیادت کرنے حاضر ہوئے تو حضرت نوف نے دعا کی کہ ''اے اللہ! حضرت ابوایوب کو عافیت اور شفا عطا فرما'' اس پر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: یہ نہیں بلکہ اس طرح دعا کرو: اے اللہ! اگر ابوایوب کی موت کا وقت قریب آ گیا ہے تو انہیں بخش دے اور ان پر رحمت نازل فرما اور اگر موت قریب نہیں ہے تو انہیں

https://alislami.net

عافیت، شفا اور اجر عطا فرما۔ (تاریخ دمشق، ج:۱۶، ص:۵۲)

"اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو" کا مطلب: رومیوں سے جنگ کے موقع پر لوگوں نے ایک مجاہد کا جوش جہاد دیکھا، اس مجاہد نے جب رومیوں کو صف بستہ دیکھا تو تن تنہا رومیوں کی صفوں میں گھس کر ان پر حملہ کر دیا، تو کچھ لوگوں نے بلند آواز سے کہا: سبحان اللہ! یہ شخص اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں ڈال رہا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ" یہ سن کر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے لوگو! تم اس آیت کا جو معنیٰ سمجھ رہے ہو وہ معنیٰ اس آیت کا نہیں ہے (تم سمجھ رہے ہو کہ جس طرح اس شخص نے کیا ہے اس طرح جانی، مالی نقصان اٹھانا یہ خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے) سنو! یہ آیت ہم گروہ انصار کے حق میں نازل ہوئی ہے، ہوا یوں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرما دیا اور اسلام کے جاں نثار بڑھ گئے تو ہم لوگوں میں سے بعض نے رازدارانہ طور پر یہ بات کہی جنگوں میں ہمارے بہت مال خرچ ہو چکے ہیں اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرما دیا، اب ہم اپنے مالوں کو بچا کر رکھیں تو یہ ضائع ہونے سے بچ جائیں گے، تب اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم پر رد کرتے ہوئے مذکورہ آیت نازل فرمائی، اور فرمایا: ہلاکت راہ خدا میں (جان و) مال قربان کرنے میں نہیں بلکہ جہاد چھوڑ کر اپنے مالوں کی اصلاح کرتے رہنے میں ہلاکت ہے۔ (تاریخ دمشق، ج:۱۶، ص:۵۷، السنن الکبریٰ للبیہقی، حدیث: ۱۷۷۰۴، سنن ابی داؤد، حدیث: ۲۵۱۴)

ازواج: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو بیویاں تھیں ایک کا نام ام ایوب بنت قیس بن سعد ہے، اور دوسری کا نام ام حسن بنت زید ہے۔

تفصیل ملاحظہ ہو: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ازواج واولاد سے متعلق مؤرخین نے زیادہ تفصیل سے نہیں لکھا ہے اور اگر لکھا ہے تو ہم اس پر واقف نہیں ہو سکے تاہم تلاش بسیار کے بعد جو حاصل ہوا ہے وہ قلم بند کیا جا رہا ہے۔

علامہ ابن سعد نے طبقات میں فرمایا: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا

ایک بیٹا تھا جس کا نام عبدالرحمن تھا، عبدالرحمن کی ماں ام حسن بنت زید ہیں۔ عبدالرحمن کے یہاں ایک بیٹا پیدا ہوا لیکن وہ بچپن میں ہی انتقال کر گیا، اس کے سوا حضرت ابوایوب کے تذکرے میں امام ابن سعد نے نہ کسی دوسری بیوی کا ذکر کیا ہے اور نہ بیٹا بیٹی کا۔ طبقات ابن خیاط، طبقات خلیفہ میں بھی حضرت عبدالرحمن کا ذکر ہے۔ (طبقات ابن سعد، ج: ۳،ص: ۴۴۹، طبقات ابن خیاط، ج: ۱، ص: ۲۵۱، طبقات خلیفہ، ج: ۱، ص: ۴۳۸)

دیگر مؤرخین نے حضرت ام ایوب کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ام ایوب انصاریہ خزرجیہ صحابیہ تھیں جو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ تھیں اور یہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ماموں کی بیٹی تھیں، ام ایوب کے والد کا نام قیس بن سعد تھا (ام ایوب ہی آپ کی وہ زوجہ ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت کرنے میں حضرت ابوایوب کے شریک کار رہتی تھیں، حضور کے لیے کھانے وغیرہ بنانے کا اہتمام بھی یہی فرماتی تھیں) (تقریب التہذیب، ج: ۲، ص: ۷۵۵، تہذیب التہذیب، ج: ۷۴، ص: ۶۶، تہذیب الکمال، ج: ۳۵، ص: ۳۳۱)

ام ایوب اور ام حسن دونوں الگ الگ ہیں کیونکہ دونوں کے نسب نامے الگ الگ ہیں۔ ام حسن کے والد کا نام زید ہے، جبکہ ام ایوب کے والد کا نام قیس ہے۔ اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ حضرت ابوایوب کی دو بیویاں تھیں۔

اولاد: ہماری تلاش کے مطابق آپ کے دو بیٹے ایک کا نام ایوب دوسرے کا نام عبدالرحمن تھا، ایک بیٹی جس کا نام عمرہ تھا۔

تفصیل ملاحظہ ہو: حضرت ابو ایوب کی ازواج کے تذکرے میں ایک بیٹے عبد الرحمٰن کے بارے میں آپ پڑھ آئے ہیں۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوسرے بیٹے کا نام ایوب ہے، جس کے نام پر آپ کی کنیت ابوایوب اور آپ کی زوجہ کی کنیت ام ایوب مشہور ہوئی، ایوب کا تذکرہ علامہ ابن نقطہ نے اپنی کتاب اکمال الاکمال میں محمد بن عبداللہ ابوبکر کا نسب نامہ بیان کرتے ہوئے لکھا

ہے: ایوب بن ابی ایوب خالد بن زید بن کلیب۔ (اکمال الاکمال، ج:۲،ص:۷۱۹)

علامہ ابن سعد نے طبقات میں صحابیات کے ذکر میں ایک نام حضرت عمرہ کا شمار کرایا ہے، ان کا نسب نامہ اس طور پر لکھا ہے: عمرہ بنت ابوایوب خالد بن زید بن کلیب، انہیں حضور سے بیعت کرنے کا شرف حاصل ہے، ان کی ماں ام ایوب بنت قیس ہیں، ان کا نکاح صفوان بن اوس کے ساتھ ہوا، ان کے بطن سے ایک بیٹا خالد بن صفوان پیدا ہوا، اس بیان سے معلوم ہوا کہ یہ حضرت ابوایوب کی شہزادی ہیں۔

(طبقات ابن سعد، ج:۱۰،ص:۴۱۷، المحبر، ج:۱،ص:۴۳۱)

(اردو کے بعض سوانح نگاروں نے بغیر کسی حوالے کے آپ کے دو بیٹے خالد اور محمد مزید شمار کرائے ہیں، لیکن ہم تلاش بسیار کے بعد بھی اس پر مطلع نہ ہو سکے۔ واللہ تعالیٰ اعلم)

روح اطہر کے لیے آیا ہوں پتھر کے پاس نہیں: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پوری زندگی حضور کے عشق سے پر بہار رہی، بارگاہ نبوی میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیشہ نذرانۂ دل لٹایا اور انگنت مرتبہ شرف باریابی پایا، بلکہ ایک مدت تک میزبان رسول بننا انہیں کا مقدر ٹھہرا، حضور کی دیوانگی میں پوری رات جاگ کر کاٹ دی، ظاہر ہے کہ وصال کے بعد کے لمحات ان پر کتنے شاق گزرے ہوں گے؟ دل مضطرب کو سکون پہنچانے کے لیے ایک مرتبہ حضور کی قبر اطہر پر حاضر ہوئے، حاکم وقت مروان بن حکم کا اتفاقاً ادھر سے گزر ہوا، اس نے دیکھا کہ قبر رسول کے پاس کوئی شخص بیٹھا ہوا ہے اور اپنے رخسار کو قبر منور کی خاک اکرم جو حقیقت میں رشک ارم ہے سے مس کر رہا ہے، مروان نے بغیر پہچانے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات والا صفات پر اعتراض کر دیا، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مروان کو ایسا دندان شکن جواب دیا کہ مروان بن حکم خاموش ہو گیا۔ پورا بیان حضرات محدثین کرام سے سنتے ہیں وہ فرماتے ہیں: ''مروان نے ایک دن ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اپنے چہرے کو حضور کی قبر اطہر پر رکھے ہوئے ہے، اس نے آنے والے شخص کی گردن پکڑ کر

https://alislami.net

کہا: آپ کو معلوم ہے آپ کیا کر رہے ہیں؟ اب جو مروان نے دیکھا تو وہ شخص صحابی رسول حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مروان کو جواب دیا: میں حضور کے پاس آیا ہوں اینٹ، پتھر کے پاس نہیں آیا ہوں، میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: دین پر نہ روؤ جب تک دیندار شخص دین کا والی ہو، ہاں اس وقت روؤ جب نااہل شخص والی ہو'۔ (المستدرک علی الصحیحین، حدیث: ۸۵۷۱، مسند احمد، حدیث: ۲۳۵۸۵، سبل الہدیٰ والرشاد، ج: ۱۲، ص: ۳۹۸، خلاصۃ الوفاء باخبار المصطفیٰ، ج: ۱، ص: ۴۵۷، تاریخ ابن ابی خیثمہ، ج: ۲، ص: ۷۶، تاریخ دمشق، ج: ۵۷، ص: ۲۵۰)

ہمیں حضرت ابو ایوب مبارک اور وہابیہ کو مروان: اعلیٰ حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ تعظیم روح اور تعظیم قبر کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: تعظیم روح اور تعظیم قبر میں فرق نہ کرنا سخت جہالت ہے۔ عارف نابلسی کا ارشاد گزرا اور امام سمہودی فرماتے ہیں: خاص زمین قبر کی تعظیم مقصود نہیں بلکہ اس کی تعظیم مقصود ہے جو اس میں فروکش ہے (پھر مذکورہ بالا روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں) یہ صحابی سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے تو تعظیم قبر و روح مطہر میں فرق نہ کرنا مروان کی جہالت اور اسی کے ترکے سے وہابیہ کو پہنچی اور تعظیم قبر سے جدا ہو کر تعظیم روح کی برکت لینا صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنت ہے اور اہل سنت کو انہیں کی میراث ملی۔ وللہ الحمد۔

(فتاویٰ رضویہ، ج: ۹، ص: ۵۲۱)

معرکۂ قسطنطنیہ اور مرض وصال: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی پوری زندگی خدمت اسلام کے لیے وقف کر دی، اعدائے اسلام کے خلاف جہاد کرنا ان کا سب سے محبوب مشغلہ رہا، پوری زندگی ایک شیر دل مجاہد کی صورت میں گزاری، اللہ تعالیٰ نے ان کے مجاہدانہ کردار اور مخلصانہ خدمات کو قبول فرمایا، ان کی زندگی میں جب وہ دن آیا جو ہر ایک کے لیے آتا ہے تو وہ اہل وعیال و عزیز و اقارب کی مجلس اور یاران خوش مزاج و بہی خوان دل نواز کی محفل خوش رنگ میں نہ تھے بلکہ رزم حق و باطل میں صف آرا

https://alislami.net

تھے، مرض وصال کے لمحات شروع ہو گئے، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پوری زندگی اعدائے اسلام سے برسر پیکار رہے یہاں تک کہ حضرت امیر معاویہ کا زمانہ آ پہنچا، آپ کا آخری غزوہ جہاں سے آپ کے سفر آخرت کی ابتدا ہوتی ہے، وہ تھا جس کی منصوبہ بندی حضرت امیر معاویہ نے فرمائی تھی، حضرت امیر معاویہ نے لشکر اسلام کو رومیوں کے خلاف فتح قسطنطنیہ کے لیے روانہ فرمایا تھا، اس لشکر کی قیادت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے یزید (جو بعد میں پلید اور اسلام کے دامن پر بدنما داغ ثابت ہوا) کو سونپی تھی، قیادت کی وسعت خواہ جو بھی رہی ہو (جیسا کہ حضور شارح بخاری لکھتے ہیں: یزید پلید جس لشکر میں شریک ہوا، خواہ وہ سپہ سالار کی حیثیت سے رہا ہو، خواہ کسی ٹولی کے سردار کی حیثیت سے۔ مقالات، ج:۲،ص:۴۰۲) بہرحال حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس لشکر میں اسی سال کی عمر میں ایک مجاہد کی حیثیت سے شریک رہے، مجاہدین اسلام کے ساتھ سفر کرتے ہوئے دشمن کی سرزمین پر پہنچے مسلمانوں نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا۔

وصال: محاصرے کے دوران حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے بیمار ہوئے، جسم میں قتال کی قوت باقی نہ رہی، اور آپ بستر مرگ پر استراحت کے لیے مجبور ہو گئے، امیر لشکر آپ کی عیادت کے لیے حاضر ہوا اور آپ سے پوچھا: آپ کی کوئی خواہش ہو تو فرمائیں! آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: لشکر مسلمین سے میرا سلام کہنا اور پھر انہیں میرا پیغام دینا کہ ابوایوب انصاری کی آخری خواہش یہ ہے کہ مسلمان دشمن کی زمین میں چلتے چلے جائیں، جہاں تک ممکن ہو رومیوں کی زمین میں گھس جائیں، ابو ایوب کے جنازے کو اپنے ساتھ لے جائیں اور فصیل قسطنطنیہ کے سائے میں مجھے دفن کر دیں، آپ نے یہ باتیں کہیں اور کچھ ہی دیر میں آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ" (صور من حیاۃ الصحابۃ، ص: ۴۷، تاریخ دمشق، ج:۱۶، ص:۵۹، اسد الغابہ، ج:۲، ص: ۱۲۳، الاستیعاب، ج:۱، ص:۱۹۷)

فصیل قسطنطنیہ کے پاس دفن کی خواہش: ممکن ہے کہ ہمارے قارئین

کے دل میں یہ سوال پیدا ہو رہا ہو کہ آخر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیوارِ قسطنطنیہ کے پاس دفن ہونے کی خواہش ظاہر کیوں کی؟ لہٰذا ہم اس کا جواب دیتے چلیں، حقیقت یہ ہے کہ آپ کی اس خواہش کا داعیہ بھی حدیث رسول ہے، اس کو علامہ شہاب الدین احمد بن محمد المعروف بابن عبد ربہ اندلسی نے اپنی کتاب العقد الفرید میں قدرے تفصیل سے لکھا ہے، آپ لکھتے ہیں:

امیر لشکر نے آپ سے پوچھا: آپ کی کوئی خاص حاجت ہو تو بیان فرمائیں؟ آپ نے فرمایا: تمہاری دنیا سے تو مجھے کوئی حاجت نہیں (لیکن آخرت سے متعلق میری یہ خواہش ہے) کہ تم سے جتنا ہو سکے دشمن کی سرحد میں مجھے اتنا اندر دفن کرنا، کیوں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ''قسطنطنیہ کی دیوار کے پاس ایک صالح شخص کو دفن کیا جائے گا'' میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے وہی شخص بنا دے۔ بس یہی سبب تھا کہ آپ نے وہ خواہش ظاہر کی جو آپ نے پڑھا۔ (العقد الفرید، ج:۵، ص:۱۱۶)

بعض مؤرخین نے اس وصیت میں ایک اور نکتہ بیان فرمایا ہے جو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شوق جہاد کا غماز ہے، ڈاکٹر صلابی لکھتے ہیں: وصیت کے پیچھے ایک راز یہ بھی تھا کہ آپ ہر قیمت پر دشمن کی سرحد میں گھس جانا چاہتے تھے، اگر یہ زندگی میں ممکن نہ ہو تو بعد ممات ہی سہی۔ وہ دشمن کی سرزمین پر قبضہ کرنا چاہتے تھے، لہٰذا جو کچھ زندگی میں نہ ہو سکا وہ اس کو بعد مرگ کرنا چاہتے تھے۔ (عمر بن عبدالعزیز لعلی محمد الصلابی، ج:۲، ص:۷۴)

نماز جنازہ اور تدفین: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آخری خواہش کا مسلمانوں نے لبیک کہتے ہوئے استقبال کیا اور اس کو پورا کرنا اپنا فرض منصبی جانا، چنانچہ جنازہ تیار کیا گیا، یزید نے نماز جنازہ پڑھائی (خیال رہے اس وقت تک یزید کی پلیدگی اور کالے کرتوت لوگوں کے سامنے نہ آئے تھے، ابھی تک لوگ اسے حضرت امیر معاویہ صحابی رسول کا بیٹا سمجھتے تھے اور بس، اس کی کارستانیاں خلیفہ بن جانے کے بعد ظاہر ہوئیں) پھر مجاہدین اسلام نے پے در پے رومیوں پر حملے کیے، یہاں تک کہ مسلمان

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازے کو اپنے کاندھوں پر اٹھائے رومیوں پر حملہ کرتے ہوئے فصیل قسطنطنیہ تک جا پہنچے، دیوار قسطنطنیہ کی بنیاد کے پاس حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کھودی گئی اور وہیں آپ کو دفن کردیا گیا۔

(طبقات ابن سعد، ج: ۳،ص: ۴۵۰، تاریخ الخمیس، ج: ۲،ص: ۲۹۴، الوافی بالوفیات، ج: ۴،ص: ۳۴۴، مشاہیر الصحابہ، ج: ۱،ص: ۱۴۹، البدایہ والنہایہ، ج: ۱۱،ص: ۲۵۲، صور من حیاۃ الصحابۃ،ص: ۴۷، سیر اعلام النبلاء، ج: ۲،ص: ۴۱۲)

وفات کا سال: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کس سنہ میں واصل حق ہوئے اس سلسلے میں مؤرخین کے درمیان اختلاف ہے۔ سنہ وفات کے طور پر کتابوں میں پچاس، اکیاون، باون اور پچپن ہجری کے اقوال درج ہیں لیکن زیادہ تر مؤرخین نے باون ہجری کو آپ کا سنہ وفات بیان فرمایا ہے۔ وقت وفات آپ کی عمر تقریباً اسی سال تھی۔

(تاریخ دمشق، ج: ۱۶،ص: ۶۴، سیر اعلام النبلاء، ج: ۲،ص: ۴۱۲، طبقات ابن سعد، ج: ۳،ص: ۴۵۰، اسد الغابہ، ج: ۲،ص: ۱۲۳، الاستیعاب، ج: ۱،ص: ۱۹۷)

وصال سے پہلے حدیث سنائی: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے وصال سے پہلے چند وہ احادیث بھی سنائیں جو انہوں نے مصلحتاً ابھی تک کسی کو نہ سنائی تھیں (ایک حدیث کا بیان ہم ماقبل میں کر چکے ہیں) آپ نے فرمایا: میں اگر اس حالت کو نہ پہنچ گیا ہوتا (موت کے قریب) تو میں تمہیں یہ حدیث نہ سناتا، پھر آپ نے فرمایا: میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے ''من مات لا یشرك باللّٰہ شیئا دخل الجنة'' جو اس حال میں مرا کہ وہ اللہ کے ساتھ شرک نہیں کرتا (مومن مرا) تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (البدایہ والنہایہ، ج: ۱۱،ص: ۲۵۳، تاریخ دمشق، ج: ۱۶،ص: ۵۸)

رومیوں نے آپ کی قبر کی حفاظت کی: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رات کے وقت رومیوں کی سرزمین، قسطنطنیہ میں دفن کیا گیا تھا، صحابی رسول کی تدفین میں مسلمانوں نے جو اہتمام کیا تھا، رات میں رومیوں نے اسے ملاحظہ کیا تھا، صبح کو

رومیوں نے مسلمانوں سے معلوم کیا: رات کیا معاملہ تھا؟ جس کا آپ لوگ اہتمام کر رہے تھے، مجاہدین اسلام نے جواب دیا: رات ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک عظیم صحابی کا انتقال ہو گیا تھا، ہم حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تدفین میں مصروف تھے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ قیصر نے قتال کے وقت ایک تخت دیکھا تھا، جسے لوگ کاندھے پر اٹھائے ہوئے تھے، قیصر نے مسلمانوں کی طرف قاصد بھیج کر اس کا مقصد معلوم کیا تو مسلمانوں نے جواب دیا کہ ہم حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک برگزیدہ صحابی کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے انہیں تمہاری سرزمین میں دفن کر رہے تھے، قیصر نے کہا: تم بڑے عجیب لوگ ہو، آپ نے اپنے نبی کے صحابی کو ہماری مملکت میں دفن کر دیا، تم ادھر جاؤ گے ہم ادھر ان کی لاش کو نکال کر کتوں کے حوالے کر دیں گے۔ (العیاذ باللہ) مسلمانوں نے قیصر کو جواب دیتے ہوئے فرمایا: ہم صرف اپنے نبی کے صحابی کے جسم کو تمہاری زمین میں ودیعت نہیں کر رہیں ہیں بلکہ یہ جملے بھی تمہارے کانوں میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کر رہے ہیں اگر تم نے صحابی رسول کے ساتھ ادنیٰ سی گستاخی کی تو مملکت اسلامیہ میں کوئی نصرانی زندہ بچے گا نہ کوئی گرجہ باقی رہے گا، قیصر نے کہا: میں مسیح کی قسم کھا کر وعدہ کرتا ہوں، ہم خود تمہارے نبی کے صحابی کی قبر کی حفاظت کریں گے۔

(تاریخ دمشق، ج:۱۶،ص:۶۲، العقد الفرید، ج:۵،ص:۱۱۷)

مؤرخین کی بڑی تعداد نے یہ بات خاص طور پر ذکر کی ہے کہ رومیوں نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کی پوری ذمہ داری کے ساتھ حفاظت کی۔ (طبقات ابن سعد، ج:۳،ص:۴۰۵، سیر اعلام النبلاء، ج:۲،ص:۴۱۲، تاریخ دمشق، ج:۱۶،ص:۶۲)

رومیوں نے آپ کا مزار بنایا: رومیوں نے مسلمانوں سے کیا ہوا وعدہ نبھایا، حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار بنایا، اس کی حفاظت کی اور حسب ضرورت اس کی مرمت بھی کرتے رہے، مزار پر سفید رنگ کا گنبد تعمیر کیا گیا تھا جس میں قندیلیں روشن کی جاتی تھیں۔ حضرت ابوسعید فرماتے ہیں: میں سو ہجری میں آپ کے مزار

https://alislami.net

پر حاضر ہوا تو میں نے وہاں قندیلیں روشن دیکھیں۔

بعض روایتوں میں ہے کہ رومیوں نے آپ کی قبر پر عمارت بنائی اور چار قندیلیں روشن کیں۔(معرفۃ الصحابہ لابی نعیم، ج:۲،ص:۹۳۳،بغیۃ الطلب، ج:۳،ص:۲۱۶،تاریخ دمشق، ج:۱۶،ص:۶۲)

قارئین کرام غور فرمائیں! مجاہدین اسلام نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اجنبی سرزمین میں سپرد خاک کر دیا لیکن رومیوں کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مبارک جسم کو کوئی نقصان پہنچاتے، یہ ان دعاؤں کا اثر تھا جو حضور نے ان کے لیے گاہے بگاہے کی تھیں، ان کا بیان کیا جا چکا ہے۔

(سمط النجوم العوالی، ج:۱،ص:۲۳۴)

بارگاہ رب میں حضرت ابوایوب کا وسیلہ: رومیوں نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار کے طور پر ایک بڑی نعمت حاصل کر لی تھی، شاید انہیں آپ کی قبر انور کی برکتوں کا اندازہ ہو گیا تھا، اسی لیے انہوں نے آپ کی قبر انور کے ساتھ اتنا اہتمام کیا، اس پر قبہ بنایا، قندیلیں روشن کیں، اس کی مرمت کراتے رہے اور مکمل دیکھ بھال بھی کرتے رہے۔ اب آپ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کی ایک خصوصی برکت ملاحظہ کریں۔ خیال رہے کہ قبر کی برکت سے مراد صاحب قبر کی برکات ہوتیں ہیں جیسا کہ اس بات کو ہم امام اہل سنت اعلیٰ حضرت کے حوالے سے بیان کر آئے ہیں۔

جب رومیوں پر قحط سالی آ جاتی اور پانی برسنا بند ہو جاتا تو رومی حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر آتے، قبر (کے پردے) کو کھولتے اور بارش طلب کرتے تو اللہ تعالیٰ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلے سے رومیوں پر بارش نازل فرما دیتا۔ اس حقیقت کو ایک دو نے نہیں بلکہ مؤرخین کی غالب اکثریت نے اپنی اپنی کتابوں میں بیان فرمایا ہے۔ بلکہ ڈاکٹر خالد نے تو یہاں تک لکھا ''وانك لتعجب اذ ترى جميع المؤرخين الذين يسجلون تلك الوقائع يقولون وكان الروم يتعاهدون قبره و يزورونه ويسقون به اذا قحطوا'' ترجمہ: آپ کو تعجب ہوگا جب آپ دیکھیں گے

کہ تمام مؤرخین نے اس بات کو بیان کیا ہے کہ رومی آپ کی قبر کی حفاظت وزیارت کرتے اور جب قحط پڑتا تو قبر پر حاضر ہوکر بارش طلب کرتے۔ ہم صرف چند حوالوں پر اکتفا کریں گے۔ (طبقات ابن سعد، ج: ۳، ص: ۴۵۰، الاستیاب، ج:۱، ص: ۳۷۷، اسد الغابہ، ج: ۲، ص: ۱۲۳، سمط النجوم العوالی، ج:۱، ص: ۲۳۴، تاریخ دمشق، ج:۱۶، ص:۶۱، سیر اعلام النبلاء، ج: ۲، ص: ۴۱۲، بغیۃ الطلب فی تاریخ الحلب، ج: ۳، ص: ۲۱۷، معرفۃ الصحابہ لابی نعیم، ج: ۲، ص: ۹۳۳، تاریخ الخمیس، ج: ۲، ص: ۲۹۴، تاریخ الاسلام، ج: ۴، ص: ۳۳۱، رجال حول الرسول، ج:۱، ص: ۳۰۰، السیرۃ الحلبیہ، ج: ۲، ص: ۷۴۹، الوافی بالوفیات، ج: ۴، ص: ۳۴۴)

قسطنطنیہ کا جدید نام استنبول ہے، جب قسطنطنیہ کو ترکوں نے فتح کیا تو آپ کے مزار پر انوار اور آپ کے نام پر بنی ہوئی مسجد کو تاریخی حیثیت سے پہچانا گیا، وہاں پر آج بھی اسلامی شوکت کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ (الدولت الامویہ، ج:۱، ص: ۳۵۱)

مزار زمین میں مستور: زمانے کا امتداد بھی ایک عجیب حقیقت ہے، زمانہ جس قدر لمبا کھینچتا جاتا ہے اسی قدر بہت سی چیزیں بھی تبدیل ہوتی رہتی ہیں، چنانچہ آبادیاں ویرانوں میں اور ویرانے آبادیوں سے بدل جاتے ہیں، کتنے ندی، نالے، جنگلات، مکانات اور عمارات زمانے کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں بلکہ معدوم وموجود ہوتے رہتے ہیں۔ امتدادِ زمانے کا اثر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر انور پر بھی ہوا اور قبر انور زمین میں مستور ہوگئی، یہ واقعہ کتنے سال بعد ہوا؟ یہ بیان کر پانا ہمارے لیے تقریباً ناممکن ہے لیکن اتنا طے ہے کہ پہلی صدی ہجری مکمل ہونے تک یہ معاملہ پیش نہیں آیا تھا، جیسا کہ ہم حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول بیان کر چکے ہیں۔ کہ وہ سو ہجری میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر حاضر ہوئے تھے۔ البتہ بعد کے زمانے میں کسی وقت یہ معاملہ پیش آیا اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مستور ہوگئی، لیکن ۸۵۷ھ ہجری میں جب سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ کو فتح کیا تب حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کو دوبارہ تلاش کرلیا گیا۔

مزار کی بازیافت: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کو کس طور پر تلاش کیا گیا یہ پورا واقعہ ایک ترکی النسل مصنف کی زبانی سنیے (خیال رہے کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار بھی ترکی کے شہر استنبول میں ہی ہے)

علامہ احمد بن مصطفیٰ بن خلیل لکھتے ہیں: جس وقت سلطان محمد خان فاتح نے قسطنطنیہ کو فتح کرنے کا ارادہ کیا تو سلطان نے وقت کے بہت بڑے شیخ حضرت شمس الدین آقا (نام محمد بن حمزہ ہے) کی بارگاہ میں اپنے قاصد احمد پاشا بن ولی الدین کو بھیج کر فتح کے لیے خصوصی دعا کرائی، آقا شمس الدین نے سلطان کے لیے دعائیں فرمائیں اور یہ بشارت بھی عطا فرمائی کہ مسلمان قسطنطنیہ کے قلع میں فلاں دن فلاں جگہ سے داخل ہو جائیں گے اور اے سلطان کے فرستادہ شخص! تم اس دن سلطان کے ساتھ رہو گے، اس مبارک موقع پر شیخ خود بھی سلطان کے لشکر کے ساتھ موجود رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے مسلمانوں کو فتح نصیب فرما دی، فتح کے بعد جب سلطان محمد قلعے میں داخل ہوا تو وہاں پر احمد پاشا ابن ولی الدین سے سلطان کی ملاقات ہوئی، احمد پاشا نے کہا: یہ شیخ کی دعا کا اثر ہے، جو شیخ نے کہا تھا ہم اسے سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، یہ سن کر سلطان محمد خان نے ایک تاریخی جملہ فرمایا: مجھے قسطنطنیہ کے فتح ہو جانے کی اتنی خوشی نہیں ہے، جتنی خوشی مجھے اس بات پر ہے کہ شیخ کی شخصیت میرے زمانے میں موجود ہے، سلطان نے شیخ کے ساتھ خلوت نشینی کی درخواست پیش کی، لیکن شیخ نے سلطان کے اصرار کے باوجود بھی قبول نہ فرمایا، شیخ نے سلطان سے فرمایا: اگر تمہیں خلوت نشینی کی لذت میسر آ گئی تو تم سلطانی سے کنارہ کش ہو جاؤ گے جو کہ مسلمانوں کے لیے بڑا خسارہ ہوگا، پھر چند نصیحتیں فرما کر سلطان کو واپس فرما دیا، سلطان جب شیخ کی بارگاہ میں داخل ہوا تب بھی شیخ اس کے استقبال کے لیے کھڑے نہ ہوئے اور وداع کرتے وقت بھی جیسے بیٹھے تھے ویسے ہی بیٹھے رہے، شیخ کے اس انداز کے بارے میں سلطان نے احمد پاشا بن ولی الدین سے پوچھا، تو انہوں نے جواب دیا: شیخ ایک مربی ہیں اور ان کا مقصد خلق خدا کی تربیت ہے، تم فتح قسطنطنیہ پر کہیں اترانے نہ لگ

https://alislami.net

جاؤ اس لیے تمہیں غرور سے باز رکھنے کے لیے شیخ نے یہ رویہ اختیار فرمایا، پھر ایک دن بعد سلطان نے شیخ کی بارگاہ میں عرضی لگائی کہ وہ صحابی رسول حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کا پتہ لگانے میں سلطان کی مدد فرمائیں، کیونکہ یہ تو مشہور تھا کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر دیوار قسطنطنیہ کے پاس ہے (لیکن اتنا علاقے کی کھدائی کرنا آسان نہ تھا) سلطان کی عرض پر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کا سراغ پانے کے لیے شیخ ایک جگہ تشریف لائے اور فرمایا: میں اس جگہ ایک نور دیکھ رہا ہوں، شاید میزبان رسول حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر یہی ہو، پھر اسی جگہ آپ نے مراقبہ فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: صحابی رسول کی روح میری روح کی طرف متوجہ ہوئی، اس فتح پر مبارک باد پیش فرمائی اور دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تمہاری کوششوں کو قبول فرمائے، تم لوگوں نے مجھے کفرستان کی ظلمتوں سے نجات بخشی، پھر یہ خبر سلطان کو سنائی گئی، سلطان اس جگہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: حضور! آپ جو فرما رہے ہیں، میں اس کی تصدیق کرتا ہوں لیکن آپ کی بارگاہ میں میری اتنی درخواست ہے کہ مجھے کوئی نشانی دکھادیں تاکہ میرا دل مکمل مطمئن ہو جائے، شیخ نے کچھ دیر اور مراقبہ فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: اس جگہ قبر کے سرہانے کی جانب سے تقریباً دو گز زمین کھودو! ان شاءاللہ ایک پتھر نکلے گا جس پر عبرانی زبان میں سب کچھ لکھا ہوگا، شیخ کے حکم کے مطابق کھدائی کی گئی، تقریباً دو گز کھدائی ہو جانے کے بعد وہ تختی برآمد ہوگئی جس کے بارے میں شیخ نے خبر دی تھی۔ عبرانی زبان جاننے والے ایک شخص نے جب اس کو پڑھا تو سب کچھ وہی تھا جو شیخ نے فرمایا تھا، سلطان یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گیا اور اس پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہوگئی، قریب تھا کہ سلطان بے خود ہو کر گر جائے اگر اس کو سنبھالا نہ جاتا، پھر سلطان نے صحابی رسول حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر ایک عظیم الشان قبہ (گنبد) بنانے کا حکم دیا اور ساتھ ہی ایک جامع مسجد بھی بنائی۔ (الشقائق النعمانیہ فی علماالدولۃ العثمانیۃ، ج:۱، ص:۱۴۱)

اس واقعے کو قاضی شوکانی نے بھی پوری تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب البدر الطالع

بمحاسن من بعد القرن السابع میں تحریر کیا ہے، ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ کا ایک بیٹا تھا جو مجذوب تھا، پھر اس کی کرامت بھی بیان کی ہے۔ (البدر الطالع، ج:۲،ص:۱۶۸)

یاد رہے قاضی شوکانی مسلک اہل حدیث کے بڑے سورماؤں میں سے ایک ہیں۔

اس واقعے کا تذکرہ مختصراً کئی مصنفین نے فرمایا کہ حضرت آق شمس الدین ہی وہ شخصیت ہیں جنہوں نے تربت حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نشاندہی فرمائی ہے۔ (الدولۃ العثمانیۃ للصلابی، ج:۱،ص:۱۱۵، فاتح القسطنطنیہ للصلابی، ج:۱،ص:۱۱۷، الموسوعۃ الموجزۃ فی التاریخ الاسلامی، ج۱۰،ص:۹۷۴)

مزار کی موجودہ حالت: فتح محمد شیفتہ رٹائرڈ ڈپٹی چیف کنٹرولر امپورٹ ایکسپورٹ حکومت پاکستان نے اپنے سفر نامے میں حضرت ابوایوب انصاری کے مزار کا آنکھوں دیکھا حال کچھ اس طرح بیان کیا ہے:

قسطنطنیہ صدیوں تک اسلامی تہذیب وتمدن کا گہوارہ رہا ہے، گو ترکی کا دارالحکومت یہاں سے انقرہ منتقل ہو چکا ہے لیکن حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ابدی آرام گاہ ہونے کی وجہ سے اس شہر کو شہرت عام اور بقائے دوام کا جو درجہ مل چکا ہے، اس میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی، قسطنطنیہ کا خوشنما اور عظیم الشان گھاٹ (گولڈن ہارن یا شاخ زریں) جس خلیج کے دہانے پر واقع ہے وہ بھی خلیج ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے موسوم ہے، قسطنطنیہ کے جس محلے میں حضرت ابوایوب کا مزار ہے وہ گولڈن ہارن کے بائیں کنارہ پر واقع ہے، مزار مبارک کی عمارت نہایت رفیع الشان ہے، درگاہ میں ہزاروں کبوتر ادھر ادھر اڑتے نظر آتے ہیں، قبر کا تعویذ زمین کی سطح سے کم وبیش چھ فٹ اونچا ہے، اس کے اردگرد نہایت خوبصورت جالی لگی ہوئی ہے، مزار کی پوری عمارت منقش ہے، اعلیٰ درجے کی تزئین، دیدہ زیب پھول اور دلفریب گلکاری، مزار پر نہایت بیش قیمت اور نفیس چادر پڑی رہتی ہے اور چاروں طرف بھی بیسیوں کتبے لٹکے ہوئے ہیں، ان کتبوں کا خط اتنا پاکیزہ ہے کہ دیکھ کر آنکھوں میں نور آتا ہے اور ترکی کے چابک دست خوش نویسوں کی مہارت فن کی داد دینی پڑتی ہے۔

https://alislami.net

مزار مبارک پر ہر وقت زائرین کا ہجوم رہتا ہے، احاطۂ مزار کے ایک گوشے میں ایک کنواں تھا لوگ تبرکاً اس کا پانی گھر لے جاتے تھے، مزار مبارک کے قریب ایک قبرستان ہے جو گورستان ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے مشہور ہے، اس گورستان میں دفن ہونا بڑی سعادت کا باعث سمجھا جاتا ہے، ترکی کے کئی اکابر اور مشاہیر علما و مشائخ اس قبرستان میں دفن ہیں، روضۂ مبارک کے قریب ہی سلطان محمد فاتح کی تعمیر کردہ عظیم الشان جامع مسجد آج بھی فتح قسطنطنیہ کی یاد دلا رہی ہے، جامع ابوایوب کی عمارت اور صحن بہت وسیع ہے، نماز کے اوقات میں یہاں بہت رونق ہوتی ہے، خاص طور پر جمعہ کے دن تو کہیں تل دھرنے کو جگہ نہیں ہوتی، جامع کے ایک کمرے میں سبز چادر میں لپٹا ہوا ایک علم بھی ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ وہ تاریخی علم ہے جسے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ لڑائیوں میں علمبردار کی حیثیت سے اٹھاتے تھے، سلاطین ترکی کے زمانے میں مزار سے متعلق ایک مدرسہ بھی تھا جہاں دینی تعلیم دی جاتی تھی، یہ مدرسہ بھی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسم گرامی سے منسوب تھا، افسوس کہ یہ مدرسہ بند ہو چکا ہے تاہم تجدد پسندی کے اس دور میں بھی ترک حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار مبارک اور جامع ابوایوب کی بے حد تعظیم کرتے ہیں۔

قسطنطنیہ جسے میزبان رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مدفن ہونے کا شرف حاصل ہے، شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال اس کی عظمت کے بارے میں یوں نغمہ پیرا ہوئے ہیں۔

نکہتِ گُل کی طرح پاکیزہ ہے اس کی ہوا
تُربتِ ایّوب انصاریؓ سے آتی ہے صدا
اے مسلماں ملت اسلام کا دل ہے یہ شہر
سینکڑوں صدیوں کے کشت و خون کا حاصل ہے یہ شہر

(بحوالہ سیرت حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ص: ۲۰۰)

یہ تھیں میزبان رسول حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات کی

https://alislami.net

جھلکیاں جو قوم مسلم میں عشق رسول کی روح پھونکنے اور جذبۂ جاں نثاری پیدا کرنے کے لیے ایک مکمل تعلیم گاہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

میدان کارزار میں اسلام کے اسی سالہ بطل عظیم کا اسلام کو آفاق کی وسعتوں تک لے جانے کا عزم محکم آخری لمحات اور اپنے جنازے سے متعلق کی گئی وصیت وغیرہ واقعات اسلامی نوجوانوں میں جوش، جذبہ اور ولولہ پیدا کرنے کے لیے کافی ہیں، لاکھوں سلام ہوں نبی رحمت پر ان کی آل واصحاب پر خاص کر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جو پوری زندگی خدا کی رضا حاصل کرنے کے لیے رب کے محبوب پر جان چھڑکتے رہے، اسلام کے لیے کوششیں کرتے رہے یہاں تک کہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے گھوڑے پر سوار ہو کر بستر مرگ تک جا پہنچے، اللہ کی رحمت ہو حضرت ابوایوب انصاری پر اور قیامت تک ان سے سچی محبت کرنے والوں پر

ان کے مولیٰ کی ان پر کروڑوں درود
ان کے اصحاب و عترت پہ لاکھوں سلام
جس مسلماں نے دیکھا انہیں اک نظر
اس نظر کی بصارت پہ لاکھوں سلام

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

♣ ♣ ♣

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اجمالی تعارف: اللہ تبارک وتعالیٰ وہ ہے جو رات و دن کی گردشوں کو اپنی مرضی کے مطابق چلاتا ہے، انسانوں کے قلوب واذہان کو جدھر چاہتا ہے ادھر گھماتا ہے، اسی نے اپنے محبوب کو داعی حق اور سراج منیر بنا کر مکہ میں مبعوث فرمایا، داعی حق نے مکہ والوں کو ذات باری کی توحید اور اپنی نبوت کو تسلیم کرنے کی دعوت دی، لوگ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوئے، ایک، ایک، دو، دو لوگ رحمت عالمیاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت پناہ میں آنے لگے اور آخر میں فوج درفوج کی صورت میں اختیار کر گئے، عقل کو جب تک تائید باری حاصل نہ ہو وہ درستگی کی راہ حاصل نہیں کر سکتی، اس لیے عقل وخرد کے کئی تاجور اسلام لانے میں پیچھے رہے اور کئی وہ جنہیں خردمندوں اور دوراندیشوں کی فہرست میں کوئی نمایاں مقام حاصل نہ تھا، سابقین اولین کی صف میں شامل ہو گئے۔ لیکن ”کُلًّا وَّعَدَاللّٰہُ الْحُسْنٰی“ نے متاخرین کو بھی شرف صحابیت حاصل کرا کر منصب منیع اور مقام رفیع عطا فرما دیا، موجودہ صفحات میں ایک ایسے صحابی کا ذکر ہے جو سابقین اولین میں شامل تو نہیں لیکن اسلام لانے کے بعد اسلام کی وفاداری اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت گذاری نے انہیں کئی تمغات عطا فرمائے، وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کاتبین میں شامل، جس نے کتاب اللہ اور عام خطوط دونوں کی کتابت کا ذمہ سنبھالا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خوش کر کے ”اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ ھَادِیًا مَّھْدِیًا“ جیسے معزز الفاظ کے ساتھ دعا حاصل کی، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکمرانی کی بشارت عطا فرمائی، جو ملک رانی کا ماہر، فقہ واجتہاد میں جس کو دسترس حاصل، جس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نسبتی بھائی

(سالہ) ہونے کا منصب حاصل کر کے تمام مومنین کا ماموں بننے کا شرف پایا، امام حسن مجتبیٰ نے صلح فرما کر خلافت ان کے حوالے فرمائی، جو تقریباً چالیس سال تک مسلمانوں کا امیر رہا، جس نے اپنی خلافت میں مملکت اسلامیہ کے حدود کو خوب وسیع فرمایا، اس ذات کا نام معاویہ بن ابی سفیان ہے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔

نام ونسب: آپ کا نسب اس طرح ہے: معاویہ بن ابوسفیان (ابوسفیان کا نام صخر ہے) بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف قرشی اموی۔

آپ کی ماں کا نام: ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ابوسفیان اور والدہ ہند کا نسب نامہ عبد شمس پر جا کر ایک ہو جاتا ہے۔

کنیت: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابوعبدالرحمن تھی۔

(اسد الغابہ، ج:۵،ص:۲۰۱)

پیدائش: بعثت نبوی سے پانچ سال یا سات سال پہلے پیدا ہوئے، بعض حضرات نے تیرہ سال پہلے پیدا ہونے کا قول بھی ذکر کیا ہے لیکن پانچ سال والا قول زیادہ مشہور ہے۔ (الاصابہ، ج:٦،ص:۱۱۲)

حلیہ: حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ بہت حسین وجمیل شخص تھے، قد دراز اور رنگ گورا تھا، داڑھی میں سرخ رنگ ملا ہوا خضاب لگاتے تھے، انتہائی بردبار، فیاض وعادل تھے۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۱۱،ص:۳۹۷)

خاندانی وجاہت: حضرت امیر معاویہ کا خاندان ایام جاہلیت میں غیر معمولی اہمیت واقتدار کا حامل تھا، آپ کے جد اعلیٰ امیہ بن عبد شمس رؤسائے قریش میں سے تھے خلفائے بنی امیہ، امیہ بن عبد شمس کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے اموی کہلائے، ابوسفیان بن حرب جنہوں نے قبول اسلام سے پہلے تمام غزوات میں رئیس قریش کی حیثیت سے لشکر قریش کی قیادت کی، اموی تھے۔ (یہ حضرت امیر معاویہ کے والد ہیں) غرض یہ کہ حضرت امیر معاویہ کا خاندان شرافت، ریاست اور غزوات کے اعتبار سے عرب میں

https://alislami.net

نہایت ممتاز تھا اور بنو ہاشم کے بعد کوئی اور خاندان شرافت و سیادت میں آپ کے خاندان کا ہم پایہ نہ تھا۔ (مقالات سعیدی، ص: ۱۹۳، معارف صحابہ، ج: ۱، ص: ۲۵۷)

یہ تعارف حضرت علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سلسلے میں لکھا ہے۔ حضرت عثمان غنی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک ہی خاندان کے چشم و چراغ ہیں، لہٰذا یہی تعارف حضرت امیر معاویہ کے خاندان کا بھی رہے گا۔

قبل اسلام: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لانے سے پہلے ایک سخت دل کافر ابوسفیان کے بیٹے تھے (ابوسفیان بعد میں مسلمان ہوکر صحابی ہوئے) ابو سفیان غزوۂ بدر کے بعد قریش کے سردار مطلق ہو گئے تھے اور فتح مکہ تک انہوں نے ہر جنگ میں اسلام کے خلاف کفر کی قیادت کی تھی، معاویہ ان کے بیٹے تھے لیکن تاریخ سے واقفیت رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ جنگ بدر سے لے کر آخر تک کسی بھی جنگ میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام کفار کے فوجیوں کی لسٹ میں شامل نہیں حالانکہ وہ اس وقت نوجوان تھے اور سالار اعظم کے بیٹے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدا سے ہی وہ اسلام کے متعلق اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتے تھے۔

شیخ محمد صقر لکھتے ہیں: حضرت امیر معاویہ اسلام لانے سے پہلے ان کے ہاتھ یا زبان سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف پہنچی ہو اس سے تاریخ ناآشنا ہے۔

(معاویہ ابن ابی سفیان، ج: ۱، ص: ٦٤)

قبول اسلام: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس وقت اسلام قبول کیا؟ اس بات کو لے کر مؤرخین کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے وقت اسلام قبول کیا، جب کہ بعض کا خیال ہے کہ حدیبیہ کے بعد آپ اسلام لے کر آئے لیکن فتح مکہ تک اپنے اسلام کو چھپائے رہے اور فتح مکہ کے وقت اپنے اسلام کا اعلان فرمایا۔

https://alislami.net

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: امام واقدی نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیبیہ کے بعد ایمان لائے اور اپنے ایمان کو چھپائے رکھا، فتح مکہ کے وقت اپنے اسلام کو ظاہر فرمایا، جس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمرۂ قضا ادا فرمایا تھا، اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان تھے۔

ایک اعتراض: صحیح مسلم میں روایت ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تمتع (عمرۂ قضا) کے بارے میں پوچھا گیا تو حضرت سعد نے جواب دیا: ہم تمتع کیا کرتے تھے اور یہ (امیر معاویہ) اس وقت مکہ کے مکانوں میں حالت کفر میں تھے۔ (مسلم، کتاب الحج، باب جواز التمتع)

جواب: علامہ ابن حجر نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ حضرت امیر معاویہ حدیبیہ کے بعد ایمان لائے ہیں تو حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کا مطلب ہوگا یہ انہوں نے اس لیے کہا کہ حضرت امیر معاویہ کے فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے کی اطلاع حضرت سعد کو نہیں پہنچی اور انہوں نے وہ بات کہی جو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں جانتے تھے اب سوال یہ ہے کہ حضرت سعد کو ان کے ایمان لانے کی اطلاع کیوں نہیں پہنچی؟ اس کا جواب نہایت آسان ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ایمان کا اعلان فتح مکہ کے وقت ہی کیا تھا پہلے سے وہ اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھے۔ (الاصابہ، ج:۶، ص:۱۱۲)

علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا: جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمرۂ قضا کے لیے مکۂ مکرمہ تشریف لائے اس وقت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق کر چکا تھا (ایمان لا چکا تھا) پھر جب سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فاتح مکہ کی حیثیت سے مکۂ مکرمہ میں داخل ہوئے تو میں نے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ جس وقت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ابوسفیان کو معلوم ہوا کہ معاویہ اسلام لا چکے ہیں لیکن اپنے والد سے اسلام کو چھپائے رکھا ہے، تب

ابوسفیان نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طعنہ مارا ''تم سے اچھا تو تمہارا بھائی یزید بن ابوسفیان ہے کہ وہ اپنی قوم کے دین پر قائم ہے''۔ (البدایہ والنہایہ، ج:١١،ص:٣٩٦)

مفتی احمد یار خان صاحب علیہ الرحمہ کی تحقیق: حضرت علامہ مفتی احمد یار خاں نعیمی علیہ الرحمہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے کی تاریخ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

صحیح یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاص صلح حدیبیہ کے دن ٦ ھ میں اسلام لائے مگر مکہ والوں کے خوف سے اپنا اسلام چھپائے رہے، پھر فتح مکہ کے دن اپنا اسلام ظاہر فرمایا، جن لوگوں نے کہا ہے کہ وہ فتح مکہ کے دن ایمان لائے انہوں نے ظہور ایمان کے لحاظ سے کہا ہے۔ جیسے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ در پردہ جنگ بدر کے دن ہی ایمان لا چکے تھے مگر احتیاطاً اپنا ایمان چھپائے رہے اور فتح مکہ میں ظاہر فرمایا تو لوگوں نے انہیں بھی فتح مکہ کے مومنوں میں شمار کر دیا، حالاں کہ آپ قدیم الاسلام تھے، بلکہ بدر میں بھی کفار مکہ کے ساتھ مجبوراً تشریف لائے، اسی لیے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ کوئی مسلمان عباس کو قتل نہ کرے وہ مجبوراً لائے گئے ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حدیبیہ میں ایمان لانے کی دلیل وہ حدیث ہے جو امام احمد نے امام باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت فرمائی ہے کہ امام باقر سے عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ ان سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احرام سے فارغ ہوتے وقت حضور کے سر شریف کے بال مروہ پہاڑ کے پاس کاٹے۔

نیز وہ حدیث بھی دلیل ہے جو بخاری شریف نے بروایت طاؤس عبداللہ بن عباس سے روایت فرمائی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ حجامت کرنے والے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، اور ظاہر یہ ہے کہ یہ حجامت عمرۂ قضا میں واقع ہوئی جو صلح حدیبیہ کے ایک سال بعد ٧ ھ میں ہوا کیوں کہ حجۃ الوداع میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قران کیا

تھا اور قارن مروہ پر حجامت نہیں کراتے بلکہ منی میں دسویں ذی الحجہ کو کراتے ہیں۔ نیز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حج وداع میں بال نہ کٹوائے تھے بلکہ سر منڈایا تھا، ابوطلحہ نے حجامت کی تھی تو لامحالہ امیر معاویہ کا یہ حضور کے سر شریف کے بال تراشنا عمرۂ قضا میں فتح مکہ سے پہلے ہوا۔ معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتح مکہ سے پہلے ایمان لا چکے تھے۔ (امیر معاویہ پر ایک نظر، ص:۳۷)

مؤاخات: جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اسلام لانے کو ظاہر فرما دیا، اس کے بعد آپ اپنے اہل وعیال کے ساتھ مدینۂ منورہ منتقل ہو گئے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کی مؤاخات حتات بن یزید مجاشعی کے ساتھ قائم فرمائی۔ (الروض الانف، ج:۷، ص:۴۴۵، الکامل فی التاریخ، ج:۳، ص:۳۲۴، السیرۃ الحلبیہ، ج:۲، ص:۱۲۸، الاصابہ، ج:۲، ص:۲۶)

ہوازن کا مال غنیمت: فتح مکہ جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اسلام کا اعلان فرمایا اور آپ کے والد ابوسفیان اور آپ کے بڑے بھائی یزید بن ابوسفیان نے اسلام قبول فرمایا، اس کے بعد فوراً غزوۂ حنین پیش آیا جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اپنے بڑے بھائی اور والد محترم کے ساتھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شریک کار رہے، اس غزوے میں مسلمانوں کو مال غنیمت کے طور پر قبیلۂ ہوازن کا مال کثیر ہاتھ آیا تھا، اس مال سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سو اونٹ اور چالیس اوقیہ سونا عطا فرمایا تھا اور اسی قدر مال حضرت ابوسفیان اور ان کے بڑے بیٹے یزید کو بھی دیا تھا، یہ سونا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ہاتھ سے تول کر دیا تھا۔

جب رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس قدر مال حضرت ابوسفیان اور ان کے دونوں بیٹوں کو عطا فرمایا تو ابوسفیان کہہ اٹھے: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ بے شک بڑے کریم ہیں، زمانۂ جنگ میں بھی آپ بہتر لڑنے والے

تھے اور آج جب میں اسلام لے آیا اور آپ کے دست کرم پر صلح کر لی تو آپ کیا ہی سلامتی کی خیرات بانٹنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو بہتر جزا عطا فرمائے۔

(طبقات ابن سعد، ج:٦،ص:١٠، ١٣، ١٦)

امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں ان حضرات پر سخت اعتراض کیا ہے جنہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قدیم الاسلام مانتے ہوئے یہ کہا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تالیف قلبی کرتے ہوئے انہیں مال کثیر عطا فرمایا تھا۔ موصوف فرماتے ہیں: ایک طرف تو یہ (امام واقدی) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قدیم الاسلام مانتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی تالیف فرمائی۔ جب کہ وہ قدیم الاسلام ہیں تو تالیف قلب کا کوئی مطلب نہیں ہوتا۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:٣،ص:١٢٢)

امام واقدی کی طرف سے یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان اور یزید بن ابوسفیان کو جو مال عطا فرمایا تھا وہ تالیف قلب کے لیے تھا لیکن جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد اور بڑے بھائی کو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کثیر عطا فرمایا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اس شرف سے محروم نہیں چھوڑا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مال تالیف قلب کے لیے نہیں دیا گیا بلکہ تبرعاً و احساناً دیا گیا مگر تالیف قلبی والوں کے ساتھ دیا گیا، اس لیے مال کی اس مد میں حضرت امیر معاویہ کا نام بھی شمار کر لیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

امیر معاویہ کاتب وحی: فتح مکہ میں اپنے اسلام کا اعلان کرنے کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکمل طور پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آ گئے اور حضور کو لازم پکڑ لیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان پر اعتماد فرماتے ہوئے ایک عظیم اعزاز سے سرفراز فرمایا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں اس جماعت میں شامل فرما لیا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار میں منصب کتابت پر فائز تھی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس وحی کی کتابت فرماتے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی اور ان خطوط کو بھی رقم فرماتے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گہربار سے فرمارو ایان وقت کو جاری ہوتے یا جو فرامین مخصوص علاقوں میں بھیجے جاتے۔ بعض لوگوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف خطوط کی کتابت فرماتے تھے، حالاں کہ یہ اعزاز بھی کیا کم ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی کو اپنے خطوط تحریر فرمانے کے لیے منتخب فرمالیں، کیوں کہ کسی بھی انسان کے خطوط ایک قسم کا راز ہوا کرتے ہیں لہٰذا امیر معاویہ کا خطوط نبوی لکھنے پر مامور ہونا اس بات کی پختہ دلیل ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا راز داں بنالیا تھا۔

اتنی نسبت مجھے کیا کم ہے تو سمجھا کیا ہے

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ آپ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خطوط بھی تحریر فرماتے تھے اور نازل شدہ وحی کی کتابت بھی فرماتے تھے، علامہ زرقانی لکھتے ہیں: ''وهو مشهور بكتابة الوحی'' حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحی کی کتابت کرنے میں مشہور ہیں۔ پہلے علامہ زرقانی نے کاتبین وحی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام شمار فرمایا پھر جملۂ مذکورہ لکھا ہے۔ (شرح الزرقانی علیٰ مواہب اللدنیہ، ج:۴،ص:۵۵۳)

علامہ حسین بن محمد نے بھی اپنی کتاب تاریخ خمیس میں یہی جملہ لکھا ہے ''وهو مشهور بكتابة الوحی'' (ج:۲،ص:۱۸۲)

علامہ حلبی لکھتے ہیں: ''كان معاوية وزيد بن ثابت ملازمين للكتابة بين يدی رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فی الوحی وغيره لا عمل لهما غير ذالك'' حضرت امیر معاویہ اور زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما دربار رسالت کی کتابت کے لیے لازم تھے اور ان کو کتابت کے سوا اور کوئی کام نہ تھا۔ یہ دونوں وحی اور غیر وحی دونوں کی کتابت فرماتے تھے۔ (السیرۃ الحلبیہ، ج:۳،ص:۴۵۸)

https://alislami.net

علامہ احمد بن علی نے لکھا ہے کہ کتابت وحی کے لیے اگر حضرت عثمان غنی، حضرت علی، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت موجود نہ ہوتے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین وغیرہ وحی کی کتابت فرماتے۔ (امتاع الاسماع، ج:۹،ص:۳۳۴)

علامہ ذہبی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس سے صحیح روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: معاویہ کو بلا کر لاؤ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحی لکھتے تھے۔ (تاریخ اسلام، ج:۴،ص:۳۰۹)

علامہ ابن کثیر نے بھی حضرت امیر معاویہ کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے:

''ابوعبدالرحمن خال المؤمنين وكاتب وحی رسول رب العلمين''

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کے ماموں ہیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کاتب وحی ہیں۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۱۱،ص:۱۶۴)

علامہ ابن حجر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں: معاویہ ابن ابی سفیان جو صحابی رسول ہیں، فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے اور کاتب وحی بھی رہے۔ (تقریب التہذیب، ج:۱،ص:۵۳۷)

علامہ عبدالعزیز بن احمد لکھتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے۔

مفتی حرمین احمد بن عبداللہ طبری نے خلاصۃ الیسر میں لکھا ہے: حضور کے تیرہ کاتب تھے (سب کے نام شمار کرائے ہیں) ان میں سے ایک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، حضرت امیر معاویہ اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کاتبین میں سب سے زیادہ خاص اور لازم بارگاہ تھے اور یہ بات مردود ہے کہ آپ کاتب وحی نہ تھے، حضرت امام احمد بن محمد قسطلانی نے شرح بخاری میں لکھا ہے، ان کے لفظ یہ ہیں: ''ومعاوية بن ابی سفيان صخر ولد حرب كاتب الوحی لرسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم'' (الناہیہ عن طعن امیر المومنین معاویہ،ص:۴۲، ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری، کتاب العلم، باب من یرد اللہ خیرا)

علامہ بدرالدین عینی شرح بخاری میں لکھتے ہیں: حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کاتب وحی تھے، فتح والے سال ایمان لائے، ۷۸ سال کی عمر پائی، مناقب کثیرہ والے صحابی ہیں۔ (عمدۃ القاری، کتاب العلم، باب من یرد اللہ خیرا، مغانی الاخیار، ج:۳،ص:۵۵۵)

مذکورہ حوالوں سے آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ یہ وہ علما ہیں جن پر پوری امت کا اعتماد قائم ہے اور جن کی بات بطور دلیل پیش کی جاتی ہے، ان سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کاتب وحی تھے۔ اب جو نہ مانے وہ اس کی فہم کا قصور ہے۔ دلائل کی الحمد للہ کمی نہیں۔ نا ماننے والا منکر، ہٹ دھرم اور متعصب ہو تو اس کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں۔

کتابت وحی میں امیر معاویہ کا خاص مقام: ابھی ہم پیچھے لکھ آئے ہیں کہ کسی کے خطوط کی کتابت کرنا گویا کہ اس کے راز پر مطلع ہونا ہے تو کتابت خطوط کے لیے بھی وہی شخص چاہیے جس کی ذہانت وامانت پر اعتماد حاصل ہو، ہر کس وناکس کو یہ ذمہ داری نہیں سونپی جاسکتی لیکن کتابت وحی کے لیے تو اس سے زیادہ ذہانت وامانت درکار ہے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ دونوں منصب حاصل تھے، لہٰذا ماننا پڑے گا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کامل اعتماد رکھتے تھے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس اعتماد کو ہمیشہ بحال رکھا، کبھی پامال نہ ہونے دیا، اپنی حسن کارکردگی اور وفا شعاری کی وجہ سے حضرت معاویہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظر میں خوب بھا گئے تھے۔ نتیجتاً حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں کئی مواقع پر اپنی خصوصی دعاؤں سے نوازا۔

امیر معاویہ کو حضور کی دعا: حضرت امام ترمذی اپنی سنن میں روایت کرتے ہیں: حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیر کے ساتھ یاد کرو کیوں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: اے اللہ! معاویہ کے ذریعے (لوگوں کو) ہدایت نصیب فرما۔ (سنن ترمذی، کتاب

https://alislami.net

المناقب، باب مناقب معاویہ)

اس حدیث پاک کو البانی جیسے متعصب ناقد حدیث نے حسن لغیرہ کہا ہے۔

حضرت عبدالرحمن بن ابی عمیرہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے دعا فرمائی: اے اللہ! معاویہ کو ہدایت دینے والا، ہدایت پانے والا بنادے اوران کے ذریعے ہدایت عطا فرما۔

(مسند احمد بن حنبل، حدیث نمبر: ۱۷۹۲۶)

حضرت عرباض بن ساریہ فرماتے ہیں: میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: اے اللہ! معاویہ کو کتاب سکھا، حساب کا علم عطا فرما اور عذاب سے محفوظ فرما۔ (ایضاً، حدیث نمبر: ۱۷۱۵۲)

حضرت مسیلمہ بن مخلد سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے دعا کی: اے اللہ! معاویہ کو کتاب وحساب سکھادے اورشہروں میں اس کے لیے ٹھکانہ بنادے۔ (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، حدیث نمبر: ۱۵۹۱۸)

امارت کی بشارت: ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وضو کرایا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اٹھا کر دیکھا اور فرمایا: اے معاویہ! اگر تمہیں والی بنایا جائے تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا اور انصاف کرنا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جس دن سے میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ سنا مجھے خیال ہونے لگا کہ مجھے اس کام میں آزمایا جائے گا یہاں تک کہ مجھے والی بنادیا گیا۔

(مسند احمد بن حنبل، حدیث نمبر: ۱۶۹۳۳)

منصب کتابت کی طلب: حضرت ابن عباس سے روایت ہے: حضرت ابوسفیان نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! تین باتیں قبول فرمائیں آپ نے فرمایا: اچھا۔ انہوں نے کہا: ام حبیبہ بنت ابوسفیان عرب کی سب سے حسین وجمیل

لڑکی ہیں آپ کا اس سے نکاح کرتا ہوں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا۔ پھر انہوں نے کہا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ اپنا کاتب بنا لیجیے۔ پھر عرض کیا: آپ مجھے لشکر کا امیر بنا دیجیے تا کہ میں کفار سے جنگ کروں جس طرح میں (زمانۂ کفر میں) مسلمانوں سے جنگ کرتا تھا، آپ نے کہا: اچھا۔ راوی حدیث ابوزمیل فرماتے ہیں: اگر ابوسفیان نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ چیزیں نہ مانگی ہوتیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہیں عطا نہ فرماتے لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت کریمہ یہ تھی کہ آپ کسی سائل کا سوال رد نہیں فرماتے تھے۔ (صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فضائل ابی سفیان)

علامہ غلام رسول سعیدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ علامہ نووی لکھتے ہیں: اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ حضرت ابوسفیان ۸ھ میں فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے تھے اور حضرت ام حبیبہ کا آپ سے چھ یا سات ہجری میں نکاح ہوا۔ (پھر حدیث میں یہ جملہ کیوں ہے کہ میں اپنی بیٹی ام حبیبہ کا آپ سے نکاح کرتا ہوں) اشکال کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی ہیں عکرمہ بن عمارہ وہ ضعیف ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے حضرت ابوسفیان نے تجدید نکاح کی درخواست کی ہو۔ (شرح مسلم للنووی، ج:۸،ص: ۲۷۱، شرح صحیح مسلم للسعیدی، ج:۶،ص: ۱۱۸۳)

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے: حقیقت میں ابوسفیان اپنی دوسری بیٹی عزہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نکاح کرنا چاہتے تھے، عزہ بنت ابوسفیان حضرت ام المومنین ام حبیبہ کی بہن تھیں تا کہ وہ ام حبیبہ کا سہارا بن سکیں، اس پر سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں جواب دیا وہ میرے لیے حلال نہیں ہیں۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: اس کی تحقیق کے لیے ہم نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔

(البدایہ والنہایہ، ج:۱۱،ص:۴۰۱)

رہی بات یہ کہ حضرت ابوسفیان نے اپنی دو بیٹیوں کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نکاح میں جمع کرنے کا سوال کیوں کیا؟ اس کے ائمہ نے کئی جواب دیے ہیں: ایک جواب

یہ ہے کہ ابوسفیان قدیم الاسلام نہ تھے اس لیے انہیں یہ مسئلہ معلوم نہ تھا۔

قرآن میں فضیلت معاویہ: سورۂ توبہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے بہت سارے مقامات پر تمہاری مدد فرمائی اور حنین کے دن جب تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے تو وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اتنی وسیع ہو کر تم پر تنگ ہوگئی پھر تم پیٹھ دے کر پھر گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی تسکین اتاری اپنے رسول اور مسلمانوں پر۔ (سورۂ توبہ، آیت نمبر: ۲۵)

اس آیت کریمہ میں یہ ذکر ہے کہ جو جنگ حنین میں شامل تھے ان پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کے ساتھ سکینہ نازل فرمائی اور یہ ثابت شدہ امر ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ حنین میں شامل تھے، لہٰذا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اللہ تعالیٰ کی تسکین حاصل ہوئی۔

سورۂ حدید میں ہے: تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ اور جہاد کیا وہ مرتبہ میں ان سے بڑے ہیں جنہوں نے بعد فتح کے خرچ اور جہاد کیا، اللہ تعالیٰ ان سب سے جنت کا وعدہ فرما چکا۔ (آیت نمبر: ۱۰)

اس آیت کریمہ میں صحابہ کی دو قسمیں کی گئی ہیں، ایک فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والے صحابی اور دوسرے فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والے صحابی اور دونوں سے جنت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے (جیسا علامہ عینی اور حافظ ابن حجر جیسے کثیر محققین کی یہی رائے ہے) یا پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتح مکہ کے بعد ایمان لائے، اگر بعد میں بھی ایمان لائے تب بھی، ایمان لانے کے بعد آپ نے انفاق فی سبیل اللہ کیا اور حنین وطائف میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ قتال بھی کیا۔ بہر حال وہ یا تو فتح مکہ سے پہلی فضیلت کے مستحق ہیں یا فتح مکہ کے بعد والی فضیلت کے، اور قرآن پاک نے یہ بات بالکل صاف فرما دی کہ فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والوں کے درجات اپنی جگہ لیکن جنت

https://alislami.net

کا وعدہ صحابہ کے دونوں گروہ سے ہو چکا ہے اور ''اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ'' لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنتی ہیں۔ آپ کے ذہن میں یہ بات پیدا ہوسکتی ہے کہ آیت کریمہ میں تو جنت کا لفظ استعمال نہیں ہوا پھر ان کو جنتی کیوں کہا جارہا ہے۔ لہٰذا خلجان کو دور کر لیجیے۔ آیت کریمہ میں لفظ حسنیٰ کا استعمال ہوا ہے اور حسنیٰ جنت ہی ہے جیسے کہ دوسری آیت کریمہ میں فرمایا گیا: ''اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى ۙ اُولٰٓىٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا ۚ وَ هُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾'' (الانبیاء، آیت نمبر: ۱۰۱، ۱۰۲) اس آیت کریمہ میں حسنیٰ سے مراد جنت ہے، اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

سورۂ توبہ میں ہے: اللہ تعالیٰ کی رحمتیں متوجہ ہوئیں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان انصار ومہاجرین پر جنھوں نے مشکل کی گھڑی میں ان کا ساتھ دیا بعد اس کے قریب تھا کہ ان میں کچھ لوگوں کے دل پھر جائیں پھر ان پر رحمت سے متوجہ ہوا۔ (سورۂ توبہ، آیت نمبر: ۱۱۷)

اس میں مشکل کی گھڑی سے مراد غزوۂ تبوک ہے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس میں حاضر تھے تو رحمت رب ان کی طرف متوجہ ہوئی۔ یہ چند آیتیں بطور تبرک لکھ دی ہیں ورنہ قرآن کریم میں جہاں جہاں بھی صحابۂ کرام کے فضائل وارد ہیں ان میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ داخل ہیں۔ یہی معاملہ احادیث طیبہ کا بھی ہے جو مخصوص احادیث حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں بھی وارد ہوئیں، ان میں سے ہم نے چند یہاں ذکر کی ہیں۔ رہیں وہ احادیث جو من جملہ صحابۂ کرام کے فضائل میں وارد ہوئیں وہ فضائل بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تعلق سے طعن وتشنیع میں زبان درازی کرنے سے بچنے کے لیے معارف صحابہ جلد اول میں تقدیم کا مطالعہ کریں۔

مسلمانوں کے ماموں: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک فضیلت یہ بھی حاصل ہے کہ آپ تمام مسلمانوں کے ماموں ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ بیان فرماتے ہیں:

ابن عدی، بیہقی، اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آیت کریمہ "عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً" (اے مسلمانوں! امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اور ان کے درمیان جو تمہارے دشمن ہیں محبت قائم فرمادے) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے یہ محبت حضرت ام المومنین بنت ابوسفیان کے ذریعے قائم فرمائی کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے کے بعد تمام مومنوں کی ماں بن گئیں اور ان کے بھائی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ایمان لانے کے بعد) تمام مسلمانوں کے ماموں بن گئے۔ (الخصائص الکبری، ج:۱، ص:۲۳۱)

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: قیامت کے دن ہر سبب ونسب منقطع ہوجائے گا سوائے میرے سبب ونسب کے۔ (السنن الکبری للبیہقی، رقم الحدیث: ۱۳۱۷۲)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سالے ہیں۔ لہٰذا ان کی رشتہ داری حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قیامت تک قائم رہے گی۔

غزوات میں شرکت: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ حنین وطائف اور تبوک میں شریک رہے، دور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں مرتدین کے خلاف لڑی جانے والی جنگ یمامہ میں شریک رہے اور مرتدین سے جہاد کیا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لشکر کی ایک ٹکڑی کو شام کی طرف بھیجا، ان پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر متعین فرمایا، اس ٹکڑی کو یزید بن ابی سفیان کے ساتھ لاحق ہونے کا حکم تھا اور یہی وہ اسلام کا پہلا دستہ ہے جس کی قیادت کرنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصیب ہوا۔ اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بھائی یزید بن ابی سفیان کے ساتھ رہے جو شام کے والی تھے، اس دوران جنگ یرموک میں شرکت کی اور یزید بن ابی سفیان کے جھنڈے تلے دمشق کو فتح کیا۔ (معاویہ بن ابی سفیان لمحمد بن صقر، ج:۱، ص:۱۴۷، معاویہ بن ابی سفیان للصلابی، ص:۴۱)

امیر معاویہ کے عروج کا تعارف: زمانۂ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں یزید بن ابی سفیان نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک لشکر دے کر بلاد شام کے ساحلی علاقوں کی طرف بھیجا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس لشکر میں بھی شامل تھے جس نے بیت المقدس کو فتح کیا تھا، مسجد اقصیٰ میں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ داخل ہونے کا اعزاز بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل ہوا، جو مشہور زمانہ معاہدہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے باشندگان قدس سے کیا گیا تھا اس کے چار گواہوں میں سے ایک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

زمانۂ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۹ھ میں فتح قیساریہ کے قائد بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی تھے، قیساریہ کا معرکہ رومیوں کے ساتھ فیصلہ کن معرکوں میں سے ایک ہے، یہ شہر رومیوں کے اعلیٰ فوجی عہدے داروں کا خاص مسکن تھا۔ اس شہر کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طویل مدت تک اپنے محاصرے میں لیے رکھا اور سخت تکالیف سے دوچار ہوئے بالآخر اللہ تعالیٰ نے فتح سے ہم کنار فرمایا۔

(معاویہ بن ابی سفیان لمحمد بن صقر، ج:۱، ص:۱۴۷)

اصل میں قیساریہ کو فتح کرنے کا ذمہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ایک خط کے ذریعے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سونپا تھا، اس خط میں آپ نے لکھا تھا کہ میں تمہیں قیساریہ کا والی بنا رہا ہوں لہٰذا تم ان کی طرف نظر شروع کرو، اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے رہو اور کثرت کے ساتھ یہ وظیفہ پڑھو: ''لاحول ولاقوۃ الا باللہ. اللہ ربنا وثقتنا, ورجائنا ومولانا. نعم المولیٰ ونعم النصیر'' (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی طاقت وقوت نہیں، اللہ تعالیٰ ہمارا رب ہے، وہی ہمارا بھروسہ ہے، وہی ہماری امید ہے، وہی مولیٰ ہے، اور وہ کیا ہی بہترین مولیٰ اور مددگار ہے)

جب اس فتح کی خبر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچی تو فاروق اعظم نے ایک مجمع جمع کر کے اس فتح کی لوگوں کو خبر دی اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی۔ (تاریخ طبری، ج:۳، ص:۶۰۴)

https://alislami.net

دراصل حضرت عمر کی جانب سے قیساریہ کا معاملہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سونپا جانا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے ایک امتحان سے کم نہ تھا، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اللہ تعالیٰ کا کرم رہا کہ اس امتحان میں نہ صرف یہ کہ کامیاب رہے بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں گھر کر گئے اور ان کے محبوب نظر بن گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی حسن کارکردگی اور ملک رانی کی صلاحیتوں کو تاڑ لیا تھا اور وقت آنے پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس پورے علاقے کا والی بنا دیا جو ان کے بھائی یزید بن ابی سفیان کے زیر فرمان تھا۔

(معاویہ بن ابی سفیان، ج:۱،ص:۴۵)

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

امیر معاویہ والی شام: ۱۸ھ میں یزید بن ابی سفیان کا انتقال ہوا، یہ خبر دربار خلافت میں پہنچی تو فوراً ہی حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قاصد کو شام کی طرف روانہ فرمایا، آپ نے یزید بن ابی سفیان کی جگہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شام کا والی مقرر فرمایا، اس طرح آپ باقاعدہ شام کے فرماں روا بن گئے، پھر امیر المومنین نے ابوسفیان کی تعزیت کی، اپنے بیٹے یزید بن ابی سفیان کے انتقال فرما جانے کی وجہ سے اس وقت حضرت ابوسفیان نے امیر المومنین سے دریافت کیا: آپ نے ان کی جگہ کس کو شام کا والی متعین فرمایا ہے؟ امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ان کے بھائی معاویہ کو ان کا قائم مقام کیا ہے، یہ سن کر حضرت ابوسفیان نے کہا: اے امیر المومنین! آپ نے بڑی عمدہ صلہ رحمی فرمائی ہے۔

والدین کا خط معاویہ کے نام: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت امیر المومنین فاروق اعظم کی طرف سے شام کے والی مقرر ہو گئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد اور والدہ دونوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھ کر یہ بتانے کی کوشش کی کہ انہیں جو ذمہ داری سونپی گئی ہے وہ بہت اہم ہے، لہٰذا پوری ایمان

داری کے ساتھ اس کو نبھائیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماں نے اپنے خط میں لکھا تھا: اے میرے بیٹے! اللہ کی قسم! شاید ہی کسی ماں نے تم جیسا بیٹا جنا ہو، امیر المومنین نے جس اہم کام کی ذمہ داری سونپی ہے تم اس معاملے میں ان کی مکمل اطاعت کرنا خواہ وہ کام تمہیں پسند ہو یا نہ ہو۔

ان کے والد حضرت ابوسفیان کے خط کا مضمون کچھ یوں تھا: اے میرے بیٹے! مہاجرین دین کے معاملے میں ہم پر سبقت لے گئے، ان کے سبقت لے جانے نے ان کو آگے کر دیا اور ہماری تاخیر نے ہمیں پیچھے کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قائد بن گئے، ہم ان کے پیروکار ہو گئے، اب حضرت عمر نے تمہیں ذمہ داری دی ہے، اس میں قابل ذکر کام انجام دے سکتے ہو اگر تم ایسا کر سکے تو تمہارے کارنامے اور تمہارا ذکر زندہ رہے گا۔ اس طرح زمانۂ فاروق اعظم میں آپ شام کے والی بنے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پورے زمانۂ خلافت میں شام کے والی رہے، پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں بھی آپ شام کی گورنری پر مقرر رہے اور اس دوران ۲۷ھ میں آپ نے جزیرۂ قبرص کو فتح فرمایا۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۱۱، ص:۳۹۹)

حضرت ابوبکر اور حضرت معاویہ: ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی لکھتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی حضرت یزید بن ابوسفیان ان چار سالاروں میں سے ایک ہیں جنہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رومیوں سے جنگ کرنے کے لیے منتخب فرمایا تھا۔ یزید بن ابی سفیان کو خود امیر المومنین نے اپنے ہاتھوں سے جنگی علم عطا فرمایا تھا اور ان کے لشکر کو الوداع کہنے کے لیے امیر المومنین خود پیدل چل کر شہر سے باہر تشریف لے گئے۔ پھر کچھ خاص وصیتیں فرمائیں، یہ صرف ان کے دینی و ایمانی، شرف و کمال کی وجہ سے تھا۔ یہ تو ڈاکٹر صاحب نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی کا تعارف علامہ ذہبی کے حوالے سے کرایا۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب تاریخ طبری سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: پھر امیر المومنین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جہاد

https://alislami.net

کا شوق رکھنے والے ایک دستے کو حضرت یزید بن ابی سفیان کے لشکر میں شامل فرمایا، اس دستے کا امیر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا۔ (معاویہ بن ابی سفیان، ج:۱، ص:۴۱، تاریخ طبری، ج:۳، ص:۳۹۱)

اس تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ صرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پسند فرماتے تھے بلکہ ان کو والی شام بنانے کی راہ خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہموار فرمائی۔

حضرت عمر اور حضرت معاویہ: حضرت یزید بن ابی سفیان کا جب وقت وصال قریب آیا تو انہوں نے اپنا قائم مقام اپنے بھائی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنا دیا اور بعد میں ان کے اس انتخاب کو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پسند کرتے ہوئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو شام کا والی بنا دیا۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:۱، ص:۳۳۰)

آپ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اچھے طریقے سے جانتے ہیں کہ وہ کسی کو عامل بنانے سے پہلے کتنی احتیاط فرماتے تھے اور پھر اپنے عاملین کی کس درجہ نگرانی کیا کرتے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی جو عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں، انہیں بھی فاروقی جانچ کا سامنا کرنا پڑا (معارف صحابہ ج:۱، ص:۵۱۰) انہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عامل متعین فرمایا۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ علاقۂ شام پر حضرت عمر کی جانب سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بڑے بھائی یزید بن ابی سفیان گورنر متعین تھے جب ان کا انتقال ہو گیا تو ان کی جگہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شام کا والی متعین فرمایا اور پھر اپنی پوری زندگی ان کو کبھی بھی معزول نہیں کیا۔

(البدایہ والنہایہ، ج:۱۱، ص:۳۹۹)

اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت

https://alislami.net

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر میں کتنے معتمد اور ثقہ تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شام کا والی بنایا تو کچھ لوگوں نے کہا کہ امیر المومنین نے نوعمر انسان کو والی بنا دیا، یہ سن کر حضرت عمر نے فرمایا: تم ایک ایسے شخص کے بارے میں مجھے ملامت کر رہے ہو جس کے بارے میں میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے اے اللہ! اسے ہادی بنا اور ان کے ذریعے لوگوں کو ہدایت عطا فرما۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۱۱،ص:۴۰۹)

ایک موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: امیر معاویہ وہ ہیں جو غصے کے وقت ہنستے ہیں، ان سے کسی چیز کو بغیر ان کی رضا کے حاصل نہیں کیا جا سکتا، ان سے کچھ حاصل کرنے کے لیے جھکنا پڑے گا۔ (ایضاً:۴۱۵)

مطلب یہ ہے کہ وہ نہایت ہی حلیم بردبار، زبان کو قبضے میں رکھنے والے ہیں، عقل کی پختگی کا یہ عالم ہے کہ انہیں دھوکا نہیں دیا جا سکتا، وہ بے باک اور بہادر ہیں۔

حضرت فاروق اعظم فرمایا کرتے تھے: تم قیصر وکسریٰ اور ان کی عقلمندی و ہوشیاری کا ذکر کرتے ہو حالانکہ تمہارے درمیان معاویہ جیسی زیرک وذہین شخصیت موجود ہے۔

(الکامل فی التاریخ، ج:۳،ص:۳۷۳)

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے لوگو! میرے بعد گروپ بندی سے بچتے رہنا اور اگر تم نے ایسا کیا تو یاد رکھو امیر معاویہ شام میں موجود ہیں۔

(البدایہ والنہایہ، ج:۱۱،ص:۴۲۲)

حضرت عثمان اور حضرت معاویہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پورا اعتماد فرمایا اور پورے زمانۂ خلافت میں انہیں شام کی امارت پر مقرر رکھا۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ حضرت امیر معاویہ حضرت فاروق اعظم کے زمانے ہی میں پورے ملک شام کے والی مقرر ہو گئے تھے، جب کہ دیگر مؤرخین کے نزدیک حضرت عمر کے زمانے میں شام کا کچھ حصہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

امارت سے خالی تھا، جس پر دوسرے لوگوں کو والی بنایا گیا تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب خلیفہ متعین ہوئے تو آپ نے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پورا بھروسہ کیا، جس طرح آپ خلافت عمر میں شام کے والی تھے اسی طرح حضرت عثمان غنی کے زمانۂ خلافت میں بھی شام کے امیر بنے رہے، حضرت عثمان نے نہ صرف یہ کہ آپ کو اپنے عہدے پر بحال رکھا بلکہ بچا کچا علاقۂ شام بھی آپ کی تحویل میں دے دیا، لوگوں نے اسی دوسرے قول کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔ "والصحيح ان الذى جمع لمعاوية الشام كلها عثمان بن عفان" صحیح بات یہ ہے کہ جس خلیفہ نے پورا ملک شام آپ کے حوالے کر دیا، اس خلیفہ کا نام عثمان بن عفان ہے۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۱۱، ص:۴۱۵)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام کی گورنری پر قائم تھے کہ ۳۵ھ میں خلیفۂ سوم حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بڑی مظلومیت کے ساتھ شہید کر دیا گیا اور مولائے کائنات حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت نہیں کی۔ بیعت نہ کرنے کے علل واسباب ہم معارف صحابہ جلد اول میں لکھ چکے ہیں، لہٰذا یہاں تحریر کرنے کی ضرورت نہیں تاہم واقعے کا تسلسل برقرار رکھنے کے لیے اجمالاً کچھ بیان کیا جاتا ہے۔

حضرت معاویہ خلیفۃ المسلمین: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے بھائی کے انتقال کے بعد شام کا حاکم بنا دیا تھا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں اس عہدے پر برقرار بھی رکھا اور دوسرے مزید علاقے ان کی گورنری میں دے دیے۔ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفۃ المسلمین مقرر ہوئے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شام کی گورنری سے معزول کر دیا اور ان کی جگہ سہل بن حنیف کو شام کا والی متعین کیا لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے عہدے سے برطرف نہیں ہوئے، انہوں نے حسب سابق ہی شام پر تسلط برقرار رکھا۔ اور یہ کہتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کرنے سے انکار

کر دیا کہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت اس وقت تک نہیں کروں گا جب تک کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلین کو میرے سپرد نہ کردیں کیوں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مظلوم شہید کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ ارشا فرماتا ہے: ''وَمَنۡ قُتِلَ مَظۡلُوۡمًا فَقَدۡ جَعَلۡنَا لِوَلِيِّهٖ سُلۡطٰنًا'' اور جس کو مظلوم قتل کیا جائے اس کے وارث کو ہم نے قابو دیا ہے۔(الاسراء:۳۳)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کریمہ سے اپنے موقف پر دلیل قائم کی۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اختلاف دین ہی پر مبنی تھا، ہر ایک اپنے آپ کو حق پر سمجھتا تھا۔ اہل سنت و جماعت کا مذہب یہی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر تھے، اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجتہد تھے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اجتہاد میں خطا لاحق ہوئی، ان کا حضرت علی سے جنگ کرنا اپنے اجتہاد کی وجہ سے تھا، اگر مجتہد سے اجتہاد میں خطا ہو جائے تب بھی اسے ایک اجر ملتا ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام برحق تھے ان کا اجتہاد صحیح و صواب تھا لہٰذا انہیں ان شاء اللہ دو اجر ملیں گے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ کی کیونکہ اس وقت کی صورت حال سے وہ اپنے اجتہاد کی بنیاد پر اس نتیجے پر پہنچے کہ ان حالات میں حضرت علی سے جنگ کرنا لازم ہے (اگرچہ ان کا یہ اجتہاد درست نہ تھا) ورنہ تو انہیں خود اس بات کا اعتراف تھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے مقابلے میں افضل و اعلیٰ بھی ہیں اور خلافت کے زیادہ مستحق بھی، آنے والے اقتباس سے یہ بات اچھی طرح ثابت ہو جائے گی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا موقف بھی واضح ہو جائے گا۔

(نعمۃ الباری، شرح بخاری، ج:۲،ص:۲۲۳ تا ۲۲۶)

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ کئی سندوں کے ساتھ یہ بات ہم تک پہونچی ہے کہ حضرت ابومسلم خولانی نے ایک جماعت کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات

کی اور ان سے پوچھا کہ تم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امر خلافت میں منازعت کر رہے ہو کیا، یہ سمجھتے ہو کہ تم ان سے بہتر ہو؟ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: خدا کی قسم! میں جانتا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ سے زیادہ بہتر اور افضل ہیں اور خلافت کے مجھ سے زیادہ مستحق ہیں، لیکن کیا تم نہیں جانتے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مظلوم شہید کیا گیا ہے میں ان کا چچا زاد بھائی ہوں، میں ان کے قصاص کی طلب کر رہا ہوں اور معاملہ میرے ہی سپرد ہے، آپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہیں کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلین کو مجھے سونپ دیں، میں خلافت ان کے حوالے کر دوں گا، لیکن کسی قاتل کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے نہ کیا جا سکا (عذر کی بنیاد پر) تو اہل شام نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مل کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ کا پختہ ارادہ کر لیا۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۱۱،ص:۴۲۵)

اب ہم آپ کے سامنے ایک خط پیش کرتے ہیں یہ خط ان دنوں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قیصر روم کو لکھا تھا جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے درمیان اختلاف کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہوا کہ قیصر روم ہمارے آپسی اختلافات کا فائدہ اٹھانا چاہتا ہے اور وہ سرحدی علاقوں پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہے تو آپ نے اس کو لکھا:

''اے قیصر روم! اگر تو اپنے اس خبیث ارادے سے باز نہ آیا تو میں اپنے بھائی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مصالحت کر لوں گا اور تجھ سے تیرا پورا ملک چھین کر تجھے ملک بدر کر دونگا، زمین کو اس کی کشادگی کے باوجود تجھ پر تنگ کر دونگا''

اس خط سے قیصر خائف ہوا، اپنے ارادے سے باز آ گیا اور آپ کے پاس مصالحت کا پیغام بھیج دیا۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۱۱،ص:۶۰۰)

اس خط سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان حضرات کا اختلاف نفس پرستی پر مبنی نہ تھا بلکہ ہر فریق اپنے موقف کی تائید میں قرآن وحدیث ہی سے استدلال کرتا تھا مگر حضرت علی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استدلال درست تھا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غیر درست لیکن وہ ایک مجتہد تھے اور مجتہد کی خطا پر اس کو لعن طعن نہیں کیا جاتا۔

تنبیہات: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل ومناقب سے لوگوں کو آگاہ کرنے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعنہ زنی کرنے والوں کی زبان بند کرنے کے لیے فقیہ ملت مفتی جلال الدین علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب خطبات محرم میں ''انتباہ'' نامی سرخی لگا کر بڑی کارآمد اور مفید بحثیں درج فرمائی ہیں، ہم ان بحثوں کو حضرت ہی کے حوالہ جات کے ساتھ درج کررہے ہیں:

انتباہ: (۱) عوام میں جو مشہور ہے کہ ''حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کو کندھے پر لیے جارہے ہیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جنتی جہنمی کو لیے جارہے ہیں'' یہ صحیح نہیں، اس لیے کہ یزید حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال فرمانے کے تقریباً ۱۵؍سال بعد ۲۵ھ میں پیدا ہوا۔ (سوانح کربلا)

(۲) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کاتب وحی بھی رہے اور کاتب خطوط بھی۔ امام مفتی حرمین احمد بن عبداللہ بن محمد طبری خلاصۃ السیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تیرہ کاتب تھے۔ خلفائے اربعہ (حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم)، ۵؍حضرت عامر بن فہیرہ، ۶؍حضرت عبداللہ بن ارقم، ۷؍حضرت ابی بن کعب، ۸؍حضرت ثابت بن قیس بن شماس، ۹؍حضرت خالد بن سعید بن العاص، ۱۰؍حضرت حنظلہ بن ربیع اسلمی، ۱۱؍حضرت زید بن ثابت، ۱۲؍حضرت شرحبیل بن حسنہ اور ۱۳؍حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ لیکن ان لوگوں میں حضرت امیر معاویہ اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس خدمت کو زیادہ انجام دیتے تھے۔ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بخاری شریف کی شرح میں فرمایا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کاتب وحی رہے۔ (الناہیہ، ص:۱۶)

(۳) حضرت ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مخصوص شاگردوں میں سے ہیں، ان سے پوچھا گیا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز افضل ہیں یا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما؟ تو حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کے موقع پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے کی ناک میں جو غبار داخل ہوا وہ ایسے حضرت عمر بن عبدالعزیز سے افضل ہے۔ (الناہیہ، ص: ۱۶)

قارئین! حضرت عمر بن عبدالعزیز وہ ہیں جن کو امام الہدیٰ کہا جاتا ہے۔ خلفاے راشدین میں پانچویں خلیفہ کی حیثیت سے ان کو شمار کیا جاتا ہے اور جن کی زیارت کے لیے حضرت خضر علیہ السلام آیا کرتے تھے، مگر حضرت عبداللہ بن مبارک جیسے امام وقت جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے کی ناک کے غبار کو بھی ان سے افضل بتاتے ہیں تو پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت و رفعت کا کیا کہنا۔ مگر افسوس کہ آج کل وہ لوگ جن کی حقیقت کچھ بھی نہیں وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل بنتے ہیں بلکہ ان کی ذات پر سب وشتم اور لعن وطعن بھی کرتے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

حضرت علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ علامہ معافی بن عمران علیہ الرحمۃ والرضوان سے ایک شخص نے کہا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل ہیں۔ یہ سنتے ہی علامہ ابن عمران غضبناک ہو گئے اور فرمایا: ''نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ پر کسی کو قیاس نہیں کیا جائے گا'' حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابی، ان کے سالے، ان کے کاتب اور خدائے عزوجل کی وحی پر نبی کریم کے امین ہیں''۔ (الناہیہ، ص: ۱۷)

(۴) حضرت علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی عیاض میں تحریر فرماتے ہیں کہ جو شخص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن کرے وہ جہنمی کتوں سے ایک کتا ہے۔ (احکام شریعت، ج:۱، ص: ۱۰۳)

(۵) صحابۂ کرام، محدثین عظام اور علماے اسلام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف وتوصیف بیان کرتے ہیں، باوجود یہ کہ وہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے فضائل ومناقب سے خوب واقف تھے اوران کے مابین جو واقعات رونما ہوئے انہیں اچھی طرح جانتے تھے۔

بخاری شریف کی حدیث ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کسی شخص نے کہا کہ امیر المؤمنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ جبکہ فلاں مسئلے میں انہوں نے یوں کیا، تو آپ نے فرمایا: ''انہوں نے ٹھیک کیا بیشک وہ فقیہ ہیں''۔ (مشکوٰۃ، ص: ۱۱۲)

قارئین! دیکھیے رئیس المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جو اجلۂ صحابہ میں سے ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ایسے خاص ہیں کہ ان کے دشمن پر بہت سخت ہیں، وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف کرتے ہیں اور ان کو فقیہ ومجتہد مانتے ہیں۔ تو کتنے بدنصیب ہیں وہ لوگ جو جلیل القدر صحابیٔ رسول کے نقش قدم کو چھوڑ کر شیطان کی اتباع کرتے ہیں یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں بیجا کلمات بولتے ہیں اور ان کی توہین وتنقیص کرتے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

اور حضرت علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بخاری شریف کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں: ''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے مناقب اور بڑی خوبیوں والے ہیں''۔

(الناہیہ، ص: ۱۷)

اور حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اعدل فضلا اور بہترین صحابہ میں سے ہیں''۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ج: ۲، ص: ۵۱۷)

اسی لیے تمام محدثین کرام حضرت امیر معاویہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے، جس طرح دوسرے صحابہ کے ناموں کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام کے ساتھ بھی رضی

اللہ تعالیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں۔

(۶) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ متقی، عادل اور ثقہ ہیں، اسی لیے حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت سائب بن یزید حضرت نعمان بن بشیر اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین جیسے فقیہ و مجتہدین صحابہ نے آپ سے حدیثیں روایت کیں۔ اسی طرح حضرت جبیر، حضرت ابوا دریس خولانی، حضرت سعید بن مسیب، حضرت خالد بن معدان، حضرت ابو صالح سمان، حضرت ہمام بن عتبہ اور حضرت قیس بن ابو حازم علیہم الرحمہ جیسے جلیل القدر تابعین فقہا اور علما نے آپ سے حدیثوں کی روایتیں لیں۔ اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں مکر و فریب اور فسق و فجور رہوتا جیسا کہ آج کل بعض جاہلوں نے سمجھ رکھا ہے تو یہ بڑے بڑے صحابہ و تابعین حضرات ان سے حدیثوں کی روایتیں ہرگز قبول نہ کرتے۔

(۷) بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، بیہقی اور طبرانی وغیرہ محدثین کرام نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ حدیثوں کو قبول کیا اور اپنی کتابوں میں درج کیا۔ ان میں خاص کر امام بخاری اور امام مسلم ایسی محتاط ہستیاں ہیں کہ اگر کسی راوی میں ذرا بھی عیب پایا تو اس کی روایت لینے سے انکار کر دیا۔ تو ان بزرگوں کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایتوں کا قبول کر لینا بیانگ دہل اعلان کر رہا ہے کہ ان سب کے نزدیک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ متقی، عادل اور ثقہ قابل روایت ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے اختلاف کے سبب مرتبۂ عدالت سے ساقط نہیں ہیں ورنہ یہ حضرات ان کی روایتیں ہرگز قبول نہ فرماتے۔

(۸) حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دمشق کا حاکم مقرر کیا اور معزول نہ فرمایا جبکہ آپ حاکموں کے حالات پر کڑی نگاہ رکھتے تھے اور ذرا سی لغزش پر معزول فرما دیتے تھے جیسے کہ معمولی شکایت پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی بزرگ ہستی کو معزول فرما دیا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جیسے سخت گیر آدمی کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دمشق کا حاکم مقرر فرمانا اور اپنی ظاہری حیات کے آخری لمحات تک اس اہم عہدے پر انہیں برقرار رکھنا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت ورفعت اور ان کی امانت ودیانت کا کھلم کھلا اقرار واعلان ہے۔

(۹) حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۶/ماہ امور خلافت انجام دینے کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت سپرد کر دی اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی پھر ان کے سالانہ وظیفے اور نذرانے قبول فرمائے، قسم ہے وحدہٗ لاشریک کی! اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ باطل پرست ہوتے تو حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سر کٹا دیتے مگر ان کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دیتے۔ اس لیے کہ

مردِ حق باطل سے ہرگز خوف کھا سکتا نہیں
سر کٹا سکتا ہے لیکن سر جھکا سکتا نہیں

اور پھر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فعل مبارک کی (بطور بشارت) ان الفاظ میں تعریف فرمائی ''میرا بیٹا یہ سردار ہے، امید کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرا دے گا''۔ (بخاری، ج:۱، ص:۵۳۰)

اب اگر کوئی بد بخت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نااہل قرار دے تو حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر الزام آجائے گا کہ آپ نے نااہل کو خلافت کیوں سپرد کی اور امت کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں کیوں دی؟ جب کہ یہ سپردگی قلت وذلت کی وجہ سے نہیں تھی، اس لیے کہ چالیس ہزار سپاہی جان قربان کرنے کی بیعت آپ کے ہاتھ پر کر چکے تھے۔ (حاشیہ بخاری، ج:۱، ص:۵۳۰، بحوالہ خطبات محرم، ص:۳۱۰-۳۰۵)

حدیث بخاری اور حضرت امیر معاویہ: بخاری شریف کی ایک حدیث کو لے کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کچھ لوگ زبان درازی کرتے ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں اس حدیث کی وضاحت کریں اور صحابی رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اعتراض کو دفع کریں۔ پہلے حدیث پاک ملاحظہ ہو: ''حضرت ابوسعید خدری رضی

https://alislami.net

اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عکرمہ اور حضرت ابن عباس کے بیٹے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ایک حدیث سنائی فرماتے ہیں: مسجد کی تعمیر کے وقت ہم ایک ایک اینٹ اٹھا کر لا رہے تھے اور حضرت عمار دو، دو اینٹیں اٹھا کر لا رہے تھے تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں اس حال میں دیکھ لیا، آپ نے ان سے مٹی جھاڑی اور فرمایا: عمار پر افسوس ہے اس کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی، یہ ان کو جنت کی طرف بلائے گا اور وہ اس کو دوزخ کی طرف بلائیں گے حضرت ابوسعید نے کہا: حضرت عمار کہتے تھے کہ میں فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں۔ (بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب التعاون فی بناء المسجد)

اس حدیث پر دو طریقے سے بحث کی گئی ہے اولاً تو یہ کہ یہ جملہ ''تقتله الفئة الباغية'' (اس کو باغی جماعت قتل کرے گی) حدیث بخاری میں موجود ہی نہیں ہے اور ہمارے یہاں جو مطبوعہ بخاری ہے، اس میں چھاپنے والوں کی غلطی سے جملہ چھپ گیا ہے۔ جیسا کہ علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

''حافظ ابن حجر اور علامہ عینی نے کہا کہ امام بخاری نے ''ویح عمار تقتله الفئة الباغية'' کا جملہ روایت نہیں کیا، اس پر یہ اشکال ہے کہ ہماری مطبوعہ ''صحیح بخاری'' میں تو یہ جملہ موجود ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس دور کے چھاپنے والوں کی غلطی ہے۔ کیونکہ امام ابن اثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ نے ''جامع الاصول'' رقم الحدیث: ۸۷۱۶ میں امام بخاری کے حوالے سے اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور اس میں ''تقتله الفئة الباغية'' والا جملہ نہیں ہے۔ (جامع الاصول، ج:۱۱، ص: ۱۹۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۸ھ، بحوالہ حاشیہ مقالات سعیدی، ص:۲۲۶)

اب علامہ غلام رسول کے قلم سے حافظ ابن حجر اور علامہ عینی کی تحقیق ملاحظہ کیجئے کہ یہ جملہ بخاری شریف میں نہیں ہے۔

صحیح بخاری کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں یہ حدیث اسی طرح درج ہے، لیکن امام بخاری نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث کو اس طرح روایت کیا

https://alislami.net

ہے: عمار لوگوں کو جنت کی طرف دعوت دیں گے اور وہ انہیں دوزخ کی طرف بلائیں گے۔ اس روایت میں ''ویح عمار تقتله الفئة الباغية'' افسوس اے عمار! تم کو باغی جماعت قتل کرے گی، کے الفاظ نہیں ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی بزار کی سند کے ساتھ جو ''صحیح مسلم'' کی شرط پر ہے ذکر کرتے ہیں کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اعتراف کیا ہے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ الفاظ نہیں سنے، اسی لیے امام بخاری نے اپنی صحیح سند میں یہ الفاظ درج نہیں کیے۔ اس تحقیق کے پیش نظر حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: جن احادیث میں ''تقتلك الفئة الباغية'' تم کو باغی گروہ قتل کرے گا، کی زیادتی ہے، وہ مدرج ہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلام نہیں ہیں، بلکہ راویوں نے اپنی طرف سے یہ زیادتی، حدیث میں ملا دی ہے۔ (فتح الباری ج: ۲،ص: ۱۱۲، عمدۃ القاری ج: ۴،ص: ۳۰۸) جب یہ ثابت ہو گیا کہ اصل حدیث یوں ہے: ''عمار لوگوں کو جنت کی دعوت دیں گے اور وہ ان کو دوزخ کی'' تو اس کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف متوجہ کرنا صحیح نہیں ہے، بلکہ یہ مشرکین کی طرف متوجہ ہے یعنی حضرت عمار مشرکین کو جنت کی دعوت دیں گے اور وہ انہیں دوزخ کی طرف بلائیں گے۔ (مقالات سعیدی، ص: ۲۲۶)

دوسرا جواب: اگر کسی کو اس بات پر اصرار ہے کہ یہ جملہ بخاری میں ہے ایسے شخص کے لیے آنے والی بحث کارآمد بلکہ ان شاء اللہ کافی وشافی ہوگی۔

علامہ غلام رسول سعیدی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں: اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس میں مذکور ہے: عمار پر افسوس ہے اس کو باغی جماعت قتل کرے گی، وہ ان کو جنت کی طرف بلائے گا اور وہ اس کو دوزخ کی طرف بلائیں گے اور حضرت عمار کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گروہ نے قتل کیا تھا اور ان کو اس حدیث میں باغی اور دوزخ کی طرف بلانے والا فرمایا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ان پر باغی اور دوزخ کی طرف بلانے والے کا اطلاق باعتبار ظاہر ہے حقیقت کے اعتبار سے نہیں ہے، کیونکہ حقیقت میں ان کے گمان کے اعتبار سے ان کا اقدام برحق تھا، وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصاص کے طالب تھے

حالانکہ واقع میں ان کا یہ اجتہاد مبنی بر خطا تھا کیونکہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف جنگ کر رہے تھے اور وہ امیر برحق اور خلیفۂ مسلمین تھے اور امیر برحق کے ساتھ جنگ کرنا بغاوت ہے اور دوزخ میں دخول کا سبب ہے اس لیے ظاہر کے اعتبار سے وہ باغی تھے اور دوزخ کی طرف بلانے والے، لیکن حقیقت میں باغی نہیں تھے کیونکہ ان کا یہ اقدام اپنے اجتہاد کی وجہ سے تھا۔ اس حدیث کی نظیر قرآن مجید کی یہ آیت ہے: ''وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی'' اور آدم نے اپنے رب کی معصیت کی پس وہ بے راہ ہوئے۔ (سورۂ طٰہٰ: ۱۲۱)

اس آیت میں شجرۂ ممنوعہ سے کھانے پر حضرت آدم علیہ السلام پر معصیت اور غوایت کا اطلاق بہ اعتبار ظاہر ہے، حقیقت میں وہ نبی معصوم ہیں اور ان کا شجرۂ ممنوعہ سے کھانا معصیت نہ تھا، ان کے اجتہاد سے تھا، انہوں نے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے تنزیہاً منع فرمایا ہے اور وہ یہ بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ نے تحریماً منع فرمایا ہے اور معصیت تب ہوتی جب وہ قصداً ممنوع کام کا ارتکاب کرتے اور انہوں نے بھولے سے یہ کام کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''فَنَسِیَ وَلَمۡ نَجِدۡ لَهٗ عَزۡمًا'' پس آدم بھول گئے اور ہم نے (ان کی معصیت کا) کوئی عزم نہ پایا۔ (سورۂ طٰہٰ: ۱۱۵)

لہٰذا قرآن مجید میں حضرت آدم کے فعل پر معصیت کا اطلاق ظاہر اور صورت کے اعتبار سے ہے اور حقیقت کے اعتبار سے وہ معصیت نہیں ہے۔ اسی طرح اس حدیث میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گروہ پر باغی ہونے اور دوزخ کی طرف بلانے والے ہونے کا اطلاق ظاہر اور صورت کے اعتبار سے ہے، حقیقت کے اعتبار سے نہیں ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے لشکر کے متعلق بہت دعائیں کی ہیں اور ان کی فضیلت میں بہت احادیث وارد ہیں:

حضرت علی کے امیر معاویہ کے متعلق دعائیہ کلمات واحادیث:

حارث بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صفین سے واپس آئے تو آپ نے ایسی باتیں فرمائیں جو اس سے پہلے نہیں فرماتے تھے۔ آپ نے فرمایا: اے لوگو!

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امارت کو ناپسند مت کرو، اللہ کی قسم! اگر تم نے ان کو گم کر دیا تو تمہارے کندھوں سے تمہارے سر حنظل کے پھل کی طرح گرنے لگیں گے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث: ۳۷۸۴۳، کنز العمال، حدیث: ۳۱۷۰۴، تاریخ دمشق، ج: ۶۲، ص: ۱۰۵ تا ۱۰۶)

عبداللہ بن عروہ نے کہا: مجھے اس شخص نے خبر دی جو جنگ صفین میں حاضر تھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی رات باہر نکلے، آپ نے اہل شام کی طرف دیکھ کر یہ دعا کی: اے اللہ! میری مغفرت فرما اور ان کی مغفرت فرما، پھر حضرت عمار لائے گئے تو آپ نے ان کے لیے بھی یہی دعا کی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث: ۳۷۸۵۴)

یزید بن اصم بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ صفین کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ہمارے مقتول اور ان کے مقتول جنت میں ہیں اور یہ معاملہ میرے اور معاویہ کی طرف سونپ دیا جائے گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث: ۳۷۸۶۹، کنز العمال، حدیث: ۳۱۷۰۰، تاریخ دمشق الکبیر، ج: ۶۲، ص: ۹۷، بیروت)

نعیم بن ابی ہندا اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں، میں صفین میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھا تو نماز کا وقت آ گیا تو ہم نے بھی اذان دی اور اہل شام نے بھی اذان دی، ہم نے بھی اقامت کہی اور انہوں نے بھی اقامت کہی، پھر ہم نے نماز پڑھی اور انہوں نے بھی نماز پڑھی، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مڑ کر دیکھا تو ہمارے درمیان بھی مقتولین تھے اور ان کے درمیان بھی مقتولین تھے۔ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز سے فارغ ہو گئے تو میں نے ان سے پوچھا: آپ ہمارے مقتولین اور ان کے مقتولین کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: جو ہم میں سے اور ان میں سے اللہ کی رضا اور آخرت کے لیے لڑتا ہوا قتل کیا گیا وہ جنت میں ہے۔ (سنن سعید بن منصور، حدیث: ۲۹۶۸، ج: ۲، ص: ۳۴۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، کنز العمال، حدیث: ۳۱۷۰۷)

حافظ ابو القاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی ۵۷۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت عائشہ اور حضرت اسماء حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت

کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان ہاتھ بلند کر کے دعا کر رہے تھے: اے اللہ! معاویہ کے بدن کو دوزخ کی آگ پر حرام کر دے، اے اللہ! دوزخ کی آگ کو معاویہ پر حرام کر دے۔ (تاریخ دمشق الکبیر، حدیث: ۳۴۸۴، ج: ۶۲ ص: ۶۵ تا ۶۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ابھی تمہارے سامنے اہل جنت سے ایک شخص آئے گا، پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے۔ (تاریخ دمشق، حدیث: ۱۳۴۹۹، ج: ۶۲ ص: ۷۰)

حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابی اور برادر نسبتی (سالے) ہیں اور وحی کے کاتب اور اس پر امین ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: میرے لیے میرے اصحاب اور میرے سسرال والوں کو چھوڑ دو (ان کو برا نہ کہو) پس جس نے ان کو برا کہا، اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی۔ (تاریخ دمشق الکبیر، حدیث: ۱۳۵۳۷، ج: ۶۲ ص: ۱۴۳)

حضرت رویم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا: یارسول اللہ! مجھ سے کشتی لڑیئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا: میں تم سے کشتی لڑوں گا، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: معاویہ ہرگز کبھی مغلوب نہیں ہوگا، پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس اعرابی کو پچھاڑ دیا، جنگ صفین کے دن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اگر مجھ سے اس حدیث کا پہلے ذکر کیا جاتا تو میں معاویہ سے جنگ نہ کرتا۔ (تاریخ دمشق، حدیث: ۱۳۴۶۵، ج: ۶۲ ص: ۶۱)

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حدیث میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے جو دعا فرمائی اسی کا اثر تھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسد اللہ الغالب ہونے کے باوجود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مغلوب نہ کر سکے۔

حضرت علی کے قصاص عثمان نہ لینے کی وجوہ: حضرت امیر معاویہ رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ مطالبہ تھا کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لیں اور حضرت علی اخیر وقت تک قاتلین عثمان سے قصاص نہیں لے سکے، اس کی وجہ یہ ہے کہ قصاص اسی وقت واجب ہوتا ہے جب اس کا شرعی ثبوت ہو اور شرعی ثبوت یہ ہے کہ کوئی شخص حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کا اعتراف کرتا یا اس پر دو گواہ قائم ہوتے کہ فلاں شخص نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کیا ہے، لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت تک یہ ثبوت مہیا نہیں ہوسکا، پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیسے قصاص لیتے ؟ اول تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل مجہول اور نامعلوم تھے، ثانیاً: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے: مجھے سانس تو لینے دو، فتنے ختم ہو جائیں اور امن وامان قائم ہو جائے پھر میں تفتیش اور تحقیق کروں کہ قاتل فی الواقع کون ہے؟ کیونکہ اندھا قصاص تو نہیں لیا جا سکتا اور فی الفور قصاص لینا واجب نہیں ہے اور قصاص لینے میں تاخیر جائز ہے، لیکن ان پر پے در پے ایسی جنگیں مسلط کر دی گئیں کہ ان کو امن اور سکون کے ساتھ تفتیش اور تحقیق کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔

حضرت امیر معاویہ کے باغی نہ ہونے پر مزید دلائل: اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جماعت صراحۃً باغی ہوتی تو وہ ان سے جنگ موقوف نہ کرتے اور کبھی تحکیم کو قبول نہ کرتے۔

حافظ اسماعیل بن عمرو بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ روایت کرتے ہیں: سفیان بن اللیل بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کوفہ سے مدینہ آئے تو میں نے ان سے کہا: اے مؤمنین کو ذلیل کرنے والے! حضرت حسن نے فرمایا: اس طرح مت کہو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: دن اور رات کا سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا حتیٰ کہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حکمران بن جائیں گے، پس میں نے جان لیا کہ اللہ کا حکم نافذ ہونے والا ہے، پس میں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ میرے اور ان کے درمیان مسلمانوں کا خون بہایا جائے۔ (تاریخ دمشق الکبیر: ۱۳۵۰۲، ج: ۶۲،

https://alislami.net

ص:۱۷، البدایہ والنہایہ، ج:۵،ص:۶۳۴، کنز العمال، حدیث:۳۱۷۰۸)

حافظ ابن کثیر امام بیہقی کے حوالے سے لکھتے ہیں: صفوان بن عمرو نے بیان کیا ہے کہ اہل شام کا لشکر ساٹھ ہزار تھا، ان میں سے بیس ہزار قتل کیے گئے اور اہل عراق کا لشکر ایک لاکھ بیس ہزار تھا، ان میں سے چالیس ہزار شہید کیے گئے، اور امام بیہقی نے اس واقعے کو ''صحیح بخاری'' اور ''صحیح مسلم'' کی اس حدیث پر منطبق کیا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ دو عظیم جماعتیں باہم عظیم جنگ نہیں کریں گی، حالانکہ ان دونوں جماعتوں کا دین واحد ہوگا۔ (صحیح البخاری:۷۱۲۱، صحیح المسلم:۱۵۷)

امام بیہقی نے کہا ہے کہ وہ جماعتیں اسلام کا دعویٰ کریں گی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی جنگ صفین پر منطبق ہوتی ہے۔ (دلائل النبوۃ، ج:۶،ص:۴۱۸ تا۴۱۹، البدایہ والنہایہ، ج:۵،ص:۳۷۶ تا ۳۷۷)

نیز حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے دو گروہ ہوں گے، ایک گروہ ان دونوں سے خارج ہو جائے گا (یعنی خوارج) اور دونوں گروہوں میں سے جو گروہ حق کے زیادہ قریب ہوگا، وہ ان خوارج کو قتل کرے گا۔

(مسند احمد، ج:۳،ص:۹۷، سنن سعید بن منصور:۲۹۷۲)

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: یہ حدیث نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے، کیونکہ جس طرح نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی ہے اسی طرح واقع ہوا، اور اس حدیث میں آپ نے اہل شام اور اہل عراق کے دونوں گروہوں کے اوپر اسلام کا حکم لگایا ہے۔ اس طرح نہیں جس طرح رافضی فرقہ کا زعم باطل ہے اور وہ اہل شام کو کافر قرار دیتے ہیں اور اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصحاب حق کے زیادہ قریب تھے اور یہی اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حق پر تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجتہد تھے اور ان کو اجتہاد میں خطا لاحق ہوئی اور ان کو بھی ان شاء اللہ اجر ملے گا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام برحق ہیں اور ان کو دو اجر ملیں گے، جیسا کہ حدیث میں ہے:

حضرت عمرو بن العاص بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب حاکم اجتہاد کرے اور اس کی رائے درست ہو تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور جب اس کے اجتہاد میں خطا ہو تو اس کو ایک اجر ملتا ہے۔۔ (صحیح البخاری، حدیث: ۷۳۵۲، صحیح مسلم، حدیث: ۱۷۱۶، سنن ابوداؤد، حدیث: ۳۵۷۴، سنن ابن ماجہ، حدیث: ۲۳۱۴، البدایہ والنہایہ، ج: ۵، ص: ۳۸۲، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۸ھ، بحوالہ: نعمۃ الباری، شرح بخاری، ج: ۲، ص: ۲۲۳ تا ۲۲۶)

اس اختلاف کے نتیجے میں معرکۂ صفین اور فیصلۂ تحکیم وغیرہ وجود میں آئے لیکن کوئی نتیجہ نہ نکل سکا، دونوں جانب سے اختلافات اپنی جگہ پر قائم تھے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت وجود پزیر ہوئی اور ابن ملجم نے آپ کو شہید کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد اہل عراق نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست حق پرست پر بیعت کر لی اور شام والوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے قبول کر لیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد ایک مرتبہ پھر مسلمانوں کی دو جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں، ایک کی قیادت حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں میں تھی تو دوسری جماعت کی قیادت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کر رہے تھے، عین اس وقت جب دونوں جماعتیں لڑنے کے لیے مقابلے پر تھیں، بعض حضرات کی صلح کی کوششیں رنگ لائیں اور جنگ ٹل گئی، مسلمان آپس میں لڑنے اور شہید ہونے سے بچ گئے اور حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے آپ کو دست بردار کرتے ہوئے خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سونپ دی۔ اس طرح ربیع الاول ۴۱ھ میں صلح کے بعد پورے عالم اسلام کے خلیفہ تسلیم کر لیے گئے، شرق وغرب، قرب وبعد سب ان کے تابع

فرمان ہو گئے۔ اس موقع پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ پہنچے، بیعت لینے کے بعد آپ نے لوگوں کے سامنے ایک بڑی ہی فصیح وبلیغ تقریر فرمائی۔ لوگوں نے اس سال کو عام الجماعۃ (اتحاد کا سال) کے نام سے موسوم کیا، کیوں کہ اختلاف انتشار کے بعد اس سال لوگ ایک امیر کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۱۱ص:۱۴۸)

بحری فوج کی اجازت نہیں ملی: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جوش جہاد سے سرشار تھے، چاہتے تھے کہ اسلامی مملکت کو آفاق کے کناروں تک پھیلا دیا جائے، اسی لیے نئے نئے پروگرام بناتے رہتے تھے اور کوشش میں کوئی کمی نہیں کرتے، ان کا ایک دیرینہ خواب تھا کہ روم پر سمندری راستہ سے حملہ کر کے اسے فتح کیا جائے۔

علامہ طبری لکھتے ہیں: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہت اصرار کیا کہ انہیں سمندری راستے سے جنگ کی اجازت دی جائے۔ انہیں یہ بھی بتایا کہ روم شہر حمص سے بہت قریب ہے، اتنا قریب ہے کہ حمص کے ایک بستی کے لوگ روم کے کتوں کے بھونکنے کی آواز اور مرغیوں کی بانگ سن لیتے ہیں۔ اس بات سے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ متاثر ہوئے اور انہوں نے حضرت عمرو بن عاص کو لکھا کہ وہ سمندری سفر کے خدوخال اور مسافروں کا حال لکھ کر بھیجیں، کیوں کہ میں اس معاملے میں الجھن محسوس کر رہا ہوں، امیر المومنین کا حکم پا کر حضرت عمرو بن عاص نے سمندر، سمندری مسافر اور سمندری سواری کے حالات کچھ اس طور پر لکھ بھیجے:

میں نے دیکھا ہے کہ ایک بڑی مخلوق پر چھوٹی مخلوق سوار ہوئی ہے (کشتی پر انسان سوار ہوئے ہیں) اگر یہ ٹیڑھی ہو جائے تو دلوں کو پھاڑ کر رکھ دیتی ہے اور اگر ہلکورے لینے لگے تو عقلیں زائل کر دیتی ہے، اس حالت میں یقین گھٹتا رہتا ہے اور شک بڑھتا ہے، اس سفر میں لوگ ایسے ہی ہیں جیسے لکڑی پر کیڑا اگر تھوڑی ادھر ادھر ہو جائے تو یہ ڈوب جائے اور نجات پا جائے تو چمکنے لگے۔ تفصیلات معلوم ہو جانے کے بعد حضرت عمر فاروق اعظم رضی

اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا۔ نہیں ہرگز نہیں، میں کسی بھی مسلمان کو اس سفر پر نہیں بھیج سکتا۔ خدا کی قسم! مجھے ایک مسلمان کی جان روم کے تمام خزانوں سے زیادہ محبوب ہے، اب اس سلسلے میں مجھ سے دوبارہ سوال مت کرنا۔

(تاریخ طبری، ج:۴، ص:۲۵۸ تا ۲۵۹)

حضرت عثمان نے اجازت دی: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دلی خواہش تھی کہ مسلمان بحری طاقت سے لیس ہو کر روم پر حملہ کریں، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحری فوج کو وقت کی اہم ضرورت خیال کرتے تھے، لیکن چوں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں سختی کے ساتھ منع کر دیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیصلے کے آگے مجبور ہو کر رہ گئے لیکن جب حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارمانوں نے پھر کروٹ بدلی اور دربار خلافت میں عریضہ بھیجا۔

علامہ طبری لکھتے ہیں: حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلیفہ بننے کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلسل اجازت لینے میں لگے رہے یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشروط اجازت عطا فرمائی۔ آپ نے فرمایا: میں تمہیں اجازت دیتا ہوں لیکن آپ کسی کو بحری فوج میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کریں گے اور نہ ہی قرعہ اندازی کر کے فوجیوں کا انتخاب کریں گے بلکہ معاملہ پورے طریقے سے لوگوں کی مرضی پر چھوڑ دینا جو خوش وخرم اس میں شامل ہوجائے اس کے ساتھ پورا تعاون کرنا، اجازت مل جانے کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بحری فوج بنائی اور اس کا امیر حضرت عبداللہ بن قیس جاسی کو متعین کیا، حضرت عبداللہ بن قیس نے شاتیہ اور صائفہ کے درمیان پچاس غزوے بحری راستہ سے لڑے اور آپ کا کوئی آدمی ڈوب کر ہلاک نہیں ہوا۔ (تاریخ طبری، ج:۴، ص:۲۶۰)

علامہ علی محمد الصلابی لکھتے ہیں: جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا: مجھے خوب معلوم ہے کہ تم نے حضرت عمر سے اجازت چاہی تھی انہوں نے منع فرمایا، میں تمہیں کیسے اجازت دے دوں؟ پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوبارہ دربار خلافت کو خط لکھا اور بحری راستے سے: قبرص، پر جہاد کرنے کو کافی ہلکا کر کے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے پیش کیا۔ تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں اس شرط پر اجازت دیتا ہوں کہ تم اپنے ساتھ اپنی بیوی کو بھی اس پر سوار کرنا، اور کسی کو مجبور مت کرنا، لوگوں کی مرضی پر چھوڑ دینا جو چاہے اس میں شریک ہو اور نہ چاہے نہ ہو۔ اجازت ملتے ہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت تیزی کے ساتھ قبرص فتح کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں اور ساحلی علاقے والوں کو لکھا کہ وہ بحری سواریوں کو تیار کریں اور انہیں عکہ کے ساحل پر پہنچا ئیں۔ (معاویہ بن ابی سفیان، ج:۱، ص:۵۴)

قاضی محمد عبداللہ ابو بکر بن عربی مالکی کی کتاب ''العواصم من القواصم'' کے محشی محب الدین خطیب کتاب کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

اسلامی بحری جہازوں کا بیڑا بنانے کے بارے میں سب سے پہلے جس نے سوچا وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ یہ بحری جنگی بیڑا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں بنایا گیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام کے والی تھے۔ اس بحری بیڑے کا استعمال قبرص کو فتح کرنے کے لیے کیا گیا، مسلمانوں نے قبرص پر حملہ کیا اور اہل شہر جزیہ دینے کے لیے تیار ہو گئے۔ (حاشیۃ العواصم من القواصم، ص:۱۱۷)

حضرت معاویہ کی عظیم فضیلت: اسلامی تاریخ میں پہلا بحری بیڑا بنانا جہاں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیاسی بصیرت، دور بینی، جہاں بانی، ملک گیری و ملک رانی کے جوہر کو واضح کرتا ہے، وہیں ان کے دامن میں ایک عظیم فضیلت کو بھی جمع کر دیتا ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف کی یہ حدیث پاک:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ام حرام بنت ملحان کے پاس جایا کرتے تھے (وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ تھیں ۔نعمۃ الباری، ج: ۵،ص: ۶۵۲) وہ آپ کو طعام پیش کرتی تھیں اور حضرت ام حرام حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، پس ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے پاس گئے تو انہوں نے آپ کو کھانا کھلایا اور وہ آپ کے سر سے جوئیں دیکھنے لگیں، پس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سو گئے پھر آپ ہنستے ہوئے بیدار ہوئے حضرت ام حرام بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کو کیا بات ہنسارہی ہے؟ آپ نے فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ مجھ پر پیش کیے گئے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس طرح جہاد کررہے تھے کہ وہ سمندر کے وسط میں تختوں پر اس طرح بیٹھے ہوئے تھے جس طرح بادشاہ تختوں پر بیٹھے ہوتے ہیں یا ان کی مثال ان بادشاہوں کی طرح تھی جو تختوں پر بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں، اس میں اسحاق کو شک ہے، حضرت ام حرام نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان مجاہدین میں سے کردے، پس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا کی، پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا سر رکھ دیا (اور سو گئے)، پھر آپ (دوبارہ) ہنستے ہوئے بیدار ہوئے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کس بات پر ہنس رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ میرے سامنے اس طرح پیش کیے گئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کررہے ہیں، جس طرح آپ نے پہلی بار فرمایا تھا، حضرت ام حرام بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان مجاہدین میں سے کردے، آپ نے فرمایا: تم پہلے مجاہدین میں سے ہو، پس وہ حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں سمندری سفر پر روانہ ہوئیں، پھر جب (واپسی میں) وہ سمندر سے باہر آئیں تو ان کی سواری نے ان کو نیچے گرا دیا، پس وہ جاں بحق ہو گئیں ۔(صحیح البخاری، کتاب الجہاد، باب الدعاء بالجہاد والشہادۃ للرجال والنساء)

حدیث کی شرح کرتے ہوئے علامہ المہلب لکھتے ہیں:

اس حدیث سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے اپنے دور حکومت میں سمندری راستے سے پہلا جہاد کیا تھا، جس کی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں بشارت دی تھی اور جن لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پرچم تلے جہاد کیا تھا، ان کو رسول اللہ نے اولین قرار دیا۔ اہل سیرت نے لکھا ہے کہ یہ مجاہدین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں تھے۔ الزبیر بن ابی بکر نے بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں کی قیادت کرتے ہوئے قبرص کی طرف جہاد کیا تھا اور ان کے ساتھ حضرت ام حرام تھیں، جو حضرت عبادہ بن الصامت کی زوجہ تھیں، جب وہ سمندری سفر سے واپسی میں بحری جہاز سے اتریں تو خچر پر سوار ہوئیں اور اس سے گر کر شہید ہو گئیں۔ ابن الکلبی نے بیان کیا ہے کہ یہ غزوہ اٹھائیس ہجری میں ہوا تھا۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے راستے میں مرنا شہادت ہے، کیونکہ امام ابن ابی شیبہ نے ابوالعجفاء اسلمی سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ (سیدنا) محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیا گیا یا مر گیا تو وہ جنت میں ہوگا۔ (شرح ابن بطال، ج: ۵، ص: ۱۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ، بحوالہ: نعمۃ الباری، ج: ۵، ص: ۶۵۳، ۶۵۴)

اعتراف اسلاف: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خدائے تعالیٰ نے جو عظمت شان بخشی تھی اس کا اعتراف اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھلے دل کے ساتھ کیا کرتے تھے، ہم اپنے دعوے کو مبرہن کرنے کے لیے ذیل میں چند جلیل القدر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے اقوال پیش کر رہے ہیں۔

حضرت علی کا فرمان: جس وقت امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ صفین سے واپسی کر رہے تھے تو آپ نے فرمایا: لوگو! معاویہ کی امارت کو

ناپسند نہ کرو جس دن معاویہ دنیا سے چلے جائیں گے تم دیکھو گے کہ سر کاندھوں سے حنظل پھل کی طرح بڑی تیزی سے گر رہے ہوں گے۔(البدایہ والنہایہ، ج:۱۱،ص:۴۳۰)

حضرت عمیر کا فرمان: ایک موقع پر امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حمص کے امیر عمیر بن سعد کو معزول کر دیا اور ان کی جگہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منتخب فرمایا، اس پر لوگوں نے (بطور طعن) کہا کہ حضرت عمر نے عمیر کو معزول کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو والی بنایا ہے، یہ سن کر حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: معاویہ کا ذکر جب بھی کرو تو خیر کے ساتھ کیا کرو کیوں کہ میں نے خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے ''اللّٰھم اھدبہ'' اے اللہ! معاویہ کے ذریعے ہدایت نصیب فرما۔(ترمذی، حدیث نمبر:۳۸۴۳، کتاب المناقب، باب مناقب معاویہ)

حضرت ابن عمر کا نظریہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑا کوئی دوسرا سردار نہیں دیکھا۔ یہ سن کر حضرت جبلہ نے پوچھا: کیا آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی ان جیسا نہیں پایا؟ حضرت ابن عمر نے جواب دیا ''حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہتر تھے لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے بڑے سردار تھے۔ دوسری روایت میں ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد معاویہ سے بڑا سردار نہیں دیکھا۔ کہا گیا: حضرت ابوبکر کو بھی نہیں دیکھا؟ آپ نے جواب دیا: ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم معاویہ سے بہتر تھے لیکن سرداری میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے بڑھ کر تھے۔(البدایہ والنہایہ، ج:۱۱،ص:۴۳۸)

حضرت ابن عباس کا نظریہ: حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑھ کر کسی کو بادشاہت کے لائق نہیں دیکھا۔(ایضاً:۴۳۹)

بخاری شریف میں روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس سے عرض کیا گیا کہ آپ امیر المومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں کہ وہ وتر ایک

رکعت پڑھتے ہیں، آپ نے جواب دیا وہ جو کر رہے ہیں درست ہے کیوں کہ وہ فقیہ ہیں۔

(حدیث نمبر: ۳۷۶۵، کتاب المناقب باب ذکر معاویہ)

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تعزیتی کلمات ارشاد فرمائے، جس میں آپ نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو غم سے بچائے، امام حسن سے متعلق آپ کے غم کو دور فرمائے اور تمہیں بے یار و مددگار نہ چھوڑے۔ اس پر حضرت ابن عباس نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جب تک میرے لیے امیر المومنین (حضرت معاویہ) کو زندہ رکھے گا تب تک اللہ تعالیٰ مجھے ہر غم و فکر اور پریشانی سے محفوظ رکھے گا۔ (مختصر تاریخ دمشق، ج:۲۵، ص:۶۸)

حکومت کے کاموں میں مشغولیت: آپ پڑھ چکے ہیں، ۴۱ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پوری سلطنت اسلامیہ کے امیر و خلیفہ تسلیم کر لیے گئے، اب ان کے سامنے صرف اور صرف اسلامی مملکت کو وسعت و استحکام دینا، مسلمانوں کے دینی اور دنیوی حقوق کی سلامتی فراہم کرنا اور امن و امان قائم کرنا تھا اس مقصود کے حصول کے لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دن و رات کوشاں رہتے تھے۔ ڈاکٹر صلابی آپ کے نظام حکومت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی داخلی سیاست جن بنیادوں میں قائم تھی ان میں سے خاص طور پر حکومتی امور کو بنفس نفیس خود ملاحظہ فرمانا تھا۔ وہ ہر چھوٹی بڑی چیز پر خود نگاہ رکھنا چاہتے تھے، اگرچہ ان کے پاس حکومتی امور کے ماہر افراد کی ٹیم موجود تھی مگر پھر بھی وہ اسی پر تکیہ نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ از خود انہوں نے اپنا پورا وقت اور تمام تر کوششیں حکومت کے استحکام اور رعایا کی مصلحتوں کی نگرانی کے لیے وقف کر دی تھیں۔

(معاویہ بن ابی سفیان، ج:۱، ص:۲۴۴)

حضرت امیر معاویہ کا دربار: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دن و رات میں پانچ مرتبہ الگ الگ مقاصد کے لیے لوگوں کے سامنے تشریف لاتے تھے، نماز فجر کے

https://alislami.net

فوراً بعد، وہ ان لوگوں سے ملاقات کرتے جو ان کو واقعات، حکایات، اور قصص سناتے، جب اس کام سے فارغ ہوجاتے تو اندر تشریف لے جاتے قرآن شریف پیش کیا جاتا تو قرآن کریم کے ایک حصے کی تلاوت فرماتے پھر اپنے گھر تشریف لے جاتے گھر والوں کو امر و نہی کرتے اور چار رکعت نماز ادا کرتے اور دوبارہ اپنی مجلس میں تشریف فرما ہوجاتے، یہ خاص لوگوں کا اجلاس ہوتا، اس میں اپنے خاص مصاحبین سے گفتگو فرماتے، اسی درمیان ان کے وزرا بھی تشریف لاتے اور پورے دن کے کام کاج کے سلسلے میں گفتگو کرتے۔ پھر بطور ناشتہ ان کے لیے رات کا بچا ہوا کھانا پیش کیا جاتا، اسے تناول فرماتے اور کافی دیر تک محو گفتگو رہتے پھر کچھ دیر کے لیے گھر چلے جاتے جب باہر نکلتے تو کرسی لگانے کا حکم دیتے اور اس پر ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے اور پہرے دار آفس کے پاس کھڑے رہتے۔ اب آپ کے پاس فریادی اپنی اپنی فریاد لے کر حاضر ہوتے، ان میں کمزور، ضعیف، عورتیں، بچے اور اعرابی ہوتے، جس پر ظلم ہوتا اس سے ظلم دفع کرنے کا حکم دیتے، ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کرتے اور فریادی لوگوں کی فریاد کو پہنچتے اور ان کی غم خواری کرتے، جب کوئی فریادی باقی نہ رہتا تو آپ اپنے تخت پر بیٹھ جاتے اور حکم فرماتے: لوگوں کو ان کے مراتب کے اعتبار سے میرے پاس آنے دو، جب یہ قدر و منزلت والے حضرات داخل ہوتے تو آپ اس بات کا خیال رکھتے کہ کسی کے سلام کا جواب باقی نہ رہ جائے۔ جب خیر و عافیت کے تبادلے کرتے ہوئے لوگ بیٹھ جاتے تو آپ ان سے فرماتے: تمہیں اشراف (قدر و منزلت والے خاص لوگ) اس لیے کہا جاتا کہ تمہاری خاص مجلس کے ذریعے عزت افزائی کی گئی، ہر انسان کو اس میں شریک نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا تمہارا فرض منصبی ہے کہ ہر اس انسان کی حاجت و فریاد مجھ تک پہنچاؤ جو از خود مجھ تک نہیں پہنچ سکتا۔ پھر یہ اشراف لوگوں کی حاجتیں اور خبریں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور پیش کرتے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو پورا فرماتے۔ اس کے بعد دوپہر کا کھانا لگایا جاتا آپ دسترخوان پر بیٹھ جاتے، اس دوران فریادی اپنی فریاد سناتے رہتے، فریادی جب تک آپ

سے بات کرتے آپ ان کو ساتھ میں کھانا بھی کھلاتے، کھانا کھاتے کبھی کبھی آپ کی ملاقات کا سلسلہ چالیس لوگوں تک دراز ہو جاتا۔ آپ دسترخوان سے اٹھتے دربار برخاست ہو جاتا لوگ وہاں سے چلے جاتے اور حضرت خود بھی گھر تشریف لے جاتے پھر ظہر تک کوئی ملاقاتی آپ کے پاس حاضر نہیں ہوتا۔

ظہر کی اذان ہوتی آپ نماز کے لیے تشریف لاتے بعد نماز ظہر اخص الخواص حضرات سے ملاقات فرماتے اور موسم کے مطابق اشیائے خوردنی سے ان کی ضیافت فرماتے، اس دوران وزرائے مملکت بھی حاضر ہوتے رہتے اور اپنے اپنے کاموں کو سمجھتے رہتے، یہ سلسلہ عصر تک جاری رہتا، عصر کی نماز سے فارغ ہو کر آپ گھر تشریف لے جاتے پھر کوئی آپ سے ملاقات نہیں کرتا یہاں تک کہ عصر کا آخری وقت آجاتا اور آپ گھر سے باہر تشریف لاتے اور اپنے تخت پر تشریف فرما ہو جاتے پھر آپ لوگوں سے حسب مراتب ملاقات فرماتے اور مغرب سے پہلے ہی کھانا کھا لیتے، کھانا کھا کر مغرب کی نماز ادا کرتے پھر چار رکعت نفل ادا کرتے، جس میں آپ پچاس آیتوں کی تلاوت فرماتے اس میں کبھی کبھی آپ جہر سے بھی قرأت کرتے اس سے فارغ ہو کر آپ گھر تشریف لے جاتے پھر عشا تک آپ سے کوئی ملنے نہیں آتا، عشا کی نماز کے لیے باہر تشریف لاتے، نماز سے فراغت پا کر خاص لوگوں سے ملتے، اخص الخواص سے بھی ملتے، اور وزیروں وحاشیہ برداروں سے بھی ملاقات کرتے۔ خاص کر وزراء آپ سے اپنے رات کے کاموں کے متعلق مشورہ کرتے پھر تہائی رات تک اخبار عالم پر گفتگو ہوتی، جس میں عرب وعجم کی حالیہ اور ماضیہ سیاست پر گفتگو ہوتی، بادشاہوں کے انداز حکومت پر تبصرہ ہوتا، اقوام عالم کی سیرت وکردار اور جنگ وجدال کا تذکرہ ہوتا، بادشاہان عالم کا ان کی رعایا کے ساتھ سلوک زیر بحث لایا جاتا وغیرہ وغیرہ۔ پھر اہل خانہ کی طرف سے خورد ونوش کے لیے کچھ پیش کیا جاتا اس سے فارغ ہو کر آپ گھر تشریف لے جاتے اور سو جاتے جب تین حصہ رات گزر جاتی تو آپ بیدار ہوتے (ضروری چیزوں سے فارغ ہونے کے بعد) تاریخی دفاتر آپ کے سامنے

پیش کیے جاتے۔ آپ کے وہ خدام جنہیں آپ نے اس خدمت کے لیے رکھ چھوڑا تھا کہ وہ اس کو حفظ کریں اور سنائیں، وہ اپنی ذمہ داری کو نبھاتے اور آپ کو تاریخ پڑھ کر سناتے، یہ سلسلہ فجر تک چلتا رہتا پھر حسب معمول سابق نئے دن کی شروعات ہوتی۔

(معاویہ بن ابی سفیان، ج:۱، ص:۲۴۵)

قیام امن کے لیے وسائل کا انتخاب: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس بات کے دل سے خواہاں تھے کہ ان کی حکومت کی بنیادیں امن وامان پر قائم ہوں، اسلامی مملکت کا کوئی گوشہ امن وامان سے خالی نہ ہو اس کے لیے انہوں نے بہت سارے وسائل کا استعمال فرمایا، جن میں سے ہم چند کو یہاں ذکر کر رہے ہیں:

پہرے داری کا انتظام: رعایا تبھی سلامت رہ سکتی ہے جب ان کا خلیفہ سلامت رہے، اس لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی حفاظت کے لیے خاص حاجب متعین کیے تھے، اس طریقے پر حاجبین کا انتخاب کرنے والے آپ اسلام کے پہلے خلیفہ ہیں، مخالفین کی سرکشی سے بچنے کے لیے آپ کے لیے ایسا کرنا ناگزیر تھا۔ اس کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ خارجی آپ کی تاک میں تھے، یہ خارجی آپ سے پہلے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر چکے تھے چوں کہ آپ کا دارالسلطنت ملک شام، روم سے قریب ہی تھا لہٰذا رومیوں سے حفاظت بھی آپ کے لیے سخت ضروری تھی، اس لیے آپ نے مقصورات (ایک خاص قسم کی عمارت) تعمیر کرائے، رات کی پہرے داری کا بھی انتظام کیا اور پولس کا خاص انتظام فرمایا، جب آپ نماز ادا کرتے تو پولس آپ کی پہرے داری کرتی۔

پولس کا عمدہ انتظام: امن وامان کو عمدہ طور پر قائم کرنے، نظام حکومت کو بہتر طریقے پر چلانے، چوروں، مجرموں اور مفسدین کی دھڑ پکڑ کے لیے آپ نے محکمۂ پولس کو مضبوط کیا، خلیفہ کی حفاظت بھی محکمۂ پولس کا ایک مقصد تھا لیکن خارجی حملہ کو روکنا پولس کی ذمہ داری میں شامل نہ تھا۔ پہلے پہل تو اس محکمہ کو شام میں منظم کیا گیا پھر اس کو وسعت دی گئی اور اس کی ذمہ داریاں دارالخلافت کے ساتھ ساتھ دیگر بلاد مسلمین تک پھیل گئیں، پولس

حاکم شہر کے ماتحت کام کرتی تھی اور یہی لوگ پولس کی بھرتی کے لیے لوگوں کا انتخاب بھی کرتے تھے، پولس کا خاص استعمال سرکشوں سے نپٹنے، شورشوں کو کچلنے اور بدامنی کو دور کرنے کے لیے کیا جاتا تھا، اس حیثیت سے یہ شعبہ معاشرے کے لیے بڑی اہمیت کا حامل تھا کیوں کہ اس کے ذریعے لوگوں کے حقوق کی حفاظت ہوتی تھی اور جرائم پیشہ لوگوں کی زیادتیوں سے لوگ محفوظ ہوجاتے تھے، پولس کے بعض افسران کو کچھ داخلی وخارجی اہم ذمہ داریاں بھی سونپی جاتی تھیں۔

حسن انتخاب: رب تبارک وتعالیٰ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خوبی بھی بخشی تھی کہ وہ لوگوں کو پہچاننے میں دھوکا نہیں کھاتے تھے بلکہ وہ معاشرے کے قابل، بھروسہ مند، تجربہ کار، ملک رانی کے ماہر اور عقل وفہم میں ممتاز لوگوں کی خاص شناخت رکھتے تھے، اسی خوبی کی وجہ ان کے پاس وقت کے چیدہ چیدہ اور کارآزمودہ افراد کا اجتماع ہوگیا تھا، حضرت عمرو بن عاص، مغیرہ بن شعبہ جیسے حضرات اس کی بہترین مثال ہیں۔

نرمی اور سختی کا امتزاج: ان کی خلافت کی پائیداری کی ایک بڑی وجہ نرمی اور سختی کا سنگم تھا، نہ تو وہ ہر وقت سختی پر اڑے رہتے اور نہ لوگوں کو اتنی چھوٹ دیتے کہ مطلق العنان ہوجائیں، انہوں نے اپنے ایک حاکم کو لکھا تھا کہ ہم اور تم لوگوں کو ایک ڈنڈے سے نہیں ہانک سکتے بلکہ طریقۂ کار یہ رکھنا ہوگا کہ اگر میں سختی برتوں تو تم نرمی سے کام لو اور اگر تم نرمی اپناؤ تو میں سخت ہوجاؤں، آپ کا یہی نظریہ ان اقوال میں نظر آتا ہے جن کا قائل آپ کو بتایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ کہتے تھے کہ جب تک زبان سے کام چلتا ہے میں کوڑے کا استعمال نہیں کرتا اور جب کوڑے سے معاملہ سنبھل جائے تو تلوار کا استعمال نہیں کرتا اور جہاں تلوار ہی ضرورت ہو تو تلوار کا استعمال ضروری ہے۔

محکمۂ سراغ رسانی: محکمۂ سراغ رسانی کی اہمیت ہر زمانے میں مسلم رہی ہے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا خاص اہتمام فرمایا، وہ اس شعبے کو خود اپنی نگرانی میں رکھتے تھے اس لیے یہ شعبہ بہت مضبوط ہوگیا اور ایک ایسا خفیہ نظام قائم ہوگیا تھا

https://alislami.net

کہ رعایا اور حکمراں دونوں پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر بنی رہتی تھی، قرب وبعد میں کوئی بھی عامل ہو یا فوج کا ذمہ دار افسر ہر ایک ان کے جاسوس کی زد میں تھا بلکہ اس نظام نے دشمنوں کے شہروں پر اپنی پکڑ بنا رکھی تھی، اس نظام کی مضبوطی کا اندازہ آپ اس بات سے کر سکتے ہیں کہ مسلمانوں کے دشمن بازنطینیوں نے جب اپنے ملک میں بادشاہ روم کے سامنے ایک مسلمان قیدی کو تھپڑ مارا، اس وقت قیدی نے پکارا تھا: آہ اسلام! اے معاویہ! تم کہاں ہو؟ یہ پورا واقعہ ہو بہو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پتہ چل گیا۔ اس کا ذکر ہم ان شاء اللہ آگے کریں گے۔

مشتبہ لوگوں کی سخت نگرانی: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت ہی ہوشیار حکمراں تھے، وہ کبھی بھی اپنی حکومت سے غافل نہیں ہوتے تھے، اگر کوئی ایسا انسان ان کی نظر میں آتا جو ان کی نظر میں حکومت کی پائیداری کو نقصان پہنچا سکتا تھا تو وہ اس پر کڑی نظر رکھتے تھے، جیسے کہ زیاد نامی ایک شخص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ ماننے کے لیے تیار نہ تھا، ان کی خلافت سے بچنے کے لیے اس نے ملک فارس کو اپنی پناہ گاہ بنالیا تھا، اس کو پہلے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اطمینان دلا کر اسلامی ملک میں واپسی پر راضی کیا پھر اس کی طلب پر کوفہ رہنے کی اجازت بھی دے دی، لیکن کبھی بھی اس کو لے کر آپ غافل نہیں ہوئے بلکہ اس سلسلے میں آپ نے والی کوفہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کو احتیاطی فرمان جاری کر رکھا تھا۔

اسلامی لشکر کا قیام: آپ نے شام کی گورنری سنبھالنے کے بعد ایک مضبوط اسلامی لشکر کی تشکیل کا کام بھی شروع کر دیا (اس میں ان کی بحری فوج خاص طور پر قابل ذکر ہے) اس لشکر سے اسلام کو خوب فائدہ پہنچا اور اسلامی سرحدوں کو وسیع کرنے میں اس لشکر نے نمایاں اور بے مثال خدمات انجام دیں۔ (معاویہ بن ابی سفیان، ج:۱، ص:۲۵۶)

معاویہ اور رائے کی آزادی: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نظام حکومت نہایت عادلانہ اور منصفانہ تھا انہوں نے طاقت کا بے جا استعمال کر کے لوگوں کے منہ پر مہر نہیں

لگائی تھی بلکہ ان کے دربار میں لوگوں کو اپنی بات رکھنے کی پوری اجازت ہوتی تھی بعض دفعہ بولنے والے اپنے لہجے اور الفاظ میں شدت اختیار کرتے تب بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی بات پورے تحمل کے ساتھ سنتے، نہ یہ کہ ان کو کوڑے لگوا کر دربار سے نکلوادیتے۔

ابومسلم خولانی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے اور سلام کیا، مگر سلام میں جن الفاظ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خطاب کیا، وہ عجیب ہونے کے ساتھ ساتھ قابل غضب بھی تھے آپ نے کہا: ''السلام علیك ایها الاجیر'' جو لوگ اس وقت مجلس میں موجود تھے انہوں نے کہا: اجیر مت کہیے امیر کہیے، یہ اجیر نہیں بلکہ امیر ہیں، دوبارہ پھر ابومسلم نے انہیں الفاظ کے ساتھ سلام کیا (پہلی مرتبہ خطا قرار دی جاسکتی تھی لیکن اب تو اس کی کوئی گنجائش نہ بچی تھی) پھر لوگوں نے وہی بات دہرائی، اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ابومسلم جو کہہ رہے ہیں انھیں کہنے دو، اس لیے کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اسے اچھے طریقے سے سمجھ بھی رہے ہیں۔ ابومسلم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آپ کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کو کسی نے مزدوری پر اپنے گھر نوکر رکھا اور اس کے حوالے اپنے جانور کر دیئے لیکن یہ شرط لگا دی کہ اگر وہ اچھے طریقے سے ان کی نگہداشت کرے گا اور بہتر طریقے پر انہیں چرائے گا تو اسے اس کا معاوضہ دیا جائے گا، اب اگر وہ شخص اس شرط کو پورا کرتا ہے، اچھی چرائی سے جانوروں کے گوشت اور دودھ میں اضافہ کرتا ہے، کمزوروں کو فربہ کر دیتا ہے تو اس کا مالک اس کی مزدوری اسے دیتا ہے اور کچھ اپنی طرف سے بطور انعام بھی دیتا ہے اور اگر یہ مزدور محنت نہیں کرتا، جانوروں کو اچھے طریقے سے نہیں چراتا، دودھ سکھا دیتا ہے، گوشت گھٹا دیتا ہے اور کمزوروں کو ہلاک کر دیتا ہے تو مالک بجائے اجر کے اس کو سزا دیتا ہے، یہ سن کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ماشاء اللہ۔

(تاریخ مدینہ دمشق، ج: ۲۷، ص: ۲۲۳، سیر اعلام النبلاء، ج: ۴، ص: ۱۳)

قارئین غور کر سکتے ہیں کہ بھرے دربار میں ابومسلم خولانی نے کس طرح حضرت

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نظام حکومت بہتر ڈھنگ سے چلانے کی تاکید کی، عدل و انصاف پر ابھارا، انہیں اپنی حکومت سے متعلق مکمل جواب دار بنایا، احکم الحاکمین کی بارگاہ میں حاضری کے وقت ثواب وعتاب کو بیان فرمایا، ان کو کھلے الفاظ میں اجیر اور نوکر گردانا لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لب پر حرف شکایت لائے بغیر ان کو سنتے بھی رہے اور ماشاء اللہ کہہ کر ان کی نہ صرف تائید کی بلکہ تحسین فرمائی، یہ رعایات وہی دیتے ہیں جو لوگوں کی زبان پر تالے نہیں لگاتے بلکہ انہیں حق بولنے کی مکمل آزادی عطا کرتے ہیں۔

لوگوں کی ضروریات کا خیال: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہر وقت اپنے دل میں بسائے رکھتے تھے وہ والی مملکت ہونے کی ذمہ داری سے کماحقہٗ آگاہ تھے اس لیے لوگوں کی ضروریات کا خاص اہتمام فرماتے، لوگوں کی ملاقات سے اپنے آپ کو پردے میں نہیں رکھتے تھے، خاص کر جب آپ کو اس حدیث کا علم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جس شخص کو لوگوں کے معاملات کی ذمہ داری سونپی گئی پھر اس شخص نے لوگوں سے ملنے اور ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے درمیان آڑ بنالی تو اللہ تبارک وتعالیٰ بھی اس کی ضرورتوں کے بیچ پردہ حائل فرمادے گا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باضابطہ لوگوں کی ضرورتیں ان تک پہنچانے کے لیے ایک شخص کو متعین کر رکھا تھا تاکہ ضرورت مند کو کسی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے، مدینہ شریف کا عامل آپ کے پاس جب ڈاک بھجواتا تو پہلے مدینۂ طیبہ میں ندا کراتا کہ اگر کسی کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک کوئی پیغام پہنچانا ہو تو لکھ کر دے دے۔ (معاویہ بن ابوسفیان، ج:۱،ص:۲۶۱)

مساجد اور چشموں کا انتظام: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی مملکت میں مساجد کو عمدہ بنانے، اچھا انتظام کرنے اور ان کی توسیع کرنے کی طرف خاص توجہ فرمائی، آپ کے حکام نے آپ کے حکم سے مختلف دیار و امصار میں ضرورت کے مطابق مساجد کی تزئین کی، نمازیوں کو سہولیات فراہم کیں اور قدیم عمارات میں توسیعات کو انجام دیا، خاص کر مسجد حرام میں آپ کے حکم سے توسیع کی گئی، بیت المال کے خرچ پر مسجد

حرام میں بہترین قندیلیں لگائی گئیں، طواف کرنے والوں کے لیے روشنی کا عمدہ انتظام بھی کیا گیا، مسجد اقصیٰ پر بھی آپ نے خاص توجہ صرف کی، کوفہ کی جامع مسجد کی توسیع عمل میں لائی گئی، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں رفاہی کام بھی خوب انجام دیے، مدینۂ طیبہ میں پینے کے پانی کی فراوانی کی گئی، مکہ شریف میں پانی کے چشمے جاری کروائے گئے۔ (معاویہ بن ابی سفیان، ج:۱، ص:۲۶۲)

حجاج کرام اور روزہ داروں کے لیے کھانے کا انتظام: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ شریف میں باضابطہ مطبخ کا قیام فرمایا، یہ مطبخ اپنے تمام تر لوازمات کے ساتھ قائم کیا گیا تھا، مطبخ میں بنا ہوا کھانا حجاج کرام اور ماہ رمضان کے صائمین کے لیے وقف تھا۔ (معاویہ بن ابی سفیان، ج:۱، ص:۲۶۲)

علمی خدمات: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تہذیبی ثقافتی ترقی کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہتے تھے، اس کے لیے آپ نے حکام وقت، علمائے کرام اور امت کے جلیل القدر افراد کی خوب حوصلہ افزائی فرمائی، ان کا زمانہ علوم اسلامیہ جیسے علوم قرآن، تفسیر، فقہ، عقیدہ وغیرہ کی ترقی پر خود ایک بہترین گواہ ہے، ان کے زمانے میں متعدد ایسے علما پیدا ہوئے جن کے علوم، اجتہادات اور ان کے زریں اقوال سے آج تک اہل اسلام استفادہ کر رہے ہیں، علوم قرآن، سنت نبویہ، فقہ اور لغت تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے مرکز توجہ تھے ہی لیکن ان کے سوا علوم کا بھی آپ کے زمانے میں بہتر اہتمام کیا گیا۔ (معاویہ بن ابی سفیان، ج:۱، ص:۲۶۳)

علم تاریخ: عربی زبان میں سب سے پہلے تاریخ مدون کرنے کا سہرا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر بندھا ہے، آپ اسلام کے سب سے پہلے سپوت ہیں، جنہوں نے یہ عظیم کارنامہ انجام دیا، خیال رہے کہ یہاں تاریخ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات یا انبیائے سابقین کے واقعات مراد نہیں اور نہ ہی ایام عرب اور انساب مراد ہیں بلکہ یہاں تاریخ سے مراد گزشتہ امتوں کی تاریخ گزرے ہوئے بادشاہوں کی سیرت

https://alislami.net

اور جنگی داستانیں ہیں۔ (معاویہ بن ابوسفیان، ج:۱، ص:۲۶۳)

حضرت امیر معاویہ کی اہم صفات: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص صحبت پائی تھی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کتابت کی ذمہ داریاں سنبھالیں، اس منصب پر رہنا اس بات کی دلیل کافی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت کے حاضر باش تھے، اس حاضری نے آپ کو فضائل ومناقب میں ایک ممتاز مقام عطا کیا۔ شارحین حدیث نے آپ کا تعارف کراتے وقت صاحب فضائل جمہ (کثیر فضائل والے) جیسے الفاظ کا استعمال فرمایا ہے۔

علامہ عبدالعزیز بن احمد لکھتے ہیں: امام قسطلانی نے شرح بخاری میں آپ کو ذوالمناقب الجمہ لکھا، شرح مسلم میں آپ کو عادلین فاضلین اور چنندہ صحابہ میں شمار فرمایا۔ امام یافعی نے فرمایا: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حلیم، کریم، ملک رانی کے ماہر، عقلمند، ہوشیار اور بردباری میں کمال کو پہنچے ہوئے تھے، انہیں دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا تھا گویا خدائے تعالیٰ نے انہیں خلافت ہی کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ (الناہیۃ عن طعن امیر المومنین معاویۃ، ص:۴۳)

آپ مجتہد تھے: بخاری شریف میں حضرت ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے، حضرت ابن عباس سے عرض کیا گیا: آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ وہ صرف ایک رکعت نماز وتر پڑھتے ہیں، حضرت ابن عباس نے جواب دیا: ''اصاب انہ فقیہ'' معاویہ درستگی پر ہیں کیونکہ وہ فقیہ ہیں۔ شارحین حدیث نے فرمایا: اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مجتہد ہیں۔ بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی طرح کے دوسرے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: ''دع فانہ صحب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' ان سے متعلق کچھ نہ کہو کیونکہ وہ حضور کے صحابی ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار فضلائے صحابہ میں ہوتا ہے، علمی وسعت کی وجہ سے حضرت ابن عباس کو بحر، حبر اور ترجمان قرآن جیسے معظم القاب سے یاد

https://alislami.net

کیا جاتا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ شان ہے کہ ان کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ”اے اللہ انہیں علم وحکمت اور تاویل عطا فرما“ بے شک حضور کی دعا قبول ہوئی (اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہر دعا قبول ہی ہوتی ہے) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بڑے معتمد اور خاص تھے، ان کے دشمنوں پر بڑے سخت تھے، حضرت علی نے خارجیوں سے مناظرہ کرنے کے لیے حضرت ابن عباس ہی کو بھیجا تھا اور حضرت ابن عباس نے انہیں لا جواب کر دیا تھا، یہ حبر امت اور ترجمان قرآن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم و فضل کی گواہی دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ مجتہد ہیں تو ما و شما کی کیا حیثیت۔(الناہیۃ، ص:۴۱)

آپ کے اجتہاد پر اعتماد: دور صحابہ میں آپ کو فقیہ تسلیم کیا گیا اور بعد کے ادوار میں بھی فقہاء آپ کے اجتہاد پر اعتماد کرتے رہے، اور اس کو کتابوں میں لکھتے رہے۔ صاحب الناھیۃ لکھتے ہیں: ”فقہاء آپ کے اجتہاد پر اعتماد کیا کرتے ہیں اور اپنی کتابوں میں ان کے اجتہاد کو ذکر بھی کرتے ہیں جیسے کہ فقہاء میراث کا ایک مسئلہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”وذهب معاذ بن جبل و معاوية و سعيد بن المسيب الى ان المسلم يرث الكافر“ حضرت معاذ بن جبل حضرت امیر معاویہ اور حضرت سعید بن مسیب کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان کافر کی میراث پائے گا، اس میں صحابی رسول حضرت معاذ کے ساتھ ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا نام اور ان کا مذہب بھی ذکر کیا گیا۔(الناہیۃ، ص:۵۷)

روایت حدیث: امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے احادیث روایت فرمائی ہیں، ساتھ ہی اپنی بہن ام المومنین ام حبیبہ سے بھی روایت کی ہے اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی آپ روایت فرماتے ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:۳، ص:۱۲۰)

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ۱۶۳/احادیث روایت کی ہیں، چار پر امام بخاری و مسلم کا اتفاق ہے،

https://alislami.net

امام بخاری آٹھ اور امام مسلم پانچ میں منفرد ہیں۔

علامہ غلام رسول سعیدی نے حافظ صفی الدین احمد بن عبداللہ خزرجی سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک سو تیس احادیث مروی ہیں، جن میں سے چار حدیثوں پر امام بخاری اور امام مسلم متفق ہیں، امام بخاری چار حدیثوں کے ساتھ منفرد ہیں، امام مسلم پانچ حدیثوں کے ساتھ منفرد ہیں۔ (خلاصہ تہذیب تہذیب الکمال، ج: ۳، ص: ۱۱۰، بحوالہ نعمۃ الباری، ج: ۶، ص: ۸۹۴)

ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی نے آپ کی مرویات ۱۶۳ تحریر کی ہیں اور یہی تعداد علامہ ذہبی نے بھی سیر اعلام النبلاء میں درج فرمائی ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء، ج: ۳، ص: ۱۶۲، معاویہ بن ابی سفیان، ج: ۱، ص: ۳۱)

تبلیغ کا جذبہ: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بہت مشہور فرمان ہے ''فلیبلغ الشاهد منکم الغائب'' جو میری مجلس میں موجود ہے وہ میری باتیں اس تک پہنچا دے جو مجلس میں موجود نہیں، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر کس شان کے ساتھ عمل کرتے تھے؟ بخاری شریف کی حدیث پاک سے ملاحظہ کریں:

حضرت سہل بن حنیف کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منبر پر بیٹھے ہوئے دیکھا کہ مؤذن نے اذان دی، مؤذن نے

''اللہ اکبر اللہ اکبر'' کہا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی جواب دیتے ہوئے ''اللہ اکبر اللہ اکبر'' کہا، جب مؤذن نے ''اشهد ان لا اله الا الله'' کہا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ''اشهد ان لا اله الا الله'' کہا، مؤذن نے ''اشهد ان محمدا رسول الله'' کہا تو آپ نے اس کا بھی جواب دیا، جب مؤذن نے اذان مکمل کر لی تو آپ نے فرمایا: ''اے لوگو! جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اذان پڑھی گئی تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جگہ میں یہی پڑھتے ہوئے دیکھا ہے جو تم نے

https://alislami.net

مجھ سے سنا ہے''۔(صحیح البخاری کتاب الجمعہ، باب یجیب الامام علی المنبر اذا سمع النداء)

آپ کی کوشش ہمیشہ یہی رہتی تھی کہ لوگوں کو خیر کی طرف راغب کیا جائے اور دین کی سمجھ کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ اس کی ایک مثال بخاری شریف کی آنے والی یہ حدیث ہے:

حمید بن عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منبر پر خطبہ دیتے ہوئے سنا، آپ فرما رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ تبارک وتعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے، بے شک میں تقسیم کرنے والا ہوں اور خدا عطا فرماتا ہے، بے شک یہ امت ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے امر پر قائم رہے گی، امت کے مخالفین امت کو ضرر نہ دے سکیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آ جائے۔ (صحیح البخاری کتاب العلم باب من یرد اللہ بہ خیرا)

سنت سیکھنے کا جذبہ: ایک طرف آپ خود صحابی ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بالمشافہ احادیث سماعت کی ہیں پھر بھی طلب سنت، شوق علم اور تعلم حدیث نبوی کا جذبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ آپ صحابہ سے احادیث سننے پر بڑے حریص تھے بلکہ خط وکتابت کے ذریعے اپنے ماتحت حکمرانوں سے بھی احادیث سیکھا کرتے تھے، اپنے اس دعوے کی سند بھی ہم بخاری شریف سے پیش کر رہے ہیں:

حضرت وراد مولی مغیرہ بن شعبہ فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کو خط لکھا کہ مجھے یہ لکھ کر بھیجیں کہ تم نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نماز کے بعد کیا پڑھتے ہوئے سنا ہے؟ حضرت وراد (جو والی کوفہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کے کاتب تھے) کہتے ہیں کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے مجھ سے لکھوا کر بھیجا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے ''لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك له، له الملك وله الحمد وهو علی كل شيئ قدير اللهم لا مانع لما اعطيت ولا معطی لما منعت ولا ينفع ذا الجد منك الجد۔'' (صحیح البخاری، کتاب القدر، باب لا مانع لما اعطی اللہ)

اتباع سنت کا جذبہ: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود بھی متبع سنت

تھے اور چاہتے تھے کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق زندگی گزاریں۔ اس بات کو بھی ہم بخاری شریف کی حدیث سے مبرہن کر رہے ہیں:

حضرت حمید بن عبدالرحمٰن نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے حج کے سال (مسجد نبوی) کے منبر شریف پر دیکھا، وہ لوگوں سے فرما رہے ہیں: اے اہل مدینہ! تمہارے علما کہاں ہیں؟ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: یہ عاشورہ کا دن ہے اس دن کا روزہ اللہ تعالیٰ نے فرض نہیں کیا ہے، میں خود روزہ دار ہوں، تم میں سے جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے روزہ نہ رکھے۔ (بخاری، کتاب الصوم، باب صیام یوم عاشوراء)

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اس حدیث پاک کے سیاق سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل مدینہ میں صوم یوم عاشورہ کے اہتمام سے متعلق کمی کو محسوس کیا تو آپ نے علما سے متعلق یہ پوچھا (کیونکہ علما حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ جاننے والے ہوتے ہیں) (فتح الباری، کتاب الصوم، باب صیام یوم عاشوراء)

علامہ ابن حجر کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ اگر آپ لوگوں میں اتباع سنت کے جذبے کی کمی پاتے تو فوراً اس پر تنبیہ فرماتے۔ ایک اور روایت جس کو علامہ ابن حجر عسقلانی نے ذکر کیا ہے، اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع پر بڑے حریص تھے۔ روایت ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: (جب حضرت امیر معاویہ مکہ شریف آئے تھے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس جگہ نماز پڑھی؟ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جواب دیا: اگر آپ چاہتے ہیں کہ اس جگہ نماز پڑھیں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تو اپنے اور دیوار کعبہ کے بیچ میں تقریباً تین ذراع کا فاصلہ چھوڑ دیں۔ (فتح الباری، کتاب الحج باب اغلاق البیت ویصلی)

نماز میں حضور سے مشابہت: اتباع سنت کے اسی جذبے نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بہت مشابہ بنا دیا تھا۔

صحابی رسول حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: ''میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مشابہ نماز پڑھتے ہوئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا کسی کو نہیں دیکھا''۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۳،ص:۱۳۵)

احترام نسبت: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان تبرکات کو اکٹھا کرنے پر بڑے حریص تھے جنہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کسی بھی طور پر نسبت تھی، ان تبرکات کو جمع کرنے کے لیے انہیں جو مشقت برداشت کرنا پڑے یا جو کچھ خرچ کرنا پڑے، وہ اس سے پیچھے نہیں ہٹتے تھے بلکہ بڑی فراخ دلی سے وہ سب کچھ انجام دیتے تھے، جو ان کے مطلوب کے لیے ضروری ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں ان کے فرط شوق اور جذبات کے تلاطم کو جاننے کے لیے آنے والا واقعہ ملاحظہ ہو۔

دربار رسالت کے مشہور شاعر حضرت کعب بن زہیر کے نام سے آپ واقف ہوں گے، حضرت کعب بن زہیر ایک زمانے تک کفر کی نجاستوں سے آلودہ رہے، کفر کا رنگ ان پر چڑھا ہوا تھا، شاعر تو تھے ہی رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی باعظمت بارگاہ میں بھی زبان طعن دراز کر ڈالی (العیاذ باللہ) بارگاہ رسالت میں لوگوں نے ان کے اس برے فعل کی شکایت کی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں مباح الدم قرار دے دیا۔ حضرت کعب کے بھائی داخل اسلام ہو چکے تھے، انہوں نے اپنے بھائی کو خط لکھا کہ ابھی وقت ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تائب ہو کر اسلام لانے والے کی خطائیں معاف فرما دیتے ہیں، یہ خبر سنی تو بھیس بدل کر سہمے ہوئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچے، کلمۂ شہادت پڑھا اور پھر عرض گزار ہوئے: یارسول اللہ! امان بخشی جائے، میں آپ کی بارگاہ میں پناہ کا امیدوار ہوں، مجھے پناہ دیکر ممنون کرم کیا جائے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ابوبکر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: انہوں نے کیا کہا تھا؟ حضرت ابوبکر نے ان کے پہلے والے اشعار سنائے، اس پر حضرت کعب نے عرض کیا: حضور! میں نے یہ نہیں کہا تھا، کچھ الفاظ بدل کر شعر پڑھا اور عرض کیا: میں نے اس طور پر کہا تھا، حضور کی بارگاہ میں اتنا

احساس ندامت کافی تھا، حضرت کعب کی معذرت قبول کر لی گئی اور رحمت عالمیاں نے انہیں امان بخش دی۔ بارگاہ رسالت سے امان مل جانے کے بعد حضرت کعب بن زہیر نے ایک طویل قصیدہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیا جسے قصیدہ ''بانت سعاد'' کہا جاتا ہے۔ (آپ کا یہ قصیدہ عشق رسول کی حرارت کے ساتھ صنف ادب کی اعلیٰ اقدار پر مشتمل ہے اور تشبیہات وتلمیحات کا بیش بہا خزینہ) جب حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے قصیدے کا یہ شعر پڑھا:

ان الرسول لنور يستضاء

بهمهند من سيوف الله مسلول

بے شک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسے نور ہیں جن سے ضیاء حاصل کی جاتی ہے (کفر کے خلاف) اللہ تبارک وتعالیٰ کی کھلی ہوئی تلوار ہیں۔

توحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اتنے خوش ہوئے کہ جو چادر مبارک اوڑھے ہوئے تھے وہ حضرت کعب بن زہیر کو اڑھا دی۔ یہی وہ چادر ہے جس کی بات ہم کرنا چاہتے ہیں، اس چادر مبارک کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خاص نسبت تھی لہٰذا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس چادر کے بڑے متمنی تھے، آپ نے اپنے زمانۂ خلافت میں اس چادر کو بڑا نذرانہ دیکر حاصل کرنا چاہا لیکن حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کہتے ہوئے چادر دینے سے انکار کر دیا ''میں وہ کپڑا کسی قیمت پر نہیں دے سکتا جو مجھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عطا فرمایا ہے'' لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھک ہار کر بیٹھنے والے کہاں تھے؟ کوشش کرتے رہے، یہاں تک کہ جب حضرت کعب کا وصال ہو گیا تو یہ چادر آپ نے ان کے وارثین سے بیس ہزار دراہم نذرانہ دیکر حاصل کر لی، اس چادر کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت سنبھال کر رکھا، یہاں تک کہ بعد کے خلفاء کے پاس بھی محفوظ رہی، یہ سلاطین اس کو عید کے موقع پر استعمال کیا کرتے تھے، کہا جاتا ہے کہ بعد میں تاتاری فتنہ کے وقت وہ چادر گم ہو گئی۔ (الوفا بتعریف فضائل المصطفیٰ، ج:۱، ص:۳۲۸،

https://alislami.net

سیدنا محمد رسول اللہ، ج:۱، ص:۴۸۸، الکامل فی التاریخ، ج:۲، ص:۱۴۶)

سخاوت: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مال پر بخالت نہیں کرتے تھے بلکہ کھلے دل کے ساتھ خرچ کرتے، خاص کر قابل قدر اور لائق احترام ہستیوں کے قدموں میں مال کا ڈھیر لگا دیتے تھے، جو ہر شناس تھے، فضل والوں کی فضیلت بہت اچھے طریقے سے جانتے تھے اور ان پر دل کھول کر خرچ کرتے تھے، آپ کا وصف سخاوت خلفاء کے درمیان ممتاز رہا اور تاریخ نے آپ کو ایک عظیم فیاض کے طور پر یاد رکھا۔ اب ہم آپ کے سامنے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سخاوت اور داد و دہش کے چند نمونے پیش کر رہے ہیں۔

ام المؤمنین کا قرض ادا کیا: ایک وقت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر اٹھارہ ہزار دینار قرض چڑھ گیا تھا، جب یہ خبر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچی تو ام المؤمنین کا پورا قرض حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ادا فرمایا۔

ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ام المؤمنین کی بارگاہ میں ایک لاکھ کی نذر بھیجی، ام المؤمنین نے وہ پوری رقم اسی دن مستحقین میں تقسیم فرما دی، اپنے پاس ایک درہم بھی باقی نہیں چھوڑا، آپ کی خادمہ نے عرض کیا: کاش! آپ نے ایک آدھ درہم بچا لیا ہوتا جس سے ہم گوشت خرید لاتے؟ ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: اگر تم نے پہلے یاد دلایا ہوتا تو میں ایسا کر لیتی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ام المؤمنین کی بارگاہ میں ایک عمدہ ہار بھیجا جس کی قیمت ایک لاکھ روپے تھی، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وہ ہار قبول فرما لیا۔

حسنین کریمین کی بارگاہ میں نذرانہ: ایک بار حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لائے تو آپ نے فرمایا: آج میں آپ کی بارگاہ میں اتنی نذر پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا کہ اتنی بڑی نذر آج تک کسی کو نہیں دی گئی۔ پھر آپ نے چار لاکھ درہم حضرت امام حسن کی بارگاہ میں پیش فرمائے۔ (البدایہ والنہایہ میں اربع مائۃ الف الف کے الفاظ ہیں یہاں پر دوسرا الف زائد

ہے جیسے کے دوسرے مصادر سے ظاہر ہے)

ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دونوں نواسے حضرات حسنین کریمین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لائے آپ نے دونوں شہزادوں کی خدمت میں دو لاکھ کی نذر پیش کی اور فرمایا: اتنی بڑی نذر کسی کو پیش نہیں کی گئی، اس پر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: آپ نے ہم سے افضل کو کبھی نذر پیش بھی نہیں کی ہے۔

بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے پاس حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استقبال کرتے ہوئے فرمایا: ''اے شہزادۂ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آپ کا آنا مبارک ہو'' پھر خدمت اقدس میں تین لاکھ نذرانہ پیش فرمایا۔ پھر آپ حضرت عبداللہ بن زبیر سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: ''اے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھی کے شہزادے! آپ کا آنا بھی مبارک ہو، ان کو بھی ایک لاکھ روپیہ نذرانہ پیش فرمایا۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۱۱،ص: ۴۴۴، تاریخ دمشق (ذکر من اسمہ معاویہ) ج:۵۹،ص: ۱۹۲، سیر اعلام النبلاء، ج:۳ص: ۱۵۴)

اس کے سوا بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی داد و دہش کے بہت سے واقعات کتب سیر و تاریخ میں درج ہیں، جنہیں ہم اختصار کے پیش نظر ذکر نہیں کر رہے ہیں۔

نہی عن المنکر کا جذبہ: اتباع سنت اور امر بالمعروف ہی کی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہی عن المنکر کے جذبے سے بھی سرشار تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ایک بات خلاف شرع محسوس کی تو مسجد نبوی کے منبر پر علی الاعلان اس کے خلاف شرع ہونے کو ظاہر فرمایا، ساتھ ہی علمائے مدینہ کو تعریضاً تنبیہ فرمائی۔

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بالوں کا ایک گچھا ہاتھ میں لیتے ہوئے فرمایا: اے اہل مدینہ! تمہارے علما کہاں ہیں؟ میں نے حضور صلی

https://alislami.net

اللہ علیہ وسلم کو اس جیسی چیزوں (عورت اپنے بالوں کے ساتھ دوسری عورت کے بالوں کا استعمال کرے) سے منع فرماتے ہوئے سنا ہے۔ بنواسرائیل ہلاک ہو گئے جب ان کی عورتوں نے ایسی (حرام) چیزوں کا استعمال شروع کر دیا۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے یہ بات پتہ چلتی ہے کہ حکمراں حضرات کو بدعات و منکرات کا ازالہ کرنا چاہیے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بات پر بھی تنبیہ فرمائی کہ علما کو اپنی ذمہ داری نبھانی چاہیے، ذمہ داری سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔ (بخاری، عمدۃ القاری، کتاب الانبیاء، باب حدیث الغار سے متصل)

معترضین کو مطمئن کرنا: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شرف صحابیت سے متصف ہوئے، زمانۂ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بڑے قریب سے دیکھا، فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں عہدہ دار ہو گئے، عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں عزت میں چار چاند لگے، مولائے کائنات کرم اللہ وجہہ کے بعد حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں خلافت سونپ کر پوری سلطنت اسلامیہ کا خلیفہ بنا دیا۔ اس طور پر ایک عظیم زمانہ انہوں نے ایسے حضرات کے ساتھ گزارا جو قرآن وسنت، دین وشریعت، عدل و انصاف کو لازم پکڑنے والے وامارت، حکومت اور سیاست کو مرضئ مولیٰ کے مطابق انجام دینے والے تھے، ان کے سینے اللہ تعالیٰ کے خوف وخشیت سے لبریز تھے، ان صحبتوں اور حکمرانی کے لمبے تجربے نے انہیں حکمرانوں کی صف میں ممتاز کر دیا تھا، وہ معاملہ فہمی اور گتھیوں کو سلجھانے میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، مسلمانوں کو مطمئن کرنے اور دشمنوں کو نپٹانے کا ہنر خوب جانتے تھے۔ اگر جماعت مسلمین کا کوئی فرد ان کا بدگو ہوتا تو سزا کے بجائے جزا سے اس کا منہ سل دیتے تھے "وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ" پر عمل پیرا تھے، ہم اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لیے ایک عملی نمونہ پیش کر رہے ہیں:

حضرت عروہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت مسور بن مخرمہ (حضرت مسور بن مخرمہ کو

چھوٹی عمر میں شرف صحابیت حاصل ہوا ہے) نے اپنا وہ واقعہ بتایا جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ پیش آیا تھا (یاد رہے کہ حضرت مسور بن مخرمہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اعتراضات کی جھڑی لگاتے رہتے تھے) حضرت مسور کہتے ہیں کہ ''میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک وفد کے ساتھ حاضر ہوا، جس ضرورت کے لیے حاضر ہوا تھا وہ ضرورت پوری فرمانے کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے تنہائی میں بلایا، کہنے لگے: مسور! یہ بتاؤ تم حکام پر جو طعن وتشنیع کیا کرتے تھے اس کا کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا: امیر المومنین اس کو چھوڑ یے، جو ہوا اس کو جانے دیجئے اور ہمارے ساتھ احسان کا معاملہ کیجئے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ہرگز نہیں، خدا کی قسم! آج تمہیں میرے سامنے اپنی زبان سے وہ سب کچھ بیان کرنا ہوگا جو میرے عیوب کے طور پر تم لوگوں کے سامنے بیان کیا کرتے تھے۔

حضرت مسور کہتے ہیں کہ جب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے مجبور کر دیا تو میں نے ہر وہ الزام ان کے سامنے رکھ دیا جو میں ان پر لگایا کرتا تھا، میری زبان سے سب کچھ سن لینے کے بعد آپ نے فرمایا: مسور! میں اپنے آپ کو معصوم نہیں سمجھتا لیکن کیا تم میرے وہ اصلاحی کارنامے شمار کرا سکتے ہو جو میں رعایا کے فائدے کے لیے انجام دیتا ہوں، تمہیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ نیکی کی جزا اللہ تعالیٰ کم سے کم دس گنا عطا فرماتا ہے، اے مسور! تم صرف خطائیں شمار کرتے ہو اور اچھائیوں کو فراموش کر دیتے ہو، حضرت مسور نے کہا: جی ہمیں صرف برائیاں ہی یاد رہ سکیں، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ہم اپنے رحیم وکریم مولیٰ کی بارگاہ میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے تم سے پوچھتے ہیں: کیا تم نے کبھی کوئی ایسا گناہ کیا ہے؟ جس پر تم خوف کھاتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اگر تمہیں معاف نہ فرمائے تو تم ہلاک ہو جاؤ گے، حضرت مسور نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے کہا: ہاں اے امیر المومنین! حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تو پھر اب وہ چیز بتاؤ جس کی وجہ سے امید کرتے ہو کہ تم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مغفرت کے مجھ سے زیادہ

مستحق ہو۔ خدا کی قسم! میری اصلاحی خدمات تم سے زیادہ ہیں، جسے تم اچھے طریقے سے جانتے ہو، میں رعایا کے لیے اصلاحی کام انجام دیتا ہوں، حدود قائم کرتا ہوں، لوگوں کے درمیان عدل وانصاف پر مبنی فیصلے کرتا ہوں، جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ انجام دیتا ہوں اور وہ بڑے بڑے کام جس کا تم شمار وحساب نہیں کر سکتے، ان کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ یاد رکھو جب بھی میرے سامنے دو معاملے پیش آئے تو میں نے اللہ کی رضا کے لیے اس چیز کو اختیار کیا جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، میں دین اسلام کا پیروکار رہوں جس میں نیک اعمال کو قبول کیا جاتا ہے، حسنات کی جزا دی جاتی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ معاف نہ فرمائے تو برائیوں پر سزا، (ہر مومن کو اس سے معافی کی امید ہے کیونکہ وہ توّاب اور غفور و رحیم ہے) حضرت مسور کہتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان باتوں کا میرے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ عروہ کہتے ہیں کہ ''اس کے بعد جب بھی حضرت مسور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر کیا تو خیر کے ساتھ کیا اور ان کے لیے رحم ومغفرت کی دعا کی''۔

(البدایہ والنہایہ، ج:۱۱،ص:۴۳۶، سیر اعلام النبلاء، ج:۳،ص:۱۵۱، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۱، ص:۱۷۶، طبقات ابن سعد، ج:۶،ص:۲۱، تاریخ دمشق، ج:۵۹،ص:۱۶۱)

حسن تدبیر سے معاملے کو نپٹانا: اس سے ملتا جلتا ایک واقعہ حضرت ثابت بن قیس کا ہے، ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شرف صحابیت حاصل ہے، جنگ احد اور اس کے بعد کے غزوات میں حضور کے ساتھ رہے، غزوۂ احد میں ان کو بارہ زخم لگے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں وصال فرمایا۔ (مختصر تاریخ دمشق، ج:۵،ص:۳۳۸)

ثابت بن قیس حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے بڑے قریبی تھے اور ان کی طرف سے مدائن کے عامل رہے۔ ایک دن حضرت ثابت اپنے گھر کی طرف پلٹ رہے تھے کہ آپ نے دیکھا حضرات انصار رضی اللہ عنھم اجمعین مسجد بنی ظفر میں اکٹھا ہیں، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ سب لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھنا چاہتے ہیں، آپ نے فرمایا: سب لوگوں کے نام سے خط نہ لکھو بلکہ کسی ایک کے نام سے لکھو، تاکہ اگر

https://alislami.net

کوئی حادثہ پیش آئے تو وہ صرف ایک کو پیش آئے، ایک آدمی کا حادثے کا شکار ہوجانا سب لوگوں کے شکار ہونے سے بہتر ہے۔ لوگوں نے پوچھا: یہ قربانی کون دے گا؟ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اس کے لیے میں تیار ہوں، سب کا اتفاق اسی بات پر ہو گیا اور حضرت ثابت نے اپنے نام سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھ دیا، خط کی ابتدا میں خود سے متعلق کافی کچھ لکھا، حضور کی صحبت و نصرت کا بھی ذکر کیا پھر شکایت لکھی: آپ نے ہمارے حقوق کو روک رکھا ہے "اعتدیت و ظلمتنا" (آپ نے سرکشی اور ظلم کیا ہے) جیسے سخت جملے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے لکھے، مزید طنز کرتے ہوئے لکھا کہ ہمارا قصور صرف یہی ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار ہیں۔

جب یہ خط حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو موصول ہوا تو پڑھ کر ارباب حل و عقد سے مشورہ فرمایا، سب نے اپنے اپنے مشورے دیے لیکن کوئی بھی مشیر حضرت ثابت بن قیس انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل سے کم پر راضی نہیں تھا، آپ نے اپنے مصاحبین سے مزید پوچھا: اور کوئی مشورہ ہے؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا: نہیں، پھر آپ نے اپنے فیصلے پر عمل کرتے ہوئے حضرت ثابت کو جوابی خط لکھا، جس میں تحریر فرمایا: "میں آپ کی بات سمجھ گیا ہوں، آپ کی باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ آپ میرے رویے سے تنگ دل ہوئے ہیں، اب میں صرف تین دن کی مہلت چاہتا ہوں" یہ خط حضرت ثابت کو ملا آپ نے پڑھ کر اپنی قوم کو سنایا اور جو خط میں لکھا تھا اس کے عین مطابق چوتھے دن حضرات انصار کے ہاتھوں میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی داد و دہش کے نذرانے پہنچ چکے تھے۔

(تاریخ مدینہ دمشق، ج:۱۱،ص:۱۳۸)

قارئین اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگر یہ حکمت و مصلحت پر مبنی فیصلہ نہ لیا ہوتا اور مصاحبین کی بات مان لی ہوتی تو کیا ہوتا؟ اس سے بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ آپ شاندار مدبر تھے، حکمت و دانائی میں کمال کو پہنچے ہوئے تھے نیز امور مملکت میں دوسروں پر تکیہ نہیں کرتے تھے۔

https://alislami.net

عفوو درگزر: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت نہایت ہی پروقار اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت کی آئینہ دار تھی، آپ کی بردباری، حلم، عفوو درگزر اور لوگوں کی سخت باتوں کو برداشت کر لینا، ضرب المثل تھا۔ آپ اپنے خلاف کی جانے والی طعنہ کشی بلکہ آپ کے ساتھ کی جانے والی بدکلامی اور ترش روئی کو بھی نہایت حکیمانہ انداز میں ٹال دیتے یا معمولی سی سمجھائش پر ختم کر دیتے، انہیں تمام خوبیوں کی وجہ سے آپ اپنے دور خلافت میں مقبول انام ہو گئے تھے، آپ سے مزاحمت کرنے والا کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ آپ کے حکیمانہ کردار کے چند شواہد ہم قارئین کی نظر کر رہے ہیں:

حضرت قبیصہ بن جابر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑھ کر کسی کو بردبار نہیں دیکھا، نہ ہی ان سے بڑا سردار میری نظر سے گزرا، وہ تکبر سے دور اور نرمی پسند تھے۔ بعض حضرات کا بیان ہے کہ ایک شخص نے آپ کے ساتھ سخت کلامی کی (لیکن آپ نے اس کو کچھ نہ کہا) آپ سے عرض کیا گیا: کاش! آپ اس پر سختی کرتے، آپ نے جواب دیا: مجھے اس بات پر شرم آتی ہے کہ میرا حلم میری رعایا کے کسی فرد پر تنگ ہو جائے۔ حضرت ثوری سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھے اس بات پر شرم آتی ہے کہ کسی شخص کا جرم میرے حلم سے بڑا ہو جائے یا کسی کی جہالت میری بردباری سے آگے نکل جائے یا میرے صبر کا دامن اتنا تنگ ہو جائے کہ میں اس کی ناپسند بات کو اپنے دامن صبر میں چھپا نہ سکوں۔

شعبی اور اصمعی کا بیان ہے کہ ابوجہم اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان گفت وشنید ہو گئی، ابوجہم نے ایسی بات کہہ دی جس سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رنجیدہ ہو گئے، آپ نے سر جھکا لیا پھر سر اٹھا کر فرمایا: ''اے ابوجہم! سلطان کے غضب سے بچا کرو، بادشاہ کو بچوں کی طرح غصہ آتا ہے اور پھر شیر کی طرح لوگوں کو پھاڑ دیتا ہے، بادشاہ کا تھوڑا سا غصہ بھی بہت سارے لوگوں کے غصے پر بھاری ہوتا ہے'' پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوجہم کو کچھ مال دے کر اپنے پاس سے

https://alislami.net

رخصت کیا، اس گفتگو اور طرز عمل نے ابوجہم کو اتنا متاثر کیا کہ وہ آپ کا مدح گو ہو گیا اور آپ کی شان میں تعریفی شعر پڑھنے لگا۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۱۱، ص:۴۴۰)

ذہانت و تدبیر: ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ معاملات سے نپٹنے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ید طولیٰ حاصل تھا، ان کی حسن تدبیر، حیلہ گری، اور اپنی رعایا کی دستگیری دیکھنا ہو تو آنے والے واقعے کو ملاحظہ کیجیے:

آپ کا ایک سپاہی جنگ کے موقع پر شاہ روم کی فوج کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا، اس قیدی کو شاہ روم کے دربار میں اس وقت پیش کیا گیا جب اس کے سامنے بعض مصاحبین سلطنت اور کچھ مذہبی لوگ موجود تھے، شاہ روم نے مسلمان قیدی کے ساتھ کچھ بات چیت کی، یہ سلسلہ چل ہی رہا تھا کہ ایک پادری نے مسلمان قیدی کے منہ پر شاہ روم کی نظروں کے سامنے زوردار طمانچہ رسید کیا، قیدی چونکہ مسلمان تھا اسلامی غیرت کے ساتھ قریشی عزت و وقار کا غازہ بھی اس کے چہرے کی چمک تھا (کیونکہ وہ قرشی تھا) سر دربار وہ اپنی توہین کو برداشت نہ کر سکا، وہیں کھڑے کھڑے پکار اٹھا ''وا اسلاماہ'' معاویہ تم کہاں ہو؟ تم نے ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا، سرحدوں کو پامال کر دیا، ہماری عزتیں دوسروں کے ہاتھوں کا کھلونا بن گئیں، یہ خبر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سراغ رساں ایجنسی نے ہو بہو ان تک پہنچا دی، خبر ملتے ہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شدت غم سے نڈھال ہو گئے، اپنے اوپر ناقابل برداشت بوجھ محسوس کرنے لگے، اس حادثے سے اس درجہ افسردۂ خاطر ہوئے کہ کھانا پینا چھوڑ دیا لیکن آپ نے کسی کو بھی اس بات کی خبر نہ دی، لوگوں سے ملاقاتیں ایک حد تک ترک کر دیں، اپنے آپ کو قوت لایموت تک محدود کر لیا پھر حیلہ گری سے ان تمام قیدیوں کو فدیہ دے کر رومیوں سے آزاد کرا لیا۔

اس قیدی کو اپنے پاس تنہائی میں بلایا خوب خاطر و مدارات کی، اس کے دل کو خوش کیا پھر فرمایا: نہ تو ہم نے تم کو ضائع کیا ہے نہ ہم بھولے ہیں نہ تمہاری عزت و نفس کا مالک کسی اور کو بنایا ہے، یہ سب کرنے کے بعد بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر

https://alislami.net

مطمئن نہیں تھے، یہ تو ان کے سفر کی ایک منزل تھی مقصد تو اس سے بھی کہیں آگے جانا تھا، وہ اصلی انتقام کے تانے بانے بنتے رہے اور مسلسل اس بات پر غور وفکر کرتے رہے آخر مسلمان قیدی کی بے عزتی کا حقیقی بدلہ کیسے لیا جائے؟ سوچتے سوچتے وہ ایک نتیجے پر پہنچے اور پھر انہوں نے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانا شروع کیا، انہوں نے ساحل دمشق سے ایک تجربہ کار سمندری فوجی کو بلایا، اسے اپنا پورا منصوبہ بتایا اور منصوبے کے مطابق عمل کرنے کی سخت ہدایات دیں، اتفاق رائے سے یہ بات طے پائی کی وہ بیش قیمتی تحائف لے کر روم جائے اور کسی بھی طریقے سے شاہ روم کے دربار میں پذیرائی حاصل کرے، یہ شخص منصوبے کے مطابق شہر قبرص پہنچا، وہاں کے رئیس سے رابطہ کرکے شاہ روم اور اس کے مصاحبین سے تجارت کے سلسلے میں گفتگو کرنے کی اجازت حاصل کر لی، شاہ روم سے ملاقات کے وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منصوبے پر عمل کرتے ہوئے اس نے دربار میں موجود پادریوں کو بیش قیمت تحفے پیش کئے مگر یہ پادری جس نے قریشی مسلمان کو تھپڑ مارا تھا اسے کچھ نہ دیا۔

اب جب کہ یہ شخص ملک شام واپس آنے لگا تو روم کے پادریوں نے اس شخص کے ذریعے شام سے کچھ خاص چیزیں خریدنے کی درخواست کی، شام آنے پر خفیہ طور پر اس شخص کی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہوئی، اپنی کارکردگی کی ساری رپورٹ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں پیش کی اور بتایا کہ پادریوں کی طلب کیا ہے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پادریوں کی خواہش کے مطابق تمام چیزیں اپنے اس فوجی کو مہیا کرا دیں، فوجی کو دوبارہ روانہ کرتے ہوئے خاص طور پر یہ نصیحت فرمائی کہ اس بار اگر وہ پادری تجھے ملے اور تیری سرد مہری کی شکایت کرے تو اس سے معذرت کرنا، خوش کلامی سے پیش آنا اور تحائف دے کر اسے موم کر لینا پھر اپنے تمام امور کا اسے نگراں بنا لینا، جب تم یہ سب کر چکو اور پادری کو اپنی باتوں سے پوری طرح مطمئن کر کے اپنی طرف متوجہ کر لو پھر اس کی خواہشات بھی جان لو کہ آخر وہ چاہتا کیا ہے؟ اس کے

بعد ہماری طرف پلٹ کر آؤ تا کہ ہم اپنا پورا پروگرام نافذ کرسکیں۔

اس نصیحت کے ساتھ وہ شخص قسطنطنیہ پہنچتا ہے، اس کے ساتھ وہ تمام ساز وسامان بھی تھے جو رومیوں نے منگوائے تھے، مزید بہت سے تحائف اس کے سوا تھے، اس عظیم خلوص کی وجہ سے روم کے پادریوں اور شاہی حاشیہ نشینوں کی نظر میں اس شامی کا مرتبہ بلند ہو گیا تھا، دربار میں اس کو خاص رسائی حاصل ہوگئی، ایک دن یہ شامی شاہ روم کی مجلس میں جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ اس پادری نے اس کو روکتے ہوئے کہا: بھائی میں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے؟ دوسرے کس وجہ سے آپ کے حسن سلوک کے مستحق ٹھہرے، مجھے کس وجہ سے ان سب سے الگ کر دیا گیا ہے؟ شامی نے جواب دیا: جن لوگوں کا آپ نے ذکر کیا ہے انہوں نے خود کسی نہ کسی طریقے سے میرے ساتھ تعلقات کی ابتدا کی ہے، آپ جانتے ہیں کہ میں ایک اجنبی انسان ہوں، ایک مسافر کے طور پر ادھر ادھر گھومتا رہتا ہوں اگر مسلمانوں کے جاسوسوں نے کوئی خبر مجھ سے متعلق دارالاسلام میں دے دی تو میرا کام تمام ہو جائے گا لیکن آج میں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ آپ مجھ سے محبت رکھتے ہیں، اب میری نظر میں آپ اس بات کے سب سے زیادہ مستحق ہیں کہ میرے تمام معاملات کی نگرانی آپ کریں، اب میرا جو معاملہ ہوگا خواہ بادشاہ کی بارگاہ میں ہو یا اس کے سوا، وہ آپ کی نگرانی میں ہی سرانجام پائے گا، آپ کو جو بھی ضرورت ہو اس کا مجھے حکم دیں، ملک شام کی اشیا سے متعلق میں آپ کی ہر ضرورت پوری کرتا رہوں گا، پھر اس شامی نے ہیرے، موتی، عمدہ قسم کی خوشبو اور کپڑوں وغیرہ کے شاندار تحفے اس پادری کو پیش کیے۔

معاملہ یوں ہی چلتا رہا، شامی شخص کے روم سے شام اور شام سے روم کے مابین چکر لگتے رہے، ہر بار ہدایا و تحائف پیش ہوتے رہے، شاہ روم اور اس کے مصاحبین شامی شخص سے اپنی ضرورتوں کے ساز وسامان منگواتے رہے۔ ایک بار جب شامی اپنے ملک جانے لگا تو اس پادری نے خاص قسم کی مہنگی قالینیں اور تکیے منگوائے، پلان کے مطابق اس پادری کو ملک شام گرفتار کر کے لے جانا تھا جو آسان کام تو نہ تھا لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کی ہوشیاری نے اسے کافی حد تک آسان بنا دیا تھا، شامی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبردار کیا کہ پادری کی قسطنطنیہ کے قریب ایک بڑی زمین، پارک اور شاندار محل ہے، جس کا ایک کنارہ اس خلیج سے ملتا ہے جو بحر روم سے ملی ہوئی ہے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے موقع کو غنیمت جان کر فوری طور پر شاندار قالینوں اور تکیوں کا انتظام کیا، پورا منصوبہ سمجھا کر شامی کو واپس کر دیا۔

شامی فوجی اپنی سمندری سواری (کشتی) لے کر بحر روم کے ذریعے قسطنطنیہ کے قریب پہنچا اور اس نے دوسری کشتی والوں کے ذریعے پتہ لگا لیا کہ اس وقت پادری اپنی اسی زمین پر آیا ہوا ہے، بڑی تیزی کے ساتھ شامی کی سواری قسطنطنیہ کی خلیج میں داخل ہوگئی، پادری اس وقت شراب و کباب میں مست تھا، جب اسے خبر ملی کہ شامی شخص واپس آ گیا ہے تو مارے خوشی کے محل سے نیچے اتر آیا اور شامی فوجی کی کشتی کے قریب تک چلا گیا، اس کشتی کو شامی نے پہلے ہی بڑے سلیقے سے قالین اور تکیوں سے سجا رکھا تھا، کشتی کے نچلے حصے میں چند ماہر افراد بیٹھے تھے جو کسی بھی خطرے سے کشتی کو نکالنے کی ہمت رکھتے تھے، پادری نے قریب آ کر جب کشتی کے اندر کا جائزہ لیا تو قالین اور تکیوں کے حسن پر فریفتہ ہو کر رہ گیا، بے خودی میں کشتی کے اندر داخل ہوگیا پھر کیا تھا شامی نے اپنا طے شدہ مخصوص اشارہ نیچے بیٹھے افراد کو کیا اور سواری شام کا سفر طے کرنے لگی۔

مختصر یہ کہ تیرہویں دن یہ پادری حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں ایک قیدی کی حیثیت سے حاضر کر دیا گیا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو اپنے سامنے دیکھ کر بہت خوش ہوئے، آپ نے حکم دیا کہ اس قریشی کو میرے سامنے لایا جائے جس کو پادری نے مارا تھا، دربار لگایا گیا خاصان مملکت، حکام وقت سب مجلس میں تشریف فرما ہوئے، جب مجلس مکمل بھر گئی تو آپ نے قریشی سے فرمایا: کھڑے ہو جاؤ اور اپنا بدلہ اس پادری سے لے لو! ہم نے آپ کو ضائع کیا ہے نہ تمہارے خون سے کھیلنے کی کسی کو اجازت دی ہے اور نہ تمہاری عزتوں کو حلال کیا ہے۔ قریشی کھڑا ہوا پادری کے قریب گیا تو

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اتنی ہی پٹائی کرنا جتنا اس نے تمہیں مارا تھا، اس پر ظلم مت کرنا، قریشی نے چند تماچے اور ایک مکہ لگا کر اپنا بدلہ لیا، بدلہ لیتے ہی وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جھک گیا، انہیں بوسے دینے لگا، زبان سے کہتا جاتا تھا جس نے تمہیں سردار بنایا، اس نے کسی کو ضائع نہیں کیا، معاویہ! تم بے مثال ہو، اپنی چراگاہ کی حفاظت کرنا جانتے ہو اور اپنی رعایا کو بچانا جانتے ہو، اس وقت قریشی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بڑی تعریف کی اور خوب دعاؤں سے نوازا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پادری قیدی کے ساتھ بھی حسن سلوک کیا، ایک تو اسے رہا کر دیا پھر چند تحائف دے کر اس کے وطن واپس کر دیا، واپس کرتے وقت اس سے فرمایا: جاؤ اپنے بادشاہ سے کہنا کہ میں نے مسلمانوں کا ایسا بادشاہ دیکھا ہے جو تیری سلطنت سے مجرم کو پکڑ کر اپنی رعایا کے لیے انصاف کرنا اور بدلہ لینا جانتا ہے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شامی فوجی کو حکم دیا: جاؤ پادری کو اس جگہ چھوڑ آؤ جس جگہ سے لے کر آئے تھے، پادری کے ساتھ بدقسمتی سے جو غلام کشتی میں داخل ہو گئے تھے وہ سب بھی قیدی تھے، انہیں بھی پادری کے ساتھ ہی واپس کر دیا گیا۔ (معاویہ بن ابی سفیان، ج:۱، ص:۱۹۱)

عاجزی وانکساری: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بایں جلالت شان کہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد پوری سلطنت اسلامیہ کے تنہا والی تھے، آخری دور میں تو کوئی ان سے اختلاف کرنے والا موجود ہی نہ تھا پھر بھی اپنے خطبات وغیرہ میں بڑے عاجزانہ اسلوب کے ساتھ خطاب فرماتے، اہل فضل و کمال کو ان کا منصب عطا فرماتے، اپنے آپ کو ان سے کمتر جانتے۔

ایک خطبے میں آپ نے فرمایا: ”میں حضرت ابوبکر کی برابری کر سکتا ہوں نہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی، نہ میرے کام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کارناموں کے مماثل ہو سکتے ہیں اور صحیح یہ ہے کہ اب ان کے بعد کوئی ان کا ہمسر ہو ہی نہیں سکتا اگر چہ میں تمہیں لوگوں میں مرتبے کے اعتبار سے سب سے بہتر نظر نہ آؤں لیکن پھر بھی میں تمہارے حق کے

لیے بہتر ہوں''۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۱۱،ص:۴۳۲، سیر اعلام النبلاء، ج:۳،ص:۱۴۸)

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا: ''اے لوگو! میں تم سب سے بہتر نہیں ہوں بلکہ تمہارے درمیان مجھ سے بہتر لوگ موجود ہیں جیسے حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عمرو وغیرہ ا فاضلین صحابہ لیکن مجھے امید ہے کہ میں تمہارے لیے بحیثیت حاکم زیادہ فائدے مند رہوں گا، تمہارے دشمن کو زیادہ نقصان پہنچانے والا اور تمہارے لیے زیادہ فائدہ جمع کرنے والا''۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:۳،ص:۱۵۰، طبقات ابن سعد، ج:۶،ص:۱۹، البدایہ والنہایہ، ج:۱۱،ص:۴۳۶)

رہن سہن میں بھی آپ کافی سادگی پسند تھے۔ آپ کو دمشق کے بازاروں میں پیوند لگا ہوا کپڑا پہنے دیکھا گیا، اس حال میں کہ آپ بازار کا دورہ کر رہے تھے۔ (البدایہ والنہایہ، ج: ۱۱،ص:۴۳۸، سیر اعلام النبلاء، ج:۳،ص:۱۵۲)

وقت ضرورت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خسروانہ شان بھی ظاہر کرتے تھے لیکن یہ ان کی عادت نہ تھی بلکہ وہ کسی مقصد کے حصول کے لیے تکلفا ایسا کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس بات پر مواخذہ فرمایا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواباً عرض کیا تھا: اے امیر المؤمنین! ہم ایسی سرزمین پر رہتے ہیں جہاں دشمن کے جاسوس کثرت کے ساتھ موجود ہیں، ہمیں ان کے دلوں میں اپنا خوف اور دبدبہ قائم کرنے کے لیے ایسا کرنا پڑتا ہے، آپ چاہیں تو میں اپنے اس عمل کو جاری رکھوں اور آپ کی مرضی نہ ہو تو میں اسے ترک کر دوں؟ اس پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں نہ تمہیں اس بات کا حکم دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں، اس وقت حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے: اے امیر المومنین! امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتنے عمدہ طریقے سے اپنا دفاع کیا ہے؟ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اسی لیے تو ہم نے ان کو یہ عظیم ذمہ داری سونپ رکھی ہے۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۳،ص:۴۱۶)

اطاعت رسول: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم کے فرمان پر عمل کرنا ہر حال میں لازم سمجھتے تھے، چاہے وہ جنگ کی حالت ہو یا امن کی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی خلاف ورزی کر کے اپنے بلکہ اسلام کے دشمنوں کو بھی زیر نہیں کرنا چاہتے تھے۔ آنے والی حدیث سے ان کی سیرت کا یہ پہلو خوب خوب واضح ہوتا ہے، اس حدیث کو کثیر محدثین نے ذکر کیا ہے:

سلیم بن عامر سے روایت ہے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اہل روم کے درمیان ایک معین مدت تک صلح کا معاہدہ طے پایا تھا، معاہدے کا وقت پورا ہونے سے پہلے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کی فوجوں) نے دشمن کے ملک کی طرف خفیہ سفر شروع کر دیا، تا کہ جیسے ہی معاہدے کی مدت پوری ہو اہل روم پر حملہ کیا جا سکے، جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی طرف بڑھ رہے تھے عین اس وقت ایک شخص گھوڑے پر سوار ہو کر اللہ اکبر کہتا ہوا آ تا ہے اور کہتا ہے ''وفاء لا غدر'' لوگوں نے اس شخص کو دیکھا تو وہ صحابی رسول عمرو بن عبسہ تھے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے پوچھا: کیا معاملہ ہے؟ جواب دیا: میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے ''جس کا کسی قوم کے ساتھ معاہدہ ہو تو جب تک اس قوم کو آگاہ نہ کر دیا جائے نہ کوئی گانٹھ باندھی جا سکتی ہے اور نہ کھولی جا سکتی ہے'' (اس کے علاقے کی طرف پیش رفت نہیں کی جا سکتی)۔ حضور کا فرمان سنتے ہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی فوج کے ساتھ واپس ہو گئے۔ (سنن ترمذی، کتاب السیر، باب ماجاء فی الغدر، ابوداؤد، حدیث نمبر: ۲۷۶۱، شعب الایمان، حدیث نمبر: ۴۳۵۹، مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۷۰۱۵، مسند الصحابہ، مرقاۃ المفاتیح، کتاب الجہاد باب الامان)

قارئین کرام! اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کتنا عمدہ موقع تھا، دشمن بے خبر تھا، فوجیں آگے بڑھ رہی تھیں، مدت ختم ہوتی اور حملہ ہو جاتا، دشمن کو زیر کر دیا جاتا، لیکن جب فرمان رسول سامنے آ گیا تو ساری تدابیر بالائے طاق رکھ دی گئیں اور فرمان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر عمل کرنا ہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باعث فوز وفلاح سمجھا۔

حضور کے فرمان کا احترام: ہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خاندانی وجاہت شروع میں بیان کر چکے ہیں کہ ان کا خاندان عرب کے ممتاز ترین خاندانوں میں سے ایک تھا لیکن جب انہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کوئی حکم ملتا تو وہ اپنے آپ کو ایک خادم سمجھتے، اس کے سوا ان کے ذہن میں اور کوئی بات پیدا نہیں ہوتی، ہم اپنے دعوے کی تائید میں ایک واقعہ پیش کر رہے ہیں جسے کثیر محدثین ومؤرخین نے اپنی کتابوں میں درج فرمایا ہے:

''حضرت وائل بن حجر ایک جلیل القدر صحابی ہیں، یہ حضر موت کے بادشاہ کے بیٹے تھے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اسلام قبول کرنے کے لیے حاضر آئے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے مدینۂ منورہ پہنچنے سے تین دن قبل ہی اپنے صحابہ کو خوشخبری عطا فرمائی کہ حضر موت کا شہزادہ اسلام قبول کرنے کے لیے حاضر خدمت ہونے والا ہے، جب یہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بڑی شفقت فرمائی، اپنے پاس بٹھایا بلکہ اپنی چادر مبارک ان کے لیے بچھا دی، سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور انہیں بھی سرکار نے منبر پر بلا لیا، یہ ادباً حضور کے نیچے کھڑے رہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان فرمائی، انبیاء کرام علیہم السلام پر درود بھیجا پھر فرمایا: یہ وائل بن حجر ہیں تمہارے پاس حضر موت سے آئے ہیں، بغیر کسی دباؤ کے مطیع ہو کر آئے ہیں اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور اس کے دین کی محبت میں حاضر ہوئے ہیں، شہزادوں میں ان کا شمار ہوتا ہے پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے اور ان کی اولاد کے لیے دعائے برکت فرمائی۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب وائل بن حجر کو رخصت فرمایا تو حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ان کے ساتھ کر دیا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ فلاں زمین ان کے حوالے کر دو۔ سخت گرمی میں سفر شروع ہوا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدل چل رہے تھے اور وائل بن حجر اپنے اونٹ پر سوار تھے،

گرمی کی شدت نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیروں کو زخمی کر دیا، وائل بن حجر ایمان تو لے آئے تھے لیکن خوئے شہزادگی ابھی باقی تھی، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: مجھے بھی آپ کے پیچھے سوار کرلیں، بجائے اس کے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے پیچھے بٹھا لیتے، ایک سخت جواب دیا: میں سواری پر کن جوس تو نہیں ہوں لیکن تم شہزادوں کے ساتھ بیٹھنے کے لائق نہیں ہو، یہ سن کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: تو پھر آپ کے جوتے مجھے دے دیجیے تاکہ میں انہیں پہن کر گرمی سے بچ سکوں اور راہ چل سکوں، پھر بڑا اکڑوا جواب دیا، کہا: میں جوتوں کو لے کر بخیل نہیں لیکن تم شہزادوں کے لباس پہننے کے اہل نہیں، اگر تمہیں تکلیف ہو رہی ہے تو تم میری سواری کے سائے میں چلتے رہو، تمہیں شرف پانے کے لیے میری سواری کے سائے میں چلنا کافی ہے''۔ (التاریخ الکبیر، ج:۸، ص:۱۷۶، الثقات لابن حبان باب الواو، ج:۳، ص:۴۲۵، تہذیب التہذیب حرف الواو ج:۵۳، ص:۱۰، مشاہیر علما الامصار، ج:۱، ص:۴۴، سیر اعلام النبلاء، ج:۲، ص:۴۷۵، تاریخ ابن خلدون، ج:۲، ص:۴۷۷)

آپ نے دیکھا کہ حضرت وائل بن حجر نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کیسے سخت جوابات دیے لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت ہی تحمل سے انہیں برداشت کرلیا، نہ تو حضرت وائل بن حجر کو پلٹ کر کچھ سخت وسست کہا اور نہ ہی انہیں راستے میں چھوڑ کر واپس ہوئے، کیونکہ ان کی نظر کے سامنے فرمان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھا، جس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمل کرنے کے لیے کوئی بھی قیمت چکانے کے لیے تیار تھے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کام پورا کر کے واپس لوٹے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور پورا واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا، سرکار نے سن کر ارشاد فرمایا: ''بے شک ان میں جاہلیت کے عیبوں میں سے یہ عیب ابھی تک باقی ہے''۔ (تاریخ مدینہ دمشق، ج:۶۲، ص:۳۸۹)

اب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزید حلم دیکھیے، بڑوں کی باتیں بڑی اور

https://alislami.net

عادتیں اچھی ہوتی ہیں، ایک وقت وہ آیا جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پوری مملکت اسلامیہ کے خلیفہ تسلیم کر لیے گئے تو یہی وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کے لیے حاضر ہوئے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو پہچان لیا، پرتپاک استقبال کیا، اپنے پاس اپنے تخت پر بٹھایا پھر وہ گزرا ہوا واقعہ یاد دلایا، حضرت وائل بن حجر نے واقعہ سن کر کہا: کاش! میں نے آپ کو اپنے ساتھ بٹھا لیا ہوتا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وقت انہیں شاندار تحفہ دینا چاہا لیکن حضرت وائل بن حجر نے کہا: یہ تحفہ آپ اسے دے دیں جسے مجھ سے زیادہ ضرورت ہو۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۷، ص:۱۳۳)

قارئین غور کر سکتے ہیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اخلاقی قد کس قدر بلند ہے کہ جس شخص نے انہیں اپنے پیچھے بٹھایا نہ اپنا جوتا دیا، بلکہ دھوپ میں ننگے پاؤں چلا کر زخمی کر دیا اس کے ساتھ بھی کتنی فراخ دلی اور محبتوں کے ساتھ ملاقات فرمائی۔

خشیت الٰہی سے رونا: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے سینے میں ایسا دل رکھتے تھے جو خوف خدا اور خشیت ربانی سے معمور تھا، ہم اپنے دعوے کی تائید میں سنن ترمذی شریف کی ایک طویل حدیث ذکر کر رہے ہیں اگرچہ حدیث کا ابتدائی حصہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی سے تعلق نہیں رکھتا تاہم فوائد کثیرہ پر مشتمل ہے، اس لیے ہم مکمل حدیث ذکر کریں گے:

''ولید بن ابی ولید ابوعثمان مدائنی سے مروی ہے، ان سے عقبہ بن مسلم شفی اصبحی نے نقل کیا کہ وہ مدینۂ طیبہ میں داخل ہوئے تو دیکھا، ایک آدمی کے گرد کچھ لوگ جمع ہیں، انہوں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا: یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، فرماتے ہیں: میں ان کے قریب ہو گیا، یہاں تک کہ ان کے بالکل سامنے بیٹھ گیا، آپ لوگوں سے حدیث بیان کر رہے تھے، جب خاموش ہوئے اور تنہا رہ گئے تو میں نے عرض کیا: میں آپ سے بحق فلاں وفلاں عرض کرتا ہوں کہ مجھے کوئی حدیث سنائیں، جسے آپ نے

https://alislami.net

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا سمجھا اور جانا ہو، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اچھا میں تمہیں ایک حدیث سناتا ہوں جسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا، سمجھا اور جانا ہے۔ پھر آپ سسکیاں لینے لگے یہاں تک کہ بے ہوش ہو گئے، ہم نے تھوڑی دیر انتظار کیا پھر آپ کو افاقہ ہوا تو فرمایا: میں تم سے ایک حدیث بیان کرتا ہوں جسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس مقام پر مجھ سے بیان فرمایا، ہم دونوں کے سوا کوئی تیسرا آدمی یہاں نہ تھا پھر آپ سسکیاں لینے لگے یہاں تک کہ بے ہوش ہو گئے، جب ہوش آیا تو منہ پونچھا اور فرمایا: میں تم سے ایک حدیث بیان کرتا ہوں جسے حضور نے مجھ سے اس مقام پر بیان فرمایا، یہاں ہم دونوں کے سوا کوئی نہیں تھا۔ پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سسکیاں لینے لگے، یہاں تک کہ بے ہوش ہو کر منہ کے بل جھک گئے۔

میں نے کافی دیر تک آپ کو سہارا دیا پھر جب ہوش آیا تو فرمایا: مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: ''جب قیامت کا دن ہو گا تو اللہ تعالیٰ بندوں کی طرف نظر فرمائے گا تا کہ ان کے درمیان فیصلہ فرمائے، تمام امتیں گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوں گی، سب سے پہلے تین آدمیوں کو بلایا جائے گا:

(۱) جس نے قرآن یاد کیا ہو گا۔

(۲) جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل کیا گیا ہو گا۔

(۳) زیادہ مالدار شخص۔ اللہ تعالیٰ اس قاری سے فرمائے گا: کیا میں نے تمہیں وہ کلام نہ سکھایا جسے میں نے اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اتارا؟ عرض کرے گا: ہاں یارب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے اپنے علم کے مطابق کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا میں رات دن اس کی تلاوت کرتا رہا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے جھوٹ کہا، فرشتے بھی کہیں گے: تو جھوٹا ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو چاہتا تھا کہ کہا جائے فلاں قاری ہے پس تجھے کہا گیا۔ دولتمند کو لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے میں نے مال میں اتنی وسعت نہ دی کہ تجھے کسی کا محتاج نہ رکھا؟ وہ عرض کرے گا: ہاں، یارب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میری دی ہوئی

دولت سے کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا: میں نے قرابت داروں سے صلہ رحمی کی، خیرات کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو جھوٹا ہے، فرشتے بھی کہیں گے تو جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ مزید فرمائے گا: تو چاہتا تھا کہ کہا جائے فلاں بڑا سخی ہے سو ایسا کہا جا چکا۔ پھر شہید کو لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو کس لیے قتل ہوا، وہ کہے گا: تو نے اپنے راستے میں جہاد کا حکم دیا، پس میں نے لڑائی کی یہاں تک کہ شہید ہو گیا، اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا: تو جھوٹا ہے، فرشتے بھی کہیں گے: تو جھوٹا ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تیری نیت یہ تھی کہ لوگ کہیں بڑا بہادر ہے''۔ پس یہ بات کہی گئی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک میرے زانو پر مارتے ہوئے فرمایا ''اے ابو ہریرہ! اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے پہلے انہیں تین آدمیوں سے جہنم کو بھڑکایا جائے گا۔

ولید بن ابو عثمان مدائنی کہتے ہیں: مجھے عقبہ نے بتایا کہ یہی شفی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور انہیں حدیث سنائی، ابو عثمان کہتے ہیں: مجھے علاء بن حکیم نے بتایا کہ یہ شفی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جلاد تھے، کہتے ہیں: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک آدمی آیا اور انہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے خبردار کیا، سن کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ان تینوں کا یہ حشر ہے تو باقی لوگوں کا کیا حال ہوگا؟ پھر آپ بہت روئے، یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا شاید جان دے دیں گے اور ہم نے کہا: یہ آدمی ہمارے پاس شر لے کر آیا ہے پھر جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہوش آیا تو آپ نے چہرہ پونچھا اور کہا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا: ''مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا وَزِيۡنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيۡهِمۡ اَعۡمَالَهُمۡ فِيۡهَا وَهُمۡ فِيۡهَا لَا يُبۡخَسُوۡنَ۝۱۵ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ لَيۡسَ لَهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ‌ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوۡا فِيۡهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ۝۱۶ ''(سورہ ہود، آیت: ۱۵) جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتے ہیں ان کے اعمال کا بدلہ ہم دنیا ہی میں پورا دے دیتے ہیں اور اس میں ہم کچھ کمی نہیں کرتے ان لوگوں کا آخرت میں کوئی

حصہ نہیں انہوں نے جو کچھ دنیا میں کیا ضائع ہو گیا اور ان کے اعمال باطل ہو گئے۔

(سنن الترمذی، کتاب الزہد باب الریا والسمعۃ)

حدیث کے آخری حصے سے بخوبی ثابت ہو جاتا ہے کہ صحابی رسول حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک خداترس، نرم دل اور عذاب الٰہی کو یاد کر کے رونے والے انسان تھے۔

عشق رسول اور نسبتوں کا احترام: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی رسول ہونے کے ساتھ ساتھ کاتب وحی بھی رہی رہے تھے، کاتب وحی ہونے کی وجہ سے حضور کی صحبت سے خوب فیض پایا، عشق رسالت اور محبت رسول سے دل کا گلشن خوب برگ و بار لا کر لہلہایا، جس کے ثمرات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی سے ظاہر ہوتے رہے، اس سلسلے میں ہم چند تاریخی شواہد نظر قارئین کر رہے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینۂ منورہ حاضر ہوئے تو حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں ام علقمہ کے ذریعے درخواست پیش کی کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انبجانیہ چادر پاک اور موئے مبارک انہیں عطا فرمائیں، ام المومنین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درخواست قبول کرتے ہوئے دونوں تبرکات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ام علقمہ کے ذریعے بھجوا دیے، ام علقمہ فرماتی ہیں: میں جب یہ دونوں تحفے لے کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچی تو چادر مبارک کو مجھ سے لے کر اوڑھ لیا اور حضور کے موئے مبارک کو پانی میں ڈال کر دھویا پھر وہ پانی پیا اور اپنے بدن پر ڈال لیا۔ (طبقات ابن سعد، ج:۶، ص:۱۸، البدایہ والنہایہ، ج:۱۱، ص:۱۴۳، سیر اعلام النبلاء، ج:۳، ص:۱۴۸)

شوق دیدار: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں بصرہ میں کابس بن ربیعہ نامی ایک شخص تھے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہوا کہ وہ شکل وصورت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بہت مشابہت رکھتے ہیں، یہ سنتے ہی

https://alislami.net

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں اپنے پاس بلایا اور جب تک وہ نہیں آئے آپ ان کے لیے بے قرار رہے، آخر وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں تشریف لائے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیدار سے شادکام ہوئے، ان کی دونوں آنکھوں کے بیچ بوسہ دیا اور بیش قیمت تحائف عطا فرمائے، یہ وہی کابس بن ربیعہ ہیں جن کو دیکھ کر حضرت انس رو پڑے تھے (حضور کی یاد تازہ ہو جانے کی وجہ سے) اور فرمایا تھا: یہ شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ مشابہ ہے۔

(تاریخ دمشق، ج:۵۰،ص:۴، المؤتلف والمختلف للدارقطنی، ج:۲،ص:۱۲۶)

محبوب کی خواہش: حضرت جبلہ کہتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوا، یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ خلیفہ تھے، میں نے دیکھا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گلے میں ایک رسی پڑی ہوئی ہے اور ایک بچہ انہیں کھینچ رہا تھا، میں نے کہا: اے امیر المومنین! آپ اور یہ کام؟ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے بے وقوف! خاموش رہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: جس کے پاس بچہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ بھی بچکانا پن کر لیا کرے۔ (تاریخ الخلفاء،ص:۱۶۱)

آخری ایام اور ولی عہد کا انتخاب: جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خود اور آپ کے مصاحبین کو آپ کی بڑھتی عمر کا احساس ہو گیا تو بعض مصاحبین نے آپ کو مشورہ دیا کہ امت کو خون خرابے سے بچانے کے لیے آپ اپنے بیٹے یزید (پلید) کو اپنا ولی عہد بنا دیں کیوں کہ ہم حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد بہت کچھ دیکھ چکے ہیں، اس تجویز کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منظور فرما لیا اور یزید پلید کو اپنا ولی عہد منتخب فرما دیا۔ (سمط النجوم العوالی فی انباء الاوائل والتوالی، ج:۲،ص:۶۵؛ الکامل فی تاریخ، ج:۳،ص:۳۴۹)

بعض ذہنوں میں یہ خیال گزرتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

https://alislami.net

یزید جیسے بدبخت کو اپنا ولی عہد کیوں بنا دیا؟ اس کا جواب صحابۂ کرام کے مقام کی عظمت کو سامنے رکھتے ہوئے یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کے کرتوتوں کا علم نہیں تھا ورنہ وہ ہرگز اس کو اپنا جانشین نہیں بناتے، جیسا کہ آنے والی تاریخی روایت سے بخوبی ثابت ہوتا ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آکر شکایت کی کہ آپ نے یزید کو ولی عہد بنا دیا حالانکہ میں اس سے افضل ہوں اپنی ذات کے اعتبار سے اپنے باپ اور اپنی ماں کے اعتبار سے، اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا بے شک تمہارے باپ مجھ سے افضل ہیں اور تمہاری ماں یزید کی ماں سے افضل ہے، اس میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں لیکن تمہارا یہ کہنا کہ تم یزید سے افضل ہو تو مجھے یہ بات منظور نہیں، خدا کی قسم! اگر مقام غوطہ تم جیسے افراد سے بھر جائے پھر بھی یزید ان سب سے بہتر اور میری نظر میں سب سے محبوب ہے۔ (تاریخ طبری، ج: ۳، ص: ۳۰۵، البدایہ والنہایہ، ج: ۱۱، ص: ۳۰۶)

اس روایت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر میں یزید بدکردار نہیں تھا، ورنہ آپ وہ جملے نہ کہتے جو آپ نے کہے اور یہ بھی کہ انہوں نے جو یزید کو حضرت سعید سے افضل بتایا وہ خاندان کی حیثیت سے نہیں بلکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر میں وہ اپنی ذاتی صلاحیتوں کے اعتبار سے حضرت سعید سے بڑھ کر تھا، یہ الگ بات ہے کہ یزید سے متعلق آپ کی یہ معلومات صحیح نہیں تھیں۔

ایک اور روایت جو آپ کے خطبے کا اقتباس ہے، اس سے بھی صاف طور پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ آپ نے یزید کو اپنا جانشین اپنے علم کے مطابق اس کی لیاقت اور قابلیت کے اعتبار سے بنایا تھا، آپ نے اپنے خطبے میں فرمایا: ''اللّٰھم ان کنت عھدت لیزید لما رایت فی فضلہ فبلغہ ما املت واعنہ وان کنت انما حملنی حب الوالد لولدہ وانہ لیس لما صنعت بہ اھلا فاقبضہ قبل ان یبلغ ذالک''۔ (تاریخ الاسلام للذہبی، ج: ۴ ص: ۱۶۹، سمط النجوم العوالی فی انباء الاوائل والتوالی، ج: ۲ ص: ۲۰۷، تاریخ الخلفاء، ج: ۱ ص: ۱۶۴)

''اے اللہ! میں نے یزید کو اپنا ولی عہد اس کی قابلیت وفضیلت کی وجہ سے بنایا ہے، اے اللہ! جو میں نے اس سے امید لگائی ہے تو اسے پورا فرما دے اور اس کی مدد فرما اور اگر یہ میرا فیصلہ صرف باپ سے بیٹے کی محبت کی حد تک ہے اور یہ حقیقت میں اس منصب کا اہل نہیں تو اس کو خلیفہ بننے سے پہلے موت عطا فرما''۔

دوسرے خطبے کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں: ''اللّٰھم ان کنت تعلم انی ولیتہ لانہ فیما اراہ اھل لذٰلك فاتمم لہ ما ولیتہ وان کنت ولیتہ لانی احبہ فلا تتمم لہ ما ولیتہ'' اے اللہ! اگر میں نے اسے اس لیے ولی عہد بنایا ہے کہ یہ اس کا اہل ہے تو تو اس کی ولی عہدی کو پورا فرما دے اور اگر میں نے اسے اس لیے ولی عہد بنایا ہے کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں تو تو اس کی ولی عہدی کو پورا نہ فرما۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۱۱ص:۳۰۸)

یہ تاریخی حقائق ہمیں یہ بتانے کے لیے کافی ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے علم کے مطابق یزید کو خلافت کا اہل جانتے تھے، لہٰذا فتنہ وفساد اور خوں ریزی سے امت کو بچانے کے لیے انہوں نے یزید کو اپنا ولی عہد منتخب کر دیا اور انسان اسی کا مکلف ہے جسے وہ جانتا ہے، اگرچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ توقعات پوری نہ ہو سکیں جو آپ نے یزید سے وابستہ کی تھیں، یزید اپنے آباء واجداد کے لیے باعث ننگ وعار ٹھہرا اور نواسہ رسول جگر گوشہ بتول فرزند مولائے کائنات حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون سے اس نے اپنے ہاتھوں کو رنگین کیا اور اس کے سوا کیا کیا قیامت امت پر ڈھائی؟ جس کا بیان الفاظ کے احاطے سے باہر ہے لیکن اس کے جرم کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر باندھنا علم شریعت سے جہالت، دین سے دوری اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بلند مقام سے ناواقفی کی دلیل ہے جو انسان کو بدمذہبیت کے غار عمیق میں دھکیل دیتی ہے بلکہ کبھی کبھی تو کفر کی سرحدوں میں داخل کر دیتی ہے۔ العیاذ باللہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیت: ہشام کہتے ہیں کہ عوانہ نے کہا: ہم نے آخری بات یہ سنی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا وقت

https://alislami.net

جب قریب آیا اور یہ ۶۰ھ ہجری کی بات ہے، اس وقت یزید دمشق میں موجود نہ تھا بلکہ وہ وہاں سے غائب تھا، آپ نے اپنی پولیس کے سب سے اعلیٰ افسر ضحاک بن قیس فہری مسلم بن عقبہ مری کو بلایا اور ان دونوں کو یزید کے لیے وصیت کی اور حکم دیا کہ میری یہ وصیتیں یزید کو پہنچا دینا:

(۱) اہل حجاز کا خیال رکھنا کیونکہ وہ تیری اصل ہیں، ان میں سے جو بھی تیرے پاس آئے اس کا اکرام بجالانا اور جو نہ آسکے اس کی بھی نگہداشت کرنا۔

(۲) اہل عراق کا خیال رکھنا، اگر وہ تجھ سے روزانہ اپنے حاکم کو بدلنے کا مطالبہ کریں تو تو ان کے مطالبے کو پورا کرنا کیونکہ میرے نزدیک عامل کو معزول کر دینا اس سے بہتر ہے کہ تیرے خلاف ایک لاکھ تلواریں میان سے باہر ہو جائیں۔

(۳) اہل شام کے حال پر نظر رکھنا، ان کو اپنا ہم راز بنائے رکھنا، کبھی دشمن سے مقابلہ درپیش ہو تو ان سے مدد حاصل کرنا جب معرکہ سر ہو جائے تو انہیں شام واپس بلا لینا کیونکہ اگر شامی لوگ دوسرے دیار میں ٹھہریں گے تو اسی اخلاق کے عادی بن جائیں گے پھر دیگر حضرات سے متعلق نام بنام آپ نے وصیتیں کیں حضرت امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق ایک خاص وصیت کی، اگر اہل عراق حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تیرے مقابلے پر لے آئیں تو یاد رکھنا ان کا بہت بڑا حق ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے انہیں بہت قربت حاصل ہے اگر تو ان پر قادر ہو جائے تو عفو و درگزر سے کام لینا اگر میرا معاملہ ان کے ساتھ ہوتا تو میں معاملے کو درگزر کرتا۔ (تاریخ طبری، ج:۵،ص:۳۲۳)

حضرت امیر معاویہ کا آخری خطبہ: عبیدہ فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا: میں وہ کھیتی ہوں جس کو کاٹ دیا گیا ہے، میری امارت لمبی ہوئی، تمہارا دل مجھ سے بھر گیا اور میں تم سے اکتا گیا ہوں، اب مجھ سے بہتر تمہارے پاس کوئی امیر نہیں آنے والا، جیسا کہ جو مجھ سے پہلے خلفاء ہوئے وہ مجھ سے بہتر

تھے، اے اللہ! میں نے تیری ملاقات کو پسند کیا ہے تو میری ملاقات کو قبول فرمالے۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:۳،ص:۱۵۹)

مرض وصال: جب آپ کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ نے وصیت فرمائی: میرا آدھا مال بیت المال کو واپس کر دیا جائے انہوں نے اپنے اس فعل سے اپنے مال کو طیب کرنے کا ارادہ فرمایا کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عمال کو اس کی قسم دے رکھی تھی۔ آپ کو آخری عمر میں سردی بہت لگنے لگی تھی، اس کو دفع کرنے کے لیے کئی تدبیریں اختیار کی گئیں لیکن عارضہ دور نہ ہو سکا، جب آپ کا مرض شدید ہو گیا تو آپ نے فرمایا: افسوس ہے اس دنیا پر، اے دنیا! تجھ پر چالیس سال تک میری حکمرانی رہی بیس سال بحیثیت امیر اور بیس سال بحیثیت خلیفہ پھر بھی میرا یہ حال اور انجام ہے، تباہی ہے دنیا اور اس کے عاشقوں کے لیے۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۱۱،ص:۴۵۵)

جب مرض نے شدت اختیار کی اور لوگ موت کی باتیں کرنے لگے تو آپ نے اپنے گھر والوں سے کہا: میری آنکھوں میں سرمہ اور سر پر تیل لگاؤ، آپ کے حکم پر عمل کیا گیا اور چہرے کو بھی تیل لگا کر چمکا دیا گیا، مجلس منعقد کی گئی، آپ ٹیک لگا کر بیٹھے، فرمایا: لوگوں کو اجازت دے دو کہ وہ کھڑے کھڑے سلام کرتے جائیں کوئی یہاں بیٹھے نہیں، لوگ سلام کرتے ہوئے گزرتے امیر المومنین کو سرمہ لگائے تیل ڈالے دیکھتے تو آپس میں تذکرہ کرتے: امیر المومنین تو تندرست ہیں، جب لوگ چلے گئے تو آپ نے دو شعر گنگنائے جن کا حاصل یہ تھا میں گردش زمانہ کے سامنے عاجزی کرنے والا نہیں اور موت سے کوئی چیز کسی کو نہیں بچا سکتی۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۱۱ص۴۵۶)

وصیت میں عشق رسول: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: ایک دن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، میں (وضو کرانے کے لیے) برتن لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (خوش ہو کر) مجھے اپنا وہ پیرہن عطا فرمایا جو آپ کے بدن پاک پر موجود تھا، میں نے اسے اسی دن کے لیے سنبھال کر رکھ لیا

https://alislami.net

تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ ناخن اور موئے مبارک بھی مجھے حاصل ہوئے، وہ بھی میں نے اسی دن کے لیے محفوظ رکھے تھے، جب میرا وصال ہوجائے تو اس قمیص کو میرا کفن اس طور پر بنانا کہ حضور کی پہنی ہوئی قمیص میرے بدن سے لگی رہے، یہ بال اور ناخن میرے منہ، آنکھ اور مواضع سجود پر رکھ دینا اگر کوئی چیز فائدہ دے گی تو یہی ہے۔ اللہ رب العالمین غفور ورحیم ہے۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۱، ص:۶۷۰)

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں: جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار پڑے اس وقت ان کا بیٹا یزید غائب تھا، ان کے پاس موجود نہ تھا، آپ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو آپ نے وصیت فرمائی مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قمیص میں کفن دینا جو حضور نے مجھے خود پہنائی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ناخن میرے پاس ہیں ان کو پاؤڈر بنا کر میری آنکھوں اور منہ پر لگا دینا پھر مجھے ارحم الراحمین کے حوالے کردینا۔ (اسد الغابہ، ج:۵، ص:۲۰۳)

وصال: موت سے کس کو رستگاری ہے۔ وہی امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس نے چالیس سال تک امیر اور خلیفہ ہوکر دنیا پر حکومت کی، اب اپنے آپ کو ملک الموت کے حوالے کرنے کی تیاری پوری کرچکے ہیں، امید زیست منقطع ہوچکی ہے، آخری سانسیں گن چکے ہیں اور آخری الفاظ بول چکے ہیں۔ موت کے وقت آپ نے یہ بھی فرمایا: اے کاش! میں ذی طوی کا معمولی قریشی ہوتا، اے کاش! مجھے کسی معاملے کا والی نہ بنایا جاتا۔ (ایضا)

اس کے بعد آپ پر غشی طاری ہوگئی پھر ہوش آیا تو آپ نے حاضرین سے فرمایا: ''اللہ عزوجل سے ڈرو، جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بچا لیتا ہے اور جو اس سے نہیں ڈرتا اسے کوئی نہیں بچا سکتا'' اس کے بعد آپ کا وصال ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ (تاریخ طبری، ج:۵، ص:۳۲۷)

جب آپ کا وصال ہو چکا تو ضحاک بن قیس نے کفن اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر منبر پر کھڑے ہوکر خطاب کیا: امیر المومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرب کی فصیل اور عربوں کی لاٹھی تھے، اللہ نے آپ کے ذریعے فتنے کو مٹایا، آپ کو حکومت عطا فرمائی،

https://alislami.net

آپ کے لشکروں کو بحر و بر کی سیر کرائی، بے شک معاویہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بندے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبولیت کا جامہ پہنایا، اب وہ دنیا چھوڑ کر اپنی موت سے ملاقات کر چکے ہیں، یہ دیکھئے ان کا کفن ہمارے ہاتھوں میں ہے، اب ہم ان کو قبر میں داخل کر کے ان کے عمل کے ساتھ تنہا چھوڑ دیں گے، اس کے بعد اب قیامت تک وہ عالم برزخ میں رہیں گے جو شخص ان کا دیدار کرنا چاہے وہ نماز کے وقت حاضر ہو جائے۔

(تاریخ طبری، ج:۵،ص:۳۲۸)

نماز جنازہ: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز جنازہ ضحاک بن قیس فہری نے پڑھائی کیونکہ یزید آپ کی وفات کے وقت وہاں موجود نہ تھا۔ (تاریخ طبری، ج:۵،ص:۳۲۷)

تاریخ وصال: اس بات پر سب متفق ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ماہ رجب ۶۰ / ہجری میں ہوئی، البتہ تاریخ وفات کو لے کر اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام واقدی کے مطابق ۱۵ / رجب، علی بن محمد کے مطابق بروز جمعرات ۲۲ / رجب المرجب کو آپ کی وفات ہوئی۔ (تاریخ طبری، ج:۵ ص:۳۲۴)

وقت وصال آپ کی عمر: وقت وصال آپ کی عمر کتنی تھی؟ اس سلسلے میں مؤرخین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ آپ کی عمر کے سلسلے میں ۷۳ / ۷۵ / ۷۸ / اور ۸۰ / سال کے اقوال تاریخ میں درج ہیں۔ (تاریخ طبری، ج:۵،ص:۳۲۵) واللہ اعلم بالصواب

مدت خلافت: جمادی الاولی ۴۱ / ھ میں حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت سونپ کر آپ کی بیعت کی، جس کے بعد آپ پوری ملت اسلامیہ کے خلیفہ تسلیم کر لیے گئے۔ رجب ۶۰ / ہجری میں آپ کا وصال ہوا، اس طرح ۱۹ / سال تین ماہ آپ کی خلافت قائم رہی۔ (تاریخ طبری، ج:۵،ص:۳۲۴)

امارت وخلافت کی کل مدت: آپ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں تقریباً چار سال دمشق کے والی رہے، ۱۲ / سال حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں آپ کو اپنی طرف سے دمشق کا حاکم متعین کیا، بلکہ پورے شام پر

https://alislami.net

آپ کو حاکم بنا دیا اور تقریباً چار سال حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں آپ دمشق کے (ازخود) حاکم بنے رہے اور چھ ماہ حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانے میں بھی آپ (ازخود) حاکم بنے رہے، اس طرح آپ تقریباً بیس سال امت کے امیر رہے اور پھر بیس سال پوری امت کے خلیفہ رہے، کل آپ کا دور حکومت تقریباً ۴۰ رسال کو محیط ہے۔ (اسد الغابہ، ج:۵، ص:۲۰۳)

علامہ غلام رسول سعیدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور حکومت ۴۳ رسال پر محیط ہے انہوں نے جتنے طویل عرصے تک جس قدر وسیع و عریض علاقے پر کامیاب حکومت کی، وہ ان کے کسی پیشرو خلیفہ کے حصے میں نہیں آئی۔ ان کے ایام حکومت میں اسلامی فتوحات مشرق اور مغرب میں تیز و تند سیلاب کی طرح بڑھتی جا رہی تھیں، خلیفہ منتخب ہونے کے بعد انہوں نے ۲۰ رسال تک حکومت کی اور ۸۲ رسال کی عمر گزار کر ۲۲ ررجب ساٹھ ہجری کو جمعرات کے دن اپنے خالق حقیقی سے جا ملے، اس طرح انہوں نے ۱۷ رہجری سے لے کر ۶۰ رہجری تک مسلسل حکومت کی اور یہ صرف انہیں کا حصّہ ہے۔

(البدایہ والنہایہ، ج:۵، ص:۹۵ رایضاً، ج:۸، ص:۱۴۳، بحوالہ مقالات سعیدی، ص:۲۲۴)

ازواج و اولاد: تاریخ طبری اور الکامل فی التاریخ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چار بیویوں کا ذکر ہے (۱) میسون بنت بحدل (۲) فاختہ بنت قرظہ (۳) کتوہ بنت قرظہ یہ فاختہ کی بہن تھی فاختہ کی طلاق کے بعد آپ نے اس سے نکاح فرمایا (۴) نائلہ بنت عمارہ۔ معاویہ بن ابی سفیان کے مصنف نے تیسری بیوی کتوہ کی جگہ کنود بنت قرظہ کا نام لکھا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تین بیٹے تھے (۱) یزید (پلید) اس کی ماں میسون بنت بحدل ہے (۲) عبدالرحمن (۳) عبداللہ، آپ کا یہ تیسرا بیٹا عبداللہ بیوقوف اور جسمانی اعتبار سے کمزور تھا، جو کسی لائق نہ تھا اور عبدالرحمٰن کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا، یزید آپ کے بعد زندہ رہا، جو آپ کے بعد بادشاہ بنا۔ (اے کاش! یزید پلید بچپن ہی میں مر گیا ہوتا تو اہل بیت نبوت

https://alislami.net

بالخصوص اور پوری امت بالعموم اس کے ظلم وستم اور عدوان وطغیان سے محفوظ ہو جاتی)۔

آپ کی ایک بیٹی کا ذکر طبری میں ہے، اس کا نام امۃ رب المشارق تھا، جس کی ماں میسون بنت بحدل تھی۔ معاویہ بن ابی سفیان کے مصنف نے آپ کی ۵/اور بیٹیوں کا ذکر بھی کیا ہے: (۱) رملہ (۲) ہند (۳) عائشہ (۴) عاتکہ (۵) صفیہ۔ (تاریخ طبری، ج:۵،ص: ۳۲۹، الکامل فی التاریخ، ج:۳،ص:۳۷۵، معاویہ بن ابی سفیان، ج:۱،ص:۲۷)

یہ تھی ایک ایسے خوش نصیب انسان کی سیرت جسے جلیل القدر صحابی ہونے کے ساتھ ساتھ کاتب وحی اور پہلے اسلامی بحری بیڑے کے موجد ہونے کا اعزاز حاصل ہے، زبان رسالت مآب سے متعدد مرتبہ دعائیں حاصل کرنا بھی آپ کی تقدیر کا عظیم حصہ ہے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی خدمت اسلام کا ایک عظیم باب ہے، آپ نے اپنی مجاہدانہ مساعی کے ذریعے اسلام کی سرحدوں کو خوب وسیع فرمایا اور تقریباً آدھی دنیا پر اسلام کی عظمتوں کا پرچم لہرایا، زمانے کو خدمت اسلام، خوف خدا، اتباع سنت اور عشق رسول کا عظیم درس دیا۔ مولیٰ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور ہمیں ان کی سیرت کے درخشندہ گوشوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

ان کے مولیٰ کی ان پر کروڑوں درود
ان کے اصحاب و عترت پہ لاکھوں سلام
جس مسلماں نے دیکھا انہیں اک نظر
اس نظر کی بصارت پہ لاکھوں سلام

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

♣ ♣ ♣

https://alislami.net

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡکَرِیۡمِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ اَجۡمَعِیۡنَ

حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اجمالی تعارف: اللہ تبارک وتعالیٰ اس پوری کائنات کا تنہا خالق ومالک ہے، مومن، غیر مومن، عابد اور غیر عابد سب اسی کے بندے ہیں، وہ اہل ایمان سے راضی رہتا ہے، اہل کفر پر غضب فرماتا ہے، متقین مخلصین پر خصوصی کرم فرماتا ہے، کبھی کبھی اہل تقویٰ آزمائش وابتلا کے ایسے نازک بھنور میں پھنس جاتے ہیں کہ ظاہر بیں لوگ انہیں ہلاک شدہ سمجھ کر ان کی طرف سے نظر التفات پھیر لیتے ہیں، عین اسی حالت میں دست غیب سے ان کی یاری ہوتی ہے، رب کی رحمتیں ان کی غم خواری کرتے ہوئے نجات وسربلندی کی نئی راہیں کشادہ فرماتی ہیں اور یہ حضرات فائز المرام ہوکر دنیا کے نقشے پر ظاہر ہوتے ہیں پھر فلاح وبہبود اور تقویٰ وطہارت کی نئی تاریخ رقم کرتے ہیں۔

کتاب کی جلد اول میں آپ نے ایک صحابی کا تذکرہ پڑھا ہے جنہیں حضرت سعید بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ حضرت سعید بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عبادت وریاضت اور دنیا سے کنارہ کشی میں اپنی مثال آپ ہیں، جن کی پاک بازی اور دنیا سے بے رغبتی نے امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس بات پر برانگیختہ کیا تھا کہ وہ حضرت سعید کو حمص کا والی بنائیں۔ حضرت سعید کے ہزار انکار کے بعد بھی امیر المومنین نے ذمہ داری کا قلادہ ان کی گردن میں ڈال دیا تھا جس کو گلے سے نکالنے کی ہمت حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کے پاس نہیں تھی۔ موجودہ صفحات میں ایک ایسے صحابی کا تذکرہ ہے جو تقویٰ وطہارت، قناعت پسندی اور زہد وپرہیز گاری میں حضرت سعید بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جڑواں بھائی کی طرح ہے، جو صفائے نفس اور

https://alislami.net

بلند کرداری میں اپنا ثانی نہیں رکھتا، جن کے والد محترم جنگ بدر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شریک کار رہے، جو صحابہ میں ایک سچے عابد کے طور پر مشہور ہوا، تمام صحابہ میں ''نسیج وحدہ'' کا مبارک لقب صرف اسی صحابی کو حاصل ہوا۔ ممدوح مذکور کا مبارک نام حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

نوٹ: مطالعہ کے دوران ایک اردو میگزین میں ڈاکٹر عبدالرحمن کے قلم سے لکھا ہوا حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ نظر سے گزرا جو حوالوں سے بالکل خالی تھا، ڈاکٹر صاحب کون ہیں؟ ہم نہیں جانتے لیکن زبان اچھی تھی اس مضمون کے بعض اقتباسات وہیں سے لیے گئے ہیں۔

نام ونسب: حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نسب نامے میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب الاصابۃ میں ان کے نسب کو اس طور پر بیان کیا ہے (۱) عمیر بن سعد بن عبید بن نعمان بن قیس بن عمرو بن عوف۔ یہ نسب نامہ علامہ واقدی نے بیان فرمایا ہے، علامہ ابن عبدالبر نے علامہ واقدی کی مطابقت کی ہے۔

(۲) ابن کلبی کے بیان کے مطابق آپ کا نسب اس طور پر ہے: عمیر بن سعد بن شُہید بن عمرو بن زید بن امیہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس انصاری۔ (الاصابۃ، ج:۵،ص:۳۲)

رجال حول الرسول کے مصنف نے حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد کا نام سعد القاری لکھا ہے اور شرکائے بدر میں ان کا شمار فرمایا، پھر اپنی کتاب کے اسی صفحہ پر مصنف مذکور نے حاشیہ لکھتے ہوئے وضاحت فرمائی ہے: ہمارا یہ بیان امام ابن سعد کے قول کے مطابق ہے جس کو امام ممدوح نے طبقات کبری، ج:۴،ص:۳۷۴ پر بیان کیا ہے۔ آپ مزید لکھتے ہیں: علامہ ابن ہشام نے سیرت ابن ہشام، ج:۱،ص:۵۱۹ پر حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد کا نام سعد بتایا ہے لیکن یہ وہ سعد نہیں جو جنگ بدر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ (حاشیہ رجال حول الرسول،ص:۲۸۰)

امام ابن نعیم نے بھی معرفۃ الصحابہ میں نقل فرمایا ہے کہ حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد سعد القاری ہیں، جو جنگ بدر میں شریک رہے، جنہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں جمع قرآن کی خدمت انجام دی۔ (ج:۴،ص:۲۰۸۶، تذکرہ نمبر:۲۱۷۹)

والد کا انتقال: حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی بچے ہی تھے کہ ان کے والد بزرگوار حضرت سعد اس دنیا کو خیر آباد کہہ کر جنان رحمٰن میں جا بسے، نوعمر حضرت عمیر کی زندگی یتیمی کے بھیانک اندھیروں کی چپیٹ میں آگئی، کسی بھی بچے کے لیے یتیمی اپنے آپ میں ایک بڑی مصیبت ہے، یہ مصیبت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب مرنے والے نے وارثین کے لیے کوئی اثاثہ نہ چھوڑا ہو۔ حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طور پر یتیم ہوئے تھے کہ والد محترم نے ان کے لیے مال ودولت کے نام پر کچھ بھی نہ چھوڑا تھا۔

ہمارے قارئین پر یہ بات مخفی نہ ہوگی کہ اہل عرب کی معاشرتی زندگی کئی معاملات میں ہندوستانیوں سے جدا تھی، ہمارے یہاں عموماً شوہر کے انتقال کے بعد اس کی بیوہ دوسرا نکاح کرنا پسند نہیں کرتی لیکن عربوں میں اس کا خوب چلن تھا۔ زمانۂ رسالت میں عام طور پر بیوہ عورتیں اپنی عدت گزارنے کے بعد کسی مسلمان سے شادی کرلیتیں اور بچی ہوئی زندگی اس کے ساتھ گزارلیتیں۔ شریعت مطہرہ نے ایسا کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے بلکہ عزت و پارسائی کی حفاظت کی خاطر اگر کوئی بیوہ عورت عدت گزار کر دوسرا نکاح کرتی ہے تو وہ قابل تحسین ہے، قابل ملامت نہیں۔

چناں چہ حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ نے بھی جلاس بن سوید نامی ایک شخص سے اپنا نکاح کرلیا۔ نتیجتاً! حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلاس کی سرپرستی اور کفالت میں آگئے۔ اگرچہ حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ پاس مال ودولت نہ تھا لیکن جلاس نے حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پرورش خوب سے خوب تر کی تھی، جلاس کے الطاف کریمانہ کی وجہ سے حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی جلاس سے ٹوٹ کر محبت کرنے لگے تھے، جلاس کے احسانات کا حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دل سے اعتراف تھا اور ان احسانات نے حضرت

عمیر کی نظر میں جلاس کو سب سے زیادہ محبوب بنا دیا تھا۔ (السیرۃ الحلبیۃ، ج:۲،ص:۳۷۸)

جلاس نے حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیار و محبت کا وہ ماحول فراہم کیا تھا کہ یتیمی میں آنے والی تکالیف کو یکسر دور کر دیا اور حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے احساس یتیمی جاتا رہا، ادھر حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بچپن نشوونما پا رہا تھا اور ادھر جلاس خوشیوں سے پھولے نہ سماتا تھا کیوں کہ حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بڑھتی عمر کے ساتھ ساتھ اس کا معنوی حسن بھی پروان چڑھ رہا تھا، اخلاقی خوبیاں ترقی پر تھیں، بچپن کے پیرہن میں ڈھکی دماغی وجسمانی صلاحیتوں میں نکھار آرہا تھا، اس کے تمام اعمال وافعال سے ذہانت وفطانت، نجابت وشرافت، امانت وصداقت کی بھینی بھینی خوشبو پھیلنا شروع ہوگئی تھی جو اس کے روشن مستقبل کا پتہ دے رہی تھی۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ،ص:۲۴۱)

بالائے سرش ز ہوش مندی می تافت ستارۂ بلندی (شیخ سعدی)

قبول اسلام: حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد سعد القاری ہیں جو حضور کے بدری صحابی ہیں ان کے گھر حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیدائش ہوئی۔ ظاہر ہے کہ اس گھر کا ماحول جنت نشاں ماحول رہا ہوگا، اسی ماحول میں حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنکھ کھولی، جتنے دن والد کے ساتھ رہنے کا موقع ملا ایمان کی باد بہاری سے مست ہوتے رہے۔ مختصر یہ کہ ان کے والدین مسلمان تھے، یہ بھی شروع ہی سے مسلمان رہے ان کا دامن کفر سے داغدار نہ ہوا، شاید اسی وجہ سے متقدمین سیرت نگاروں نے (ہمارے مطالعہ کی حد تک) ان کے اسلام لانے سے متعلق کچھ نہیں لکھا ہے۔

مشاہیر الصحابہ کے مصنف نے لکھا ہے: ''عمیر بن سعد..الذی بایع الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وھومازال غلا ما وابوہ ھو الصحابی الجلیل سعد القاری '' حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہی ہیں جنہوں نے نوعمری ہی میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی، ان کے والد سعد القاری جلیل القدر صحابی تھے۔ (مشاہیر الصحابہ، ج:۱،ص:۲۷۸)

جنگ تبوک اور ایثار صحابہ: ۹ھ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رومیوں سے جنگ کے لیے تبوک جانے کا اعلان فرمایا اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اس کے لیے تیاریاں مکمل کرلیں۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معمول مبارک تھا کہ جب آپ کسی غزوے کا ارادہ کرتے تو اسے صاف صاف بیان نہیں فرماتے تھے اور صحابۂ کرام متعین طور پر نہ سمجھ پاتے تھے کہ کدھر اور کس سے جنگ ہوگی؟ مگر خلاف معمول غزوۂ تبوک کے موقع پر آپ نے صراحت کے ساتھ یہ بات بتائی تھی کہ رومیوں سے جنگ کے لیے تبوک چلنا ہے کیوں کہ تبوک کی یہ مہم بعد مسافت، صعوبت سفر اور دشمن کی طاقت وقوت کے اعتبار سے بہت اہم تھی تاکہ مسلمان اس کی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے حسب حال مناسب اور اطمینان بخش تیاری کرلیں۔

اس وقت موسم گرما شروع ہو چکا تھا، دھوپ میں کافی شدت آگئی تھی، باغوں میں پھل پک کر تیار تھے، سائے گھنے اور خوشگوار ہو گئے تھے اور اس وقت کسی جنگی مہم پر جانا اور ایسا طویل اور دشوار سفر کرنا آسان نہ تھا۔مگر ان سب کے باوجود اسلام کے شیدائیوں نے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس اعلان کا بہت خوش دلی کے ساتھ خیر مقدم کیا اور جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔البتہ منافقین کی ایک ٹولی اس مہم کو ناکام بنانے پر تلی ہوئی تھی۔ وہ ایسی باتیں کرتے جن سے مخلص مسلمانوں کی ہمتیں پست ہو جائیں، حوصلے ٹوٹ جائیں اور ان کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا ہو جائیں، وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر آوازے کستے اور اپنی نجی مجلسوں میں بے محابا ایسی باتیں اپنی زبانوں پر لاتے جو ان کے کفر کی واضح اور روشن دلیل ہوتیں۔

لشکر کی روانگی سے چند روز قبل کی بات ہے، ایک دن حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھ کر مسجد سے واپس آئے، وہاں انہوں نے مسلمانوں کے ایثار وقربانی اور جذبۂ انفاق فی سبیل اللہ کے جو حسین ودلکش مناظر دیکھے اور ایمان ویقین اور عزم وحوصلہ سے بھرپور جو باتیں سنیں ان سے ان کا پیمانۂ دل جوش ومسرت سے لبریز ہو رہا تھا، اس نے

https://alislami.net

مہاجرین وانصار کی عورتوں کو دیکھا کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے آتیں اور اپنے زیورات اتار کر خدمت اقدس میں پیش کر دیتیں تا کہ آپ مجاہدین کے لیے سامان جہاد فراہم کر سکیں۔ اس نے آنکھوں سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا وہ چمڑے کی ایک تھیلی جس میں ایک ہزار دینار تھے لائے اور اسے بارگاہ نبوت میں پیش کر دیا، اس کی آنکھوں نے یہ منظر بھی دیکھا کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے کندھے پر دوسو اوقیہ سونا لادے چلے آرہے ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ یہی نہیں اس نے تو یہ بھی دیکھا کہ ایک شخص اپنا بستر فروخت کے لیے پیش کر رہا ہے تا کہ اس کی قیمت سے وہ اپنے لیے ایک تلوار خرید کر جہاد فی سبیل اللہ میں شریک ہو سکے۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ، ص: ۲۴۳، موارد الظمآن، ج: ۶، ص: ۱۷۴)

شان رسالت میں جلاس کی گستاخی: ایک طرف یہ دلکش اور حیرت انگیز مناظرے کے بعد دیگرے اس کے پردۂ ذہن پر مرتسم ہو رہے تھے اور دوسری طرف وہ اس افسوس ناک اور حیرت انگیز صورت حال کا سامنا کر رہا تھا کہ جلاس اپنی خوش حالی اور فراخی کے باوجود جنگ کی تیاریوں سے یکسر غافل ہے اور اس کے یہاں اس سلسلے میں کوئی حرکت نہیں پائی جاتی۔ اس نے اپنے دل میں طے کر لیا کہ وہ جلاس کو اس کی طرف توجہ دلائے گا اور اس کی ہمت اور حمیت و مروت کو ابھارے گا۔ اس نے جلاس کے سامنے وہ ساری حوصلہ افزا اور ایمان افروز باتیں بیان کرنی شروع کیں جنہیں وہ سن کر آیا تھا اور ان تمام مناظر کی تصویر کشی کرنے لگا جنہیں اس کی آنکھیں دیکھ کر آئی تھیں۔ خاص کر اس نے ان مفلس مسلمانوں کے شوق جہاد کی روداد اسے سنائی جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آئے اور بڑی لجاجت کے ساتھ یہ درخواست بارگاہ رسالت میں پیش کی کہ انہیں بھی مجاہدین کی صف میں شامل کر لیا جائے، لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی درخواست اس وجہ سے رد کر دی کہ آپ کے پاس ان کے لیے سواریوں کا انتظام نہ تھا اور وہ اپنی اس محرومیت پر آنسو بہاتے ہوئے واپس چلے گئے کہ ان کو وہ ساز وسامان میسر نہیں جن

https://alislami.net

کو لے کر وہ جہاد میں شریک ہوں اور اپنی آرزو پوری کریں۔ لیکن حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ باتیں سنتے ہی جلاس کے منہ سے ایک ایسی بات نکلی جس نے اس کم سن مومن کے ہوش اڑا دیے، اس نے کہا: اگر واقعی وہ سب کچھ برحق ہے جو یہ شخص (نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پیش کر رہا ہے تو ہم سب لوگ گدھوں سے بھی بدتر ہیں، جلاس کے منہ سے نکلے ہوئے یہ الفاظ سن کر حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حیرت واستعجاب میں ڈوب گئے، یہ بات تو ان کے وہم وگمان میں نہ تھی کہ جلاس جیسے تجربہ کار جہاندیدہ اور صاحب فہم و شعور شخص کے منہ سے ایسی بات نکلے گی جو اسے یکایک دائرۂ ایمان سے نکال کر حلقۂ کفر میں داخل کردے گی۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ، ص: ۲۴۴، موارد الظمان، ج: ۶، ص: ۱۷۵)

ولی نعمت: قرآن فرماتا ہے: ''هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ'' اچھائی کا بدلہ صرف اچھائی سے دیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنے محسن کے ساتھ اس سے بڑھ کر بھلائی کریں جو ان کے ساتھ کی گئی ہے۔

ابھی آپ باحوالہ پڑھ آئے ہیں کہ جلاس بن سوید جس نے حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پرورش کی اور بڑی ہی عمدہ پرورش کی، جلاس نے حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس وقت سہارا دیا جب وہ نوعمر تھے اور بے سہارا تھے، اس نے اپنی دولت وثروت کو ان پر خرچ بھی کیا جس نے یتیمی کے وقت باپ بن کر حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سنبھالا، پال پوس کر بڑا کیا، مشقت ومصیبت کے دنوں کو حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمیر کی والدہ پر آسان بنا دیا، ان حالات کو سامنے رکھ کر اگر غور کیا جائے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ جلاس حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ولی نعمت اور محسن اعظم ہے جس کا حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اعتراف بھی کیا اور ببانگ دہل اعلان بھی فرمایا: ''انك لاحب الناس الی واحسنهم عندی'' ترجمہ: اے جلاس! آپ میری نظر میں لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب اور میرے سب سے بڑے محسن ہیں۔ (درمنثور، سورۂ توبہ، آیت: ۷۴)

اسی ولی نعمت، جلاس کے ساتھ حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کے شب

وروز عیش وآرام اور مسرت وشادمانی کے ساتھ گزر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک سخت آزمائش میں مبتلا کر دیا۔ حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر ابھی دس سال سے کچھ زیادہ تھی کہ وہ اسلام کے ٹھنڈے اور نرم سائے میں آ گیا، ایمان اس کے سادہ پاک اور معصوم دل میں اچھی طرح جاگزیں ہو گیا اور اسلام کا بیج اس کے زرخیز وجود کو موافق اور سازگار پا کر خوب برگ وبار لایا، حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی کم عمری کے باوجود ہر نماز رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے باجماعت ادا کرتا اور جب اس کی ماں کبھی اسے اکیلے اور کبھی اپنے شوہر کے ساتھ مسجد جاتے اور مسجد سے واپس آتے دیکھتی تو اس کا دل خوشی سے باغ باغ ہو جاتا۔ حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کے شب وروز اسی طرح عیش وآرام اور مسرت وشادمانی کے ساتھ گزر رہے تھے کہ خدائے تعالیٰ نے اسے ایک سخت آزمائش میں مبتلا کر دیا کہ شاید ہی اس عمر کا کوئی بچہ اس سے دوچار ہوا ہو۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ، ص:۲۴۱، موارد الظمآن، ج:۶، ص:۱۷۳)

حضرت عمیر کی استقامت: نوعمر اور کم سن حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس صورت حال سے سخت سراسیمہ وپریشان تھا وہ اس فکر میں سرگشتہ وحیران تھا کہ اس وقت وہ اپنی ذمہ داری کس طرح ادا کرے۔ اس نے سوچا کہ جلاس کی طرف سے خاموشی اختیار کر کے اس کی پردہ پوشی کرنا خدا اور رسول سے خیانت کے مترادف اور اسلام کو نقصان پہنچانے کے ہم معنی ہے اور جو کچھ سنا ہے اسے ظاہر کر دینے میں ایک ایسے شخص کی احسان فراموشی ہے جس نے اسے باپ کا پیار دیا اور یتیمی وتنگ دستی کی حالت میں پناہ دی۔ نوخیز حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس دوراہے پر تھوڑی دیر کے لیے حیران اور ششدر کھڑا رہا، مگر جلد ہی وہ ایک قطعی اور آخری فیصلے پر پہنچ گیا، وہ جلاس کی طرف توجہ مبذول کرتے ہوئے بولا: خدا کی قسم! اے جلاس! محمد عربی کے بعد روئے زمین پر کوئی دوسرا شخص مجھے آپ سے زیادہ محبوب نہیں ہے مگر آپ نے ایک ایسی بات کہی ہے کہ اگر میں اس کا ذکر کر دوں تو آپ ذلیل ورسوا ہو جائیں گے اور اگر خاموشی اختیار کر لوں تو جرم خیانت

کا مجرم ٹھہروں اور اپنے دین وایمان کو اپنے ہاتھوں تباہ و برباد کرلوں ۔ میں اس بات کا عزم کر چکا ہوں کہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوکر آپ کی کہی ہوئی بات سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آگاہ کردوں گا ۔ آپ اپنے لیے بچاؤ کا جو طریقہ چاہیں سوچ لیں ۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ، ص:۲۴۵، موارد الظمآن، ج:۶، ص:۱۷۵)

اللہ و رسول کے ساتھ وفاداری: اس کے بعد حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد پہنچ کر وہ سب کچھ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گوش گزار کردیا جو اس نے جلاس سے سنا تھا ۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے اپنے پاس ہی روک لیا اور ایک صحابی کو بھیجا کہ وہ جلاس کو بلا لائیں، تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ جلاس بارگاہ نبوت میں حاضر ہوگیا اور سلام کر کے آپ کے سامنے بیٹھ گیا، آپ نے اس سے پوچھا: جلاس! یہ کیسی بات ہے؟ جو عمیر نے تم سے سنی ہے، پھر آپ نے وہ بات اسے بتائی ۔ اے اللہ کے رسول! اس نے سراسر کذب بیانی اور افترا پردازی سے کام لیا ہے، میں نے یہ بات نہیں کہی ہے، جلاس نے ڈھٹائی کے ساتھ جواب دیا، یہ سن کر صحابۂ کرام کی نظریں باری باری جلاس اور عمیر کے چہروں کا جائزہ لینے لگیں تاکہ وہ ان کے چہروں سے ان کے دلوں میں پوشیدہ باتوں کا اندازہ لگا سکیں اور وہ آپس میں چپکے چپکے سے باتیں کرنے لگے، ایک شخص جس کا دل نفاق کا مریض تھا وہ بولا: یہ لڑکا بڑا نافرمان اور احسان فراموش ہے، اپنے محسن کے ساتھ بدی کرنے پر تلا ہوا ہے، دوسرے نے کہا: نہیں! یہ ایک ہونہار اور سعادت مند بچہ ہے، اطاعت الٰہی کے زیر سایہ اس کی نشونما ہوئی ہے، اس کے چہرے کے آثار اس کی صداقت کی گواہی دے رہے ہیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف رخ کیا تو دیکھا کہ اس کا چہرہ سرخ ہورہا ہے اور آنکھوں سے آنسو کی دھاریں بہہ کر اس کے رخساروں اور سینوں کو تر کر رہی ہیں اور وہ کہہ رہا ہے: اے اللہ! اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر میرے بیان کی تصدیق نازل فرمادے، ، اے اللہ!

جلاس نے اپنے دفاع میں بولتے ہوئے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے آپ

سے جو کچھ کہا ہے وہ بالکل درست اور حق ہے، آپ چاہیں تو ہم دونوں سے حلف لے لیں اور میں خدا کی قسم! کھا کے کہتا ہوں کہ میں نے وہ بات نہیں کہی جو عمیر نے آپ سے بیان کی ہے۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ، ص:۲۴۶، موارد الظمآن، ج:۶، ص:۱۷۶)

قرآن نے حضرت عمیر کے حق میں گواہی دی: جیسے ہی وہ قسم سے فارغ ہوا اور لوگوں کی نگاہیں اس کی طرف سے ہٹ کر حضرت عمیر بن سعد کی طرف منتقل ہوئیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نزول وحی کے آثار طاری ہو گئے۔ صحابۂ کرام سمجھ گئے کہ آپ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی مبارک نازل ہو رہی ہے۔ سب اپنی اپنی جگہوں پر ساکت وصامت اور پرسکون ہو کر بیٹھ گئے اور ان کی نگاہیں حضور پر جم گئیں۔ اس وقت جلاس کے چہرے پر خوف کے سائے پھیلتے جا رہے تھے اور حضرت عمیر کے اوپر اطمینان اور انتظار کی ملی جلی کیفیت طاری تھی۔ تھوڑی دیر میں آپ کے اوپر سے نزول وحی کے آثار زائل ہو گئے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمان الٰہی کی تلاوت فرمائی:

”یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ یَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ یَّتُوْبُوْا یَكُ خَیْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ یَّتَوَلَّوْا یُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِی الْاَرْضِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ۝۷۴“ (سورہ توبہ، آیت: ۷۴)

ترجمہ: یہ لوگ خدا کی قسم! کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم نے وہ بات نہیں کہی ہے حالانکہ انہوں نے ضرور وہ کافرانہ بات کہی ہے، وہ اسلام لانے کے بعد کفر کے مرتکب ہوئے اور انہوں نے وہ کچھ کرنے کا ارادہ کیا جسے نہ کر سکے، ان کا یہ سارا غصہ اسی بات پر ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے ان کو غنی کر دیا ہے اب اگر یہ اپنی روش سے باز آجائیں تو انہیں کے لیے بہتر ہے اور اگر یہ باز نہ آئے تو اللہ انہیں دردناک عذاب دے گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور آخرت میں کوئی نہیں جو ان کا حمایتی اور مددگار رہو،،۔

(صور من حیاۃ الصحابۃ، ص:۲۴۷، موارد الظمآن، ج:۶، ص:۱۷۷)

جلاس کی توبہ: اس کو سنتے ہی جلاس خوف خدا سے کانپنے لگا اور اس کی زبان اس کے تالو سے چپک گئی پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوا اور بڑی مشکل سے بولا "بل اتوب یارسول اللہ بل اتوب، عمیر نے سچ کہا تھا اور میں جھوٹا تھا: یارسول اللہ! میری جان آپ پر فدا ہو آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ میری توبہ قبول فرمائے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف توجہ فرمائی تو دیکھا کہ مسرت کے آنسو اس کے ایمان سے منور چہرے کو تر کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دست مبارک بڑھا کر نرمی سے اس کا کان پکڑا اور ارشاد فرمایا: بچے! تیرے کانوں نے جو کچھ سنا صحیح سنا تیرے رب نے تیری بات کی تصدیق کر دی۔

اس کے بعد جلاس مکمل طور پر دائرہ اسلام میں واپس آ گئے اور زندگی بھر اس پر ثابت قدم رہے اور صحابہ نے بھی ان کے بہترین طرز عمل کو دیکھا کیوں کہ انہوں نے حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ سابقہ برتاؤ میں کوئی کمی نہیں کی۔ بلکہ پہلے سے زیادہ حسن سلوک کے ساتھ پیش آتے رہے۔ جب بھی ان کے سامنے حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر چھڑتا تو کہتے کہ اللہ تعالیٰ اسے جزائے خیر عطا فرمائے اس نے مجھے کفر سے نجات دلائی اور میری گردن کو جہنم کے عذاب سے چھڑا لیا۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ، ص:۲۴۸، موارد الظمآن، ج:۶، ص:۱۷۷)

حضرت عمیر حمص کے گورنر: یہ نوعمر صحابی حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بچپن کی تصویر ہے جو انتہائی حسین اور بے حد دل نواز ہے مگر ان کی جوانی کی تصویر اس سے کم خوش نما اور دل افروز نہیں ہے۔

حمص کے باشندے اپنے گورنروں کو پریشان اور ان کے خلاف شکایت کرنے میں مشہور تھے۔ جب بھی ان کے یہاں کوئی گورنر آتا اس کے اندر ضرور کوئی نہ کوئی عیب ڈھونڈ نکالتے، اس کی شکایت دربار خلافت میں پہنچاتے اور خلیفہ سے مطالبہ کرتے کہ اس کی جگہ پر اس سے بہتر حاکم مقرر کیا جائے۔ یہ دیکھ کر امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طے کر لیا تھا کہ ان کے اوپر کسی ایسے شخص کو والی بناؤں گا جس کی سیرت

وکردار پر انہیں کسی طرح سے اعتراض اور نکتہ چینی کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ انہوں نے ایک ایک کر کے اپنے تمام قابل اعتماد افسروں پر نظر ڈالی۔ آخر کار ان کی نگاہ انتخاب حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جا کر ٹک گئی۔ ان کی نظر میں اس کے لیے ان سے زیادہ مناسب کوئی دوسرا شخص نہ تھا۔

اس کے باوجود کہ انہوں نے شام کے علاقہ الجزیزہ میں غازیان اسلام کے ایک لشکر کی قیادت کرتے ہوئے بہت سے شہروں اور قلعوں پر فتح کے پرچم لہرا دیے تھے اور متعدد قبائل کو مطیع فرمان کر لیا تھا۔ امیر المومنین نے شام کے محاذ سے واپس بلا کر حمص کی گورنری کا عہدہ ان کے سپرد کیا اور وہاں جانے کا حکم دیا۔ حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک جہاد فی سبیل اللہ کے بالمقابل کوئی چیز قابل ترجیح نہ تھی مگر انہوں نے امیر المومنین کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیا، جب وہ حمص پہنچے تو سب سے پہلے لوگوں کو مسجد میں نماز کے لیے جمع کیا، نماز ختم ہوئی تو تقریر کے لیے کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد وثنا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود وسلام کے بعد فرمایا: لوگو! اسلام ایک محفوظ قلعہ اور مضبوط دروازہ ہے، اسلام کا قلعہ عدل وانصاف اور اس کا دروازہ حق وصداقت ہے اگر قلعہ ٹوٹ جائے اور دروازہ اکھڑ جائے تو اس دین کی حرمت پامال ہو جائے گی۔ اقتدار جب تک مستحکم ومضبوط رہے گا اسلام محفوظ رہے گا اور اقتدار کی مضبوطی کوڑے سے پیٹنے اور تلوار سے قتل کرنے میں نہیں ہے بلکہ اس کی مضبوطی اور استحکام کا راز حق کو اختیار کرنے اور عدل وانصاف کے مطابق فیصلہ کرنے میں مضمر ہے۔ اس کے بعد وہ اس منصوبے پر عمل کرنے میں منہمک ہو گئے جس کا اعلان انہوں نے اپنی اس مختصر سی تقریر میں کیا تھا۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ، ص:۲۵۰، موارد الظمآن، ج:۶، ص:۱۷۸)

کل کائنات لے کر بارگاہ عمر میں حاضر: حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حمص میں مکمل ایک سال گزارا مگر اس مدت میں نہ تو انہوں نے دربار خلافت کو کوئی خط لکھا نہ مسلمانوں کے بیت المال کے لیے خراج وغیرہ کی کوئی رقم ہی بھیجی تو خلیفہ کے دل

میں ان کے خلاف شکوک وشبہات نے سر اٹھانا شروع کیا کیوں کہ وہ اپنے گورنروں کے تعلق سے امارت کے فتنے سے ہمیشہ چوکنے اور ہوشیار رہتے تھے، ان کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کوئی معصوم نہیں تھا، انہوں نے اپنے کاتب کو بلا کر کہا کہ عمیر بن سعد کو لکھو کہ امیر المومنین کا خط پاتے ہی حمص کو چھوڑ دو، دربار خلافت کے لیے روانہ ہو جاؤ اور اپنے ساتھ خراج کی وہ پوری رقم لے آؤ جو تم نے اب تک جمع کی ہے۔ خط پڑھ کر انہوں نے زادراہ کی تھیلی اٹھائی کندھے پر پیالا اور پانی کا برتن رکھا، ہاتھ میں نیزہ تھاما اور حمص کو اپنے پیچھے چھوڑ کر پیدل ہی مدینہ پہنچے تو بھوک اور فاقہ کی وجہ سے ان کا رنگ بدل گیا تھا، جسم نحیف ولاغر ہو گیا تھا، سر اور داڑھی کے بال بڑھ گئے تھے اور صعوبت سفر کے آثار ان کے اوپر پورے طور پر نمایاں تھے۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں اس حال میں دیکھا تو حیرت زدہ رہ گئے اور ان سے پوچھا: عمیر! یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ امیر المومنین! مجھے کچھ نہیں ہوا ہے، خدا کا شکر ہے، میں بالکل ٹھیک ہوں، میں اپنے ساتھ اپنی پوری دنیا اٹھالایا ہوں، حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا۔

تمہارے ساتھ کیا ہے؟ (حضرت امیر المومنین نے سمجھا کہ بیت المال کے لیے خرچ کی رقم لے کر آئے ہیں) میرے ساتھ میں تھیلی ہے جس میں زادراہ رکھتا ہوں، میرا پیالا ہے جس میں کھاتا ہوں، جس سے اپنا سر اور کپڑا دھوتا ہوں۔ میرے ساتھ میرا مشکیزہ ہے جس میں وضو اور پینے کا پانی رکھتا ہوں۔ ایک لمحہ توقف کے بعد پھر بولے: امیر المومنین! میرے اس سامان کے علاوہ باقی دنیا میرے لیے بے ضرورت ہے مجھے اس کی کوئی احتیاج نہیں۔''

امیر المومنین: کیا تم پیدل ہی آئے ہو؟

حضرت عمیر: ہاں اے امیر المومنین!

امیر المومنین: بیت المال سے سواری کے لیے تمہیں کوئی گھوڑا نہیں ملا؟۔

حضرت عمیر: نہ انہوں نے دیا اور نہ ہی میں نے مطالبہ کیا۔

امیر المومنین: تم بیت المال کے لیے جو رقم لائے ہو وہ کہاں ہے؟

حضرت عمیر: میں بیت المال کے لیے کچھ نہیں لایا ہوں۔

امیر المومنین: وہ کیوں؟

حضرت عمیر: حمص پہنچا تو میں نے وہاں کے صلحا کو جمع کر کے خراج کی وصولی اور اس کی فراہمی کی ذمہ داری ان کو سونپ دی تھی۔ وہ جو کچھ بھی وصول کر کے لاتے، میں ان کے مشورہ سے وہ پوری رقم مستحقین میں تقسیم کر دیا کرتا تھا، حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وجہ بتاتے ہوئے کہا۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے کاتب سے فرمایا: عمیر کے لیے حمص کی گورنری کا پروانہ تجدید تحریر کردو۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ، ص: ۲۵۱، حلیۃ الاولیا، ج: ۱، ص: ۲۴۸، موارد الظمآن، ج: ۶، ص: ۱۷۹)

حضرت عمیر کی جانچ: نہیں امیر المومنین! میں اب یہ ذمہ داری نہیں اٹھانا چاہتا، نہ آپ کے لیے نہ آپ کے بعد کسی دوسرے کے لیے۔ حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اجازت لے کر مضافات مدینہ کی ایک بستی میں چلے گئے جہاں ان کے اہل وعیال مقیم تھے۔ حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی بستی میں آئے ابھی زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی آزمائش کا فیصلہ کرلیا اور اپنے ایک قابل اعتماد شخص حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر کہا کہ حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں جاؤ اور وہاں بحیثیت مہمان قیام کرو۔ اگر تمہیں ان کے یہاں خوش حالی اور کشادگی کے آثار نظر آئیں تو فوراً واپس آ کر مجھے آگاہ کرنا اور اگر افلاس وتنگ دستی کے حالات دیکھو تو یہ سو دینار ان کے حوالے کر دینا، امیر المومنین نے دیناروں کی تھیلی ان کو تھماتے ہوئے کہا۔ حارث حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بستی میں آئے اور پتا پوچھتے ہوئے ان کے گھر پہنچے۔ ملاقات ہوئی تو ان کو سلام کیا، حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سلام کا جواب دیتے ہوئے پوچھا: کہاں سے آئے ہو؟

مدینہ سے۔

مدینہ کے مسلمان کیسے ہیں؟

بخیر وعافیت۔

امیر المومنین کیسے ہیں؟

وہ بھی بخیر وعافیت ہیں۔

اے اللہ! عمر کی مدد فرما، وہ تجھ سے بے انتہا محبت کرتے ہیں، انہوں نے آسمان کی طرف نگاہیں اٹھاتے ہوئے کہا۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ، ص: ۲۵۳، حلیۃ الاولیاء، ج: ۱، ص: ۲۴۹، موارد الظمآن، ج: ۶، ص: ۱۸۰)

حضرت عمیر کے گھر کا حال: حارث حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں مہمان کی حیثیت سے تین رات مقیم رہے۔ وہ ہر رات ان کو جو کی ایک روٹی پیش کرتے، تیسرے دن ان کے قبیلے کے ایک شخص نے حارث سے کہا کہ تم نے حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے گھر والوں کو سخت پریشانی میں مبتلا کر دیا ہے، ان کے پاس ایک ہی روٹی ہوتی ہے، یہ لوگ خود بھوک اور فاقہ کے ہاتھوں پریشان ہونے کے باوجود تم کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں اگر مناسب سمجھو تو تم میرے یہاں منتقل ہو جاؤ۔ اس کے بعد حارث نے دیناروں کی تھیلی نکالی اور لے جا کر حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے رکھ دی، حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تھیلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا: یہ کیا ہے؟

اسے امیر المومنین نے آپ کے لیے بھیجا ہے۔

اس کو واپس لے جاؤ اور ان کی خدمت میں میرا سلام پیش کرنے کے بعد کہنا کہ عمیر کو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

یہ سن کر ان کی اہلیہ بول پڑیں وہ اپنے شوہر اور مہمان کی گفتگو دروازے کی اوٹ سے سن رہی تھیں۔ عمیر! اسے لے لیجیے، آپ کو ضرورت ہو تو خرچ کیجیے ورنہ مستحقین میں تقسیم کر دیجیے۔ یہاں ضرورت مندوں اور محتاجوں کی کمی نہیں ہے۔ حارث دیناروں کی تھیلی حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے چھوڑ کر واپسی کے لیے مڑ گئے۔ حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیناروں کو لیا اور انہیں بہت سی چھوٹی چھوٹی تھیلیوں میں رکھ کر راتوں رات

ضرورت مندوں خصوصاً شہدا کی اولاد میں تقسیم کر دیا۔

(صور من حیاۃ الصحابۃ، ص: ۲۵۴، حلیۃ الاولیاء، ج: ۱، ص: ۲۴۹، موارد الظمآن، ج: ۶، ص: ۱۸۰)

دربارِ عمر میں دوبارہ طلب: ادھر حارث مدینہ پہنچے تو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے پوچھا: حارث تم نے کیا دیکھا؟

امیر المومنین! حضرت عمیر اور ان کے اہل وعیال بڑے سخت حالات سے دوچار ہیں۔

تم نے دینار ان کو دے دیے تھے؟۔ ہاں اے امیر المومنین!

انہوں نے کیا کیا؟

مجھے نہیں معلوم لیکن میرا خیال ہے کہ وہ اس میں سے ایک دینار بھی اپنی ذات پر خرچ نہیں کریں گے۔

تب حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا: ''میرا یہ خط تم کو ملے تو اسے اپنے ہاتھ سے رکھنے سے پہلے مدینہ کے لیے روانہ ہو جاؤ''۔ حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ کا رخ کیا اور دربار خلافت میں حاضر ہوئے۔ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور اپنے قریب بٹھاتے ہوئے بولے:

عمیر! تم نے ان دیناروں کا کیا کیا؟

امیر المومنین! جب وہ دینار آپ مجھے دے چکے ہیں تو اب آپ کو ان سے کیا غرض ہے؟

میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم نے ان کو کہاں خرچ کیا؟

میں نے انہیں جمع کر دیا ہے تاکہ وہ اس روز میرے کام آئیں جس روز مال اور اولاد کوئی چیز کام نہ آئے گی۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھیں چھلک پڑیں اور انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا:

عمیر! میں گواہی دیتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں سے ہو جو تنگ دستی کے باوجود اپنے

او پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔

پھر آپ نے انہیں ایک وسق غلہ اور دو کپڑے دینے کا حکم دیا۔

حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: امیر المومنین! مجھے غلہ کی ضرورت نہیں ہے۔ میں دو صاع جو گھر پر چھوڑ آیا ہوں، جب تک ہم اسے کھائیں گے، خدائے تعالیٰ ہمارے لیے رزق کا بندوبست کر دے گا، البتہ کپڑے میں بیوی کے لیے رکھ لیتا ہوں، اس کے کپڑے بالکل بوسیدہ ہو چکے ہیں۔

اس ملاقات کو ابھی کچھ زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے اپنے محبوب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملاقات کا وقت آپہنچا۔ جن سے ملنے کا شوق انہیں شب و روز مضطرب اور بے قرار رکھتا تھا، وہ سفر آخرت پر روانہ ہوئے تو اس شان سے کہ ان کے کاندھے پر دنیا کا کوئی بوجھ نہ تھا، ان کے اس سفر میں ان کے ساتھ اگر کوئی چیز تھی تو وہ ان کا نور ایمان و ہدایت اور ان کا زہد و تقویٰ تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ان کے سانحۂ ارتحال کی اطلاع پہنچی تو ان کا دل حزن و ملال سے بھر گیا اور چہرے پر رنج و الم کے آثار نمایاں ہو گئے جو ان کے اندرونی کرب کا پتا دے رہے تھے، انہوں نے حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا: کاش! میرے پاس عمیر بن سعد جیسے کچھ لوگ اور ہوتے جن سے میں مسلمانوں کے مسائل میں مدد لیتا، اللہ، عمیر بن سعد سے راضی ہو، وہ اس طرز کے یگانہ و بے مثال فرد تھے۔ (المنتظم فی تاریخ الملوک والامم، ج: ۴، ص: ۳۱۸، صور من حیاۃ الصحابۃ، ص: ۲۵۵، موارد الظمآن، ج: ۶، ص: ۱۸۱)

بے مثال سیرت: حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگرچہ یتیمی میں پرورش پائی تھی مگر پھر بھی ان کا کردار ایسا نہ تھا جیسا عام طور پر ان بچوں کا ہوا کرتا ہے جن کے والد کا سایہ ان کے سروں سے اٹھ جاتا ہے اور وہ ایک آزادانہ زندگی گزار کر بے راہ رو ہو جاتے ہیں۔ حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معاملہ یہ تھا کہ ان کی عمر کے بڑھنے کے

https://alislami.net

ساتھ ساتھ ان کی نیک نامی اور خوش خصالی کے چرچے بھی عام ہو چکے تھے، وقت بربادی کے سائے سے وہ کوسوں دور تھے، راہوں یا شاہ راہوں پر بیٹھے بیٹھے وقت کاٹ دینا، یا عبث کاموں میں مشغول ہو جانا انہوں نے سیکھا ہی نہ تھا۔ وہ اپنے ڈھونڈنے والے کو یا تو مسجد کی پہلی صف میں نظر آتے یا کسی ضرورت کے تحت گھر پر موجود ہوتے، اس کے سوا نہ تو لوگ ان کی باتیں سن پاتے نہ دیکھ پاتے، مسجد کے سوا لوگوں کی ملاقات بھی ان سے کم ہی ہوا کرتی، خوف خدا ان کی رگ و پے میں بس گیا تھا، قلب نور عبادت سے مثل آئینہ صاف وشفاف تھا،، صفات حسنہ کے مالک تھے، انہیں عادات واطوار کی بنیاد پر وہ صحابۂ کرام کے چہیتے تھے، صحابہ انہیں اپنے ساتھ بٹھانا پسند کرتے تھے۔

عبداللہ بن عمر کی نظر میں: حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا: صحابۂ کرام (چھوٹی عمر والے) میں تمہارے باپ سے افضل کوئی مسلمان نہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیضیاب ہوئے لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کسی غزوے میں شرکت کا موقع نہ مل سکا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہت محبت فرماتے اور ''نسیج وحدہ'' سے (بے مثال شخصیت) کے لقب سے یاد فرماتے تھے۔

حضرت مفضل نے فرمایا: قبیلۂ انصار میں تین زاہد عظیم الشان پیدا ہوئے۔ حضرت ابودردا، شداد بن اوس اور حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

(مشاہیر الصحابۃ، ج:۱،ص:۲۷۸، سیر اعلام النبلاء، ج:۲،ص:۱۰۵)

عمر اور ان کے ساتھیوں کی تمنا: حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کی خبر سن کر جنت البقیع کی طرف چلے، ساتھ میں کچھ احباب بھی تھے۔ حضرت عمر نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: آپ لوگ اپنی اپنی تمنا کا اظہار کرو۔ ایک صاحب بولے اے امیر المومنین! اگر میرے پاس غلام ہوتے تو میں انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے آزاد کردیتا۔ دوسرے صاحب بولے: اگر میرے پاس مال

ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اس کی راہ میں خرچ کر دیتا۔ تیسرے صاحب نے اپنی تمنا ان الفاظ میں ظاہر کی اگر میرے پاس طاقت ہوتی تو زم زم شریف سے پانی کھینچ کھینچ کر حجاج کرام کو سیراب کرتا۔ ان حضرات کی خواہشات سننے کے بعد امیر المومنین نے فرمایا: اے کاش! مجھے عمیر بن سعد جیسے لوگ مل جائیں تو میں ان سے مسلمانوں کے معاملات میں مدد حاصل کروں۔ (حلیۃ الاولیاء، ج:۱،ص:۲۵۰)

وفات: حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال کب ہوا، اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول کے مطابق خلافت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں آپ کا وصال ہوا۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ علامہ ابن اثیر کے مطابق آپ کا وصال ملک شام میں ہوا۔ علامہ ابن جوزی نے فرمایا کہ آپ کا وصال آپ کے گھر میں ہوا۔ گھر مدینۂ طیبہ سے چند میل کے فاصلے پر تھا۔
(الاصابۃ، ج:۵،ص:۳۰۲، اسد الغابہ، ج:۴،ص:۲۸۱، المنتظم فی تاریخ الملوک، ج:۴،ص:۳۱۸، تاریخ دمشق، ج:۴۶،ص:۴۹۱، حلیۃ الاولیاء، ج:۱،ص:۲۵۰)

اقوالِ زریں: ایک مرتبہ خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: اسلام ایک مضبوط دیوار ہے اور محفوظ دروازہ۔ اسلام کی دیوار عدل ہے اور اس کا دروازہ حق ہے۔ جب عدل وانصاف چھوڑا جائے گا اور حق سے منہ موڑا جائے گا تو اسلام کمزور ہو جائے گا۔ اسلام اس وقت تک محفوظ ومضبوط رہے گا جب تک سلطان وقت سختی کرتا رہے گا لیکن سلطان کی سختی کا معنی کوڑوں سے جسم کو زخمی کر دینا یا تلوار سے گردنیں اڑا دینا نہیں بلکہ سختی کا معنی ہے کہ وہ حق کے ساتھ فیصلہ کرتا رہے اور عدل وانصاف کو لازم پکڑے رہے۔ (مشاہیر الصحابۃ، ج:۱،ص:۲۷۸)

فرمان رسول پر یقین: حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جو بات سنی تھی اس پر انہیں کامل یقین تھا، وہ مکمل وثوق کے ساتھ اس پر عمل کرتے تھے جیسا کہ آنے والے واقعے سے ظاہر ہوتا ہے:

حضرت ابوطلحہ خولانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عمیر بن سعد

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملنے فلسطین میں ان کے گھر پہنچے وہ اپنے گھر چبوترے پر بیٹھے ہوئے تھے، سامنے ہی پتھر کا بنا ہوا ایک حوض تھا۔ ہم نے دیکھا کہ آپ نے ایک لڑکے کو گھوڑوں کو پانی۔ پلانے کا حکم دیا، وہ گھوڑوں کو پانی پلانے کے لیے حوض پر لے آیا۔ گھوڑوں کو دیکھ کر آپ نے فرمایا: فلاں گھوڑی کہاں ہے؟ لڑکے نے جواب دیا: اس کو کھجلی ہوگئی ہے اور جسم سے خون ٹپک رہا ہے۔ آپ نے فرمایا: اس گھوڑی کو بھی پانی پلاؤ۔ لڑکے نے کہا: اگر اس گھوڑی کو ان کے ساتھ پانی پلاؤں گا تو سب گھوڑوں کو کھجلی ہوجائے گی۔ آپ نے فرمایا: اس کو لے کر آؤ ایسا کچھ نہیں ہوسکتا کیوں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ''لاعدوی ولاطیرۃ'' کوئی مرض متعدی نہیں ہوتا۔ (ایک کا مرض اڑ کر دوسرے کو نہیں لگتا) اور بدشگونی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ کیا تم نہیں دیکھتے جنگل میں صحیح سالم جانور ہوتے ہیں پھر کھجلی کے شکار ہوجاتے ہیں تو سب سے پہلے جانور کو کس کی کھجلی اڑ کر لگی جب کہ وہاں کوئی کھجلی والا جانور موجود ہی نہ تھا۔

علما فرماتے ہیں کہ حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی ایک مرفوع حدیث حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۲،ص:۱۰۶، حلیۃ الاولیاء، ج:۱،ص:۲۵۰)

یہ تھی حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نور بار حیات جو اپنے قارئین کو اللہ و رسول (جل مجدہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی وفاداری، احسان شناسی، زہد و پرہیز گاری، دیانت داری اور احساس ذمہ داری کا سبق پڑھاتی رہے گی۔

ان کے مولیٰ کی ان پر کروروں درود
ان کی اصحاب وعترت پہ لاکھوں سلام
جس مسلماں نے دیکھا انہیں اک نظر
اس نظر کی بصارت پہ لاکھوں سلام

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

♣ ♣ ♣

https://alislami.net

ماخذ و مراجع

★ قرآن مجید

★ ابوذر غفاری مترجم، عبدالحمید جودہ

★ ارشاد الساری، علامہ احمد بن محمد ابوبکر بن عبدالملک قسطلانی، متوفی: ۹۲۳ھ

★ اسد الغابۃ، علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف با بن الاثیر، متوفی: ۶۳۰ھ

★ اکمال اکمال المعلم، امام ابوعبداللہ محمد بن خلفہ، متوفی: ۸۲۸ھ

★ اکمال الاکمال، امام محمد بن عبدالغنی بن ابی بکر بن نقطہ، متوفی: ۶۲۹ھ

★ اکمال المعلم بفوائد المسلم، امام قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی: ۵۴۴ھ

★ اکمال تہذیب الکمال، علامہ علاء الدین مغلطائی، متوفی: ۷۶۲ھ

★ الآحاد والمثانی، علامہ ابن ابی عاصم، متوفی: ۲۸۷ھ

★ الاخبار الطوال، علامہ احمد بن داؤد دینوری، متوفی: ۲۸۱ھ

★ الاستیعاب، حافظ ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن عمر بن عبدالبر، متوفی ۴۶۳ھ

★ الاصابۃ، حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ

★ الاستذکار، امام ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد قرطبی، متوفی: ۴۶۳ھ

★ الامن والعُلیٰ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ

★ البدایۃ والنہایۃ، حافظ عماد الدین ابوالفداء ابن کثیر، متوفی ۷۷۴ھ

★ البدء والتاریخ، علامہ مطہر بن طاہر مقدسی، متوفی: ۳۵۵ھ

★ البدر الطالع، شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی، متوفی: ۱۲۵۰ھ

★ التاریخ الصغیر للبخاری، امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی: ۲۵۶ھ

★ التاریخ الکبیر للبخاری، امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ

★ التعدیل والتجریح، امام ابوالولید سلیمان بن خلف بن سعد، متوفی: ۴۷۴ھ

https://alislami.net

- ★ التمہید والبیان في مقتل الشہید عثمان شیخ ابوعبداللہ محمد بن یحیٰ، متوفی: ۷۴۱ھ
- ★ التوضیح لشرح الجامع الصحیح، امام ابوحفص عمر بن علی المعروف باابن ملقن شافعی، متوفی: ۸۰۴ھ
- ★ الثقات لابن حبان، علامہ محمد بن حبان، متوفی: ۳۵۴ھ
- ★ الجامع الصحیح للسنن والمسانید، شیخ صہیب عبدالجبار
- ★ الخصائص الکبریٰ، علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ
- ★ الدولۃ الامویہ، علی محمد محمد الصلابی
- ★ الدولۃ العثمانیۃ للصلابی، علی محمد محمد الصلابی
- ★ الریاض النضرۃ، علامہ امام احمد بن عبداللہ بن محمد الطبری، متوفی: ۶۹۴ھ
- ★ الروض الانف، امام ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ سہیلی، متوفی: ۵۸۱ھ
- ★ الروض المطار فی خبر الاقطار، امام محمد بن عبداللہ بن منعم حمیری، متوفی: ۹۰۰ھ
- ★ الزہد، امام احمد بن حنبل، متوفی: ۲۴۱ھ
- ★ السنن الکبریٰ، امام ابوبکر احمد حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ
- ★ السنن الکبری للنسائی، امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی، متوفی: ۳۰۳ھ
- ★ السیرۃ الحلبیہ، شیخ امام علی بن ابراہیم بن احمد، متوفی: ۱۰۴۴ھ
- ★ السیرۃ النبویۃ عرض وقائع وتحلیل احداث، شیخ علی محمد محمد الصلابی
- ★ السیرۃ النبویہ، علامہ احمد بن زینی دحلان
- ★ السیرۃ النبویہ علی ضوء القرآن والسنہ، شیخ محمد بن محمد، متوفی: ۱۴۰۳ھ
- ★ السیرۃ النبویہ لابن اسحاق، امام محمد بن اسحاق بن یسار، متوفی: ۱۵۱ھ
- ★ السیرۃ النبویہ لابن کثیر، حافظ عماد الدین ابوالفداء ابن کثیر، متوفی ۷۷۴ھ
- ★ السیرۃ النبویہ لابن ہشام، علامہ عبدالملک بن ہشام، متوفی: ۲۱۳ھ
- ★ الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ، امام قاضی ابوالفضل عیاض، متوفی: ۵۴۴ھ
- ★ الشقائق النعمانیہ في علماء الدولۃ العثمانیۃ، علامہ احمد بن مصطفیٰ بن خلیل، متوفی: ۹۶۸ھ
- ★ العقد الفرید، امام ابوعمر شہاب الدین احمد بن محمد بن عبدربہ اندلسی، متوفی: ۳۲۸ھ
- ★ الفجر الساطع علی الصحیح الجامع، شیخ محمد فضیل شبیہی

https://alislami.net

★ القول المبین فی بیان منزلہ رسول رب العالمین، شیخ ابو یوسف خلیل بن ابراہیم عراقی
★ الکامل فی التاریخ، علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی: ۶۳۰ھ
★ الکاشف فی معرفۃ من لہ روایۃ فی الکتب الستۃ، امام شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ذہبی، متوفی: ۷۴۸ھ
★ الکشف والبیان (تفسیر ثعلبی) علامہ احمد بن محمد بن ابراہیم، متوفی: ۴۲۷ھ
★ اللباب فی علوم القرآن، امام ابوحفص سراج الدین عمر بن علی، متوفی: ۷۷۵ھ
★ اللہ والوں کی باتیں (ترجمہ حلیۃ الاولیاء) امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی، متوفی: ۴۳۰ھ
★ المحبر، علامہ محمد بن حبیب بن امیہ بغدادی، متوفی: ۲۴۵ھ
★ المختصر فی اخبار البشر، علامہ ابوالفداء عماد الدین اسمٰعیل بن علی، متوفی: ۷۳۲ھ
★ المستدرک علی الصحیحین، امام محمد بن عبداللہ ابوعبداللہ الحاکم النیشاپوری، متوفی ۴۰۵ھ
★ المعالم الاثیرہ فی السنۃ والسیرہ، شیخ محمد بن محمد حسن
★ المعجم الاوسط، امام سلیمان بن احمد الطبرانی، متوفی: ۳۶۰ھ
★ المعجم الصغیر، امام سلیمان بن احمد الطبرانی، متوفی: ۳۶۰ھ
★ المعجم الکبیر للطبرانی، امام سلیمان بن احمد، متوفی ۳۶۰ھ
★ المعرفۃ والتاریخ، علامہ یعقوب بن سفیان، متوفی: ۲۷۷ھ
★ المفصل فی تاریخ العرب، دکتور جواد علی، متوفی: ۱۴۰۸ھ
★ المفہم، علامہ ابوالعباس احمد بن عمر، متوفی: ۶۵۶ھ
★ المقتفیٰ فی سیرۃ المصطفیٰ، علامہ حسن بن عمر بن حلبی، متوفی: ۷۷۹ھ
★ المنتظم، علامہ جمال الدین ابوالفرج ابن جوزی، متوفی ۵۹۷ھ
★ المؤتلف والمختلف للدارقطنی، امام علی بن عمر دارقطنی، متوفی: ۳۸۵ھ
★ المواہب اللدنیہ، علامہ احمد بن محمد بن ابوبکر قسطلانی، متوفی: ۹۲۳ھ
★ الناہیہ عن طعن امیر المومنین معاویہ، علامہ عبدالعزیز بن احمد پریہاری، متوفی: ۱۲۳۹ھ
★ الوافی بالوفیات، علامہ صلاح الدین خلیل بن ایبک صفدی، متوفی: ۷۶۴ھ
★ الوفا بتعریف فضائل المصطفیٰ، امام عبدالرحمٰن بن علی بن جوزی، متوفی: ۵۹۷ھ

★ امتاع الاسماع، علامہ احمد بن علی بن عبدالقادر مقریزی، متوفی: ۸۴۵ھ
★ انارۃ الدجیٰ فی مغازی خیر الوریٰ، علامہ حسن بن محمد مالکی، متوفی: ۱۳۹۹ھ
★ انساب الاشراف، علامہ احمد بن یحیٰ بن جابر المعروف بلاذری، متوفی: ۲۷۹ھ
★ ایضاح الاشکال، علامہ ابوالفضل محمد بن طاہر بن علی، متوفی: ۵۰۷ھ
★ بغیۃ الطلب فی تاریخ حلب، علامہ عمر بن احمد بن عقیلی، متوفی: ۶۶۰ھ
★ تاریخ ابن خلدون، علامہ عبدالرحمن ابن خلدون، متوفی ۸۰۸ھ
★ تاریخ ابی الفداء، الدکتور اسماعیل بن ابی الفداء
★ تاریخ اسلام للذہبی، علامہ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ذہبی، متوفی: ۷۴۸ھ
★ تاریخ الخلفاء، علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی: ۹۱۱ھ
★ تاریخ الرسل والملوک (تاریخ طبری) علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری، متوفی: ۳۱۰ھ
★ تاریخ المدینہ، امام ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی، متوفی: ۴۶۳ھ
★ تاریخ ابن ابی خیثمہ، علامہ ابوبکر احمد بن ابی خیثمہ، متوفی: ۲۷۹ھ
★ تاریخ الخلفاء، علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی: ۹۱۱ھ
★ تاریخ الخمیس، علامہ حسین بن محمد بن حسن دیار بکری، متوفی: ۹۶۶ھ
★ تاریخ مدینہ دمشق، امام ابوالقاسم علی بن حسن ابن عساکر، متوفی: ۵۷۱ھ
★ تاریخ یعقوبی، شیخ احمد بن ابی یعقوب، متوفی: ۲۸۷ھ
★ تفسیر خازن، علامہ علاء الدین علی بن محمد، متوفی: ۷۴۱ھ
★ تفسیر ابن ابی حاتم، امام ابومحمد عبدالرحمٰن بن محمد، متوفی: ۳۲۷ھ
★ تفسیر ابن کثیر، حافظ عماد الدین ابوالفداء ابن کثیر، متوفی: ۷۷۴ھ
★ تفسیر احکام القرآن امام احمد بن علی ابوبکر المعروف بالجصاص، متوفی: ۳۷۰ھ
★ تفسیر الجواہر الحسان فی تفسیر القرآن (تفسیر الثعالبی) امام ابو زید عبدالرحمٰن بن محمد ثعالبی، متوفی: ۸۷۵ھ
★ تفسیر بغوی، امام ابومحمد حسین بن مسعود بغوی، متوفی: ۵۱۰ھ
★ تفسیر بیضاوی، امام ابوسعید عبداللہ بن عمر بیضاوی، متوفی: ۶۸۵ھ

- ★ تفسیر خازن، علامہ علی بن محمد خازن، شافعی، متوفی: ۷۲۵ھ
- ★ تفسیر روح البیان، علامہ اسماعیل حقی حنفی، متوفی ۱۱۳۷ھ
- ★ تفسیر سراج المنیر، علامہ شمس الدین محمد بن احمد خطیب شربینی شافعی، متوفی: ۹۷۷ھ
- ★ تفسیر صاوی علی الجلالین، علامہ احمد بن محمد صاوی، متوفی: ۱۲۴۱ھ
- ★ تفسیر صراط الجنان، مفتی محمد قاسم عطاری
- ★ تفسیر طبری، علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری، متوفی: ۳۱۰ھ
- ★ تفسیر عبدالرزاق، امام ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام، متوفی: ۲۱۱ھ
- ★ تفسیر قرطبی، علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی ۶۶۸ھ
- ★ تفسیر کبیر، امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین بن عمر رازی، متوفی ۶۰۶ھ
- ★ تفسیر مقاتل بن سلیمان، امام مقاتل بن سلیمان، متوفی: ۱۵۰ھ
- ★ تفسیر العز بن عبدالسلام، امام ابومحمد عزالدین عبدالعزیز بن عبدالسلام، متوفی: ۶۶۰ھ
- ★ تفسیر النکت والعیون، امام ابوالحسن علی بن محمد شافعی، متوفی: ۴۵۰ھ
- ★ تفسیر تبیان القرآن، علامہ غلام رسول سعیدی، متوفی: ۱۴۳۷ھ
- ★ تفسیر تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس (مرویات حضرت ابن عباس) مجد الدین ابوطاہر، متوفی: ۸۱۷ھ
- ★ تفسیر جامع البیان، علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری، متوفی: ۳۱۰ھ
- ★ تفسیر خزائن العرفان، صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مرادآبادی، متوفی ۱۳۶۷ھ
- ★ تفسیر درمنثور، علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی: ۹۱۱ھ
- ★ تفسیر غرائب القرآن، علامہ نظام الدین حسن بن محمد نیشاپوری، متوفی: ۸۵۰ھ
- ★ تقریب التہذیب، علامہ احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی: ۸۵۲ھ
- ★ تقویۃ الایمان، مولوی اسماعیل دہلوی، متوفی ۱۲۴۶ھ
- ★ تلخیص الحبیر، علامہ احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی: ۸۵۲ھ
- ★ تہذیب الاسماء واللغات، علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی: ۶۷۶ھ
- ★ تہذیب التہذیب، علامہ احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی: ۸۵۲ھ
- ★ تہذیب الکمال، علامہ جمال الدین ابویوسف المزی، متوفی ۷۴۲ھ

https://alislami.net

★ جامع الاحادیث، علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ
★ جامع الاصول، علامہ مجد الدین مبارک بن محمد شیبانی المعروف بابن اثیر جزری، متوفی: ۶۰۶ھ
★ جامع الترمذی، امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، متوفی: ۲۷۹ھ
★ جمال بلال، علامہ محمد علی رضا قادری
★ جوامع السیرہ، شیخ علی بن احمد بن سعید بن اندلسی، متوفی: ۴۵۶ھ
★ حجۃ اللہ علی العالمین، شیخ یوسف نبہانی، متوفی: ۱۳۵۰ھ
★ حدائق بخشش، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ
★ حسن المحاضرہ فی تاریخ مصر والقاہرہ، امام عبدالرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین سیوطی، متوفی: ۹۱۱ھ
★ حفظ الایمان، مولوی اشرف علی تھانوی، متوفی: ۱۳۶۲ھ
★ حلیۃ الاولیاء، علامہ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی، متوفی: ۴۳۰ھ
★ خاتم النبیین، علامہ محمد بن احمد مصطفیٰ المعروف بابن زہرہ، متوفی: ۱۳۹۴ھ
★ خطبات محرم، فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی، متوفی ۱۴۲۲ھ
★ خلاصۃ الوفاء باخبار المصطفیٰ، امام علی بن عبداللہ بن احمد سمہودی، متوفی: ۹۱۱ھ
★ خلاصۃ تہذیب تہذیب الکمال، علامہ احمد بن عبداللہ، متوفی: ۹۲۳ھ
★ خلفائے راشدین، علامہ اختر حسین فیضی مصباحی
★ دلائل النبوۃ للبیہقی، حافظ ابوبکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی: ۴۵۸ھ
★ دلائل النبوۃ لاسماعیل الاصبھانی، علامہ اسمٰعیل بن محمد تیمی اصفہانی، متوفی: ۵۳۵ھ
★ ذخائر العقبیٰ، علامہ امام احمد بن عبداللہ بن محمد الطبری، میلاد: ۶۱۵ھ
★ رجال حول الرسول، الدکتور خالد محمد خالد
★ روح المعانی، علامہ ابوالفضل شہاب الدین سید محمد آلوسی بغدادی حنفی، متوفی: ۱۲۷۰ھ
★ زادالمسیر، علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی، متوفی: ۵۹۷ھ
★ سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، علامہ محمد بن یوسف شامی صالحی، متوفی: ۹۴۲ھ
★ سلوۃ الکئیب بوفاہ الحبیب، شیخ علامہ محمد بن عبداللہ المعروف بابن ناصر الدین، متوفی: ۸۴۲ھ
★ سمط النجوم العوالی فی انباء الاوائل والتوالی، علامہ عبدالملک بن حسین مکی، متوفی: ۱۱۱۱

https://alislami.net

★ سنن ابن ماجہ، امام ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ، متوفی ۲۷۳ھ

★ سنن ابی داؤد، امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث، متوفی ۲۷۵ھ

★ سنن النسائی، امام ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی، متوفی ۳۰۳ھ

★ سنن سعید بن منصور، امام ابوعثمان سعید بن منصور، متوفی: ۲۷۷ھ

★ سوانح کربلا، صدرالافاضل سید نعیم الدین مرادآبادی، متوفی ۱۳۶۷ھ

★ سوانح حضرت ابوذر غفاری، علامہ فیض احمد اویسی، متوفی: ۱۴۳۱ھ

★ سیدنا محمد رسول اللہ، شیخ ابراہیم العرجون

★ سیر اعلام النبلاء، علامہ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ذہبی، متوفی: ۷۴۸ھ

★ سیر السلف الصالحین، حافظ ابوالقاسم اسماعیل بن محمد الاصبہانی، متوفی: ۵۳۵ھ

★ سیرۃ الصحابی الجلیل مصعب بن عمیر، شیخ عدنان بن سلیمان

★ سیرت الرسول، علامہ، جسٹس پیر محمد کرم شاہ ازہری، متوفی: ۱۴۱۸ھ

★ سیرت حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالی عنہ، طالب ہاشمی

★ شذرات الذہب فی اخبار من ذھب، علامہ عبدالحی بن احمد بن محمد، متوفی: ۱۰۸۹ھ

★ شرح المسلم، علامہ محی الدین ابوذکریا یحی بن شرف نووی، متوفی: ۶۷۶ھ

★ شرح المواہب اللدنیہ، علامہ محمد عبدالباقی زرقانی، متوفی: ۱۱۲۲ھ

★ شرح صحیح مسلم، علامہ غلام رسول سعیدی صاحب، متوفی: ۱۴۳۷ھ

★ شرح ابن ماجہ لمغلطائی، امام مغلطائی بن قلیج مصری حنفی، متوفیٰ ۷۶۲ھ

★ شرح البخاری للسفیری، علامہ شمس الدین محمد بن عمر سفیری شافعی، متوفی: ۹۵۶ھ

★ شرح السنۃ للبغوی، امام حسین بن مسعود بغوی، متوفی: ۵۱۶ھ

★ شرح الشفا، امام ملا علی بن سلطان محمد قاری، متوفی: ۱۰۱۴ھ

★ شرح بخاری لابن بطال، علامہ ابن بطال ابوالحسن علی بن خلف، متوفی: ۴۴۹ھ

★ شرح صحیح البخاری للحوینی، شیخ ابواسحاق حوینی

★ شرح مشکل الآثار للطحاوی، امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی، متوفی: ۳۲۱ھ

★ شرح معانی الآثار، امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی، متوفی: ۳۲۱ھ

★ شرف المصطفیٰ، امام ابوسعید عبدالملک بن ابی عثمان، متوفی: ۴۰۶ھ
★ شعب الایمان، امام احمد بن حسین بن علی بن ابوبکر بیہقی، متوفی: ۴۵۸ھ
★ صحیح ابن حبان، امام محمد بن حبان بن احمد، متوفی: ۳۵۴ھ
★ صحیح ابن خزیمہ، امام ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ، متوفی: ۳۱۱
★ صحیح البخاری، امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ
★ صحیح المسلم، امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری، متوفی ۲۶۱ھ
★ صفوۃ الصفوۃ، علامہ جمال الدین ابوالفرج ابن جوزی، متوفی ۵۹۷ھ
★ صور من حیاۃ الصحابۃ، الدکتور عبدالرحمن باشا
★ طبقات ابن سعد، علامہ محمد بن سعد زہری، متوفی ۲۳۰ھ
★ طبقات خلیفہ، امام ابوعمرو خلیفہ بن خیاط، متوفی: ۲۴۰ھ
★ عارضۃ الاحوذی، الامام ابن عربی مالکی، متوفی ۵۴۳ھ
★ عثمان بن عفان، شیخ محمد رضا، متوفی ۱۳۶۹ھ
★ عطر الاحبہ، شیخ بدوی مطر
★ علی بن ابی طالب، شیخ ارمان سرحدی
★ عمدۃ القاری، علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی، متوفی: ۸۵۵ھ
★ عمر بن عبدالعزیز لعلی محمد الصلابی
★ عون المعبود شرح ابی داؤد، شیخ محمد اشرف بن امیر بن علی، متوفی: ۱۳۲۹ھ
★ عیون الاخبار، علامہ ابومحمد بن عبداللہ المعروف بابن قتیبہ، متوفی: ۲۷۶ھ
★ عیون الاثر، امام محمد بن محمد بن محمد بن احمد بن سید الناس، متوفی: ۷۳۴ھ
★ غایۃ المقصد فی زوائد المسند، علامہ علی بن ابی بکر بن سلیمان ہیثمی، متوفی ۸۰۷ھ
★ فتاویٰ رضویہ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ
★ فتح الباری، علامہ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ
★ فضائل الصحابہ للامام احمد بن حنبل، امام احمد بن حنبل، متوفی: ۲۴۱ھ
★ کتاب المغازی للواقدی، علامہ محمد عمر بن الواقدی، متوفی ۲۰۷ھ

★ کرامات صحابہ، علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی، متوفی: ۱۴۰۶ھ
★ کشف الاستار، امام نور الدین علی بن ابی بکر، متوفی: ۸۰۷ھ
★ کشف المشکل، امام عبد الرحمٰن بن علی بن محمد جوزی، متوفی: ۵۹۷ھ
★ کنز الایمان، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری، متوفی: ۱۳۴۰ھ
★ کنز العمال، علامہ متقی بن حسام الدین ہندی برہانپوری، متوفی ۹۷۵ھ
★ کوثر المعانی الدراری فی کشف خبایا، شیخ محمد خضر شنقیطی، متوفی: ۱۳۵۴
★ گلستاں، علامہ، شیخ شرف الدین سعدی شیرازی، متوفی ۶۹۱ھ
★ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، امام ابو الحسن نور الدین علی بن ابی بکر ہیثمی، متوفی: ۸۰۷ھ
★ مختصر تاریخ دمشق، امام محمد بن مکرم المعروف بابن منظور، متوفی: ۷۱۱ھ
★ مدارج النبوہ مترجم، علامہ شیخ عبد الحق دہلوی، متوفی: ۱۰۵۲ھ
★ مرقات شرح مشکوٰۃ، علامہ ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ
★ مرأۃ المناجیح، مفتی احمد یار خان نعیمی، متوفی: ۱۳۹۱ھ
★ مرآۃ الجنان وعبرۃ الیقظان، امام ابو محمد عفیف الدین عبد اللہ بن اسعد، متوفی: ۷۶۸ھ
★ مستعذب الاخبار باطیب الاخبار، علامہ ابو مدین بن احمد، متوفی: ۱۱۳۲ھ
★ مسند احمد بن حنبل، امام احمد بن حنبل متوفی، ۲۴۱ھ
★ مسند البزار، امام ابو بکر احمد بن عمرو المعروف بالبزاز، متوفی: ۲۹۲ھ
★ مسند حمیدی، امام ابو بکر عبد اللہ بن زبیر حمیدی، متوفی: ۲۱۹ھ
★ مشاہیر الصحابہ، شیخ علی بن نایف شحود
★ مشاہیر علماء الامصار، علامہ محمد بن حبان دارمی، متوفی: ۳۵۴ھ
★ مصنف ابن ابی شیبہ، امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ، متوفی: ۲۳۵ھ
★ مصنف عبد الرزاق، امام ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام صنعانی، متوفی: ۲۱۱ھ
★ معارف صحابہ، (مولانا) محمد عارف برکاتی رضوی
★ معاویہ بن ابی سفیان شیخ محمد بن صقر
★ معاویہ بن ابی سفیان للصلابی، علی بن محمد محمد الصلابی

https://alislami.net

★ معجم البلدان، امام شہاب الدین ابوعبداللہ یاقوت بن عبداللہ حموی، متوفی: ۶۲۶ھ

★ معرفۃ الصحابۃ، علامہ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی، متوفی ۴۳۰ھ

★ مقالات سعیدی، علامہ غلام رسول سعیدی صاحب، متوفی: ۱۴۳۷ھ

★ موارد الظمان الی زوائد ابن حبان، حافظ نورالدین علی بن ابی بکر ہیثمی، متوفی: ۸۰۷ھ

★ نخب الافکار فی تنقیح مبانی الاخبار فی شرح معانی الاثار، علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی، متوفی: ۸۵۵ھ

★ نزہۃ القاری، حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی، متوفی: ۱۴۲۱ھ

★ نزہۃ المجالس، علامہ عبدالرحمٰن بن عبدالسلام صفوری، متوفی: ۸۹۴ھ

★ نعمۃ الباری، علامہ غلام رسول سعیدی صاحب، متوفی: ۱۴۳۷ھ

★ نہایۃ الایجاز فی سیرۃ ساکن الحجاز، شیخ رفاعۃ رافع بن بدوی، متوفی: ۱۲۹۰ھ

★ نور الیقین فی سیرۃ سید المرسلین، شیخ محمد بن عفیفی، متوفی: ۱۳۴۵ھ

★ وفاء الوفاء، امام علی بن عبداللہ بن احمد سمہودی، متوفی: ۹۱۱ھ

★ وفیات الاعیان، امام ابوالعباس شمس الدین احمد بن محمد، متوفی: ۶۸۱ھ

♣ ♣ ♣

https://alislami.net

MA'ARIF-E-
SAHABA

Vol. 1-2

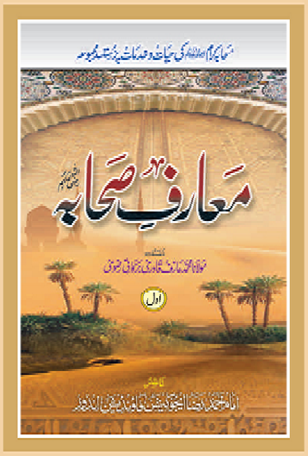

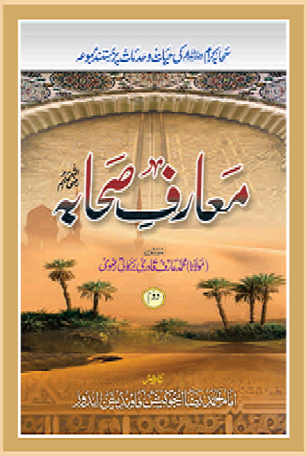

امام احمد رضا ایجوکیشن فاؤنڈیشن انڈور

- ★ امام احمد رضا ایجوکیشن فاؤنڈیشن خالص دینی وملی تنظیم ہے۔
- ★ فروغ اہل سنت کے لئے ۲۰۱۲ء میں اس تنظیم کا قیام عمل میں آیا۔
- ★ یہ تنظیم عوام میں دینی و مذہبی بیداری پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کرتی ہے۔
- ★ تنظیم علمائے اہل سنت کی تصانیف اوران کے بیانات کی سیڈیاں تقسیم کرتی ہے۔
- ★ معاشرے کو ستھرا بنانے کے لئے ہفتہ وارانہ، ماہانہ اور سالانہ جلسوں اور محفلوں کا انعقاد کرتی ہے۔
- ★ جن علاقوں میں اہل سنت کی مساجد و مکاتب نہیں ہیں وہاں انھیں قائم کرکے تعلیم کا انتظام کرتی ہے۔

IMAM AHMED RAZA EDUCATION FOUNDATION, INDIA

https://alislami.net